Writer's email address: insytfamily@gmail.com

ان کہی محبت

یاد ماضی عذاب ہے یا رب
چھین لے مجھ سے حافظہ میرا

"سارہ! ناشتہ کر کے میرے پاس آنا" چائے جوش دیتی اوپر آ رہی تھی۔ اور روٹی توے پر سینکتی وہ اپنے لیے گئے فیصلے کا جائزہ ہی لے رہی تھی کہ زینت کی آواز پر سوچ کا غبارہ پھٹا۔ اس کا دھیان ذرا کی ذرا گرتی چائے پر گیا اور فوراً ہی ہاتھ بڑھا کر ناب کو بند کر دیا۔ صد شکر چائے گرنے سے بچ گئی تھی۔ پھر گرم روٹی توے سے اتارتی ہوئی اسے مامی کا خیال آیا جو اس کے جواب کی منتظر تھیں۔

"جی مامی! ناشتہ کر کے آئی۔" اس نے جھٹ پٹ کچن سے نکل کر لیونگ ایریا کی طرف رخ کیا جہاں چوکور کھانے کی مختصر سی میز تھی۔ اس پر ناشتہ رکھ کر کرسی گھسیٹی اور بیٹھ گئی۔ بوسیدہ عمارت کے اس گھر کی لائٹ صبح چھ بجے کھلی ہوئی باہر سڑک سے نظر آ رہی تھی۔ یہ چھوٹا سا فلیٹ

تھا۔ کچن سے نکل کر بائیں طرف مرکزی دروازہ اور دائیں طرف دو کمرے۔ کچن سے ملحقہ یہ لونگ ایریا بھی اپنے اندر ایک عدد قدیم صوفہ جس کے ساتھ لگی چھوٹی میز، پھر دو قدم پر کھانے کی میز کے ساتھ لگی چار کرسیاں اور برابر دیوار سے چپکے فریج سے گھٹن زدہ لگتا تھا۔

آج پہلا دن تھا اور اسے ایک بس، پھر رکشہ پکڑ کر یونیورسٹی جانا تھا۔ وہ بغیر وقت ضائع کیے فٹافٹ روٹی کھولتی چائے میں ڈبو کر کھاتی چلی جا رہی تھی۔

''جی مامی! آپ نے بلایا؟'' جوں ہی ناشتہ ختم ہوا، اس نے کچن میں برتن دھو کر رکھے اور زینت کے پاس جا پہنچی جو فاروق کے کرتے کا بٹن ٹانک رہی تھیں۔ سارہ کی آواز پر انہوں نے دروازے کی چوکھٹ پر کھڑی اپنی بھانجی کا جائزہ لیا۔ جس نے سیاہ قمیص شلوار پہنا ہوا تھا۔ دوپٹہ کالے اور سفید امتزاج میں ڈائے ہوا حسبِ عادت کندھوں پر پھیلایا ہوا تھا۔ بائیں ہاتھ میں سادہ سی گھڑی جو وہ کافی عرصے سے پہن رہی تھی البتہ دایاں ہاتھ ہر شے سے عاری تھا۔ لمبے بالوں کی کس کر چٹیا بنائی ہوئی تھی، جو کمر پر چھپی تھی۔ چہرا بھی ہر تیاری سے عاری تھا۔ البتہ آنکھوں پر لگا چوکور کالے فریم کا چشمہ تھوڑی سی صفائی مانگتا تھا، لیکن وقت کی کمی کی ٹینشن نے اس کا دھیان کہیں اور ہی کیا ہوا تھا۔

''آ جاؤ بیٹا! ادھر آ کر بیٹھو۔'' زینت نے اسے بستر پر بیٹھنے کو کہا اور وہ سعادت مندی سے سر جھکائے ان کے پاس جا بیٹھی۔ باتھ روم سے پانی گرنے کی آواز اس کے کانوں میں پڑ رہی تھی۔ فاروق غسل کر رہے تھے۔ انہیں بھی آفس کے لیے جو نکلنا تھا۔ زینت بغور سارہ کو دیکھے گئیں اور لفظوں کی تمہید باندھنے لگیں۔ معاملہ ایسا تھا کہ کہنا بھی ضروری تھا، حالانکہ وہ جانتی تھیں کہ سارہ کا کردار کیسا تھا۔ پھر بھی ذمہ داری تھی لہٰذا فرض پورا کرنا تھا۔

''بیٹا! آج سے جس ماحول میں تم پڑھنے جا رہی ہو۔ اس کے بارے میں مجھے اتنا علم

نہیں۔ بس اگر معلوم ہے تو صرف یہ کہ سنا ہے بہت آزادانہ ماحول ہوتا ہے۔ تمہاری ضد تھی آگے پڑھنے کی۔ اور تمہاری اس ضد میں، میں نے تمہارا ساتھ اس لیے دیا کیوں کہ میں خود اتنی پڑھی لکھی نہیں۔ تعلیم شعور دیتی ہے اگر اس کا استعمال ڈھنگ سے کیا جائے۔ تم تو ویسے بھی پڑھائی لکھائی میں بہترین رہی ہو۔ اسی لیے مجھے یہ ہی بہتر لگا کہ اپنے شوہر کے خلاف اس بات پر کم از کم کھڑی ہو سکوں کہ تمہیں پڑھائی کے حق سے نہ روکا جائے۔ پر تم اپنے ماموں کا مزاج خوب جانتی ہو۔ ان کے لیے یہ سب بے کار ہے۔'' وہ ٹھہر ٹھہر کر لفظ ادا کر رہی تھیں۔

ان کا طرز ہی ایسا تھا۔ دھیما اور ٹھہرا ہوا۔ سارہ انہیں نظریں جھکائے سن رہی تھی۔

''وہ آج بھی تمہاری جلد شادی کرانے کی ٹھانے ہوئے ہیں بیٹا۔ اور اگر کوئی اچھا بھلا رشتہ آ گیا تو وہ نہیں رکیں گے۔ بلکہ اس فرض سے جلد سبکدوش ہوں گے۔ خیر......'' شادی کا نام سنتے ہی اسے چڑ سی محسوس ہوئی، پر چہرا ہنوز ویسا ہی تھا۔ دل البتہ بے چین ہو کر دعا گو ہوا کہ شادی کا معاملہ کم از کم چار سال کی پڑھائی تک نہ آئے۔

''آج کا معاشرہ ویسے بھی خراب ہے۔ لڑکیوں کی شادی جلد کرنے میں بھی کوئی قباحت نہیں، لیکن بلاوجہ جب تک رشتہ نہ آئے خوامخواہ لڑکی کو گھر بٹھائے رکھنا میرے حساب سے غلط ہے۔ پھر تم جہاں پڑھنے جا رہی ہو وہاں تمہیں داخلہ اپنے بل بوتے پر ملا ہے۔ تو اس میں تمہارے ماموں کو کوئی مالی نقصان تو نہیں ہو رہا۔ تب ہی وہ راضی بھی ہو گئے۔ ورنہ تمہارا آگے پڑھنا ناممکن تھا۔ اچھا رشتہ آئے گا وہ دیر نہیں کریں گے۔ پر تب تک تم اعلیٰ تعلیم کے چکر میں کوئی ایسا قدم مت اٹھانا کہ میرا سر شرم سے جھک جائے۔''

اور سارہ کی آنکھوں میں نمی سے مرچیں لگنے لگی تھیں۔ اپنی قسمت کی ستم ظریفی پر روتی نہیں تو اور کیا کرتی۔

”تمہارے ماں باپ کے جانے کے بعد ہم نے تمہیں پالا ہے۔ لہٰذا تم ہماری ذمہ داری ہو۔ معاشرہ خراب ہے۔ قدم پھونک کر رکھنا۔ ہر کسی کی باتوں میں نہ آجانا۔ اب تک تمہارا سامنا لڑکیوں سے ہی تھا۔ جو ہمارے جیسی عام گھرانوں سے تعلق رکھتی ہیں لیکن بڑے کالج کے بچے بھی بڑے گھرانوں سے ہوتے ہیں۔ اور ان کی تربیت بھی اس انداز سے کی جاتی ہے کہ میں اور تم کیا ہی سمجھیں گے۔ تمہیں دھیان رکھنا ہوگا صنفِ مخالف سے بھی۔“ انہوں نے آنکھوں کو مزید وا کر کے سارہ سے تصدیق مانگی جس نے سر کو جنبش دی تھی۔ ماں باپ کا ذکر دل نچوڑ کر رکھ دیتا تھا۔

”آپ بے فکر رہیں، میں ایسا کوئی کام نہیں کروں گی۔ میرا مقصد صرف پڑھائی مکمل کرنا ہے۔ آپ لوگ جہاں بھی کہیں گے میں وہاں شادی بھی کرلوں گی۔“ وہ دو پل کے لیے بھول گئی تھی کہ ماموں سے منت سماجت بھی اسی بات پر ہوئی تھی کہ رشتہ آیا تو وہ شادی سے راضی ہو جائے گی۔ اپنی خواہش کے آگے اس نے اپنی زندگی کو بلی چڑھا دیا تھا۔ سارہ وہاں سے اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔ سنگھار میز پر لگے دھندلے شیشے میں اپنا عکس دیکھتے ہوئے جو آنسو بہنے کو بے تاب تھے پلکوں کی باڑ توڑ کر برس پڑے۔ نہ جانے کیوں جب بھی اس کے ماں باپ کا ذکر آتا وہ انہیں یاد کر کے ایسے ہی رو پڑتی تھی۔

اس کے ماموں مامی نے اس کا خیال تو رکھا تھا لیکن قدامت پرست ہونے کی وجہ سے اس کے پَر کاٹ دیئے تھے۔ وہ جو منفرد اور کھلے ذہن، ماحول میں پلی بڑھی تھی۔ یہ گھر اسے قید خانہ محسوس ہوتا تھا۔ یہ بات تو سچ ہے کہ ماں باپ جیسا پیار کوئی نہیں دیتا۔ اس کے ماموں انتہائی سخت مزاج کے اکھڑ مرد تھے۔ ان سے بات کرنا تو دور، وہ اس کی شکل تک دیکھنا پسند نہیں کرتے تھے۔ کبھی کبھی سارہ کو شک ہوتا تھا کہ ماموں سگے نہیں سوتیلے ہیں۔ اس کے

برعکس اس کی مامی نے پھر بھی اس کا تھوڑا بہت خیال رکھا تھا لیکن اپنے شوہر کے آگے ان کی بھی کہاں چلنی تھی۔ یوں سمجھ لیں جیسے تیسے گاڑی چل رہی تھی۔

سارہ زیادہ تر اپنے کمرے میں ہوتی یا پھر مامی کے ساتھ گھر کے کاموں میں مدد کروا دیا کرتی تھی۔ ان دونوں کے درمیان بھی ضرورت کے تحت ہی بات چیت ہوتی تھی۔ وہ ہنستی چہکتی ہوئی بچی کہیں کھو گئی تھی۔ خود کو گھٹن زدہ ماحول سے نکالنے کے لیے سارہ کے پاس ناولوں اور کہانیوں کی الگ دنیا بسی تھی۔ کام سے فراغت پا کر وہ کمرے میں ہی بند رہا کرتی تھی اور مختلف کہانیاں پڑھا کرتی تھی۔ اس کی خاموش طبیعت کے باعث دوستوں کی تعداد بھی نہ ہونے کے برابر تھی۔ وہ انجانے خول میں بند تھی جس کے بارے میں وہ خود بھی ناواقف تھی۔ احساس کمتری اور بچپن کا دل دہلا دینے والا حادثہ اس کی پرسنالٹی پر گہرا اثر کر گیا تھا۔ وہ کبھی کبھی سوچتی تھی کہ اگر لڑکا ہوتی تو شاید اس کے ماموں کا رویہ ایسا نہ ہوتا۔ شاید وہ اس کے ساتھ دوستانہ رویہ رکھتے اور اس کی زندگی اچھی گزرتی۔

شیشے میں خود کو دیکھتے ہوئے اس کا دھیان اپنے چہرے پر جا ٹھہرا۔ وہ عام شکل کی لڑکی تھی۔ مشکلات اور پریشانیوں کے باعث فطری حسن ماند پڑ گیا تھا۔ چمکتا گندمی رنگ کہیں کھو گیا تھا۔ خوبصورت نین نقش اداسیوں کے بادلوں میں چھپ سے گئے تھے۔ وہ ہر لحاظ سے تھکی تھکی قلق میں ڈوبی ہوئی لگتی تھی۔ بظاہر کوئی بھی اسے دیکھ کر ایک عجیب ہی خیال تصور کر لیتا تھا۔ کیوں کہ معاشرہ ظاہری حسن سے انسان کی پہچان بنا لیتا ہے۔ گہرائی میں جانے کی کون کوشش کرتا ہے؟ بند کتاب کو کھولنے والے کہاں ہوتے ہیں۔ سرورق ہی سے اندازہ لگا کر کتاب کو بورنگ سمجھ کر وہیں چھوڑ دیتے ہیں۔ اور یہ ہی اس کی زندگی کا خلاصہ تھا۔

اپنا چہرا شیشے میں دیکھتے ہوئے وہ سوچ رہی تھی کہ جہاں وہ پڑھنے جا رہی ہے وہاں اس

جیسی کی کیا اوقات ہو گی۔ اس کے چہرے پر اس کو ایسی کوئی بات نہیں لگتی تھی جو اسے دوسروں کی نظر میں حسین یا منفرد بنائے۔ نا جانے کیوں مامی کو اس پر اتنے شکوک تھے کہ وہ غلط راہ اپنا لے گی۔ اپنا موٹا بھدا سا چشمہ آنکھوں پر سے اتار کر اس نے امڈتے آنسوؤں کو ہاتھوں کی پشت سے روکا، پھر خود کو بمشکل کمپوز کیا اور واپس کالی فریم آنکھوں پر سجالی۔ جس نے اس کا آدھا چہرا چھپا دیا تھا۔ اگر اسے کبھی خود پر غور کرنے کی فرصت ملتی تو شاید یہ سب سے پہلے اسی چشمے سے چھٹکارا پاتی، پر ذہنی منتشر کا شکار اور قنوطیت میں ڈوبا ہوا شخص یہ سب کہاں سوچتا ہے۔ وہ تو سوچوں کی ڈوروں میں ایسا الجھا ہوتا ہے کہ خود کو آزاد بھی نہیں کر پاتا۔

بس میں ڈیڑھ گھنٹے کا سفر طے کر کے وہ مطلوبہ جگہ پر پہنچی جہاں سے اسے اب رکشہ پکڑنا تھا۔ بس میں لوگوں کی بھیڑ، دھول مٹی گرمی پسینہ، حال تو ابھی سے بیڑا غرق تھا۔ اس نے ہاتھ میں پکڑے ٹشو سے منہ کو صاف کیا اور ایک رکشے کی طرف اشارہ کیا جو اسی جانب آ رہا تھا۔ رکشے میں بیٹھ کر وہ اس مشہور اور معروف یونیورسٹی کے مین گیٹ کے پاس جا پہنچی تھی۔ کرایہ دے کر اس نے مین گیٹ کی طرف رخ کیا اور قدم کچھ پل تو وہیں رک گئے۔

تو آج اس کا خواب پورا ہونے جا رہا تھا۔ کالج کے دنوں سے جو خواہش تھی کہ اچھی یونیورسٹی سے پڑھے گی، وہ آخر کو پورا ہو رہا تھا۔ اس یونیورسٹی کی ایک سمیسٹر کی فیس بھی اس کے ماموں فاروق کی ماہانہ تنخواہ سے دگنی تھی۔ سارہ نے خوب محنت سے ٹیسٹ میں ڈسٹنکشن پا کر مکمل اسکالرشپ حاصل کی تھی۔ یوں وہ فری آف کاسٹ وہاں پڑھ سکتی تھی کیونکہ اس کا سابقہ نتیجہ بھی قابل تعریف تھا۔ یونیورسٹی کی طرف سے ایسے ذہین بچوں کو یہ پروٹوکول دیا جاتا تھا۔ اس نے بھاری ہوتے پیر سے قدم آگے کو بڑھائے۔ دل کی دھڑکن بھی تیز محسوس ہو رہی تھی۔

خواب اگر حقیقت بن کر سامنے آجائے تو کچھ پل تو یقین کرنے میں ہی نکل جاتے ہیں۔ خاص طور پر ایسے خواب جن کا پورا ہونا نظر نہیں آتا۔

گیٹ پر چوکیدار کو اپنا آئی ڈی کارڈ دکھا کر وہ دوسرے طلبا کے ساتھ داخل ہو گئی تھی۔ یونیورسٹی کی عالیشان عمارت بانہیں کھول کر اس کا استقبال کر رہی تھی۔ اس نے مسکرا کر خواب کو پورا ہوتے دیکھا تھا۔ آنکھیں پرنم تھیں۔ اس نے پلکیں جھپک کر آنسو اندر پی لیے اور اب جو طلبا پر نظر پڑی تو خود کو احساس کمتری کا شکار محسوس کرنے لگی تھی۔

یہ ایک مشہور یونیورسٹی تھی جہاں زیادہ تر پوش علاقے کے بچے آتے تھے اور اس جیسے سمجھ لیں، آٹے میں نمک کے برابر ہوں گے۔ اسے سارا ڈر اسی بات کا تھا کہ وہ ان جیسی بالکل نہیں تھی بلکہ بہت مختلف تھی۔ پر خواہش کے آگے یہ سب کون سوچتا ہے۔ وہ تو جب سامنا ہوتا ہے تو لگ پتا جاتا ہے۔ یہاں کے طلبا کے ساتھ پڑھنا اور ان کا سامنا کرنا بھی اس کے لئے ایک امتحان کے برابر تھا۔

سارہ بہت ذہین تھی، اپنی مالی حالت دیکھ کر وہ چاہتی تو کسی بھی چھوٹی یونیورسٹی سے پڑھ سکتی تھی لیکن اسے خود کو ثابت کرنا تھا کیونکہ وہ بہت لائق تھی اور اس کے علاوہ اس کے پاس ایسا کچھ تھا بھی نہیں۔ اس کے ماموں اس کی شادی کر دیتے اور پھر زندگی کا اپنے لیے کوئی مقصد نہ رہتا۔ ماموں فاروق اس کی یونیورسٹی جانے پر اس ہی لیے مانے تھے کہ انہیں اپنے پاس سے کچھ نہیں دینا پڑے گا۔ سارا خرچہ یونیورسٹی اٹھا لے گی۔ اپنی قسمت کو اوپر والے پر چھوڑ کر وہ آگے بڑھ گئی، اسے اندازہ نہیں تھا کہ یہ ایک فیصلہ اس کی پوری زندگی بدل دے گا۔

☆......☆......☆

”آپ لوگوں کو یہاں سے اب پریکٹیکل ہونا ہوگا، جوانٹر اور اے۔ لیولز تک آپ لوگوں

نے زندگی گزاری ہے، وہ صرف ایک ٹریلر تھا اور پکچر تو ابھی باقی ہے۔" سر کی یہ بات سن کر سب ہنس پڑے تھے۔ ٹائم ختم ہوا اور ریاضی کی کلاس سے سب نکلنے لگے۔

"یار! مجھے تو ریاضی کے سبجیکٹ سے ہی ڈر لگتا ہے، اتنا خوفناک سبجیکٹ ہے۔" زنیرہ نے سارہ سے کہا۔

"ہاں خوفناک تو ہے، لیکن کرنا پھر بھی پڑے گا۔" سارہ نے کہا۔ پورے دن میں یہ اس کی تیسری کلاس تھی اور اسے اپنی کلاس میں صرف زنیرہ ہی سمجھ میں آئی تھی۔ زنیرہ دیکھنے میں پیاری سی تھی، اس کے بھورے گھنگریالے بال تھے اور جلد کا رنگ سانولا تھا پر چہرہ پر کشش تھا۔ مزاج کی بہت اچھی، 'ڈاؤن ٹو ارتھ' تھی اور مزاحیہ ہونے کے ساتھ ساتھ فلمی بھی تھی۔ اس کے علاوہ جتنے بھی طلبا تھے وہ ہائی فائی تھے جن سے سارہ کو چڑ ہوتی تھی۔

"تم نے کس کالج سے پڑھا ہے زنیرہ؟" سارہ نے پوچھا۔

"یار! تم اتنا لمبا نام نہ لو، مجھے زونی بلاؤ، سب یہ ہی بلاتے ہیں۔" زنیرہ نے کہا۔ جس پر سارہ نے اسے مسکرا کر سر کو جنبش دی تھی۔ زنیرہ کو بھی سارہ بھلی لگی تھی۔ کم از کم باقیوں سے تو یہ ہی بہتر تھی۔ احساس کمتری کا شکار وہ خود بھی تھی۔ پوش علاقے کے طلبا کا ان سے کوئی میل نہ تھا۔

آخری کلاس لے کر اور زنیرہ کو اللہ حافظ کہہ کر وہ واپس پہلے رکشہ میں اور پھر بس میں بیٹھ کر گھر چلی گئی تھی۔ اس کا روز کا اب یہ ہی معمول ہونا تھا یا سمجھ لیجئے خواری لیکن اس نے ٹھان لی تھی کہ اس تعلیم کے لئے وہ یہ بھی روز کرنے کو تیار ہے۔ اس کے ماموں اسے ماہانہ خرچہ دے دیا کرتے تھے جس سے وہ روز اپنے آنے جانے کا خرچہ بمشکل اٹھاتی تھی۔ رہی کھانے کی بات تو گھر سے لے جانا زیادہ صحیح سمجھتی تھی کیونکہ اس کی یونیورسٹی میں یہ تمام اشیاء اس کی پہنچ سے دور تھیں۔ اس طرح وہ اپنے پیسے بچا لیا کرتی تھی جو اسے دوسری چیزوں میں کام آجاتے

تھے۔ جہاں سب طلبا یونیورسٹی میں مزے کرتے، اُدھم مچاتے اور اس کے بعد گھر میں سوشل میڈیا پر سٹیٹس اپڈیٹ کرتے، وہاں سارہ اپنے چھوٹے سے کمرے میں بیٹھ کر اپنی کتابوں میں ڈوبی رہتی یا گھر کے کاموں میں مصروف۔ اس کے پاس کمپیوٹر کی سہولت تھی اور نہ ہی اچھا اینڈرائیڈ فون تھا۔ یہ تو بس ایک سستا سا سادہ سا فون تھا جس پر وہ کال، میسج یا الارم سیٹ کرلے۔ ماں باپ کے ساتھ بھی اس کی مالی حالت بہترین نہ تھی پر ظاہری سے قابل بہتر تھی۔ لیکن وہ غربت سے کبھی نہ گھبرائی۔ اسے ان سب چیزوں کا شوق بھی نہیں تھا اور نہ ہونے کا افسوس بھی نہیں۔ وہ ایک خوددار لڑکی تھی اور اتنی بڑی یونیورسٹی میں پڑھنے کے باوجود بھی اسے اس بات سے فرق نہیں پڑتا تھا کہ جو دوسروں کے پاس آرام و آرائش ہے وہ اس کے پاس کیوں نہیں؟

اس کا شوق تو بس اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا تھا۔ اور اس ناممکن کو ممکن بنانے کے لیے جنون اس کی رگوں میں دوڑنے لگا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ یونیورسٹی بلکہ بہتریں یونیورسٹی سے پڑھنا خارج از امکان تھا، لیکن اس نے ٹھان لیا تھا کہ یہ تو کم از کم اپنی زندگی میں کر کے رہے گی۔ ہمیشہ پڑھائی میں ٹاپ آنے والی سارہ اپنی زندگی یوں ماموں کی پسند کے لڑکے سے شادی کرنے پر ختم نہیں کرنا چاہتی تھی۔ وہ کچھ حاصل کرنا چاہتی تھی اور اسی جستجو میں اس نے انتھک محنت کر کے ناممکن کو ممکن بنا دیا تھا۔

اگر باقیوں کے پاس روپیہ پیسہ دکھاوا تھا تو اس کے پاس ذہانت تھی۔ اور اسی کو اپنا بہترین اثاثہ سمجھ کر اس نے خود میں اعتماد بحال کیا تھا۔ وہ بند کتاب تھی اور بند ہی رہنا چاہتی تھی۔ اپنا مقصد بس پورا کرنا تھا۔ اور کچھ نہیں۔

☆......☆......☆

''ایک تو یہاں ایک سمسٹر چار مہینے کا، اس میں بھی دو آر لیز اور ایک فائنل امتحان، یہ ہی نہیں اس کے علاوہ تو کئی دس بیس ٹیسٹ پھر پریزنٹیشنز، اتنا سب، اس کے بعد بھی تم لڑکوں کی ہی باتیں کرتی ہو بلکہ ان سے دوستی کرنے کے لئے بھی ٹائم نکال لیتی ہو۔'' سارہ نے زنیرہ سے زچ ہو کر کہا جو مستقل اسے مختلف لڑکوں کے بارے میں بتا رہی تھی۔

''ارے بھئی تم نہیں سمجھوگی۔ کبھی کتاب سے سر اٹھاؤ تو تم کو پتہ بھی چلے۔ لڑکوں سے دوستی کے لئے ٹائم نہیں نکالنا پڑتا وہ تو یوں ہی ہو جاتی ہے۔'' زنیرہ نے اترا کر کہا۔

''مجھے تو سمجھ نہیں آتا کہ تمہیں لڑکوں میں دکھتا کیا ہے۔'' سارہ نے کہا۔

''ہائے سارہ، کیا بتاؤں یار، یہ ہی تو تفریح ہے۔ تم رہنے دو تمہارے لئے یہ سب سوچنا مشکل ہے۔'' زنیرہ نے کہا۔

''میرے پاس ویسے بھی اتنا فضول ٹائم نہیں ہے ان باتوں کے لئے۔ آر لیز سر پر ہیں۔ تمہیں بھی یہی مشورہ دوں گی اپنا ذہن لڑکوں سے ہٹاؤ اور یہ لو نوٹس! ان میں دھیان لگاؤ۔'' سارہ نے اکنامکس کے نوٹس اس کے ہاتھ پر مارتے ہوئے کہا۔ وہ دونوں باسکٹ بال کورٹ میں بیٹھی تھیں جو باہر بنا تھا اور یہاں اکثر چھٹی کے وقت پریکٹس بھی کھڑی ہوتی تھی۔ اس کے علاوہ اکثر یہاں لڑکے لڑکیاں کچھ ایکٹیوٹیز کرتے، پڑھائی کرتے کھیلتے۔ اس باسکٹ بال کورٹ کے چاروں طرف پاتھ بنا ہوا تھا جس پر یہ دونوں بیٹھی ہوئیں اس وقت مائیکرو اکنامکس پڑھ رہی تھیں یا یوں سمجھ لیں سارہ زنیرہ کو پڑھا رہی تھی۔ باسکٹ بال کورٹ کے ساتھ ایک سڑک نکل رہی تھی جو کہ اس یونیورسٹی کے پچھلے گیٹ سے آتی تھی اور اس سڑک کے ایک طرف یہ باسکٹ بال کورٹ تو دوسری طرف ایک بلڈنگ تھی جو کہ ایکٹیوٹی سنٹر کہلاتا تھا۔ اس عمارت کے دو دروازے تھے۔ ایک مرکزی گیٹ جو سیج کامن میں کھلتا تھا۔ یہاں طلبا کی

سہولت کے لیے آرام دہ صوفے موجود تھے۔ جہاں وہ تھکن دور کرنے کے لیے آرام کرتے تھے۔ یا موج مستی باتوں میں وقت گزارتے تھے۔ یہ طلبا کی خاص جگہ تھی لہٰذا یہاں وہ کوئی بھی تفریحی پروگرام کر سکتے تھے۔ اس سے ملحقہ ایک بہت بڑا کیفے تھا۔ جو شاندار بنایا گیا تھا۔ روز کھانے کے مینیو مختلف ہوتے، پھر چائے اور دیگر اشیاء کی سہولت فراہم ہوتیں۔ آئے دن تو یہاں سال گرہ یا پارٹی منائی جاتی تھی۔ اس کے اوپری حصے پر بھی کئی کمرے تھے جہاں سوسائٹیز کے کام ہوتے اور ساتھ ہی ایک ٹک شاپ تھی جہاں پرنٹنگ فوٹو کاپی کورس بکس سب سہولتیں میسر تھیں۔ اس ایکٹیویٹی سینٹر میں مختلف سوسائٹیز اپنی ایکٹیویٹیز کیا کرتی تھیں۔ اس بلڈنگ سے سیدھا آؤ تو ایک چھوٹا سا صحن نما کمرہ تھا جہاں موسمی پھلوں کے جوسز ملتے تھے تب ہی یہ جگہ سیزنز کہلائی جاتی تھی۔ اس کی ایک دیوار کانچ کی تھی اور باہری دروازہ تھا جس سے باہر دیکھو تو وہ ہی سڑک اور پھر باسکٹ بال کورٹ نظر آتا تھا۔

ابھی یہ دونوں ڈیمانڈ سپلائی کے گراف پڑھ ہی رہی تھیں کہ اچانک سے بہت سارے لڑکے سیزنز کے دروازے سے نکلے اور باسکٹ بال کورٹ میں آ کے باسکٹ بال کھیلنے لگے۔ سارہ جو اپنے نوٹس میں مصروف تھی اس ہی میں لگی رہی لیکن زنیرہ کی توجہ اب ان لڑکوں کی طرف ہو گئی تھی۔

"ارے سارہ! وہ دیکھو زین۔" زنیرہ نے سارہ کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف متوجہ کرنا چاہا۔

"کون زین بھئی۔" سارہ جو اپنے نوٹس میں مصروف تھی سر جھکائے ہی بولی۔

"کیا؟! تم زین کو نہیں جانتی۔" زنیرہ کا شاک دیدنی تھا۔

"میں کسی زین وین کو نہیں جانتی، مجھے اپنے نوٹس پڑھنے دو پلیز۔" سارہ نے ازلی بیزاریت سے کہا۔

’’ارے تم سر تو اٹھاؤ اور وہ دیکھو وہ رہا زین۔‘‘ زنیرہ نے اس کا چہرا ٹھوڑی سے پکڑ کر اٹھایا اور مطلوبہ سمت پر موڑا، پر بے سود، وہ کوئی ردعمل ظاہر کیے بنا پھر نیچے نوٹس میں مصروف ہو گئی۔

’’ہائے تمہیں پتہ ہے یہ یونیورسٹی کا سب سے اسمارٹ اور ہینڈسم لڑکا ہے۔‘‘ زنیرہ نے سارہ سے کہا۔

’’ویسے یہ ہے تھرڈ سمسٹر کا لیکن اتنے اچھے گڈ لکس ہونے کی وجہ سے تم جانتی ہو صرف اس کے بیچ کی لڑکیاں ہی نہیں بلکہ اس سے جونیئرز اور اس سے کچھ سینئرز بھی اس پر مرتی ہیں۔‘‘ زنیرہ نے سارہ سے کہا، پر یہ باتیں سارہ کے کہاں سمجھ میں آنی تھیں۔ وہ زنیرہ کی باتیں ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے نکال رہی تھی۔ اسے اس وقت کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ زنیرہ کی باتوں کا کیا جواب دے، اس لیے خاموش رہنا ہی بہتر سمجھا۔

’’سارہ! دیکھو تو یار کیا بھاگتا ہے۔ ویسے تمہیں ایک بات بتاؤں۔‘‘ زنیرہ نے پر تجسس انداز میں کہا۔

’’میں منع کروں گی تو کیا نہیں بولو گی؟‘‘ سارہ کی بات پر زنیرہ ہنس پڑی۔

’’یار! میں نے سنا ہے اس کی ایک گرل فرینڈ ہے۔‘‘ زنیرہ نے کہا۔

’’چلو شکر ہے ورنہ تم سمیت باقی سب لڑکیاں جو اس پر مرتی ہیں اپنا نمبر آنے کا انتظار کرتیں۔‘‘ سارہ نے اس کی طرف دیکھا پھر واپس نوٹس میں لگ گئی۔

’’ارے یار! اگر اس کی گرل فرینڈ نہیں بھی ہوتی تو بھی کون سا میرا نمبر آ جاتا۔ یہ ہیں بھی پوش علاقے کے رہنے والے، اسے ہم کہاں سمجھ میں آئیں گے۔ ویسے دیکھا جائے تو اس کے لیول کی لڑکی ہی اس کے ساتھ اچھی لگے گی۔ مجھ جیسے کی یہاں پر دال نہیں گلنے والی۔‘‘

زنیرہ نے منہ بسورے کہا جس پر سارہ ہنس دی۔ وہ بھی سارہ کی طرح ان طلبا سے چڑ

محسوس کرتی تھی جن کو آج کی زبان میں 'برگر بچے' کہا جاتا تھا۔

یہاں باسکٹ بال کورٹ میں دو ٹیمیں تھیں۔ ایک ارسلان کی اور دوسری زین کی۔ ارسلان اور زین دونوں ہی پکے دوست تھے پر اس وقت دونوں اپنی اپنی ٹیم کے لیڈر بن کر ایک دوسرے کے مخالف کھیل رہے تھے۔ ارسلان کے پاس اس کی ٹیم کے ایک لڑکے نے گیند پھینکی جو ارسلان نے پکڑی اور اب وہ اپنی مخالف ٹیم کی باسکٹ سے اتنا قریب تھا کہ آرام سے شاٹ لگا سکتا تھا۔ اس نے گیند باسکٹ میں ڈالنے کے لیے اچھالی ہی تھی کہ زین اس کی بائیں طرف سے آیا اور زور سے گیند کو مار دیا۔ سارہ جو اپنے بیگ سے پانی کی بوتل نکال کر پانی پینے لگی تھی اچانک اپنی جگہ سے اچھل پڑی۔ گیند کا رخ اس کی طرف تھا جو بوتل پر زور سے آ کر لگی تھی اور سارا پانی اس کے نوٹس پر گر گیا تھا۔ تھوڑی دیر کے لیے تو اسے سمجھ نہیں آیا ہوا کیا۔ پھر جیسے ہی نوٹس پر نظر پڑی تو زور کا جھٹکا لگا۔ اپنی محنت سے بنائے ہوئے نوٹس کی سیاہی کو وہ پانی میں بہتا دیکھ رہی تھی۔

''سارہ! تم ٹھیک تو ہو نا؟'' زنیرہ اچانک چلائی۔ گیند کی رفتار تیز تھی۔ پھر لگی ہاتھ کی پشت پر تھی۔ پر ہاتھ کا درد کہاں محسوس ہو رہا تھا۔ اس سے بڑھ کر نقصان تو زمین بوس تھا۔

''میرے نوٹس۔'' زنیرہ کی آواز پر وہ بمشکل شاک سے نکلی کہ چیخ پڑی۔ زنیرہ کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ سارہ کی طرح وہ بھی پریشان ہو گئی تھی۔ پر جب اس کی نظر زین پر پڑی جو بھاگتا ہوا ان لوگوں کے پاس آ رہا تھا تو یکلخت وہ نروس ہوئی۔

''سارہ! زین آ رہا ہے۔'' زنیرہ نے زیرِ لب کہا۔

''میرے نوٹس زونی۔'' وہ زنیرہ کی بات پر شدید مشتعل ہوئی۔ اس کا کتنا بڑا نقصان ہوا تھا اور وہ ابھی بھی زین کے گن گا رہی تھی۔

''ہاں مجھے معلوم ہے لیکن سارہ زین ابھی یہاں آرہا ہے۔'' زنیرہ نے لفظوں پر زور دے کر اسے ریلیکس رہنے کو کہا۔

''تو میں کیا کروں۔'' وہ پھٹ پڑی۔

''سوری گائز، آپ لوگوں کو بال لگ گئی۔'' زین نے دونوں سے کہا تھا۔ زنیرہ تو زین کو پاس دیکھ کر خاصا گھبرا گئی تھی پر سارہ غصے سے آگ بگولہ تھی۔ زین کے معذرت کرنے کے باوجود بھی اسے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ وہ اس کے ساتھ کیا کردے۔

''ٹھیک سے کھیلنا نہیں آتا آپ کو، اتنا بڑا کورٹ ہے، بال یہیں پھینکنی تھی۔'' اور آتش فشاں پھٹ پڑا۔

''بہت معذرت۔ میں نے جان کر نہیں کیا، غلطی سے ہوا ہے۔'' زین نے باور کرانا چاہا پر وہ کہاں سن رہی تھی۔

''ہاں ہاں۔ ارے کوئی بات نہیں ایسا تو ہو جاتا ہے ہمیں بالکل بھی برا نہیں لگا۔'' زنیرہ نے آگے بڑھ کر زین سے مسکرا کر کہا۔

''کیا مطلب برا نہیں لگا۔ میرے سارے نوٹس برباد کردیئے اور تم کہتی ہو برا نہیں لگا۔'' سارہ نے زنیرہ کی حرکت پر اسے بھی لپیٹا۔

''دیکھیں آئی ایم سوری۔ میرا مقصد آپ کی طرف بال پھینکنا نہیں تھا۔'' زین نے پھر سے سمجھانا چاہا۔

''پر اب تو پھینک دی، نقصان تو کردیا نا۔'' سارہ نے تنک کر کہا۔

''ارے سارہ! کیا کہہ رہی ہو۔'' زنیرہ نے سارہ کو بازو سے پکڑ کر اپنی طرف کیا اور کان میں سرگوشی کی تاکہ وہ اپنا غصہ ختم کردے پر کوئی فرق نہیں پڑ رہا تھا۔

”دیکھیے، میں پھر معذرت کرتا ہوں۔ آپ کا جو نقصان ہوا ہے میں نے جان کر نہیں کیا ہے پر اگر آپ برا نہ مانیں تو یہاں پر لائبریری بھی ہے۔ اگر آپ کو پڑھنا ہی ہے تو وہاں پڑھیں، یہاں پر باسکٹ بال میچ ہو رہا ہے اور اس طرح بال آئے گی۔“ اب وہ بھی گرم ہوا۔

”اب آپ مجھے مشورہ دیں گے کہ مجھے کہاں پڑھنا ہے اور کہاں نہیں؟“ سارہ نے موقع ہاتھ سے جانے نہ دیا اور دھاڑی۔

”ارے زین، چھوڑو اس کو۔ یہ تو ایسے ہی بس، آپ جاؤ اپنا گیم کھیلو ہم لائبریری میں ہی پڑھیں گے آپ ٹینشن نہ لو۔“ زنیرہ نے زین کو تسلی دینی چاہی تاکہ معاملہ رفع دفع کرے اور سارہ کا ہاتھ کھینچتی ہوئی اسے وہاں سے لے گئی۔

”سارہ! کیا ہو گیا ہے تم کو۔ ایسے تھوڑی کرتے ہیں۔“ باسکٹ بال کورٹ سے تھوڑی دور جا کر زنیرہ نے اسے سمجھانا چاہا تھا۔

”کیا مطلب ہے تمہارا؟ اب تم بھی اس کی حمایت کرو گی؟ اس کی غلطی نہیں تھی؟“ پر سارہ کہاں نارمل ہوئی تھی۔ غصہ اب بھی شدید تھا۔

”غلطی اس کی ہی تھی پر وہ معذرت کر تو رہا تھا لیکن تم مزید بحث کیوں کر رہی تھیں اس سے! بیچارہ کب سے سوری کہہ رہا تھا۔“ زنیرہ نے افسوس کیا۔

”زنیرہ! تم اس بیچارے کے افسوس میں یہاں رہو میں جا رہی ہوں۔“ وہ اسے ملامتی نظروں سے گھورتی پیر پٹختی ہوئی وہاں سے یہ جا وہ جا۔

”کہاں؟“ اس کے اچانک جانے پر زنیرہ نے پیچھے سے آواز لگائی۔

”لائبریری۔“

☆......☆......☆

''آجاؤ آجاؤ بس چل رہی ہے آجاؤ۔'' کنڈکٹر کی آواز گونجتی ہوئی کانوں میں پڑ رہی تھی۔ وہ جو سٹاپ سے دور تھی، بھاگتے ہوئے آگے بڑھی تھی۔ پر بھیڑ ہونے کے باعث وہ پہنچنے سے قاصر تھی۔

''بھائی! رکو مجھے چھوڑ کر مت جانا۔ میری منزل چھوٹ جائے گی۔ بھائی۔'' وہ چلاتی ہوئی جیسے تیسے خود کو بھیڑ سے آزاد کرتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی۔ پر فاصلہ کم نہیں ہو رہا تھا۔

''آجاؤ آجاؤ۔ بس جا رہی ہے جس نے آنا ہے آجاؤ۔'' کنڈیکٹر اسے بنا دیکھے اپنی دھن میں سب کو آگاہ کر رہا تھا کہ سواری چڑھ جائیں ورنہ بس چل پڑے گی۔

''نہیں بس نہیں چلانا۔ منزل چھوٹ جائے گی۔ بھائی سنو۔ ہٹو راستہ دو مجھے۔'' وہ اردگرد چڑھتے لوگوں کو ہٹانے کی کوشش میں ناکام تھی۔ جیسے وہاں بھیڑ میں عدم تھی۔ کوئی اسے سن نہیں رہا تھا۔ کوئی اس کی طرف متوجہ نہیں تھا۔ کنڈیکٹر نے سیٹی بجا کر ڈرائیور کو بس چلانے کا اشارہ کیا تو سارہ حواس باختہ ہوئی۔

''چل بھائی! سب چڑھ گئے۔''

''نہیں میں ہوں۔ مجھے بھی جانا ہے۔۔ منزل چھوٹ جائے گی۔ بھائی۔'' وہ حلق کے بل چیخی تھی پر بے سود۔ بس چل پڑی تھی۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے بس کو جاتا دیکھ رہی تھی۔

''ب......بس......منزل چھوٹ جائے گی۔۔ مت جاؤ۔'' میکانکی انداز میں لب ہلاتے ہوئے وہ یک ٹک بس کو جاتا دیکھ رہی تھی۔ آنکھیں پرنم تھیں۔ کنڈیکٹر کی دوسری سیٹی پر اچانک اس کے حواس بحال ہوئے تو اندھا دھند وہ بس کے پیچھے بھاگنے لگی تھی۔

''رکو بھائی! بس روکو۔'' وہ چیخ رہی تھی، چلا رہی تھی پر اس کی سننے والا کوئی نہیں تھا۔ وہ نیچے بنا دیکھے بس کے پیچھے بھاگ رہی تھی کہ یکا یک پتھر سے پیر ٹکرایا اور فلک شگاف چیخ اس کے

حلق سے نکلی تھی۔

وہ ایک جھٹکے سے بستر سے اٹھی تھی۔ بال دائیں بائیں شانوں پر جھول گئے تھے۔ چہرا پسینے سے تر تھا۔ تنفس تیز تھا۔ بہت تیز۔ دل کے تیز دھڑکنے کی آواز کانوں تک جا رہی تھی۔ اس نے آنکھیں ارد گرد گھما کر جائزہ لیا تو خود کو اپنے کمرے میں پایا۔ کھڑکی سے صبح کی دھوپ پردے کے ذریعے چھنتی ہوئی آ رہی تھی۔ ہلکی ہلکی مدھر ہوا سے پردہ ہل رہا تھا۔ اسے کچھ پل لگے تھے سمجھنے کے لیے کہ جو کچھ ہوا تھا دراصل خواب تھا۔ وہ ہی خواب جو اسے کئی دن سے اپنی گرفت میں لیے ہوے تھا۔ اور اسے پریشان کر دیتا تھا۔ لائٹ نہ ہونے کی وجہ سے پنکھا بند تھا۔ اس نے پہلے تو لمبے لمبے سانس لے کر خود کو نارمل کرنا چاہا۔ خواب سوچوں پر حاوی تھا۔ وہ اس کا مطلب اخذ کرنے میں ناکام تھی۔ کیوں بار بار وہ یہ ہی خواب دیکھا کرتی تھی؟ بستر سے اتر کر اس نے پیروں میں چپل پہنی۔ پھر بالوں کا جوڑا بنا لیا۔ اگلا خیال اسے وقت کا آیا تو جھٹکے سے پیچھے مڑی۔ دیوار پر آویزاں گھڑی صبح کے نو بجا رہی تھی۔ ایک لحظہ کے لیے ٹینشن کا شکار ہوئی پر اگلے ہی پل اسے احساس ہوا کہ آج اتوار کا دن تھا اور یونیورسٹی آف تھی۔ شکر کا سانس لے کر اس نے خیالوں کو جھٹکا اور باتھ روم کی طرف رخ کر لیا۔

''آ گئیں تم؟'' وہ فریش ہو کر کچن میں گئی تو زینت نے اسے آتا دیکھ کر کہا۔

''جی آپ اٹھا دیتیں۔'' اس نے سراسیمہ ہو کر کہا۔

''کوئی بات نہیں۔ یونیورسٹی جاتی ہو تھک جاتی ہو۔ میں آلو کی سبزی بنا رہی ہوں۔ چائے رکھ دی ہے۔ تم آٹا نکال کر فٹافٹ ناشتے کے لیے پراٹھے بنا لو۔'' زینت نے کہا تو وہ سر کو جنبش دے گئی۔ گھر کے کام میں متحرک تھی لہٰذا اس وقت بھی اس نے فوراً کیبنٹ سے تھال نکالا اور آٹا ڈال کر گوندھنا شروع کر دیا۔

”تمہاری یونیورسٹی کیسی جارہی ہے؟“ زینت نے پوچھا۔

”جی مامی اچھی جارہی ہے اور امتحان بھی اچھے ہوئے ہیں میرے۔“ سارہ نے کہا۔ یونیورسٹی شروع ہونے کی وجہ سے سارہ کا آدھا دن وہیں نکل جاتا تھا۔ جب گھر آتی تو اپنی مامی کی گھر کے کاموں میں مدد کروادیا کرتی اور اِتوار کے دن زیادہ تر وہ ہی کام کرتی تھی تاکہ زینت کو آرام مل سکے۔ یونیورسٹی کے اوقات کی وجہ سے فاروق اور سارہ کا سامنا رات کے کھانے پر ہوتا تھا۔ وہ کوشش بھی یہ ہی کرتی تھی کہ تمام کام ماموں کے آنے سے پہلے نبٹالے اور پھر کمرے میں پڑھائی لے کر مصروف ہوجائے۔ اس میں بھی کئی بار اسے فاروق کے طنز اور طعنے گھیر لیا کرتے تھے۔ وہ لڑکیوں کو پڑھانے کے قائل نہیں تھے۔ ان کے نزدیک یہ وقت کا ضیاع ہے۔ پر وہ کچھ نہ کہتی۔ چپ چاپ ان کی باتیں سن لیتی۔ اور پڑھائی کے دوران اگر وہ کام دیتے تو حکم بجالاتی۔ وہ اس کے سربراہ تھے۔ پھر جیسے بھی تھے۔ اگر وہ چھت نہ دیتے تو سماج اسے روند ڈالتا۔ ایسے میں وہ ان سے کوئی بدتمیزی نہیں کرسکتی تھی۔ اس کے برعکس زینت کا لہجہ اور رویہ سارہ کو لے کر نرم تھا۔ البتہ وہ ایک حد میں رہ کر اپنے جذبات کا اظہار کیا کرتی تھیں کیونکہ جرأت اپنے شوہر کے خلاف جانے کی ان میں بھی نہ تھی۔ لہٰذا سارہ کو ان کا رویہ غیر جانبدار ہی ملتا۔

سارہ جس ماحول میں رہ رہی تھی وہ کسی بھی شخص کے لئے آسان نہیں تھا۔ وہ ایک مستقل دباؤ اور مختلف سوچوں میں پھنسی رہا کرتی تھی۔ اس کے اطراف کے ماحول کو مدنظر رکھتے ہوئے زینت نے ہمت جمع کر کے اپنے شوہر سے سارہ کی آگے پڑھنے کی حمایت کی تھی۔ پر تب تک جب تک کوئی اچھا رشتہ نہ آجائے۔ اسی شرط پر فاروق کے فیصلے میں لچک پیدا ہوئی اور انہوں نے اجازت دے دی تھی۔ کچھ پل تو سہی لیکن اسے گھٹن زدہ ماحول سے نکل کر اپنی

خواہش کے مطابق سانس لینے کا موقع مل جاتا تھا۔ اور وہ رب کی اس نعمت پر خوش تھی۔

☆......☆......☆

پرنسپل آف مینجمنٹ کے سر کی کلاس تھی۔ آخری کے کچھ منٹ رہ گئے تھے جب وہ کلاس کو پریزنٹیشن کا طریقہ اور کہاں سے معلومات لینی ہے بتا رہے تھے۔

''آپ لوگ اپنے امتحان سے قبل جو ہفتہ آئے گا اس میں اپنی رپورٹس جمع کروائیے گا اور پریزنٹیشن بھی میں اس ہی ہفتے میں لوں گا۔'' سر طلبا سے مخاطب ہوئے۔

''سر! ساری معلومات کہاں سے ملیں گی؟'' ایک طالب علم نے پوچھا۔

''آپ لوگ لائبریری میں جو کتابیں ہیں ان سے معلومات لے سکتے ہیں، اس کے علاوہ انٹرنیٹ سے نکال سکتے ہیں لیکن چھپا چھپایا کام نہیں چاہیے مجھے۔'' سر نے کہا۔

''آپ لوگوں کو کسی بھی کمپنی کی مندرجہ ذیل معلومات لکھنی ہیں۔ یہ سب انٹرنیٹ سے بھی مل جائیں گی اور آپ چاہیں تو کمپنیز بھی چلے جائیں۔ لیکن یاد رکھیں آپ کی اپنی کوشش مجھے زیادہ پسند آئے گی۔ اگر کسی کا بھی چھپا ہوا کام دیکھا تو میں وہیں پوری رپورٹ ریجیکٹ کر دوں گا۔'' سر نے کہا۔ تھوڑی دیر اور اسی بات پر بحث مباحثہ ہوئی اور پھر کلاس ختم ہوگئی۔

''آج تو سر بہت سخت ہوگئے، نہیں؟'' زنیرہ نے سارہ سے کہا۔

''ہاں لیکن اب تو ہر ٹیچر ایسا ہی ہوگا ظاہر ہے فائنل امتحان جو ہیں، سب اپنے رنگ دکھائیں گے۔'' سارہ نے کہا۔ وہ دونوں کلاس سے نکلتی ہوئی راہداری میں چل رہی تھیں۔

''خیر یہ بتاؤ اب رپورٹ بنائیں کیسے؟'' سارہ نے پوچھا۔

''چلو ایک کام کرتے ہیں، لائبریری چلتے ہیں اور دیکھتے ہیں اگر کوئی کتاب مل جائے تو۔'' زنیرہ نے مشورہ دیا۔

وہ دونوں اکیڈیمک بلڈنگ سے نکلیں۔ اس بلڈنگ کے اطراف میں دونوں طرف چھوٹے چھوٹے باغ تھے اور ساتھ ہی چلنے کے لئے روش بنی ہوئی تھی جس پر وہ چلتی ہوئیں لائبریری کی بلڈنگ میں جا پہنچی تھیں۔ اس یونیورسٹی کی ساری عمارتیں ایک سڑک سے جڑی ہوئی تھیں اور ہر بلڈنگ کے ساتھ چلنے والوں کو پاتھ کی سہولت فراہم تھی۔ لائبریری میں داخل ہوں تو عین وسط میں میزیں تھیں جو ایک دوسرے سے جڑی ہوئی تھیں اور اطراف میں کرسیاں موجود تھیں جس پر طلبا بیٹھے کسی نہ کسی کتاب کی ورق گردانی میں مصروف تھے۔ اطراف میں لکڑی نما کیوبکل خانے تھے۔ ہر کیوبکل میں ایک کمپیوٹر کی سہولت تھی۔ اس طرح بے تحاشا کمپیوٹر لائبریری کے اس فلور پر موجود تھے۔ دوسرا مالا بھی اسی طرز پر مزین تھا اور تمام کتابوں کا ذخیرہ لائبریری کی بیسمنٹ میں موجود تھا۔ وہ دونوں منتخب کتاب کے لیے بیسمنٹ کا رخ کر گئیں جو سیڑھیوں سے اتر کر تھا۔

یہاں بہت ساری کتابیں تھیں۔ ہر موضوع کے لئے الگ الگ شیلف بنے ہوئے تھے۔ بالکل ڈومینوس کی طرح۔ ایک قطار سے شیلف رکھے گئے تھے اور اگر ایک شیلف بھی گرا تو سمجھو سارے گر جاتے۔ وہ دونوں باری باری کر کے ہر شیلف کو دیکھتی جاتیں اور جہاں مینجمنٹ کے حوالے سے کتابیں موجود تھیں وہاں جا کر کھڑی ہو گئیں۔ وہ دونوں ہر کتاب نکال کر دیکھنے لگی تھیں ساتھ ہی مختلف باتوں میں بھی مگن تھیں۔

”سارہ! اس میں دیکھو شاید اس میں وہ معلومات موجود ہے۔“ زنیرہ نے ایک کتاب سارہ کو تھمائی جو دوسری طرف متلاشی نگاہوں سے کتاب ڈھونڈ رہی تھی۔ زنیرہ سارہ کی قابلیت پہلے سمسٹر کے امتحان میں ہی جان گئی تھی لہٰذا وہ پڑھائی کا سارا ملبہ بھی اسی پر ڈالتی تھی۔ اور اس بات سے سارہ بھی واقف تھی کہ زنیرہ پڑھائی کی چور ہے۔ بس اپنے انٹرسٹ کا سبجیکٹ

اچھے سے کرلیا کرتی تھی۔ باقی اللہ اللہ خیر سلا۔

''یار! تمہیں ایک بات بتاؤں۔'' وہ ورق پلٹتے ہوئے مطلوبہ سبق ڈھونڈ رہی تھی جب زنیرہ نے سوچتے ہوئے کہا۔

''ہمم۔'' سارہ نے ہنکار بھرا۔ وہ توجہ کتاب میں ہی مرکوز کیے ہوئے تھی۔

''سب لوگ کہہ رہے ہیں کہ زین شازیہ کو لے کر بہت سنجیدہ ہے۔'' زنیرہ کا کہنا تھا اور سارہ سوچ میں پڑ گئی۔ اس نے الجھے ہوئے ذہن سے زنیرہ کو دیکھا جس کا انداز بے تحاشا سنجیدہ تھا۔ سارہ کو شازیہ کا خیال تھا اور نہ زین کا۔ وہ سوالیہ نگاہوں سے زنیرہ کو دیکھنے لگی تھی۔

''تمہیں زین یاد نہیں؟'' اسے پزل دیکھ کر زنیرہ کو اچھنبا ہوا۔

''نہیں زین کون؟ کوئی ہماری کلاس سے ہے؟'' سارہ نے پوچھا۔ اور زنیرہ نے ماتھا پیٹ لیا۔

''ارے وہ ہی جس نے یاد نہیں باسکٹ بال کورٹ میں تمہارے سارے نوٹس خراب کر دیئے تھے۔'' زنیرہ کے بتانے پر اس کے دماغ کا وہ ڈھکن کھلا جس میں وہ فضول باتوں اور ازحد بیکار لوگوں کو رکھ کر بند کر دیا کرتی تھی۔ اور ایسے لوگوں اور باتوں کو بھولنے میں ہی بھلائی سمجھتی تھی۔ سارہ کو فوراً تمام واقعہ یاد آ گیا اور جیسے ہی زین کا چہرہ دماغ میں ابھرا۔ وہ غصے سے پھر سے آگ بگولہ ہو گئی تھی۔

''اس کا تو نام بھی مت لینا میرے سامنے۔'' سارہ نے طیش میں آ کر کہا۔

''اوہو۔ تم اپنا غصہ چھوڑو اور میری بات سنو۔ اپنی تازش نہیں ہے کلاس کی۔ اس نے مجھے بتایا تھا کہ زین کی گرل فرینڈ کا نام شازیہ ہے اور شاید عنقریب وہ اسے پرپوز کرے گا۔'' زنیرہ کا اسے خبر دینا نہایت زچ کر گیا۔ اتنے اہم کام کے دوران بھی اسے زین اور شازیہ کی لو

سٹوری پر دماغ کھپانا مناسب لگا تھا۔ وہ ضبط سے زنیرہ کو دیکھے گئی اور مٹھی غصے سے بند کر کے سارا غصہ پیتی گئی۔ زنیرہ نے معصومیت سے اس کو دیکھا۔

''تم کچھ نہیں کہو گی؟ اگر زین نے شازیہ کو پرپوز کر دیا تو پتہ ہے کیا ہو گا۔ بالکل فیری ٹیل والی سٹوری بنے گی۔'' اس کی بے ربط باتوں کا سارہ کیا جواب دیتی۔ زنیرہ تھی ہی ایسی۔ سارہ نے سرد سانس اندر کو کھینچی۔ وہ اسے چپ بھی کروا دیتی تو بھی زنیرہ بے نقط کہتی لہٰذا غصے کو تھپ تھپا کر سلانا ہی بھلا تھا۔ ویسے بھی سارہ کو اس کی باتوں کی عادت ہو گئی تھی۔ اس نے چڑی ہوئی مسکراہٹ سے زنیرہ کو دیکھا اور اسے بغل گیر کیا۔

''اور تم ان پر ایک کتاب لکھو گی۔ زین اور شازیہ کی پریم کہانی۔ جسے سب پڑھیں گے۔ بلکہ میں بھی پڑھوں گی۔ کیونکہ مینجمنٹ پڑھنے سے کچھ حاصل نہیں۔ ہم انہی لوگوں کی باتیں اپنے پرچے میں لکھ دیتے ہیں۔'' اس کے بے لچک انداز میں زنیرہ کی طرح ہی اترا کر کہنا زنیرہ کو ہنسا گیا۔

''کیا واقعی؟'' زنیرہ نے بھی پرجوشی سے کہا۔

''ہاں نا، میں یہاں اتنی دور کراچی کے اس پوش علاقے میں زین اور شازیہ کی کہانی سننے تو آتی ہوں۔ قسم سے دن نہیں گزرتا میرا۔'' سارہ کا انداز زنیرہ کی ہنسی نہیں روک رہا تھا۔

''اب بہت ہو گیا۔'' زنیرہ نے سارہ سے کہا جو اسے چھیڑ رہی تھی۔

''تو یہی تو میں کہہ رہی ہوں۔ اب بس کر دو۔ یہ لوگ ویسے بھی اٹینشن سیکر ہوتے ہیں۔ اور تم ان کے چنگل میں پھنس جاتی ہو۔'' وہ پل بھر میں برہم ہوئی تو زنیرہ کی مسکراہٹ سکڑ گئی۔

''کیا مطلب تمہارا۔'' وہ شکن آلود ماتھے سے اسے دیکھنے لگی۔

''ارے زونی! تمہیں ان لوگوں کا نہیں پتہ۔ آج کسی اور کے ساتھ اور کل کسی اور کے

ساتھ۔ یہ لوگ کبھی بھی ایسے جذبات کو سنجیدہ نہیں لیتے اور ان کے لئے یہ سب بہت عام سی بات ہوتی ہے۔'' سارہ نے کہا۔

''نہیں یار، ایسی بات نہیں ہے۔ زین ایسا لڑکا نہیں ہے اور میں نے سنا ہے کہ دونوں ایک دوسرے کو بہت زیادہ پسند کرتے ہیں۔ تم کیسے یہ سب کہہ سکتی ہو جبکہ تمہیں ان دونوں کے بارے میں کچھ معلوم بھی نہیں۔'' زنیرہ نے پوچھا۔ آخر زین کا دفاع بھی تو کرنا تھا۔

''زونی! میں یہاں کے لوگوں کو جانتی ہوں۔ سارے ایک جیسے ہی ہیں۔ مجھے تو سمجھ میں نہیں آتا کہ اگر اتنی تفریح کرنی ہی تھی تو یونیورسٹی پڑھنے کیوں آتے ہیں۔ یہ سارے کام تو یونیورسٹی کے باہر بھی ہو سکتے ہیں۔'' سارہ جز بز ہوئی۔

''کہیں تمہارا اِشارہ میری طرف تو نہیں؟'' زنیرہ نے برجستہ پوچھا۔

''ارے نہیں بہن! میں تمہاری بات تھوڑی کر رہی ہوں۔ کیا مجھے تمہارا نہیں پتا۔ میں تو ان لوگوں کی باتیں کر رہی ہوں جو پوش علاقے سے تعلق رکھتے ہیں اور ہر وقت ان کی یہی کوشش ہوتی ہے کہ لوگ ان کے بارے میں ہی باتیں کریں۔ ان پر ہی تبصرے ہوں۔ وہ ہر وقت لوگوں کے لئے توجہ کا مرکز بننا چاہتے ہیں۔ ایسے کاموں میں یہ لوگ آگے سے آگے ہوں گے لیکن پڑھائی میں صفر۔'' سارہ نے کہا۔

''ویسے سارہ! ایک بات بولوں ایسی بات نہیں ہے۔ زین پڑھائی میں بہت اچھا ہے اور جس طرح سے تم بہت اچھے مارکس لے کر آتی ہو نا، زین بھی بالکل ویسا ہی ہے۔ فرسٹ سیمسٹر سے اب تک سب سے زیادہ اس کے ہی مارکس ہیں۔'' زنیرہ نے کہا۔ پر سارہ اب اس کی جانب متوجہ ہونے کے بجائے مختلف کتابیں نکال رہی تھی اور ورق پلٹ پلٹ کر رکھتی جا رہی تھی۔

"یار! ان لوگوں کے لیے یہ سب معنی نہیں رکھتا اور تمہیں کسی نے غلط ہی کہا ہوگا۔ اسے دیکھ کر کہیں سے ایسا نہیں لگتا کہ وہ پڑھائی میں سنجیدہ ہے۔ اور ویسے بھی تم ان سونے کے چمچ لے کر پیدا ہونے والوں کو نہیں جانتیں۔ یہ پاس ہوں یا فیل۔ اِن کے پاس اتنا پیسہ ہے۔ پھر لگا دیں گے۔ ان کا کیا جارہا ہے۔" سارہ نے کہتے کہتے ایک اور کتاب نکالی اور ورق پلٹنے لگی۔ یونیورسٹی کے برگر بچوں سے اسے سخت چڑ تھی۔ وہ کیوں نارمل انداز میں زندگی نہیں گزارتے تھے؟ کیوں خود کو دوسروں سے الگ اور نایاب تصور کرتے تھے؟ اس کا اشتعال سر چڑھ رہا تھا۔

زنیرہ اسے خاموشی سے سنتی جارہی تھی۔

"پیسوں کی قدر یہ کہاں جانیں! ہر دن کبھی کسی کے ساتھ تو کبھی کسی کے ساتھ۔ یہ صرف ایسا اس لیے کرتے ہیں تاکہ تم جیسے لوگ اِن کی روز واہ واہ کریں۔ تمہیں کیا ہوا؟" کتاب کھنگالتے ہوئے اس نے جوں ہی زنیرہ کی طرف دیکھا تو پوچھ ڈالا۔ زنیرہ کا چہرا ساکت تھا اور آنکھیں پھٹی پھٹی تھیں۔ سارہ کو اسے دیکھ کر حیرانی ہوئی۔

"کیا ہوا خیریت تو ہے؟" سارہ نے پھر پوچھا تو بدلے میں زنیرہ جو ٹکٹکی باندھے اس کے عقب میں دیکھ رہی تھی بھنوؤں سے ہی اسے بھی پیچھے دیکھنے کا اشارہ کیا۔

"کیا ہوا؟ ایسے کیا کر رہی ہو؟" سارہ زنیرہ سے کہہ کر جیسے ہی پیچھے مڑی تو اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے ہی رہ گیا۔ اس کے عقب میں کھڑا چوڑی اور مضبوط جسامت کا شخص اسے تنقیدی نگاہوں سے گھور رہا تھا۔ چہرے کا نقشہ بتا رہا تھا کہ وہ سب کچھ سن چکا ہے جو یہ موصوفہ اس کے بارے میں کہہ رہی تھی۔ اس کے کولون کی خوشبو تو ویسے بھی اطراف میں پھیل رہی تھی پر سارہ جو پہلے تو طیش کے عالم میں تھی اور اب ایسا محسوس کر رہی تھی جیسے روح کانپ رہی ہو۔ اس کا دھیان اس خوشبو کی طرف گیا ہی نہیں۔ شاید وہ کسی کی موجودگی محسوس کر کے چپ ہو

جاتی۔ پرکولون اور پرفیومز کی خوشبوئیں آنا اس یونیورسٹی میں عام بات تھی۔

زین لمبے قد کاٹھ کا تھا جسے دیکھنے کے لیے سارہ کو اپنا چہرا اوپر کرنا پڑ رہا تھا۔ وہ اس سے قد میں چھوٹی تھی اور اس کا تاثر ہی سارہ کو مرعوب کر گیا تھا۔ وہ پھر بھی ڈٹی رہی۔ وہیں کھڑے زین کو دیکھتی رہی۔ اکڑ تو اس میں بھی خوب تھی۔

''تمہاری رائے ہم جیسے لوگوں کے لیے کیا ہے وہ تو میں سن چکا ہوں۔'' آواز میں کٹیلا پن لیے اس نے کہنا شروع کیا۔ ''اور تمہاری سوچ کا بھی اندازہ لگا سکتا ہوں کہ یہ کتنی گر سکتی ہے۔'' اس کا لہجہ زنیرہ کو بھی گھبراہٹ میں مبتلا کر گیا۔

''تمہیں کوئی حق نہیں پہنچتا کہ تم کسی کے بھی بارے میں بات کرو، وہ بھی اسے جانے بغیر۔ تم کتنا جانتی ہو مجھے؟ بتاؤ۔'' وہ ایک قدم آگے جارحانہ انداز میں بڑھا تو وہ دو قدم گھبراہٹ سے پیچھے ہٹی۔

''کیا لے کر پیدا ہوا ہوں میں؟...... ہاں......سونے کا چمچ۔'' زین نے طنزیہ کہا۔ ''رئیس خاندان سے تعلق ضرور ہے لیکن مجھے لوگوں کی عزت اور ان کی قدر کرنی آتی ہے۔ اور ہمیں اپنے گھر میں یہ ہی سکھایا جاتا ہے کہ کسی کو جانے بغیر اس کے بارے میں رائے نہ دی جائے اور جان بھی لیا ہو تو بھی خاموشی میں ہی بھلائی ہے۔''

زین کہہ کر چلا گیا اور سارہ ساکت و بے حرکت وہیں کھڑی رہ گئی۔ اس کی باتیں تیر کی طرح لگی تھیں اور اسے پہلی بار احساس ہوا کہ آج اس نے بہت بڑی غلطی کر دی تھی۔ جو اس کے ساتھ ہوتا رہا تھا آج وہ ہی اس نے کسی اور کے ساتھ کر دیا تھا۔ اسے شرمندگی محسوس ہونے لگی تھی۔ وہ زنیرہ سے بھی نظریں نہیں ملا پا رہی تھی۔ پہلی بار اسے احساس ہوا تھا کہ جو وہ ہمیشہ سے جھیلتی آ رہی تھی آج خود بھی وہی کر بیٹھی تھی۔ زین نے دو منٹ میں اس کی اکڑ ختم

کر دی تھی اور اسے ندامت میں چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ وہ پہلی بار کسی لڑکے کے سامنے چپ تھی۔ زین اس پر غالب جو ہو گیا تھا۔ سارہ اپنی جگہ غلط تھی۔ اگر صحیح ہوتی تو مقابل شخص اس کے طیش کی آگ کا نشانہ ضرور بنتا۔ پر یہاں وہ نشانے پر تھی۔

''سارہ! تم ٹھیک ہو؟'' زنیرہ نے سارہ کی حالت کا جائزہ لیتے ہوئے نرمی سے پوچھا۔

''ہاں! میں ایک کام سے جا رہی ہوں۔ تم سے بعد میں ملتی ہوں۔'' سارہ نے کہا۔

''یار! تم اب اسے کچھ مت کہنا۔'' زنیرہ نے التجاء کی۔

''بے فکر رہو! مجھے اس کے منہ لگنے کا شوق بھی نہیں ہے۔'' سارہ رکی نہیں اور لائبریری سے باہر چلتی چلی گئی۔ آنکھوں میں آنسو اُمڈ آئے تھے اور اسے ایسی جگہ تلاش کرنی تھی جہاں وہ چھپ جائے۔ وہ آئی ٹی بلڈنگ اور لائبریری کے بیچ میں جہاں چھوٹا سا باغ تھا وہاں کھڑی تھی کہ اسے آئی ٹی بلڈنگ کے ساتھ کونے میں جگہ ملی۔ یہ عمارت گول بنی تھی اور باؤنڈری وال کے ساتھ مل کر کونے میں ایک کھانچا بنا رہی تھی۔ سارہ کی نظر یہاں جیسے ہی پڑی وہ اس طرف چلی گئی۔ اچھی خاصی جگہ تھی یہاں پر۔ اس بلڈنگ کی ایک کھڑکی یہاں بھی کھلتی تھی اور ساتھ چھوٹا سا چبوترا تھا، جس پر وہ جا بیٹھی۔

جو لڑکی ساری زندگی اپنے حوالے سے دوسروں کی باتیں سنتی آ رہی تھی۔ آج اِن میں ہی شامل ہو گئی تھی۔ اسکول ہو یا کالج اسے ایسے لوگوں کا سامنا ہمیشہ کرنا پڑا تھا جو اسے دیکھ کر غلط رائے قائم کر دیں اور مذاق بنائیں۔ وہ اپنے کیے پر حیران تھی۔

مسلسل بغیر پلکیں جھپکائے وہ سامنے دیوار کو تکے جا رہی تھی۔ لائبریری میں ہونے والا واقعہ بار بار فلم کی طرح اس کی نظروں کے سامنے گزر رہا تھا۔ اس سے غلطی سرزد ہوئی تھی اور اب تصحیح بھی خود ہی کرنی تھی، لیکن یہ مرحلہ اس کے لئے مشکل تھا۔ کیوں کہ اگر زین کی جگہ کوئی

لڑکی ہوتی تو یہ سب کرنا آسان تھا لیکن اسے زندگی میں پہلی بار کسی لڑکے سے اپنے کیے پر معذرت کرنی تھی۔ معاملہ تو پیچیدہ تھا۔

☆......☆......☆

دسمبر کا مہینہ تھا اور سردی کی آمد آمد۔ سورج بھی خوب آرام کر کے طلوع ہوتا اور سردی کے باعث جلد ہی غروب ہو جاتا۔ دن مختصر تھے اور ٹھٹھرنے اور سردی کو انجوائے کرنے میں تیز رفتاری سے نکل رہے تھے۔ کراچی والوں کو ویسے بھی جس طرح کی گرمی کا سامنا کرنا پڑتا۔ سردی ان کے لیے کسی رحمت سے کم نہ تھی۔

رہا یونیورسٹی کا حال...... تو نہ پوچھیں، لائبریری، کیفے، ایکٹیوٹی سینٹر، سب جگہ آج کل رش لگا تھا اور ہر شخص کے چہرے پر پریشانی، گھبراہٹ اور تھکاوٹ صاف ظاہر تھی کیوں کہ اس مہینے میں ان لوگوں کے فائنل پریزینٹیشنز، ٹرم رپورٹ اور پھر ان سب پر بیٹھا اژدہا فائنل امتحان تھا۔

لائبریری جسے عام دنوں میں کم ہی طلبا پوچھتے تھے امتحان کے دنوں میں اس جگہ کو خوب عزت بخشی جاتی۔ طلبا یا تو پڑھ رہے ہوتے یا کمپیوٹر پر کام کر رہے ہوتے۔ سارہ کا بھی زیادہ تر لائبریری کا چکر لگتا تھا۔ وہ یا تو پڑھنے چلی جاتی یا پھر کمپیوٹر پر کام کرنے۔ گھر میں یہ سہولت میسر نہ ہونے کی وجہ سے اسے کافی پریشانی ہوتی تھی لیکن وہ جیسے تیسے اپنے سارے کام یہاں کر لیتی تھی۔ پر اسے نیچے بیسمنٹ میں جانا بھاری پڑتا تھا۔ وہ زین کے ساتھ ہونے والا واقعہ نہیں بھولی تھی۔ حالانکہ اس بات کو ایک مہینہ گزر چکا تھا لیکن اسے ہر بار ایسا لگتا جیسے کل ہی ہوا ہو۔

ایک اور عجیب سی بات جو اس نے محسوس کی تھی وہ یہ کہ اس واقعہ کے بعد زین سارہ کو ہر جگہ دکھائی دیتا تھا۔ جبکہ اس سے پہلے وہ بھول بھی گئی تھی کہ کسی زین نامی لڑکے نے اسے بال ماری

تھی اور نوٹس خراب کر دیئے تھے۔ وہ یونیورسٹی میں داخل ہوتی یا لائبریری جاتی، کیفے کا رخ کرتی یا کبھی کلاس سے باہر نکلتی اسے زین دور ہو یا قریب نظر آ جاتا۔ وہ کبھی اپنے دوستوں کے ساتھ، کبھی شازیہ کے ساتھ تو کبھی کسی اور دوست کے ساتھ ہی ہوتا اور سارہ کو ڈر رہتا کہ وہ اسے نہ دیکھے۔ لہٰذا جب جب وہ سامنے ہوتا تو سارہ اپنے ہاتھ میں پکڑی کتاب سے یا دوپٹے کی مدد سے منہ چھپا کر چلی جاتی۔ وہ اس کا سامنا نہیں کر پاتی تھی اور نادم محسوس کرتی تھی۔ زین کا چہرا سامنے آتا اور سارہ کو اپنے اندر سے آوازیں بازگشت کرتی محسوس ہوتیں جیسے زین اسے کہہ رہا ہو:

''سوری کر دو ورنہ میں یوں ہی آتا رہوں گا۔'' اور وہ سر کو جھٹک کر وہاں سے چلی جاتی۔

وہ اس کے اعصاب پر بری طرح سے سوار ہو گیا تھا۔

فائنل امتحان شروع ہونے میں ایک ہفتہ ہی تھا اور آج پیر کے دن سارہ کو کوئی کام نپٹانے تھے۔ زنیرہ آج آئی نہیں تھی اور اسے اکیلے ہی لائبریری جانا پڑا تھا۔ ویسے بھی آج صبح سے اس کے سر میں درد تھا۔ اکثر ایسی طبیعت ہونے کی وجہ سے وہ پین کلر ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتی تھی اور درد شروع ہونے پر لے لیتی اور ایسا ہی اس نے آج بھی کیا۔ درد کی شدت میں جب کمی آئی تو وہ لائبریری چلی گئی تھی۔

لائبریری میں داخل ہوتے ہی اس نے اپنا رخ سیڑھیوں کی طرف کر لیا جو اوپر دوسرے مالے پر جاتی تھیں۔ وہ دیوار سے لگے ایک کیوبکل میں جا بیٹھی اور کام کرنے لگی۔ اس کیوبکل میں ایک ہی کرسی آ سکتی تھی۔ اگر کسی نے ساتھ بیٹھنا ہوتا تو اسے کیوبکل سے باہر نکل کر بیٹھنا پڑتا۔ یہ آخری سیشن تھا اور زیادہ تر طلبا یا تو کلاسز میں ہوتے یا ایکٹیوٹی سینٹر میں۔ جہاں سارہ تھی وہاں بھی چند لوگ موجود تھے لیکن چونکہ وقت ختم ہونے والا تھا لہٰذا سب آہستہ آہستہ

جانے لگے تھے۔اس نے اپنے سارے کام مکمل کر لیے تھے اور اب انہیں اپنے پیسوں سے خریدی ہوئی یو ایس بی میں باری باری کر کے سیو کرنے لگی تھی۔یہ وہ ہی پیسے تھے جو وہ ہر مہینے بچالیا کرتی تھی۔ماموں سے امید نہیں تھی کہ پڑھائی کے حوالے سے کچھ بھی لا کر دیتے، بلکہ وہ اس کی باتوں کو بھی غلط نظریے سے دیکھ سکتے تھے۔اس نے کام مکمل کر کے یو ایس بی کو بیگ میں ڈالا اور کمپیوٹر بند کر کے جوں ہی کیوبکل سے نکلی اسے سامنے میز پر زین اپنے لیپ ٹاپ پر کام کرتا ہوا نظر آ گیا۔وہ ایک پل تو ساکت ہوئی پھر دبک کر کیوبکل میں ہی گھس گئی۔

''یار! پھر سے نہیں۔'' دل تو جیسے اچھل کر باہر آنے کو تھا۔زین اس کے کافی قریب تھا لیکن وہ کام میں اتنا مصروف تھا کہ اس نے سارہ کو نہیں دیکھا تھا۔چھٹی ہو چکی تھی اور جانے کا راستہ وہیں سے تھا جہاں وہ بیٹھا تھا۔دل اور دماغ میں پھر سے جنگ چھڑ گئی تھی۔دل تھا کہ اسے ندامت میں ڈبو دیتا۔اسے معذرت کرنے پر مجبور کرتا۔اور دماغ اسے مزید وقت نکالنے پر بدگمان کرتا۔اب دو ہی کام ہو سکتے تھے یا تو برق رفتاری سے جائے کہ نظر ہی نہ آئے۔یا آج ہمت کر ڈالے اور وہ کام کر دے جو اتنے وقت سے نہ کر سکی تھی۔

اس نے کیوبکل سے چہرا نکال کر دیکھا تو زین آج اتفاق سے اکیلا تھا۔وہ کرسی سے اٹھی اور دو قدم اس کی جانب بڑھی۔

''مجھ سے نہیں ہو گا یار۔'' پھر واپس دو قدم پیچھے ہو گئی۔اتنا مشکل تھا کسی سے اپنے کیے کی معذرت کرنا۔اسے آج معلوم ہوا تھا۔

زین کی نگاہیں مسلسل لیپ ٹاپ پر تھیں۔اس کی مصروفیت کا اندازہ یوں لگایا جا سکتا تھا کہ وہ یہ محسوس ہی نہیں کر رہا تھا کہ اس کی بائیں جانب کوئی لڑکی کبھی کرسی پر اٹھ بیٹھ تو کبھی کھڑے ہو کر آگے پیچھے ہو رہی ہے۔وہ اسے ترچھی نظروں سے دیکھے جا رہی تھی۔بس تو چل رہا تھا کہ

ہاتھ میں پکڑا بیگ ہی اسے مار دے لیکن مزید شرمندگی کیسے برداشت کرتی۔ وہ پھر ہمت کر کے دو قدم آگے بڑھی۔

”سارہ! ابھی نہیں تو کبھی نہیں، یہ کر لے پھر نظر نہیں آئے گا یہ۔ چل سارہ جا۔“ دل نے جیسے آج ٹھان لی تھی کہ پورے وجود کو وہی کنٹرول کرے گا اور دماغ کی ایک نہ چلنے دے گا۔ اس کے بھاری قدم آگے بڑھے اور سارہ اس کے پاس جا پہنچی۔

”اہم اہم۔“ زین کو مصروف انداز میں دیکھ کر اس نے ہنکار بھرا تھا۔ وہ جو اسکرین پر ٹکٹکی باندھے کام کر رہا تھا نگاہیں ہٹا کر سارہ کو دیکھا...... پھر کیا؟ اسے سب یاد آ گیا۔ یکلخت ہی چہرا تناؤ کا شکار ہوا اور اس نے سارہ کو نظر انداز کر کے اپنی نظریں واپس لیپ ٹاپ کی جانب کر لیں۔

”اہم...... مجھے...... مجھے کچھ کہنا تھا۔“ بمشکل کپکپاتی زبان سے الفاظ ادا ہوئے تھے پر مقابل بیٹھا شخص جیسے ان سنا کر رہا تھا۔

”وہ...... میں...... س...... سوری کہنا چاہتی تھی۔“ آخر کو وہ لفظ زبان پر آ ہی گیا تھا اور یہ سنتے کے ساتھ ہی زین کا کی بورڈ پر چلتا ہوا ہاتھ رکا تھا۔ اس نے اسکرین سے نظریں ہٹا کر سارہ کو دیکھا جو شرمندہ کھڑی تھی۔

”اُ...... اُس دن جو کچھ میں نے آپ کے بارے میں کہا، مجھ سے غلطی ہو گئی تھی۔“ بالآخر اس کی زبان لرزنا بند ہوئی تھی۔

”مجھے یہ حق نہیں تھا کہ میں کسی کے بھی بارے میں رائے دوں۔ میں بھی لوگوں کی عزت کرنا جانتی ہوں اس لیے آج آپ کے پاس یہاں آئی ہوں۔ وقت تو کافی گزر گیا اس بات کو پر کیے کی معافی مانگنا میرا فرض تھا۔“

زین خاموشی سے اسے سن رہا تھا۔

”آئے……آئے ایم……س……سوری۔“ سارہ کہہ کر رکی نہیں فوراً پلٹ کر وہاں سے چلی گئی۔ جو ایک مہینے سے دل پر بوجھ تھا آخر کو آج اتر گیا تھا۔ زین کی نگاہیں اسے جاتا دیکھ رہی تھیں اور لب مدھم سی مسکراہٹ میں مڑے ہوئے تھے۔ وہ جب نظروں سے اوجھل ہوئی تو اس نے واپس اپنی نظریں اسکرین پر کرلی تھیں۔

یہ تین لفظ زبان پر سب سے زیادہ بھاری لگے تھے لیکن آج اتنے دن بعد وہ دل میں سکون محسوس کر رہی تھی۔ وہ اپنے آپ میں مسکرا رہی تھی اور فخر محسوس کر رہی تھی۔ پھر دل و دماغ کی جنگ بھی بند ہوئی تھی اور امن ہی امن تھا۔ اب زین مزید دِکھنا تھا اور نہ ہی اسے منہ چھپانا تھا۔ وہ اس پریشانی سے آزاد تھی اور سمجھو زین سے بھی۔

”جان چھوٹی۔“ اس نے شکر کا سانس لیتے ہوئے کہا اور مرکزی دروازے کی طرف بڑھتی چلی گئی۔ پر اس بیچاری کو کیا معلوم تھا کہ زندگی کتنی ہی بار اس ایک شخص سے ٹکرائے گی۔

☆……☆……☆

پہلا سمسٹر مکمل ہو چکا تھا اور نتیجہ آنا شروع ہو گیا تھا۔ وہ زنیرہ سے رابطے میں رہا کرتی تھی جو اسے اپنے کمپیوٹر پر دیکھ کر اس کے ہر کورس کے مارکس بتا دیا کرتی تھی۔ ساتھ ہی زنیرہ نے اپنے اور سارہ کے اگلے سمسٹر کے کورسز بھی رجسٹر کر دیئے تھے۔

سارہ نے اپنے بیچ میں سب سے زیادہ مارکس لیے تھے۔ جب اسے زنیرہ نے یہ سب بتایا تو وہ بہت خوش ہوئی تھی۔ چونکہ چھٹیاں تھیں لہٰذا وہ گھر پر اپنی مامی کے ساتھ گھر کے کام کروا دیتی اور فارغ اوقات میں کہانیوں سے راہ فرار حاصل کرتی۔ وہ ہر طرح کی کہانیاں پڑھنے کی شوقین تھی۔ رومانس، مسٹری، ہارر وغیرہ۔ ناول ہیری پوٹر اس کی سب سے پسندیدہ تھی اور ساتوں کتابیں کئی بار پڑھ چکی تھی۔ جب کم عمر تھی تو سوچتی تھی کہ کسی دن ہیگرڈ اس کے پاس

بھی آجائے گا اور اسے اپنے ماموں مامی سے چھٹکارہ دلا دے گا، پر جیسے جیسے بڑی ہوتی گئی اپنے آپ کو اس فکشن کی دنیا سے نکالا اور زندگی کی حقیقت سمجھ گئی۔ بے شک فکشن کی دنیا پڑھنے والے کو خود میں جکڑ لیتی ہے۔ اس کے اثر سے وہی لوگ متاثر ہوتے ہیں جو اس میں کھو جاتے ہیں لہٰذا انسان کو حقیقت سے آشنا رہنا چاہیے۔ ہر کہانی جو پڑھی جائے وہ سچ نہیں ہو سکتی۔ اور اس کے ٹرانس سے جتنی جلدی نکلا جائے اتنا بہتر ہے۔

گھڑی رات کے دس بجا رہی تھی۔ کچھ لمحے قبل لائٹ آئی تھی۔ اس علاقے میں لوڈ شیڈنگ عروج پر تھی۔ پر چونکہ سردیوں کی راتیں تھیں تو لائٹ کا ہونا نہ ہونا برابر تھا۔ وہ سب رات کا کھانا کھا کر اٹھ گئے تھے۔ پھر سارہ کچن میں کام کرنے چلی گئی تھی۔ جب وہ تقریباً سارا کام کر چکی تھی تو اس کے ماموں نے اسے اپنے کمرے سے آواز دی تھی۔ فاروق کا اندازِ گفتگو ہی سخت اور اپنے اندر رعب رکھتا تھا۔ ان کی عام بول چال سے بھی سارہ سہم جاتی تھی اور آج بھی بلانے پر وہ فوراً کمرے میں جا پہنچی تھی۔ ٹھنڈ کے باعث اس نے سویٹر پہن رکھا تھا جو استعمال ہو کر اب اپنی اصل شکل کھو چکا تھا۔ آستینیں اس نے کہنی تک چڑھائی ہوئی تھیں تاکہ برتن دھوتے وقت پانی سے گیلی نہ ہوں۔ بالوں کا ڈھیلا سا جوڑا بنائے وہ چشمہ درست کرتی ہوئی فاروق کے پاس جا کھڑی ہوئی جو اس کا انتظار کر رہے تھے۔

”جی ماموں؟“

فاروق اور زینت بستر پر بیٹھے تھے۔

”ہاں، کیسی جا رہی ہے تمہاری پڑھائی؟“ ماموں نے پوچھا۔

”جی اچھی جا رہی ہے۔“ سارہ نے مدھم آواز میں کہا۔ وہ ان کے رعب سے مرعوب ہو جاتی تھی۔

”امتحان ہو گئے نا تمہارے؟“ فاروق نے پوچھا۔

”جی ہو گئے اور نتیجہ بھی آ گیا ہے۔ میرے سب سے زیادہ مارکس ہیں پورے بیچ میں۔“ سارہ نے مدھم سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا اور کہیں نہ کہیں چاہتی تھی کہ یہ لوگ بھی اس کی خوشی میں شریک ہو جائیں۔

”ہمم۔“ فاروق نے زینت کی طرف دیکھا۔ ”تم نے اس کو بتایا کہ مجھے کسی نے اس کے رشتے کی بات کی ہے؟“

فاروق کی بات پر اس کی مسکراہٹ سمٹی تھی۔

”جی میں بس اسے بتانے ہی لگی تھی۔“ زینت نے گھبرا کر کہا۔ وہ تو بس ان سے تعریف کے دو بول سننا چاہتی تھی اور بدلے میں جو سنا تو حالت غیر ہونے لگی تھی۔ ان کی بے رخی اور بے اعتنائی تو تھی ہی پر ساتھ ہی جو ڈیتھ آرڈر دیا گیا تھا وہ سارہ کے اندر توڑ پھوڑ کرنے لگا تھا۔

”تم اپنے کمرے میں جاؤ اب۔“

وہ تو بے جان محسوس کر رہی تھی۔ کیسے قدم اٹھا کر جاتی؟ خود پر جیسے تیسے قابو پا کر وہ باہر جانے کو مڑی تھی۔ جو پہلے کبھی اس کی کامیابی پر خوش نہ ہوئے تھے وہ اب بھی کیا ہوتے۔ کیوں وہ ہر بار ایک امید لے کر ان کے پاس جاتی تھی؟ کیوں اس کے ماموں کو اس سے اتنی خار تھی؟ آخر اس نے ایسا کیا کیا تھا ان کے ساتھ؟ ہاں وہ صنفِ نازک جو تھی۔ وہ لڑکی تھی جسے یہ معاشرہ بوجھ سمجھ کر فوراً سر سے اتارتا ہے۔ جسے جینے کا حق نہیں ہوتا۔ جس کے ہونے سے کوئی خوشی نہیں ملتی۔ پر کیا اس میں اس کا قصور تھا کہ وہ ایک لڑکی تھی؟ کیا لڑکیاں اتنی غیر ضروری سمجھی جاتی ہیں؟ اس جیسے اور کئی سوال دماغ میں منڈلا رہے تھے۔ وہ کمرے سے تو نکل گئی تھی پر اپنے کمرے میں قدم رکھنے کے بجائے بیچ دیوار سے ٹیک لگا کر بات سننے لگی تھی۔

''تم نے اب تک اسے کیوں نہیں بتایا؟ میں نے کہا بھی تھا تم کو۔'' فاروق زینت پر برہم ہوئے۔

''میں بس ابھی اسے بتانے والی تھی، آپ بے فکر رہیں۔'' زینت نے سمجھانا چاہا۔ وہ تو انہیں معاملہ ٹالنے کے لیے قائل کرنا چاہتی تھیں پر اتنی ہمت برسوں میں بھی نہیں سمیٹ پائی تھیں۔ لہٰذا چپ ہو گئیں۔

''اس کو اچھے سے سمجھا دینا، صبح سے تیار ہو جائے، میرے دوست نے ایک گھر بتایا ہے، لڑکا اچھا ہے۔'' فاروق نے آگے کہا۔ وہ سر جھکائے ان کی بات پر سر کو جنبش دے رہی تھی۔

''دیکھو زینت، اسے بتا دینا اگر سب ٹھیک رہا تو میں مزید پڑھنے نہیں دوں گا۔ یہ تو کوئی رشتہ نہیں آ رہا تھا اس لیے میں نے اس کی بات مانی ہے۔ اگر ان کی طرف سے ہاں ہو گئی تو میں نہیں رکوں گا۔'' ان کا لہجہ قطعیت بھرا تھا جو کمرے سے باہر چھپی سارہ کی روح تک فنا کر گیا تھا۔

''آپ بے فکر رہیں، وہ یہ سب جانتی ہے۔'' زینت نے کہا۔ وہ مرے مرے قدموں سے اپنے کمرے میں چلی گئی۔

☆......☆......☆

بستر پر لیٹی وہ چھت کو تک رہی تھی۔ آنکھوں سے آنسو رواں تھے جو اس کے تکیے میں جذب ہو رہے تھے۔ وہ سوچ رہی تھی اگر آج اس کے والدین ہوتے تو اس کے اتنے اچھے مارکس آنے پر کیا کرتے؟ سوچ گہری ہوئی اور چھت اسکرین کا کام کرنے لگی۔ اسے ماضی سے جڑا ایک واقعہ صاف نظر آنے لگا تھا۔

''بابا! کلاس میں میرے مارکس سب سے زیادہ ہیں۔'' چھوٹی سارہ بھاگتی ہوئی اپنی کاپی بابا کے پاس لائی تھی جو ابھی گھر میں داخل ہوئے تھے۔

”ارے میرا بیٹا! اب بولو کیا چاہیے؟“ سارہ کے بابا نے اسے گود میں اٹھالیا اور کامیابی پر اس کے ملائم گالوں کو چوم لیا۔ کچن سے نکلتی روبینہ ان دونوں کو دیکھ کر مسکرانے لگی تھیں۔

”جو بھی کہوں گی دلائیں گے؟“ معصومیت سے پوچھا گیا۔

”بالکل میری بیٹی نے آج میرا نام روشن کیا ہے۔ کہو کیا چاہیے؟“ جہانگیر احمد بیٹی کو گود میں لیے صوفے پر بیٹھ گئے۔

”اوکے تو پہلے ایک بڑی سی چاکلیٹ میرے ہاتھ سے بھی بڑی۔ پھر ہم باغ جائیں گے مجھے جھولوں پر کھیلنا ہے۔“ اس کی معصوم سی خواہش پر جہانگیر سرشار ہوئے۔

”اچھا ہاتھ تو دکھاؤ میں ناپ لوں کہ کتنی بڑی چاکلیٹ چاہیے میری گڑیا کو۔“ اس نے جوں ہی ہاتھ آگے کیا۔ جہانگیر احمد نے اسے گدگدی کرنا شروع کی اور وہ زور زور سے ہنسنے لگی تھی۔

ہنسی کی گونج کمرے کے چاروں طرف اسے سنائی دی تھی۔ دماغ سے منظر غائب ہوا تو چھت بھی واپس اپنی اصلی حالت پر آگئی۔ چاہے مالی حالت جیسی بھی تھی پھر بھی وہ اس کی چھوٹی چھوٹی خواہشات پوری کر دیتے لیکن کبھی نہ نہیں کہتے تھے۔ وہ تینوں بہت خوش رہا کرتے تھے اور ایک دوسرے کا سہارا تھے۔ ہنسی کی گونج جب بند ہوئی تو کمرے کا سناٹا اس کے دل میں اندھیرا کرنے لگا تھا۔ سارہ نے ضبط سے آنکھیں میچ لی تھیں۔ اور کتنے ہی لمحے یوں ہی سرکتے گئے۔

تھوڑی دیر ہوئی تھی کہ زینت کمرے میں داخل ہوئی تھیں۔ وہ جانتی تھیں کہ سارہ بہت افسردہ تھی لیکن اِنہیں اسے دلاسا دینا نہیں آتا تھا۔ کبھی جو انہوں نے محبت سے اس کا ماتھا چوما ہو۔ اس کے دل کو سکون دیا ہو۔ اس پر محبت نچھاور کی ہو۔ وہ چاہتیں تو یہ سب کرتیں پر مجبور تھیں۔ وہ خود شوہر کی فرمانبردار تھیں۔ اگر سارہ کے ساتھ کھڑی ہوتیں تو شوہر کی نافرمان ہو

جاتیں۔ ہاتھ بندھے تھے لیکن دل تو نہیں۔ وہ دل سے اس کے لیے دعا گو ہوئی تھیں۔

’’تم فکر نہیں کرنا۔ جو لوگ تمہیں دیکھنے آنا چاہ رہے ہیں، ان کا لڑکا خود ابھی پڑھ رہا ہے، اور یہ لوگ کراچی سے لاہور جانے والے ہیں۔ خود اِن کو ابھی اپنے بیٹے کی شادی کرنے میں کافی وقت لگے گا۔ وہ تو تمہارا ذکر فاروق نے کیا تھا تو وہ آ کے دیکھنا چاہ رہے ہیں۔‘‘ زینت اس کی دلی کیفیت سے واقف تھیں۔ وہ جانتی تھیں کہ فاروق کی بات سے اسے کس قدر ٹھیس پہنچی تھی اسی لیے انہوں نے اسے تمام بات بتائی۔ وہ کہتی ہوئی بستر کے سرہانے جب بیٹھیں تو ان کی موجودگی سے واقف ہو کر سارہ بھی اٹھ کر بیٹھ گئی۔ آنسو فوراً ہاتھوں سے رگڑ کر صاف کیے تھے۔ وہ ان سے دلاسے یا ہمدردیاں نہیں چاہتی تھی۔ بلکہ خود کو مضبوط ظاہر کرتی تھی۔ اور کرتی بھی کیا۔ ٹوٹ کر بکھرنا تو ان کے پاس کیا جاتا ہے جو آپ کو سمیٹ کر اٹھانا جانتے ہوں۔ وہ رو بھی دیتی، گڑگڑا بھی جاتی تو بھی جانتی تھی کہ کوئی فرق نہیں پڑنا تھا۔

’’میں نے تمہارے کپڑے تیار کرنے دے دیئے ہیں، اور یہ میں چھوٹے سے جھمکے لے آئی تھی۔‘‘ زینت نے ہتھیلی میں رکھے جھمکے سارہ کو دکھائے۔

’’یہ بھی پہن لینا۔‘‘ زینت نے نرمی سے کہا۔ ان کے دل کی کیفیت سے سارہ بے خبر تھی۔ وہ بیٹی نہیں تھی پر زینت کے لیے بیٹیوں جیسی ہی تھی۔ اور جیسے ہر ماں بیٹی کی وداع پر تیاریاں کرتی ہے وہ بھی اپنی چھوٹی چھوٹی کوششوں سے جو کر سکتی تھیں کر رہی تھیں۔ پر سارہ یہ سب سن کر ذرا خوش نہیں تھی۔ کیوں کہ جو محنت اس کے کپڑوں پر کی جا رہی تھی وہ صرف اس لیے تھی کہ وہ اچھی سے اچھی دکھے، اور پسند کر لی جائے۔ تا کہ فاروق کی جان چھوٹے۔ حالانکہ زینت کا ایسا کوئی خیال نہیں تھا پر فاروق کے حوالے سے وہ سو فیصد یقین سے کہہ سکتی تھی۔ اگر اتنے سالوں میں فاروق اسے باپ کی محبت و شفقت دیتے اور اس کا خیال رکھتے تو سارہ ایسی نہ

ہوتی بلکہ شادی کے لئے بھی خوشی خوشی ہاں کر دیتی لیکن مسلسل بوجھ کے طعنے سن کر وہ تھک چکی تھی اور خاموشی سے سہنے کے علاوہ اور کوئی چارہ نہ تھا۔ زینت وہیں بیٹھی رہی تھیں اور اپنی موجودگی سے اسے سہارا دینا چاہتی تھیں۔

''مامی۔'' چند لحظہ خاموشی کے نذر ہوئے پھر سارہ کی مدھم سی آواز نکلی۔

''ہاں بولو۔'' وہ تو چاہتی تھیں سارہ کچھ کہے۔ کچھ بھی۔ جذبات سے نہ سہی زینت لفظوں سے تو اسے سنبھال سکتی تھیں۔

''ماموں ایسے کیوں ہیں؟'' سارہ کے سوال پر وہ کچھ دیر خاموش رہیں۔ آخر کو یہ سوال تو آنا تھا۔ وہ جانتی بھی تھیں۔

''کبھی کبھی مجھے لگتا ہے کہ وہ میرے ماموں نہیں ہیں۔ ہمارا رشتہ سگا نہیں ہے۔'' اس نے برسوں کے اندیشے ظاہر کیے تھے۔ فاروق پہلے ہی گھر سے چلے گئے تھے تب ہی وہ دونوں اطمینان سے بات کر سکتی تھیں ورنہ زینت اور سارہ میں یہ جرأت کہاں تھی۔ فاروق کے سامنے وہ ناپ تول کر الفاظ ادا کرتی تھیں۔

''کیا آپ کو معلوم ہے کہ میری مما اور ماموں کے بیچ میں ایسا کیا ہوا تھا جو وہ مجھ سے اتنی نفرت کرتے ہیں۔ اور میں ان کے لئے ایک بوجھ سے کم نہیں ہوں۔''

زینت کافی دیر خاموش رہیں۔ سارہ کی طلب بھری نگاہیں انہیں زبان کھولنے پر مجبور کر رہی تھیں۔ وہ سمجھ داری کی عمر کو پہنچ گئی تھی اور اب اسے ہر چیز سے واقف ہونا تھا۔

اصغر جعفر کی دو اولادیں تھیں۔ فاروق اور روبینہ۔ اصغر محلے کے ساتھ ساتھ خاندان میں بھی اپنے اکھڑ مزاج اور کٹھور پن کی وجہ سے مشہور تھے۔ ان کے سرد وسفاک اور کاٹ دار لہجے کی وجہ ہی تھی کہ خاندان کے کئی لوگوں نے ان سے احتراز کیا ہوا تھا۔ ساجدہ اپنی قسمت کی

ماری شوہر کے آگے زبان تک نہیں کھول سکتی تھیں۔ لہٰذا چاردیواری میں بند وہ قنوطیت کا شکار تھیں۔ آباؤ اجداد جس جہالت میں ڈوبے ہوئے تھے کہ عورت کو جوتی کی نوک پر رکھا جاتا۔ اس کی عزت نہیں کی جاتی۔ اسی نقش قدم پر اصغر بھی چل رہے تھے۔

ساجدہ تو جیسے تیسے خود پر ہوا ظلم برداشت کرلیا کرتی تھیں لیکن جب ان کے ہاں روبینہ پیدا ہوئی تو وہ بیٹی پر ناحق ظلم برداشت نہ کرسکیں۔ ایک سال کے فاصلے سے دونوں بچوں کی ولادت ہوئی تھی۔ فاروق کی پیدائش پر اصغر جتنا خوش ہوئے تھے اتنا ہی ماتم انہوں نے روبینہ کے پیدا ہونے پر کیا تھا۔ وہ ساجدہ کو بیٹی پیدا کرنے پر کوستے تھے اور ساجدہ چپ چاپ ان کا کند چھری لہجہ برداشت کرتی تھیں۔ ان کے ہاں لڑکیوں کو بوجھ کے علاوہ کچھ نہ سمجھا جاتا تھا۔ لہٰذا روبینہ کی بھی شادی سے پہلے زندگی بے حد مشکل و پیچیدہ تھی۔ ساجدہ تو دونوں بچوں پر واری جاتی تھیں پر اصغر فاروق کو روبینہ پر فوقیت دیتے تھے۔ ہر اچھا کپڑا، کھلونا، کھانا حتیٰ کہ اچھی تعلیم کی سہولت فاروق کو حاصل تھی جبکہ روبینہ کو کم درجے کی چیزیں میسر ہوتی تھیں۔ میٹرک بھی اوسط درجے کے اسکول سے مکمل کر کے انہیں جلد وداع کر دیا گیا تھا اور وہ زبان سے کوئی شکایت نہیں کرتی تھیں۔ کیوں کہ ان کی تربیت خود ساجدہ نے کی تھی۔ پھر بچپن سے جوانی تک باپ کا مزاج ہی ایسا پایا تھا۔

مزاج میں تغیر کا کوئی امکان کبھی امید بن کر روبینہ کے دل میں آیا ہی نہیں تھا لہٰذا باپ جیسا جیسا کہتا وہ ویسا ویسا ہی کرتی تھیں پر ان کی قربانیوں کا یہ صلہ ملا کہ جہانگیر احمد جن سے ان کی شادی ہوئی تھی۔ روشن خیال تھے۔ خاندان بھی پڑھا لکھا اور اچھا تھا۔ حالانکہ معمولی نوکری تھی پر اللہ نے روبینہ کے آنے سے ان کے رزق میں خوب برکت کر دی تھی۔ تنخواہ تو اتنی ہی تھی پر ان کی تمام ضروریات پوری ہو جایا کرتی تھیں۔ روبینہ کو سسرال میں وہ عزت ملی تھی جو

انہیں اپنے گھر میں کبھی ملی ہی نہیں تھی۔ وہ خوش تھیں۔ اپنی قسمت پر انہیں رشک تھا۔ وہ اللہ کے حضور بار بار سجدہ ریز ہوتی تھیں کہ جو ہوا تھا اچھا ہوا تھا۔

ساجدہ روبینہ کی طرف سے مطمئن تو ہوگئی تھیں پر فاروق کو لے کر بے حد پریشان رہنے لگی تھیں۔ اصغر کے بے جا لاڈ پیار نے انہیں بگاڑ کر رکھ دیا تھا۔ اچھے اسکول اور کالج میں داخلے کے باوجود بھی وہ بے پروائی کی انتہا کو پہنچ گئے تھے اور پڑھ کر نہیں دیتے تھے۔ اصغر نے ان کے لیے کیا نہیں کیا تھا۔ جو کہتے حاضر ہو جاتا۔ کوئی شے ان کے ہاتھ سے دور نہیں تھی۔ اور اسی عادت نے انہیں ضدی اور کم ظرف بنا دیا تھا۔ وہ مزاج کے معاملے میں اصغر کو بھی پیچھے چھوڑ گئے تھے اور اپنا تلخ انداز اپنے والدین پر بھی استعمال کرنے سے نہیں ڈرتے تھے۔ حالانکہ ساجدہ اصغر کو سمجھاتی رہا کرتی تھیں پر تب وہ بیوی کی کسی بات پر اہمیت نہیں دیتے تھے اور جب انہیں اندازہ ہوا کہ ان کی تربیت نے ان کے بیٹے کو بگاڑ دیا ہے تب تک بہت دیر ہو چکی تھی۔ فاروق کی کج روئی کا شکار دونوں ماں باپ ہوئے تھے۔ اور معاملہ جب ہاتھ سے نکل گیا تب اصغر کو اپنی غلطی کا احساس ہونے لگا تھا۔

جیسے تیسے تعلیم مکمل کر کے اصغر نے انہیں دکان سنبھالنے کی ذمہ داری دے دی تھی۔ جب انہیں محلے کے کچھ بزرگوں سے فاروق کی غیر سرگرمیوں کے بارے میں انکشاف ہوا تو ان کا غرور بھی سلب ہوگیا۔ وہ بیٹے سے از حد گر جانے کی توقع نہیں رکھتے تھے۔ دکان میں بھی فاروق کی غیر دلچسپی دیکھتے ہوئے اصغر مخمصے کا شکار ہونے لگے تھے۔ آخر وہ بیٹے کو راہِ راست پر کیسے لاتے؟ لہٰذا بڑوں سے مشاورت پر فاروق کی شادی کرا دینا ہی حل نظر آیا۔ ان کے مطابق شاید ان میں سدھار آجاتا، ذمہ داری کا احساس ہونے لگتا پر معاملہ الٹ تھا۔ وہ جو بچپن سے جوانی تک اپنے باپ کو اپنی ماں پر تسلط ہوتا دیکھتے رہے تھے وہ ہی روش فاروق نے

بھی اپنائی۔ زینت غریب طبقے سے تعلق رکھنے والی سیدھی سادی سی خاتون تھیں۔ اور ساجدہ کی طرح منہ پر قفل لیے وہ بھی اس قید کا شکار ہوگئی تھیں۔

شادی ہونے کے باوجود بھی ان کا راتوں کو دیر سے گھر آنا، دکان پر غیر حاضر ہونا، زینت پر بات بات پر برہم ہو جانا۔ اصغر کو الجھا کر رکھ گیا تھا۔ وہ برداشت نہ کر سکے تھے اور پہلی بار سخت لہجے میں فاروق سے دوبدو ہوئے تھے۔ جس پر فاروق کا ردعمل دیدنی تھا۔ وہ باپ کے اشتعال سے شدید زچ ہوئے تھے اور مزید خود کو گھر سے لاتعلق کرنے لگے تھے۔

دن کٹتے رہے اور سدھار کا کوئی امکان نظر نہیں آتا تھا۔ اصغر جن کا طمطراق سمندر کی جھاگ کی طرح بیٹھ گیا تھا۔ وہ دماغی طور پر منتشر ہو گئے تھے اور بیمار رہنے لگے تھے۔ ساجدہ کو شوہر کی ڈھلتی طبیعت نے مزید فکر کا شکار کر دیا تھا۔ ایسے میں زینت انہیں ہر قدم پر سہارا دیا کرتی تھیں۔

سوچا تو تھا کہ بیٹے کو اچھا پڑھا کر ڈھنگ کے بزنس میں لگا دیں گے تاکہ دن دگنی رات چوگنی ترقی ہو پر بیٹے کی لاپروائی نے تو دکان کی ذمہ داری سے بھی منہ موڑ لیا تھا۔ وہ عمر کے اس حصے میں پہنچ گئے تھے کہ جوان بیٹے کا سہارا اہمیت رکھتا تھا۔ طبیعت کی ناسازی کے باعث وہ دکان پر روز بیٹھنے سے بھی قاصر تھے۔ آئے دن باپ بیٹے میں اَن بن ہوتی اور نتیجہ صفر کا صفر ہوتا۔ پھر ایک دن ان کے سر پر قیامت ٹوٹ پڑی تھی جو اصغر کی روح تک سلب کر گئی تھی۔

وہ حسبِ عادت ناشتہ کر کے دکان پر پہنچے تھے۔ آج انہیں قرض داروں کو قرضہ ادا کر کے اپنی جان چھڑانی تھی۔ دکان کا سامان انہوں نے قرض لے کر بھرا تھا اور جوڑ توڑ کر آج رقم پوری ہوئی تھی۔ پر جس جگہ انہوں نے رقم محفوظ رکھی تھی وہ وہاں موجود نہیں تھی۔ ان کی تو جان پر بن گئی تھی۔ دکان میں موجود لڑکوں کو بلا کر پوچھ ڈالا پر کسی کے پاس جواب نہیں تھا البتہ ایک

سے معلوم ہوا کہ فاروق آج صبح ہی دکان کا چکر لگا گئے تھے۔ اصغر کو انجان اندیشوں نے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ پہلے تو انہیں یقین نہ آیا پر جب دو تین روز تک فاروق کا کچھ پتہ نہ چلا تو ان کا گمان یقین میں بدل گیا۔ محلے کے لڑکوں کی بابت پتا چلا تھا۔ جس گروپ کے ساتھ رات گئے تک جوا اور غلط کاموں میں ملوث تھے، ان سے بہت بڑی رقم شرط میں ہارے تھے اور رقم نہ ادا کرنے کی صورت میں فاروق کی جان کو خطرہ تھا۔ اصغر پر تو پورا آسمان گر پڑا تھا۔ وہ برداشت نہ کر سکے تھے۔ پھر قرض داروں نے مزید دی ہوئی تاریخ پر ادائیگی نہ پا کر جان مشکل بنا دی تھی۔ بچی کچھی کسر یہاں ختم ہوئی تھی اور وہ بستر مرگ سے جا لگے تھے۔

فاروق چار روز بعد جب لوٹے تو گھر کے حالات دیکھ کر چکرا کر رہ گئے۔ جس دکان سے گزر بسر تھا اس پر بھی قفل لگا دی گئی تھی۔ پڑوسیوں سے پتہ چلا تھا کہ قرض داروں نے دی ہوئی تاریخ پر ادائیگی نہ پا کر دکان کو تہس نہس کر دیا تھا۔ گھر میں ساجدہ بستر سے جا لگی تھیں اور زینت بچے کھچے راشن سے جیسے تیسے گھر چلا رہی تھیں۔ اصغر کی اچانک موت نے فاروق کے پیر زنجیروں میں جکڑ دیئے تھے۔ قرض داروں نے ان کا بھی جینا دوبھر کر دیا تھا۔ انہوں نے جیسے تیسے پہلے دکان بیچ کر قرضہ اتارا تھا پھر باقی کی رقم کے لیے ہاتھ پیر مارنے لگے تھے۔ چونکہ تنخواہ کا کوئی ذریعہ ہی نہیں تھا لہٰذا تمام جمع پونجی ختم ہوتی دکھائی دے رہی تھی۔ ابھی تو انہوں نے اپنی جان بچائی تھی کہ ایک اور مصیبت کا شکار ہو گئے تھے۔ ساجدہ انہیں کچھ نہ کہتیں۔ ان کی زبان کو قفل لگ گیا تھا۔ ورنہ لعن طعن کرتیں، بیٹے کو کوستیں۔ جس کی غفلت نے آج یہ دن دکھایا تھا۔ پر وہ ہار گئی تھیں۔

پریشان ذہن لیے فاروق ایک رات گھر سے نکلے تھے۔ خاندان سے تو ویسے ہی لاتعلقی تھی۔ رہے دوست تو کوئی بھی ایسا نہ تھا جو مدد کرتا۔ انہوں نے بچی ہوئی رقم کے بارے میں

سوچتے ہوئے جیب سے سگریٹ نکالی اور لبوں سے پکڑ کر ماچس سے سلگا دی۔ ابھی لمبی سانس لے کر دھویں کے مرغولے ہوا میں چھوڑے تھے کہ ایک نوجوان آدمی ان کی طرف بھاگتا ہوا انہیں نظر آیا۔ وہ پل بھر میں ٹھٹک گئے اور سگریٹ ہاتھ سے سڑک پر جا گری تھی۔ نوجوان نے انہیں شانوں سے پکڑا اور مدد کی اپیل کی تھی۔ بقول اس کے کچھ دشمن اس کی جان کے پیچھے پڑے تھے اور اگر وہ کہیں اس وقت چھپا نہیں تو وہ اسے مار دیں گے۔ فاروق اس افتاد میں اتنا ہی کر سکے کہ سیدھا انہیں اپنے گھر لے گئے۔ جب لگا کہ جان بچ گئی تو نوجوان نے اپنا تعارف کروایا۔ وہ بشیر سلطان تھا اور گاؤں کے زمین دار کا بیٹا تھا۔ چونکہ گاؤں میں ان کی دشمنی کئی لوگوں سے تھی لہٰذا جب وہ کسی کام سے شہر آیا تھا تو اسے اکیلا پا کر دشمنوں نے موقع ہاتھ سے جانے نہ دیا تھا۔

وہ فاروق کا احسان مند تھا جس نے اسے رات گئے اپنے گھر میں پناہ دی تھی۔ اگلی صبح بشیر بغیر تاخیر کیے فاروق کی مدد سے علاقے کے ایس پی کے پاس جا پہنچا تھا۔ چونکہ اثر درسوخ خاصا تھا۔ ایس پی بشیر کی جان پہچان کا نکلا۔ اس نے چند دن میں ان لڑکوں کو جیل کی سلاخوں کے پیچھے کیا تھا جو بشیر کی جان لینا چاہتے تھے۔ اس تمام واقعے میں فاروق بشیر کے ساتھ رہے تھے اور ان کی بشیر سے دوستی ہموار ہو گئی تھی۔ بشیر فاروق کی پریشانی اخذ کر کے انہیں باقی کی رقم احسان کے بدلے دے گیا تھا جو فاروق نے ان پر کیا تھا۔ فاروق کو تو جیسے اندھیرے میں روشنی کی کرن محسوس ہوئی تھی۔ بشیر جس کام سے آیا تھا وہ نبٹا کر واپس گاؤں چلا گیا تھا اور فاروق کے سر پر سے ایک پریشانی کا بوجھ تو اتر ہی گیا تھا۔

اس تمام واقعے سے یہ تو اچھا ہوا تھا کہ فاروق کی رات گئے غیر اخلاقی سرگرمیاں ختم ہوئی تھیں۔ وہ برائے نام ذمہ دار ہونے لگے تھے اور گھر کو درست حالت میں لانا چاہتے تھے۔

تنخواہ کی کوئی راہ نہیں تھی۔ آفس کی جاب سے وہ کتراتے تھے۔ انہیں ایک دوست کے ساتھ بزنس پارٹنرشپ کا موقع ملا تھا پر ان کے پاس اس کی رقم نہیں تھی۔ وہ بہت امید کے ساتھ روبینہ اور جہانگیر احمد سے مدد مانگنے گئے تھے پر جہانگیر کی نگاہ جہاں دیدہ تھی۔ وہ فاروق کے کرتوت سے پوری طرح واقف تھے۔ روبینہ کو بھی بھائی کی ایک ایک خبر معلوم تھی۔ باپ بھی ان کی وجہ سے دنیا سے چلے گئے تھے اور ماں بستر سے لگ گئی تھیں۔ پھر جہانگیر کی تنخواہ ویسے ہی اتنی تھی کہ گھر کی ضروریات پوری ہوتیں۔ روبینہ کا زیور تو موجود تھا پر اس کے بارے میں جہانگیر نے ان سے ذکر کرنے سے منع کر دیا تھا۔ ان کی بیٹی تھی اور بیٹیوں کے لیے کیا کچھ نہیں کرنا پڑتا۔ اگر وہ فاروق کو سب کچھ دے بھی دیتے تو بھی انہیں اس بات کا یقین تھا کہ فاروق رقم واپس نہیں لوٹا پاتا اور یہ ہی وجہ تھی کہ وہ خود بہت مجبور تھے۔ دونوں میاں بیوی نے عزت اور احترام کے ساتھ فاروق کو رقم دینے سے منع کیا تھا جس سے فاروق کی انا کو ٹھیس پہنچی تھی۔ وہ اپنی بہن کا مشکل وقت میں ساتھ نہ دینا برداشت نہیں کر سکے تھے لہٰذا وہ جو پہلے بھی روبینہ سے خاصے پرے رہتے مزید خار کھانے لگے تھے۔

سب کھو کر بھی ان کا رعب اور رعونت ٹس سے مس نہ ہوئی تھی۔ حالانکہ ہر جگہ سے ہار گئے تھے لیکن جہالت خون میں دوڑتی تھی۔ اس کا دامن کبھی نہیں چھوڑا۔ اپنی بہن سے سارے تعلق ختم کر لیے اور مجبوری میں آفس کی کلرک کی نوکری اپنالی۔ روبینہ کا گھر میں ذکر بند کر دیا اور اس سرد مہری نے ساجدہ کو اپنے شوہر سے جا ملایا۔ زینت تن تنہا رہ گئی تھیں۔ اگر اولاد ہوتی تو وہ اس کی خاطر ہی زندگی گزار لیتیں لیکن طبی معائنہ کروانے پر معلوم ہوا کہ وہ کبھی ماں نہیں بن سکتی تھیں۔ فاروق جو بیٹے کی خواہش رکھتے تھے اس خبر سے مزید جھلا گئے تھے۔ پر مصیبت یہاں ختم کہاں ہونی تھی۔ جہانگیر کی اچانک حادثاتی موت کا پتہ چلا تو وہ پل بھر کے لیے

حیران ہوئے تھے لیکن بہن کی مدد کو آگے نہ بڑھے تھے۔ زینت منت سماجت کر کے روبینہ اور سارہ کو گھر لے آئی تھیں۔ حالانکہ روبینہ کے سسرالیوں نے بھی ان کا خیال رکھنا چاہا تھا پر زینت ان کے مشکل وقت میں ساتھ دینا چاہتی تھیں۔ پر وہ غلط تھیں۔ جہانگیر کی اچانک موت نے روبینہ کے دماغ پر گہرا اثر کیا تھا۔ وہ خالی الذہن چھتوں کو تکا کرتی تھیں اور روتی رہتی تھیں۔ زینت اپنی نند کا ہر لحاظ سے خیال رکھتیں لیکن فاروق کے طنز اور طعنے انہیں دن بہ دن مارنے لگے تھے۔ ابھی تو عدت پوری ختم نہیں ہوئی تھی کہ وہ بھی اس دنیا فانی سے کوچ کر گئیں اور چھوٹی سارہ کی ذمہ داری زینت کو دے کر چلی گئیں۔ فاروق تو چاروں شانے چت ہوئے تھے۔ ایک تو نوکری کم درجے کی، خود کی اولاد نہیں پھر ایک بھانجی کی ذمہ داری۔ وہ مکمل طور پر عاجز آ گئے تھے۔ سارہ ان کے لیے بوجھ سے کم نہ تھی۔ وہ کسی بھی طرح سے چھٹکارا چاہتے تھے پر زینت کی منتیں تھیں کہ وہ سارہ کو برداشت کر رہے تھے۔

''مامی! لڑکیوں کو بوجھ کیوں سمجھا جاتا ہے؟'' زینت کے پورا واقعہ سنانے کے بعد سارہ نے ان سے پوچھا۔

''بس بیٹا۔ جہالت ہے اور کچھ بھی نہیں۔ انہی مردوں کو اپنے ذاتی کاموں کے لئے، محبت کرنے کے لئے، غصہ اتارنے کے لئے، سہارے کے لئے، اپنے روزمرہ کی ضرورتیں پوری کرنے کے لئے بلکہ یہ ہی نہیں حتیٰ کہ بیٹا پیدا کرنے کے لئے بھی ایک عورت کی ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن یہ اس ہی عورت کو بوجھ سمجھتے ہیں اور جوتی سے مسل دیتے ہیں۔'' زینت کے لہجے میں درد واضح تھا۔

''پر مامی، جو کچھ بھی ہوا میں تو پھر بھی ماموں کے سر پر ہی آئی۔ اس میں اِن کی غلطی تو نہیں ہوئی۔'' سارہ نے پوچھا۔

"تم ان پر بوجھ نہیں بلکہ اللہ کی طرف سے ایک رحمت بن کر آئی تھیں۔ اللہ نے انہیں ایک موقع دیا تھا کہ شاید وہ بدل جائیں۔ کیونکہ میں انہیں اولاد کی خوشی نہیں دے سکتی تھی۔ اللہ نے پھر بھی تم کو ایک بیٹی کے روپ میں بھیج دیا۔ پر وہ اللہ کی طرف سے اسے عذاب سمجھ بیٹھے اور ہار گئے۔"

وہ زینت کی بات سن کر چپ سی ہو گئی۔ زینت غیر مرئی نکتے کو تکتی ہوئی پھر گویا ہوئی۔

"جانتی ہو سارہ۔ کبھی کبھی میں سوچتی ہوں کہ اللہ نے مجھے اولاد کیوں نہ دی۔ کیوں تمہارے ماموں کو لڑکے کی خوشی نہ دی۔ اور مجھے صرف ایک ہی جواب ملتا ہے۔" وہ کہہ کر کچھ دیر رکی تھیں اور یہ سحر انگیز خاموشی سارہ کو متاثر کر رہی تھی۔

"اگر میرا بیٹا ہوتا یا روبینہ تمہاری جگہ کسی بیٹے کو پیدا کرتی تو یہ برسوں کی جہالت کبھی ختم نہ ہوتی۔ اس پر روک نہیں لگتا۔ اللہ نے مجھے بے اولاد کر کے اور تمہیں بھیج کر اس جہالت کو ختم کیا ہے۔ تاکہ پھر کوئی لڑکی ان کی نادانی کی بھینٹ نہ چڑھے۔"

☆......☆......☆

چند چھٹیاں تو پلک جھپکتے گزر گئی تھیں اور دوسرا سمسٹر شروع ہو گیا تھا۔ اس یونیورسٹی میں طلبا اپنی پسند سے خود ٹائم ٹیبل اور مضمون پسند کر سکتے تھے پر آخر کو نصیب کی بات ہوتی تھی۔ اگر کوئی طالب علم ایک مضمون منتخب کرے پر اس میں طلبا کی تعداد پوری ہو جائے تو دوسرا مضمون یا وہی مضمون کسی دوسرے استاد سے منتخب کرنا پڑتا تھا۔ زنیرہ نے اپنے اور سارہ کے کورسز ایک جیسے رکھے تھے اور اتفاق تھا کہ اس بار بھی ان کی کلاس میں وہی طلبا تھے جو پچھلے سمسٹر میں موجود تھے۔

سارہ اپنے منفرد مزاج اور پرسنالٹی سے جو پہلے سے ہی نمایاں تھی اب چونکہ پچھلے سمسٹر

میں بہترین نمبر حاصل کیے تھے لہٰذا طلبا کی توجہ کا مرکز مزید بن گئی تھی۔ دیکھا جائے تو لے دے کر اس کی صرف ایک زنیرہ ہی دوست تھی۔ حالانکہ زنیرہ نے اور بھی طلبا سے بات چیت رکھی تھی پر سارہ مزاجاً خود کو سخت اور بے لچک دکھاتی تھی۔ پھر اس کے ظاہری حلیے سے طلبا اپنی اپنی رائے قائم کر لیا کرتے تھے۔ اسے پڑھاکو بلی، نرڈ، چشمش، چشمش چڑیل، گھمنڈی اور نہ جانے کس کس نام سے بلایا جاتا تھا۔ کبھی اس کے چشموں پر تبصرہ ہوتا تو کبھی اس کے غرور پر بات ہوتی۔ وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ اس کا سخت مزاج ہی اسے اجاگر کر رہا ہے۔ کبھی خود کو آئینے میں تفصیل سے دیکھا بھی نہیں تھا۔ اس عمر میں جہاں لڑکیاں اپنی خوبصورتی کو مزید تراش کر پیش کرتیں کہ وہ سب سے برتر لگیں، لوگ ان کی تعریفیں کریں۔ سارہ ان سب فسادات سے دور تھی۔ ڈھیلے کپڑے، سمٹے بال اور منہ پر لگی اتنی بڑی عینک سے وہ چھپی رہتی تھی۔ زنیرہ نے کبھی اس کے حوالے سے کوئی رائے قائم کی ہی نہیں تھی۔ نہ ہی سارہ کے ساتھ رہ کر شرمندگی محسوس کی تھی۔ وہ دل کی صاف تھی اور اس کا اصل مشغلہ تو پوش علاقے کے بچوں پر تبصرے کرنا تھا۔ اور سارہ اس کی دوستانہ فطرت سے ہی اس کے ساتھ رہنا پسند کرتی تھی۔

سمسٹر کی تو شروعات تھی لیکن پڑھائی زور و شور سے ہو رہی تھی۔ وہ آج کلاس اٹینڈ کر کے لائبریری جا رہی تھی جب زنیرہ پیچھے سے بھاگتی ہوئی آئی اور اسے لائبریری جانے سے روک دیا۔

''سارہ...... سارہ رکو۔ آج لائبریری چھوڑو میرے ساتھ چلو۔'' زنیرہ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔

''کہاں؟'' سارہ نے پوچھا۔

''ارے تم چلو تو پھر بتاتی ہوں۔'' زنیرہ کی چمکتی آنکھیں سارہ کو یہ تو بتا گئی تھیں کہ کچھ بہت

دلچسپ دکھانے والی ہے۔ وہ اسے کھینچتی ہوئی کیفے لے گئی تھی۔ مرکزی دروازے پر کافی لوگوں کا ہجوم تھا۔ زنیرہ اسے بھیڑ سے بچاتی ہوئی کیفے کے دروازے سے اندر لے گئی اور وہ دونوں ایک کونے میں کھڑی ہوگئیں جہاں سے صاف نظر آ رہا تھا۔ ڈھیروں سلور اور کالے رنگ کے غبارے زمین پر بکھرے ہوئے تھے اور تین میزوں کو ایک ساتھ ملایا گیا تھا۔ تینوں میزوں کے اطراف میں سیاہ اور سلور ربز سے سجاوٹ کی گئی تھی۔ سارہ نے دیکھا کہ بیچ کی میز پر کافی بڑا سا کیک تھا جو سیاہ اور سفید کے امتزاج سے سجایا گیا تھا۔ پہلے تو وہ مخمصے کا شکار ہوئی پر جوں ہی زین اور اس کے گروپ کو اندر آتے دیکھا۔ اسے سب سمجھ آ گیا۔ جس طرح اس کے دوست اسے گھیرے ہوئے تھے اور آنکھیں بند کر کے لا رہے تھے اس سے اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ اور کسی کی نہیں بلکہ زین کی سالگرہ کی تقریب تھی۔ اس کے چہرے کے تاثر مشتعل ہوئے اور اس نے زنیرہ کو غصے سے دیکھا۔

''تم مجھے یہاں اس لئے لائی ہو؟'' سارہ نے پوچھا۔

''ہاں نا! تم دیکھو تو کتنے لوگ جمع ہو گئے ہیں، یہ زین نا کوئی بہت ہی بڑی چیز ہے۔ سب کو اس کی سال گرہ دیکھنی ہے۔'' زنیرہ نے کہا۔ وہ کافی پر جوش لگ رہی تھی۔

''پر مجھے نہیں دیکھنی، نہ ہی مجھے دلچسپی ہے، میں جا رہی ہوں۔'' سارہ کا یہ کہنا تھا کہ زنیرہ نے اس کا ہاتھ تھام لیا اور روک دیا۔

''سارہ پلیز نا۔ آج میرے لئے پلیز۔'' زنیرہ کے اصرار کرنے پر سارہ رک گئی اور پھر سے ان لوگوں کی طرف دیکھنے لگی۔ تھوڑی دیر ہوئی کہ سب لوگوں نے ہوٹنگ کرنا شروع کر دی تھی۔ زین کیک کے پاس کھڑا تھا اور اس کے دائیں طرف شازیہ تو بائیں طرف ارسلان تھا۔ آج پہلی بار سارہ نے شازیہ پر تفصیلی نگاہ ڈالی تھی۔ وہ واقعی بہت خوبصورت تھی۔ دودھیا

رنگت، جھیل جیسی آنکھیں، ریشم جیسے بھورے بال۔ وہ کوئی فرنگی ہی محسوس ہوتی تھی۔ پھر زیادہ تر جینز اور آدھی آستین کی ٹی شرٹ پہنتی تھی جس میں اس کے سڈول بازو خوب نمایاں ہوتے تھے۔ اللہ حسن دیتا ہے تو نزاکت آ ہی جاتی ہے۔ وہاں کئی لڑکیاں موجود تھیں پر شازیہ کی ادائیں، اس کا انداز اسے سب سے منفرد کر رہا تھا۔ جب انسان کو معلوم پڑ جائے وہ کتنا حسین ہے تو دو رخ پر سوچتا ہے یا تو خود کو لوگوں کی نظروں سے چھپا لے یا پھر ایسے ظاہر ہو جیسے اس سے بہتر اور کوئی نہیں۔ وہ بھی دوسرے رخ پر سوچتی نظر آتی تھی۔ اس کا انداز و اطوار مرعوب کرتا تھا۔ کوئی بھی اس کے سامنے خود کو کمتر محسوس کر سکتا تھا۔ اور وہ خود کو برتر سمجھتی تھی۔

جب سب لوگ جمع ہو گئے تو شازیہ نے زین کو چھری تھمائی جس پر وہی سلور اور بلیک رنگ کی ربن بندھی ہوئی تھی۔ سب نے مل کر گانا گانا شروع کر دیا تھا اور زین نے کیک کاٹ لیا تھا۔ دو تین دوستوں نے مل کر خوب سارا اسنو سپرے کیا تھا۔ پھر غبارے پھوڑنا شروع کر دیئے اور تالیوں اور ہوٹنگ کی آوازیں کیفے میں گونجنے لگی تھیں۔ زین نے کیک کا ایک پیس شازیہ کو کھلایا، پھر ارسلان کو اور ساتھ ساتھ جو جو دوست آتے جا رہے تھے وہ ان کو کھلا رہا تھا اور وہ تمام لوگ اس کو۔

یہ منظر سارہ کے لئے نیا اور عجیب سا تھا۔ کیسے اتنے بڑے ہو کر بھی بچوں کی طرح اپنی سالگرہ منا رہے تھے۔ پھر کتنے پیسے اس میں ہی ضائع کر دیئے تھے۔ وہ زین اور شازیہ کو دیکھتی جو مسلسل سیلفیز لینے میں مصروف تھے۔ کبھی اکیلے تو کبھی دوستوں کے ساتھ۔ زنیرہ ٹھیک ہی کہتی تھی وہ دونوں واقعی ایک دوسرے کے ساتھ اچھے لگتے تھے اور کافی گہری دوستی ان دونوں کے درمیان نمایاں تھی۔ جہاں سب زین کی سالگرہ سے خوش تھے وہاں سارہ بیزار ہونے لگی تھی اور زنیرہ کو وہیں چھوڑ کر وہاں سے چلی گئی تھی۔

''پتہ نہیں کیوں سب اس ہی کے پیچھے پاگل ہو رہے ہیں، میرا اچھا خاصا وقت ضائع کر دیا۔'' سارہ خود کلامی کرتی ہوئی لائبریری چلی گئی تھی۔

☆......☆......☆

وہ بستر پر پیٹ کے بل لیٹے ہوئے تھی۔ سامنے تکیے پر کتاب کھلی پڑی تھی۔ دانتوں تلے پنسل دبائے وہ گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔ گہری بھوری زلفیں بے نیازی سے کمر پر پھیلی ہوئی تھیں۔ کچھ لٹیں اس کے چہرے کو چھو رہی تھیں پر وہ توجہ ہی نہیں دے رہی تھی۔ سارہ ان تمام طلبا کے بارے میں محو تھی جنہیں اللہ نے اتنی دولت تو دی تھی پھر ساتھ ہی ساتھ ایسی شکل و صورت سے بھی نوازا تھا کہ لوگ یا تو رشک کریں یا جل جل کر مر جائیں۔ ایسے جوڑے اور ان کی ایسی کہانیاں ڈیفنس اور کلفٹن جیسے پوش علاقوں سے ہی ملتی تھیں۔

''کون سا یہاں کوئی شہزادہ گھوڑے میں بیٹھ کر آئے گا۔'' اس نے بے ساختہ سوچا۔

''یہاں تو ماموں جس پر ہاتھ رکھ دیں بس وہ ہی اپنی قسمت، خیر، ہمیں ان سب سے کیا لینا دینا، یہ سب امیروں کے چونچلے ہیں۔'' پھر خود ہی خیالوں کو جھٹک کر پھر پڑھائی میں لگ گئی اور چہرے پر آتی لٹیں کان کے پیچھے اڑس دیں۔

سیمسٹر ختم ہونے میں چند دن رہ گئے تھے۔ جو لوگ سارہ کو دیکھنے آنا چاہ رہے تھے وہاں سے فی الوقت کوئی جواب نہیں ملا تھا۔ سارہ نے شکر کا سانس لیا تھا اور اس دورانیے میں پھر کوئی اس کے رشتے کی بات نہ ہوئی تھی۔

وہ آج کلاس میں اپنی کرسی پر بیٹھی نوٹس پڑھ رہی تھی جب کہ زنیرہ سمیت اور طلبا آپس میں کہیں ملنے کا پلان بنا رہے تھے۔ چونکہ سارہ الگ تھلگ رہا کرتی تھی لہٰذا ابھی بھی ان کی باتوں میں شامل ہونا ضروری نہیں سمجھا تھا۔

”ایک نئی فلم لگ رہی ہے وہ دیکھنے چلیں؟“ عفت نے مشورہ دیا۔

”ہاں، یہ اچھا آئیڈیا دیا ہے تم نے۔“ زنیرہ نے کہا۔

”لیکن جائیں گے کہاں؟“ حفصہ نے پوچھا۔

”امم۔ کوئی ایسی ہی جگہ رکھنی ہوگی جہاں ہم سب کے لئے پہنچنا آسان ہو اور یار! اس کے بعد پلیز چلے مت جانا تم سب، کچھ کھائیں گے بھی۔“ زنیرہ نے اصرار کیا۔

”زونی!“ سارہ کے بلانے پر اس کی باتوں کا تسلسل ٹوٹا تھا۔

”یار! ایک منٹ رکو میں آتی ہوں۔“ وہ سارہ کے پاس جا پہنچی تھی۔

”کیا ہوا؟ پریشان لگ رہی ہو۔“ زنیرہ نے پوچھا۔ سارہ جو کبھی بیگ میں دیکھ رہی تھی تو کبھی اپنے ہر رجسٹر کے ورق تیزی سے پلٹ رہی تھی اس کے چہرے پر تناؤ صاف ظاہر تھا۔

”یار! میرے نفسیات کے نوٹس نہیں مل رہے۔“ سارہ نے پریشان کن لہجے میں کہا۔ وہ کافی ٹینشن میں آ گئی تھی۔

”کہاں جائیں گے سارہ، یہیں ہوں گے۔“ اب زنیرہ بھی اس کے ساتھ دیکھنے لگی تھی۔ ہر کتاب ہر رجسٹر دیکھ لیا۔ خود زنیرہ نے سارہ کا بیگ دیکھا پر نوٹس واقعی نہیں مل رہے تھے۔

”میں نے بہت محنت سے بنائے تھے، آرام سے پڑھ کر سب سمجھ آ جائے، اب میں کیا کروں۔ مل ہی نہیں رہے۔“ ٹینشن تو بجا تھی امتحان جو سر پر تھے۔ سارہ گھبرا گئی تھی۔

”تم بے فکر رہو، یہیں کہیں ہوں گے۔“ زنیرہ بھی اس کے ساتھ ہر جگہ دیکھنے لگی تھی۔ سارہ اپنی کرسی سے اٹھ کر آگے پیچھے دیکھنے لگی۔ شاید نیچے کہیں گر گئے ہوں۔ وہ دو تین قدم پیچھے گئی کہ ایک کتاب میں اسی کی جیسی لکھائی کے نوٹس دبے ہوئے اسے نظر آئے۔ وہ کتاب ان کی کلاس میں ایک عزیر نامی لڑکے کی تھی۔ سارہ نے اس میں سے نوٹس نکال کر دیکھے تو وہ

اس ہی کے نکلے تھے۔

''زونی!'' سارہ نے آواز لگائی۔ زنیرہ جو ابھی بھی مصروف تھی نوٹس ڈھونڈنے میں اس کی آواز سن کر فوراً اس کے پاس آ گئی۔

''مل گئے۔ کہاں تھے؟'' زنیرہ نے نوٹس دیکھ کر شکر کا سانس لیا تھا۔

''عزیر کی کتاب میں۔'' سارہ کا حیران کن لہجہ زنیرہ کو بھی متحیر کر گیا۔

''ہیں؟'' زنیرہ کو سارہ کے چہرے کے بدلتے تاثر ڈرانے لگے تھے۔ وہ دونوں کیا کلاس کا ہر فرد جانتا تھا کہ عزیر پڑھائی میں کتنا لاپرواہ تھا۔ اس سے اس حرکت کی بعید بھی کی جا سکتی تھی۔ وہ امیر خاندان سے تعلق رکھنے والا شدید بدتمیز انسان تھا جسے بات کرنے کی تمیز تک نہ تھی۔ زنیرہ کو سارہ کی فکر ہوئی۔ وہ اس کے غصے کے بارے میں جانتی تھی۔ پر عزیر جیسے لڑکے سے بحث کرنے سے کچھ حاصل نہیں ہونا تھا۔

''ہو سکتا ہے، گر گئے ہوں اور اس نے رکھ لیے ہوں، بعد میں دینے کا سوچا ہو۔'' زنیرہ ہر طرح سے اس کے چڑھتے ہوئے پارے کو کم کرنا چاہ رہی تھی لیکن سارہ کا بس نہیں چل رہا تھا وہ کیا کر دے۔ جیسے ہی عزیر اپنے دوستوں کے ساتھ کلاس میں داخل ہوا، سارہ مشتعل سی اس کے پاس جا پہنچی۔

''عزیر! یہ کیا ہے؟'' سارہ نے طیش میں آ کر کہا۔ زنیرہ بھی اس کے پیچھے لپکی۔ کلاس میں موجود چند اور طلبا تک آواز گئی تو سب ان کی طرف متوجہ ہو گئے۔

''مجھے کیا معلوم۔ نوٹس لگ رہے ہیں۔'' عزیر نے کندھے لاپرواہی سے اچکائے۔

''ہاں نوٹس ہیں۔ پر یہ میرے نوٹس ہیں جو میں نے بہت محنت سے بنائے تھے، اور یہ مجھے تمہاری کتاب سے ملے ہیں۔'' سارہ کا پارا بڑھ رہا تھا۔

”اوہ! ان نوٹس کی بات کر رہی ہو؟ ہاں وہ تو میں نے لے لیے تھے، دراصل میرے پاس یہ سب نہیں لکھا تھا اور مجھے تمہارے نظر آ گئے تو میں نے سوچا فوٹو کاپی کر کے دے دوں گا۔“ یہ سن کر سارہ ہکا بکا ہو گئی اور زنیرہ کی آنکھیں بھی کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ اتنی ہٹ دھرمی!

”تم نے مجھ سے پوچھنا بھی ضروری نہیں سمجھا؟“ سارہ نے کہا۔ آواز مزید تیز ہو گئی۔

”ارے آرام سے، کھا جاؤ گی کیا؟“ عزیر اور اس کے ساتھی ہنسنے لگے۔ سارہ کے علم میں لائے بغیر کلاس میں عزیر کے ایک اور دوست نے ان کی وڈیو بنانا شروع کر دی تھی۔

”عزیر! ویسے یہ طریقہ صحیح نہیں ہے، تمہیں پوچھنا چاہیے تھا، سارہ پریشان ہو گئی تھی۔“ زنیرہ بھی پیچھے نہ ہٹی۔ اس نے واقعی غلط کیا تھا۔

”پریشان؟ تم پریشانی کی بات کر رہی ہو، یہ سمجھتا کیا ہے خود کو۔ ایک تو پڑھائی میں ویسے ہی صفر اور پھر نوٹس بھی لیے تو میرے! جتنی محنت میں نے ان کو بنانے میں کی ہو گی اتنی تو اس نے اپنی پوری زندگی پڑھائی میں نہیں کی ہو گی۔“

سارہ کا غصہ دیدنی تھا۔ وہ ویسے بھی ایسے بے پروا اور نالائق لڑکوں سے خار کھاتی تھی۔ زنیرہ سارہ کو آنکھوں کے اشارے سے نرمی برتنے کی تاکید کر رہی تھی پر وہ سارہ تھی۔ کہاں رکتی۔ اکھڑ مزاجی اور گرم دماغی تو اس کے خاندان میں برسوں سے چلتی آ رہی تھی۔ ظاہر ہے کچھ عنصر تو اس میں بھی آنا تھا۔ پھر اگر اس کے پاس مال و دولت دکھاوے کو نہیں تھی تو عقل ایک کُل اثاثہ تھا جس پر وہ ایسے لوگوں کے سامنے دکھاوے سے ڈرتی بھی نہیں تھی۔ کلاس کے باقی سب لوگ جو موجود تھے اب اِدھر تماشا دیکھنے آ گئے تھے۔

”اوہ ہیلو چشمش چڑیل! نوٹس لیے ہیں، تمہیں پرپوز نہیں کیا ہے جو تم میری اتنی بے عزتی کر رہی ہو۔“ عزیر کے ساتھی پیچھے منہ پر ہاتھ رکھ کر ہنسے جا رہے تھے۔ اور سارہ کے چہرے پر

تناؤ سا چھا گیا تھا۔

''سارہ! چھوڑو نا یہ میرے بھی ایسے ہی لے چکا ہے۔ ایک ساتھ کلاس میں پڑھتے ہیں۔ یہ سب تو چلتا ہے۔'' حفصہ نے معاملہ رفع دفع کرنا چاہا۔

''تمہیں کوئی مسئلہ نہیں ہوگا پر مجھے ہے! نہ جان نہ پہچان اور ایسی جرأت! اور تم مجھے کیا کہتے ہو چڑیل؟ کبھی خود آئینے میں اپنی شکل دیکھی ہے۔ نالائقی تمہارے چہرے سے ٹپکتی ہے۔'' سارہ نے غصے سے جواب دیا اور عزیر کو یہ برداشت نہ ہوا۔ وہ دو قدم اس کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا اور اسے گھور کر دیکھنے لگا۔

''میں تو روز دیکھتا ہوں۔ پر کیا تم نے کبھی دیکھا ہے آئینہ؟ یا جہاں سے آئی ہو وہاں یہ بھی میسر نہیں۔'' عزیر کا یہ کہنا تھا کہ اس کے دوست زور سے ہنسنے لگے تھے اور ساتھ ہی کچھ لڑکیوں کی بھی ہنسی کی آواز سارہ کے کانوں میں پڑی تھی۔ اس کے لب سل گئے تھے۔ زبان تالو سے جا لگی تھی۔ آنکھوں میں وحشت لیے وہ عزیر کو دیکھ رہی تھی جو اپنے دوستوں کے ساتھ مل کر قہقہے لگا رہا تھا۔ زنیرہ کو عزیر کا رویہ سخت ناگوار لگا۔ وہ سارہ کے برابر کھڑی رہی تھی اور جو جو ہنسا تھا انہیں بھی نظروں سے گھور رہی تھی۔

''عزیر! سوچ کر بولا کرو تمہیں بات کرنے کی تمیز نہیں؟'' زنیرہ نے ڈپٹ دیا۔

''او ہیلو، میں نے صرف نوٹس ہی لیے ہیں زونی! پر یہ تو سر پر چڑھ گئی ہے! پتہ نہیں خود کو کیا سمجھتی ہے! اچھے مارکس کیا مار لیے اپنے آپ کو اونچا ہی سمجھنے لگی۔'' عزیر چیخ پڑا۔ پر سارہ کی بس ہو گئی تھی۔ وہ مزید وہاں نہیں رکی جب بات چہرے اور بیک گراؤنڈ کی آ گئی تو اس نے خاموش رہنا ہی بہتر سمجھا اور فوراً اپنا سامان اٹھا کر وہاں سے چلی گئی۔

''عزیر! جو بھی ہے تمہیں اس کی چیز اس سے پوچھے بغیر نہیں لینی چاہیے تھی۔ اور تمہارا

بات کرنے کا طریقہ صحیح نہیں تھا۔" زنیرہ کی بات پر عزیر نے مزید تیور چڑھا لیے۔

"کیا ہو گیا ہے زونی تمہیں! یار اس طرح تو ہوتا ہے کلاس میں! وہ خود کو پتہ نہیں کیا سمجھتی ہے، عزیر میرے بھی نوٹس لے چکا ہے، میں نے مذاق ہی لیا تھا اس کو! تم اس کی طرف داری بند کر دو مانا کہ تمہاری دوست ہے پر یہ تم بھی جان لو غرور اس میں بھی بہت ہے۔" حفصہ نے زنیرہ کو چپ کروا دیا۔ جو بھی ہو چاہے وہ جتنا ہی بدتمیز اور ہٹ دھرم ہو لیکن اپنی وجاہت اور مضبوط بیک گراؤنڈ کے باعث کئی لڑکیوں کو متاثر ضرور کرتا تھا۔

"ویسے بھی اتنی اکڑ دکھاتی ہے سبق تو دینا ہی تھا۔ ایک نوٹس ہی لیے تھے میں نے کون سا کچھ اس سے ہو جائے گا۔" عزیر نے کہا۔

"صحیح کہہ رہے ہو۔" عفت نے کہا اور زنیرہ کا مزید ان کی باتیں سن کر دل دکھا۔ وہ بھی بیگ لے کر سارہ کے پیچھے جانا چاہتی تھی لیکن اس سے پہلے وہ کلاس سے نکلتی سر کلاس میں آ گئے تھے اور اسے وہیں بیٹھنا پڑ گیا۔

☆......☆......☆

آئی ٹی بلڈنگ کی چکر کاٹتی سیڑھیاں عبور کرتی وہ کلاس میں جا رہی تھی۔ کل کا ہونے والا واقعہ اعصاب پر اب تک سوار تھا۔ لیکن اس نے خود کو بہت مشکل سے واپس تیار کیا تھا کہ ان لوگوں کے ساتھ کلاس لے سکے۔ البتہ اب اس نے سوچ لیا تھا کہ اگلا سمسٹر وہ خود کورسز لے گی تاکہ ان طلبا سے اس کی جان چھوٹ جائے۔ پھر چاہے زنیرہ ساتھ ہو یا نہ ہو۔ وہ اپنی خاطر زنیرہ کو دوسری دوستوں سے الگ نہیں کر سکتی تھی۔

چوتھے مالے پر پہنچ کر اس نے سانس بحال کیا اور کلاس کی طرف قدم بڑھا دیئے۔ ابھی وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوتی کہ اسے اپنی ہی آواز ریکارڈنگ میں سنائی دی۔ اس کا ہاتھ

جو دروازہ کھولنے کے لیے بڑھا تھا ہوا میں معلق رہ گیا اور تمام حواس جاگ گئے تھے۔ دروازے کی درز سے وہ دیکھ سکتی تھی کہ عزیر اور اس کے دوست سمیت تین لڑکیاں موجود تھیں۔ یہ وہ ہی حفصہ اور عفت تھیں البتہ کشمالہ جو کل نہیں تھی وہ بھی آج شامل تھی۔ ان کی باتوں سے اندازہ لگا تھا کہ وہ کل کے واقعے کی ریکارڈنگ کشمالہ کو دکھا رہے تھے۔ سارہ کے اعصاب شل ہونے لگے تھے۔ اس نے جھری سے مزید دیکھا تو دم سادھے رہ گئی۔ ایک لڑکا عینک لگائے اس کی ہی ایکٹنگ کر رہا تھا۔ اور وڈیو جو اس کے علم میں لائے بغیر بنائی گئی تھی، سب اسے دیکھ رہے تھے اور تبصروں کے ساتھ ساتھ ہنسی کے تبادلے بھی ہو رہے تھے۔

وہ پہلے ساکت کھڑی رہی پھر ان کی ہنسی کی گونج سے اس کے چاہد قدم پیچھے ہوئے۔ اب سامنا کرنا دشوار تھا۔ وہ ہنسی کا مرکز بن گئی تھی۔ ایسا کیا کیا تھا اس نے ان لوگوں کے ساتھ جو اسے اس طرح کا رویہ جھیلنا پڑا تھا۔ بمشکل خود کو ہمت دلاتی وہ تو آج کلاس لینے آئی تھی پر اب اس کی حالت ابتر ہونے لگی تھی۔ اس سے پہلے باہر کوئی نکلتا یا دوسرا کوئی کلاس میں داخل ہوتا وہ یہاں سے بھاگ جانا چاہتی تھی۔ وہ تیزی سے گول گول سیڑھیاں اترتی چلی گئی تھی۔ آنکھوں میں آنسو بھر گئے تھے۔ حواس بند تھے۔ دل کرچی کرچی ہو رہا تھا۔ وہ برداشت نہیں کر پا رہی تھی۔ جوں ہی اس نے آخری قدم سیڑھی پر رکھا اس کا توازن بگڑا۔

''ارے دھیان سے۔ تم ٹھیک ہو؟'' اگر سامنے آتی ہوئی لڑکی اسے شانوں سے نہ تھامتی تو وہ منہ کے بل زمین بوس ہوتی۔ اسے لڑکی صاف نہ دکھی تھی منظر جو اتنا دھندلا تھا پھر دل و دماغ میں قہقہے کی بازگشت نے اس کے اوسان خطا کر دیئے تھے۔ وہ کچھ نہ بولی۔ لڑکی کے برابر سے نکل کر بھاگ گئی اور آئی ٹی بلڈنگ کے عقب میں بنے چبوترے پر جا بیٹھی۔ وہ اکثر یہاں موجود ہوتی تھی۔ یہ اس کا ''مائے سپاٹ'' تھا۔ اتفاق سے جتنی بار یہاں آتی اسے یہاں

کوئی نہ ملتا۔ شاید اس جگہ کی کھوج اسی نے کی تھی۔ وہ یہاں آکر سکون محسوس کرتی تھی کیونکہ وہ کسی کو نہیں دیکھ سکتی تھی اور اس کے مطابق کوئی اسے نہیں دیکھ سکتا تھا۔

دل و دماغ سن ہو چکے تھے۔ آنکھوں سے آنسو رواں دواں تھے۔ دل کا بوجھ کم ہو کر نہیں دے رہا تھا۔ وہ غصے اور غم کے ملے جلے تاثر سے دوچار تھی۔ آخر اس نے ان لوگوں کا بگاڑا کیا تھا؟ کیا کل کے واقعے میں عزیر کی غلطی نہیں تھی؟ کیا اسے پوچھ کر نوٹس نہیں لینے چاہئیں تھے؟ وہ چاہتا تو سوری بھی کر سکتا تھا۔ پر اس نے خود کو سارہ پر برتر سمجھا۔ کیا سارہ کا سب کہنا اسے غلط تھا؟ وہ ان لوگوں کی سوچ پر حیران تھی جو غلط کو بھی کیسے صحیح تصور کرتے ہیں اور کمزور کا مذاق بنا کر رکھ دیتے ہیں۔ اس سے برداشت نہیں ہو رہا تھا۔ وہ چیخنا چلانا چاہتی تھی پر ضبط کر کے زبان ہی تالو سے لگا دی۔ وہ جذبات کی شدت سے اس قدر مضمحل ہو رہی تھی کہ اس نے آنکھیں زور سے بھینچ لیں اور سر کو کھڑکی سے ٹکا دیا جو اس کے عقب میں تھی۔ کچھ لحظہ ایسے ہی سرکتے رہے۔ وہ بے آواز آنسو بہاتی رہی تھی جب یکایک اسے آہٹ محسوس ہوئی۔ اس نے بمشکل آنکھوں کو کھول کر دیکھنا چاہا تھا پر دھوپ کی شدت سے وہ چندھیا گئی تھیں۔ جب منظر واضح ہوا تو وہ ٹھٹک کر رہ گئی۔ جس شخص کا تصور بھی نہیں تھا۔ جس کا پھر خیال بھی بھٹک کر دماغ تک نہ پہنچا وہ شخص اسے بغور دیکھ رہا تھا۔

''سنو تم ٹھیک ہو؟'' زین کے پوچھنے سے پہلے سارہ نے اپنا چہرا دوسری طرف پھیر لیا تھا۔

''یہ یہاں کیا کر رہا ہے؟'' سارہ نے خود سے کہا تھا۔ اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ چاہتی تھی کہ زین یہاں سے فوراً چلا جائے۔ کم از کم اس شخص کی اسے یہاں امید نہیں تھی۔

''اُمم...... یار سب ٹھیک ہے ہیلو؟'' جواب نہ پا کر زین نے پھر پوچھا۔

''کیا آپ یہاں سے جا سکتے ہیں؟'' وہ رخ دوسری طرف کیے ہی کہنے لگی تھی۔

’’میں ضرور چلا جاؤں گا، لیکن جس طرح اور جس حالت میں تم یہاں بیٹھی ہو مجھے کچھ ٹھیک نہیں لگ رہا۔‘‘ زین نے نرمی سے کہا۔

’’میں جیسی بھی حالت میں ہوں، آپ یہاں سے بہتر ہوگا چلے جائیں۔‘‘

سارہ اس کی موجودگی سے چڑنے لگی تھی۔ وہ جتنا منہ چھپا لیتی۔ زین کے سامنے سب ظاہر تھا۔ وہ ڈر گیا تھا کہ کہیں یہ لڑکی کچھ کر نہ بیٹھے۔ سارہ کے بار بار کہنے پر بھی اس نے دل پر جبر رکھا اور وہیں کھڑا رہا۔

’’اچھا صحیح ہے، میں چلا جاؤں گا، پر کیا تمہارے پاس پانی ہے؟ میرا مشورہ ہے تم پہلے پانی پی لو۔ اگر نہیں ہے تو یہ لے لو۔‘‘ زین کے ہاتھ میں جو پانی کی بوتل تھی وہ اس نے اس کی طرف بڑھائی۔

’’میرے پاس پانی ہے۔‘‘ سارہ نے غصے سے کہا اور پتہ نہیں کیا سوچ کر اس نے بیگ کھولا اور پانی کی بوتل نکال کر پینے لگی۔

زین وہیں سامنے دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔ اس کی نظریں سارہ پر نہیں تھیں۔ وہ کچھ پل کسی سوچ میں محو تھا۔ سارہ نے پانی کی بوتل واپس بیگ میں رکھی اور زین کو طیش کے عالم میں دیکھنے لگی۔ اسے اب اس بات سے کوئی پروا نہیں تھی کہ وہ اس وقت کیسی لگ رہی ہے۔ اسے زین کی موجودگی یہاں برداشت نہیں ہو رہی تھی۔

’’آپ کو کوئی اور کام نہیں ہے؟ میں کتنی بار بول چکی ہوں، یہاں اکیلا چھوڑ دو مجھے، آپ پھر بھی ڈھیٹ کے ڈھیٹ ہی ہیں۔‘‘ سارہ نے برہمی سے کہا اور وہ جو کسی خیال میں گم تھا اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

’’ویسے کام تو بہت ہیں، لیکن تم کو یہاں ایسے بیٹھا دیکھا تو ڈر گیا۔‘‘ زین اس کے برہم

ہونے کو نظر انداز کر گیا اور لہجے کو قدرے نارمل کر کے کہنے لگا۔

''کیا مطلب ڈر گئے؟'' سارہ کو تعجب ہوا۔

''ایک اکیلے شخص کا ایسے بیٹھنا اسے کئی راستوں پر لے جاتا ہے، اس لئے۔'' زین کی ذو معنی گفتگو سارہ کے پلے نہ پڑی۔

''اب اس یونیورسٹی میں اکیلے بھی نہیں بیٹھ سکتے یا آپ ہی بتا دیں میں کہاں بیٹھوں؟'' سارہ نے تیور چڑھا لیے۔

''بیٹھ سکتے ہیں بالکل بیٹھ سکتے ہیں لیکن مجھے محسوس ہوا کہ تمہیں کسی کی ضرورت ہوگی۔'' زین نے کہا۔

''مجھے کسی کی ضرورت نہیں، اور اس دنیا کے آپ آخری شخص ہوں گے جس کے پاس میں مدد لینے آؤں گی۔'' سارہ کے اٹل انداز نے زین کے چہرے پر مسکراہٹ بکھیر دی۔ اس نے دیکھا تھا کہ اس کے چہرے پر آنسو کے نشان ثبت تھے۔ صاف لگ رہا تھا وہ کافی دیر سے رو رہی تھی۔ پھر خود کی پروا کیے بغیر زین سے جھگڑ رہی تھی۔ وہ اس کو بہت مختلف لگی، پتہ نہیں کیا اکڑ تھی اتنی۔

''کیوں مسکرا رہے ہیں آپ؟'' سارہ کا مزید پارہ چڑھ گیا۔ ''سب کو میں ہی مذاق دکھتی ہوں۔''

''ارے نہیں، میں تمہارا مذاق کیوں کروں گا۔'' زین نے سمجھانا چاہا لیکن سابقہ واقعے نے اس کا دماغ گھما دیا تھا۔ وہ اپنی جگہ سے کھڑی ہوئی اور زین کے مقابل آ گئی۔

''اور تو کوئی وجہ نہیں ہو سکتی نہ ہنسنے کی! اڑا لو مذاق، سب کا یہ ہی تو کام ہے۔'' سارہ نے کہا۔

''مجھے لگ رہا ہے تمہیں غلط فہمی ہو گئی ہے۔'' زین نے وضاحت دی۔

''کیا غلط فہمی؟....... ہیں...... آپ کی مسکراہٹ سے صاف ظاہر ہے کہ آپ مجھ پر ہنسے ہیں۔'' پارہ مزید چڑھ گیا تھا اور اگر اس گرم دماغ کو ناپا جاتا تو یقیناً تھرمامیٹر پھٹنے والا تھا۔

''جس کو دیکھو یہ ہی کرتا آ رہا ہے! کیا ہم انسان نہیں؟ میں نے کیا بگاڑا ہے سب کا جو سب میرے ہی پیچھے پڑ گئے ہیں۔ کیا ہم جیسے لوگ اس یونیورسٹی میں پڑھنے نہیں آ سکتے؟'' سارہ کی آنکھوں میں شدت جذبات سے پھر آنسو آ گئے تھے۔

''کیوں ایسا کیا ہوا ہے؟'' زین نے پوچھا۔

''میں کیوں بتاؤں آپ کو۔ اچھی خاصی یہاں پر بیٹھی تھی اور آ کے پریشان کر دیا ہے آپ نے۔ کیوں اتنی پنچایت ہے۔'' سارہ نے کہا۔

''نہیں مجھے کوئی پنچایت نہیں ہے لیکن اس یونیورسٹی سے کیا مسئلہ ہو گیا؟'' زین نے پوچھا اور سارہ نے نتھنے پھلا لیے۔ وہ جتنا طیش میں تھی مقابل کھڑا شخص اتنا ہی پرسکون تھا۔

''مجھے یونیورسٹی سے نہیں بلکہ یہاں کے لوگوں سے مسئلہ ہے۔ لگتا ہے دل اور دماغ گھر میں ہی رکھ کر آتے ہیں۔ کوئی احساس ہی نہیں ہے کسی کو۔ ایک پل میں ہی مذاق بنا دیتے ہیں اور یہ نہیں سوچتے کہ سامنے والے پر کیا گزری۔''

سارہ واپس وہیں بیٹھ گئی اور اپنا ماتھا نیچے کر کے انگلیوں سے سہلانے لگی۔ اتنا غصے سے سب بول بیٹھی تھی کہ اب سانس پھولنے لگا تھا۔ زین وہیں دیوار سے ٹیک لگائے کھڑا رہا اور کوئی لفظ نہ کہا۔ جیسے ہی سارہ کو احساس ہوا کہ وہ بہتر محسوس کرنے لگی تھی اس نے زین کی طرف دیکھا اور شرمندہ ہو گئی۔

''یہ کیا کر دیا۔ عزیر کا سارا غصہ اس پر نکال ڈالا میں نے۔'' اسے اچانک خیال آیا اور ندامت سے ہونٹ کترنے لگی پھر اپنے کیے پر حیران ہو کر پانی نکال کر پینا شروع کر دیا ساتھ

ہی کن انکھیوں سے زین کو دیکھنے لگی جو وہیں خاموشی سے کھڑا تھا۔

''لگتا ہے سب نکل گیا، یا اگر مزید کچھ اور ہے تو تم نکال سکتی ہو۔'' زین کے انداز پر اسے تشویش ہوئی۔

''کیا مطلب؟'' سارہ نے پانی کی بوتل واپس بیگ میں رکھی اور اس کی طرف بڑھی۔

''مطلب رہنے دو، صرف یہ بتاؤ کیا اب تم بہتر محسوس کر رہی ہو؟'' زین نے پوچھا۔

''ہاں کیوں؟'' سارہ نے استفسار کیا۔

''ٹھیک ہے یعنی اب مجھے تمہارے حوالے سے ڈرنا نہیں چاہیے۔'' زین ٹیک سے ہٹ کر سیدھا کھڑا ہو گیا۔

''آپ بار بار کس ڈر کی باتیں کر رہے ہیں؟'' سارہ جز بز ہوئی۔

''کچھ نہیں، چلو میں چلتا ہوں۔'' زین نے قدم بڑھائے تھے کہ سارہ کے دماغ پر جھماکا ہوا۔

''ایک منٹ۔ یہ سب جان بوجھ کر کیا تھا آپ نے؟'' سارہ کو اب سمجھ آنے لگا تھا۔ زین جب اس کے پاس آیا تھا تو وہ بات نہیں کرنا چاہتی تھی لیکن جس وقت اسے اندازہ ہوا تھا کہ وہ غصے میں سب بول دے گی اور بہتر محسوس کرنے لگے گی تو اس نے سارہ کو پورا موقع دیا اور خاموشی سے سنتا رہا۔

''جیسا تم سمجھو۔'' زین نے خفیف سے کندھے ہلا کر اسے مسکرا کر کہا تو سارہ کو ذرا برا نہیں لگا۔

''پر کیوں؟'' سارہ نے پوچھا۔

''وہ چھوڑ دو۔ پر ہاں ایک بات ہے، یہاں کا ہر شخص ایک جیسا نہیں ہے، جہاں برے لوگ ہیں وہاں کچھ تو اچھے بھی ہوتے ہیں۔'' زین نے کہا۔

''مجھے تو ایسا نہیں لگتا۔'' سارہ نے نفی میں گردن ہلائی۔

''اچھا اس کا مطلب میرے حوالے سے بھی یہ ہی خیال ہے تمہارا، ہیں نا؟ اور اپنے اوپر لگا یہ ٹھپہ کم از کم میں برداشت نہیں کروں گا۔''

زین کا اندازِ گفتگو اتنا مخلص اور بناوٹ سے پاک تھا کہ وہ بھی اسے غور سے سن رہی تھی اور عزیر سے متعلق تمام واقعہ پل بھر میں بھول گئی تھی۔

''اور اس کا حل کیا نکالیں گے آپ؟'' سارہ نے پوچھا۔

''ہمم۔ ہاں ہم دونوں میں شاید شروع سے ہی لڑائی ہوئی اس لیے تمہارا میرے بارے میں بھی وہ ہی خیال ہے جو باقی سب کے بارے میں ہے۔ تو اب اس کو بدلنے کے لیے ایک نئی شروعات کرتے ہیں۔'' زین نے کہا اور سارہ سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھتی رہی۔

''السلام علیکم! میرا نام زین سرور ہے، اور تمہارا؟'' کوئی اور ہوتا تو سارہ پھر غصے میں آ جاتی پر اس لڑکے میں نہ جانے کیا بات تھی کہ اس نے جواب دے دیا۔

''وعلیکم السلام۔ سارہ۔ سارہ احمد۔'' وہ رکی نہیں اور وہاں سے چلی گئی۔

☆......☆......☆

گرمیوں کی چھٹیاں شروع ہو گئی تھیں اور پچھلے سمسٹر کی طرح اس سمسٹر میں بھی سارہ نے بیچ میں ٹاپ کیا تھا۔ اس یونیورسٹی میں ایک سہولت یہ بھی طلبا کو دی گئی تھی کہ وہ گرمیوں میں آگے کے کورسز لے سکتے تھے اور اپنا چار سال کا پروگرام ساڑھے تین سال میں مکمل کر سکتے تھے۔ سارہ یہ موقع کیسے ہاتھ سے جانے دیتی۔ اس نے زنیرہ سے بھی کورسز لینے کو کہا تھا پر زنیرہ اپنی فیملی کے ساتھ گرمی کی چھٹیاں کسی دوسرے شہر گزارنے جا رہی تھی۔ کورسز رجسٹر کرنے کے لئے سارہ کو یونیورسٹی جانا تھا پر اس میں بھی ابھی کئی دن باقی تھے۔ وہ گھر پر ہی رہا کرتی تھی اور زینت کے ساتھ گھر کے کاموں میں مدد کروا دیا کرتی تھی۔

''سارہ! چائے تیار ہو گئی؟'' زینت نے کچن میں آ کر پوچھا تھا۔ یہ لوگ رات کا کھانا کھا چکے تھے اور معمول کی طرح فاروق چائے کا انتظار کر رہے تھے۔

''جی جی۔'' سارہ نے ناب بند کیا اور دو کپ بھر کر زینت کو دے دیئے۔ اس کے بعد اس نے بیسن میں رکھے ہوئے برتن دھو لیے اور کچن صاف کر کے باہر نکلنے لگی تھی کہ زینت کے اچانک آنے پر سارہ چونک گئی۔

''سارہ! وہ تمہیں یاد ہے، کچھ لوگ دیکھنے آنے والے تھے تم کو، کافی پہلے ذکر کیا تھا ہم نے تم سے۔'' زینت نے نپے تلے الفاظ میں پوچھا۔

''جی، مجھے یاد ہے۔'' سارہ کی گلٹی ابھری۔

''ہاں وہ کل آ رہے ہیں، تمہاری چھٹیاں بھی ہیں اور یہ لوگ شام میں آئیں گے، میں نے کپڑے بھی تیار کروا دیئے تھے۔ تمہیں کل دے دوں گی۔''

زینت کی بات سن کر اس نے فقط سر کو جنبش دی اور سر جھکائے کمرے میں چلی گئی۔ زینت اس کی دلی کیفیت سے واقف تھیں پر کمرے میں بیٹھے فاروق کے کان ہر وقت کھڑے ہوتے تھے۔ وہ بھی خاموشی سے اپنے کمرے میں آ گئیں۔ اسے شادی سے کوئی مسئلہ نہیں تھا لیکن اگر بوجھ سمجھ کر چھٹکارا کوئی حاصل کرنا چاہے تو کیا گزرے ایسے شخص پر؟ اگر یہ ہی ماموں اسے وہ لاڈ پیار دیتے جس کی وہ حق دار تھی تو سارہ اپنی آگے پڑھنے کی ضد فوراً چھوڑ دیتی۔ اور خوشی خوشی ان کے فیصلے کو قبول کر لیتی۔

اگلے دن سارہ نے شام میں وہ ہی جوڑا پہنا جو زینت نے سلوایا تھا۔ یہ ایک میرون رنگ کی شلوار قمیص تھی جس کے گلے پر تھوڑا بہت سلور رنگ کا کام تھا باقی پوری قمیض سادہ تھی۔ آستینیں چوڑی دار تھیں جو اس پر بہت جچ رہی تھیں۔ شیفون دوپٹے پر تھوڑے فاصلے

سے چھن بوٹی تھی اور سلور پیکو کی ہوئی تھی۔ کان میں اس نے وہ ہی چھوٹے چھوٹے سلور جھمکے پہن لیے تھے اور بالوں کی ڈھیلی چوٹی بنالی تھی۔ آنکھوں میں کاجل اور ہونٹوں پر زینت کی ہی دی گئی ہلکے رنگ کی گلابی لپ اسٹک لگالی تھی۔ وہ لگ تو بہت پیاری رہی تھی لیکن چہرا بے رونق تھا۔ وہ کتنی دعائیں کر رہی تھی کہ فون آجائے اور یہ لوگ نہ آئیں لیکن تب ہی گھنٹی بجی اور آواز سے لگا کہ دعا قبول نہیں ہوئی۔

باہر لاؤنج میں اس کے ماموں مامی نے کھانے کی میز سے تین کرسیاں لے کر صوفے کی طرف رکھ دی تھیں۔ دو پر وہ بیٹھ گئے تھے اور ان کے بیچ میں شاہ زیب تھا۔ جبکہ صوفے پر رضیہ جو شاہ زیب کی والدہ تھیں اور دوسری طرف اس کی پھوپھو بیٹھ گئی تھیں۔

''بہت معذرت بھابی، ہم نے آپ کو کافی پہلے کہا تھا آنے کا لیکن پھر آ ہی نہیں سکے، کیا کرتے، سارا کاروبار سب کچھ لاہور میں شفٹ کرنا تھا تو اس کی تیاریوں میں ہی مصروف رہ گئے۔ بس یوں سمجھ لیں کہ ابھی وقت نکال سکے تو آنا ممکن ہوا۔'' رضیہ نے کہا۔

''ارے کوئی بات نہیں، میں سمجھ سکتی ہوں، ایک شہر سے دوسرے شہر سب بھیجنا، آسان کام نہیں۔'' زینت نے رسانیت سے کہا۔

''ہاں وہی تو، لیکن ابھی تو بس سمجھیں کہ گھر دیکھا ہے وہاں اور شاہ زیب نے دکان کے لئے جگہ، بلکہ یہ تو خود ابھی آیا ہے، اس وجہ سے بھی میں نہیں آسکی۔'' رضیہ نے کہا۔

''ارے نہیں بھابی کوئی مسئلہ نہیں ہے، یہ بتائیں گھر تو مل گیا تھا نا آپ کو آسانی سے؟'' فاروق نے پوچھا۔

''جی جی بھائی صاحب، شاہ زیب آرام سے لے کر آگیا یہاں پر، بڑا لائق ہے میرا بیٹا۔'' رضیہ نے کہا اور گھر پر طائرانہ نظر ڈالی جو فاروق اور زینت سے چھپی نہیں تھی۔

''ویسے آپ کی بھانجی، کیا نام بتایا تھا...... سارہ؟'' رضیہ نے پوچھا۔ ان کے چہرے سے صاف ظاہر تھا کہ وہ گھر کو دیکھ کر متاثر نہیں تھیں۔

''جی جی۔ سارہ نام ہے۔'' زینت نے کہا۔

''ہاں، تو اس کے والدین نہیں ہیں؟'' رضیہ نے پوچھا۔

''جی نہیں ہیں، بس گیارہ سال کی تھی تو دونوں ہی چل بسے تب سے ہمارے پاس ہی ہے۔'' زینت نے کہا۔

''اوہ، افسوس ہوا سن کر، ویسے شاہ زیب کے ابو کا بھی بہت پہلے انتقال ہو گیا تھا تب سے اکیلی پال رہی ہوں میں اپنے دونوں بچوں کو۔'' رضیہ نے فخریہ انداز میں کہا۔

''اللہ ہمت دے آپ کو، اپنی چھوٹی بیٹی کو نہیں لائیں آپ؟'' زینت نے پوچھا۔

''اس نے منع کر دیا تھا، جانتی تو ہیں آپ آج کل کے بچوں کو۔ اچھا اپنی بھانجی کو تو بلائیں میری نند بھی انتظار کر رہی ہیں۔'' رضیہ مسکراتے ہوئے اپنی نند کو دیکھنے لگیں جو گھر کے بعد اب فاروق اور زینت پر تفصیلی نگاہ ڈالے ہوئے تھیں۔

زینت فوراً اٹھیں اور کمرے میں چلی گئیں۔ سارہ بستر کے سرہانے بیٹھی زمین کو تکے جا رہی تھی۔ چہرے پر صاف نظر آ رہا تھا کہ اسے یہ سب سخت ناگوار گزر رہا ہے لیکن فاروق کی مرضی کے آگے کچھ ہو سکتا تھا۔ اس لئے خاموشی سے برداشت کر رہا تھا۔

''چلو سارہ! رضیہ بھابی بلا رہی ہیں۔'' انہوں نے اندر آ کر کہا تو سارہ بادل نخواستہ اٹھی۔

''ایک منٹ، یہ چشمہ تو اتار دو۔'' زینت نے کہا۔

''کیوں؟ ان سے چھپانے کی کیا ضرورت ہے کہ میں چشمہ پہنتی ہوں۔'' سارہ کے سن کر ہی تیور چڑھے۔

''بیٹا! چھپانا نہیں ہے لیکن اس وقت اس جوڑے پر یہ چشمہ اچھا نہیں لگ رہا۔'' زینت نے سمجھانا چاہا۔

''میں تو چشمہ روز پہنتی ہوں، پھر آج ایسا کیا ہو گیا کہ اچھا نہیں لگ رہا، اور ویسے بھی اب یہ میری شناخت ہے اس کے بغیر میں نہیں جاؤں گی۔'' سارہ نے کہا۔

''سارہ، تمہارے ماموں نے کہا تھا کہ تمہیں چشمے کے بغیر لے کر آؤں۔'' زینت نے اب کی بار زور دیا تو سارہ کا مزید پارہ چڑھ گیا۔

''اب انہیں کیوں مسئلہ ہو رہا ہے؟'' سارہ نے تنک کر پوچھا۔

''بس میں نہیں جانتی! تمہارے ماموں کا حکم ہے۔'' زینت نے کہا اور اس کا چشمہ اتار دیا۔ جب بات حکم پر آ جائے تو وہ کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ جانتی تھی زینت نہیں مانیں گی۔ مزید بولنا ہی بیکار تھا یہاں پر جب ماموں نے ہی کہہ دیا تھا۔ وہ دونوں بہت ہلکی آواز میں بات چیت کر رہی تھیں تاکہ باہر تک آواز نہ جائے۔ زینت سارہ کو لے کر لونگ روم میں چلی گئیں۔ سارہ نے سب کو بغیر دیکھے سلام کیا اور رضیہ اور ان کی نند کے بیچ میں بیٹھ گئی۔ اس نے ایک بار بھی شاہ زیب کی طرف نہیں دیکھا تھا پر شاہ زیب کی نگاہیں مستقل اس پر تھیں۔

''کیا اتنی بوجھ ہوں میں ماموں آپ پر کہ پڑھائی کے اخراجات آپ پر نہ ڈالتے ہوئے بھی آپ مجھے اس گھر سے جیسے تیسے رفع دفع کرنا چاہتے ہیں؟''

''کیسی ہو بیٹا؟'' رضیہ نے سارہ سے پوچھا لیکن سارہ سوچوں میں ہی اتنی غائب تھی کہ اس کے کانوں پر آواز نہیں پڑی۔ رضیہ نے مسکرا کر زینت کو دیکھا تو زینت نے اسے پکارا۔

''سارہ..... سارہ!''

''ج..... جی مامی؟'' زینت کی آواز پر وہ گہری سوچ سے واپس لوٹی۔

”بیٹا! رضیہ آنٹی آپ سے کچھ پوچھ رہی ہیں، جواب دو۔“

سارہ نے ان کی طرف دیکھا تو وہ اسے ذرا اچھی نہیں لگیں۔ آنکھوں میں بھرا کاجل اور آئے لائنر پھر ہونٹوں پر انتہا سے زیادہ لال لپ اسٹک۔ ان کے سامنے سارہ کا تیار ہونا بھی کچھ نہیں لگ رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے دیکھنے سارہ کو نہیں بلکہ خود اپنے ہی بر دکھوے میں بن سنور کر بیٹھی ہوں۔

”کیسی ہو بیٹا؟“ رضیہ نے واپس سوال دہرایا۔

”جی ٹھیک ہوں۔“ سارہ نے سیدھا سیدھا جواب دے دیا اور رضیہ نے اپنی نند کو مزید سوال کرنے کے لیے اشارہ کیا۔

”پڑھائی کے علاوہ اور کیا مصروفیت ہے تمہاری؟“ نند نے پوچھا۔

”بس کچھ بھی نہیں، گھر کے کام اور پڑھائی، اس کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔“ سارہ نے نپے تلے الفاظ میں کہا۔

”گھر کے کام تو بہت ضروری ہوتے ہیں، میرا ماننا یہ ہے بھابی کہ جتنا بھی پڑھ لو لڑکی کو گھر کے کام کرنے آنے چاہئیں۔“ رضیہ کا انداز خاصا جتانے والا تھا۔

”جی بالکل صحیح فرما رہی ہیں آپ، ماشاءاللہ سارہ پورا گھر سنبھال لیتی ہے۔“ زینت نے کہا۔

”ہاں اور پھر پڑھائی کرنا بھی کیا ہے بھابی، آخر کو گھر ہی دیکھنا ہوتا ہے لڑکیوں نے۔“ یہ کہنے والے فاروق تھے جن کو ترچھی نظروں سے سارہ نے دیکھا تھا۔

”شوق ہے ماموں میرا۔ آپ نے اور کچھ کرنے ہی کہاں دیا ہے۔“ وہ پھر خود کلامی میں مصروف ہوئی۔

”صحیح کہہ رہے ہیں، اچھا اگر برا نہ مانیں آپ لوگ تو میں چاہ رہی تھی دونوں بچے بھی

آپس میں بات کرلیں۔'' رضیہ کی بات پر وہ اندر ہی اندر چونکی۔ جبکہ فاروق اور زینت نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

''دراصل آپ تو جانتے ہیں نا بھائی صاحب آج کل کے بچے! ہمارا تو زمانہ ہی دوسرا تھا۔'' رضیہ نے ہنس کر وضاحت دی۔

''ہاں ہاں بھابی، آپ کا کہنا بالکل صحیح ہے اب دور بدل گیا ہے، کوئی مسئلہ نہیں ہے، زینت۔'' زینت کو بھی فاروق سے توقع کہاں تھی۔ وہ پل بھر کے لیے ٹھٹکی ضرور تھیں کہ یہ ان کا طور طریقہ نہیں تھا۔ فاروق نے زینت کو اشارہ دیا، جبکہ سارہ اپنے ماموں کو نالاں ہوکر دیکھے جارہی تھی۔

''یوں تو آپ کو میرا اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا اور لڑکوں کے ساتھ پڑھنا برداشت نہیں، اور یہاں مجھے اس لڑکے کے ساتھ اکیلے بات کرنے بھیج رہے ہیں۔ اپنا مطلب آیا تو بات ہی بدل دی۔'' اس حرکت پر اسے شدید غصہ آرہا تھا لیکن کر کچھ بھی نہیں سکتی تھی۔ بس کٹھ پتلی کی طرح جیسے چلاتے ویسے چل رہی تھی۔

''سارہ! شاہ زیب کو بالکونی میں لے جاؤ۔'' زینت نے فاروق کا حکم مان کر سارہ سے نرمی سے کہا۔ سارہ اٹھی اور ایک منٹ بھی شاہ زیب کے لئے نہیں رکی بس سیدھی اپنے ماموں مامی کے کمرے میں چلی گئی کیونکہ ایک ہی بالکونی تھی جوان کے کمرے میں تھی۔

''پیاری بھانجی ہے آپ کی، ویسے آگے بھی پڑھے گی یا؟'' رضیہ نے پلیٹ سے سموسہ اٹھا کر پوچھا۔ ان کے جاتے ہی تھوڑے بہت کھانے پینے کے لوازمات زینت نے میز پر سجا دیئے تھے۔

''بس جب تک دیکھیں نصیب، ویسے تو اسے شوق بہت ہے پڑھائی مکمل کرنے کا۔''

زینت نے لگے ہاتھ بات رضیہ کو بتادی۔

''ہاں شوق ہوتا ہے تو پھر اس کے آگے کیا کیا جاسکتا ہے۔ ویسے جہیز وغیرہ کے بارے میں آپ لوگوں کی کیا رائے ہے؟'' سارہ کے جاتے ہی وہ مدعے پر آئی تھیں۔

''دیکھیں بھابھی، سب کچھ آپ کے سامنے ہی ہے۔ پھر بھی کوشش پوری ہے کہ اچھا کر کے دیں گے۔'' فاروق کے لہجے میں پژمردگی کا عنصر تھا۔ وہ جانتے تھے کہ جہیز اکٹھا کرنا ناممکن تھا۔ پر اس سے جان کیسے چھڑائی جاسکتی تھی۔

''ارے کوئی بات نہیں بھائی صاحب۔ آپ تو خواہ مخواہ گھبرا گئے۔ میں سمجھ سکتی ہوں خود بیٹی والی بھی تو ہوں۔ جو آپ کو مناسب لگے۔ ویسے ہم بھی جب شاہ زیب کی شادی کریں گے نا تو فوراً نہیں کریں گے، اسے ابھی کافی وقت ہے، وہ تو مجھے تھا کہ بس بات پکی کر دوں، آج کل کے حالات بھی کیسے ہیں دیکھا ہے نا آپ نے۔'' رضیہ کے چہرے پر لالچ پن خوب زور وشور سے نظر آرہا تھا۔ پر زینت اور فاروق اس کے آگے کچھ نہیں کر سکتے تھے۔

''جی بالکل صحیح کہہ رہی ہیں آپ۔'' فاروق نے کہا اور زینت نے بھی ہامی ملائی۔

یہاں بالکونی میں حال یک طرفہ تھا۔ سارہ باہر دیکھنا زیادہ بہتر سمجھ رہی تھی اور شاہ زیب مسلسل اسے دیکھے جارہا تھا اور اپنی نہ ہونے کے برابر مونچھوں کو تاؤ دے رہا تھا۔

''سنا ہے تمہیں پڑھائی لکھائی کا شوق ہے۔ وہ بڑی یونیورسٹی ہے وہاں پڑھتی ہو نا؟'' شاہ زیب نے بات شروع کی۔

''جی۔''

''سنا ہے وہاں تو بس کلفٹن اور ڈیفنس کے ہی بچے آتے ہیں۔'' شاہ زیب نے کہا۔

''ہمم۔''

”مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ تم وہاں جاتی ہو، کھلے ذہن کی ہوگی پھر تو۔ آزادانہ ماحول میں پڑھتی ہو میری تمہاری خوب جمے گی۔“ اس نے ذو معنی انداز میں مونچھوں کو تاؤ دے کر کہا تھا جو سارہ کو شدید زہر لگا۔

”ویسے میں بھی پرائیویٹ ہی کام کر رہا ہوں۔“ شاہ زیب نے کہا۔

”اچھا۔“

”ہاں۔ اپنا تھوڑا کاروبار شروع کیا ہے تو اس میں اتنی مصروفیت رہتی ہے، پھر کراچی سے لاہور، لاہور سے کراچی، ویسے تم کو لاہور پسند ہے؟“ شاہ زیب نے پوچھا۔

”میں نے کبھی دیکھا نہیں۔“

”اوہ اچھا۔ میرے بزنس کے حوالے سے کام وہاں زیادہ ہے، شادی کے بعد تم کو دکھا دوں گا۔“ شاہ زیب کی بات پر سارہ کی نظریں اس کے چہرے پر اٹھیں تھیں۔ وہ مناسب دکھتا تھا پر اس کی شکل سے بے پناہ عیاری ٹپکتی تھی۔ شاہ زیب کی نگاہیں مستقل اسے گھیرے ہوئے تھیں۔ سارہ کو یہ سب بہت ناگوار گزر رہا تھا۔

”ایسے نہ دیکھو، تم مجھے اچھی لگی ہو، بس اب فیصلہ امی کا ہے۔“ شاہ زیب کی نظریں تیر کی طرح لگ رہی تھیں، سارہ سے مزید یہ سب برداشت نہ ہوا۔

”مجھے لگتا ہے دیر ہو رہی ہے اب ہمیں چلنا چاہئے۔“ سارہ وہاں سے تیز تیز قدموں کے ساتھ اپنے کمرے میں چلی گئی اور شاہ زیب شاطر مسکراہٹ کے ساتھ وہیں آکر واپس بیٹھ گیا۔ اس نے کمرے میں آتے کے ساتھ ہی دروازہ بند کیا اور سر سے دوپٹہ اتار کر زور سے بستر پر پھینک دیا۔ وہ وہیں زمین پر دوزانو بیٹھ گئی اور رونے لگی۔ کتنی دعائیں مانگی تھیں اس نے رات سے کہ کسی طرح یہ سب ٹل جائے لیکن ایک دعا بھی قبول نہیں ہوئی۔ وہ اپنے حال پر

بے بس تھی اور کرتی بھی کیا؟ اگر شاہ زیب کی امی کو بھی پسند آ گئی تو ماموں دیر نہیں کریں گے۔ معلومات بھی نہیں لیں گے۔ وہ تو ویسے بھی موقع کی تلاش میں ہیں۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کیا کرے؟ وہ کوئی جانچ پڑتال کیے بنا اسے بیاہ دیں گے۔ اسے نئے سرے سے خود کے لیے فکر لاحق ہونے لگی تھی۔ وہ اپنے نصیب پر ماتم کر رہی تھی۔

دو تین دن گزرے تھے جب سارہ کو رضیہ دیکھنے آئی تھیں۔ پھر وہاں سے کوئی فون نہیں آیا۔ آج سارہ صبح صبح کچھ کام کے حوالے سے یونیورسٹی کے لئے گھر سے روانہ ہو گئی تھی۔ چونکہ ابھی کلاسز شروع نہیں ہوئی تھیں لہٰذا یونیورسٹی تقریباً خالی تھی۔ وہ مرکزی دروازے سے اندر داخل ہوئی تھی اور رخ آگے بائیں جانب ایڈمن بلڈنگ کی طرف تھا۔ اسے یہاں آ کر سکون محسوس ہوتا تھا۔ ابھی بھی اس نے اپنے قدم آہستہ کر دیے تھے اور اطراف کے نظارے سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔ ☆

گرمیوں کے دن تھے پر اس وقت سورج بادلوں کے ساتھ آنکھ مچولی کھیلنے میں مصروف تھا۔ ہلکی ہلکی ہوا اپنی لے میں چل رہی تھی اور تر و تازہ پودے جن پر لگے خوبصورت چھوٹے بڑے مختلف رنگوں کے پھول جو گرمی کے موسم میں مکمل کھل گئے تھے ہوا کے ساتھ لہلہاتے نظر آ رہے تھے۔ یہ مختلف رنگین نظارے اللہ نے انسان کے لیے ہی بنائے ہیں۔ ذہنی اور جسمانی قلق کا شکار شخص جب ان رنگوں کو دیکھتا ہے تو تسکین محسوس کرتا ہے۔ اس قدرت پر حیران ہوتا ہے جس نے کیسے ہر شے میں توازن رکھا ہے۔ مختلف رنگوں سے اس دنیا کو بھر دیا ہے۔ اس کی دنیا میں تخلیق کا جائزہ لے کر مسلمان جنت کی خوبصورتی پر غور کرے تو وہ سوچ بھی نہیں سکتا کیسی ہوگی۔ پر اس دنیا سے مزید حسین مزید تسکین دیتی جگہ جنت ہوگی اور وہ یہ سوچ کر ہی چہک اٹھتا ہے۔ اس نے لمبی سانس اندر کو کھینچی تھی اور یہ سحر انگیز ماحول اس کے اندر تک سرایت کر گیا

تھا۔ وہ کچھ پل وہیں رکی تھی پھر کام کے حوالے سے بائیں جانب بنی عمارت کے مین گیٹ کی طرف چلی گئی تھی۔

دروازے سے داخل ہو کر اس نے اپنا رخ سیڑھیوں کی طرف کر لیا تھا۔ اسے سر جنید سے کام تھا جن کا دفتر اوپر مالے پر تھا۔ وہ سیڑھیاں عبور کرتی ہوئی ان کے کمرے کے دروازے تک پہنچی تھی کہ پیون نکلا۔ سارہ نے سر جنید کے حوالے سے پوچھا تو اس نے سارہ کو انتظار کرنے کے لیے کہا۔ جب تک سر جنید فارغ نہیں ہو جاتے اس نے اس کمرے کے برعکس جہاں کرسیاں رکھی ہوئی تھیں، وہاں بیٹھ کر انتظار کرنا مناسب سمجھا تھا۔

☆......☆......☆

''لوگ اچھے ہیں، اگر یہاں سے جواب آ گیا تو میں بھی ہاں ہی کر دوں گا۔ شاہ زیب بھی سلجھا ہوا لڑکا ہے، میرا دوست جانتا ہے اسے۔'' فاروق نے کہا۔

''جی، مجھے بھی گھر والے اچھے لگے، بھابی بھی اچھی تھیں۔'' زینت نے کہا۔

''یہ کیا کر رہی ہے؟ جب سے یہ لوگ گئے ہیں یہ کمرے سے نہیں نکلی۔'' فاروق نے کہا۔

''میں دیکھتی ہوں۔'' زینت اٹھ کر سارہ کے کمرے کی طرف جانے لگیں کہ وہ انہیں دروازے کی چوکھٹ پر ہاتھ باندھے کھڑی ملی اور لگ رہا تھا جیسے وہ سب سن چکی تھی۔

''کیا ہوا تمہیں؟'' زینت اسے کمرے میں لے گئیں تا کہ فاروق نہ سن سکیں۔

''مجھے سچ سچ بتائیے گا، آپ لوگ مجھ سے نہیں پوچھیں گے نا کہ مجھے شاہ زیب سے شادی کرنی ہے کہ نہیں؟'' سارہ نے پوچھا۔ کتنی دیر سے رو کر آنسو بھی سوکھ گئے تھے۔

''سارہ! شاہ زیب اچھا لڑکا ہے، اور ابھی تو ان لوگوں نے ہاں بھی نہیں کی۔'' زینت نے سمجھایا۔

”پر مجھے کہیں نہ کہیں ڈر ہے کہ ہاں کر دیں گے۔“ سارہ نے کہا۔

”اس میں ڈر کی کیا بات ہے؟ گھر اچھا ہے، شاہ زیب بھی سلجھا ہوا لڑکا ہے اور پھر شادی تو کرنی ہی ہے نا۔“ زینت نے کہا۔

”مامی! ابھی تو پڑھائی شروع ہوئی تھی۔“ سارہ کی آنکھیں پھر نم ہوئیں۔

”سارہ! تم یہ جانتی ہو کہ پڑھائی کی اجازت صرف اس لیے دی تھی کہ جب تک اچھا رشتہ نہیں آجاتا، اور ویسے بھی اگر یہاں سے ہاں ہو بھی گئی تو بھابی جلدی نہیں کریں گی۔“ زینت نے سارہ کو بستر پر بٹھا دیا اور سمجھانے لگیں۔

”شاہ زیب خود پڑھ رہا ہے، اور ابھی دکان، گھر، سب دیکھنا ہے لاہور میں، تمہیں وقت مل جائے گا۔“ زینت نے فہمائشی انداز میں سارہ سے کہا جو سر نیچے کیے ہوئے تھی۔

”جو نصیب میں ہے وہ تو ہوگا نا بیٹا، اب اس کو تو کوئی نہیں ٹال سکتا۔“ زینت نے مزید کہا۔

”ہم۔ اور ماموں جانچ پڑتال کرنا بھی ضروری نہیں سمجھیں گے۔“ وہ اب کی بار کچھ برہم ہوئی۔

”بیٹا! یہ گھرانہ تمہارے ماموں کے دوست نے ہی بتایا ہے۔“ زینت نے کہا۔

”اور آپ لوگ سمجھتے ہیں یہ کافی ہے۔“ سارہ نے متعجب ہو کر زینت کو دیکھا۔

”آخر برائی ہی کیا ہے۔ لڑکا دیکھا بھالا ہے رضیہ بھابی بھی ملن سار لگیں۔“ زینت نے کہا۔

”مامی! مجھے یہ لوگ اچھے نہیں لگے۔ ان کا بیٹا مجھے سلجھا ہوا نہیں بلکہ بگڑا ہوا محسوس ہوا تھا۔ میرا یقین کریں۔“ سارہ نے کوشش کر کے زینت سے دل کی بات کہی تھی۔

”بیٹا! اس عمر میں لڑکے لا ابالی ہی ہوتے ہیں۔ ذمہ داری پڑنے پر سدھر جاتے ہیں۔“ زینت نے کہا۔

”تو کیا ماموں سدھر گئے تھے فوراً جب آپ دونوں کی شادی ہوئی تھی؟“ سارہ کے سوال سے وہ پل بھر کو ٹھٹکیں۔

”کوئی نہیں سدھرتا امی۔ جب ماں باپ ہی بچے کی تربیت ٹھیک سے نہ کر سکیں تو کوئی نئی نویلی دلہن آکر اتنے سالوں کے پھیلاوے کو کیسے سمیٹ سکتی ہے؟ یہ صرف کہنے کی باتیں ہوتی ہیں۔ سدھرتا کوئی نہیں بلکہ بھگتتی صرف لڑکی ہے۔“ سارہ کی بات پر ان کے لب سل گئے تھے۔ وہ جو کہہ رہی تھی صحیح کہہ رہی تھی۔ پر وہ کچھ نہیں کر سکتی تھیں۔

”میں اس حوالے سے کچھ نہیں کر سکتی سارہ۔ لڑکی کو کچھ سال برداشت کرنا ہی پڑتا ہے۔“ اب کی بار وہ بات ختم کر کے اٹھنے لگی تھیں۔

”تو آپ کا امتحان اب ختم ہو گیا ہے؟“ سارہ کے اگلے سوال پر وہ چپ سادھے اسے دیکھتی رہی تھیں۔

”بتائیں مجھے۔ آپ کیوں چاہتی ہیں کہ ایک اور زینت کی زندگی تباہ ہو۔“ سارہ کا انداز انہیں ڈرا رہا تھا۔ وہ فاروق سے خوف زدہ تھیں اور سارہ کے اشتعال سے انہیں ڈر تھا کہ کہیں گھر میں کوئی انہونی نہ ہو جائے۔

”ہر گھر ایک جیسا نہیں ہوتا بیٹا۔ اللہ نہ کرے جو میں نے دیکھا وہ ہی تم بھی دیکھو۔ سارہ!“ وہ پل بھر کے لیے رکی تھیں پھر سارہ کا ہاتھ تھام کر اسے بستر پر بٹھا کر اس کے برابر بیٹھیں۔ ”کبھی کبھی انسان اتنا بے بس ہو جاتا ہے کہ وہ کچھ نہیں کر پاتا۔ ایسے وقت میں صرف اللہ توکل چلنا ہوتا ہے۔ میرے اندر اتنی سکت نہیں کہ تمہارے ماموں سے یہ سب جا کر بات کروں اور نہ ہی میں چاہوں گی کہ تم یہ سب جا کر ان سے کہو۔ وہ سنیں گے کم اور برہم زیادہ ہوں گے۔ رہا سہا بھی جو وقت ہے وہ رکیں گے نہیں اور تمہیں کیسے بھی کر کے بیاہ دیں گے۔

میں نے کہا نا وقت ہے ابھی سب کرنے میں۔ اگر یہاں سے ہاں ہوگئی تو بھی تمہیں وقت ملے گا۔ اور پھر کیا پتہ اس دوران تمہارے دل میں بھی لچک پیدا ہو اور جو اندیشے تمہیں ہیں وہ سب ختم ہو جائیں۔ ہاتھ پیر وہاں مارے جاتے ہیں جہاں نتیجے کی کوئی امید ہوتی ہے۔ تمہیں بھی یہ ہی مشورہ دوں گی۔ اللہ پر یقین رکھو۔ وہ سب ٹھیک کر دے گا۔"

انتظار کرتے کرتے اس کا ذہن اسے اسی دن کے سفر پر لے گیا تھا جب اسے محسوس ہوا تھا کہ اس کی خوشی اس سے چھنی جا رہی ہے اور وہ اپنی خواہش پوری نہیں کر سکے گی۔ منظر جو ذہن کی اسکرین پر زور وشور سے دکھ رہا تھا اچانک ہوا میں تحلیل ہوا تھا۔ سوچوں کا تسلسل تب ٹوٹا جب سر جنید کے کمرے کا دروازہ کھلا تھا۔ اس نے دروازے کی چوکھٹ پر کھڑے زین کو دیکھا جو سر جنید سے گفت وشنید میں مصروف تھا۔

وہ ابھی بھی ٹرانس کی سی کیفیت میں تھی۔ زور آور ہوتی سوچوں کا اثر کچھ کچھ ابھی بھی اسے گھیرے ہوئے تھا پر اب وہ اپنے ظاہر سے واقف تھی۔ اس کی نظریں بے اختیاری میں زین پر جا ٹھہریں تھیں۔ کئی دن بعد اس نے زین کو یونیورسٹی میں دیکھا تھا۔

اس کی رنگت مکمل گوری نہیں تھی بلکہ کچھ کچھ گندمی رنگت کی بھی آمیزش تھی۔ چہرا کلین شیو تھا۔ آنکھیں بادامی اور بھورے رنگ کی تھیں۔ ہونٹ قدرتی طور پر خوبصورت تراشے ہوئے تھے۔ چہرے پر نرمی اور مخلصانہ عنصر تھا۔ پر جب غصے میں ہوتا تو شیر کی سی تیزی اس کے چہرے پر واضح ہوتی۔ اس کا غصہ تو سارہ دیکھ چکی تھی۔ وہ کیسے بھول سکتی تھی اس تاثر کو جس نے اس کے قدم تک کپکپا دیے تھے۔ پر اس شخص کو دیکھ کر لگتا نہیں تھا کہ وہ غصے کا تیز ہے۔ بلکہ اس کے برعکس اس کے ہونٹوں پر ہمیشہ ایک نرم مسکراہٹ سجی رہتی تھی۔ جیسے لوگوں میں موجود ہو تو لگے اس سے زیادہ مطمئن وہاں کوئی نہیں۔ پر سکون طبیعت اور صبر وتحمل مزاج۔ وہ دھوپ میں گھنا

شجر محسوس ہوتا تھا۔ اس کے کان سے نیچے تک بال تھے جو گہرے بھورے رنگ کے تھے۔ اور خم کھاتے تھے۔ زلفیں پیچھے تھیں۔ پر جب سر نیچے کرے تو بال سائیڈ سے خم کی صورت آگے آ جاتے۔ جن کی لمبائی پیچھے کے بالوں سے کم تھی اور وہ زیادہ تر انہیں ہاتھ سے پیچھے کرتا نظر آتا تھا۔ لباس میں زیادہ تر ٹی شرٹ یا بٹن ڈاؤن شرٹیں اور جینز یا پینٹس ہی ہوتی تھیں۔ وہ دکھنے میں بہت پر جوش اور پھرتیلا لگتا تھا۔ سارہ کی رائے اس کے لیے کیا تھی وہ تو معلوم نہیں لیکن وہ واقعی یونیورسٹی میں سب سے زیادہ ذہنی اور جسمانی طور پر سمارٹ سمجھا جاتا تھا۔

زین نے بات کر کے رخ سارہ کی طرف کر لیا تھا۔ ایسا معلوم ہوا جیسے سر جنید نے اسے باہر انتظار کرنے کو کہا ہو اور سارہ کو لگا کہ اب اس کی بات ہو سکے گی تو وہ خود بھی اٹھ کر تیزی سے آگے آئی، پر سر نے کمرا بند کر لیا۔ اس نے شکن آلود ماتھے سے زین کو دیکھا۔

''اوہ۔ السلام علیکم مس سارہ احمد! غالباً تمہیں ان سر سے کام ہے، ابھی آتے ہیں، پھر بات کر لینا۔'' زین نے اس کے چہرے سے سوال اخذ کر کے جواب دیا تھا۔

''وعلیکم السلام۔'' سارہ وہیں ہاتھ باندھے کھڑی انتظار کرنے لگی۔

''ویسے مبارک ہو تمہیں، اپنے بیچ میں سب سے زیادہ سکور لانے پر۔ تم تو میرا سیٹ کیا ریکارڈ بھی توڑتی جا رہی ہو۔'' زین نے کہا۔

''آپ کو کیسے معلوم ہوا؟'' سارہ کو تعجب ہوا۔

''لو اکیڈیمک بلڈنگ میں داخل ہوتے ہی دائیں طرف دیوار پر نوٹس لگا ہے جس پر ان سب کے نام ہیں جن کے اپنے بیچ میں سب سے زیادہ مارکس ہیں، وہیں دیکھا۔'' زین نے بے پروائی سے کندھے ہلائے۔

''اور یقیناً آپ کے اپنے بیچ میں زیادہ ہوں گے؟'' سارہ نے پوچھا اور زین کی

مسکراہٹ مزید گہری ہوگئی۔

''ویسے اگر تم میرے بیچ میں ہوتیں تو مشکل ہو جاتا تمہارے لئے۔'' زین نے چیلنجنگ انداز میں کہا تو سارہ نے تیوری چڑھائی۔

''پر ابھی تو آپ نے کہا میں آپ کا سیٹ کیا ہوا ریکارڈ ناک آؤٹ کرتی آرہی ہوں۔''

اس کا خاصا جتاتا انداز زین کو ہنسنے پر مجبور کر گیا۔

''ہاں وہ تو ہے۔ پر ساتھ کمپٹیشن میں، میں ٹف ٹائم دیتا تم کو۔'' زین نے کہا۔

''اچھا؟ یعنی آپ کو لگتا ہے کہ مجھے ہرانا آسان ہے؟'' سارہ نے پوچھا۔

''وہ تو معلوم نہیں لیکن مجھے چیلنجز بہت پسند ہیں، اور جس پر ڈٹ جاؤں پھر چھوڑتا نہیں۔'' زین نے جتاتے ہوئے کہا۔ تو وہ بھی متاثر ہوئی۔ وہ تھا ہی ایسا۔ اگر اس سے جڑا ماضی کا تلخ واقعہ بھی ہوتا تو مقابل بھول جاتا جیسے اس وقت سارہ سب بھول کر اس سے نارمل انداز میں باتیں کر رہی تھی۔

''اچھا؟'' سارہ نے ابرو اچکائیں۔

''جی جناب۔'' زین نے کہا۔

''تو صرف پڑھائی کے متعلق چیلنجز؟'' سارہ نے پوچھا۔

''نہیں، ہر چیز میں، بلکہ میں تو موقع کی تلاش میں ہوتا ہوں۔'' زین نے کہا۔

''آپ کو چیلنجز ڈھونڈنے پڑتے ہیں۔ اور مجھے تو روز ایک نیا چیلنج تیار ملتا ہے جھیلنے کے لئے۔'' سارہ نے بے خیالی میں الفاظ زبان سے ادا کیے تو اُسے بھی اچھنبا ہوا۔

''کیا مطلب؟'' زین نے پوچھا۔

''کچھ نہیں۔''

ان کی باتیں کو لگام مل گیا تھا سر جنید کمرے سے نکل کر ان کی طرف آ رہے تھے۔

''ٹھیک ہے زین کل لے آؤ ٹیم تم، دیکھتے ہیں سب کیا کر سکتے ہیں، پھر فائنل ہی مقابلے میں جائیں گے۔'' سر جنید کے کہنے پر زین نے سر کو جنبش دی۔ جب ان کی نظر سارہ پر پڑی تو وہ خوش ہو گئے اور اسے اچھے مارکس پر مبارکباد دینے لگے۔

''ارے زین، تم سارہ کو بھی اپنی ٹیم میں لے سکتے ہو یہ کافی قابل ہے اور لائق بھی۔'' سر جنید نے مشورہ دیا پر سارہ جو سر تا پیر سوالیہ بنی کھڑی تھی کہ بات کس حوالے سے ہو رہی ہے نفی میں گردن ہلانے لگی تھی۔ وہ کسی جھمیلے میں پڑنا ہی نہیں چاہتی تھی۔ ابھی بات مزید اس حوالے سے ہوتی کہ زین کا موبائل بجنے لگا۔

''سر! مجھے آپ سے ضروری کام ہے۔'' وہ ان کے دیئے گئے مشورے کی نفی کرتی ہوئی اس بات کا ذکر کرنے لگی جس کے لیے یہاں موجود تھی۔ زین نے فون کی اسکرین دیکھی اور سر سے معذرت کرتا وہاں سے چلا گیا۔

''سر! مجھے پوچھنا تھا کہ میں سمرز میں تین کی جگہ چار کورسز لے سکتی ہوں؟'' سارہ نے پوچھا۔

''چار؟ سارہ آپ کو معلوم ہے نا کہ سمرز فاسٹ ٹریک ہے، تین بھی کرنا مشکل ہو جاتا ہے اور آپ چار کی بات کر رہی ہیں۔'' سر جنید نے کہا۔

''جی۔ جانتی ہوں، پر میں کر لوں گی۔'' سارہ نے اصرار کیا۔

''سوری سارہ، ہماری پالیسی ہی تین کورس کی ہے، آپ کیوں کرنا چاہتی ہیں زیادہ؟'' سر جنید نے پوچھا۔

''جلدی ختم ہو جائے اس لیے۔'' سارہ کی آواز دھیمی پڑ گئی۔ وہ اندازہ لگا رہی تھی کہ اگر ایسا کوئی راستہ نکل آئے تو وہ جلدی پڑھائی مکمل کر لے گی۔

''سوری سارہ، صرف تین ہو سکتے ہیں۔'' سر جنید کہہ کر چلے گئے اور سارہ وہیں کچھ دیر کھڑی رہ گئی۔ چہرے پر کلفت لیے وہ اس عمارت سے باہر نکلی۔ موسم ہنوز ویسا ہی تھا۔ خوش گوار اور تازگی بھرا۔ اس نے حزن و یاس سے سرد سانس اندر کو کھینچی اور عمارت کے دوسری طرف موجود بینچ پر جا بیٹھی۔

''جو بھی دعا کرو قبول ہی نہیں ہوتی، اب کیا کروں۔'' وہ اضطرابی حالت میں سوچ رہی تھی جب اسے مانوس آواز سنائی دی۔ ایک لحظہ لگا تھا پہچاننے میں۔ یہ آواز اور کسی کی نہیں بلکہ زین کی تھی۔ وہ ایڈمن بلاک کے مین گیٹ پر موجود تھا اور معلوم ہوتا تھا کہ کسی سے فون پر بات کر رہا ہو۔ سارہ اس کی بات با آسانی سن سکتی تھی۔

''جی۔ جی، میں سمجھ سکتا ہوں، آپ پریشان نہ ہوں، اچھا ایک کام کریں، فیس بک پر ایک گروپ ہے 'ایکسپریس یور سیلف' جی۔ یہ میرا فیملی گروپ ہے جسے میری والدہ ہی چلا رہی ہیں آپ وہاں جائیں۔ اگر آپ چاہیں تو اپنا مسئلہ وہاں درج کریں یا اگر آپ کو لگتا ہے کہ آپ براہ راست بات کرنا چاہتے ہیں تو وہاں ساری معلومات موجود ہے۔ میری مام یا کوئی بھی ٹیم کا ممبر آپ سے رابطہ کر لے گا۔ بلکہ آپ مجھے کچھ وقت دیں میں اس وقت باہر ہوں۔ گھر پہنچتے ہی آپ کی پرابلم کا حل نکالتا ہوں۔'' زین کہہ کر رک گیا جیسے اب دوسری طرف والے کی سن رہا ہو۔

''نہیں نہیں۔۔ دیکھیں پریشان نہ ہوں، مصیبت سب پر آتی ہے، اور ہر مسئلے کا حل بھی نکل جاتا ہے، آپ گھبرائیں نہیں، سب صحیح ہو جائے گا، بلکہ میں خود اپنی والدہ سے آپ کے حوالے سے بات کروں گا۔ آپ نا امید نہ ہوں۔''

''جی جی۔ بس آپ وہاں گروپ پر جائیں، ہم یہ ہی چاہتے ہیں کہ لوگ بات کریں اپنے

اندر کا غبار نکالیں۔ اور ہم سب سننے کے لئے ہر وقت تیار ہیں، جی......جی۔ میری والدہ نے ہی شروع کیا تھا۔ میں آپ کو سرسری بتا دیتا ہوں۔"

وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی طرف متوجہ ہوئی۔۔

"Express Yourself"

ایک ایسا ادارہ تھا جو ارم نے کچھ لوگوں کے ساتھ مل کر شروع کیا تھا۔ یہ ادارہ ان لوگوں کے لیے مدد کا باعث بنا تھا جو دماغی الجھن کا شکار اور ڈیپریشن جیسی زہریلی بیماری سے اپنی زندگی سے پریشان تھے۔ ارم نے چونکہ بذات خود اس کیفیت کا تجربہ کیا تھا لہٰذا ان کا نصب العین بن گیا تھا کہ اپنے اطراف میں لوگوں کی مدد کی جائے جو انجانے خول میں خود کو بند کیے ہوئے اپنی ہی جان کا نقصان کر رہے ہیں۔

ارم سرفراز سرور کی ڈیپریشن بھری زندگی زین کیسے بھول سکتا تھا۔ وہ چھ سال کا بچہ تھا پر تیز اور حاضر دماغی کی وجہ سے آج تک اپنی والدہ کے وہ تکلیف دہ دن ذہن سے نہیں نکال سکا تھا۔ ارم کی ایسی حالت کیوں تھی اس بات کا وہ پتہ نہیں لگا پایا پر اس نے انہیں دن رات روتے اور گھٹ گھٹ کے مرتے دیکھا تھا۔ کوئی ایسا دن نہیں تھا جب وہ ہسپتال کا چکر نہ لگاتی تھیں۔ دیگر علاج کروائے، پر ہر بار کوئی نیا مسئلہ سامنے آجاتا۔ سرفراز بیوی کی دن بھر ڈھلتی حالت سے مزید پریشان رہنے لگے تھے۔ وہ دو حصوں میں بٹ گئے تھے۔ ایک طرف زین کی دیکھ بھال تو دوسری طرف ارم کا خیال رکھنا۔ چھوٹی کنزا تو تھی ہی نومولود۔ اس کی دیکھ بھال کے لیے ایک آیا کو رکھ لیا تھا۔ وہ بچی ماں کی گود کو ترستی تھی پر ارم کی دماغی حالت ایسی نہ تھی کہ وہ اپنی ننھی بیٹی کو بھی سنبھال سکتیں۔

ہر جانب سے نا امیدی پا کر سرفراز نے ارم کو بیرون ملک لے جانے کا فیصلہ کیا پر قدرت کو

کچھ اور ہی منظور تھا۔ سرفراز کی اتفاقاً ملاقات اپنے دوست ڈاکٹر تیمور سے ہوئی جو کچھ وقت کے لیے کراچی آئے ہوئے تھے۔ ڈاکٹر تیمور بیرونِ ملک میں بہترین ماہر نفسیات تھے۔ سرفراز کی پریشانی سن کر انہیں مسئلے کی اصل وجہ سمجھ آئی تو سرفراز کو اس معاملے سے آگاہ کیا۔ وہ اس انکشاف پر بے حد حیران ہوئے تھے کیونکہ بظاہر دیکھا جائے تو ارم کو کسی قسم کی تکلیف نہیں تھی۔ مالی حالت بہترین تھی۔ رئیس خاندان سے تعلق تھا۔ کوئی کمی نہ تھی پھر ڈیپریشن کی وجہ کیا ہوئی تھی جس پر ڈاکٹر تیمور نے انہیں آسان الفاظ میں سمجھایا تھا۔

ڈیپریشن ایک ایسا مرض ہے جو بتا کر نہیں آتا۔ یہ اندر ہی اندر پنپتا رہتا ہے۔ یہ آپ کے خیالات کو کنٹرول کر کے آپ کے اندرونی نظام کو درہم برہم کرنے لگتا ہے۔ آج کی جدید سائنس کے سرچ کے مطابق زیادہ تر امراض کے پیچھے ڈیپریشن ہی کلپرٹ ہے جو خاموشی سے آپ کے اعصاب پر سوار ہو کر آپ کو اندر سے کھوکھلا کرنے لگتا ہے، بالکل ایسے جیسے دیمک لکڑی کو اندر سے کھانا شروع کرتی ہے اور دیکھتے ہی دیکھتے اسے بھربھرا اور بیکار کر دیتی ہے۔ جسم میں موجود کیمیکل امبیلنس خواہ وہ کسی دوا، زیادہ سوچنے، ہارمونز ڈسٹربینس یا پھر ٹینشن کی وجہ سے دماغ پر اثر کرتے ہیں اور دیکھتے ہی دیکھتے مریض اس مرض میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ بروقت علاج سے معاملات کو قابو کیا جا سکتا ہے پر تاخیر جان لیوا بھی ہو سکتی ہے کیوں کہ مریض اپنی حالت خود سمجھ نہیں پاتا اور منفی خیالات اس پر حاوی ہو کر خود اس کی جان کے دشمن بن جاتے ہیں۔

سرفراز کے لیے یہ سب نیا تھا۔ دوست کی حالت دیکھتے ہوئے بذاتِ خود ڈاکٹر تیمور نے ارم کا علاج کیا تھا۔ پہلے تو دواؤں کے ذریعے ان کے مرض کو کنٹرول کیا تھا پھر مختلف سیشن لیے تھے جس سے وہ آہستہ آہستہ زندگی کی رنگینیوں کی طرف لوٹ رہی تھیں۔ ایک عرصہ

انہوں نے زین اور کنزا کو نظر انداز کیا تھا جسے زین نہیں بھول سکتا تھا پر سرفراز کی توجہ نے اسے حساس ہونے سے روک دیا تھا۔ ارم واپس زندگی کی طرف لوٹی تھیں اور اپنے بچوں کا خیال رکھنے لگی تھیں۔ صرف یہ ہی نہیں جب خود اس بیماری سے شعور حاصل ہوا تو ارم نے جی جان لگا کر اس پر ریسرچ کی۔ اسی کے ساتھ ساتھ ایک ایسے گروپ کے ساتھ جڑ گئیں جو ہر دن انسان کو مثبت خیال رکھنے کی ترغیب دیتا اور منفی سوچ سے دور رہنے میں مدد کرتا۔ انہیں صحیح معنوں میں اس گروپ کے ذریعے بہت کچھ سیکھنے کو ملا تھا۔ اور اسی کو مدنظر رکھتے ہوئے انہوں نے اس پلیٹ فارم کو مزید بڑھانا چاہا تھا تاکہ ان جیسے اور لوگ جو اس مرض سے جان گنوا رہے ہیں واپس لوٹیں۔ زندگی کا مقصد سمجھیں۔

اس گروپ میں کئی ممبران موجود تھے۔ جو آئے دن لوگوں کے مسئلے بغیر کسی حجت کے سنتے۔ کتنے اپنے دل کا غبار نکالتے، کئی اپنی تکالیف بیان کرتے۔ کتنوں کو علاج کی ضرورت ہوتی۔ یہ گروپ تمام سہولیات فراہم کرتا تھا۔ اس گروپ میں کئی ڈاکٹر جو ماہر نفسیات تھے جڑے ہوئے تھے۔ اگر کسی کا مرض پیچیدہ ہوتا تو اسے فوراً طبی معائنے کی ہدایت دی جاتی اور ڈاکٹر سے رابطہ کروایا جاتا تاکہ بروقت علاج ہو سکے۔ صرف یہ ہی نہیں ارم یوگا، بریتھنگ کلاسز، اسٹریس مینجمنٹ اور بھی کئی کلاسز دیا کرتی تھیں۔ ان کلاسز کے ذریعے ان کی ذاتی زندگی میں بھی خوشگوار تبدیلی رونما ہوئی تھی۔ اور یہ ان کی زندگی کا مقصد بن گیا تھا۔

ارم سرور نے اس گروپ کے ذریعے اپنے خیالات کو کنٹرول کرنا سیکھ لیا تھا۔ پھر انہوں نے یہ ہی سیکھ اپنے دونوں بچوں کو بھی دی تھی کہ وہ اپنے اطراف سے بے خبر نہ ہوں۔ بلکہ آنکھیں کھول کر دیکھیں۔ شاید کسی کو کسی وقت ضرورت پڑ جائے۔ کسی کو مدد درکار ہو۔ ان کے اندر صبر کا بیج بو کر انہیں اچھا سامع "Good Listener" کا گن سکھا دیا تھا۔

ڈپریشن ہونے کی کوئی ایک مخصوص وجہ نہیں ہوتی یہ کسی بھی وجہ سے شروع ہو سکتا ہے اور پہلے یہ آپ کے اندر کے نظام پر اٹیک کرتا ہے۔ تکلیف میں مبتلا شخص اس مرض کا علاج تو کر لیتا ہے لیکن اسے دراصل معلوم ہی نہیں ہوتا کہ اندر گڑ بڑ مچانے والی جو اصل شے ہے وہ اس کی اضطرابی حالت ہے۔ ہماری سوچ ہمیں کنٹرول کرتی ہے۔ اگر یہ مثبت ہے تو ہم درست راہ پر ہیں۔ پر اگر یہ منفی ہے تو ہم چاہے درست راہ پر بھی ہوں پھر بھی خود کو شکوک اور وسوسوں میں گھیرے پاتے ہیں لہٰذا ہر وقت بے چین اور بے سکون رہتے ہیں۔ انہوں نے یہ ہی بات اپنے دونوں بچوں کو بھی سکھائی جو انہوں نے سیکھی کہ مثبت خیالات کو مضبوطی سے تھام لو اور اللہ پر توکل رکھو۔ انہوں نے اپنے بچوں کو منفی سے مثبت خیال نکالنے کا ہنر سکھا دیا تھا۔ اور آج زین اور کنزا اپنی والدہ کی تربیت کی وجہ سے کئی لوگوں کے کام آرہے تھے۔

زین بات ختم کر کے دوسری طرف سے باہر چلا گیا تھا اور سارہ وہیں بیٹھی اس کے الفاظوں پر غور کر رہی تھی۔ اس نے زین کی ساری باتیں سن لی تھیں اور آج اسے معلوم ہوا تھا کہ اس دن بار بار کہنے پر بھی زین سارہ کے مائے سپاٹ سے کیوں نہیں جا رہا تھا۔

☆......☆......☆

گرمیوں کی چھٹیوں کا آغاز تھا۔ سورج اپنی پوری آب و تاب سے آسمان پر روشن نظر آتا تھا۔ دن بڑے اور راتیں مختصر۔ پھر کراچی کی گرم پُر حدت ہوائیں۔ انہیں کون نظر انداز کر سکتا ہے؟ پر ایسے میں بچوں کا اسکول سے وقفہ کسی رحمت سے کم نہیں ہوتا۔ جہاں بچے اور بڑے گرمیوں کی چھٹیوں میں سیر و تفریح کے پروگرام بنا رہے تھے، ناردرن ایریاز گھومنے جا رہے تھے۔ یا کسی نہ کسی سرگرمی میں خود کو مصروف رکھ رہے تھے، وہاں سارہ روز باقاعدگی کے ساتھ یونیورسٹی اپنے لیکچر اٹینڈ کرنے جانے لگی تھی۔ اس کے لیے تو یہ ہی راہِ فرار تھی۔ گھر کی چار

دیواری قلق میں لے ڈوبتی اور پھر فاروق کی ملامت کرتی نگاہیں کون نظرانداز کرسکتا ہے۔

چاہے گرم ہوا یا لو کے تھپیڑے بھی ہوں۔ وہ تب بھی یونیورسٹی سے ناغہ نہ کرتی تھی۔ زنیرہ تو نہیں تھی پھر بھی چونکہ اکیلے رہنے کی عادت تھی لہٰذا آرام سے لیکچر اٹینڈ کرلیا کرتی اور باقی اوقات میں اپنے ماۓ سپاٹ پر بیٹھی پڑھ رہی ہوتی۔ یہاں کوئی نہیں آتا تھا۔ زین بھی اس دن کے بعد سے یہاں واپس نہیں آیا تھا۔ وہ آرام سے ایک کونے میں سب کی نظروں سے اوجھل اپنی پڑھائی جی جان لگا کر کرتی تھی۔

آج کا دن بھی ایسا ہی گزرا تھا۔ وہ لائبریری سے اپنا کام مکمل کرکے آج کے دن کو خیر باد کہتی یونیورسٹی سے نکل گئی تھی۔ پہلے رکشہ اور پھر مطلوبہ بس پکڑ کر وہ گھر کی طرف روانہ تھی۔ اس کا دماغ مسلسل لیکچر میں اٹکا ہوا تھا۔ ایک دو سوالات پیچیدہ تھے جو حل ہونے کا نام نہیں لے رہے تھے۔ وہ بس میں بھی سارا وقت ان کا جواب سوچتی رہی تھی۔ پبلک بس اسے گھر سے دور سٹاپ پر اتارتی تھی۔ معمول کی طرح آج بھی سٹاپ پر اتری اور اپنی دھن میں گھر کی طرف چلتی چلی گئی تھی۔ سوالات کا تانا بانا دماغ میں جوڑتی ہوئی وہ عمارت کی سیڑھیاں عبور کرتی گئی اور جوں ہی اس نے بیل بجائی اور زینت نے دروازہ کھولا اشتہاء انگیز خوشبو نے اس کا استقبال کیا۔ دماغ میں بیٹھا سوال تو جیسے ہوا میں تحلیل ہوا تھا۔ اور نئے سرے سے دوسرے سوالوں نے دماغ میں ڈیرا جمالیا۔ گوشت کا سالن! اس کے گھر میں تو چکن ہی شاذو نادر پکتا تھا پھر گوشت کے سالن کی خوشبو؟ اس کا متحیر ہوتا چہرا دیکھتی زینت کچن میں چلی گئیں۔ وہ بھی بیگ رکھ کر کچن کی طرف لپکی تھی۔

''مامی! کوئی لاٹری لگی ہے کیا؟ اتنے زمانے بعد گھر میں گوشت پک رہا ہے؟'' سارہ نے پتیلی میں چمچ چلاتی زینت سے پوچھا۔ وہ پل بھر کو رکیں۔ پھر پتیلی ڈھکن سے ڈھانپ کر سلاد

کاٹتے ہوئے کہنے لگیں۔

"صبح تمہارے جانے کے بعد ہی رضیہ کا فون آیا تھا۔ انہیں اپنے بیٹے شاہ زیب کے لیے تم پسند آ گئی ہو۔ اتفاق سے تمہارے ماموں بھی گھر پر تھے۔ ان کی رضامندی جان کر تمہارے ماموں نے بھی اس رشتے سے ہاں کر دی ہے۔" زینت نے بجھو پورا دھما کا اس کے سر پر کیا تھا۔ وہ جو کتاب کے متعلق سوالات حل کرتی ہوئی آ رہی تھی اس کی زندگی خود ایک سوال بن کر رہ گئی تھی جس کا کوئی حل اسے نظر نہیں آتا تھا۔ لحظہ بھر کی خوشی کہ گھر میں غیر متوقع طور پر گوشت پکا ہے یکلخت ہی زہر سے کم نہیں لگ رہا تھا۔

"تمہارے ماموں نے آج ان لوگوں کو مدعو کیا ہے۔ یہ لوگ لاہور جا رہے ہیں، اور پھر مصروفیت اتنی ہو جائے گی کہ نہیں آ سکیں گے۔" زینت نے کہا۔ گھر میں پھیلتی خوشبو سے اس کا دم گھٹنے لگا تھا۔ وہ سوگ اور طیش کے ملے جلے تاثرات میں بت بنی کھڑی رہی تھی۔ آنکھیں جہاں نم تھیں وہیں کن پٹی پر غصے سے نسیں پھڑک رہی تھیں۔

"ان لوگوں کو میرے چشمے سے بھی بڑا چشمہ پہننا چاہیے، پورے جہاں میں، میں ہی دکھی تھی پسند کرنے کے لیے۔" اس کا دماغ خراب ہو رہا تھا پر یہاں سننے والا کون تھا۔ زینت اس کے چہرے کے مدوجزر سے اس کا اندرونی خلفشار اخذ کر سکتی تھیں پر وہ بھی بے بس تھیں۔ انہیں ڈر تھا کہ اگر کوئی ردعمل دکھاتیں تو شاید سارہ باغی ہو جاتی۔ لہٰذا وہ چپ رہیں اور کچن میں خود کو مصروف کر لیا۔

"تم مجھے پسند آ گئی ہو، اب امی کا فیصلہ ہے۔" شاہ زیب کی آواز دماغ میں بازگشت کی اور سارہ فوراً فریج کے پاس گئی اور ٹھنڈے پانی کی بوتل نکال کر گلاس میں بھرنے لگی۔ غصے سے چہرا لال پیلا ہو رہا تھا لیکن یہاں اس کی سننے والا کون تھا۔ نہ ماموں نے ایک بار سوچا کہ

وہ اس سے پوچھ لیتے اور تو اور انہیں آج دعوت پر بھی بلا لیا تھا۔ سارہ نے آہستہ آہستہ ٹھنڈا پانی پینا شروع کیا اور ہر گھونٹ میں وہ اپنے غصے کی تپش کو بھاپ بنا کر اڑاتی رہی۔ جب طبیعت میں بہتری آئی تو اسے اچانک شادی کی تاریخ کا خیال آیا۔ وہ فوراً زینت کے پاس پوچھنے گئی پر بے سود کیوں کہ ساری باتیں آج رات پتہ چلنی تھیں۔

''یا اللہ! پلیز کچھ کر دے پلیز کچھ کر دے۔'' دعا مانگتے مانگتے وہ زینت کی کچن میں مدد کروانے لگی تھی۔

دعوت کے اہتمام سے فارغ ہو کر اس نے زینت کے ساتھ مل کر گھر کو ترتیب دیا۔ شام ہوئی تو زینت کے کہنے پر وہ تیار ہونے چلی گئی۔ زینت نے خود اس کے کپڑوں میں سے ایک جوڑا منتخب کر کے اسے پہننے کو کہا تھا۔ یہ پستہ رنگ کا تھا۔ ہلکے سے کام کا جوڑا جو وہ پہلے کئی بار شادی بیاہ میں پہن چکی تھی۔ اچانک دعوت دینے کی وجہ سے زینت کے پاس اتنا وقت ہی کہاں تھا کہ کوئی نیا لباس تیار کرواتیں۔ ویسے بھی آج کوئی رسم تو تھی نہیں یہ تو بات طے ہونے پر فاروق نے انہیں مدعو کیا تھا کہ ساتھ مل بیٹھیں گے اور آگے کے اقدام سوچ لیں گے۔

سارہ نے لباس تبدیل کر کے بالوں کو اونچی پونی میں جکڑ لیا تھا۔ آج بھی اس نے میک اپ کے نام پر آنکھوں میں کاجل اور لائٹ پنک لپ اسٹک ہونٹوں پر لگا کر احسان کیا تھا۔ چشمہ زینت کے کہنے پر وہ اتار چکی تھی اور یہ تو سچ تھا کہ وہ اس بھدے سے چشمے کے بغیر پیاری لگتی تھی۔ حالانکہ دبا دبا رنگ اس کے چہرے پر چھائے ملال کی عکاسی کرتا تھا پر دبلے پتلے نقوش کشش پیدا کرتے تھے۔

رضیہ اپنی دو نندوں اور بچوں سمیت حاضر ہوئی تھیں۔ باتوں کا دور ختم ہوا تو کھانا دستر خوان پر سجا دیا گیا۔ تحفے کے طور پر رضیہ نے ایک جوڑا سارہ کو دیا تھا۔ شاہ زیب کے لیے فاروق

کرتہ خرید لائے تھے جو انہوں نے شاہ زیب کو دیا تھا۔ کھانا تناول ہوا تو دستر خوان بھی اٹھا لیا گیا۔ صوفے پر بیٹھتے کے ساتھ ہی رضیہ نے فاروق سے دونوں بچوں کو اکیلے میں بات کرنے کی اجازت طلب کی جس پر فاروق جنہیں پہلے کوئی اعتراض نہ تھا اب کیا کرتے۔ لہٰذا سارہ کو گیلری کی طرف ہی جانے کی تاکید کی جو ناک بھوں چڑھاتی ہوئی حکم بجالائی۔ سب کے چہروں پر مسرت تھی سوائے اس کے۔ رضیہ کی نندوں بشمول رضیہ نے اس کی خاموشی کو حیا سمجھ لیا پر اندر ہوتی تبا ہی صرف اور صرف زینت دیکھ سکتی تھیں۔

یہاں لونگ روم میں یہ لوگ آگے کے اقدام پر بحث مباحثوں میں مصروف تھے جس میں سارہ شامل ہونا چاہتی تھی پر فی الحال اسے بالکونی میں شاہ زیب کو سننا پڑ رہا تھا۔

''تمہارا چہرا بتا رہا ہے کہ شاید تم اس شادی کے لئے راضی نہیں۔'' شاہ زیب نے مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے کہا۔

''میری شکل ہی ایسی ہے، اس لیے۔'' سارہ نے تنک کر کہا جس پر شاہ زیب ہنسنے لگا۔

''ہاہاہا۔ تمہیں معلوم ہے۔ تم سے پہلے میں نے جو ایک دو لڑکیاں دیکھی تھیں، وہ کافی خوبصورت تھیں۔ لیکن پھر بھی مجھے تم ہی پسند آئیں۔ جاننا چاہتی ہو کیوں؟''

سارہ نے کوئی جواب نہ دیا بس اس کی طرف دیکھنے لگی۔

''کیوں کہ تم میں بہت غرور اور اکڑ ہے۔ پھر تم جہاں پڑھنے جاتی ہو اس سے صاف ظاہر ہے کہ تم ایک آزاد خیال کی لڑکی ہو۔ اور مجھے ایسی لڑکیاں ہی پسند ہیں۔''

''ضروری تو نہیں کہ جو آپ کو دکھتا ہے وہ ہی ہو، اگر آزاد خیال ہوتی تو آج آپ کے ساتھ اس طرح یہاں نہیں کھڑی ہوتی۔'' سارہ نے کہا۔

''ہاں جانتا ہوں تم جیسی لڑکیوں کو۔ گھر والوں کے ڈر سے خود کو ظاہر نہیں کرتیں! خیر ویسے

میں لاہور جا رہا ہوں، اب پتہ نہیں کب واپسی ہو۔'' شاہ زیب نے عیاری سے اس کی بات کو دوسرا پہلو دیا تھا۔ اس نے خاموشی میں ہی عافیت جانی۔

''گھر، کاروبار سب مکمل ہو جائے گا تو ہی آنا ہو گا لیکن تم سے رابطے میں رہوں گا۔ میرا نہیں خیال تمہیں کوئی اعتراض ہو گا اس بات پر۔'' شاہ زیب نے پوچھا پر وہ چپ رہی۔ اسے اس شخص کی موجودگی ہی زہر لگتی تھی۔ اسے کسی بھی بات کا کوئی بھی جواب دینے کا دل تھا اور نہ ہی اسے دیکھنے کا کوئی ارادہ۔ وہ پل پل کڑوے گھونٹ پیتی رہی جب تک وہ بات کرتا رہا۔

ان لوگوں کے جانے کے بعد سارہ سے رہا نہیں گیا، وہ سیدھی زینت کو لے کر کچن میں آ گئی اور آگے کے حوالے سے پوچھا جس پر زینت نے اسے تسلی دی اور یہ ہی کہا کہ ابھی بہت وقت ہے۔ وہ آرام سے پڑھ لے۔ ان کا ڈیڑھ دو سال سے پہلے کوئی ارادہ نہیں۔ یہ سن کر سارہ کی جان میں جان آئی۔ یوں تو وہ دماغی طور پر بہت تھک چکی تھی لیکن اس بات نے اسے کچھ ہمت دلائی تھی۔ اس نے تیزی سے سب صفائی کی اور اپنے کمرے میں چلی گئی۔

ذہنی اور جسمانی طور پر تھکن سے چور وہ بستر پر لیٹنے لگی تھی کہ اچانک یاد آیا، عشاء تو پڑھی نہیں تھی۔ پھر واپس اٹھ کر وضو کرنے چلی گئی اور کمرے میں آ کر جائے نماز بچھالی۔ دوپٹہ لپیٹ کر تکبیر باندھنے لگی تھی کہ زینت اندر آ گئیں۔ اتنے دنوں میں پہلی بار انہوں نے سارہ کے سر پر دستِ شفقت رکھا جو سارہ کو پریشان کر گیا۔ وہ ان التفات کی عادی نہیں تھی۔

''نماز پڑھنے کے بعد دعا کرنا کہ تمہارا شوہر نیک ہو۔'' زینت یہ کہہ کر تو چلی گئیں پر سارہ کو الجھا گئیں۔ وہ کچھ دیر سوچتی رہی پھر اس نے تکبیر باندھ لی۔ نماز مکمل ہوئی تو وہیں جائے نماز پر کچھ دیر بیٹھی غیر مرئی نقطے کو تکتی رہی۔ پھر دعا کے خیال سے ہاتھ اٹھائے تو آج سمجھ نہیں آیا کہ کیا دعا مانگے۔ کیا وہ یہ ہی چاہتی تھی کہ شادی آگے ہو جائے؟ یا کیا وہ یہ نہیں چاہتی تھی کہ

شاہ زیب سے شادی ہی ٹل جائے؟ کیا شاہ زیب کو نیک شوہر کے روپ میں دیکھنے کی دعا کرے؟ کئی سوال تھے دماغ میں۔ وہ عجیب الجھنوں کا شکار تھی۔ دل کئی وسوسوں میں جکڑا تھا۔ کیا چھوڑے اور کیا مانگے؟ ان کیفیات سے دوچار وہ سوچوں میں ہی کھوئی رہی کہ اچانک اسے اپنی مما کی ایک دعا یاد آ گئی جو وہ اکثر اس کے سامنے کیا کرتی تھیں۔ کتنے وقت بعد اسے آج یاد آیا تھا۔ وہ ایک منٹ نہ رکی اور دعا کے لئے ہاتھ اٹھا لیے۔

”یا اللہ! تو تمام جہانوں کا مالک ہے، اور تجھ سے بہتر کوئی نہیں جانتا۔ تیرے پاس تمام علم ہے میرے رب۔ تو ہر شے سے واقف ہے لہٰذا میرے مالک میرے حق میں بہترین فیصلہ فرمانا۔ آمین۔“

☆......☆......☆

تین مہینے پلک جھپکتے گزر گئے۔ چونکہ عام سیمسٹر کے مقابلے میں سمرز ایک فاسٹ ٹریک تھا لہٰذا سوچنے کا بھی وقت کہاں ملتا تھا۔ ہاف آرلی اور فائنل امتحان آگے پیچھے پھر رمضان کا مہینہ الگ۔ سب ایسی تیز رفتار سے گزرا کہ پتہ ہی نہ چلا۔ رضیہ بھی اپنے بچوں کے ساتھ لاہور چلی گئی تھیں اور فی الحال شادی کے حوالے سے پھر گھر میں کوئی بات نہ ہوئی تھی۔ تیسرا سیمسٹر شروع ہو گیا تھا اور اس طرح سارہ کا ایک سال اپنی اس یونیورسٹی میں گزر گیا تھا۔ وہ اور زنیرہ ایک دوسرے سے اتنے دنوں بعد مل کر کافی خوش تھیں۔ چونکہ سارہ تین کورسز آگے تھی لہٰذا اس کی کچھ کلاسز زنیرہ کے ساتھ تھیں۔ اس کے علاوہ وہ باقی دیگر کلاسز میں اکیلی ہی ہوتی تھی۔

دن یوں ہی مصروف گزر رہے تھے۔ آج سارہ اکیڈمک بلڈنگ میں موجود زنیرہ کا انتظار کر رہی تھی۔ یہاں ایک چھوٹا سا ریسیپشن تھا جس کی دیوار پر نوٹس بورڈ پر کئی نوٹسز لگے

تھے جس میں سے ایک وہی تھا جس کا زین نے ایک بار اس سے ذکر کیا تھا۔ سارہ نے ہر بیچ میں ان طلبا کے نام پڑھے جن کے زیادہ مارکس تھے اور اپنے بیچ میں وہ سب سے آگے تھی۔ اس ہی کے نام کے اوپر زین سرور نام بھی موجود تھا جو صاف ظاہر کر رہا تھا کہ زین نے بھی سمرز میں کورسز لیے تھے اور چونکہ وہ ایک سال سینئر تھا اس لیے وہ اپنے بیچ میں آگے تھا۔

اس کے علاوہ کچھ اور اعلانیہ کاغذات بھی چسپاں تھے جس میں سے ایک میں اسے زین دکھا تھا۔ وہ اپنے بہت بڑے گروپ کے ساتھ دکھائی دے رہا تھا۔ سارہ کو تفصیلات پڑھنے کے بعد معلوم ہوا کہ کوئی مارکیٹنگ کا مقابلہ تھا جس میں اس ٹیم نے پہلی پوزیشن حاصل کی تھی۔

وہ یہ سب اور بہت کچھ دیکھ رہی تھی کہ اتنے میں زنیرہ آ گئی اور وہ دونوں کلاس میں چلی گئیں۔

کلاس لے کر دونوں سیدھی لائبریری چلی گئیں جہاں زنیرہ کو سارہ سے اکاؤنٹنگ پڑھنی تھی لیکن زنیرہ صاحبہ ٹھہریں فلمی مزاج کی۔

''عشق کرنے کا ارادہ نہ تھا۔ بخدا ہو گیا دیکھتے دیکھتے۔'' وہی آہیں بھرا انداز۔ سارہ کا دماغ چکرا رہا تھا۔

''زنیرہ! مت کرو، میری طبیعت خراب ہو جائے گی۔'' سارہ نے عجیب سا چہرا بنا لیا۔ ☆

''کیا یار، تمہیں کیسے سمجھاؤں، عجیب روکھی پھیکی دوست ملی ہے مجھے۔'' زنیرہ کی بات چیت ایک بلال نامی لڑکے سے شروع ہو گئی تھی۔ یہ تھا زین کے بیچ میں لیکن زنیرہ اور بلال دونوں ساتھ ہی وین میں جاتے تھے۔ کچھ وقت تو دوستی رہی لیکن پھر احساس ہوا کہ وہ دونوں ایک دوسرے کو پسند کر بیٹھے تھے۔ پھر کیا......بس وہ ہم دیکھ ہی رہے ہیں۔

''زنیرہ میڈم! آپ یہاں اکاؤنٹس پڑھنے آئی ہیں لہٰذا توجہ یہاں فرمائیں اور اپنے خوابوں کی دنیا سے نکل آئیں۔'' سارہ نے ضبط کر کے کہا۔

''دیکھو، بیلنس شیٹ میں ایک طرف ایسٹ ہوتے ہیں یعنی وہ جو ہمارے پاس ہیں اور دوسری طرف ڈیبٹس ہوتی ہیں یعنی وہ جو ہمیں دینی ہوتی ہیں، اب ایسٹ اور ڈیبٹس میں کئی چیزیں ہیں جو ہمیں سوچ کر ان دونوں میں ڈالنی ہوتی ہیں، سمجھ آیا یہاں تک؟'' سارہ ایک ایک لفظ کھول کر زنیرہ کو سمجھا رہی تھی جو انٹر میں پری میڈیکل کر کے آئی تھی اور ایک لفظ اسے کلاس میں سمجھ نہیں آتا تھا۔

''ہاں! یعنی اگر میں یوں کہوں سارہ۔ ایسٹ میری محبت ہے اور ڈیبٹس وہ قربانیاں ہیں جو مجھے دینی ہوں گی، تو غلط تو نہیں۔'' جتنی معصومیت سے زنیرہ نے کہا تھا سارہ اسے یک ٹک پہلے تو دیکھتی رہی پھر کتاب اٹھا کر اپنے ہی سر پر ماردی۔

''زنیرہ! تمہارا کچھ نہیں ہوسکتا۔'' سارہ کا یہ کہنا تھا اور زنیرہ زور زور سے ہنسنے لگی تھی۔ اس کی بے تکی باتوں میں سارہ کا دن یوں ہی نکل جاتا تھا۔ وہ اسے کسی بھی لحاظ سے بری نہیں لگتی تھی۔ اور تو اور بلال اور زنیرہ میں پسندیدگی تھی تو یہ جذبات وقتی ہرگز نہیں تھے کیونکہ دونوں کے والدین کو علم تھا اور سارہ کو یہ انداز اچھا لگا تھا۔ ویسے بھی والدین کی نظروں میں دھول جھونک کر جو اولادیں غلط جذبوں اور سرگرمیوں میں ملوث ہوتی ہیں ان کے لیے قدرت کی طرف سے صرف رسوائی اور بدنامی لکھی ہوتی ہے۔

☆......☆......☆

تیسرا سمسٹر بھی زور شور سے گزر رہا تھا اور دیکھتے ہی دیکھتے تین مہینے بھی اڑن چھو ہوئے تھے۔ فائنل امتحان میں ڈیڑھ دو ہفتے باقی تھے۔ پچھلے کے مقابلے میں اگلا ہر کورس مزید پیچیدہ اور مشکل تھا۔ طلبا سرتوڑ محنت میں مصروف تھے۔ وہ بھی وقت ضائع کیے بغیر امتحان کی تیاریاں کر رہی تھی۔ یہ دو ہفتے پریزنٹیشن اور رپورٹ سمیشن میں نکل رہے تھے۔ وہ بغیر کسی مسئلے کے

ہر کورس میں سرخرو ہو رہی تھی کہ اچانک ایک کورس میں آکر برا پھنسی تھی۔ پرنسپل آف مارکیٹنگ! جس سے اسے سخت نفرت تھی۔ اس میں سر نے عین امتحان کے وقت ٹرم رپورٹ بتائی تھی جو سارہ کے ذرا سمجھ نہ آئی تھی۔

سر کے بقول کرنا یہ تھا کہ ایک منفرد پراڈکٹ طلبا کو سوچ کر اس کی تفصیلات پر کام کرنا تھا۔ جیسے اس پراڈکٹ کی قیمت کیا ہوگی؟ اس کی مارکیٹ کون سی ہوگی؟ اس کی حکمت عملی پر کیا کیا کام ہوں گے؟ مارکیٹ کے حوالے سے سب تفصیلات بتائی تھیں پھر پراڈکٹ دکھنے میں کیسا ہے اس پر بھی خاص کام کرنا تھا جس کی الف ب سارہ کو آتی ہی نہیں تھی۔ سب طلبا اس رپورٹ کے لئے پُر جوش نظر آرہے تھے لیکن سارہ پریشان ہونے لگی تھی۔ سونے پر سہاگہ! کام انفرادی طور پر کرنا تھا۔ سر نے گروپنگ ہی بند کردی تھی۔ اگر گروپ میں ہوتا تو کیا مسئلہ تھا۔ پھر زنیرہ بھی اس کورس میں کہاں تھی۔ سارہ تو چاروں طرف سے پھنسی تھی۔

اگر کوئی پراڈکٹ اسے سوچ کر اور پروگرام کے ذریعے بنا کر دے دیتا تو تفصیلات وہ خود بھی درج کر سکتی تھی پر شروعات ہی آسان نہیں تھی تو پھر آگے کا کام کیسے کرتی۔ مشکل سے مشکل اکاؤنٹس کا سوال آرام سے حل کرنے والی سارہ مارکیٹنگ کے اس کام سے خوف کھا رہی تھی۔ اس کو اپنا ٹوٹل اسکور گرتا نظر آرہا تھا۔

دماغ پر یہ کام کسی اژدہے کی مانند سوار ہو کر بار بار ڈنک مار رہا تھا۔ کوئی وقت ایسا نہیں تھا جس میں وہ اس کام کے حوالے سے نہ سوچتی۔ گھر میں، گھر کے باہر، راستے میں، دوسری کلاسز میں، ہر جگہ وہ منفرد پراڈکٹ کے بارے میں سوچتی رہتی پر مجال ہو اگر کوئی بھی آئیڈیا آیا ہو۔ دو تین دن گزرے اور اس کی ٹینشن بڑھنے لگ گئی۔ ان ہی دنوں زنیرہ بھی یونیورسٹی نہیں آرہی تھی۔ جب سارہ نے فون کر کے خیریت معلوم کی تو پتہ چلا وہ کافی بیمار تھی اور کئی دن نہیں آ

سکے گی۔ سارہ کو اس کی بھی فکر ہونے لگی تھی۔ امتحان میں ایک ہفتہ تھا، وہ تیاری کیسے کرے گی؟ پھر یہ ہی نہیں اس کی کلاس میں کئی طلبا نے پراڈکٹ سوچ کر ان کی پروگرامنگ کے ذریعے تصویر بنالی تھی اور کام کرنا شروع کردیا تھا۔ اسے شدید ٹینشن لاحق ہوئی تھی۔ امتحان کی ٹینشن، پراڈکٹ کی ٹینشن، زنیرہ کے نہ آنے کی ٹینشن۔۔ ٹینشن ٹینشن اور بس ٹینشن۔

''یااللہ! میرے دماغ کو کیا نظر لگ گئی ہے۔ یہ سب تو کام کرنا بھی شروع ہوگئے اور میں کچھ سوچ ہی نہیں پارہی۔'' اس کا سر چکرا گیا تھا۔ وہ اپنے اردگرد اکیلاپن اور الگ محسوس کرنے لگی تھی۔ اس نے ایک دو طلبا سے بات کرنی بھی چاہی لیکن خود ہی خاموش ہوگئی۔ ظاہر ہے پورا سیمسٹر بات نہیں کی کسی سے اور آخری وقت میں کام کے حوالے سے اگر بات کرتی تو اس کی ساکھ خراب نہیں ہوجاتی؟ اب بس ایک کام ہی ہوسکتا تھا۔

وہ اگلے دن شاف روم چلی گئی جہاں مارکیٹنگ کے سارے اساتذہ اپنے اپنے دفتروں میں موجود ہوتے تھے۔ ہر روم کے باہر دروازے پر مطلوبہ استاد کے نام کی پلیٹ آویزاں تھی۔ وہ چلتی ہوئی اس دفتر کے دروازے کے باہر جاکھڑی ہوئی جو اس کے استاد کا تھا۔

دروازے پر لمبائی میں مستطیل شکل کا شیشہ تھا جس سے پتہ چل سکتا تھا کہ کمرے میں کوئی ہے یا نہیں۔ سارہ نے اندر جھانکا تو لائٹ ہی بند تھی۔ اس نے بے بسی سے وہیں دیوار سے ٹیک لگالی اور انتظار کرنے کا سوچا۔ راہداری مکمل طور پر خالی تھی۔ وہ اکیلی دیوار سے ٹیک لگائے کھڑی تھی جب اس کے مقابل کچھ قدم کے فاصلے پر موجود دفتر کا دروازہ کھول کر زین باہر نکلا تھا۔ اس کی نگاہیں موبائل کی اسکرین پر تھیں اور سارہ کی اس پر۔ وہ بے خیالی میں اسے دیکھ رہی تھی۔ زین سیدھا سیدھا موبائل پر دیکھتا ہوا اس کے پاس سے گزرنے لگا کہ خود پر نظریں محسوس کرکے اس نے نگاہیں سارہ کی طرف اٹھائیں۔ سارہ ہنوز ہاتھ باندھے کھڑی

اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ وہ مضطرب اتنی تھی کہ خود بھی نہیں جانتی تھی کہ اس کا فوکس اس وقت زین تھا۔ وہ وہیں رک گیا اور نظروں کا تبادلہ ہوا۔ زین نے ابرو اچکائیں گویا پوچھنا چاہ رہا ہو کیا ہوا؟ تو سارہ تیوری پر بل دیئے اسے دیکھنے لگی۔ اب کی بار سارہ نے سر کو سوالیہ انداز سے ہلایا تو وہ فقط مسکرا کر سر نفی میں ہلانے لگا۔ سارہ کا دھیان ٹینشن سے ہٹا اور مکمل اس کی جانب مرکوز ہوا۔

''کیا ہوا؟ ایسے کیا دیکھ رہے ہیں آپ؟'' اب کی بار پوچھ لیا۔ حالانکہ خود اس کی نظریں ہی تھیں جس کی وجہ سے وہ رکا تھا پر دماغی الجھن کی وجہ سے وہ خود بے خبر تھی۔

''ایسے ہاتھ باندھ کر غصے سے کھڑی ہو، لگ رہا ہے کسی کو مارنے جا رہی ہو۔'' زین نے مسکرا کر اس کی طرف اشارہ کیا تو سارہ نے فوراً دیوار سے ٹیک ہٹائی اور سیدھی کھڑی ہو گئی۔ ہاتھ بھی اطراف میں گرا کر وہ بے ڈھب سا محسوس کر رہی تھی۔ وہ ہنستا ہوا سر جھٹک گیا۔ سارہ نے ہاتھ پر بندھی گھڑی میں وقت دیکھا اور پھر دروازے کی طرف جس سے زین کو معاملہ سمجھ آ گیا۔

''محترمہ! تم جن کا انتظار کر رہی ہو وہ اس کمرے میں ہیں جہاں سے میں آ رہا ہوں۔'' زین نے کمرے کی طرف اشارہ کیا تو سارہ نے پل بھر پہلے اس کی طرف دیکھا پھر سر کو جنبش دیتی ہوئی جوں ہی آگے بڑھی زین نے روک دیا۔

''ایک منٹ۔''

''اب کیا ہوا؟'' سارہ نے پوچھا۔

''وہاں میٹنگ چل رہی ہے لہٰذا آپ نہیں جا سکتیں میڈم۔'' زین نے کہا تو سارہ کا میٹر آؤٹ ہوا۔

"آپ بھی تو وہیں سے آرہے ہیں۔" سارہ نے تنک کر کہا۔

"جی جناب، میں وہاں سے آیا ہی اس لیے کہ میٹنگ شروع ہونی تھی۔" زین نے اتنا ہی نرم انداز اپنا کر کہا۔ سارہ جز بز ہوئی۔ چہرے پر پریشانی صاف ظاہر ہوگئی تھی۔ وہ وہیں دیوار سے پھر سے ٹیک لگا کر کھڑی ہوگئی اور ویسے ہی ہاتھ باندھ کر سوچنے لگی۔ وقت ختم ہوتا جارہا تھا اور یہاں ایک لفظ نہیں لکھا تھا اس نے۔

"کیا ہوا؟" زین نے پوچھا۔ وہ آرام سے اس کے چہرے پر تناؤ دیکھ سکتا تھا۔

"کچھ نہیں۔" سارہ نے کہا۔ وہ کوئی بات کرنے کے موڈ میں نہیں تھی۔

"ہمم۔ چلو فکر نہیں کرو جو بھی مسئلہ ہے ان سے ڈسکس کرلو۔ اچھے سر ہیں۔ سن لیتے ہیں۔ میں نے پڑھا ہوا ہے ان سے۔" زین کا یہ کہنا تھا کہ وہ اچانک سیدھی ہوئی۔

"آپ نے کیا پڑھا ہے؟" سارہ نے جھٹ سے سوال پوچھ ڈالا۔

"پرنسپل آف مارکیٹنگ۔ اب تو سال ہوگیا۔" زین نے کہا۔

"اوہ، ہاں میں وہ ہی کورس ان سے کررہی ہوں، کیا آپ بتاسکتے ہیں کہ یہ کیسے ہیں؟ اور کیسی چیکنگ کرتے ہیں؟ کس چیز کو اہمیت دیتے ہیں؟" سارہ نے ایک ساتھ کئی سوال کر دیئے اور زین سوچنے لگ گیا۔

"ہمم۔ یار! اچھے ہیں، منصفانہ چیکنگ کرتے ہیں۔ ہاں ٹرم رپورٹ کو لے کر بہت سنجیدہ ہوتے ہیں۔" زین کے کہنے پر اس کا چہرا پھر تناؤ کا شکار ہوا۔

"کیا مطلب سنجیدہ؟" سارہ نے میکانکی انداز میں پوچھا۔

"یار! مطلب اس پر بہت محنت کرنا، اچھے خاصے مارکس ہوتے ہیں اس کے، اور وہ ہر چیز دیکھتے ہیں۔" اس وقت اسے زین کسی ہارر مووی سے کم نہیں لگا تھا۔ سارہ کو گھبراہٹ ہونے لگی

تھی۔ایسے محسوس ہو رہا تھا جیسے آس پاس آکسیجن ختم ہو گیا ہے۔اس نے ڈر سے کپکپاتا ہاتھ ماتھے پر رکھ لیا اور سوچ میں پڑ گئی۔

”کیا ہوا تم کو؟“ زین نے تشویشناک انداز میں کہا۔

”نہیں۔بس وہ آپ نے تو مزید ڈرا دیا ہے مجھے۔“ سارہ منمنائی۔”دراصل میں ان سے ٹرم رپورٹ کی بات کرنے ہی آ رہی تھی،عجیب سا کام دیا ہے،کچھ نیا پراڈکٹ سوچو،تصویر بناؤ پتہ نہیں کیا کیا۔“ وہ وحشت میں کہہ رہی تھی۔

”اوہ۔ہاں ان کی یہ ہی ٹرم رپورٹ ہوتی ہے،اس میں ایسا کیا عجیب ہے؟“ زین کو تعجب ہوا۔

”کیا پراڈکٹ سوچوں؟ سب تو ہے یہاں۔کچھ بھی نہیں آ رہا مجھے،باہر کے حوالے سے میں کچھ نہیں جانتی،ورنہ ان میں سے ہی سوچ لیتی۔“ سارہ ایک دم بول اٹھی۔

”تو گروپ میں کام نہیں دیا کیا؟“ زین نے پوچھا۔

”نہیں اکیلے کرنا ہے۔“ سارہ نے کہا۔

”اوہ! ہمارا گروپ میں تھا تب ہی پوچھا۔“ زین نے کہا جس پر سارہ فقط سر کو جنبش دے گئی۔ کچھ لمحے خاموشی کی نذر ہوئے جب اچانک زین نے کہا۔

”ارے میں تمہاری مدد کر سکتا ہوں۔“

”کیسے؟“ سارہ نے برجستہ پوچھا۔

”یار! ہمارے گروپ میں دو پراڈکٹ سوچے گئے تھے پر کام ایک پر ہوا۔تو دوسرا سر کو پتہ ہی نہیں ہے۔تم اس پر کر سکتی ہو۔“ زین کی بات پر سارہ کا سانس بحال ہوا لیکن اتنے غرور سے جو مائے سپاٹ پر کہا تھا۔

”اگر مجھے مدد کی ضرورت بھی ہو،تو دنیا کے آپ وہ آخری شخص ہوں گے۔“ اس کے

دماغ نے ٹھونکا مارا اور ساری توانائی اڑ گئی۔

''امم۔ نہیں شکریہ، میں خود ہی کچھ سوچتی ہوں۔'' سارہ کہہ کر کہیں اور دیکھنے لگی جیسے اب بات ختم کرنا چاہتی ہو۔

''چلو ٹھیک ہے۔ جو تمہیں بہتر لگے میں چلتا ہوں۔'' زین کہہ کر چلا گیا اور سارہ وہیں کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔ صرف غرور ہی آڑے نہیں آیا تھا۔ وہ اپنے بیچ میں فرسٹ آئی تھی پھر زین کا پچھلا ریکارڈ بھی توڑ رہی تھی ایسے میں اپنے حریف کی مدد لے کر خود کو حقیر نہیں کر سکتی تھی۔

''ایک رعب تھا ذہانت کا۔ وہ اسے بھی توڑنے چلا ہے۔'' وہ جز بزسی بستر پر بیٹھی خود کلامی کر رہی تھی۔ کوئی پراڈکٹ جو دماغ میں آیا ہو۔ اسے شدید چڑچڑاہٹ ہو رہی تھی۔ وقت تھا کہ ہاتھ سے پھسلتا جا رہا تھا اور آج زین کی باتوں نے اسے مزید پریشان کر دیا تھا۔ اس پراجیکٹ کی وجہ سے وہ کسی دوسرے مضمون کی طرف بھی دھیان نہیں لگا پا رہی تھی۔ کتابوں کا ایک ڈھیر تھا جو بستر پر پھیلا پڑا تھا۔ جتنی انٹرنیٹ سرچ اسے کرنی تھی وہ یونیورسٹی میں ہی کر لیا کرتی تھی۔ گھر پر وہ کتابیں کھول کھول کر کوئی آئیڈیا نکالنے کی جدوجہد میں مصروف رہتی پر بے سود۔ کچھ حاصل نہ تھا۔ دماغ جیسے ماؤف ہو گیا تھا۔

اگلے دن کلاس میں سر سب کے پراڈکٹس کے بارے میں پوچھنے لگے اور سارہ کو منہ چھپانے کے علاوہ کچھ سمجھ نہ آیا تھا۔ تقریباً سب ہی طلبا نے کافی حد تک کام کر لیا تھا اور یہاں تو آغاز ہوتا تو انجام کو پہنچتا نا! اسے مارکیٹنگ کورس سے مزید نفرت ہونے لگی تھی۔ کلاس کے اختتام پر وہ اضطرابی حالت میں باہر نکلی تو مقابل فلور پر زین کو شازیہ کے ساتھ پایا۔ سارہ کو اس کی شکل دیکھنے کے ساتھ ہی شدید غصہ آیا تھا۔ یہ بے بسی تھی جو اسے اندر ہی اندر چڑا رہی

تھی۔ وہ زین کی شکل سے بھی خار کھا رہی تھی۔

"پتہ نہیں کیا سمجھتا ہے خود کو۔" مقابلہ تھا۔ ذہانت کا مقابلہ! وہ خود کو ہارتا محسوس کر رہی تھی۔ مقابل کھڑا شخص اس کے تاثر سے بے خبر شازیہ سے باتوں میں مگن تھا۔ وہ سر جھٹکتی ہوئی وہاں سے سیدھی لائبریری چلی گئی اور ایک بار پھر کوشش کی کہ اسے کچھ انٹرنیٹ سے مل جائے لیکن حال وہیں کا وہیں رہا۔ وہ پیچ و تاب کھاتی ہتھیلی سے ماتھا ٹکا گئی۔

"ٹوٹل اسکور بڑھنا کیا ضروری ہے؟ اگر تھوڑا گر بھی جائے تو کیا ہوا۔ اگلے سمسٹر میں کوشش کرلوں گی۔" اس نے سوچا۔

"ارے! میں تمہاری مدد کرسکتا ہوں۔" پیچھے سے بازگشت کرتی زین کی آواز نے اسے روکا۔

"نہیں میں تم سے مدد نہیں لوں گی! یہ تو طے ہے۔" اس نے پھر تمام خیالات پر فل سٹاپ لگایا اور انا کا دامن نہیں چھوڑا۔

ان دنوں زنیرہ بھی نہیں تھی۔ طبیعت کی خرابی کے باعث وہ سیدھا امتحان دینے آنے والی تھی۔ سارہ اسے بھی یاد کرتی تھی۔ شاید وہ ہی کچھ اس کی مدد کردے۔ فون پر اپنا مسئلہ بتا کر وہ مزید اسے پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی۔ زنیرہ خود اپنی پڑھائی کو لے کر ڈسٹرب تھی۔ لہٰذا سارہ صرف حال احوال پوچھ کر بات ختم کر دیا کرتی تھی۔

لگ بھگ چار دن باقی تھے پریزنٹیشن میں۔ اور سارہ کا حال کیا تھا پوچھو نہیں۔ وہ ہار مان گئی تھی۔ کلاس کے ہر طالب علم نے اپنی رپورٹ تیار کرلی تھی۔ اور وہ خالی ہاتھ بیٹھی انہیں دیکھ دیکھ کر مضطرب ہو رہی تھی۔ شروع سے کسی سے رابطہ ہی نہ رکھا تھا۔ سارہ اپنی ذہانت کی اکڑ میں رہ جاتی اور کلاس میں موجود طلبا اسے عجیب سا سمجھ کر بات ہی نہ کرتے۔ اگر اس کا انداز و اطوار الگ ہوتا تو شاید کوئی پہل بھی کرتا۔ پر اتفاق سے اس کلاس میں 'برگر بچے' کثیر تعداد میں

تھے اس لیے سارہ نے خود بھی ایک فاصلہ رکھا تھا۔

وہ پراگندہ سی کیفیت لیے کلاس سے نکلی۔ ذہانت کی جنگ میں اب شکست کھا چکی تھی لہٰذا فرضی سفید جھنڈی لیے اس نے ریلنگ سے لگ کر ہر فلور پر طائرانہ نظر دوڑائی۔ وہ اسے نظرِ مقابل پہلے مالے پر دکھ گیا تھا جب کہ سارہ دوسرے مالے پر تھی۔ پر وہ اکیلا نہیں تھا۔ شازیہ اور ارسلان بھی موجود تھے۔ اس کے قدم لرزنے لگے تھے۔ وہ بمشکل خود کو سنبھالتی ہوئی سیڑھیاں اتر کر اس تک گئی۔ اس نے دیکھا کہ ارسلان جو لحظہ قبل موجود تھا اب چلا گیا تھا۔ وہ راہ داری کے آخر میں کھڑا شازیہ سے بات کر رہا تھا۔ اور سارہ اس کے برعکس راہ داری کے شروع میں تھی۔

ہر اٹھتا قدم انا کو کرچی کر رہا تھا۔ غرور کو توڑ رہا تھا۔ اکڑ کو ختم کر رہا تھا۔ اندر کی تباہی اس کا دل جانتا تھا۔ بظاہر چہرا ہر احساس سے عاری تھا پر اندر مچلتی دل و دماغ کی جنگ میں وہ خود کو حقیر ہوتا محسوس کر رہی تھی۔ سارہ ان سے ایک فاصلے پر آ کر رکی تھی۔

زین کی پشت اس کی طرف تھی تو وہ اس کی موجودگی سے بے خبر تھا۔ البتہ شازیہ نے اسے عجیب نظروں سے دیکھا تھا۔ وہ جو بات کر رہا تھا شازیہ کے بدلتے تیور دیکھ کر پیچھے مڑا۔ سارہ نے یکلخت ہی نظریں نیچے کیں۔ شازیہ کی نظریں چہرے پر کھب سے گئی تھیں۔ کیا وہ اس جہاں کی مخلوق اسے نہیں لگی تھی؟

''اوہ مس سارہ احمد کیسی ہو؟'' معمول کی طرح زین نے وہی مسکراہٹ کے ساتھ کہا تھا۔ شازیہ ابرو اچکا کر اپنے موبائل میں مصروف ہو گئی۔

''میں ٹھیک ہوں۔'' سارہ نے کہا۔ وہ لفظوں کو ترتیب دے رہی تھی۔ معاملہ ہی اتنا سنگین تھا۔

''امم۔ وہ آپ اس دن۔ ٹر...... ٹرم رپورٹ کی بات کر رہے تھے۔'' اس نے کپکپاتے لب سے بمشکل کہا تھا۔

''ٹرم رپورٹ؟ اوہ ہاں، مارکیٹنگ؟'' زین نے دماغ پر زور دیا تو یاد آیا۔

''جی۔ آپ نے پراڈکٹ کا کہا تھا کہ...... ایک اور سوچا تھا'' لفظ آدھے ادھورے تھے لیکن زین سمجھ گیا تھا کہ وہ مدد مانگنا چاہ رہی ہے۔

''ہاں ہاں، مجھے یاد ہے، ایک منٹ۔ شازیہ یار! یاد ہے پرنسپل آف مارکیٹنگ میں گروپ میں ہم نے دو پراڈکٹ سوچے تھے لیکن کام ایک پر ہی کیا تھا۔ تمہیں دوسرا یاد ہے کیا تھا؟'' زین شازیہ سے مخاطب ہوا جو موبائل کی اسکرین کو تک رہی تھی۔ سارہ نے یکے بعد دیگرے دونوں کو دیکھا۔ وہ دودھیا رنگت چمکتی جلد والی لڑکی سارہ کو ہر زاویے سے مات دے رہی تھی۔ سنہرے ریشم جیسے بال کاندھوں پر دونوں طرف سے جھول رہے تھے۔ سارہ اس کی خوبصورتی سے ہی پل بھر کو مبہوت رہ گئی تھی۔ اس نے ایک ادا سے زین کو دیکھا اور پھر سوچنے لگی۔ انگ انگ اترا رہا تھا۔ اسے اپنے حسن پر ناز تھا۔

''ہمم۔ اوہ لیس وہ ہی بال نا جو رنگ کھینچ لیتی ہے واشنگ مشین میں، انوشاہ یا شانزہ کا آئیڈیا تھا یہ۔'' شازیہ نے بے نیازی سے کہا اور واپس موبائل میں لگ گئی۔

''ہاں یاد آگیا۔'' زین واپس سارہ کی طرف پلٹ کر تفصیل دینے لگا۔

''اس کو یہ پوچھنا ہے؟'' شازیہ نے ناگواری سے سوال کیا۔

''ہاں، ان کی بھی وہی رپورٹ ہے۔'' زین نے کہا اور شازیہ کی نظریں سارہ کو شرمندہ کرنے لگی تھیں۔ وہ ان دونوں کے سامنے خود کو بے موزوں محسوس کرنے لگی تھی۔ آس پاس طلبا کی گفتگو کا شور اتنا تھا کہ سارہ کو نہ جانے کیوں ایسا لگا جیسے سب اس پر ہی تبصرہ کر رہے

ہوں۔ اس نے دزدیدہ نگاہ سے آتے جاتے لوگوں کو دیکھا۔ گھبراہٹ اس کے چہرے پر چھا گئی تھی۔

”یہ کام تو آسان تھا، اس میں ایسا کیا ہے۔“ شازیہ نے سارہ کی طرف بے نیازی سے کندھے اچکائے اور سارہ چاروں شانیں چت ہوئی۔

”اور تم زین جب دیکھو کسی نہ کسی کی مدد کرتے رہتے ہو، کبھی میری بھی کر دیا کرو۔“ اس کا انداز سارہ کو اتنا بھاری لگا کہ وہ اپنا وجود بھی سنبھال نہیں پا رہی تھی۔

”کیوں کیا ہوا تمہیں؟“ زین نے شازیہ سے پوچھا جو ایک ادا سے مسکرائی۔

”اپنے دوستوں کو ہی وقت نہیں دیتے مسٹر زین!“ شازیہ نے اترا کر کہا۔

”اچھا تم ایک منٹ رکو میں اس سے پہلے بات کر لوں۔“ وہ شازیہ کے مذاق کو سمجھ کر سارہ کی طرف مخاطب ہوا جس کا چہرا بتا رہا تھا کہ اس نے مدد مانگ کر اپنی زندگی کی سب سے بڑی غلطی کر دی تھی۔

”میں چلتی ہوں پھر کبھی آپ سے بات کر لوں گی۔“ سارہ وہیں سے پلٹ گئی۔ پر اس کی نم ہوتی آنکھیں زین سے اوجھل نہیں تھیں۔ حالانکہ اس نے تو نگاہ اٹھا کر بھی نہ دیکھا تھا۔ مقابل کھڑی جل پری نے اسے زمین بوس جو کر دیا تھا۔ پر زین سمجھ گیا تھا کہ شازیہ کے رویے سے اسے دکھ ہوا تھا۔

”شازیہ تم رکو میں آتا ہوں۔“ شازیہ کی حرکت کو نظر انداز کرتا ہوا زین سارہ کے پیچھے جانے لگا۔

”اوہو! کیا ضرورت ہے۔ تم نے بتا تو دیا وہ بنا لے گی اب۔“ شازیہ نے چڑ کر کہا۔ اسے زین کی ان عادات سے سخت نفرت تھی۔ جب دیکھو ہرایرے غیرے کے لیے ادارے مدد

کھول کر بیٹھ جاتا تھا۔ پر زین نے ایک نہ سنی اور سارہ کے پیچھے چلا گیا جو تیز تیز قدم چلتی اکیڈیمک بلڈنگ سے باہر نکل گئی تھی۔

”سارہ!“ زین نے پیچھے سے آواز لگائی تو سارہ کے قدم تھمے۔ وہ نیم مڑی البتہ نظریں ابھی بھی نیچے تھیں۔ زین اس کی طرف بھاگتا ہوا آیا۔

”تم اس کی باتوں کا برا نہیں مانو۔ اسے مذاق کی عادت ہے۔“ زین نے سمجھانا چاہا اور سارہ نے کچھ نہیں کہا۔ فقط سر کو جنبش دی اور امڈتے آنسو کو پلک جھپک کر اندر لیا۔ وہ جو کبھی کسی کے سامنے نہیں ٹوٹی تھی زین کے سامنے بھی کیوں ٹوٹتی؟

”میں تمہیں سمجھا دیتا ہوں کہ پراڈکٹ کیا تھا اور تم اس پر رپورٹ بنا لینا، تمہارے پاس ابھی وقت ہے؟“ زین نے رسانیت سے پوچھا اور سارہ پوری طرح کمپوز ہو کر اس کی طرف رخ کر گئی۔ زین پراڈکٹ کے حوالے سے تفصیل دینے لگا تھا۔ طرزِ گفتگو اتنا شائستہ تھا کہ سارہ کو پل بھر بھی حقارت محسوس نہ ہوئی۔ وہ آسان لفظوں میں سب سمجھا گیا اور سارہ نے بدقت تمام تفصیلات سوچ لیں کہ کیا کیا اس نے رپورٹ میں لکھنا ہے۔

”ویسے تو یہاں بھی کچھ کچھ رجحان اس کا شروع ہوا ہے لیکن باہر ملکوں میں یہ عام طور پر استعمال ہوتا ہے۔ تم جا کر انٹرنیٹ پر مزید سرچ کرو۔ مزید معلومات ملیں گی۔ پراڈکٹ کی تصویر وہ ہی لے کر اسے پروگرام کے ذریعے بدل دینا تاکہ پتہ نہ چلے۔“ زین نے مشورہ دیا۔

”ہاں میں سمجھ گئی، یہ کام میں باہر سے بھی کروا لوں گی۔“ سارہ نے ایک دو دکانوں کے بارے میں سوچ کر کہا۔

”ارے باہر سے کروانے کی کیا ضرورت ہے؟ یہاں تمہیں کوئی بھی کر دے گا۔ تم کلاس

میں ہی پوچھو، کوئی نہ کوئی مدد کر دے گا۔" زین کا کہنا تھا اور سارہ نے مزید شرمندگی سے سر نیچے کر لیا۔ آج تو کوئی کسر نہیں چھوٹی تھی۔ وہ ندامت کے سمندر میں غوطہ زن ہوئے جا رہی تھی۔

"کیا ہوا؟ کچھ...... غلط کہہ دیا میں نے؟" زین نے اس کے تاثر بھانپ کر استفسار کیا۔

"ن...... نہیں...... دراصل...... میں یہاں کسی کو نہیں جانتی سوائے اپنی ایک دوست کے جو آج کل نہیں آ رہی۔ پر میں باہر سے کروا لوں گی، مجھے اندازہ ہے کہ کیسے ہوتا ہے۔ آپ کا بہت شکریہ، اتنی مدد کے لیے۔ میں چلتی ہوں۔" وہ کہہ کر مڑی۔

"ایک منٹ۔" پر زین کے روکنے پر رک گئی اور سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔

"تم تصویر کی فکر نہیں کرو، میں کر دوں گا، بلکہ آج ہی کر کے تمہیں ای میل کر دوں گا۔"

اس کا اس قدر فراخ دل ہونا سارہ کو مزید ہبکی کر گیا۔

"ارے نہیں، میں کروا لوں گی باہر سے۔ آپ نے پہلے ہی بہت مدد کر دی ہے۔" سارہ نے صاف منع کرنا چاہا لیکن زین نہیں مانا اور ای میل مانگا جس سے سارہ ہچکچانے لگی۔ وہ شکن آلود صبیح لیے پریشان سی اس شخص کو دیکھ رہی تھی جسے ذرا کوئی گھمنڈ تھا۔ مدد ایسے کی جاتی ہے سارہ کو آج معلوم ہوا تھا۔

"مجھے عادت نہیں ہے اتنے احسانوں کی۔" وہ فقط یہ کہہ کر سر نیچے کر گئی۔ ایک اجنبی سے مدد مانگنا ہی بہت بڑا کام تھا اس کے لیے۔

"احسان نہیں ہے۔ اگر میں تمہارے کسی کام آ سکتا ہوں تو اس سے اچھی بات اور کیا ہو گی۔" اس نے جس بے ریا انداز سے کہا تھا سارہ دنگ رہ گئی تھی۔ وہ سارہ سے ای میل آئی ڈی لے کر چلا گیا۔ پر سارہ وہیں بت بنی کھڑی اسے جاتا دیکھتی رہی۔ کوئی ایسا بھی ہو سکتا ہے؟ غرور، گھمنڈ، انا کچھ بھی نہیں۔ صرف دوستانہ انداز اور سادا پن۔ اسے ذرا فرق نہیں تھا

کہ وہ کس سوسائٹی سے تھا، کتنا رئیس تھا۔ ہاں وہ اپنی امیری دکھاتا تھا پر صرف بہترین تربیت کی۔ ضروری تو نہیں عزت بنانے کے لئے انسان انہی چیزوں کا سہارا لے۔ کبھی کبھی ایسے چھوٹے چھوٹے عمل ہی کافی ہوتے ہیں۔

☆......☆......☆

''تمہیں کیا لگتا ہے جہیز جمع کرنا اتنا آسان ہے۔'' وہ گھرکے۔

''میں نے ایسا تو کچھ نہیں کہا۔ میں تو بس بچی کے لیے جو ضروری ہے وہ......''

''خاموش ہو جاؤ۔'' وہ چلائے تو برابر کمرے میں موجود سارہ کے ہاتھ سے قلم گر پڑا۔ وہ فاروق کے چیخنے پر سہم گئی تھی۔ ایک منٹ نہ رکی اور بستر سے اتر کر چوکھٹ پر جا کھڑی ہوئی۔

''ایک بیٹا ہوتا تو آج کاندھے کا سہارا ہوتا میرا۔ پر نہ تم نے مجھے اولاد دی اور روبینہ...... وہ میرے گلے اپنی بیٹی چھوڑ چلی گئی۔''

سارہ کی گلٹی ابھر گئی۔ آنکھوں میں وحشت لیے وہ برابر کمرے میں ہونے والی ان بن سن رہی تھی۔ ڈر سے اس کا خون خشک ہو گیا تھا۔ دسمبر کا سرد موسم تھا لہٰذا بند کمرے سے بھی فاروق کی آواز وہ باآسانی سن سکتی تھی۔

''ایسے تو نہ کہیں۔ اللہ کی مرضی تھی۔ اس پر بھروسہ رکھیں۔'' زینت کی روہانسی آواز سنائی دی تو سارہ کا دل بیٹھنے لگا۔

''اے چپ ہو جاؤ ورنہ زبان کھینچ لوں گا۔'' سارہ کا تنفس تیز ہونے لگا تھا۔

''مرضی تھی بڑی آئیں۔ تُو اولاد نہ دے سکی پر روبینہ کو میرے سر کیوں ڈالا۔ سسرال تھا نا اس کا۔ دیکھ لیتا اسے۔ خود تو سکون کی نیند سو گئی اور مجھے یہ نحوست دے گئی اب کیا کروں میں ہاں؟ پتہ بھی ہے جہیز جمع کرنے کے لیے کتنی رقم چاہیے۔ کہاں سے لاؤں گا اوپر سے تیرے

مشورے کہ بچی کو یہ دیں وہ دیں۔ آج بیٹا ہوتا تو یہ نوبت ہی نہ آتی۔ میری پھوٹی قسمت ہائے۔" زور سے ماتھا پیٹنے کی آواز آئی اور سارہ جو چوکھٹ سے ٹیک لگائے سب سن رہی تھی کرب سے بیٹھتی چلی گئی۔

"رحمت کو نحوست مت کہیں۔ اللہ سب ٹھیک کردے گا۔" زینت کی آواز بمشکل نکلی اور سارہ کی آنکھیں آنسوؤں سے چھلک پڑیں۔

"نحوست کو نحوست ہی کہا ہے۔ تُو مت حمایت کر اس کی۔ تیری غلطی کی وجہ سے ایک ایک دن بھگت رہا ہوں۔ میرا بس چلتا تو ڈال دیتا اسے یتیم خانے میں۔ پر تیری وجہ سے زینت! صرف تیری وجہ سے بھگت رہا ہوں اس بوجھ کو۔ اٹھ جا یہاں سے اور لے جا یہ بیکار چائے۔" ایک چھناکے کی آواز دروازے تک آئی اور سارہ نے ضبط سے آنکھیں کھولیں۔ کمپیوٹر کی اسکرین سے آتی روشنی اس کے چہرے کو چمکا رہی تھی۔ آنکھوں میں سرخ دراڑیں اور سوجے سوجے پپوٹے ساری رات رونے کا ثبوت دے رہے تھے۔

اس نے دھیان ہٹا کر کام مکمل کرنے کی طرف توجہ مرکوز کی۔ پچھلے دو گھنٹوں سے وہ کمپیوٹر اسکرین کے آگے بیٹھی مارکیٹنگ کی رپورٹ تیار کر رہی تھی۔ پر کل رات ہونے والا واقعہ اس کے کام میں رکاوٹ بن رہا تھا۔ فاروق کی زبان سے نکلا ایک ایک لفظ دل پر ضرب لگا رہا تھا۔ وہ خون کے آنسو روئی تھی اور اس وقت پھر امڈتے آنسوؤں سے آنکھوں میں مرچیں لگنے لگی تھیں۔ اس کا سر درد سے چکرا رہا تھا پر وہ جیسے تیسے کر کے بھی کام ختم کرنا چاہتی تھی۔ زین نے اب تک بھی اسے پراڈکٹ کی تصویر ای میل نہیں کی تھی۔ سارہ نے اس کے بغیر ہی پوری رپورٹ تیار کر لی تھی۔

مستقل اسکرین کی روشنی تکتے ہوئے اس کی کن پٹی کی نسیں پھڑک رہی تھیں۔ جب درد

کی ٹیس برداشت سے باہر ہوئی تو اس نے بیگ سے ٹیبلٹ نکال کر کھالی۔ وہ ہی دوا جو وہ سر درد کے لیے لیتی تھی۔ اس نے کچھ دیر ماتھا ہتھیلی سے ٹکایا اور امڈتے آنسوؤں کو باڑ لگائی۔ بس اب بہت ہو گیا! اسے مزید کچھ نہیں سوچنا۔ کون سی نئی بات تھی۔ ہر مہینے دو مہینے کی کہانی تھی یہ تو۔ پھر اب تک بھی وہ اس کٹیلے لہجے کی عادی کیوں نہیں ہوئی تھی؟ اس نے بمشکل سر اٹھایا اور سارا کام یو ایس بی میں سیف کر لیا۔ چھٹی کا وقت تھا۔ اسے ہمت جمع کر کے گھر کے لیے روانہ ہونا تھا پر تکلیف کی شدت ناممکن بنا رہی تھی۔ اس نے جیسے تیسے لائبریری سے نکل کر روش پر چلنا شروع کر دیا۔ دسمبر کی سرد ہوا اس کے درد میں مزید اضافہ کر رہی تھی۔

زین نے جب اسے لائبریری سے نکلتے دیکھا تو دور سے آواز لگائی۔ وہ ارسلان سے کسی بات میں مصروف تھا۔ سارہ کو دیکھتے ہی اس کی طرف آنے لگا تھا۔ سارہ نے زین کی آواز پر بمشکل رخ اس کی طرف کیا تھا۔

''میں تمہیں کب سے ڈھونڈ رہا ہوں۔ ایک تو میرے پاس تمہارا نمبر ہی نہیں تھا۔ دراصل میں نے تصویر بنا دی ہے لیکن سوچا پہلے دکھا دوں اگر تم مطمئن ہو تو بھیج دوں گا۔'' زین اس کی حالت سے بے خبر جیب سے موبائل نکال کر تصویر ڈھونڈنے لگا۔

''دکھانے کی کیا ضرورت ہے، جو بھی ہے بس بھیج دیں۔'' درد کی وجہ سے آواز بھی لرز رہی تھی لیکن زین کو یہ محسوس نہ ہوا۔

''ارے ایک بار دیکھ لو، سمجھ آ جائے گی تو میں ابھی ای میل کر دوں گا۔'' زین نے اپنا موبائل اس کی طرف بڑھا دیا۔

وہ ہتھیلی میں دھرے موبائل پر فوکس ہی نہیں کر پا رہی تھی۔ اس نے بمشکل آنکھوں کو وا کر کے دھندلے پڑتے منظر کو صاف کرنا چاہا۔ موبائل جوں ہی لیا وہ اس کے ہاتھ سے چھوٹ

گیا۔ سارہ ڈر سے چونکی تھی۔ اتنا مہنگا موبائل اس نے ہاتھ لگانا تو دور کبھی اتنے قریب سے دیکھا بھی نہیں ہوگا۔ اور یہاں تو سونے پر سہاگہ وہ اسے گرا چکی تھی۔

"مجھے معاف کر دیں، میں نے جان بوجھ کر نہیں کیا۔" اس نے نحیف سی آواز میں زین سے کہتے ہوئے نیچے جھک کر موبائل اٹھانا چاہا تو وہ اسے روک کر خود نیچے جھکا اور موبائل اٹھا کر دیکھنے لگا۔

"تم گھبراؤ نہیں، یہ تو آئے دن گرتا رہتا ہے۔" زین نے موبائل واپس چلا کر دیکھا تو وہ صحیح تھا، پر سارہ کے سر درد کی شدت نا قابل برداشت تھی۔ اس نے اپنے ہاتھ سے ماتھے پر زور دینا شروع کر دیا۔

"تم ٹھیک ہو؟" اسکرین پر سے نظر ہٹا کر زین نے جب اسے دیکھا تو پوچھے بنا نہ رہ سکا۔

سارہ نے کوئی جواب نہ دیا۔ اسے معلوم تھا اس شدت میں وہ گھر پہنچنا تو دور کھڑی بھی نہیں رہ سکے گی لہٰذا جو بھی قریب بینچ ملی، جا کر بیٹھ گئی اور اب اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں سے ماتھا دبانے لگی۔ سرد موسم میں بھی اس کے ماتھے پر پسینے کے قطرے نمودار ہو رہے تھے۔ اسے محسوس ہو رہا تھا جیسے کسی نے سر پر زوردار ضرب لگائی ہو۔ دوا کا اثر شروع نہیں ہوا تھا۔ چونکہ درد کی شکایت اکثر رہا کرتی تھی بلکہ عمر کے ساتھ ساتھ بڑھ رہی تھی لہٰذا زینت بذات خود اسے ڈاکٹر کے پاس علاج کے لیے لے گئی تھیں۔ پر مہنگائی کے دور میں ایک نچلے درجے کے گھرانے کے لیے دواؤں پر خرچہ کرنا بھی آسان نہ تھا۔ وہ فقط ایک درد کی ہی ٹیبلٹ لے سکی تھیں حالانکہ ڈاکٹر نے طویل علاج تجویز کیا تھا۔

فاروق کی طرف سے تو بے اعتنائی تھی۔ سارہ نے بھی زینت کو مزید علاج سے روک دیا تھا اور اسی دوا پر اکتفا کیا تھا۔ پھر یہ بھی کہ اللہ کا کرنا تھا کہ اسے شفا بھی مل جاتی تھی۔ وہ اس وقت

بھی صبر سے اٹھتی ٹیس کو برداشت کر رہی تھی جس سے اس کا وجود کپکپا رہا تھا۔ پر ساتھ کھڑا زین اس کی حالت دیکھ کر گھبرا گیا تھا۔ اس دوران باسکٹ بال کورٹ سے بسوں کے ہارن کی آوازیں آنے لگیں۔

''تم وین میں تو نہیں جاتیں؟ وینز نکلنے لگی ہیں۔'' زین نے پوچھا۔

''ن...... نہیں، پبلک بس۔'' بمشکل اس کی زبان سے لفظ ادا ہوئے تھے۔ اس وقت اس قطعہ میں کوئی موجود نہ تھا۔ طلبا باسکٹ بال کورٹ کی طرف تھے۔ یہاں اکا دکا طلبا یا اساتذہ آتے جاتے نظر آ رہے تھے۔ زین کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کس سے مدد مانگے۔ وہ خود ایسی کیفیت میں پہلی بار پڑا تھا۔ سارہ کی حالت اسے الجھا رہی تھی۔

''یار! تم اپنے گھر میں کسی کا نمبر دو، میں فون کر کے بلا لیتا ہوں، ایسے کیسے جاؤ گی تم۔'' زین نے اس کی حالت سے اندازہ لگا کر کہا۔

''ک...... کوئی فائی...... فائدہ نہیں، کوئی...... ن...... نہیں آئے گا۔'' وہ بے خودی کی حالت میں کہاں سے کہاں چلی گئی اسے بھی اندازہ نہ ہوا۔

زین وہیں کتنی دیر تک کھڑا اسے دیکھتا رہا۔ وہ خود ہی اپنے سر کو سہلاتی اور کچھ نہ کچھ اپنے آپ میں کہے جاتی۔ جیسے اطراف سے بیگانہ ہو۔ پر الفاظ ٹوٹے اور آواز مدھم تھی اس لیے زین بھی سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ جیسے ہی دوا نے اپنا اثر دکھانا شروع کیا درد کی شدت میں کمی آنے لگی۔ آہستہ آہستہ درد کا پارا نیچے گر رہا تھا اور وہ خود بخود زین کو صحیح ہوتی دکھائی دینے لگی۔ زین کے لیئے یہ سب نیا تھا۔ اس نے پہلے کبھی کسی کو ایسی کیفیت سے گزرتے نہیں دیکھا تھا۔ جب درد کی ٹیس برداشت کے قابل ہوئی تو سارہ نے بیگ سے پانی کی بوتل نکالی اور دو تین گھونٹ اندر اتارے۔ یوں لگا تھا جیسے پیاسے کو سیراب نصیب ہوا۔ وہ بمشکل اپنی جگہ سے کھڑی

ہوئی۔ منظر اب کچھ کچھ صاف دکھائی دے رہا تھا۔

''کیوں کھڑی ہو رہی ہو، بیٹھ جاؤ میں کسی کو بلا کر لاتا ہوں۔'' زین نے اسے روکنا چاہا لیکن سارہ نے اسے تسلی دی۔

''نہیں ضرورت نہیں ہے۔ میں بہتر ہوں اب۔ آپ مجھے معاف کر دیں۔ درد کی وجہ سے مجھے نظر نہیں آیا اور آپ کا موبائل گرا دیا۔'' سارہ کو شرمندگی ہو رہی تھی۔ اس کے زرد پڑتے چہرے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اب بھی درد کا شکار تھی۔

''نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔ میں خود بھی دن میں دسیوں مرتبہ گرا دیتا ہوں ایک بار تم بھی سہی۔'' زین کا کہنا تھا اور وہ نحیف سی مسکرا اٹھی۔

''آپ ایک کام کریں، مجھے تصویر ای میل کر دیں، آپ کا بہت شکریہ، میرا پورا کام ہو گیا۔'' کپکپاہٹ میں کمی آ گئی تھی۔ سارہ نے اپنا رخ گیٹ کی طرف کر لیا اور آہستہ آہستہ قدم بڑھانے لگی۔

''چلو ٹھیک ہے میں ابھی تمہیں کر دیتا ہوں پر تم ٹھیک ہو نا اب؟'' زین نے تفکر آمیز انداز میں پوچھا۔

''جی بے فکر رہیں۔ میں پہلے سے بہتر ہوں۔'' اس نے پوری ہمت جمع کر کے مقابل کھڑے گھبرائے شخص کو تسلی بخش جواب دیا تھا۔ اور وہ مطمئن بھی ہوا تھا۔

''چلو شکر اچھا میں نے ای میل کر دیا ہے۔'' اس نے سارہ سے کہا جو چھوٹے چھوٹے قدم بیرونی گیٹ کی طرف بڑھا رہی تھی۔

''شکریہ۔'' اس نے دل سے اس کا شکریہ ادا کیا تھا۔ وہ تو گھر جانے کے لیے رخ مین گیٹ کی طرف کیے ہوئی تھی پر زین کو معلوم نہیں تھا کہ وہ بھی اس کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر

چل رہا تھا۔

''تم میجرز کس میں کرو گی؟'' اس نے موبائل جیب میں رکھ کر سارہ سے پوچھا۔

''اکاؤنٹس اور آپ؟'' سارہ نے پوچھا۔

''میں تو مارکٹنگ کا بندہ ہوں۔'' اس نے اسٹائل سے کندھے اچکا کر کہا پھر پوچھا۔ ''تمہیں اکاؤنٹس پسند ہے؟''

''ہاں، بہت زیادہ۔'' سارہ نے کہا۔

''اچھا! ویسے۔ یار! تم کچھ عجیب نہیں ہو؟'' زین کے پوچھنے پر وہ پل بھر کو رکی۔ زین کے قدم بھی اس کے ساتھ ہی رک گئے۔

''کیوں؟ کیا ہوا؟'' سارہ متحیر ہوئی۔

''اتنا درد تھا تمہیں۔ لگا تھا ایمبولینس بلوانی پڑے گی پھر دیکھتے ہی دیکھتے تم کافی بہتر ہو گئیں۔ کیا ماجرا ہے؟'' اس کا اندازِ گفتگو سن کر سارہ کو ہنسی آ گئی۔

''مجھے عادت ہے اس کی۔ کبھی درد ہلکا ہلکا ہو کر ختم ہو جاتا ہے اور کبھی ناقابل برداشت ہوتا ہے، اسی لیے دوا ہمیشہ اپنے پاس رکھتی ہوں۔'' سارہ نے اسے ٹیبلٹ کا بتایا تو اسے سمجھ آیا کہ وہ میڈیسن پہلے ہی لے چکی تھی تب ہی اب بہتر محسوس کر رہی تھی۔

''تم درد کی حالت میں بہت کچھ کہہ رہی تھیں، لیکن معلوم نہیں کیا۔'' زین کے کہنے پر سارہ اسے حیرت سے دیکھنے لگی۔

''تمہیں نہیں معلوم تم کیا کہے جا رہی تھیں؟'' زین نے پوچھا۔

''نہیں...... مجھے یاد نہیں۔'' سارہ نے دماغ پر زور ڈالنا چاہا پر کچھ یاد نہیں آیا۔

''چلو اتنا مت سوچو پھر درد شروع ہو جائے گا۔'' زین نے مذاق میں کہا تو سارہ نے

پہلے اسے غصے سے دیکھا پھر مدھم سا مسکرا گئی۔ اس کے قدم پھر گیٹ کی طرف بڑھ گئے تھے اور زین بھی اس کے ساتھ چل پڑا تھا۔ ایسے جیسے سارہ اس کے پیروں کو کنٹرول کر رہی ہو۔ وہ رکے تو زین رک جائے وہ چلے تو زین چل پڑے۔

''آپ سمرز لیتے ہیں؟'' سارہ نے پوچھا۔

''ہاں دونوں بار لیا ہے اب آخری ہوگا۔'' زین نے کہا۔

''اس طرح تو آپ بھی جلدی پاس آؤٹ ہو جائیں گے۔'' سارہ نے کہا۔

''ہاں ظاہر ہے۔ تمہیں ابھی اندازہ نہیں ہوگا پر جیسے جیسے آگے بڑھو گی تمہارا دل چاہے گا جلدی ختم ہو۔ چار سال بہت ہیں یار۔'' اس نے تبصرہ کیا۔

''آپ کو اندازہ نہیں ہے کہ مجھے کتنی جلدی ہے۔'' کل رات کے واقعے کی جھلک پھر اس کے دماغ میں آئی تو وہ کہہ اٹھی۔

''اچھا وہ کیوں؟'' زین کے سوال پر اس نے چونک کر زین کو دیکھا۔

''ک...... کچھ نہیں۔'' وہ ظاہر میں پھر لوٹی اور بات منقطع کر دی۔ بیرونی گیٹ سامنے تھا۔ اس نے قدم روک دیئے اور زین کی طرف رخ کر لیا۔

''شکریہ آپ کا زین۔ مجھے جب موقع ملے گا میں سارے احسان اتار دوں گی۔'' وہ دل سے اس کی شکر گزار تھی۔

''میں نے کوئی احسان نہیں کیا ہے پر تم بضد ہو تو ٹھیک ہے اتار دینا۔ ویسے ایک بات بول سکتا ہوں، ایک احسان ابھی ابھی اتار سکتی ہو تم۔'' اس نے کہا۔

''اچھا۔ وہ کیا؟'' سارہ نے پوچھا۔

''یار! تم مجھے یہ آپ مت بولا کرو، میں ایک سال ہی سینئر ہوں، اتنی عزت راس نہیں آتی

مجھے۔'' زین نے کہا اور سارہ ہنس پڑی۔

''چلو ٹھیک ہے، شکریہ تمہارا زین، میں چلتی ہوں اللہ حافظ۔'' سارہ کہہ کر گیٹ سے چلی گئی۔ بدلے میں اس نے بھی مسکرا کر سر کو جنبش دی۔ جب وہ نظر سے اوجھل ہوئی تو زین نے گیٹ کی طرف تعجب سے دیکھا۔ جو قدم اسے کنٹرول کر رہے تھے وہ اب کہاں تھے؟ اس نے عقب میں دیکھا پھر واپس مین گیٹ کو دیکھا۔ پھر ذہن پر زور دینا شروع کیا۔ وہ کیسے سارہ کے ساتھ چل پڑا تھا؟ مقصد تو صرف تصویر اسے دکھا کر ای میل کرنا تھا پھر وہ یہاں کیسے؟ ہاں اس کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی لیکن پھر وہ کافی بہتر بھی تو محسوس کر رہی تھی ایسے میں ساتھ چلنے کا تو ارادہ بھی نہیں تھا پھر؟ اس نے منتشر دماغ سے چاروں طرف دیکھا۔ اچانک یاد آیا کہ ارسلان اور شازیہ پارکنگ لاٹ میں اس کا انتظار کر رہے ہیں جو یہاں موجود نہیں ہے۔ اسے پورا راستہ طے کر کے واپس باسکٹ بال کورٹ تک جانا ہے پھر وہاں کے پچھلے گیٹ سے پارکنگ لاٹ تک۔ وہ اپنی حرکت پر سر کھجاتا رہ گیا۔ آخر کو وہ یہاں آیا کیسے؟

☆......☆......☆

جنوری کا مہینہ اپنے ساتھ یخ ٹھنڈی ہوا ساتھ لایا تھا۔ پچھلے سال کے مقابلے اس سال سردی میں اضافہ معلوم ہوا تھا۔ اور یہ یخ بستہ موسم سارہ کے لیے کسی اذیت سے کم نہ تھا۔ وہ صبح صبح گھر سے جب نکلتی تو ٹھٹھر کر رہ جاتی۔ سردی سے بچاؤ کے لیے زینت اس کے لیے سیاہ رنگ کی شال خرید لائی تھیں۔ جس کا عرض بڑا تھا۔ وہ با آسانی سر سے ہاتھوں تک خود کو اس میں لپیٹ لیا کرتی اور سرد ہوا کا مقابلہ کرتی ہوئی روز پہلے بس پھر رکشے کا سفر طے کر کے یونیورسٹی جا رہی تھی۔ ارادہ پختہ ہو تو منزل آسان لگتی ہے۔ ایسی تکالیف معنی نہیں رکھتیں۔

ان تین چار ماہ میں ایک دو بار ہی رضیہ نے زینت سے حال احوال دریافت کیا تھا۔ لگے

ہاتھوں اپنی روایتی رسمیں بھی انہیں بتائی تھیں تا کہ وہ تیاری جب کریں تو مکمل کریں۔ سارہ سے بھی رسماً مختصر بات کر کے رابطہ منقطع کر دیتیں۔ شاہ زیب نے اب تک اس سے رابطہ نہیں کیا تھا اور وہ چاہتی بھی نہیں تھی کہ شاہ زیب فون کرے۔ جتنا دور ہو اتنا اچھا!

چوتھا سیمسٹر شروع ہو گیا تھا اور زنیرہ سارہ کے ساتھ بس اب ایک کورس میں تھی۔ بہت کوشش کے بعد بھی وہ دونوں مزید کسی کورس میں ساتھ نہ ہو سکی تھیں۔ جب بھی دونوں فارغ ہوتیں ایک ساتھ مل بیٹھ کر باتیں کیا کرتی تھیں۔ ان کی دوستی واقعی بے مثال تھی۔ جہاں سب سارہ کے حوالے سے تبصرے کیا کرتے۔ زنیرہ ان سب کو نظر انداز کر کے بھی اس کے ساتھ ہوتی تھی۔

پھر صرف یہ ہی نہیں یونیورسٹی میں زنیرہ کے علاوہ ایک اور اچھا دوست اسے مل گیا تھا۔ زین اور سارہ کی دوستی کا سفر شروع ہو گیا تھا۔ وہ تو خیر تھا ہی ہر شخص سے ہٹ کر منفرد مزاج کا مالک جس سے دوستی جیسا رشتہ قائم کرنا کوئی مشکل کام نہ تھا۔ اس نے بھی کبھی سارہ پر کوئی تمسخر یا تبصرہ نہ کیا تھا۔ اس کا مخلصانہ انداز ہی سارہ کو اس شخص پر بھروسہ کروا گیا تھا کہ وہ بھی باقیوں سے الگ تھا۔ اپنی اچھی شخصیت کی وجہ سے وہ لوگوں میں مقبول تھا اور سارہ نے اکثر ہی اسے کسی نہ کسی کی مدد کرتے دیکھا تھا۔ یہ عادت سارہ کو بے حد متاثر کر گئی تھی۔ بلکہ خود اپنے مزاج پر بھی نظر ثانی کرنے پر مجبور کر گئی تھی لیکن طبیعت سے مجبور اکڑ اور غصہ اس کی عادت میں شامل تھا۔ وہ ہر غیر پر فوراً بھروسہ نہیں کر پاتی تھی۔

سارہ اور زین کی یونیورسٹی میں چلتے پھرتے مڈ بھیڑ ہو جاتی تو سلام دعا کر لیا کرتے۔ دونوں کے کچھ کورسز بھی ایک ہی تھے پر استاد مختلف۔ لہٰذا پڑھائی کے حوالے سے اگر ایک دوسرے کو کوئی پرابلم پیش ہوتی تو دوسرا مدد کو حاضر ہوتا۔ سارہ تو ویسے ہی اکاؤنٹس اور فنانس

کی ماہر تھی اور زین کو اکثر ان ہی مضمون میں اس سے مدد درکار ہوتی۔ وہ بھی پیچھے نہ ہٹتی بلکہ اس کی پرابلم کو حل کر دیا کرتی تھی۔ پھر یہ نہیں اتفاق سے اس بار سارہ کا ایک کورس شازیہ کے ساتھ تھا۔ جو آئی ٹی بلڈنگ میں چوتھے مالے پر ہوا کرتا تھا۔ اس ہی وقت زین بھی وہیں دوسری کلاس میں موجود ہوتا تھا۔ تب ہی سارہ کی ملاقات زنیرہ سے زیادہ زین سے ہونے لگی تھی۔ اسے زندگی میں پہلی بار دو سچے اور اچھے دوست ملے تھے جن کی وہ دل سے قدر کرنے لگی تھی۔

''سارہ! تمہارے ہاتھ کے کھانے کا جواب نہیں، محض ہے تو یہ صرف ایک سادی سی سبزی پر اتنی مزیدار۔ تم شیف بن جاؤ سارہ۔'' وہ منہ میں نوالہ رکھتی ہوئی کہنے لگی۔ تو سارہ نے اترا کر فرضی کالر اچکایا۔ وہ دونوں اس وقت باسکٹ بال کورٹ میں بیٹھی لنچ کر رہی تھیں اور سردی کی دھوپ کے مزے لے رہیں تھیں۔

''بلال کو بھی لذیز کھانوں کا بہت شوق ہے، لیکن میں نے تو صاف کہہ دیا کہ مجھے کچھ نہیں آتا۔'' زنیرہ نے آگے کہا۔

''کیا مطلب؟ تم اسے بھوکا مارو گی؟'' اس نے روٹی کا ٹکڑا توڑ کر نوالہ بنا کر کہا۔

''میں نے تو کہہ دیا مجھے ملازمہ رکھ دینا۔ کھانے وانے بنانا میرا ڈیپارٹمنٹ ہی نہیں۔'' وہ زنیرہ کی بات پر اسے حیران کن نظروں سے دیکھنے لگی۔

''اور وہ مان گیا؟'' سارہ نے پوچھا۔

''محبت کرتا ہے تو مانے گا! ورنہ یہ کیسی الفت۔'' اس نے بے نیازی سے کہا تو سارہ دنگ رہ گئی۔ اتنا بھی کوئی حقیقت سے دور ہو سکتا ہے۔

''تم کچھ زیادہ ہی اسے استعمال نہیں کر رہیں۔'' سارہ نے بلال کا دفاع کیا۔ جس سے

رسماً اس کی سلام دعا تھی۔

''پیار اور جنگ میں ہر چیز جائز ہے۔ میں نے ایک تقاضا کیا ہے تم نہیں سمجھو گی۔ تمہیں محبت کے بارے میں کچھ پتہ بھی ہے۔'' اس نے ایک چپت سارہ کے ماتھے پر لگا کر کہا۔

''مجھے سمجھنی بھی نہیں ہے اور بھی کافی اہم کام ہیں میری زندگی میں۔'' سارہ نے سر جھٹکا۔

''ہائے اللہ! اس سے بھی زیادہ اہم؟ سارہ! تمہیں معلوم ہے؟'' اس نے کھانے کو ایک طرف کیا پھر ہاتھ جھاڑ کر وہ ہی فلمی گیان دینا شروع ہوئی۔

''رومیو اور جولیٹ کیوں مرے؟ کیوں کہ زندہ ہوتے تو کبھی ساتھ نہ ہوتے۔ شاہ جہاں کی بیوی چل بسی اور اس نے اس کی یاد میں تاج محل بنوا دیا، کیوں؟ ہیر رانجھا کو بھی ایک دوسرے سے الگ کر دیا گیا اور آخر میں وہ بھی مر گئے، تمہیں معلوم ہے ان سب کے پیچھے ایک ہی وجہ تھی...... محبت...... اور تم کہتی ہو کہ یہ اہم نہیں۔'' سارہ یہ سب سن کر کھاتے کھاتے رک گئی اور اسے بغور دیکھنے لگی۔ منہ میں نوالہ پھنسا ہوا تھا۔ نگلے یا اُگلے؟ بڑی مشکل صورتِ حال تھی۔ جیسے تیسے اس کی باتیں سن کر اس نے بمشکل لقمہ نگلا۔ پھر پانی کی بوتل کھول کر دو تین گھونٹ چڑھائے۔ ورنہ دم گھٹ جاتا۔

''اتنا دماغ تم نے پڑھائی میں لگایا ہوتا تو آج مجھے بھی پیچھے چھوڑ دیتیں، اب کھالو اور مجھے بھی کھانے دو سکون سے۔ سارا کھانا زہر کر رہی ہو۔'' سارہ کے تپے تپے لہجے سے زنیرہ ہنسنا شروع ہو گئی۔

باسکٹ بال کورٹ میں دوستانہ میچ کا آغاز ہونے لگا تھا۔ سب لڑکے سیزنس سے نکلے اور کورٹ میں آ گئے۔ تقریباً بیس لڑکے ہوں گے جس میں زین اور ارسلان بھی تھے اور اس بار دونوں ایک ہی ٹیم میں تھے۔ یہ میچ دیکھنے کے لیے اور بھی شائقین اس طرف موجود تھے۔ کچھ

پاتھ پر بیٹھ گئے تو کچھ بینچز کے پاس کھڑے ہو گئے۔

''چلیں یہاں سے اب؟'' سارہ نے زنیرہ سے پوچھا۔

''ارے رک جاؤ دیکھنے دو کیسا کھیلتے ہیں سب! اور ویسے بھی اس بار ہم کونے میں بیٹھے ہیں بال نہیں آئے گی۔ دیکھو باقی سب بھی تو بیٹھے ہیں۔'' زنیرہ نے اطراف میں اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ وہ بھی بادل نخواستہ بیٹھی رہی۔

میچ شروع ہو گیا تھا اور دونوں مخالف ٹیمز بھرپور طریقے سے کھیل رہی تھیں۔ آس پاس ہوٹنگ اور شور بھی سنائی دے رہا تھا۔ ہاف ٹائم ہوا تو زین ارسلان اور ان ہی کی ٹیم کے اور ممبران بھاگتے ہوئے بینچز کے پاس آئے اور پانی کی بوتل سے پانی پینے لگے۔ زین کے ہاتھ میں بال تھی جسے وہ مسلسل اپنی ہتھیلی سے زمین پر مار رہا تھا۔ ساتھ ہی ممبران سے گفتگو میں مصروف تھا۔ اسی دوران باسکٹ بال کورٹ میں بلال بھی آ گیا اور زنیرہ کی طرف جا کر بیٹھ گیا۔ ان دونوں کے درمیان ایک دو باتیں ہوئیں پھر بلال کی نظر زین اور اس کی ٹیم پر پڑیں تو زور سے آواز لگا دی جیسے انہیں ترغیب دے رہا ہو۔ اپنا نام سنتے ہی انہوں نے اس جانب دیکھا جہاں بلال بیٹھا تھا۔ زین اور ارسلان دونوں نے اسے مسکرا کر دیکھا۔ برابر بیٹھی زنیرہ اور سارہ پر نظر پڑی تو سر کے اشارے سے زین نے سلام کر دیا۔ زنیرہ اس بات سے ناواقف تھی کہ اس نے سلام سارہ کو بھی کیا تھا۔ بلال کے توسط سے زنیرہ اور زین میں بھی سلام دعا تھی۔ سارہ کھانے میں مصروف تھی جب ہاف ٹائم ختم ہونے کی گھنٹی بجی۔ تمام ممبران کورٹ کی طرف بھاگے۔ سارہ کی نظریں ان سب پر پڑی تھیں۔ زین زمین پر بال مارتا ہوا اس کے پاس سے گزرتے ہوئے کہہ گیا۔

''اگر اس بار بال کی وجہ سے لنچ گر جائے تو میری غلطی نہیں ہے۔ کیفے بھی ہے اپنے

پاس۔" وہ شوخ لہجے میں کہتا ہوا کورٹ کی طرف بھاگا اور یہ سنتے کے ساتھ ہی سارہ نے اس کی طرف مسکرا کر دیکھا۔تمام پچھلا واقعہ جیسے نظروں سے گزرا تھا۔

"ہیں...... یہ سب کب ہوا؟" زنیرہ نے زین کی بات سن کر سارہ کو دیکھا جس کے چہرے پر تبسم پھیلی تھی تو شدید حیرانی کا جھٹکا لگا۔

"تمہیں تو اس سے کس قدر نفرت تھی؟" وہ کہے بنا نہ رہ سکی۔

"ہاں وہ معاملہ سلجھ گیا تھا اور اب ایسے ہی بات چیت ہو جاتی ہے۔" سارہ نے کہا۔

"اچھا! چلو شکر ہے۔ ورنہ مجھے لگا تھا کہ میچ تو رک جائے گا اور تم دونوں کے درمیان تیسری جنگ شروع ہو جائے گی۔"

☆......☆......☆

گرم چائے کی چسکی لیتے ہوئے انہوں نے بیڈ کراؤن سے سر ٹکا دیا۔ سارہ کچن صاف کر کے عشاء کی نماز ادا کرنے کمرے میں چلی گئی تھی جس کے بعد وہ سو جایا کرتی تھی اور زینت فاروق کا انتظار کرتیں جب تک کہ وہ چائے مکمل نہ کر لیتے۔ اس وقت بھی وہ بستر کے سرہانے بیٹھی ان کے پیر دبا رہی تھیں اور بات کرنے کی تمہید باندھ رہی تھیں۔ فاروق نے زینت کو ہاتھ کے اشارے سے روکا اور پیر سمیٹ لیے۔ درد میں کافی بہتری تھی۔ زینت اپنا چائے کا کپ لیے واپس وہیں بیٹھ گئی تھیں۔

"وہ سنیں...... آج رضیہ بھابی کا فون آیا تھا۔" جب انہیں تسلی ہوئی کہ فاروق بہتر محسوس کر رہے ہیں تو بات شروع کی۔ حالانکہ وہ ردعمل جانتی تھیں پر سسرال کا معاملہ تھا۔ نہ بتاتیں تو بھی پھنس جاتیں۔

"اچھا! کیا کہہ رہی تھیں بھابی؟" وہ ہنوز سر کراؤن سے ٹیک لگائے آنکھیں بند کیے

ہوئے بولے۔

’’ایسے ہی حسب معمول سب کی خیریت معلوم کر رہی تھیں۔‘‘ زینت نے کہا۔

’’اچھا! کچھ شادی کا نہیں کہا؟‘‘ فاروق نے پوچھا۔ ان کی آواز بھاری تھی۔ عام بول چال بھی غصے کی مانند لگتا۔

’’اگلے سال تک کا ارادہ ہے ان کا۔ بتا رہی تھیں کہ شاہ زیب کی تھوڑی پڑھائی رہ گئی ہے اور کام بھی کافی سیٹ کر لیا ہے اس نے لاہور میں۔ بس گھر کا کچھ کام نبٹا کر کراچی کا چکر لگائیں گی۔‘‘ زینت نے کہا۔

’’ہمم۔‘‘ فاروق نے ہنکار بھرا اور چائے کا آخری گھونٹ پی کر کپ سائڈ ٹیبل پر رکھ دیا۔

’’وہ...... کہہ رہی تھیں کہ سارہ نے رہنا تو لاہور میں ہی ہے لہٰذا فرنیچر کے پیسے انہیں دے دیں تاکہ شاہ زیب اپنی پسند سے خرید لے...... اور......‘‘ زینت کہہ کر رکی تھیں۔

’’وہ...... کہہ رہی تھیں کہ سونے کا ایک سیٹ بڑی نند کو بھی چڑھانا ہے اس لیے خیال رکھیے گا۔‘‘ زینت کی آواز خود بخود مدھم ہوئی اور یہ سنتے کے ساتھ ہی فاروق کی آنکھیں جھٹکے سے وا ہوئیں۔ ان کے چہرے پر اتار چڑھاؤ زینت کو گھبراہٹ میں مبتلا کر رہا تھا۔ فاروق نے زچ ہو کر ماتھا ہی پیٹ لیا۔

’’کہاں پھنس گیا میں۔‘‘ زینت کی نگاہیں سجدہ ریز ہوگئیں۔ وہ خود بھی مجبور تھیں۔

’’بھابی کو یہ نہیں معلوم کہ مشکل سے تو دو وقت کی روٹی چلتی ہے۔ فرنیچر کے ساتھ ساتھ سونا کہاں سے کروں گا میں۔‘‘ فاروق دبی دبی آواز میں گھر کے۔

’’میری زبان نہیں اٹھی۔ بچی کا معاملہ ہے، ورنہ میں بھابی کو یہ ہی کہنے والی تھی۔‘‘ زینت نے باور کیا۔

''پتہ نہیں خدا کون سے گناہوں کا بدلہ لے رہا ہے، خرچوں پر خرچ۔ اس بوجھ تلے میں تو کسی دن مر جاؤں گا تم دونوں پھر دیکھتے رہنا ایک دوسرے کو۔'' وہ پیچ وتاب کھا رہے تھے۔

''اللہ نہ کرے۔ ایسی بات نہ کریں۔ شادی بیاہ میں یہ سب چلتا ہے، ہو جائے گا کچھ نہ کچھ۔'' زینت نے تسلی دی۔

''اس منحوس کو تو معلوم ہی نہیں ہوگا کہ کیا کیا سہہ رہا ہوں میں اس کی خاطر؟'' فاروق نے زہر خند لہجے میں پوچھا۔

''ایسے نہ کہیں، اس میں اس بچی کی کیا غلطی؟ وہ تو کچھ بھی نہیں کہتی۔ پڑھائی بھی اپنے بل بوتے پر کر رہی ہے۔'' بس زینت کا یہ کہنا تھا کہ فاروق کا پارہ چڑھنے لگا۔ پر آج تھکاوٹ کے باعث ان میں چیخنے کی سکت نہیں تھی۔ وہ سرخ آنکھوں سے زینت کو گھور رہے تھے جو پھر ڈر کی وجہ سے نگاہیں نیچے کر گئیں۔

''تو کون سا مجھ پر احسان کر رہی ہے؟ اس کی پڑھائی سے مجھے کیا فائدہ ہوگا؟ اور یاد رکھو، اسے بھیجا بھی میں نے ہی ہے۔ میرے حکم سے جا رہی ہے۔ احسان میں نے کیا ہے اس پر۔'' فاروق نے جتا کر کہا اور زینت بھی سہم گئیں۔

''میری مت ماری گئی تھی جو میں نے اسے اتنی اچھی یونیورسٹی بھیجا! بھابی کو بھی شک ہوا ہوگا کہ سب خرچہ یونیورسٹی تھوڑی اٹھائے گی تب ہی بنا کچھ سوچے سمجھے سونے کی بات کر دی۔'' انہوں نے قیاس لگایا۔

''مجھے نہیں لگتا کہ ایسا ہے۔'' زینت نے دھیمی آواز میں کہا۔ ظاہر ہے جانتی تھیں جب سے سارہ اس گھر میں آئی تھی ہر نقصان کی وجہ اسے سمجھا جاتا اور کوسا جاتا جیسے وہ اس گھر کے لیے محض عذاب ہو۔

”تو پھر تم ہی بتادو بی بی کہ کیا وجہ ہے؟ تم دونوں نے مجھے سکھ ہی کب دیا۔ نہ تم مجھے بیٹا دے سکیں اور میری اپنی بہن...... مجھ پر یہ بوجھ مسلط کر کے چلی گئی۔“ کوئی ایسا دن نہ تھا جب یہ طعنہ بھانجی مامی نہ سنتے۔ ان کی ہر بات میں پہلے سارہ کو قصور وار کیا جاتا اور پھر زینت کو بانجھ ہونے کا طعنہ دے دیا جاتا تھا۔ وہ لب پیوست کیے وہیں بیٹھی رہیں اور فاروق گھر سے چلے گئے۔

☆......☆......☆

”یار! آج تو بے حد تھک گئی میں۔ کلاس میں اتنی نیند آ رہی تھی۔“ عائشہ نے انگڑائی لیتے ہوئے کہا۔

”واقعی! انتہا درجے کا بورنگ لیکچر تھا۔ لیکن کوئی بات نہیں صبر کے گھونٹ اب ختم ہو رہے ہیں لڑکیو! اب تو تھوڑا وقت رہ گیا ہے، پھر آزادی۔“ انوشہ نے ہاتھ وا کر کے کہا اور عائشہ سمیت شازیہ نے پرجوشی میں ہوٹنگ کی۔ پورے باتھ روم میں ان کی آواز گونجی تھی۔ وہ تینوں کلاس لے کر واش روم فریش ہونے کے غرض سے آئی تھیں۔

”یار شازیہ! مجھے بھی یہ والی لپ گلاس دو نا، اس کا رنگ بہت خوبصورت ہے۔“ شیشے کے عکس میں اپنے شولڈر کٹ بال سنوارتی انوشہ نے شازیہ سے کہا۔

”ایک منٹ۔“ شازیہ نے اپنے شنگرفی ہونٹوں پر لپ گلوز لگا کر دونوں ہونٹوں کو آپس میں دبایا اور اپنی خوبصورتی پر ناز کرتی ہوئی انوشہ کو لپ گلوز دے دی۔

”ویسے شازیہ، تمہارا اور زین کا کیا ارادہ ہے؟“ عائشہ جو اپنے بال برش کر رہی تھی شیشے کے عکس سے شازیہ کو دیکھ کر پوچھا۔

”کیا مطلب؟“ آنکھوں کو کاجل لگا کر مزید نمایاں بناتی شازیہ نے پوچھا۔

''زین کا تو بس اب ایک سمسٹر رہ گیا ہے، تم دونوں نے آگے کے بارے میں کچھ سوچا نہیں؟'' عائشہ نے پوچھا۔

''ہم۔ ابھی تو فی الحال اس حوالے سے ہماری کوئی بات نہیں ہوئی۔'' شازیہ نے کہا۔ وہ کیچر میں آدھے بال باندھ کر چہرے پر آتی لٹوں کو سیٹ کر رہی تھی۔

''تو کرو بھئی! تمہیں معلوم ہے نا، زین اس یونیورسٹی کا انتہائی مقبول لڑکا ہے۔'' یہ کہنے والی انوشہ تھی۔ جس نے مکمل تیار ہو کر خود کو آخری بار آئینے میں دیکھا۔

''تو؟ مت بھولو اگر وہ مقبول ہے تو میں بھی کم نہیں۔'' شازیہ کے بے باک انداز پر وہ دونوں داد دیتی رہ گئیں۔

''تب ہی تو سب کو تم دونوں سے بہت کچھ توقع ہے۔ تم دونوں یونیورسٹی کے بہترین کپل سمجھے جاتے ہو اب پلیز لوگوں کی امیدیں مت توڑنا۔'' عائشہ نے لجاجت سے کہا۔

''تھینکس! ویسے تم لوگ اتنی جلد بازی مت دکھاؤ۔ تمام چیزیں اپنے وقت پر ہی اچھی لگتی ہیں۔ زین اور میری فیملی ٹرمز مضبوط ہیں۔ ہمارے والدین ایک دوسرے کو اچھی طرح جانتے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ زین عنقریب کوئی قدم اٹھائے گا۔ لیٹس ویٹ اینڈ واچ۔'' اس نے لاپروائی سے خفیف سی کاندھوں کو جنبش دی پر اس کی مشتاق آنکھیں اس بات کی غماز تھیں کہ وہ زین کے پہل کا انتظار کر رہی تھی اور پُر امید تھی کہ جلد ایسا ہی ہوگا۔ انوشہ اور عائشہ نے ہوٹنگ کر کے اس کے پُر اعتماد انداز کو سراہا۔

تینوں تیار ہو کر اپنا آخری جائزہ لینے لگی تھیں پھر انوشہ نے پرس سے موبائل نکالا اور دونوں کو سیلفی کے لیے بلایا۔ واش روم کی سفید چمکتی لائٹ میں سیلفی آتی بھی اچھی تھیں۔

''اچھی لگ رہی ہے نا؟ چلو پوسٹ کرتے ہیں فیس بک پر۔'' انوشہ نے کہا۔

''یار! ویسے شازیہ! یہ زین کو کیا ہوا ہے؟'' عائشہ نے تصویریں دیکھتے دیکھتے پوچھا۔

''کیوں کیا ہوا؟'' شازیہ نے کہا۔

''کم آن، اب تم یہ مت کہنا کہ تم نوٹ نہیں کررہیں۔'' عائشہ کے سوال پر اس نے الجھ کر دیکھا۔

''یار! آج کل میں اسے اس لڑکی کے ساتھ بہت دیکھ رہی ہوں، وہ...... کیا نام تھا؟'' عائشہ سوچنے لگی۔

''وہ چشمش چڑیل؟'' انوشہ نے عائشہ سے تصدیق مانگی۔

''ہاں! اسے سب یہ ہی تو بلاتے ہیں نا لیکن نام یاد نہیں آرہا۔''

''سارہ احمد۔'' انوشہ کے لہجے میں ناگواری محسوس کرتے ہوئے دونوں نے اسے دیکھا۔

''ہاں سارہ! یار! زین کو کچھ معلوم بھی ہے؟ ہمارا بھی کوئی سٹیٹس ہے، آج اس کی دوستی کل ہم پر بھاری پڑے گی۔ ظاہر ہے وہ بھی گروپ میں آجائے گی۔'' عائشہ نے اپنا شبہ بتایا پر یہ سنتے کے ساتھ ہی شازیہ کی ہنسی کا جلترنگ باتھ روم میں گونجا۔

''ہاہاہا۔ کیا ہوگیا ہے تم کو عائشہ؟ زین ایسا کیوں کرے گا۔ وہ صرف اس کی کسی کام میں مدد کردیتا ہے۔ دوستی تھوڑی ہے۔'' شازیہ نے اس کے شبے کو دور کیا۔

''میں امید کرتی ہوں ایسا ہی ہو۔ ویسے کتنی عجیب سی لڑکی ہے پتہ نہیں شیشہ بھی دیکھتی ہے یا نہیں۔ اسے لیٹسٹ ٹرینڈ کا معلوم نہیں لگتا ہے۔ اب کون بڑے بڑے چشمے پہنتا ہے۔'' عائشہ تبصرہ کیے بنا نہ رہ سکی۔

''ہمم! غریب گھرانے سے ہے شاید۔'' انوشہ نے کہا۔

''ہیں نا! پھر بھی اکڑ کتنی ہے۔ چلو شکل ہوتی تو سمجھ بھی آتا پر یہاں تو معاملہ ہی الگ ہے۔ زین کو بھی دیکھنا چاہیے کہ کس سے بات کرنی ہے اور کس سے نہیں۔'' عائشہ نے ناگواری سے کہا۔

”دیکھو وہ کیا ہے اور کیا نہیں ہمیں اس سے کوئی واسطہ نہیں۔ زین کی عادت ہے سب کی مدد کرنے کی۔ تھوڑی اسے بھی خیرات کر دی ہے۔ کم آن لڑکیو، زین کو معلوم ہے کسے گروپ میں رکھنا اور کسے نہیں۔ ہم کیوں اس لڑکی کے بارے میں بات کر کے اپنا وقت برباد کر رہے ہیں؟ اور بھی زمانے میں اہم کام ہیں۔“ اس نے رعونت سے کہہ کر دونوں کو چپ کروایا۔

وہ تینوں باتھ روم سے نکلیں اور راہ داری میں چلی گئیں۔ عائشہ کی کلاس ان کے ساتھ نہیں تھی۔ وہ جیسے ہی اپنی کلاس کی طرف گئی، انوشہ نے شازیہ کا ہاتھ اپنی طرف کھینچا اور کان میں سرگوشی کی۔

”تم زین پر نظر رکھنا۔ یہ لڑکی مجھے ٹھیک نہیں لگتی۔“ انوشہ نے اسے متنبہ کیا۔

”تم کیوں اتنا سوچ رہی ہو، زین کوئی دودھ پیتا بچہ ہے کیا؟“ شازیہ نے سمجھایا۔

”مجھے معلوم ہے زین ہوشیار ہے پر تمہیں اس سارہ کا تو نہیں پتہ! صرف عائشہ نہیں۔ کئی لوگوں نے نوٹ کیا ہے پھر یہ غریب ہے۔ کب کیسے زین کو ٹریپ کر لے۔ تم ہاتھ ملتی رہ جاؤ گی اور وہ لے اڑے گی۔“ انوشہ کی باتوں پر اس نے دھیان نہیں دیا۔ فقط سر کو جنبش دی اور وہ دونوں راہ داری عبور کرتی ہوئیں کلاس میں چلی گئیں۔

اکیڈمک بلڈنگ کا یہ باتھ روم باقیوں کے مقابلے وسیع تھا۔ دیوار کے دوسری طرف بھی واش بیسن اور شیشے آویزاں تھے۔ جہاں وہ ساکت کھڑی اپنے کانوں پر پڑتی تینوں کی آوازوں کو بازگشت ہوتا سنے جا رہی تھی۔ وضو کے پانی سے تر چہرے پر آنسوؤں کے قطرے مخلوط ہو رہے تھے۔ وہ ظہر کی نماز کے لیے وضو کرنے آئی تھی جب اسے شازیہ اور اس کی دوستوں کی آوازیں سنائی دیں۔ ہر بار کی طرح اس بار بھی احساس کمتری کا شکار وہ وہیں کھڑی رہی تا کہ ان کا سامنا نہ کرنا پڑے، پر تینوں کی باتیں برچھی کی مانند روح تک کو فنا کر گئی تھیں۔

''مما...... مما'' دس سال کی سارہ بھاگتی ہوئی اپنی امی کے گلے لگ گئی۔ سانس پھولنے لگا تھا لیکن چہرے پر کھلی کھلی مسکراہٹ سجی تھی۔ روبینہ نے اسے گلے سے لگا لیا اور ساتھ بیٹھی اپنی ایک دوست جس سے وہ کئی سالوں بعد ملی تھیں، اس سے ملوایا۔

''السلام علیکم آنٹی! مما آج پھر سے فل مارکس۔'' سارہ نے اپنا ٹیسٹ پیپر روبینہ کے چہرے کے سامنے لہرایا۔

''ارے واہ! میری گڑیا۔'' روبینہ خوشی سے پھولی نہ سمائیں اور سارہ کو کس کر گلے لگا لیا۔ وہ روبینہ اور جہانگیر کی آنکھوں کا تارہ جو تھی۔

''واہ بیٹا، اتنا اچھا نتیجہ لائی ہو۔ ویسے روبینہ تمہاری بیٹی ذہین تو ہے ہی لیکن بالکل تمہاری طرح خوبصورت بھی ہے۔ اس کے نین نقش تمہارے جیسے ہیں۔'' روبینہ کی دوست نے کہا اور سارہ اپنی مما کو دیکھ کر مسکرانے لگی۔ اسے بہت اچھا لگتا تھا جب اسے اپنی ماں سے ملایا جاتا تھا۔

''ہاں۔ اس کے بابا بھی یہی کہتے ہیں۔''

آنکھوں کے سامنے دیوار پر فلم کی طرح چلتا ماضی کا ایک خوبصورت منظر صاف واضح تھا۔ وہ ماضی کے چند پیارے لمحوں کو اپنے مائے سپاٹ پر بیٹھی یاد کر رہی تھی۔ یہ خوبصورت یادیں ہی تھیں جن کا سلسلہ گیارہ سال کی عمر میں ختم ہو گیا تھا۔ وہ آنکھوں میں ڈھیروں آنسو لیے اپنی ماما کو یاد کر رہی تھی۔ جو ماں جیسا ہو وہ کیسے بدصورت ہو سکتا تھا؟ لیکن اس کو ہر شخص نے یہ ہی خطاب دیا، ''عجیب سی لڑکی''۔

اس نے آنکھیں بھینچیں تو آنکھوں کے کٹورے چھلک پڑے۔ وہ برداشت کھو رہی تھی۔ آخر کب تک اسے یہ سب سننا تھا؟ کیوں اسے اس کے حال پر چھوڑا نہیں گیا تھا؟ کیوں سب اس ہی کے پیچھے پڑ گئے تھے۔ اس کی بس ہو گئی تھی۔ وہ کس طرح سب کے منہ بند کرے؟

لوگوں کی باتوں نے اس کی زندگی کو حد درجے متاثر کر دیا تھا۔ وہ جتنا چاہتی تھی کہ سب کی نظروں سے عدم ہو جائے، اتنا اجاگر ہو کر سامنے آتی تھی۔

ضبط کا پیمانہ لبریز تھا۔ آنسو بچکی کی مانند اس کا دامن بھگو رہے تھے۔ آنکھوں میں ماضی کا منظر زور آور تھا۔ جیسے فلم بار بار ریپیٹ پر چل رہی ہو۔

"سارہ؟"

اس کی سانس پھول رہی تھی۔ حالیہ کیفیت سے نجات ضروری تھی۔ ورنہ طبیعت مزید خراب ہونے کا خدشہ تھا۔ تحت لاشعور نے پورا وجود کو اپنے قابو میں کیا ہوا تھا۔

"سارہ؟"

دل کی دھڑکن کی رفتار تیز تھی۔ حتیٰ کہ کانوں تک آواز سنائی دے رہی تھی۔ اضطرابی حالت اسے ظاہر میں آنے سے روک رہی تھی۔

"سارہ!" تیسری آواز اس کے کانوں سے چھوئی تو آنکھوں میں بیٹھا منظر ہوا میں غائب ہوا۔ اس کا تنفس اب بھی تیز تھا، پر نظروں کے سامنے دیوار اب واضح تھی۔ دل اپنی پچھلی حالت پر آہستہ آہستہ آ رہا تھا۔ اس نے آواز کے رخ پر چہرا اس جانب کیا تو زین کو مائے سپاٹ پر پایا۔ وہ آنکھوں میں دنیا جہاں کی فکر لیے اسے دیکھ رہا تھا جس کا پورا چہرا آنسوؤں سے تر تھا۔ تحت لاشعور کا زور ٹوٹ گیا تھا۔ وہ بیدار ہو گئی تھی۔ اور مکمل طور پر اپنے ظاہر سے جوں ہی واقف ہوئی اس نے طیش میں زین کو نظروں سے گھورا پھر برابر رکھا بیگ اٹھا کر وہاں سے نکلنے لگی۔

"تم سے بات کر رہا ہوں کیا ہوا ہے تمہیں؟" زین اس ردعمل کے لیے تیار نہ تھا۔ سارہ کے راستے میں حائل ہوا۔

”تم مجھے اکیلا نہیں چھوڑ سکتے؟“ سارہ دھاڑی۔

”سارہ! تمہاری حالت اس وقت ایسی نہیں ہے۔ تم ریلیکس ہو پہلے۔“ اس نے لہجہ قدرے نارمل رکھا۔

”میری حالت جیسی بھی ہے۔ تم کیوں فکر کرتے ہو؟“ وہ پل بھر کو رکا پھر ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہنے لگا۔

”ڈرا دیتی ہو تم۔“ اس کی معصومیت سی کہی بات پر سارہ نے پہلے تعجب سے اسے دیکھا پھر ماضی سے جڑا مائے سپاٹ کا واقعہ یاد آنے پر اس کے سارے غصے پر پانی پھر گیا۔ زین اسے مدھری مسکراہٹ سے دیکھ رہا تھا۔

”میں ایسا کچھ نہیں کر رہی زین۔“ وہ زچ ہو کر پلٹی اور واپس چبوترے پر جا بیٹھی۔ زین اس کی حرکت پر مسرور ہوا اور اس کے برابر بیٹھ گیا۔ دونوں کے درمیان سارہ کا بیگ موجود تھا۔ اس نے ہاتھ میں پکڑے ٹشو سے چہرے پر آنسوؤں کو پوچھنا شروع کیا۔ وہ پہلے کے مقابلے میں اب بہتر محسوس کر رہی تھی۔ مقابل کو جذبات قابو کرنے کا ہنر جو آتا تھا۔

”مجھے سمجھ نہیں آتا۔ تم یہاں آ کیسے جاتے ہو۔ دو سال میں، میں یہاں جب جب بیٹھی ہوں کسی نے قدم نہ رکھا۔ پر یہ دوسری بار ہے جب تم آئے۔ تمہیں کیسے معلوم ہو جاتا ہے کہ میں یہاں ہوں؟“ کچھ لمحے خاموشی کی نذر ہوئے پھر سارہ نے پوچھا۔ وہ اسے مکمل وقت دے رہا تھا تاکہ سارہ نارمل ہو سکے۔

”اچھا؟ تمہاری وہ دوست زنیرہ بھی نہیں آتی؟“ وہ صبیح ماتھے پر شکن لیے استفسار کر رہا تھا۔ جواب میں سارہ نے فقط گردن نفی میں ہلائی۔

”حیرانی کی بات ہے، لیکن پہلے جب میں تمہارے پاس آیا تھا تب مجھے سسکنے کی آواز

یہاں تک لائی تھی۔ اور اس بار مجھے یہاں سے گزرتے ہوئے تمہاری قمیض کا دامن دکھائی دیا۔ سوچا حال احوال پوچھتا چلوں۔ پر جب یہاں پہنچا تو تمہاری آواز نے میرے قدم روک دیے۔ تم مما مما کا ورد کر رہی تھیں۔ مجھے لگا فون پر اپنی امی سے بات کر رہی ہو پر جب تمہیں دیکھا تو پریشان ہو گیا۔"

"میں مما پکار رہی تھی؟" زین کی بات پر اسے حیرانی کا جھٹکا لگا تھا۔

"ہاں تمہیں نہیں معلوم؟" زین نے پوچھا۔ پر وہ مخمصے کا شکار ہوئی اور گردن نفی میں ہلا دی۔ اسے یہ تو یاد تھا کہ ماضی کا واقعہ کیا تھا پر اسے یہ نہیں معلوم تھا کہ وہ اضطرابی حالت میں بڑبڑا رہی تھی۔

"اچھا؟ پر تم کچھ کہہ رہی تھیں لیکن میں جب پہنچا تو صرف مما ہی سنائی دیا۔" زین نے کہا اور وہ چند لمحے سوچ میں پڑ گئی۔ اسے واقعی نہیں معلوم تھا کہ وہ تکلیف میں زبان سے لفظ ادا کر لیتی تھی۔

"پر تم ہی کیوں؟ کتنے لوگ ہیں یونیورسٹی میں۔ اگر تمہیں دکھ سکتی ہوں تو کسی کو بھی دِکھ سکتی ہوں۔ پھر تم کیوں آجاتے ہو یہاں پر۔" جب کچھ سمجھ نہ آیا تو زین کی بات کو نظر انداز کرتی ہوئی وہ مدعے پر آئی۔

"معلوم نہیں مجھے، شاید لوگ اپنے اطراف سے اس قدر بے خبر ہیں کہ دیکھتے ہی نہیں۔ میرے لیے تو یہ شدید افسوس کی بات ہے۔" اس کی بات پر سارہ خاموش سی ہو گئی۔ اور پھر نگاہیں سامنے دیوار کی طرف کر لیں۔ سورج کی شعاعیں مائے سیاٹ پر پھیلی ہوئی تھیں۔ نرم ہوا دونوں نفوس کے چہروں پر پڑتی ہوئی طمانیت کا احساس دلا رہی تھی۔

"تمہاری سوچ میں مخل ہو سکتا ہوں؟" وہ محوِ خیال تھی جب زین نے اس کے چہرے کے

تاثر کا جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔ دل کتنے وسوسوں کا شکار تھا۔ وہ اس شخص کو اپنے خیالات بتانا نہیں چاہتی تھی پر شازیہ اور اس کی دوستوں کے درمیان ہوئی گفتگو نے اسے الجھا دیا تھا۔

''تم سمجھ پاؤ گے؟'' دل نے کیسے اسے شیئر کرنے پر منظوری دی وہ نہیں جانتی تھی۔

''آزما کر دیکھ لو۔'' اس کے مطمئن لہجے سے سارہ کو ڈھارس محسوس ہوئی جیسے یہ شخص اس کی سوچوں پر تبصرے نہیں کرے گا۔ بلکہ مدلل بات سے کام لے گا۔

''میری معلومات کے مطابق......'' اس نے سرد سانس اندر کھینچی اور کہنا شروع کیا۔

''اللہ نے تو ہر انسان کو ایک جیسا بنایا ہے۔ اس کی نظر میں تو سب برابر ہیں۔ پھر مجھے سمجھ نہیں آتا کہ انسان نے یہ پیمانہ کہاں سے اور کیوں ایجاد کیا جس میں وہ ہر شخص کی خوبصورتی کو تولتا ہے۔ ترازو کے ایک طرف وہ اپنی عقل کے مطابق سب سے حسین شخص کو بٹھاتا ہے اور دوسری طرف ہر انسان کو اس کے حساب سے تولتا ہے۔ پھر جو برابر ہو تو اسے عزت افزائی ملتی ہے لیکن جو توازن برابر نہ کر سکے اور جس کا پلڑا ہلکا ہو۔ اسے اپنے وجود کے ہونے پر طعنہ دیا جاتا ہے۔ حالانکہ اللہ کے ہاں تو ایسا کوئی پیمانہ نہیں۔ پھر ہم انسان نے اسے کیسے اور کس بنا پر ایجاد کر لیا؟'' وہ ہنوز دیوار کو تکے جا رہی تھی۔ چہرا سنجیدگی میں ڈوبا ہوا تھا۔

''کیوں کہ ہم انسان دراصل اللہ کی قدرت سے غافل ہیں سارہ۔''

سارہ نے اس کی طرف متعجب ہو کر دیکھا۔

''سارہ! سورۃ التین میں اللہ فرماتا ہے: ''یقیناً ہم نے انسان کو بہترین صورت میں پیدا کیا۔'' اب اس آیت سے کئی مطلب نکلتے ہیں، جن میں سے ایک تمہارے سوال کی طرف بھی اشارہ ہے۔''

وہ اسے پورے انہماک سے سن رہی تھی۔

”سارہ! اللہ کی سب سے بہترین مخلوق انسان ہی ہے۔ چاہے ہم کسی بھی زاویے سے دیکھ لیں۔ اب اس کے بعد اگر کوئی شخص لوگوں کو ان کی صورت کے مطابق جانچتا ہے تو وہ یقیناً گمراہ ہے۔ کیونکہ وہ ایک ایسی شے کے پیچھے لگ گیا ہے جو فانی ہے۔ کبھی نہ کبھی ختم ہو جائے گی۔ وہ بھی اس کی حیاتی میں بات کر رہا ہوں۔ اگرچہ خوبصورتی آنکھوں کو تو بھاتی ہے پر دل تک رسائی حاصل نہیں کر سکتی۔“

”تو دل تک کیا رسائی حاصل کرتی ہے؟“ سارہ نے پوچھا۔

”خوب سیرت۔“ زین نے کہا۔ ”اچھی سیرت ہی دلوں تک پہنچتی ہے اور تمہیں ایک بات بتاؤں؟ یہ کبھی ختم نہیں ہوتی، بلکہ وقت کے ساتھ ساتھ اس میں نکھار بڑھتا رہتا ہے۔ اگر انسان کو صحیح معنوں میں تولنا ہے تو اسے سیرت کے اعتبار سے تولا جا سکتا ہے پر اس کا ہرگز مطلب یہ نہیں کہ جس کا پلڑا ہلکا ہے اسے دائرۂ انسانیت سے نکال دیا جائے۔ کیوں کہ یہ فیصلہ کرنے والے ہم نہیں ہو سکتے۔ جب اللہ خود اپنے بندوں کو موقع دیتا ہے کہ وہ صحیح راہ اپنا لیں اسی طرح ہمیں بھی خاموشی اختیار کرنی چاہیے اور اس شخص کے لیے دعا کرنی چاہیے کہ وہ اس میں اپنی اصلاح کرے۔“

”آج کل ایسے کون سوچتا ہے زین۔ کوئی نہیں دیکھتا اچھی سیرت کو۔ تم نے خود ہی کہا کہ خوبصورتی آنکھوں کو بھاتی ہے۔ اور آج کل کسی کے پاس ٹائم نہیں۔ دلوں کا حال جاننے کے لیے وقت دینا پڑتا ہے۔“ وہ اپنے اطراف کے لوگوں کی سوچ کو مدنظر رکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

”بے شک۔ ہر وہ چیز جس کی قدر و قیمت زیادہ ہو اسے وقت تو دینا پڑتا ہے نا سارہ۔“ وہ اس کی بات پر بغور زین کو دیکھنے لگی۔

”ہمیں اپنے اندر ایسا ہنر پیدا کرنا چاہیے کہ ہم ظاہری پر منحصر نہ ہوں بلکہ باطن تک

پہنچیں۔ یہ بالکل ایسا ہے جیسے ایک ہنر مند سنار خالص سونے کی پہچان جانتا ہے۔ وہ اپنے کام میں اتنی مہارت حاصل کر لیتا ہے کہ با آسانی کھوٹے اور خالص میں فرق دیکھ لیتا ہے۔ ہمیں بھی ایسا ہی ہنر مند سنار بننا ہے جو انسان کو اس کے دل سے پرکھنے کا ہنر جانتا ہو۔ جو سرورق دیکھ کر جائزہ نہ لگا لے بلکہ وقت نکال کر کتاب کو کھولے اور صفحے پڑھ کر رائے قائم کرے۔"

"اور تمہیں لگتا ہے یہ کرنا آسان ہے؟ تم کتنوں کو اس طرح کی نظر رکھنے کی تاکید کر سکتے ہو؟ اور چلو کر بھی دو تو بھی کتنے تمہاری بات مانیں گے؟"

"ہرگز نہیں۔ میں نے پہلے ہی کہا کہ اچھی سیرت کو پرکھنا آسان نہیں لیکن یہ ناممکن بھی نہیں۔ اور رہی بات اس زاویے سے سوچنے کی تو چلو آج سے میں اور تم اسے شروع کرتے ہیں۔ بوند بوند ہی دریا بنتا ہے۔"

"کوئی فائدہ نہیں ہے۔ میں اور تم اگر مان بھی لیں تو باقی سن کر کان بند کر لیں گے۔ کیونکہ کسی کے پاس وقت نہیں ہے زین۔ سب اپنی رائے قائم کر کے آگے بڑھ جاتے ہیں اور جس کا دل دکھتا ہے اس کا اندازہ تک نہیں کر پاتے۔" اسے رہ رہ کر باتھ روم میں ہونے والی باتیں پریشان کر رہی تھیں۔

"سارہ! ہمارا کام تو صرف پیغام پھیلانا ہے۔ دلوں کو بدلنا ہمارے اختیار میں نہیں۔ قرآن کی آیت جس کا مفہوم ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پریشان ہوئے تھے کہ کفار آپ کے دیئے گئے پیغام کو مان نہیں رہے تھے بلکہ صاف جھٹلا رہے تھے تب اللہ نے انہیں سمجھایا تھا کہ ان کا کام صرف دین کا پیغام پھیلانا ہے۔ وہ دلوں کے حال کو نہیں بدل سکتے۔ اگرچہ یہ بات اللہ نے قرآن میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کی تھی پر دراصل یہ ہدایت

تمام انسانیت کے لیے ہے کہ ہمیں اختیار نہیں کہ ہم دلوں کو بدل سکیں لہٰذا جو کام ہمارے ذمے ہے یعنی کم از کم صحیح بات تو بتا سکیں وہ فرض ہمیں البتہ پورا کرنا ہے۔"

وہ نہ چاہتے ہوئے بھی زین کی بات سے متفق ہوئی تھی۔ لہٰذا پل بھر کے لیے خاموش ہوگئی۔ اس کی وضاحتوں نے سارہ کو کافی مطمئن کیا تھا۔ وہ اس سے شیئر کرتے ہوئے ہچکچاہٹ کا سامنا نہیں کر رہی تھی۔

"تمہیں یہاں نہیں ہونا چاہیے۔ خواہ میں کسی بھی حال میں کیوں نہ ہوں اور ڈر کی بات مت کرنا۔ مجھ میں اتنی عقل ہے کہ کیا صحیح ہے اور کیا غلط۔" کتنی دیر خاموشی کی نذر ہوئے تھے جب سارہ نے کہا تھا۔

"معذرت پر یہ میری فطرت کے خلاف ہے کہ میرے دوست اگر کسی مصیبت میں پھنسے ہوں اور میں انہیں نظر انداز کر دوں۔ دوستوں کے لیے الگ اہمیت ہے میرے لیے اور تم بھی اس فہرست میں شامل ہو یہ تم جانتی ہو۔"

"تم میں اور مجھ میں بہت فرق ہے زین۔" وہ کہے بنا نہ رہ سکی۔

"اچھا وہ کیسے؟"

"تم اس یونیورسٹی کی مقبول شخصیت ہو۔ اور تم سے جڑا ہر شخص کسی نہ کسی صورت سامنے آ جاتا ہے۔ نہ چاہتے ہوئے بھی سب کو تمہارے ہر دوست کا نام تک معلوم ہو جاتا ہے زین۔ اور اسی طرح تم سے تمہارے ہر دوست کا موازنہ بھی کیا جاتا ہے۔" وہ ایک پل نہ گھبرائی پر دل میں خدشہ اس کے سامنے ظاہر کر دیا۔ اگر زین کی بھی شازیہ کی طرح کوئی سوچ تھی تو آج پتہ چل جائے گی۔ حالانکہ وہ اس کا جواب جانتی تھی پر مقابل کے الفاظ اس وقت اہمیت رکھتے تھے۔

”میں اس بارے میں نہیں سوچتا کہ یہاں طلبا مجھے کس نظریئے سے دیکھتے ہیں۔ اور اگر کوئی مجھ سے میرے کسی دوست کو موازنہ کرتا ہے تو وہ شدید جہالت کا شکار ہے۔“ اس کا لہجہ قطعیت بھرا تھا۔

”میرے نظر میں تو سب برابر ہیں سارہ۔ ہاں البتہ میں موازنہ ذہانت سے کرتا ہوں اور اس مقابلے میں مجھ میں تم سے تھوڑی زیادہ ہے۔“ اس نے شوخی لہجے میں کہا۔

”ہاں وہ تو دکھتا ہے مجھے جب تم فائنانس اور اکاؤنٹس کے سوالات حل نہیں کر پاتے۔“ وہ سارہ تھی موقع کیسے ہاتھ سے جانے دیتی۔

”اپنا وقت بھول جاتی ہو مارکٹنگ تو جیسے رگوں میں دوڑتی ہے تمہارے۔“ وہ مقابلے پر آیا۔

”کم از کم ایک دو مسائل میں الجھی ہوں تمہاری طرح نہیں ہر دوسرے صفحے پر سر کھجاتی پھروں۔“

”یہ تم توہین کر رہی ہو میری۔“

”حقیقت سے آشنا ہو گے تو دکھ تو پہنچے گا۔“

”لڑکی تم چیلنج نہ کرو، ہرا دوں گا۔“

”ہاں وہ تو وقت بتائے گا جب ایک ہی سبجیکٹ کا ٹوٹل اسکور نکلے گا۔“ وہ دونوں نوک جھونک میں ایسا الجھے کہ سارہ ہر روگ و ملال بھول گئی۔ سورج ان کی شراتوں پر مسکراتا ہوا بادلوں کی اوٹ میں چھپ گیا۔

☆......☆......☆

”مٹیریل، آٹھ ہزار، ویجز دس ہزار، فیکٹری اوور ہیڈ۔ ہم۔ یہ کاسٹ شیٹ تو پوری سمجھ ہی نہیں آئی، اب کیا نکالنا ہے؟“ رات کا کھانا تناول کر کے وہ کاسٹ اکاؤنٹنگ پڑھنے لگی تھی۔

زینت اپنے کمرے میں موجود تھیں جبکہ فاروق اکثر چائے کے بعد چہل قدمی یا کسی دوست احباب سے ملنے چلے جاتے تھے۔ سو اس وقت بھی موجود نہیں تھے۔ چوتھے سیمسٹر کی پڑھائی مزید پیچیدہ تھی۔ اکثر تمام کام سے فراغت پا کر وہ کتاب کھول کر بیٹھ جایا کرتی تھی کہ جتنی پریکٹس کرے گی اتنا اچھا تھا۔ اس وقت بھی وہ کام میں منہمک تھی جب زینت اس کے کمرے میں داخل ہوئیں۔ ان کے ہاتھ میں موبائل تھا اور وہ بستر پر بیٹھتے ہی اسے پکڑانے لگی تھیں۔

''یہ لو سارہ! رضیہ بھابھی بات کریں گی۔'' زینت نے آہستہ سے کہا تاکہ فون میں آواز ان تک نہ جائے۔ وہ جس کی عارضی کیفیت بھلی تھی یکلخت ہی بیزار ہوئی۔

''میں کیا بات کروں۔'' سارہ جھنجھلا گئی تو زینت نے اسے غصے سے دیکھا۔ سارہ اپنے لہجے پر نظر ثانی کرتی ہوئی خاموش ہوئی اور زینت سے فون لے کر کان سے لگا لیا۔

''السلام علیکم آنٹی۔'' سارہ نے کہا۔ زینت نے وہیں بیٹھے رہنے پر اکتفا کیا۔

''وعلیکم السلام بیٹا! کیسی ہو؟'' رضیہ نے کہا۔

''جی بالکل ٹھیک آپ کیسی ہیں؟''

''میں بھی ٹھیک ہوں بیٹا۔ مجھے تو مصروفیت رہتی ہے، کبھی تم ہی فون کر لیا کرو آخر کو ساس کا رشتہ ہے تم سے۔''

''جی، وہ بس پڑھائی میں وقت کیسے نکل جاتا ہے پتہ نہیں چلتا۔'' ان کے لہجے میں طنز محسوس کرتی ہوئی سارہ نے بیزاریت سے زینت کو دیکھا۔

''ہاں بیٹا میں سمجھتی ہوں، لیکن آگے پڑھائی تھوڑی کام آئے گی۔ رشتے نبھانے کے لیے تعلقات قائم کرنے پڑتے ہیں۔ پڑھائی لکھائی سے رشتے نہیں بنتے سمجھیں؟'' ان کا جتاتا انداز سارہ کو زچ کر گیا تھا۔

''جی سمجھ گئی۔'' سارہ نے عجیب سا چہرا بنالیا جس سے زینت نے اشارے سے پوچھا تو سارہ نے گردن نفی میں ہلادی۔

''اچھی بات ہے۔ گرمیوں کی چھٹیوں میں چکر لگاؤں گی۔ فراغت ہوئی تو ضرور ملنے آؤں گی دراصل چھوٹی بیٹی کا بھی تو سکول ہے نا یہاں۔''

''اچھا آنٹی۔''

''ظاہر ہے مصروفیت صرف تمہیں تو نہیں نا بیٹا۔ مجھے بھی دسیوں کام ہوتے ہیں دن میں۔ پھر بھی وقت نکال ہی لیتی ہوں۔ چلو تم اپنا خیال رکھنا پھر بات ہوتی ہے۔ اللہ حافظ۔'' وہ طعنہ دیئے بنا نہ رہ سکیں۔

''اللہ حافظ۔'' سارہ نے کال کاٹی اور فون بستر پر پٹخ دیا۔

''کبھی کبھی مجھے لگتا ہے تمہارا غصہ بھی تمہیں اپنے ماموں سے ہی ملا ہے۔'' زینت نے کہا۔

''نانا جان کو بھول گئی ہیں لگتا ہے آپ۔ ان سے ہی چلا آرہا ہے تو ظاہر ہے مجھ میں بھی اس کی کچھ تو جھلک آئے گی۔ ویسے کچھ شادی کے حوالے سے کہا انہوں نے آپ سے؟'' سارہ نے پوچھا۔

''بس وہ ہی جہیز کی تیاری اور مختلف تقاضے۔'' زینت نے کہا۔

''اور کرائیں میری شادی۔'' سارہ کہے بنا نہ رہ سکی۔

''بیٹا! یہ تو دنیا کا دستور ہے۔ اس سے بچا تھوڑی جا سکتا ہے۔ خیر تم پڑھائی کرو۔ اس طرف دھیان نہ دو۔'' وہ کہہ کر اٹھنے ہی لگی تھیں کہ لائٹ چلی گئی۔

''اللہ! اسے بھی ابھی جانا تھا۔'' سارہ کی چڑچڑاہٹ عروج پر تھی۔ اس نے موبائل سے ٹارچ جلائی اور کچن میں چلی گئی۔ دو موم بتیاں کیبنٹ سے نکالیں جنہیں زینت نے ماچس

سے جلا دیا تھا۔ ایک زینت اپنے کمرے میں لے گئیں جبکہ دوسری سارہ اپنے کمرے میں۔

''اور تو کوئی بات نہیں ہوئی نا آپ لوگوں میں؟'' وہ موم بتی ڈریسنگ پر رکھ کر زینت سے پوچھنے آئی۔

''نہیں بس وہ تم سے بات کرنا چاہ رہی تھیں۔ انہیں فون کرلیا کرو۔ اچھی بات نہیں ہوتی ہے۔'' زینت نے سمجھایا۔

''جی مامی۔''

''اب سو جاؤ رات کافی ہوگئی ہے۔'' وہ پلٹ کر جانے لگی تھی جب زینت نے تاکید کی۔

''بس تھوڑی دیر میں۔'' سارہ کہہ کر کمرے میں چلی گئی۔ اس کا ارادہ تھا ایک دو سوال حل کر کے پھر سونے کی تیاری کرے پر لائٹ کے بغیر پڑھنا مشکل ہوگیا تھا۔

پوری رات گزر گئی تھی اور لائٹ آ کے نہ دی۔ گرمی اور گھبراہٹ میں بمشکل ان لوگوں کی آنکھ لگی تھی۔ فجر کی اذان ہوئی تو وہ بغیر الارم کے اٹھ گئی اور شدید بے چینی کا شکار ہوئی۔ ایک تو پچھلے دن کی تھکاوٹ پھر نیند پوری نہ ہونے پر جو جسم دُکھ رہا تھا وہ الگ۔ جیسے تیسے بستر سے اٹھی اور سیدھا نہانے چلی گئی۔ اس سے بہتر بچاؤ اس کے پاس نہیں تھا۔

آج اس نے آسمانی رنگ کی پرنٹڈ قمیض اور سفید شلوار پہنی تھی۔ دوپٹہ بھی سفید رنگ کا اس نے نماز کے لیے باندھ لیا تھا۔ سلام پھیر کر اس نے ناشتہ کیا اور سنگھار میز کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔ گھنیرے بال لائٹ نہ ہونے کی وجہ سے سوکھے ہی کہاں تھے۔ گھرے بھورے بال کمر پر پھیلے ہوئے تھے۔ اور وہ انہیں برش کی مدد سے سلجھا رہی تھی۔ وقت کی کمی کے باعث اس نے کیچر سے بالوں کا ڈھیلا جوڑا بنا لیا تاکہ راستے میں ہوا لگے تو کچھ تو سوکھنا شروع ہوں پھر دوپٹہ سر پر لیتی ہوئی وہ زینت کو اللہ حافظ کہتی گھر سے نکل گئی۔

پہلی کلاس ہی آئی ٹی بلڈنگ کے چوتھے مالے پر تھی۔ جہاں وہ ابھی داخل ہوئی تھی۔ اے سی کی خنکی کمرے کے کونے کونے تک پھیل گئی تھی اور ڈیڑھ گھنٹہ سارہ کے لئے گزارنا مشکل ہوگیا تھا۔ چونکہ کمرے کا درجۂ حرارت کم تھا لہٰذا تمام پنکھے بھی بند تھے۔ جوڑے میں لپٹے اس کے نم بالوں نے سر میں درد شروع کر دیا تھا۔ پھر رات کی ادھوری نیند ہونے کی وجہ سے وہ بار بار غنودگی میں چلی جاتی تھی۔ جب تک کلاس مکمل ہوئی درد کی شدت بڑھتی گئی۔ اے سی نے اس کا بیڑا غرق کر دیا تھا۔ طلبا آہستہ آہستہ کر کے کلاس سے جانے لگے تھے۔ وہ بھی بیگ سنبھالتی ہوئی کلاس سے نکلی۔ پر آئی ٹی بلڈنگ کی چکر کاٹتی سیڑھیوں نے اس کا دماغ گھما دیا تھا۔ اَدھ مندی آنکھوں سے اسے اپنا اگلا قدم تک معلوم نہیں ہو رہا تھا۔ سارہ نے خود کو سنبھالا اور وہیں چوتھے مالے پر دیوار سے ٹیک لگائے کھڑی ہوگئی۔

طبیعت سیڑھیاں اترنے کی اجازت نہیں دے رہی تھی۔ وہ کلاس میں بھی نہیں رک سکتی تھی۔ دوسری کلاس کے طلبا جو آنے لگے تھے۔ اسے سمجھ نہ آیا کیا کرے۔ نیند کا غلبہ پھر سر میں اٹھتی ٹیسوں نے اس کا توازن بگاڑ دیا تھا۔ وہ بے بسی سے اپنے اردگرد آتے جاتے طلبا کو دیکھ رہی تھی کہ یکایک اس کے چہرے پر سورج کی شعاعیں پڑیں۔ سارہ نے آنکھیں چندھیا کر نگاہیں اوپر کیں تو آخری مالا جو کہ اس عمارت کی چھت تھی۔ اس کا دروازہ اسے کھلا نظر آیا۔ ایک خیال نے دماغ میں کھٹکھٹایا تو پہلے طائرانہ نگاہ تمام طلبا کی طرف ڈالی پھر سیڑھی کی طرف بڑھی۔ جب اسے مکمل تسلی ہوگئی کہ اسے کوئی نہیں دیکھ رہا تھا۔ سارہ نے قدم اوپر جاتی سیڑھیوں کی طرف رکھ دیئے۔

دروازے سے داخل ہوتے ہی اس کا استقبال خوشگوار ہوا نے کیا تھا۔ صبح کی دھوپ اس کے چہرے پر پڑتی ہوئی سکون کا احساس دلا رہی تھی۔ اس نے لمبی سانس اندر کو کھینچی اور

طمانیت کا احساس اس کے اندر تک سرایت کر گیا۔ ارد گرد نگاہ ڈالتی ہوئی اسے یقین ہو گیا تھا کہ یہاں کوئی موجود نہ تھا۔ وہ داخل ہوتے ہی دائیں جانب دیوار سے ٹیک لگا کر زمین پر جا بیٹھی۔ بیگ ایک طرف رکھتی ہوئی اس نے پہلے سر سے دوپٹہ اتارا جو اس نے ہنوز گھر سے نکلتے وقت پہنا ہوا تھا۔ پھر کیچر سے بالوں کو آزاد کیا۔ اور انگلیاں سر میں پھیرتی ہوئی ہوا سے بالوں کو سکھانے لگی۔ چشمہ وہ پہلے ہی اتار کر زمین پر رکھ چکی تھی۔ راحت و سکون جیسا احساس اسے نیند میں لے جا رہا تھا۔ درد کی شدت ہنوز قائم تھی پر برداشت کے قابل تھی لہٰذا ٹیبلٹ اس نے نہیں لی تھی۔ اس کا ارادہ یہاں کچھ دیر بیٹھ کر طبیعت میں سدھار لانے کا تھا۔ تا کہ آئی ٹی بلڈنگ کی سیڑھیاں آرام سے اتر سکے۔ وہ سر سہلاتی اور اس کی آنکھیں نیند میں ڈوبتی چلی جاتیں۔ وہ خود کو پھر جگانے کی کوشش کرتی۔ یہاں سونے کے غرض سے تھوڑی آئی تھی۔ اس نے دھیاں ہٹانے کے لیے آسمان پر چلتے روئی مائل بادلوں کو دیکھنا شروع کر دیا۔ جو ٹکڑوں میں پورے آکاش پر پھیلے ہوئے تھے۔ آنکھوں کو یہ منظر بے حد بھلا لگا۔ اس نے بالوں کو کیچر میں قید کر لیا اور سر پر دوپٹہ رکھ لیا۔ ارادہ تو اٹھ کر جانے کا تھا پر اس کی سست ہوتی طبیعت نے اسے وہیں مقید کر دیا۔ وہ سر کو دیوار سے ٹیک لگائے اپنی دھن میں چلتے بادلوں کو دیکھ رہی تھی کہ مندی مندی آنکھیں مزید بوجھل ہوئیں۔ اسے معلوم بھی نہ ہوا اور وہ نیند کی وادی میں چلی گئی۔

وہ ایک دوست کے ساتھ مضمون پر بحث کرتا ہوا سب سے آخر میں اپنی کلاس سے نکلا تھا۔ اگر شازیہ ہوتی تو وہ اس کے ساتھ نیچے چلا جاتا پر وہ آج آئی ہی نہیں تھی اور ارسلان کی بھی دوسری کلاس تھی۔ لہٰذا وہ معمول کی طرح وہاں تھوڑی دیر کھڑا رہا۔ جب سب لوگ اس فلور سے چلے گئے۔ وہ سیدھا اوپر چلا گیا۔ چھت پر داخل ہوتے ہی اس کی نگاہیں سامنے ہاف

باؤنڈری وال کی طرف تھیں جہاں سے شہر کا نظارہ صاف واضح تھا۔ اس نے حسبِ عادت بیگ وہیں رکھ کر قدم باؤنڈری وال کی طرف بڑھا دیئے۔ حدِ نگاہ تک کوئی عمارت نہیں تھی۔ ہر جگہ سبزہ ہی سبزہ۔ ہوا سے لہراتے اونچے درخت۔ زین نے نگاہیں آسمان کی طرف کیں تو مبہوت رہ گیا۔ روئی مائل بادل ٹکڑوں کی صورت میں تھے جن کے درمیان سے زرد سورج کی شعاعیں اپنا جھلک دکھلاتی ہوئی حسین منظر پیش کر رہی تھیں۔ اس نے لمبا سانس اندر کھینچ کر خود کو تر و تازہ کیا تھا۔ باؤنڈری وال پر ہاتھ رکھتا ہوا وہ قدرت کی بنائی گئی تخلیق کو توصیفی نگاہ سے دیکھ رہا تھا۔ روح تک کو سکون مل رہا تھا۔

''چلو یار اپنی جگہ پر جا کر بیٹھتے ہیں۔'' خود کلامی کرتا ہوا اپنی منتخب جگہ پر بیٹھنے کے غرض سے وہ جوں ہی پیچھے مڑا تو ٹھٹک کر رہ گیا تھا۔ اب جو نگاہوں کے سامنے منظر تھا وہ ایسے معلوم ہوتا جیسے آسمان کا ہی ایک حصہ چھت پر اتر آیا ہو۔ آسمانی رنگ کی قمیض اور سفید شلوار پہنے ہوئے پھر دوپٹے سے خود کو ڈھانپے وہ فلک کا ہی تو حصہ لگ رہی تھی۔ جس پر وقفے وقفے سے سورج کی کرن پڑتی جا رہی تھی۔ جب سورج بادلوں کی اوٹ میں ہوتا تو کرنیں رک جاتیں اور جب بادل راستے سے ہٹتا تو آفتاب اپنی زرد روشنی سے اسے بھی منور کرنے لگتا۔ یہ منظر محض کسی بھی شخص کے لیے عام تھا پر نہ جانے کیوں زین کو تسخیر کر گیا تھا۔ وہ ماہر مصور کا شاہکار محسوس ہو رہی تھی۔ جیسے ابھی ابھی تازہ تازہ رنگ مصور نے اس تصویر پر بھر دیئے ہوں۔ وہ ایستادہ اسے دیکھے جا رہا تھا۔ فسوں خیز ماحول ہر سو محسوس ہو رہا تھا۔ زین کے ساکت وجود میں حرکت ہوئی تھی۔ قریب سے دیکھنے کی خواہش نے اس کے قدم بڑھا دیئے تھے۔ وہ دھیرے دھیرے چلتا ہوا اس تک آیا تھا۔ دونوں نفوس کے درمیان فاصلہ چند قدم کا تھا۔

دور سے اس کا چہرا واضح نہ تھا۔ پر وہ پھر بھی پہچان گیا تھا کہ یہ اور کوئی نہیں بلکہ سارہ تھی۔

وہ اس سے ایک فاصلے پر دوزانو ہو کر بیٹھ گیا۔ پھر متعجب ہو کر تفصیل سے اس کے چہرے پر نگاہ ڈالی۔ گھنیری خم دار پلکیں نظریں ملانے کے راستے میں باڑ بن کر بیٹھی ہوئی تھیں۔ کچھ آوارہ لٹیں ہوا کے ساتھ ساتھ اس کے چہرے پر ہل جل رہی تھیں۔ وہ سب سے بے خبر محو استراحت تھی۔ زین کو آج وہ بے حد مختلف لگی تھی۔ کیا الگ تھا اس کے چہرے پر؟ اس نے بغور سارہ کو دیکھا تھا۔ غور کرنے پر اسے احساس ہوا کہ وہ حد درجہ سکون کا پیکر معلوم ہو رہی تھی۔ جتنی سادہ اتنی ہی پیاری۔ اس کے چہرے پر رونق سا احساس تھا۔ تروتازگی کا عنصر تھا بالکل ایسے جب طوفانی بارش کے بعد کالی گھٹائیں چھٹ جائیں اور آسمان صاف ہو جائے۔ وہ اسے عموماً پریشان حال ہی نظر آتی تھی۔ چہرے پر تناؤ یا اضطرابی کیفیت میں مبتلا جو اس وقت سرے سے غائب تھی۔ یہ ہی وجہ تھی کہ وہ سارہ کو یک ٹک دیکھتا رہا اور اس کی کشش سے خود کو اس کی طرف کھنچتا ہوا محسوس کرنے لگا۔ جب سارہ کے وجود میں ہلکی سی جنبش ہوئی اور اس نے سر بائیں سے دائیں جانب کیا تو زین کے سینے میں چلتا دل اپنی رفتار تیز کر گیا۔ وہ ہولے ہولے سانس لیتی ہوئی کوئی گڑیا معلوم ہو رہی تھی۔ زین مبہوت ہوتا اسے دیکھتا رہا۔ اس کے چشمے زین کے گھٹنے کے پاس تھے جنہیں اس نے آہستگی سے ہٹا کر دوسری طرف رکھ دیا تھا۔ وہ جذب کے عالم میں زیر لب مسکرایا اور بے خود ہوتی حالت پر قابو پانے کی کوشش کی۔ اسے کیا ہوا تھا وہ خود بھی نہیں جانتا تھا پر پل بھر میں یہ لڑکی اس کے دل تک رسائی حاصل کر گئی تھی۔

اس کا ارادہ سارہ کو اٹھانا نہیں تھا پر یہ جگہ سونے کے لیے مناسب بھی نہیں تھی۔ اس کی حرکت پر دل میں اٹھتا خدشہ اسے طیش دلا گیا۔ وہ سارہ کی بیوقوفی پر یکلخت ہی غصے میں آیا۔

''سارہ۔'' اس کا کہنا تھا کہ سارہ ہڑبڑا کر اٹھی۔ زین کو اپنے پاس دیکھ کر وہ پہلے تو سمجھ نہ سکی پھر اطراف میں نظریں دوڑائیں تو کچھ کچھ یاد آنے لگا۔ وہ تو یہاں پل بھر کے لیے آئی تھی

پھر کیا ہوا تھا؟ کیا وہ سوگئی تھی؟

''زین! تم؟'' زین یہاں کیا کر رہا تھا؟ وہ کیسے یہاں آ گیا؟ وہ کتنی دیر سوئی؟ کیا وقت تھا؟ اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ زین نے دیکھا کہ اس کا تنفس اچانک تیز ہوا تھا۔ اور جو چہرا چند لحظہ قبل طمانیت سے بھرا تھا اس کے بیدار ہونے کے ساتھ ہی سیاہ بادلوں کی اوٹ میں چھپ گیا تھا۔ کئی سوالات تھے جو اسے ظاہر کو سمجھنے سے روک رہے تھے۔

''کیا میں پوچھ سکتا ہوں تم یہاں کیا کر رہی ہو؟'' اس کی دھیمی آواز میں بھی برہمی تھی۔ سارہ کا پریشان چہرا اسفید دوپٹے کے حالے میں جس میں چند لٹیں دائیں بائیں چہرے کو گھیرے ہوئی تھیں۔ زین کو بے حد بھلی لگیں۔

''و...... وہ میں، میں، تو سر درد تھا۔ چکر کی وجہ سے سیڑھی نہیں اتر سکی تو یہاں آ گئی۔'' وہ یاد کرتی ہوئی کہہ رہی تھی۔ اپنی حرکت پر اسے خود بھی حیرانی تھی۔ کیونکہ آج تک ایسا کیا جو نہیں تھا۔

''اور سو گئیں؟'' اس نے دبے دبے غصے سے کہا تو سارہ مخمصے میں ڈوب گئی۔

''سونے کا ارادہ نہیں تھا۔'' وہ منمنائی۔

''سارہ احمد! تم سیڑھیاں اتر کر چکر کھا کر گر جاتیں اور زخمی ہو جاتیں وہ مجھے زیادہ قبول تھا بہ نسبت اس کے کہ تم یہاں اکیلی تن تنہا چھت پر سو رہی تھیں۔ تمہیں حالات کا کچھ اندازہ بھی ہے؟ سوچا نہیں تھا کہ کوئی بھی یہاں آ سکتا تھا۔ پھر کیا کرتیں تم...... ہیں۔'' وہ طیش سے کہہ رہا تھا اور سارہ سوچ کر بھی خوف کھا رہی تھی۔ غلطی تو ہوئی تھی۔ اسے یہ نہیں کرنا چاہیے تھا۔

''وہ تو شکر کرو میرا یہاں آنا ہوتا ہے اور تمہیں اس حال میں دیکھ لیا۔ تمہیں یہ معلوم بھی ہے کہ چھت کا دروازہ بند ہو سکتا ہے۔ تم پھنس بھی سکتی تھیں۔'' وہ اسے معاملے کی نزاکت سمجھا رہا تھا اور سارہ پر وحشت سی طاری ہونے لگی تھی۔

''ارادہ نہیں تھا۔ وہ درد تھا سر میں...... پر تم۔ تم یہاں کیا کر رہے ہو؟'' اسے زین کا وہاں حاضر ہونا الجھا کر رکھ گیا تھا۔

''تم نے نا لگتا ہے اپنے مؤکل میرے پیچھے لگائے ہوئے ہیں جو تمہیں پل پل کی خبریں دیتے ہیں کہ میں کیا کر رہی ہوں اور کیا نہیں۔ تم یہاں بھی آ گئے۔'' حیرانی کا جھٹکا لگنا تو بنتا تھا۔

''اوہ یہ راز بھی تم پر سے فاش ہو گیا۔'' وہ طنزیہ لہجے میں کہتا ہوا پیچھے ہوا۔ سارہ نے سن کر ناک ہی چڑا دی۔

''شکر کرو محترمہ کہ میں ہی تھا۔'' سارہ یہاں وہاں ہاتھ مارتی ہوئی چشمہ ڈھونڈنے لگی تھی۔

''یہ لو اپنا سو کروڑ کا چشمہ! میرے قدموں سے ٹوٹتا ٹوٹتا بچا ہے۔'' زین نے کہا۔

''یا اللہ! سو کروڑ نہیں سو ارب کہو۔ مجھے اسے کئی سال تک استعمال کرنے کی اور نہ توڑنے کی تاکید کی گئی ہے اور تم چلے تھے اسے قدموں تلے روندنے۔'' سارہ نے دوپٹے کے پلو سے چشمہ صاف کیا اور آنکھوں پر پہن لیا۔ اب منظر واضح تھا۔ ورنہ دھندلا دھندلا نظارہ اسے فوکس کرنے نہیں دے رہا تھا۔

''اچھا! ایسی کیا خاص بات ہے اس میں؟'' زین نے پوچھا۔

''وہ تم چھوڑو اور مدعے کی بات پر آؤ۔ میرا آنے کا مقصد تو تم سمجھ گئے۔ اب تمہیں کیا تکلیف تھی جو اس طرف ہی رخ کر لیا؟'' سارہ نے طنزیہ استفسار کیا۔ وہ ہنوز دوزانو بیٹھا تھا۔

''جناب عالیہ! میرا تو یہاں روز کا آنا ہے۔ تم میری پرائیویسی میں مخل ہوئی ہو۔ آج تک یہاں کسی نے قدم نہیں رکھا۔ حتیٰ کہ میرے کسی دوست نے بھی نہیں۔'' زین کی بات پر اس نے اچنبھے سے زین کو دیکھا۔

''کیا مطلب روز آتے ہو؟''

”ارے یہ مائے سپاٹ ہے اور جس جگہ تم بیٹھی ہو وہ میری جگہ ہوتی ہے۔“ زین کی بات سن کر وہ متحیر ہی تو رہ گئی۔

”مائے سپاٹ؟“

”جی محترمہ۔“

”یہ کیسے ہو سکتا ہے؟“ سارہ کو حیرانی ہوئی۔

”کیوں کیا ہوا؟“ اسے الجھا دیکھ کر زین نے سوال کیا۔

”تم بھی مائے سپاٹ رکھتے ہو۔ اور وہ جو میں یہیں آئی ٹی بلڈنگ کے کونے میں موجود ہوتی ہوں وہ میرا مائے سپاٹ ہے۔“ اب حیران ہونے کی باری زین کی تھی۔

”کیا واقعی؟“ زین نے پوچھا۔

”ہاں نا۔“ دونوں ہی ایک دوسرے کو حیران کن انداز سے دیکھتے ہوئے زیرِ لب مسکرائے تھے۔

”تم دو بار میری پرائیویسی میں مخل ہوئے ہو آج میں ہو گئی۔ حساب ابھی بھی برابر نہیں ہوا۔“ کچھ دیر خاموشی کی نذر ہوئے جب سارہ نے کہا، پر زین اب بھی محویت کا شکار تھا۔ ایک تو دل کی کیفیت نے کشمکش میں مبتلا کر دیا تھا اوپر سے دونوں میں اتنی مماثلت۔ یقین کرنا دشوار تھا۔

”کیا ہوا کیا سوچنے بیٹھ گئے؟“ اس نے زین کو محو خیال پایا تو استفسار کیا۔

”ہم میں بہت سی چیزیں ایک جیسی ہیں۔ یہ سوچ رہا تھا۔“

”ہرگز نہیں تمہیں مارکیٹنگ کا کریز ہے اور مجھے اتنی ہی نفرت۔ ہم دونوں میں صرف یہ مائے سپاٹ ہی ایک جیسا ہے۔“ وہ سارہ کی بات پر فقط مسکرایا۔ اس کا دماغ اور ہی خیالوں پر چل پڑا تھا۔

وہ دوپٹہ درست کرتی ہوئی بیگ اٹھا کر کھڑی ہونے لگی تھی جب زین کا اس پر دھیان گیا۔

''کہاں چلیں؟ کلاس تو تمہاری بھی نہیں ہے۔'' وہ اسے روک رہا تھا۔

''ابھی تو تم نے کہا یہ جگہ تن تنہا لڑکی کے لیے زیب نہیں دیتی۔'' سارہ نے یاد دلایا۔

''تم اس وقت تنہا کہاں ہو۔ اب پرائیویسی میں مخل ہوئی ہو تو بیٹھ جاؤ۔ ویسے میں یہاں اپنے کسی دوست کو نہیں لایا۔ یہاں میں اکثر خود احتسابی اور زیادہ تر سکون کے لیے آتا ہوں۔ پر اب تم بھی یہاں بلا جھجک آسکتی ہو پر صرف تب جب مجھے معلوم ہو مس سارہ احمد۔'' وہ کہتے کہتے پھر برہم ہوا تھا اور انگشتِ شہادت سے اسے متنبہ کیا۔ سارہ کی نظر چھت کے دروازے پر گئی جو پورا وا تھا۔ اس کے دل نے مقابل شخص کی آت کی گواہی دی تھی۔ جس کا کوئی لفظ فریب نہیں تھا۔ وہ واقعی عورت کی عزت کرنا جانتا تھا۔ وہ ایک فاصلے سے واپس وہیں بیٹھ گئی۔ اس بار بھی سارہ کا بیگ بیچ میں حائل تھا۔ زین نے بھی دیوار سے ٹیک لگالی تھی۔ اب دونوں ہی آسمان پر ہولے ہولے چلتے بادلوں کو دیکھتے ہوئے لطف اندوز تھے۔

''تمہارے سر میں اب درد کیسا ہے، تم نے ٹیبلٹ لی؟'' یاد آنے پر اس نے متفکر انداز میں سارہ سے پوچھا۔ جو سر دیوار سے ٹیک لگائے فلک کی خوبصورتی میں محو تھی۔

''یہ وہ درد نہیں تھا۔ ویسے ماننا پڑے گا۔ تمہارا مائے سپاٹ میرے مائے سپاٹ سے زیادہ آرام دہ اور راحت بخش ہے۔'' وہ تر و تازہ محسوس کر رہی تھی۔

''میرا بھی یہ ہی خیال ہے۔'' اس نے سارہ کی جانب دیکھا جو ہنوز نگاہیں آسمان پر کیے ہوئے زین کی بات پر زیر لب مسکرائی تھی۔ وہ پل بھر کے لیے پھر برابر بیٹھی لڑکی کا اسیر ہوا تھا۔ صرف قدم ہی نہیں اس دوشیزہ کو دل کی دھڑکن تک قابو کرنا آتی تھی۔

☆......☆......☆

''آجاؤ...... آجاؤ۔'' بس کنڈکٹر آواز لگا رہا تھا۔ کئی لوگ بس کے انتظار میں اس طرف موجود تھے۔

''بھائی...... بھائی! رکو مجھے بھی جانا ہے۔'' وہ لوگوں کی بھیڑ میں پیچھے کھڑی آگے آنے کی کوشش میں ناکام ہو رہی تھی۔

''آجاؤ آجاؤ سب۔''

وہ چیخ رہی تھی پر کنڈکٹر تک آواز پہنچ کر نہ دے رہی تھی۔ پریشان کن حالت میں وہ تمام لوگوں کو چڑھتا دیکھ رہی تھی پر اس کا فاصلہ تھا کہ ختم ہی نہیں ہو رہا تھا۔ وہ آگے تو بڑھ رہی تھی پر بس اس سے اتنے ہی فاصلے پر موجود تھی۔ وہ شش و پنج میں مبتلا کنڈکٹر کو آواز لگائے جا رہی تھی۔ پر وہاں اس کی سننے والا کوئی نہ تھا۔ جب تمام لوگ بس میں سوار ہو گئے تو کنڈکٹر نے ڈرائیور کو چلنے کا اشارہ دیا۔ وہ ٹینشن سے چلا اٹھی۔

''رکو منزل چھوٹ جائے گی مجھے بھی جانا ہے۔''

پر بے سود۔ اس کی آواز صرف اس تک ہی محدود تھی۔ وہ وہاں ہو کر بھی وہاں نہیں تھی۔ بس جوں ہی آگے بڑھی سارہ بدحواس سی اسے پہلے تو تکتی رہی۔ کنڈکٹر کی سیٹی پر اس کے اندر جنبش ہوئی۔ وہ اندھا دھند بس کے پیچھے بھاگنے لگی۔ وہ چیخ رہی تھی چلا رہی تھی۔ پر بس کی رفتار تیز ہوتی گئی۔

''رکو، مجھے بھی جانا ہے۔'' اس نے ہار نہ مانی اور اپنی پوری سکت سے بھاگنا شروع کر دیا۔ جوں ہی اس کے پیر پر پتھر سے ٹھوکر لگی وہ منہ کے بل سڑک پر گر پڑی۔ ایک فلک شگاف چیخ اس کے حلق سے نکلی تھی۔ اس نے خود کو سڑک پر کتنی دیر بے حرکت پایا تھا۔ تکلیف کی شدت سے جب آنکھیں کھولیں تو منظر بدل گیا تھا۔ اس نے بمشکل خود کو اٹھایا تھا۔ پر کچھ دکھائی نہیں

دے رہا تھا۔ ہر سو اندھیرا چھا گیا تھا۔

''راستہ کہاں ہے؟'' وہ بے بس محسوس کرتی ہوئی یہاں وہاں دیکھے جا رہی تھی پر کہیں راہ راست نہ تھی۔ یہ کیا جگہ تھی۔ گھپ اندھیرا مزید گہرا ہوتا جا رہا تھا۔ وہ اپنا ہاتھ بھی بمشکل دیکھ سکتی تھی۔ اس کا دم گھٹنے لگا تھا جیسے کوئی آکسیجن کم کرتا جا رہا ہو۔ اسے سانس لینے میں دشواری ہو رہی تھی۔ وہ اپنی حالت سے بے قابو ہوئی اور زمین پر گر پڑی۔ اس کا پورا وجود سطح سے لگ چکا تھا۔ وہ اٹھنے کی پوری کوشش کر رہی تھی پر کنٹرول جیسے ختم ہو رہا تھا۔ اس کا تنفس تیز تھا۔ آواز حلق میں ہی گھٹ رہی تھی۔

''اللہ! میں مر جاؤں گی۔ یا اللہ'' وہ سوچتی ہوئی خود کو اس چنگل سے نکالنا چاہتی تھی۔ یہ کیسا سایہ تھا جو اس پر چھا گیا تھا اور اسے منجمد کر گیا تھا۔ وہ کیوں نہیں اٹھ پا رہی تھی۔

''یا اللہ! مدد...... یا اللہ'' اس نے پوری شدت سے خود کو اس چنگل سے چھڑایا اور چیختی ہوئی آنکھیں کھول دیں۔

سانس بے ترتیب، پسینے میں شرابور، بال بکھرے پڑے۔ وہ وحشت کا شکار اپنے اطراف میں دیکھ رہی تھی تو خود کو کمرے میں پایا تھا۔ چند منٹ تو اسے سانس نارمل کرنے میں لگ گئے تھے۔ وہ اس بھیانک خواب کے اثر سے نکل ہی نہیں پا رہی تھی۔ یہ کیسا خواب تھا جو اسے مار کر ہی دم لینے والا تھا۔ اسے محسوس ہوا تھا جیسے دوسری زندگی نصیب ہوئی ہو ورنہ وہ خود کو مردہ محسوس کر رہی تھی۔ پیشانی پر پسینہ صاف کرتی ہوئی وہ بستر سے جیسے تیسے اٹھی تھی۔ سائیڈ میز پر رکھا پانی سے بھرا گلاس اس نے اٹھایا اور گھونٹ گھونٹ پینا شروع کیا۔ کھڑکی سے جھلک دکھلاتی صبح کی مدھم روشنی نے اسے ظاہر میں واپس لانے میں مدد کی تھی ورنہ اندھیرا اس کے حواسوں پر چھا گیا تھا۔ وہ ایک ہی جست میں آگے بڑھی اور کھڑکی سے پردہ ہٹا دیا۔ مدھم

روشنی اس کے چہرے پر پڑی تو طبیعت میں بحالی محسوس ہوئی۔ سلیپ پیرالسز کے بارے میں اس نے ایک بار کہیں پڑھا تھا۔ اور آج خود پر یہ کیفیت محسوس کر کے وہ نیند سے بھی ڈرنے لگی تھی۔

اس نے گھڑی پر وقت دیکھا تو آج وہ کافی لیٹ ہو چکی تھی۔ بھیانک خواب نے اس کی فجر بھی نکال دی تھی۔ وہ ہڑبڑا ہی تو گئی تھی۔ ایک منٹ نہ رکی اور فوراً فریش ہونے چلی گئی۔ آج بس پکڑنے کا بھی وقت نہیں تھا۔ کئی دن کے جمع کیے پیسے رکشے میں خرچ کر دیئے تھے۔ وہ جب یونیورسٹی پہنچی تو کلاس شروع ہونے میں دس منٹ تھے۔ اس کا رخ آئی ٹی بلڈنگ کی طرف تھا جب اسے اکیڈمک بلڈنگ سے گزرتے ہوئے زنیرہ اور بلال دکھائی دیئے۔ عموماً جب دونوں ساتھ ہوتے تو سارہ ملنے سے گریز کرتی پر آج دونوں کے چہروں پر اداسی کا سایہ لہرا رہا تھا۔ اس نے خیریت معلوم کرنے کے لیے ان کی طرف قدم بڑھا دیئے تھے۔

''السلام علیکم زنیرہ۔'' سارہ نے اسے گلے سے لگا لیا۔ ''کیا ہوا تم دونوں کو؟ ایسے خاموش کھڑے ہو۔'' وہ دونوں سے مخاطب ہوئی تھی۔ معاملہ کچھ اور ہی لگ رہا تھا

''یار! بات ہی کچھ ایسی ہے۔ بلال نے مجھے ابھی بتایا کہ زین کے والد کا کل اچانک انتقال ہو گیا ہے۔'' وہ زنیرہ کی بات سنتے ہی شاک میں چلی گئی۔ اس نے بلال کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھا جو بہت افسردہ لگ رہا تھا۔

''ا......ا......اچانک سے کیا مطلب تم دونوں کا؟'' اندر بے چینی سی کیفیت محسوس ہونے لگی تھی۔ جیسے اپنا ماضی سامنے آ گیا ہو۔

''یہی کہ وہ بالکل ٹھیک تھے۔ کوئی ایسی بیماری بھی نہیں تھی پر اچانک ہارٹ اٹیک ہوا اور انتقال ہو گیا۔'' اس کے اندر جیسے کوئی دھماکا ہوا تھا۔ زنگ آلود صندوق کھل رہا تھا اور ماضی کا وہ

واقعہ نمودار ہو رہا تھا جو وہ گیارہ سال کی عمر میں بند کر چکی تھی۔

''بہت افسوس ہو رہا ہے یار۔ بلال بتا رہا تھا کہ یہ خبر سن کر کل کافی یونیورسٹی کے طلبا اس کے گھر پہنچے تھے۔ ظاہر ہے زین خود بھی ایسا ہے، دوسروں کی پریشانیوں میں حاضر ہوتا ہے۔'' زنیرہ نے کہا۔

''ہاں، میں آج بھی یونیورسٹی کے بعد جاؤں گا، بلکہ سب ہی مل کر جائیں گے۔'' بلال نے کہا۔ زنیرہ نے سارہ کی طرف دیکھا۔

''سارہ...... سارہ؟'' زنیرہ نے اس کا بازو تھام کر ہلایا۔

''ہ...... ہاں؟'' وہ دونوں کیا بات کر رہے تھے اسے کچھ سنائی نہیں دیا تھا۔

''تم چلوگی؟ میں سوچ رہی ہوں آج چلی جاؤں زین کے گھر تعزیت کے لیے۔'' زنیرہ نے پوچھا۔

''ن...... نہیں تم چلی جاؤ، میں کلاس میں جا رہی ہوں۔'' سارہ ایک منٹ وہاں نہیں رکی اور تیزی سے کلاس کی جانب بڑھ گئی۔

''مما! انکل...... مما کو کیا ہوا ہے؟ میری مما کو اٹھائیں کیا ہوا ہے ان کو۔'' کئی آوازیں تھیں جو امڈ کر اس کے حواسوں پر چھا رہی تھیں۔ اس نے بمشکل خود کو قابو کیا تھا۔ ورنہ معاملہ سنگین ہو جاتا۔ زین کس کرب سے گزر رہا تھا سارہ خوب جانتی تھی۔

اگلے دن بھی وہ نہیں آیا تھا۔ زنیرہ نے زین اور اس کے گھر والوں کی کیفیت سارہ کو بتائی تھی جسے سن کر وہ بہت فکر مند ہو گئی تھی۔ زین کا موبائل نمبر بھی اس کے پاس نہیں تھا۔ پر اگر ہوتا بھی تو بھی اس کے پاس دلاسے کے لیے الفاظ کہاں تھے۔ کیا وہ نہیں جانتی تھی کہ تعزیت کے الفاظ سوچ سمجھ کر کہنے چاہئیں۔ ورنہ لوگوں کی باتیں ایسے موقع پر مزید تکلیف کا باعث بنتی

ہیں۔ جب بار بار آپ کو 'یقین' دلایا جاتا ہے جسے آپ محض خواب سمجھ کر آنکھیں کھولنا چاہتے ہیں۔ وہ سارا دن زین کے بارے میں سوچتی رہی۔ کسی کلاس میں دل نہیں لگ رہا تھا۔ وہ کس حال میں ہوگا؟ اس کے گھر والے کیسے ہوں گے؟ وہ بے چین اور بے بس محسوس کر رہی تھی۔

گھر کے کسی کام میں توجہ نہیں تھی۔ زینت اس کی طبیعت ناساز سمجھ کر اسے آرام کے غرض سے کمرے میں بھیج چکی تھیں۔ وہ اپنی تخیل میں کتابوں کے ورق پلٹتی جا رہی تھی۔ جو شخص اس کی مصیبت کے وقت کام آیا تھا۔ وہ اس کے لیے کچھ بھی نہیں کر سکی تھی۔ وہ اپنی دوستی پر شرمسار تھی۔ محض تعزیت کا میسج ہی کسی سے نمبر لے کر بھیج دیتی پر اس کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ کبھی کبھی انسان اتنا بے بس ہو جاتا ہے کہ وسائل ہونے کے باوجود بھی وہ اپنی جذباتی کیفیت کو قابو نہیں کر پاتا اور فیصلے لینے میں دقت محسوس کرتا ہے۔

آج بھی یونیورسٹی پہنچتے ہوئے وہ سارے راستے افسردہ تھی۔ ایک منٹ ایسا نہ تھا جب زین کا خیال اسے ستایا نہ ہو۔ اچانک موت اپنے پیاروں کو صدمہ دے جاتی ہے۔ مرنے والا تو چلا جاتا ہے پر اس کے پیارے ایسی کیفیت میں مبتلا ہو جاتے ہیں جس سے نکلنا آسان نہیں ہوتا اور ایسی ہی حالت زین اور اس کے گھر والوں کی تھی۔ وہ رکشے سے سیدھی یونیورسٹی کے گیٹ پر اتری جہاں اس کی ملاقات زنیرہ سے ہوگئی۔ دونوں مسکراتی ہوئی گلے ملیں اور اندر داخل ہوگئیں۔

مختلف باتوں میں مصروف وہ دونوں چلتی چلی جا رہی تھیں۔ زنیرہ کی اکیڈمک بلڈنگ جب کہ سارہ کی آئی ٹی بلڈنگ میں کلاس تھی۔ کچھ لمحات وہ ایک دوسرے کے ساتھ گزارتی روش پر چل رہی تھیں جب زنیرہ کی آئی ٹی بلڈنگ کی طرف نظر پڑی جو عین سامنے تو تھی پر فاصلہ کافی تھا۔

''زین آیا ہے آج۔'' زنیرہ کی نگاہوں کا تعاقب کرتی سارہ کی آنکھیں زین پر جا ٹھہریں۔ جو حسب عادت اپنے دوستوں کے ساتھ اسی جگہ موجود تھا جہاں روز صبح ہوتا تھا۔ سارہ اس فاصلے سے بھی اس کے چہرے پر چھائی ویرانی دیکھ سکتی تھی۔ وہ شخص جس کے لبوں پر ہر وقت تبسم سجی رہتی تھی۔ جو ہر جگہ مسکراہٹ بکھیرتا تھا۔ آج خود بجھا بجھا سا تھا۔ اس کے اطراف کھڑے دوست اسے باتوں میں لگا رہے تھے۔ ارسلان کوئی شوخی بات کرتا نظر آ رہا تھا جسے شازیہ ہنس کر سن رہی تھی پر اس کے چہرے کا تناؤ ویسا کا ویسا ہی تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے کسی نے اس کے اندر سے زندگی کو جذب کر دیا ہو۔ وہ بھرپور زندہ دل شخص آج مردہ لگ رہا تھا۔

''اللہ ہمت دے اسے۔ چلو سارہ میں جا رہی ہوں، تم کلاس کے بعد ملو گی؟'' زنیرہ نے پوچھا۔

''کچھ کام ہے۔ اگر وقت نکل گیا تو آجاؤں گی ورنہ بعد میں ملتے ہیں۔'' سارہ نے کہا۔

زنیرہ سر کو جنبش دیتی ہوئی اکیڈمک بلڈنگ چلی گئی اور سارہ آئی ٹی بلڈنگ کی طرف بڑھ گئی۔ کلاس لینا دشوار تھا۔ زین کا چہرا بار بار آنکھوں کے سامنے آجاتا تھا۔ اس کا دل اس کی مایوسی پر کٹ کر رہ گیا تھا۔ وہ خود کو مجرم محسوس کر رہی تھی۔ آخر کیسی دوست تھی۔ ایک بار بھی اسے میسج نہیں کیا تھا۔ نمبر تو بلال سے بھی مل جاتا۔

''ہاں یار، اس کے والد کا انتقال ہو گیا ہے۔ مجھے تو جیسے ہی خبر ملی فوراً اس کے گھر پہنچی۔'' شازیہ نے کہا۔ پس منظر میں دو دن قبل ہونے والا واقعہ اسے یاد آیا۔

''بہت افسوس ہوا۔ انکل تو کافی سمارٹ اور صحت مند تھے۔'' کرن نے کہا۔

''ہاں پر ہونی کو کون ٹال سکتا ہے، مجھے تو زین کی فکر ہو رہی تھی۔ جب دفنا کر آیا تو کسی سے کوئی بات نہیں کر رہا تھا۔ جیسے بس اکیلا رہنا چاہتا ہو، کتنی بار پوچھا پر اس نے کوئی جواب نہ

دیا۔ پتہ نہیں بس ڈر لگتا ہے کہ وہ کب سنبھلے گا۔'' شازیہ نے کہا۔
وہ اس کی حالت تب بھی تصور کر سکتی تھی اور آج اسے دیکھ کر مزید تاسف ہوا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ کلاس کے بعد بھی اس کا زین سے بات کرنا ناممکن تھا کیونکہ اس کے ساتھ شازیہ ہمیشہ ہوتی تھی پر آج اس نے ٹھان لیا تھا احساس کمتری جائے بھاڑ میں۔ دوستی کا تقاضا بھی کوئی شے ہے۔ وہ شازیہ کے سامنے بھی جا کر زین سے بات کر لے گی اور کم از کم تعزیت کے دو بول ہی کہہ دے گی۔ جیسے ہی کلاس ختم ہوئی سارہ ایک پل نہ رکی اور تیزی سے کلاس کے باہر جا کر کھڑی ہوئی۔ زین کی کلاس برابر میں ہی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ طلبا کو نکلتے دیکھ رہی تھی پر زین اب تک نہیں آیا تھا۔ سارہ نے شازیہ کو اپنی کلاس سے نکلتا دیکھا تھا جو موبائل میں سر جھکائے سیڑھیاں اترنے لگی تھی۔
''یہ زین کے لئے نہیں رکی؟'' شازیہ کو تنہا سیڑھیاں اترتے دیکھ کر سارہ کو تعجب ہوا۔ آہستہ آہستہ دونوں کلاسیں خالی ہوگئیں پر زین کہیں نظر نہیں آیا۔ وہ کلاس میں گیا تھا۔ اس بات کا سارہ کو یقین تھا لیکن اس وقت وہاں کوئی نہ تھا۔
''کہاں جا سکتا ہے؟'' وہ سوچ میں پڑ گئی۔ اندر کتنی ان ہونی باتیں اسے وحشت میں مبتلا کر رہی تھیں کہ اچانک کسی خیال کے تحت اس نے اوپر فلور کا دروازہ کھلا دیکھا۔
''یہ مائے سپاٹ ہے اور جس جگہ تم بیٹھی ہو وہ میری جگہ ہوتی ہے۔'' چند دن قبل زین کی کہی ہوئی بات ذہن سے ٹکرائی تھی۔ اسے یقین تھا کہ وہ کہیں نہیں بلکہ مائے سپاٹ پر موجود تھا۔ سارہ نے ہمت جمع کر کے اوپر جاتی سیڑھیوں پر قدم رکھا۔ وہ دھیرے دھیرے چلتی ہوئی دروازے کی چوکھٹ تک جا رکی۔ ہچکچاہٹ اسے اندر قدم رکھنے سے روک رہی تھی۔ مقابل کا حزن کیا تھا۔ اس کی شدت و تکلیف اسے بخوبی معلوم تھی۔ وہ اس کا سامنا کرنے سے جھجک

محسوس کر رہی تھی۔ اس نے قدم چھت پر رکھتے ہی دائیں جانب دیکھا جہاں وہ اپنی مخصوص جگہ پر بیٹھا خلا میں دیکھ رہا تھا۔ سارہ کا دل پسیج گیا۔ وہ دھیرے دھیرے اس کی طرف بڑھ رہی تھی۔ بیگ زمین پر رکھ کر وہ دو زانو اس کے پاس بیٹھ گئی۔ اس کی موجودگی کو محسوس کرتا زین جو محو تھا اسے بنا دیکھے ہی نظریں سامنے کر گیا۔

''السلام علیکم۔'' سارہ نے زیر لب کہا۔

''تمہیں منع کیا تھا میں نے کہ مجھے بغیر بتائے یہاں نہیں آؤ گی۔'' وہ متانت خیز انداز میں کہہ رہا تھا۔

''معلوم تھا تم یہیں ہو۔ اس لیے آ گئی۔'' وہ مقابل کے تاثر سے سہم گئی تھی۔

''تمہیں کیسے معلوم ہوا؟'' زین نے پوچھا۔

''اندازہ تھا میرا۔ پھر تم سکون کے لیے یہیں آتے ہو۔'' سارہ نے کہا۔

''فی الحال تنہا رہنا چاہتا ہوں میں۔ تم پلیز چلی جاؤ۔'' اس نے سنجیدگی سے کہا۔ وہ زین کی بے رخی سے الجھ گئی تھی۔ کیا وہ واقعی چلی جائے یا یہ محض ایسے ہی کہہ رہا تھا؟ کسی کو دلاسہ دینا بے حد پیچیدہ مرحلہ تھا۔ پتہ نہیں زین کیسے کر لیتا تھا۔ وہ مخمصے کا شکار ہوئی پھر زین کے ہی نقش قدم پر چلنے کا سوچا۔

''تم جا کیوں نہیں رہیں۔'' وہ وہیں بیٹھی رہی جب زین نے کہا۔ اس کے لہجے کی سختی سارہ کے لیے مشکل پیدا کر رہی تھی۔ پر وہ بھی ڈھیٹ بنی رہی۔

''ڈرا دیتے ہو تم۔'' سارہ کے بے ساختہ کہنے پر زین کی نگاہیں اس سے جا ملیں۔

''تنہائی میں ایسے بیٹھا ہوا شخص کئی راستوں پر نکل سکتا ہے۔'' سارہ نے معنی خیزی سے کہا اور اس کے بجھے بجھے چہرے پر ہلکا سا تبسم نمایاں ہوا۔ تناؤ کچھ کم ہوتا دیکھتی سارہ ریلیکس ہوئی

تھی۔ وہ نگاہیں پھر سے پھیر گیا اور عین سامنے دیکھنے لگا۔ اس کی آنکھوں میں سرخ ڈورے رونے کی عکاسی کر رہے تھے۔ سارہ نے بغور اس شخص کو دیکھا جو زندگی کی رنگینیوں کو ہر سو بکھیرتا تھا پر آج اس کے اپنے رنگ ماند پڑ گئے تھے۔

''تمہارے والد صاحب کا سنا زین......'' وہ تمہید باندھتے ہوئے کہنے لگی۔ پر الفاظ ساتھ کہاں دے رہے تھے۔

''دیکھو۔ مجھے نہیں معلوم ایسے موقع پر کیا کہنا چاہئے۔ لیکن میں تمہارا درد سمجھ سکتی ہوں اور بس یہ ہی کہہ سکتی ہوں کہ صبر سے کام لو، سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' اس نے بوجھل پڑتے دل کے ساتھ مقابل کو دلاسہ دینا چاہا۔ یہ انتہائی مشکل کام تھا۔

''تم میرا درد نہیں سمجھ پاؤ گی سارہ۔'' وہ سارہ کی بات پر کچھ دیر خاموش رہا۔ آنکھیں متورم ہوئیں تو اس نے خود کو سنبھالا اور درد اندر ہی اندر پیتا گیا۔

''تم میرا درد نہیں سمجھ پاؤ گی سارہ۔'' اس کا لہجہ رندھا تھا اور اس کی بات سارہ کے پرانے زخم تازہ کرنے لگی تھی۔

''جس قدر مجھے اپنے ڈیڈ کے چلے جانے پر غم ہے۔ اس کا اندازہ کوئی نہیں لگا سکتا۔ میں انہیں تو کھو چکا ہوں پر اب اپنی ماں کو کھونا نہیں چاہتا۔'' اس کی پرسوز آواز سے سارہ کے اندر لرزش پیدا ہوئی تھی۔

''کیا مطلب کھونا نہیں چاہتے؟'' سارہ نے بمشکل لفظ ادا کیے تھے۔ زین کی باتیں اسے اپنے ماضی کے سفر پر لے جا رہی تھیں۔

''میری والدہ نے بہت مشکل وقت گزارا ہے۔ وہ مکمل طور پر ٹوٹ گئی تھیں لیکن پھر خود کو سنبھالا۔ تب میں بہت چھوٹا تھا پر آج تک یہ باتیں نہیں بھلا سکا۔'' زین کہہ رہا تھا اور وہ بے

اختیاری میں رونے لگی تھی۔ زنگ آلود صندوق کھلنے لگا تھا۔

''میرے والد نے ان کا بہت ساتھ دیا تھا اور کبھی بھی کسی موقع پر اکیلا نہیں چھوڑا۔ پر آج میں ڈر گیا ہوں۔'' زین کی آنکھیں اشک بار ہوئیں پر وہ سارہ کی کیفیت سے مکمل طور پر بے خبر تھا۔ اس کا ایک ایک لفظ سارہ کو ماضی کی طرف کھینچتا چلا جا رہا تھا۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی مقناطیسی کی طاقت سے اس بھیانک رات کی طرف بڑھ رہی تھی۔ ''اگر وہ پھر ہار مان گئیں تو کبھی واپس نہیں آئیں گی......اور میں انہیں ایسے نہیں دیکھ سکتا۔'' اس کی زبان سے نکلا ایک ایک لفظ سارہ کو انجانی طاقت کے اثر میں لے رہا تھا۔ وہ خود کو روک رہی تھی۔ زندگی کے اس ورق کو وہ پھر کبھی پڑھنا نہیں چاہتی تھی۔ پر وہ بے خودی کے عالم میں جاتی جا رہی تھی۔

''کون سمجھے گا میرا غم؟ کوئی نہیں جانتا میں نے کیسا وقت گزارا ہے۔ مجھے سب یاد ہے کیسے وہ خود کو ختم کرنے کی کوشش کرتی تھیں۔ میں یہ سب پھر سے برداشت نہیں کر پاؤں گا۔'' اس نے امڈتے آنسوؤں کو پونچھا۔ پر مقابل بیٹھی سارہ کو اپنے آنسوؤں پر قابو ہی کہاں تھا۔ اس کی آنکھوں سے چھلکتے موتی اس کے دامن پر گر رہے تھے۔ زین اگر خاموش ہو جاتا تو وہ خود کو روک تو پاتی پر اس کے الفاظ نے سارہ کو بالآخر اس رات پر لا کر کھڑا کر دیا تھا جس سے وہ ہر بار بھاگنے کی کوشش میں لگی رہتی تھی۔ آنکھوں کے سامنے منظر بدل گیا تھا۔ تحت لاشعور نے یکسر اسے اپنے شکنجے میں پھنسا دیا تھا۔

''مما! آئیں نا گیند سے کھیلتے ہیں۔'' وہ ہتھیلی سے گیند کو زمین پر مارتی ہوئی روبینہ سے کہہ رہی تھی جو کچن سے چولہے بند کر کے صوفے پر آ بیٹھی تھیں۔

''تم کھیلو بیٹا۔ مجھے تو سمجھ نہیں آ رہا۔ تمہارے بابا اب تک تو آ جاتے ہیں پھر آج اچانک کیا کام پڑ گیا؟'' روبینہ نے تفکر آمیز انداز میں کہا۔

”وہ شاید میرے لیے گفٹ لینے گئے ہوں۔ ویسے بھی میری سالگرہ جو آنے والی ہے۔“ ننھے دماغ میں معصومیت سی بات آئی جو اس نے روبینہ کے گوش گزار کی تھی۔ بدلے میں روبینہ نے اسے پیار سے دیکھا اور دستِ شفقت سر پر رکھا۔

”میں تو پڑوسی کے فون سے آفس بھی کال کر چکی ہوں۔ وہاں سے تو نکل گئے ہیں۔ پھر ابھی تک......“ وہ کہہ رہی تھیں جب گھر کی بیل بجی تھی۔

”لو شکر آ گئے۔۔ سارہ بابا کو بتانا نہیں آج میں نے ان کی من پسند ڈش بنائی ہے۔ یہ ہم دونوں کا سیکرٹ ہے۔“ روبینہ نے مدھر لہجے میں سارہ سے کہا جس نے بدلے میں روبینہ کو تھمز اپ کا اشارہ دیا۔

”بالکل نہیں مما۔ بلکہ انہیں کچھ اور بتائیں گے پھر آپ دستر خوان پر لا کر رکھیں گی ڈش تو وہ خوش ہو جائیں گے۔“ وہ روبینہ کے ساتھ ساتھ آگے بڑھتی ہوئی سرگوشی میں کہہ رہی تھی۔ روبینہ نے اس کی بات کو سراہا اور دروازہ کھولا پر لبوں پر پھیلی مسکراہٹ سمٹ گئی۔

”یہ جہانگیر احمد کا گھر ہے؟“

روبینہ نے سر پر رکھا دوپٹہ مزید قرینے سے لپیٹا۔

”جی۔ بھائی پر آپ کون؟“ سارہ بھی ساتھ کھڑی اس اجنبی کو بغور دیکھ اور سن رہی تھی۔

”آپ کون ہیں ان کی؟“ اجنبی نے پوچھا۔

”بیگم ہوں۔ پر آپ کیوں پوچھ رہے ہیں۔“

”آپ کے گھر پر کب سے فون کر رہے ہیں۔“

”میرا فون تو دو دن سے ڈیڈ ہے آپ مسئلہ بتائیں کیا ہوا؟“ روبینہ کا دل بیٹھا جا رہا تھا۔

”بہن! وہ جہانگیر صاحب جس راستے سے جا رہے تھے وہاں کچھ چوروں نے انہیں

لوٹنے کی کوشش کی تھی۔ پر کھینچا تانی میں چوروں نے اپنی گن سے ان پر فائرنگ کی اور فرار ہو گئے۔" روبینہ کے حلق سے خراش چیخ نکل گئی۔ سارہ بھی سکتے کی کیفیت میں اس شخص کو سن رہی تھی۔

"کیا! کہاں ہیں وہ کس ہسپتال میں ہیں؟" وہ دل تھامتے ہوئے پوچھ رہی تھیں۔

"بہن! آپ حوصلہ رکھیں۔ ان کا شناختی کارڈ والٹ سے ملا تو یہاں تک پہنچ سکے۔"

"مجھے بتاؤ میرا شوہر کہاں ہے؟" وہ کچھ سننا نہیں چاہتی تھیں۔

"ہم انہیں ہسپتال نہیں لے جا پائے۔ وہ موقع واردات پر انتقال کر گئے۔"

"یا اللہ!" وہ دل پر ہاتھ رکھتی ہوئی چیخ پڑیں اور سارہ انہیں دیکھ کر سہم گئی۔ روبینہ غش آنے سے توازن کھوتی چلی گئیں اور اس کے قدموں پر گر گئیں۔ ننھی بچی شاک کے عالم میں ماں کو تکتی رہی۔ اس نے گھبرا کر دو قدم پیچھے کیے پر روبینہ کے ساکت وجود کو دیکھ کر وہ گھبراتی ہوئی پھر آگے بڑھی۔ وہ اجنبی اب ان کے ہمسائے کو خبر دے رہا تھا جو روبینہ کی آہ و بکا سن کر بھاگتے چلے آئے تھے۔

"مما! انکل...... مما کو کیا ہوا ہے؟" سارہ کی فلک شگاف چیخ پر چوکھٹ پر کھڑے تمام نفوس اس طرف آئے تھے۔

"بیٹا! آپ کے گھر میں اور کوئی نہیں ہے؟" اس شخص نے سارہ سے پوچھا جو پھٹی پھٹی آنکھوں سے ماں کو جھنجھوڑ رہی تھی۔

"نہیں انکل۔ میری مما کو اٹھائیں کیا ہوا ہے ان کو۔" وہ دھاڑیں مار کر روئے جا رہی تھی۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔ روبینہ کا چہرا تھامے انہیں اٹھانے کی کوشش کرے۔ ہمسائے سے خواتین بھی بھاگی چلی آئی تھیں۔

''بیٹا! کوئی اور ہے آپ کے خاندان میں جنہیں بلایا جائے؟'' ہمسائے نے پوچھا۔ وہ روتی ہوئی سوچتی رہی پھر اچانک خیال آیا۔

''جی! میرے ماموں پاس میں ہی رہتے ہیں۔ انکل! میری مما کو اٹھائیں میرے بابا کہاں ہیں انہیں بلائیں۔ بابا مما۔''

''بابا...... بابا...... مما! مت جائیں چھوڑ کر۔ کیا کروں گی میں...... بابا۔'' وہ ہذیانی کیفیت میں کہہ رہی تھی اور زین جو اسے یکسو سے سنے جا رہا تھا اس کی بگڑتی حالت سے گھبرا اٹھا تھا۔

''سارہ! ہوش میں آؤ۔'' اس نے سارہ کو آواز دی پر سارہ کے اندر اٹھتی چیخوں کا شور اتنا تھا کہ زین کی آواز اس تک نہیں پہنچ رہی تھی۔

''مما!'' وہ ہچکیوں سے رو رہی تھی۔ ہاتھ ہوا میں بڑھاتے ہوئے وہ روبینہ اور جہانگیر کو پکار رہی تھی۔ اس کا خلا میں اٹھا ہاتھ زین کو بے یقینی سی کیفیت میں لے گیا۔

''بابا! میں کیسے رہوں گی۔ مت جائیں۔ مما! مت جائیں۔ میں کیسے رہوں گی۔ مما۔ بابا! مجھے بھی ساتھ لے جائیں۔'' وہ اطراف سے بیگانہ ہاتھ بڑھا بڑھا کر ان دونوں کو روک رہی تھی اور زین اپنے تمام دکھ بھولے اسے قابو کرنے کی کوشش میں لگا تھا۔

''سارہ! کیا ہوا ہے۔ سارہ! سنبھالو خود کو۔ سارہ!'' اس کے بار بار پکارنے پر منظر ہوا میں تحلیل ہوا۔ خلا میں معلق ہاتھ خالی کا خالی رہا۔ انہیں تھامنے والا تو ماضی کا ایک قصہ تھا جو پھر کبھی نہیں تھام سکتا تھا۔ سارہ نے میکانکی انداز سے خالی ہتھیلیوں کو دیکھا۔

''چلے گئے۔'' ہاتھوں کو تکتی ہوئی اس نے زیر لب کہا۔ زندگی کی کتاب کا یہ ورق اسے پاگل کر دیتا تھا۔ وہ کبھی اس طرف پلٹ کر نہیں گئی تھی پر آج اسے تحت لاشعور نے یہ خطرناک واقعہ یاد کرا ہی دیا تھا۔

”سارہ! پلیز تم ٹھیک ہو؟“ وہ دل میں اس دوشیزہ کی فکر سے تڑپ ہی تو اٹھا تھا۔ زین کے الفاظ اس کے کانوں کو چھوئے تو وہ حال میں واپس پہنچی۔ تحت لاشعور اسے کھلی کتاب کی مانند چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ سارہ نے ناسمجھی سی حالت میں اِدھر اُدھر دیکھا۔ وہ چھت پر تھی۔ زین کو دلاسہ دینے آئی تھی۔ اسے آہستہ آہستہ سب یاد آنے لگا تھا۔ زین کی متفکر سی آنکھیں اس کا طواف کر رہی تھیں۔ اس نے سہم کر زین کو دیکھا۔ پھر بیگ سنبھالتی گھبرائی ہوئی وہاں سے بھاگنے کے لیے اٹھنے لگی تھی کہ زین کہہ اٹھا۔

”سارہ! رکو۔“

اس شخص میں نہ جانے ایسی کیا بات تھی وہ اس کے حکم کی پابند ہونے لگی تھی۔ زین کی آواز پر وہ ساکت ہوگئی۔

”یہ سب کیا تھا؟“ زین نے منتشر ہوتے دماغ سے پوچھا۔

”ک...... کیا کیا تھا؟“ وہ الجھی ہوئی اسے دیکھ رہی تھی۔ چہرا آنسوؤں سے بھیگ گیا تھا۔ تنفس اب بھی بے ترتیب تھا۔ کالی گھٹا اسے اپنے اندر لے چکی تھی۔

”یہ جو تم نے ابھی سب کہا۔“

وہ زین کی بات سے کپکپا اٹھی۔ اسے نہیں معلوم وہ کیا کیا کہہ گئی تھی۔

”تم نے کیا سنا ہے؟“ اس نے بدلے میں زین سے پوچھا۔

”میں نہیں جانتا سارہ۔ پر تم ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں بہت کچھ کہہ گئی ہو۔“ وہ جھلا ہی تو گیا تھا۔ سارہ آج مکمل اس کے سامنے جو کھلی تھی اور وہ اسے شدت تکلیف سے گزرتا دیکھ کر تڑپ گیا تھا۔

”کیا یہ سچ ہے؟ تمہارے والدین؟“

وہ کچھ نہ کہہ کر بھی بہت کچھ کہہ گئی تھی۔ تحت لاشعور میں اسے اندازہ ہی کہاں ہوتا تھا کہ وہ شدتِ جذبات سے لبوں سے لفظ ادا کرلیا کرتی تھی۔ دوبار زین ہی کے بتانے پر وہ حیران ضرور ہوئی تھی پر یہ اس کے اختیار میں نہیں تھا۔ زین کے پوچھنے پر وہ یاسیت سے زمین کو تکنے لگی تھی۔ جس راز کو کبھی کسی دوست پر ظاہر نہ ہونے دیا تھا آج کیسے اس شخص پر طشت از بام ہوا تھا۔ وہ دلاسہ نہیں چاہتی تھی۔ وہ اس متعلق کوئی بات نہیں کرنا چاہتی تھی پر صندوق مقابل پر پورا کھل گیا تھا۔ اس نے آنکھوں میں حزن لیے زین کو دیکھا۔

"تم سے گزارش ہے کہ اسے تم اپنی حد تک رکھنا۔" پُرسوز آواز میں کہتی ہوئی وہ زین سے منت کر رہی تھی۔

"تم میرے دوست تو تھے ہی پر اب ہمراز بھی ہو۔ میرا یہ بھرم کبھی مت توڑنا زین۔ غریب لڑکی کا خطاب تو مجھے مل ہی گیا ہے اب یتیمی کا ٹھپہ ماتھے پر ثبت کیے نہیں گھوم سکتی۔"

زین کی بے یقینی عروج پر تھی۔ اس کے دل میں کئی قسم کے سوالات تھے جو لبوں تک آتے آتے دم توڑ رہے تھے۔ سارہ کی حالت ایسی نہیں تھی کہ وہ اس سے اس کے ماضی کے حوالے سے کوئی سوال کرتا۔ اس کی معلومات میں صرف یہ بات ہی اب تک آئی تھی کہ وہ چھوٹی عمر میں اپنے والدین کھو چکی تھی۔ اور یہ ملال اس کے دل میں اب تک پنپ رہا تھا۔ اسے کبھی صبر نہ آیا تھا۔ ورنہ اب تک تو انسان سنبھل جاتا ہے پر وہ اپنے ماضی سے کبھی نکل ہی نہیں پائی تھی۔

کتنے لمحے خاموشی کی نذر ہوئے تھے۔ وہ یکسو سے زمین کو تکے جا رہی تھی اور زین اپنے تمام غم بھلائے بالکل خاموش ہو گیا تھا۔ وہ اپنے درد کا موازنہ کیا کرتا۔ مقابل تو سب کھو کے بیٹھا ہوا تھا۔

"تم نے کہا کہ تم اپنی ماں کو لے کر فکر مند ہو۔ وہ ٹوٹ گئیں تو تمہاری دنیا اجڑ جائے گی۔ تم

کیسے رہو گے۔'' خاموشی میں سارہ کی ابھرتی آواز ارتعاش پیدا کر گئی تھی۔

''تم جانتے ہو ایک عورت کو کیا چاہیے؟'' وہ کہہ کر کچھ دیر رکی تھی۔ زین لب سلے ہوئے اسے سن رہا تھا۔

''عزت اور محبت۔'' اس نے نگاہیں اٹھا کر زین کو دیکھا۔

''جو عورت ایک بار بکھر کر خود کو سمیٹ لے وہ پھر کبھی نہیں ٹوٹتی زین۔ بلکہ وقت اور حالات کے ساتھ مضبوط ہو جاتی ہے۔ تمہاری والدہ حوصلہ مند خاتون ہیں۔ جنہوں نے خود کو سمیٹا اور پھر تم لوگوں کا خیال رکھا۔ تم ان کی طرف سے بے فکر ہو جاؤ، وقت لگے گا پر وہ ضرور سنبھل جائیں گی۔ تمہیں اپنی طرف سے انہیں محبت اور عزت دینی ہے جو ان کا حق ہے۔ انہیں تو جہ دینی ہے کہ وہ اکیلی نہیں۔ ایک عورت کو صرف یہ چاہیے اور کچھ نہیں۔ ٹیڑھی پسلی سے بنی ہے نا۔ سختی کرو تو ٹوٹ سکتی ہے۔ اسے محبت وشفقت سے سنبھالنے کا حکم ہے۔ اگر بکھر گئی تو پھر کبھی نہ سمٹ سکے گی۔ پھر تمہاری بہن۔'' اسے اچانک زین کی چھوٹی بہن کا خیال آیا۔

''تم اسے کبھی مت چھوڑنا زین۔'' وہ ماضی کی تلخ یادوں کو سموئے زین کو سمجھا رہی تھی۔

''بھائی تو بہن کا باپ کے بعد سربراہ ہے۔ اس کا محافظ۔ تم اسے کبھی بوجھ نہیں سمجھنا۔'' وہ اب کی بار لہجے میں سختی لے آئی۔

''کنزا کا بہت خیال رکھتا ہوں میں۔ تم ایسے کیوں کہہ رہی ہو۔'' وہ کہہ اٹھا۔

''اچھی بات ہے۔ کنزا اچھے نصیب لے کر آئی ہے کہ اسے تم جیسا خیال رکھنے والا بھائی ملا۔ ہر بہن ایسا نصیب نہیں لاتی زین بلکہ بھائی کی سرد مہری اور طعنہ کشی کا نشانہ بن کر ختم ہو جاتی ہے۔''

وہ اسے شکن آلود ماتھے سے دیکھنے لگا تھا۔

”آج بھی عورت بوجھ سمجھی جاتی ہے زین۔ آج بھی بیٹی ہونا جرم بن جاتا ہے۔ یہ جہالت اب بھی ختم نہیں ہوئی۔ اللہ کی رحمت کو نحوست سمجھ کر روز کوسا جاتا ہے۔ جانتے ہو، کند ھ چھری لہجہ والفاظ اصل اوزار سے زیادہ تکلیف دہ ہوتے ہیں۔ جو عورت اس کا سامنا کرتی ہے۔ وہ پل پل جیتی اور مرتی ہے۔“

وہ اسے بغور دیکھ اور سن رہا تھا۔ اس کے الفاظ اس کی آنکھوں میں درد لیے زین کو بہت کچھ بتا رہے تھے۔

”تم اپنے والد کے بعد اس گھر کے سربراہ ہو۔ اپنی ماں اور بہن کے محافظ۔ تم پر دوہری ذمہ داری آن پڑی ہے پر تم گھبرانا نہیں۔ عزت و محبت، مت چھوڑنا زین۔ مت چھوڑنا۔“ آنکھیں پھر متورم ہوئیں تو اس سے رہا نہیں گیا۔ اب کی بار وہ بیگ لے کر وہاں سے بھاگی تو زین نے نہیں روکا۔ وہ شاک کے عالم میں سارہ کے ایک ایک لفظ پر غور کر رہا تھا۔ اس کی درد بھری آنکھوں میں زین کو پہلی بار محسوس ہوا کہ وہ کیوں اس طرح چھپ چھپ کر رویا کرتی تھی۔ وہ کئی سالوں سے اس حقیقت کو دل میں دفنائے بیٹھی تھی جو زین کے سامنے آج بے اختیاری میں عیاں ہو گئی تھی۔ بند کتاب کھل چکی تھی۔ اوراق پر سیاہی سے لکھے الفاظ وہ پڑھ چکا تھا۔

☆......☆......☆

دوسری بیل پر زینت نے دروازہ کھولا تھا۔ سارہ سلام کرتی ہوئی سیدھی کمرے کی طرف جانے لگی تھی۔

”سارہ! کیا ہوا طبیعت ٹھیک ہے؟ منہ ہاتھ دھو کر آجاؤ کھانا کھالو۔“

”نہیں جی نہیں چاہ رہا۔ میں کچھ دیر آرام کرنا چاہتی ہوں۔“ اس نے پلٹ کر دروازہ بند

کر دیا اور زینت وہیں کھڑی کی کھڑی رہیں۔ یاسیت دل میں لیے انہوں نے کمرے کے دروازے کو دیکھا۔ سارہ کی سرخ آنکھیں چھپی کہاں تھیں۔

”تمہارے بھائی صحیح کہتے ہیں روبینہ! میں نے تمہیں گھر لا کر بہت بڑی غلطی کر دی تھی۔ آج میری کوتاہی کی وجہ سے دو جانیں ختم ہو گئیں۔ تم تو مٹی تلے دفن ہو گئیں اور سارہ...... وہ روز جیتی ہے پھر مرتی ہے۔ بہت بڑی غلطی ہو گئی۔“ وہ خود کلامی کرتی ہوئی اپنے کمرے میں سر افگندہ چلی گئیں۔

☆......☆......☆

وہ گھر کی بالکونی میں کھڑی آسمان کو یک ٹک دیکھ رہی تھی۔ چہرے پر ثبت آنسو کے نشان چند لحظہ قبل رونے کی عکاسی کر رہے تھے۔ زین خاموشی سے دبے قدموں کے ساتھ اس کے برابر کھڑا ہو گیا۔ کنزا کی نگاہوں کا تعاقب کرتا وہ بھی آسمان کو دیکھنے لگا تھا۔ ٹمٹماتے تارے موتیوں کی مانند آکاش میں پھیلے ہوئے تھے۔ بادلوں کے ساتھ آنکھ مچولی کھیلتا چاند اپنی روشنی ہر سو پھیلا رہا تھا۔ اس نے اداسی سے سانس اندر کھینچی اور نیچے نگاہیں کیں تو سامنے زین کو دیکھ کر پل بھر کے لیے ٹھٹک گئی۔ زین البتہ ابھی بھی فلک پر نگاہیں کیے کھڑا تھا۔ کنزا شدت جذبات سے رو پڑی اور زین کے سینے پر اپنا سر رکھ دیا۔ بھائی کی خاموشی اسے مزید پریشان کر رہی تھی۔ زین نے فرط جذبات سے اس کے سر پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ وہ جانتا تھا کنزا اور ارم اسے لے کر شدید ٹینشن میں تھی۔

”چلو آؤ۔“ وہ اس کا ہاتھ تھامتا ہوا اندر لے گیا۔ کمرے میں ارم چادر اوڑھے قرآن شریف کی تلاوت کر رہی تھیں جب انہیں زین اور کنزا اندر داخل ہوتے دکھائی دیے۔ ان کے چہرے کا حزن دونوں بچوں سے چھپا نہیں تھا۔ کنزا ارم کے کاندھے پر سر ٹکا گئی جبکہ زین

ان کی گود میں کروٹ سے لیٹ گیا۔ وہ دونوں بچوں کو اپنے پاس لپٹا دیکھ کر یاسیت سے مسکرائیں۔ قران شریف بند کیا اور کنزا کو سائڈ میز پر رکھنے کا اشارہ دیا پھر ایک ہاتھ سے زین کے بال سہلانے لگیں تو دوسرے ہاتھ سے کنزا کے آنسو پونچھنے لگیں۔

''میں جانتی ہوں تم دونوں کس بات کو لے کر پریشان ہو۔'' ارم کی بات سن کر زین کی آنکھوں سے آنسو نکل کر ارم کے دامن پر جا گرا۔

''میں آپ کو کھونا نہیں چاہتا۔'' زین نے آہستہ سے کہا اور اپنی مام کا ہاتھ تھام لیا۔

''مجھے کچھ نہیں ہوگا زین۔ میں اب نہیں ہاروں گی اور جب تک تم دونوں ساتھ ہو، میری ہمت ختم نہیں ہوگی۔'' ارم نے دونوں کے سر پر ہاتھ رکھا۔ یہ سن کر زین اٹھ کر بیٹھ گیا اور اپنی ماں کو دیکھنے لگا۔ ارم نے اس کے آنسو پونچھے اور چہرے کے اشارے سے تسلی دی۔

''تم دونوں میری طاقت ہو۔ اور اب تم دونوں کے لئے میں مزید ہمت دکھاؤں گی۔ تمہارے ڈیڈ اور میرا ساتھ یہیں تک تھا۔ پر جانتے ہو مجھے کیا چیز سوچ کر تسکین ملتی ہے۔ دنیا کی زندگی فانی ہے بچوں۔ سب نے جانا ہے۔ پر جنت کی زندگی ہمیشہ کی ہے۔ میں ہر دعا میں ان کا ساتھ مانگتی ہوں بس اب انتظار ہے۔'' ارم زیر لب مسکرائیں تو زین اور کنزا یہ سن کر فوراً ان کے گلے لگ گئے۔ دونوں کے چہروں پر سے آنسو مسلسل گر رہے تھے اور ارم بھی رو پڑی تھیں۔ ان سب کیفیات میں زین کی آنکھوں کے سامنے صرف سارہ کا چہرا نظر آ رہا تھا۔ اس کا درد واقعی زین تصور بھی نہیں کر سکتا تھا اور وہ آج کا واقعہ کبھی نہیں بھول سکتا تھا یہ وہ جانتا تھا۔

''تم ٹھیک ہی کہتی تھیں سارہ۔ ایک عورت خود کو ایک بار سمیٹ لے تو پھر کبھی نہیں ٹوٹتی۔ خدا جانے تم ہر دن خود کو کتنی بار سمیٹتی ہوگی؟ خدا جانے تمہیں عزت اور محبت دینے والا کوئی ہوگا بھی یا نہیں۔ تمہاری نصیحتیں میرے لیے اصلاح ہیں۔ میں قدم قدم پر اپنی مام اور بہن کا ساتھ

دوں گا۔" وہ سوچتے سوچتے ارم کی گود میں سو گیا اور ارم اس کا سر سہلاتی رہیں۔

☆......☆......☆

سارہ تیز تیز بس سٹاپ کی طرف جا رہی تھی کہ اس کی محلے کی ایک پڑوسن نے اسے آواز لگا دی۔ "سارہ! رکو۔"

سارہ سن کر پیچھے مڑی تو وہ خاتون اس کی طرف آ رہی تھیں۔

"جی آنٹی؟" سارہ نے عجلت میں پوچھا۔

"ارے بیٹا! کہاں بھاگی جا رہی ہو؟" آنٹی نے پوچھا۔

"آنٹی! یونیورسٹی جا رہی ہوں۔" سارہ نے بتایا۔

"اوہ ہاں مجھے مایا بتا رہی تھی۔ ارے بیٹا! اس کو بھی یونیورسٹی جانے کا بھوت سوار ہو گیا ہے، تم ذرا معلوم تو کرو اگر اس کا کوئی چانس بن جائے؟" آنٹی نے لجاجت سے کہا۔

"آنٹی! میں اس حوالے سے کچھ نہیں کر سکوں گی، اس کو ایڈمشن ٹیسٹ دینا ہو گا۔" سارہ نے کہا۔

"ہاں ہاں وہ تو مجھے پتہ ہے۔ ویسے اچھی خاصی فیس ہو گی؟" آنٹی نے تنقیدی انداز میں پوچھا۔

"جی آنٹی لیکن میں اسکالرشپ پر پڑھ رہی ہوں، اس کو کہیں اگر واقعی کرنا چاہتی ہے تو اچھے سے تیاری کرے اور ٹیسٹ دے۔ اچھا آنٹی! مجھے بہت دیر ہو رہی ہے میری بس نہ چھوٹ جائے، میں چلتی ہوں، اللہ حافظ۔" سارہ کہہ کر یہ جا وہ جا، پیچھے منہ چڑاتی وہ خاتون اسے جاتا دیکھتی رہیں۔

"ہاں ہاں۔ بڑی آئی، فاروق صاحب یوں تو ہر جگہ درس دیتے پھرتے ہیں اور اپنی ہی

بھانجی کو لڑکوں کے ساتھ پڑھنے بھیج دیا ہے۔'' خود کلامی کرتی ہوئی وہ سر جھٹکتی آگے بڑھ گئیں۔

☆......☆......☆

''یار! یہ بریانی کی پلیٹ ہے یا مرچوں کی؟ میرا منہ جل گیا ہے۔'' وہ سی سی کرتی ہوئی کہہ رہی تھی۔ دونوں کلاس لے کر آ گئی تھیں اور کیفے میں کھانا کھا رہی تھیں۔

''واقعی۔ میرے تو کانوں میں سے بھی دھواں نکل رہا ہے، میں نہیں کھا پاؤں گی یہ۔'' سارہ نے پلیٹ کو دور کیا اور پانی کی بوتل نکال کر تیز تیز پانی پینے لگ گئی۔

''ہاں یار۔ پیسے بھی ضائع ہو گئے۔'' زنیرہ نے بھی واک آؤٹ کیا۔ مرچوں کی وجہ سے زبان بھی شدید جل رہی تھی جسے پانی پی کر کم کیا تھا۔ دونوں باری باری گھونٹ بھرتی جاتیں اور آئندہ ایسا فیصلہ لینے سے توبہ کرتی جاتیں۔ حالت ابتر تھی۔ سارہ اور زنیرہ ایک دوسرے کو دیکھ کر ہنس پڑیں۔ ٹھیک مزا آ گیا تھا۔ زنیرہ اٹھ کر اپنے اور سارہ کے لیے دو آئس کریم کے کپ لے آئی۔ بریانی نے اندر تک تباہی جو مچا دی تھی۔ ٹھنڈی آئس کریم جوں ہی زبان سے چھوئی تو راحت اندر تک سرایت کر گئی۔ کیفے میں خاصا رش لگا تھا۔ یہاں ایک کمرا ملحقہ تھا خاص ٹیچرز کے لیے۔ لہٰذا کیفے میں طلبا سمیت ٹیچرز بھی نظر آتے تھے۔

''اچھا سارہ! تمہاری اور زین کی کافی اچھی دوستی ہو گئی ہے نا؟'' بات کرنے کے قابل ہوئیں تو زنیرہ نے کسی خیال کے تحت سارہ سے پوچھا۔

''کافی کا تو پتہ نہیں لیکن ہاں دوست ہیں، کیوں؟'' سارہ نے پوچھا۔

''تمہیں نہیں معلوم؟'' زنیرہ نے اچنبھے سے پوچھا۔

''نہیں نا۔ میری بی بی سی نیوز تو تم ہو۔'' سارہ نے اسے چھیڑا۔

''ہاں اور تم ٹھیک میرا فائدہ اٹھاتی ہو۔'' زنیرہ نے ناک چڑھائی۔

”مذاق تھا اچھا بتاؤ نا کیا ہوا۔“ اس نے زنیرہ کا ہاتھ پکڑ کر منایا اور وہ مان بھی گئی۔

”کچھ نہیں یار۔ جتنے منہ اتنی باتیں ہیں۔ تم بس اپنا کان کسی پر دھرنا نہیں۔ دراصل زین سے منسلک جتنی بھی لڑکیاں دوست ہیں ہر کسی کے بارے میں کوئی نہ کوئی رائے قائم ہے۔“ وہ زنیرہ کی بات سے مخمصے کا شکار ہوئی۔

”یار! تم کنفیوزمت ہو۔ مجھے تمہیں صرف الرٹ کرنا تھا کہ اگر تمہیں اپنے حوالے سے کچھ سننے کو ملے تو نظر انداز کرنا۔ بہت کم لوگ ہوتے ہیں جو اپنے ذاتی مفاد کے بغیر کسی کے کام آتے ہیں اور زین ان میں سے ایک ہے۔ تم اپنی دوستی اس سے خراب مت کرنا۔ بہت نصیب کی بات ہوتی ہے جب کوئی سچا دوست بن جائے۔ بلال خود زین کی بہت تعریف کرتا ہے۔“ زنیرہ نے سمجھایا۔ پر وہ پھر بھی الجھن کا شکار تھی۔ شازیہ اور اس کے دوستوں کے درمیان ہوئی گفتگو کا ایک ایک لفظ تو اسے ازبر تھا۔ پر اس میں ایسی کوئی بات نہیں تھی جس سے سارہ کو اب دھیان رکھنا پڑے۔ تو زنیرہ کس بارے میں بات کر رہی تھی۔ وہ سوچ میں پڑ گئی۔

”اتنا مت سوچو۔ میرا مقصد تمہیں الجھانا نہیں بلکہ تمہاری زندگی آسان کرنا ہے۔ بات کی کھال میں نہیں نکالوں گی۔ دیکھو مجھے معلوم ہے کہ تم اور زین ایک دوسرے کی پڑھائی میں مدد کرتے ہو پر سب کو تو نہیں پتہ نا۔ اب ایسے میں تم کوئی اڑتی خبر اپنے حوالے سے سنو تو غصہ مت ہو جانا۔ چھوڑ دینا۔ لوگوں کے منہ ہم نہیں بند کر سکتے۔“ وہ سارہ کو بخوبی جانتی تھی۔ اگر اسے معلوم پڑ جاتا کہ سارہ اور زین کو لے کر کئی لوگوں نے مختلف قسم کی تمسخر کہانیاں بنانا شروع کر دی تھیں تو وہ برداشت نہیں کر پاتی بلکہ بات بحث مباحثوں تک پہنچ جاتی جس سے زنیرہ سارہ کو دور رکھنا چاہتی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ یونیورسٹی میں رہ کر یہ چیزیں جھیلنی پڑتی ہیں۔ اسے صرف نظر انداز ہی کیا جا سکتا ہے۔

''چلو سارہ میں چلتی ہوں، تم نے تو نماز پڑھ لی اب مجھے بھی پڑھنی ہے، ویسے بھی کلاس شروع ہونے میں کم وقت ہے۔ تم زیادہ دماغ مت لگانا، چھوڑ دو لوگوں کو ان کے حال پر، چھٹی میں ملتے ہیں۔'' زنیرہ کہہ کر چلی گئی اور سارہ وہیں بیٹھی سوچتی رہی۔ کبھی کبھی زنیرہ کی باتیں بھی اس کی سمجھ سے باہر ہوتی تھیں۔ تھوڑی دیر بعد اس نے لائبریری جانے کا فیصلہ کرلیا اور وہ اپنی سیٹ سے اٹھنے ہی لگی کہ اس کا موبائل بجا، دیکھا تو ایس، ایم، ایس آیا تھا۔

''سارہ! جلدی سے مائے سپاٹ پر آو، جلدی۔''

سارہ میسج پڑھ کر گھبرا گئی۔ ایک دو دن قبل زین نے بلال کے ذریعے زنیرہ سے سارہ کا نمبر لے کر اسے رابطہ کیا تھا۔ اس طرح دونوں کے نمبر ایک دوسرے کے پاس محفوظ تھے۔ وہ میسج کو پڑھ کر اپنی جگہ سے فوراً اٹھی۔ زین کے والد کے انتقال کو کچھ ہی دن گزرے تھے اور آخری بار جب ان کی بات ہوئی تھی تو زین اپنی امی کے لئے بہت فکرمند تھا۔ اس کے دل میں کئی خدشوں نے جگہ کرلی تھی۔ وہ تیزی سے گھبرائی گھبرائی کیفے سے نکلی اور برق رفتاری سے آئی ٹی بلڈنگ پہنچ کر سیڑھیاں چڑھنے لگیں۔ راستہ کیفے سے آئی ٹی بلڈنگ تک کافی لمبا تھا پھر پانچ مالے بھاگ کر سیڑھیاں چڑھنے سے اس کا سانس پھولنے لگا تھا۔ وہ جوں ہی آخری فلور پر پہنچی تو بھاگتی ہوئی چھت میں داخل ہوئی اور زین کی منتخب کردہ جگہ پر پہنچ کر دوزانو جا بیٹھی۔ اسے اچانک ایسی حالت میں دیکھتے ہوئے وہ جو آرام دہ حالت میں دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا فوراً آگے بڑھا۔

''کیا ہوگیا تم کو؟ تمہارا سانس کیوں پھول رہا ہے؟'' زین نے حیرت سے پوچھا۔

''کیفے سے بھاگتی ہوئی آرہی ہوں، تم نے ایسا میسج کیوں کیا؟ سب ٹھیک ہے نا؟ تم ٹھیک ہو؟ تمہاری امی؟'' وہ تیز تنفس کے ساتھ پوچھ رہی تھی۔

"اللہ کا شکر ہے سب ٹھیک ہے پر بھاگ کر آنے کی کیا ضرورت تھی، میں نے تو ایسے ہی میسج کر دیا تھا، اکیلے بور ہو رہا تھا اس لیے۔" زین کی بات سن کر اس نے جھٹکے سے زین کو دیکھا۔

"کیا مطلب بور ہو رہے تھے؟" سارہ نے ہونق سی شکل سے اسے دیکھا۔

"ہاں نا تب ہی تو بلایا تمہیں۔" اس کا سادہ سا انداز سارہ کو طیش دلا گیا۔

"زین! تم نے اپنا میسج دیکھا ہے! ایسے کوئی کسی کو بلاتا ہے؟" سارہ کو غصہ آ گیا جس پر زین دلکشی سے مسکرایا۔

"تم ڈر گئیں؟" زین نے کہا۔ وہ اب تک شاک اور طیش کے ملے جلے تاثر سے اسے گھور رہی تھی۔

"یعنی تمہیں میری فکر ہے۔" زین نے ذو معنی انداز میں پوچھا پر مقابل سمجھتا تو بات تھی۔

"تو؟ کیا نہیں ہوگی؟ دوست کی فکر نہیں کرنی چاہیے؟" سارہ نے حیرت کدے سے نکل کر کہا۔ سانس بحال ہونے پر وہ چوکڑی مار کر وہیں بیٹھ گئی اور بوتل سے پانی پینے لگی۔ بھاگ دوڑ سے حلق میں کانٹے پڑ گئے تھے۔

"ویسے تم تھیں کہاں؟" وہ سارہ کی بات پر سر کو جنبش دے گیا پھر یاد آنے پر پوچھا۔

"زنیرہ کے ساتھ آگ سے کھیل رہی تھی پھر لائبریری جانے والی تھی کہ تمہارا یہ میسج آ گیا۔" سارہ کی بات پر وہ متعجب ہوا۔

"کیا مطلب آگ سے؟" زین نے پوچھا۔ تو وہ ہنس پڑی۔

"ارے اتنی تیکھی بریانی تھی کیسے کی کیا بتاؤں۔ زبان سے لے کر اندر تک سب جل بھن گیا۔" اس کا انداز بیان زین کو خوب لبھایا۔

"تو نہیں کھانی تھی۔" اس نے سارہ سے کہا۔

”آئندہ کے لیے سبق حاصل کر لیا ہم نے۔ چودہ طبق روشن کر کے آ رہی ہوں۔“ اس نے مسرور کن لہجے میں زین کو بتایا جو اس کی باتوں کو غور سے سن رہا تھا اور دل ہی دل میں خوشی محسوس کر رہا تھا۔

”ویسے تمہاری زنیرہ سے دوستی کافی گہری ہے۔“

”ہاں! کافی گہری ہی ہے۔“ سارہ نے تائید میں گردن ہلائی۔ پھر زنیرہ کی کینٹین میں کی ہوئی باتیں یاد آئیں تو وہ کچھ کچھ پھر الجھ سی گئی۔ کسی خیال کے تحت اس نے زین کی طرف دیکھا۔

”ویسے زین ایک بات پوچھوں۔ تم اور شازیہ کیسے ملے؟“ سارہ نے پوچھا۔

”کیا مطلب کیسے ملے؟ بس ساتھ بیچ میں تھی، اور ایسے ہی بات چیت شروع ہو گئی۔“ زین نے کہا۔

”بس ایسے ہی؟ میں تو کچھ اور ہی سمجھتی تھی۔ اور زنیرہ بھی پتہ نہیں کیا کیا بتاتی ہے۔“ اس نے شکن آلود ماتھے سے کنفیوز ہو کر زین کو دیکھا۔ جو اس کی بات سمجھنے سے قاصر تھا۔

”کیا مطلب؟ تم کیا سمجھی تھیں؟“ زین نے پوچھا۔

”پتہ نہیں۔ پر میں نے ناولوں میں پڑھا تھا کہ اگر کوئی پسند آ جائے تو صرف وہ ہی دکھائی دیتا ہے اور شاید وقت تھم جاتا ہے، آس پاس کوئی نظر نہیں آتا سوائے اس کے۔“ سارہ نے کسی کتاب کا اقتباس اپنے لفظوں میں کہہ سنایا۔

”اور پس منظر میں موسیقی بجنے لگتی ہے؟“ زین نے برجستہ کہا۔

”ہاں...... ہیں؟ ارے نہیں! یہ کہاں سے آ گئی۔ یہ نہیں پڑھا میں نے۔“ اس نے زین کی بات کو رد کیا۔

”مجھے زنیرہ نے بھی یہ ہی سب بتایا تھا، وہ تو اور بھی بہت کچھ کہتی رہتی ہے جو میری سمجھ

سے بالاتر ہے۔'' اس کے رومیو جولیٹ کے قصے کہانیاں سارہ کو سمجھ ہی کہاں آتے تھے۔ وہ تو زین کا تجربہ معلوم کرنا چاہتی تھی کہ آیا اسے یہ سب محسوس ہوا تھا۔

''مجھے لگا تم یہ بھی کہو گی۔ یہ سب کتابی باتیں ہیں مس سارہ احمد! ایسا کچھ نہیں ہوتا، ویسے بھی شازیہ صرف میری دوست ہے جیسے باقی سب ہیں۔'' زین نے صاف گوئی سے کہا۔

''ہم......ہم۔'' اس نے معنی خیزی سے ہنکار بھرا جسے زین نے ناسمجھی سے دیکھا۔

''مجھے بھی معلوم ہے یہ سب کتابی باتیں ہیں، لیکن میں تو یوں ہی فوردا سیک آف انفورمیشن پوچھ رہی تھی۔'' اس نے لاپروائی سے خفیف سے کندھے ہلائے۔

''ویسے مجھے معلوم نہیں تھا کہ تمہارا یہ رُخ بھی دیکھنے کو ملے گا، ہر بار ایک نئی سارہ سامنے آ جاتی ہے۔'' وہ اس کی حرکتوں سے محظوظ ہوتا ہوا گویا ہوا۔

''کیا مطلب؟ میں تو ایک ہی ہوں۔'' سارہ نے اچھنبے سے کہا۔

''جی نہیں مس سارہ احمد، آپ ایک نہیں ہیں، بلکہ آپ میں کئی سارہ ہیں جو پے در پے کھلتی چلی جاتی ہیں۔'' زین کی بات سن کر وہ تمام باتیں بھول گئی۔

''زین! اب یہ کون سا نیا مذاق شروع کر دیا ہے تم نے؟'' سارہ نے کہا۔

''سارہ! میں مذاق نہیں کر رہا ہوں، میں نے ہر بار تمہارا ایک مختلف چہرا دیکھا ہے۔'' وہ سنجیدہ ہوئی تو زین بھی سیریس ہو گیا۔

''مجھے ایسا لگتا ہے کہ تم جب کسی سے پہلی بار ملتی ہو تو اصل سارہ کو اندر چھپا لیتی ہو تا کہ کوئی اسے کچھ نہ کہہ دے۔''

وہ پھر حیرت کدے میں داخل ہوئی تھی۔

''تم تب تک اسے سامنے نہیں لاتیں جب تک تمہیں اس شخص پر پورا بھروسہ نہ ہو

جائے۔'' زین نے کہا۔

''ایسا کچھ نہیں ہے، تمہیں غلط فہمی ہے۔'' سارہ نے تردید میں گردن ہلائی۔ پہلے تو کیفے میں زنیرہ نے اسے الجھا دیا تھا اور اب زین دماغ کو مزید خراب کر رہا تھا۔

''اچھا؟ تو یہ بتاؤ کہ تمہارے دوست کیوں نہیں ہیں؟'' زین نے پوچھا۔

''میرے دوست ہیں، زنیرہ ہے، تم ہو......اور......اور بھی کئی ہیں۔'' سارہ نے جھجک کر بات کو ختم کرنا چاہا پر زین اسے سن کر معنی خیزی سے دیکھنے لگا۔

''جناب عالیہ! میرا نہیں خیال کہ میرے اور زنیرہ کے علاوہ کوئی ہے! اور اس کی وجہ یہ ہی ہے کہ یہ ہماری خوش نصیبی تھی کہ سارہ صاحبہ نے ہمیں یہ شرف دیا اور ہمارا مستقل طور پر ایک سخت سارہ سے سامنا نہ ہوا۔''

زین کی بات سن کر وہ سر نیچے کر گئی۔

''میں سخت نہیں ہوں، پر بننا پڑتا ہے۔'' وہ سرافگندہ سی زیر لب کہنے لگی۔

''جانتا ہوں، تم بہت الگ ہو سارہ۔ تم لوگوں کو موقع نہیں دیتیں کہ وہ تمہیں سمجھیں اور دور بھاگنے کی کوشش کرتی ہو لیکن جو تمہیں سمجھ جاتے ہیں ان کی دل و جان سے قدر کرتی ہو۔ تم خود کو بہت مغرور دکھاتی ہو پر دراصل ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔ یہ ہی اصل سارہ ہے جسے میں جاننے لگا ہوں۔ جس میں نہ ہی اکڑ اور نہ ہی کوئی غرور ہے۔ وہ صرف اچھی دوستی کی محتاج ہے اور اس وقت میرے سامنے بیٹھی ہے۔'' اس نے جھکا سر اٹھا کر زین کو دیکھا جس کے ہر لفظ میں صداقت تھی۔ پر کچھ نہیں کہا۔ خاموشی سے لاشعوری میں دوپٹے کے پلو کو انگلی میں باندھتی اور کھولتی رہی۔ مقابل اسے لاجواب جو کر گیا تھا۔ وہ تو کئی سوچوں میں محو تھی اور زین، وہ صرف اس وقت اس سارہ کے ساتھ وقت گزارنا چاہتا تھا۔

اس رات بھی وہ زین کی باتوں پر محو خیال تھی۔ جب اس کی زندگی میں غموں اور محرومیوں کے بادل ہر سو پھیل گئے تب اس کی عمر صرف گیارہ سال ہی تو تھی۔ یہ تو کھیلنے کودنے کی عمر ہوتی ہے۔ لیکن وقت نے اس کم سنی میں سارہ کو وہ جھٹکا دیا جس سے وہ خوفزدہ ہوگئی۔ اس نے گیارہ سال والی سارہ کو اپنے دل میں بند کر دیا۔ یہ وہ سارہ تھی جو ہر وقت ہنستی مسکراتی رہتی تھی۔ جس کے ان گنت دوست ہوتے تھے۔ جو سب کی جان ہوا کرتی تھی۔ اور دل کی معصوم اور انتہا سے زیادہ پیاری تھی۔ پر وقت اور حالات نے اس سارہ کو فنا دیا۔ جیسے جیسے عمر بڑھتی گئی، زندگی کے تجربوں اور لوگوں کی باتوں نے اسے بدل دیا۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ لوگ اس کے حالات پر ترس کھائیں یا اس سے ہمدردی کریں۔ اسے ان سب سے نفرت تھی۔ زینت اور فاروق کے پاس رہ کر اسے اپنی عمر سے بڑا ہونا پڑا۔ پھر فاروق کا رویہ اسے دن بھر دن اضطرابی خول میں بند کرتا چلا گیا۔ زینت کچھ التفات اس پر ظاہر تو کرتی تھیں پر اس بچی پر اس کا اثر زائل تھا۔ وہ فاروق کی تابعدار تھیں لہٰذا ڈر سے کبھی سارہ کے ساتھ کھیل سکیں نہ اسے سن سکیں۔ یوں وہ بچی چاروں طرف سے تنہا ہوئی اور خود کو بے مول و بے حیثیت سمجھ بیٹھی۔

اسکول یا کالج میں جب جب بہترین نمبروں سے پاس ہوتی تھی تب بھی فاروق یا زینت کی طرف سے اسے تعریف کے دو بول تک سننے کو نہ ملے۔ زینت اسے شاباشی دیتی ضرور تھیں پر یہ پھیکا پن اس بچی پر کیا اثر کرتا ہوگا جس کے ماں باپ اس کی ہر کامیابی پر جشن مناتے تھے۔ اسے اپنی ناقدری کا احساس ہوا شاید اس میں ایسی کوئی بات نہیں تھی اور اس کے ماں باپ خوامخواہ مبالغہ آرائی کر کے اسے آسمان پر چڑھاتے تھے۔ اس خیال نے اسے ہر شے سے بیزار کر دیا۔ وہ بچی جو اپنے والدین کی آنکھوں کی چمک تھی ماند پڑ چکی تھی۔ وقت کے ساتھ ساتھ اس نے خود پر سے توجہ کو بھی ختم کر دیا۔ البتہ جب اس نے دیکھا کہ استاد اس کو

اچھے مارکس پر قابل کہتے اسے سراہتے تو اس کے اندر ایک خوبی اجاگر ہو کر اس کے سامنے آئی۔ اور وہ تھی اس کی ذہانت۔ لہٰذا اس نے اپنی ذہانت کو اہمیت دینا شروع کر دی۔ یہ واحد شے تھی جس پر اسے کلاس میں طلبا اور استادوں سے بے حد تعریف سننے کو ملتی جو تسکین کا باعث بن گئی۔ پر ہر اچھی خوبی کے منفی پہلو بھی ہوتے ہیں۔ اس کی اس صلاحیت سے خوب فائدہ اٹھایا گیا۔ لڑکیوں نے اس سے اسی بنا پر دوستی کا ہاتھ بڑھایا۔ وہ اس کی ذہانت سے فائدہ حاصل کر کے در پردہ اس کے تمسخر اڑایا کرتی تھیں۔ وہ نادان بچی لوگوں کے رویوں سے دل میں یاسیت لیے ایک مرجھائے پھول کی مانند ہو گئی۔ اور اکڑ اور غرور کے بھیس میں خود کو چھپائے وہ قدم بہ قدم سب سے دور ہوتی چلی گئی۔

یہ سلسلہ جاری رہا۔ اسے اپنی زندگی میں اچھے برے لوگ ملتے رہے پر اس کی سخت طبیعت کی وجہ سے کسی نے اس تک پہنچنے یا اسے سمجھنے کی کوشش نہ کی۔ اس بار وقت کی کایا پلٹی کہ اسے زنیرہ کی شکل میں اچھی دوست ملی تھی جس نے سارہ کا بھروسہ وقت کے ساتھ ساتھ مضبوط کیا تھا۔ پھر زین جو اس کی تکلیفوں سے واقف تھا کبھی اس کے حالات و واقعات پر سوال کیا تھا نہ تبصرہ۔ وہ محض اسے ایک اچھی دوست کے روپ میں دیکھتے تھے اور سارہ نے زنیرہ کے ساتھ ساتھ از خود زین پر بھی بھروسہ کرنا شروع کر دیا تھا۔ اس کے دل میں دونوں نفوس کے لیے بے پناہ عزت تھی۔ وہ ان کے سامنے گیارہ سال والی سارہ بن کر آتی تھی۔ جو چہکتی تھی، ہنستی تھی۔ جسے بے فکری محسوس ہوتی تھی۔ کیونکہ اسے یقین تھا کہ اس طرف سے کوئی ٹھیس نہیں پہنچے گی۔

لفظوں کا اثر بہت گہرا ہے۔ ہم انسان بے دریغ کسی کے بارے میں کچھ بھی کہہ جاتے ہیں بنا سوچے کہ اس شخص پر کیا گزرے گی۔ اگر ہمیں یہ معلوم ہو جائے کہ الفاظ کس قدر متاثر کرتے ہیں یہ انسان کو یا تو سالم آسمان تک لے جاتے ہیں یا پورا پورا مٹی تلے دفن کر

نے کی طاقت رکھتے ہیں تو ہر شخص بات کرنے سے پہلے اپنے لفظوں کو ترازو میں تولے پھر بات شروع کرے۔

☆......☆......☆

چوتھے سیمسٹر کے فائنل امتحان شروع ہونے والے تھے۔ سارہ اور زین دونوں نے فارغ سیشن میں کاسٹ اکاؤنٹنگ پڑھنے کا ارادہ کرلیا تھا۔ اگلے دن سارہ لائبریری وقت پر پہنچ گئی تھی پر زین ابھی تک نہیں آیا تھا۔ وہ اوپر مالے پر چلی گئی اور کونے کی میز منتخب کر کے بیٹھ گئی۔ پھر مکمل انہماک سے پڑھائی کرنے لگی جب زین نے برابر میں میز پر زور سے کتاب پٹخی۔ وہ اس افتاد پر تیار کہاں تھی جھٹکے سے پیچھے ہٹی۔

''کیا ہوگیا ہے! آہستہ سے نہیں رکھ سکتے تم؟'' سارہ نے زچ ہوکر اس سے کہا۔

''تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ میں آگیا ہوں اس لیے متوجہ کرایا۔'' وہ بڑی شان سے برابر کرسی کھینچ کر بیٹھا اور سارہ تیوری چڑھائے اسے گھورنے لگی۔

''عزت مآب جناب زین سرفراز سرور صاحب تشریف لائے ہیں۔'' اس نے اعلانیہ انداز میں کہا۔ ''اب اور کیا کروں؟ کہیں تو تعظیم میں کھڑی ہو جاؤں آپ کے؟''

''بالکل نگاہیں نیچے رہیں میرے اگلے حکم تک۔'' وہ شان سے کہتا ہوا سارہ کو چڑا گیا۔ بدلے میں سارہ نے ناک بھوں چڑھا کر واپس توجہ کتاب میں مبذول کرلی۔ زین نے بھی وقت ضائع کیے بنا پڑھائی شروع کردی۔

''اگر ہم دونوں کے پیپرز الگ الگ دن ہوتے تو کافی فائدہ ہوجاتا نہیں؟'' سارہ نے پوچھا۔

''ہم۔ پر افسوس، یہ نہیں ہوسکے گا۔'' زین نے کہا۔ دونوں ہی ایک سوال کو حل کرنے میں مصروف تھے۔

”سارہ! چیلنج کرتا ہوں، یہ سوال پہلے میں حل کر کے دکھاؤں گا۔“ اس نے سمجھ آتے ہی سارہ کو چیلنج کیا۔

”پھر تو زین صاحب آپ ہار ہی جائیں گے۔“ پر سارہ اس سے دو قدم آگے تھی۔ اپنی رفتار بڑھادی اور تیزی سے کیلکولیٹر کی مدد سے سوال حل کرتی ہوئی آخر میں جواب لکھ کر زین کے سامنے اپنا رجسٹر رکھ دیا۔

”نہیں یار! تم نے کر بھی لیا۔“ زین حیران رہ گیا۔ وہ صرف اس سوال کا آخری سٹیپ کرنے سے دور تھا۔

”جی! اگلی بار سوچ سمجھ کر چیلنج کیجیے گا، آپ کو بھاری پڑے گا۔“ سارہ نے اِترا کر فرضی کالر ہلایا اور وہ داد دیے بنا نہ رہ سکا۔

”آفرین۔“

”شکریہ۔“ وہ ادا سے کہہ کر دوسرا سوال حل کرنے لگی تھی۔

”ہیلو زین۔“ وہ دونوں منہمک تھے پڑھائی میں جب ایک لڑکا جو اُن کی میز کے پاس سے گزرنے لگا تھا سارہ کو دیکھ کر وہیں رک گیا اور پہلے زین سے مخاطب ہوا۔ یہ کوئی انوکھی بات نہیں تھی۔ زین کو سب جانتے تھے اور یوں اس طرح چلتے پھرتے اس کی سب سے ہی سلام دعا ہو جاتی تھی۔

”ارے معیز! کیسے ہو؟“ زین نے پوچھا۔

”میں ٹھیک ہوں۔ یار! تم سارہ ہو نا؟“ جب سارہ سے مخاطب ہوا تو اس نے اچٹتی نگاہ اس پر ڈالی اور واپس توجہ کتاب میں مبذول کی۔

”ہمم۔“ فقط ہنکار بھر کے اس کے سوال کا جواب دیا۔

''امم۔ یار! میرا خیال ہے کہ تم میرے گروپ میں ہو۔'' معیز نے موبائل پر لسٹ نکالی اور سارہ کو دکھائی۔

''جانتی ہوں میں۔'' سارہ نے کہا۔

''ہم گروپ ممبرز ابھی ایک میٹنگ کریں گے، سب کام آپس میں بانٹ لیں گے تو تم بھی آ جانا۔'' معیز نے کہا۔ زین بغور سارہ کے چہرے کا جائزہ لے رہا تھا۔ جو یکلخت ہی سنجیدہ ہوئی تھی۔ کیسے ایک ہی پل میں اس کے تاثرات بدلے تھے۔ اگر زین نے اسے نہ کریدا ہوتا اور اس کے اصل روپ سے واقف نہ ہوا ہوتا تو وہ خود بھی اس کے برابر میں بیٹھنے سے گھبرا جاتا۔ جتنا سپاٹ چہرا لیے سارہ معیز سے بات کر رہی تھی، صاف اکڑ چہرے پر نظر آ رہی تھی۔ یہ وہی تاثرات تھے جو زین نے پہلی بار باسکٹ بال کورٹ میں دیکھے تھے۔ لہٰذا وہ اس سے بخوبی واقف تھا۔

''اس میٹنگ سے مجھے کیا ملے گا؟ میرا وقت ہی یقیناً ضائع ہوگا۔ مجھے کسی بھی پارٹ سے مسئلہ نہیں آپ لوگ آپس میں بانٹ لیں جو بچا ہوگا دے دیں، میں ایک دو دن میں ہی کر کے دے دوں گی۔'' سارہ نے ایک کاغذ پر اپنا ای میل آئی ڈی لکھا اور معیز کی طرف بڑھا دیا پھر واپس کتاب کی طرف چہرہ کر لیا۔ معیز وہیں کھڑا کنفیوز سا ہو گیا۔ الجھے الجھے تاثر سے ہاتھ میں کاغذ کو دیکھا پھر سارہ کو۔ زین نے بمشکل لبوں پر آتی مسکراہٹ کو روکا اور معیز کو اشارے سے جانے کو کہا کہ اسی میں اس کی بھلائی تھی۔ وہ جیسے ہی گیا زین ایک دم ہنس پڑا۔

''تم کیوں ہنس رہے ہو۔'' سارہ نے اس کی طرف دیکھا۔

''وہ بے چارہ اب تک سمجھا بھی نہیں ہوگا کہ تم نے بات کی تھی یا بے عزت کیا تھا۔ مجھے ترس آ رہا ہے اس پر۔'' زین نے کہا اور سارہ یہ سن کر مسکرائی۔

''ویسے حد ہے سارہ! بیچارہ ایک میٹنگ کے لئے تو بلا رہا تھا۔ چلی جاتیں۔'' ہنسی کا اثر

زائل ہوا تو اس نے سارہ کو سمجھایا۔
''ہاں! اور اس سے کیا ہوتا؟ آدھا وقت تو باتوں میں گزار دیتے یہ لوگ! پھر تھوڑا وقت جو بچتا اس میں سب اپنے حساب سے کام بانٹ لیتے، آخر میں وہی ہوتا جواب ہوا ہے، جو بچتا مجھے ہی ملتا۔'' سارہ لاپروائی سے کندھے اچکائے۔
''سارہ! ایسا نہیں ہوتا، تم نرمی سے بات کروگی، اپنی رائے سامنے رکھو گی تو سب تمہیں سمجھیں گے، پھر تم اپنے حساب سے کام بھی کرسکوگی۔'' زین نے لہجہ قدرے نرم رکھا۔
''نرمی سے بات؟ موقع دے دوں کہ مذاق اڑ جائے میرا؟ اور یہ سب فائدہ اٹھالیں، ہرگز نہیں۔ تم نہیں جانتے کس کس طرح سے سب لوگ یوں کرتے ہیں۔'' وہ زین کی بات پر یکلخت ہی سنجیدہ ہوئی تھی۔
''سارہ! ایسا نہیں ہوتا یار! کوئی ایسا کیوں کرے گا۔'' زین نے اس کی بات کو رد کیا اور فہمائشی انداز میں کہا۔
''ایسا ہی ہوتا ہے! ہر بار ایسا ہی ہوا ہے۔ یہ لوگ مجھے خاموش دیکھ کر سب کچھ مجھ پر ڈال دیں گے۔ تو پھر ویسے ہی سہی۔ کم از کم میرا وقت تو بچے گا۔'' وہ بات ختم کر کے کتاب میں سوال دیکھتے ہوئے حل کرنے لگی۔ اس کے تاثرات بتا رہے تھے کہ مزید اس موضوع پر اب اسے کوئی گفتگو نہیں کرنی۔ زین نے بیک آف کر دیا۔ وہ اسے دماغی طور پر پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اسے اندازہ تو ہوگیا تھا کہ کوئی نہ کوئی ماضی سے متعلق تلخ بات تھی جو وہ ایسی تھی۔ اسے سمجھنا واقعی آسان نہیں تھا۔ پے در پے نئی سارہ ملتی تھی جسے جانچنا ایک بہت بڑا چیلنج تھا زین کے لیے۔

☆......☆......☆

”مسٹر زین! سر وقاص آپ کو بلا رہے ہیں۔“ وہ اپنے ڈیڈ کے بے حد قریبی دوست کے آفس میں ویٹنگ میں بیٹھا تھا جب سیکرٹری نے اسے آگاہ کیا۔ سر کو جنبش دیتا ہوا وہ کھڑا ہو گیا اور کمرے میں چلا گیا۔

جوں ہی اندر داخل ہوا تو وقاص صاحب اپنی سیٹ سے اٹھے اور اس سے خندہ پیشانی سے ملے۔

”السلام علیکم انکل کیسے ہیں آپ؟“ زین نے تعظیم سے پوچھا۔ وہ زین کو کافی عرصے بعد دیکھ کر بے حد خوش ہوئے تھے۔ اس کا قد کاٹھ اپنے ڈیڈ پر تھا۔ چوڑی جسامت اور دراز قد۔ وقاص صاحب نے اسے کندھوں سے تھاما اور سرفراز کو یاد کرتے ہوئے افسردگی میں کہا۔

”میں بالکل ٹھیک ہوں۔ بیٹا! مجھے معاف کر دینا، جس وقت تمہارے والد کا انتقال ہوا میں ملک سے باہر تھا۔ خبر پتہ چلی تو یقین ہی نہیں آیا۔“ وہ اسے شفقت سے کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کر کے خود برابر کرسی پر بیٹھ گئے۔

”انکل! معافی کی بات نہیں ہے، آپ بس ان کے لئے دعا کریں، یہ ہی کافی ہے۔“ زین نے شائستہ انداز سے کہا۔

”وہ تو ہر وقت دعاؤں میں شامل ہے، تم کچھ لو گے میں تمہارے لئے کافی منگواتا ہوں۔“ انہوں نے انٹر کام پر دو کپ کافی کے آرڈر کیے اور زین کی طرف توجہ مبذول کر لی۔

”ہاں بیٹا! تم نے کہا تھا ضروری کام ہے۔“ وہ مدعے کی بات پر آئے۔

”جی انکل! مجھے آپ کی مدد کی ضرورت ہے۔“ زین نے کہا۔

”ہاں بیٹا! تم نے اپنے ڈیڈ کی انویسٹمنٹس ٹرانسفر کرنے کے حوالے سے کہا تھا۔“ وقاص صاحب نے کہا۔

”جی، تمام کی تمام میں چاہتا ہوں فی الحال میری والدہ کے نام ہو جائیں۔ وہ عارضی طور پر منتظم ہو جائیں گی جب تک میں خود اپنے پیروں پر کھڑا نہیں ہو جاتا۔ لیکن ابھی عدت کی وجہ سے وہ آپ سے مل سکتی ہیں اور نہ ہی آپ ان سے، اس لیے میں آ گیا۔“ زین نے کہا۔

”ہمم...... ٹھیک ہے، ایک کام کرتے ہیں، تم مجھ سے کل ملو میں تمہیں باری باری کر کے سب سے ملوا دوں گا اور ہاں تم سرفراز کے وکیل سے بھی رابطہ کرو، ان کے بغیر یہ کام نہیں ہو پائے گا۔“ وقاص صاحب نے کہا۔

”جی جی میری بات ہو گئی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ یہ کام مام کی عدت کے دوران ہی ہو جائے تاکہ اس کے بعد وہ عملی طور پر سارے انتظام کو سنبھال لیں۔“ زین نے کہا۔

”ضرور بیٹا۔ سرفراز میرے بھائیوں جیسا تھا تم بے فکر ہو جاؤ۔ ویسے تم کہاں رکے ہو؟ میرے گھر چلو۔“ انہیں یاد آیا تو فرطِ جذبات سے کہا۔

”بہت شکریہ انکل، پر معذرت، آپ کیوں تکلیف کر رہے ہیں، میں کچھ دنوں میں واپس چلا جاؤں گا۔“ زین نے کہا۔

”بیٹا! تم چلو کہاں ہوٹل میں ٹھہرے ہو، گھر ہے تو یہاں پر۔“ وقاص صاحب نے اصرار کیا پر زین نہیں مانا۔ وہ دونوں وہاں کافی دیر تک بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ زین اسلام آباد ایک ہفتے کے لئے آیا تھا۔ یونیورسٹی میں سمرز شروع ہو گئے تھے لہٰذا اس کی کوشش تھی کہ کام جتنی جلدی ہو سکے اتنا اچھا ہے۔

☆......☆......☆

”ارے شاہ زیب! کیا حال ہیں، بھائی تُو تو لاہور جا کر بھول ہی گیا ہے ہمیں۔“ دوست کی آواز سن کر وہ کرسی پر آرام دہ ہو کر بیٹھا۔

”خوب چنگا۔ ایک دم مست، یار کو کیسے بھول سکتے ہیں۔ ابے یہاں تو امی نے اتنے کاموں میں مصروف کر دیا ہے کہ کیا بتاؤں۔“ شاہ زیب نے چڑ کر کہا۔

”چل وہ چھوڑ اب یہ بتا کب آ رہا ہے؟ اور یار اپنی ہونے والی بیوی سے کب ملوائے گا؟“ دوست نے معنی خیزی سے کہا جس پر وہ عیاری سے مسکرایا۔

”جلد جگر، اور میری ہونے والی بیگم سے بھی ملوا دوں گا! ابھی ہولے رہ۔“ اس کے لہجے میں مکاری عیاں تھی۔

”ہاں بھائی، ترس گئے ہیں ہم تو۔ سال ہونے کو آ رہا ہے، تُو نے اس کے بارے میں کچھ بتایا بھی نہیں، ہیں؟“ برابر بیٹھے دوست کو آنکھ مار کر کہا۔

”ارے بالکل ویسی ہے جیسی میں چاہتا تھا۔“ شاہ زیب نے کہا۔

”بہت خوبصورت ہے کیا؟“

”خوبصورتی رہنے دے بھائی! وہ تو شیلا اور رخسار میں بھی تھی پر یہ الگ ہے۔ اکڑ بہت ہے اور تجھے تو معلوم ہے مجھے ایسی ہی لڑکیاں پسند ہیں جن میں گھمنڈ ہو۔ ہاہاہا۔“ وہ مکاری سے ہنس پڑا۔

”پھر تو جلد آ بھائی، ہم بھی تو دیکھیں تیری پسند۔“ دوست نے کہا۔

”ہاں ہاں ضرور، کیوں نہیں، چل میں رکھتا ہوں۔“ شاہ زیب نے کہا۔

☆......☆......☆

”یہ تو برسوں سے چلا آ رہا ہے ریت رواج۔ اور ویسے بھی آپ بھی تجربے کار ہیں۔ جانتی ہیں لڑکی والے کیا کیا جہیز میں دیتے ہیں۔ ہم تو پھر بھی مناسب سامان کی بات کر رہے ہیں۔“

”جی جی بھابی! آپ صحیح کہہ رہی ہیں۔“ وہ رضیہ کی بات سے گھبرا گئی تھیں۔

''وہی تو۔ ارے میری بھی بیٹی ہے۔ جب سے پیدا ہوئی ہے جوڑ جوڑ کر رکھ رہی ہوں تاکہ کل کو طعنہ نہ سننا پڑے۔ آپ کی تو پھر بھانجی ہے۔ مجھے دیکھیں اکیلے بغیر شوہر کے دونوں بچوں کو پالا۔ سارہ کے والدین نے کچھ اس کے لیے چھوڑا نہیں کیا؟'' ان کا لہجہ کاٹ دار تھا۔ زینت بات کر کے پچھتا رہی تھیں۔

''جی جی دیا ہے بھابی۔ ایسی بات نہیں ہے۔ دراصل مہنگائی کا دور ہے۔ لڑکی کی شادی کرنا آج کے دور میں معمولی سی تنخواہ سے آسان نہیں تب ہی آپ سے سوچا بات کروں۔'' وہ یاس لیے رہی تھیں۔

''مہنگائی کا تو نہ ہی پوچھیں بھابی۔ ہمیں ہی دیکھ لیں اب کتنا مشکل تھا ہمیں کراچی سے لاہور شفٹ کرنا۔ وہ تو شاہ زیب کا بزنس یہاں اچھا چل رہا تھا تو مجھے یہ قدم اٹھانا پڑا۔ ویسے اکرام بھائی نے آپ لوگوں کی بہت تعریف کی تھی اسی لیے شاہ زیب کا رشتہ میں یہاں لائی۔ ورنہ اسی دوران دو تین بہت پیاری لڑکیاں بھی تھیں جن کا مجھے بروکر نے بتایا تھا۔ پر اکرام بھائی کی بات نہیں ٹال سکتے تھے۔ شاہ زیب کو بھی آپ دیکھ ہی چکی ہیں۔ ماشاءاللہ خوبرو نوجوان نہیں ہے؟ پھر بزنس سیٹ۔ آپ کی لڑکی کے تو نصیب کھلے ہیں۔ اور برامت مانیے گا بھابھی، پر آپ کی مالی حالت دیکھ کر ہی میں نے جہیز میں کٹوتی کی تھی۔'' ان کے جتاتے انداز میں طعنے اور طنز سن کر زینت کی گلٹی ابھر گئی۔

''بھابھی! آپ بے فکر رہیں، انشاءاللہ جو ہوسکا کریں گے۔ آپ کو شرمندگی کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔'' ان کے آواز میں حزن کی آمیزش تھی۔

''یہ ہوئی نا بات۔ وہی تو کہوں میں آپ خوانخواہ پریشان ہو رہی ہیں۔ بہن! یہ سب تو دنیا داری کا حصہ ہے۔ اور پھر وقت بھی تو دیا ہے۔ اچھا بھائی صاحب سے کہیے گا کمرا چھوٹا ہے شاہ

زیب کا۔ بیڈروم سیٹ میں بستر، دو سائڈ میزیں اور الماری کر دیں۔ لو دیکھو یہ بھی کم کر دیا ورنہ آج کل تو لڑکی والے ڈیوائیڈر، پنکھا اے سی سب لگوا کر دیتے ہیں۔" ان کی معنی خیز سی ہنسی میں عیاری زینت کے کہاں پلے پڑنی تھی۔ وہ تو تھیں ہی سدا کی معصوم۔ رضیہ کی باتیں سن کر ڈر گئی تھیں۔ رضیہ سے رابطہ منقطع ہوا تو وہ دروازے کی جانب دیکھتی رہیں جہاں سے کچھ دیر پہلے فاروق باہر گئے تھے۔ ان کے ہی کہنے پر زینت نے رضیہ کو فون کیا تھا کہ اگر جہیز میں کچھ رعایت ہو جائے پر ناامیدی لیے وہ خاموشی سے کمرے میں چلی گئی تھیں۔

☆......☆......☆

اس بار سمرز میں کورسز زنیرہ نے بھی لیے تھے۔ پر سارہ اور اس کا ہر کورس مختلف تھا۔ فری ٹائم ملتا تو دونوں مل کر وقت گزارتی تھیں۔ ورنہ سارہ اکیلی ہوتی تھی۔ آج بھی وہ اپنے فارغ سیشن میں کیفے میں بیٹھی پڑھ رہی تھی۔ طلبا سمرز میں کورسز کم ہی لیتے تھے لہٰذا وہ باآسانی کیفے میں بھی پڑھ لیا کرتی تھی ورنہ عام حالات میں یہاں شور و آواز اس قدر ہوتی تھی کہ فوکس کرنا مشکل ہو جاتا تھا۔ آج بھی کیفے اس وقت تقریباً خالی تھا۔ کچھ طلبا کھانے پینے کی غرض سے موجود تھے۔ کچھ دوستوں میں مگن تھے اور چند سارہ کی طرح پڑھائیں میں توجہ مبذول کیے ہوئے تھے۔ چونکہ دوپہر کا وقت تھا لہٰذا وہ بھی اپنا ٹفن کھولے کھانے کے لقمے لے رہی تھی ساتھ ساتھ مارکٹنگ مینجمنٹ کی کتاب پر القابات بھیج رہی تھی۔

"پتہ نہیں کیوں مارکیٹنگ پڑھاتے ہیں۔"

"ارے بھئی اکاؤنٹس والے کو اکاؤنٹس پڑھاؤ۔ مجھے اگر یہ پورا دن چاروں سیشنز میں اکاؤنٹس پڑھا دیں تو میں شوق سے پڑھ لوں لیکن یہ مارکیٹنگ مینجمنٹ۔ اُف اللہ یہ تو میری سمجھ سے باہر ہے۔"

''آپ سارہ ہیں؟'' وہ خود کلامی کرتی ہوئی کتاب میں منہ دیے ہوئے تھی جب صنف مخالف کی آواز اس تک آئی۔ سارہ نے اپنی کتاب سے سر اٹھا کر دیکھا تو سامنے ارسلان کھڑا تھا۔ اس نے پہلے ارسلان سے کبھی بات نہیں کی تھی پر چونکہ ارسلان زین کے ساتھ تقریباً ہر وقت ہی نظر آتا لہٰذا وہ جانتی تھی۔

''جی۔'' سارہ نے کہا۔

''آپ زین کی دوست ہے نا؟ میں نے اکثر اسے آپ سے بات کرتے ہوئے دیکھا ہے؟'' ارسلان نے پوچھا اور اس کی مقابل سیٹ پر بے مروتی کے ساتھ بیٹھ گیا جو سارہ کو پسند نہ آیا۔

''جی۔'' وہ چہرے پر سپاٹ تاثر لیے اسے دیکھ رہی تھی۔

''مجھے ایک بار زین نے بتایا تھا کہ آپ بھی پڑھائی کی افلاطون ہیں اور قابل بھی۔'' وہ ارسلان کے انداز پر مشتعل ہوئی پر لہجہ اور ٹون قدرے نارمل رکھا۔

''زین نے افلاطون کہا تھا یا یہ آپ کے الفاظ ہیں؟'' سارہ نے پوچھا۔

''یہ تو میرے الفاظ ہیں۔'' ارسلان کے لبوں پر پھیلی مسکراہٹ سارہ کو ذرا اچھی نہ لگی۔ اس نے بھنویں اچکائیں اور واپس کتاب میں دھیان دے دیا۔ غصہ تو زین پر بھی آیا تھا۔ کیا ضرورت تھی اسے اپنے دوست سے اس کے بارے میں تبصرہ کرنے کی۔ اگر وہ سامنے ہوتا تو سارہ سے نہ بچتا۔

''اچھا زین اور ہم کچھ دوستوں نے مل کر ایک مارکیٹنگ سوسائٹی بنائی ہے۔ اسی سلسلے میں میں یہاں پمفلٹ بانٹ رہا ہوں آپ بھی لیں بلکہ میں تو کہوں گا آپ اسے جوائن کر لیں۔'' ارسلان نے کہا۔

''شکریہ لیکن میں انٹرسٹڈ نہیں ہوں۔'' سارہ نے کہا۔

”ارے ارے آپ اس حوالے سے سوچیں، ہمیں آپ جیسے ہی لوگ چاہئیں سوسائٹی میں۔“ ارسلان نے اصرار کیا تو سارہ کا پارہ مزید چڑھا۔ اسے ارسلان کی موجودگی خار دلا رہی تھی۔ اس نے زچ ہو کر اپنا ٹفن بیگ میں ڈالا پھر کتابیں اٹھائیں اور کرسی سے کھڑی ہو گئی۔

”آپ کیوں میرا اور اپنا قیمتی وقت ضائع کر رہے ہیں۔ جب آپ کو کہہ دیا کہ مجھے جوائن نہیں کرنا تو پھر مزید پوچھنے کی کیا ضرورت۔ اتنی دیر میں تو آپ مزید دو تین پمفلٹ اور کو بانٹ دیتے۔ میں اس پیپر کی گیند بنا کر کوڑے دان میں ہی ڈالوں گی۔ اچھا خاصا پڑھ رہی تھی سارا ٹیمپو خراب کر دیا۔“ وہ کہہ کر یہاں سے یہ جا وہ جا اور ارسلان بیٹھا پمفلٹ کو تکتا رہا۔

☆......☆......☆

وہ چند گھنٹے پہلے کراچی پہنچا تھا۔ فریش ہو کر کھانا کھا کر اب کمرے میں بیٹھا اپنا سوٹ کیس کھولے سامان سیٹ کر رہا تھا۔ ویسے ہی ایک ہفتہ وہ یونیورسٹی نہیں گیا تھا اور اب مزید ایک اور دن کی چھٹی نہیں کر سکتا تھا۔ اپنا سامان جگہ پر رکھتا ہوا وہ پلٹا تھا جب بستر پر رکھا فون بج اٹھا۔ ارسلان کال کر رہا تھا۔

”السلام علیکم میرے بھائی! کیا حال ہیں؟ اور کیسا رہا ٹرپ تیرا؟“

”وعلیکم السلام، الحمدللہ، یہ بتا یار! تُو کیسا ہے اور ٹرپ نہیں تھا، ڈیڈ کے کام کے حوالے سے گیا ہوا تھا۔“ زین نے ہشاش بشاش لہجے سے کہا۔

”ہاں ہاں وہی، اور آنٹی کیسی ہیں؟“ ارسلان نے پوچھا۔

”اللہ کا شکر ہے، جب سے آیا ہوں انہیں ہی دیکھ رہا ہوں، بہت بہتر ہو گئی ہیں۔“ زین کے لہجے میں طمانیت کا احساس تھا۔

”چلو ماشاءاللہ، آنٹی کو سلام دینا میرا۔“ ارسلان نے کہا۔

''ضرور اب یہ بتا کام کہاں تک ہوگیا ہے؟'' وہ سوسائٹی کے حوالے سے پوچھنے لگا۔ سوٹ کیس ایک طرف کر کے وہ کمرے سے ملحقہ بالکونی میں چلا گیا۔

''بس یار، آج ہی پمفلٹ تقسیم کیے ہیں سب کو۔ ارے یار! ایک بات تو بتا، یہ سارہ ہی ہے نا جس سے تو اکثر بات کرتا نظر آتا ہے؟'' ارسلان کو خیال آیا تو پوچھا۔

''ہاں سارہ ہی ہے۔ کیوں کیا ہوا؟'' زین نے پوچھا۔

''یار! تُو اس سے کیسے بات کر لیتا ہے؟ مجھے تو چپ کرا کر چلی گئی وہ آج۔'' اس کی بات سن کر زین کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ ظاہر ہے سارہ کو جانتا تھا اور اندازہ بھی تھا کہ اس نے ایسا کیا کیا ہوگا۔

''ہوا کیا، یہ تو بتا؟'' زین ہنسی کو روکتا ہوا پوچھنے لگا۔ وہ ریلنگ سے ٹیک لگائے کھڑا تھا اور اس کے عقب میں پورا چاند آسمان پر ہر سو روشنی بکھیر رہا تھا۔

''ارے یار! میں تو بس سوسائٹی کے پیپرز لے کر گیا تھا اس کے پاس اور وہ ناٹ انٹرسٹڈ کہہ کر چلی گئی۔ پتہ نہیں کس بات کا اتنا غرور ہے، تیری ہمت ہے باس۔'' ارسلان کی بے چارگی پر زین ہنس پڑا۔

''ہاہاہا، وہ ایسی ہی ہے، بچ کے رہنا اس سے۔'' زین زور زور سے ارسلان کی حالت پر ہنس رہا تھا۔ اگر وہ اس واقعے میں سامنے ہوتا تو ارسلان کا چہرا دیکھ کر مزید ہنس پڑتا۔

دونوں کے درمیان کچھ اور باتیں ہوئیں پھر رابطہ منقطع ہوگیا۔ وہ اب تک لبوں پر مسکراہٹ لیے ارسلان کے بتائے واقعے کے بارے میں محو تھا۔ اس نے رخ ریلنگ کی طرف کر لیا اور اندازہ کرنے لگا کہ آیا ارسلان نے ایسا کیا کہا ہوگا جس پر سارہ نے اسے ٹھیک ٹھاک جھڑک دیا ہوگا۔ وہ اس ہفتے اتنا مصروف ہو کر بھی اکثر سارہ کے خیال میں گم ہو جاتا

تھا۔اس کی باتیں،اس کا طرز،اس کا معصومیت سے اترانا۔اس وقت بھی وہ جتنے لمحات سارہ کے ساتھ گزار چکا تھا،باری باری کر کے یاد کر رہا تھا۔چاند کی روشنی اس کے چہرے کو منور کر رہی تھی۔وہ سکون کا سانس لیتا ہوا محوِ خیال کمرے میں چلا گیا۔

فجر کے وقت اس کی آنکھ الارم سے کھلی تھی۔وہ کب بستر پر لیٹا اور سو گیا اسے یاد بھی نہیں تھا۔معمول کی طرح اٹھا اور فریش ہونے چلا گیا۔وضو کے پانی کے قطرے اس کے چہرے سے ٹپک رہے تھے اور بال پانی سے مسح کرنے کی وجہ سے پیچھے کی طرف سیٹ ہو گئے تھے۔اس نے نیت باندھی اور نماز شروع کر دی۔سلام پھیر کر کرسی پر رکھا ٹریک سوٹ پہنا اور دبے قدموں سے ارم کے کمرے میں آیا۔سرفراز کے انتقال کے بعد یہ اس کا معمول بن گیا تھا جو پہلے تو ارم کو چونکا دیتا تھا پر اب وہ اس کی عادی ہو گئی تھیں۔لہٰذا زین جب عقب میں آکر ان کے سر پر بوسہ دے گیا تو وہ جو مصلے پر بیٹھی دعا مانگ رہی تھیں۔زین کی الفت سے مسکرا اٹھی تھیں اور ہاتھ اوپر کر کے اس کے چہرے کو تھپتھپایا۔وہ کان میں اللہ حافظ کہہ کر چلا گیا۔

دور اُفق پر سورج ابھرا اور آہستہ آہستہ اس کی کرنیں ہر سو پھیلنے لگیں۔رات کا تسلط ختم ہوتا چلا گیا اور دھیرے دھیرے ماحول کو روشن کر دیا۔زین جاگنگ کر کے واپس آ گیا تھا۔شاور لے کر پھر اپنے کمرے سے یونیورسٹی کے لئے تیار ہو کر نکلا اور نیچے ڈائننگ روم میں چلا گیا جہاں ارم اس کا ناشتے پر انتظار کر رہی تھیں۔یہ ان کے گھر کا معمول تھا کہ سب ساتھ ناشتہ کرتے تھے۔زین نے ایک نگاہ اس خالی کرسی کی طرف ڈالی جہاں اس کے ڈیڈ بیٹھا کرتے تھے۔وہ اپنی مام کی طرف گیا،دھیرے سے ان کے شانوں پر اپنے دونوں ہاتھ رکھے۔

”اٹھئے،اب اس کرسی پر آپ بیٹھا کریں گی۔“زین نے کہا اور اپنی امی کو اس کرسی پر بٹھا دیا جس پر اس کے ابو بیٹھا کرتے تھے۔جیسے کہہ رہا ہو،آج سے آپ ہیڈ آف دی فیملی ہیں۔

ارم کی آنکھوں میں آنسو آ گئے لیکن ان کے لبوں پر بیٹے کی سعادت مندی پر مسکراہٹ بھی موجود تھی۔

''چلو......ناشتہ شروع کرو۔'' ارم نے فرطِ جذبات سے کہا۔

''اور کنیز کیسی ہو۔'' زین نے کنزا کے کندھے پر ہلکا سا مارا۔ وہ اسے اکثر اس نام سے چھیڑتا تھا۔

''مام!'' کنزا نے چڑ کر کہا

''ہوں......زین!'' ارم نے ہنکار بھر کر زین کو ڈپٹ دیا جس پر زین مسکرایا اور پھر سر جھکا کر ناشتہ کرنے لگا۔

''بھائی! کل ہی تو آئے ہیں ایک دن آرام کر کے پھر چلے جاتے۔'' کنزا نے کہا۔

''نہیں ایک ہفتے کی چھٹی لی تھی میں نے، اور ویسے بھی سوسائٹی کے حوالے سے بھی کئی کام ہیں جو کرنے ہیں۔'' زین نے کہا۔

''ویسے زین! تم نے آگے کے حوالے سے کیا سوچا ہے؟ ایک سمسٹر رہ گیا ہے۔'' ارم نے پوچھا۔

''ہاں دیکھیں، سوچ رہا تھا ایم بی اے کے لئے بیرون ملک جاؤں، میں نے باہر کی یونیورسٹیز کے بارے میں معلومات اکٹھا کرنا شروع کر دی ہے۔ اور جاب بھی وہیں کروں گا پڑھائی کے ساتھ ساتھ تاکہ اچھا تجربہ ہو جائے۔'' زین نے کہا۔

''ٹھیک ہے بیٹا، یہ تو اچھا خیال ہے۔ میں ایک کام کرتی ہوں تمہیں عامر صاحب کا نمبر دے دیتی ہوں، وہ تمہاری اس حوالے سے مدد کر دیں گے۔'' ارم نے کہا۔

''ٹھیک ہے مائے سوئٹ گرل فرینڈ چلیں میں چلتا ہوں اب۔'' زین کرسی سے اٹھا، کنزا

کے گال کھینچے جس سے وہ واپس چڑ گئی اور ارم ہنس پڑیں۔ پھر زین اپنی والدہ کے پاس گیا اور ان کے ہاتھ کی پشت پر اپنے لب رکھ دیئے۔ بدلے میں ارم نے اٹھ کر زین کے ماتھے پر بوسہ دے دیا۔

''ٹھیک ہے بیٹا! اور تمہیں یاد ہے نا کہ میں نے تمہیں ایک کام دیا تھا، کچھ نئے پروجیکٹ کے حوالے سے سوچنے کا، بھولنا نہیں، چلو اللہ حافظ۔'' ارم نے کہا۔

وہ تیز تیز قدم اٹھاتا گاڑی تک گیا، بیٹھا اور چابی اگنیشن میں ڈال کر گاڑی سٹارٹ کی پھر یونیورسٹی کی طرف روانہ ہو گیا۔ یونیورسٹی پہنچتے ہی وہ گاڑی کو پارکنگ میں لے گیا جہاں کا گیٹ سیدھا باسکٹ بال کورٹ میں کھلتا تھا۔ وہ گاڑی سے اتر کر چلتا ہوا اس گیٹ سے یونیورسٹی داخل ہو گیا۔ کچھ قدم پر ہی دائیں طرف سیزنس کا گیٹ تھا جسے وہ کھول کر اندر چلا گیا اور دوسرے گیٹ سے ایکٹیویٹی سینٹر میں داخل ہو گیا۔ یہاں سے سیدھا سیدھا کیفے کا راستہ تھا جس پر وہ چل رہا تھا کیونکہ ارسلان اس کا انتظار کیفے میں ہی کر رہا تھا۔ اس وقت کئی طلبا یہاں موجود تھے کلاس شروع ہونے میں کافی وقت جو تھا۔ وہ اپنی دھن میں چلتا چلا گیا جب بے اختیاری میں نگاہ ایک صوفے پر جا اٹھی تو وہیں ٹھہر گئی۔

''سارہ......'' زین کے لبوں سے بے ساختہ نکلا اور وہ جہاں تھا وہیں کھڑا رہ گیا۔ سارہ زنیرہ سے باتوں میں مصروف تھی۔ زنیرہ کچھ کہہ رہی تھی جس پر وہ ہنسے جا رہی تھیں۔ اس نے آج آدھے بال باندھے تھے جبکہ آدھے کھل کر کچھ آگے اور کچھ پیچھے کو آ گئے تھے۔ اس کے عقب میں کانچ کی دیوار تھی جہاں سے سورج کی کرنیں اس پر گر کر ایک فسوں خیز ماحول زین کے لیے پیش کر رہی تھیں۔ گہرے بھورے رنگ کے بال آفتاب کی روشنی میں چمک رہے تھے۔ چہرا کالی گھٹا کے باوجود بھی کھلا کھلا محسوس ہو رہا تھا۔ شاید زنیرہ کی باتوں نے اس کا موڈ

خوش گوار کر دیا تھا۔ وہ بائیں طرف چہرا کرتی تو زرد شعاعیں اس کے چہرے کو زین کے لیے مزید واضح کرتیں۔ وہ یک ٹک اسے دیکھتا رہا اور اس کی کشش کا اسیر ہوتا رہا۔ کتنے دنوں بعد وہ اسے دیکھ رہا تھا۔ اس مختصر وقفے کے بعد بھی زین کو وہ پھر بدلی بدلی سی لگی تھی۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے صرف اس کے لئے وقت تھم گیا ہو۔ وہاں موجود ہر شخص اس کے لیے غائب ہو گیا تھا۔ رہی تھی تو صرف سارہ جو اس کی نظروں کے فوکس میں تھی۔ اس کا باتیں کرنا، ہنسنا، مسکرانا، اتنی دور سے بھی وہ اسے اپنے قریب محسوس کر سکتا تھا جیسے وہ سامنے ہی بیٹھی ہو اور اس سے مخاطب ہو۔ اس کو صرف سارہ دِکھ رہی تھی صرف سارہ...... اور کوئی بھی نہیں۔

"زین...... زین زین......" فسوں سازی کا اثر زائل ہوا۔ لوگ واپس اپنی اپنی جگہ موجود ہو گئے۔ باتوں کا شور کان میں پھر سنائی دینے لگا۔ اس نے نگاہ ہٹا کر مخاطب کی طرف بے یقینی کے عالم میں دیکھا۔ شازیہ اس کو آوازیں دیئے جا رہی تھی۔

"کیا ہو گیا؟ کہاں غائب ہو کب سے تمہیں آواز دے رہی ہوں۔ چلو ارسلان انتظار کر رہا ہے۔" شازیہ نے کہا۔

"ہاں۔ ہاں چلو۔" اس کیفیت سے نکلنا کیا آسان تھا؟ بالکل نہیں! وہ کنفیوز سا شازیہ کی تقلید میں چلتا چلا گیا۔

"اگر کوئی پسند آ جائے تو صرف وہی دکھائی دیتا ہے، وقت تھم جاتا ہے، آس پاس کوئی نظر نہیں آتا سوائے اس کے، ایسا میں نے ناولوں میں پڑھا تھا۔" دماغ میں بازگشت ہوتی سارہ کی آواز اس کی الجھن کو مزید بڑھا گئی تھی۔

☆......☆......☆

"میں نے آپ لوگوں کے گروپس بنا دیئے ہیں۔ براہِ کرم دیکھ لیجیے گا۔ اگر کسی کو اپنا

گروپ بدلنے ہوں تو معذرت یہ میں نہیں کروں گا۔ آپ لوگوں کو ٹرم رپورٹ اور پریزینٹیشن کے حوالے سے میں سب کل کی کلاس میں بتاؤں گا۔ لہٰذا کل کوئی بھی چھٹی نہ کرے۔"

مارکیٹنگ مینجمنٹ کے سر کلاس کو سمجھا رہے تھے۔ اس کے بعد انہوں نے ایک دو اور چیزیں پڑھائیں اور پھر کلاس ختم ہو گئی۔

"آج موسم خوش گوار ہے، چل سارہ! آج لائبریری کی سیڑھیوں پر بیٹھ کر پڑھتے ہیں۔" سارہ اپنے آپ سے باتیں کرتی ہوئی کلاس سے نکلی اور لائبریری چلی گئی۔ وہی سبجیکٹ جس سے اسے نفرت تھی اور جس کی کلاس وہ لے کر ہی نکلی تھی اس کی کتاب نکال کر پڑھنے لگی۔ بال صبح کے مقابلے اب اس نے مکمل کیچر میں قید کر لیے تھے۔ البتہ کچھ آوارہ لٹیں تھیں جو شرارت کرتی ہوئی اس کے چہرے پر جب آتیں تو وہ انہیں کان کے پیچھے کر دیتی تھی۔

"اس کی سلائڈز بھی مجھے نکلوانی ہوں گی۔ یا اللہ! کتنے خرچے ہیں۔" یونیورسٹی میں پڑھائی کر کے اس کے خرچوں میں اضافہ ہو گیا تھا۔ زیادہ تر پڑھائی کمپیوٹر پر ہوتی جس کی سہولت اس کے پاس تھی نہیں تو اسے مجبوراً نوٹس پرنٹ کروانے پڑتے جو اپنے آپ میں ہی بہت بڑا خرچہ تھا۔

"Inbound Marketing...... ہمم اِن باؤنڈ مارکیٹنگ، یار اب یہ کیا ہوتا ہے۔ کیا بتایا تھا سر نے۔" کتاب کے صفحے پلٹتی گئی لیکن مجال ہو جو اسے یہ لفظ کہیں ملا ہو۔

"کیا ہے یہ اِن باؤنڈ مارکیٹنگ۔" زچ ہو کر اس نے زور سے کہا۔

"مطلب کہ کسٹمرز کو سوشل میڈیا یا کونٹینٹ مارکیٹنگ کے ذریعے بلانا۔" زین کی آواز سن کر سارہ نے اس کی طرف خوش گوار حیرانی سے دیکھا۔ اتنے دن بعد زین کو دیکھ کر وہ مسکرا اٹھی تھی۔ اسے معلوم نہیں تھا کہ وہ کراچی آ گیا ہے۔

”ارے زین؟ تم کب آئے؟ ایک منٹ رکو میں یہ لکھ لوں اس سے پہلے میں بھول جاؤں۔“ سارہ نے کہا اور عجلت میں اپنی نوٹ بک میں لکھنے لگی۔

”السلام علیکم بس مس سارہ احمد کل ہی آیا! کیسی ہیں آپ؟“ زین وہیں دو سیڑھیاں چھوڑ کر نیچے بیٹھ گیا۔ جب تک وہ لکھتی رہی اسے معلوم ہی نہیں تھا کہ دو نگاہیں بڑے احترام و محبت سے اس کا طواف کر رہی تھیں۔

”وعلیکم السلام! میں فٹ فاٹ مسٹر زین سرور۔ اچھا یہ بتاؤ تمہاری مام اب کیسی ہیں اور کنزا؟“ سارہ نے مسکرا کر جواب دیا۔

”دونوں بہترین الحمدللہ اور پڑھائی کیسی جا رہی ہے؟“ زین نے کہا۔

”ایک دم اے ون! بس یہ سبجیکٹ بہت رلا رہا ہے، اچھا تم میری چھوڑو یہ بتاؤ تمہاری امی نے تمہیں یاد تو بہت کیا ہوگا؟“ سارہ نے پوچھا۔

”ہاں! روز فون کر کے حال احوال پوچھتی تھیں۔ پر اللہ کا کرم ہے کہ دن بہ دن بہتر ہو رہی ہیں اور آج کل تو بس کہے جا رہی ہیں کہ کچھ الگ کرنا ہے، اور کیا کر سکتے ہیں، مجھے بھی سوچنے میں لگا دیا ہے۔“ زین نے آگے کہا۔

”اچھا سارہ! میری بات سنو! یار میں نے مارکیٹنگ سوسائٹی شروع کی ہے اور مجھے واقعی ایسے لوگ چاہئیں جو اس کو سنجیدگی سے لے کر چلیں، اور میری التجاء ہے کہ تم آؤ اس میں۔“ زین کو خیال آیا تو اس سے کہنے لگا۔ اب کی بار وہ زچ ہی ہوگئی۔ آج صبح ہی زنیرہ نے اسے سوسائٹی کے بارے میں بتایا تھا اور جوائن کرنے کا کہا تھا۔ بار بار سوسائٹی کا نام سن کر اس نے چڑے ہوئے انداز میں زین کو دیکھا

”جی شکریہ۔ آپ نے مجھے اس کی دعوت دی پر معذرت مجھے اور بھی کافی کام ہیں۔“

سارہ نے تپ کر کہا۔

”یار سارہ! پڑھائی کے ساتھ ساتھ یہ سب بھی اہمیت رکھتا ہے۔ کرو گی نہیں تو تجربہ کیسے آئے گا؟“ زین نے سمجھایا۔

”اور اس تجربے کا میں کیا کروں گی؟“ سارہ نے پوچھا۔

”سارہ! زندگی میں کچھ نیا تو کرو۔ ویسے بھی ہمارا ارادہ ہے کہ اس سوسائٹی کے ذریعے اس سال کے آخر میں ایک پروگرام کریں گے۔“ زین نے کہا۔

”زین جناب! یہ اب آپ کو ہی مبارک ہو، مجھے ذرا جو شوق ہو اور پھر سمجھ بھی نہیں آتا یہ سب۔ میں پڑھ لوں وہ ہی کافی ہے اور ویسے بھی ٹائم کم ہے میرے پاس، میرا بس چلے تو ایک سمسٹر میں چھ کی جگہ سات کورسز اٹھاؤں اور تم مجھے ٹائم ضائع کرنے کا کہہ رہے ہو۔“ سارہ نے کہا۔

”وقت کیوں کم ہے؟ جتنا وقت لگتا ہے اس ہی میں کر لو گی پڑھائی تو۔“ زین نے کہا۔ یہ سن کر سارہ خاموش ہو گئی۔ روز گھر میں رضیہ آنٹی اور شادی کے حوالے سے کچھ نہ کچھ باتیں ہوتی رہتی تھیں جو اسے دن بہ دن پریشان کر رہی تھیں۔

”یہ بات چھوڑ دو۔“ سارہ جھنجھلا گئی۔

”تو تم نہیں کرو گی؟“

یہ سن کر سارہ نے لمبا سانس لیا اور اسے دیکھنے لگی جو خفا بیٹھا تھا۔

”اچھا چلو ابھی تو وقت ہے نا۔ میں سوچوں گی اس بارے میں، ٹھیک ہے۔“ جیسے تیسے کر کے اسے ٹالنا چاہا پھر اسے دوسری باتوں میں مشغول کر دیا۔ دونوں کو خبر نہیں تھی کہ دور کہیں کوئی کھڑا ہوا انہیں دیکھ رہا تھا۔

☆......☆......☆

وسط مدتی امتحان اپنے اختتام کو پہنچے تھے۔ وہ آخری پیپر دے کر گھر پہنچی تو کام کی طویل فہرست اس کا انتظار کیے بیٹھی تھی۔ چھوٹے چھوٹے کام نبٹا کر وہ کچن میں چلی گئی تھی جہاں سے اشتہا انگیز خوشبوؤں سے یہ چھوٹا سا گھر بھر گیا تھا۔ چکن بریانی کا مصالہ زینت بنا رہی تھیں جبکہ وہ آلو اور چکن کے کباب بنا بنا کر پلیٹ میں رکھتی جا رہی تھی۔ رضیہ اپنے گھر والوں کے ساتھ مدعو تھیں۔ وہ کچھ دن کے لئے کراچی آ گئے تھے اور آج شادی کے حوالے سے معاملات طے کرنے آئے تھے۔

شاہ زیب کا تمام کام لاہور میں سیٹ ہو گیا تھا۔ پڑھائی بھی مکمل ہو گئی تھی اب مزید انتظار کرنا فضول تھا۔ ویسے بھی وہ وقتاً فوقتاً فون کر کے دیگر جہیز کے سامان کے حوالے سے بات کرتی رہی تھیں۔ لہٰذا انہیں کسی چیز کی فکر ہی نہیں تھی۔ امید جو پوری تھی کہ سارہ کے ماموں ان کی ڈیمانڈ پر سر تسلیم خم ہی کریں گے۔ وہ چند دن کے لیے کراچی اسی حوالے سے آئی تھیں۔ چونکہ یہاں اب گھر نہیں تھا لہٰذا وہ اپنی نند کے گھر پر ٹھہری ہوئی تھیں۔ فاروق نے معاملات کی نزاکت سمجھ کر انہیں کھانے پر ہی بلا لیا۔ حالانکہ یہ اچانک اچانک کی دعوتوں کے خرچے جیب پر بھاری پڑ رہے تھے پر وہ کسی بھی صورت نہیں چاہتے تھے کہ رشتہ ختم ہو۔ تب ہی ہر ممکن کوشاں تھے کہ کوئی کمی نہ رہ جائے۔

''سارہ! تم کباب بنانے کے بعد سوجی کا حلوہ پکا لینا۔'' زینت نے کہا۔

''جی۔'' اس کی کبیدہ آواز ابھری۔ ظاہر ہے واقف تھی کہ ان لوگوں کے آنے کی وجہ کیا تھی۔ وہ بجھی بجھی سی شکل لیے تمام کام نبٹا رہی تھی۔ البتہ لبوں پر مستقل دعا کا ورد تھا کہ کچھ بھی کر کے یہ شادی ایک سال اور ملتوی ہو جائے۔

''یہ سب کام کر کے تمہارے کچھ اچھے جوڑے رکھے ہیں، ان میں سے کوئی سا بھی پہن

لینا اور پھر اس چشمے پر بحث نہیں ہونی چاہئے سارہ۔ پتہ نہیں تمہارے ماموں کب تمہیں اچھا چشمہ دلا دیں گے۔'' زینت بھی جھلا گئیں۔ جانتی تھی کہ سارہ پر یہ چشمہ بالکل سوٹ نہیں کرتا تھا۔ فاروق نے پیسے بچانے کے چکر میں گھر سے ہی فریم لے کر کانچ لگوا دیے تھے۔ کالے رنگ کا یہ موٹا سا چشمہ اس کی آدھی شکل تو اپنے اندر ہی سمو لیتا تھا۔ پر سارہ نے کبھی اس پر اُف تک نہ کیا۔ ظاہر ہے کبھی خود کو اس نظریے سے دیکھا جو نہیں تھا۔ یہ تمام شوق تو لڑکیوں کو بتدریج ہوتے ہیں اور جوانی کی عمر تک آتے آتے عروج کو پہنچتے ہیں۔ وہ تو گیارہ سال کی عمر سے ہی خود میں ایک جنگ محسوس کر رہی تھی۔ ایسے منتشر دماغ کے ساتھ اس طرح کی معمولی سی باتوں پر کیا توجہ ڈالتی۔ پر یہ معمولی شے بے ضرر نہیں تھی۔ وہ چشمہ اس کی تمسخر کی وجہ بن گیا تھا۔ پر سارہ کو یہ سب پلے کہاں پڑتا تھا۔ فاروق کے الفاظ تھے کہ چشمے کا دھیان رکھنا ہے ورنہ رہے بغیر عینک کے! اب ایسے میں لوگوں کی باتیں سنیں یا اپنے کٹھور دل ماموں کی ڈانٹ۔

وہ خاموشی سے زینت کو سنتی رہی اور سر کو جنبش دیتی ہوئی کمرے میں چلی گئی۔

آٹھ بجے رضیہ اپنے دونوں بچوں اور اپنی نند کے ساتھ آ گئی تھیں۔ یہاں وہاں کی باتیں ہوئیں پھر دسترخوان بچھایا گیا اور سب کھانا کھانے بیٹھ گئے۔ سارہ اور شاہ زیب بھی اسی کمرے میں تھے۔ سارہ نے ایک پل کے لئے بھی شاہ زیب کی طرف نہیں دیکھا تھا لیکن شاہ زیب کی نظر گاہے بگاہے سارہ پر جا رہی تھی۔ سب کھانا کھا کر اٹھے تو میٹھا دیا گیا اور اس کے بعد چائے سرو کی گئی۔

''تو بھائی! صاحب آپ لوگوں نے شادی کے حوالے سے کیا سوچا ہے؟'' رضیہ چائے پیتے ہوئے فاروق سے مخاطب ہوئیں۔

''بس آپ بتائیں آپ جب کہیں گی۔ ویسے ابھی تیاری مکمل نہیں ہوئی ہے سارہ کی،

ابھی بھی کافی کام ہیں۔" فاروق نے جہیز کا سوچتے ہوئے کہا۔

"ہاں ظاہر ہے ابھی تک تو دیکھیں بات طے ہی ہوئی تھی اب سب کام مکمل ہوں گے۔ میں سوچ رہی ہوں اس سال کے آخر میں کرلیں تو؟ کچھ رسمیں ہیں وہ بھی ادا کرنی ہیں۔" رضیہ نے کہا۔

"اس ہی سال؟ پر سارہ کی پڑھائی ابھی کافی باقی ہے اور کیسی رسمیں؟" زینت نے جھجک کر پوچھا۔ اخراجات تھے کہ ختم ہی نہیں ہو رہے تھے۔

"بھابی! ایک ہی تو بیٹا ہے، سب کروں گی میں، اور پڑھائی سارہ شادی کے بعد پوری کرلے۔"

"ہاں پڑھائی میں کیا رکھا ہے۔" فاروق نے کہا۔ ان سب کی باتوں میں سارہ اور شاہ زیب موجود نہیں تھے۔ وہ دونوں وہیں بالکونی میں کھڑے بات کر رہے تھے۔ رضیہ نے فاروق سے دونوں کو اکیلے بات کرنے کی اجازت مانگی تھی جس پر فاروق راضی ہو گئے۔ غیر متوقع طور پر آج سارہ شاہ زیب سے اکیلے بات کرنا چاہتی بھی تھی۔ اسے رہ رہ کر شادی کا خیال ستا رہا تھا۔ آدھی پڑھائی مکمل کر کے وہ باقی یوں ہی نہیں چھوڑنا چاہتی تھی۔ لہٰذا آج اس کے تاثر سپاٹ ہونے کے بجائے تناؤ کا شکار تھے۔ زرد رنگ کے جوڑے میں وہ خاصی پر کشش لگ رہی تھی۔ بال اس نے آدھے کیچر میں قید کیے تھے البتہ باقی آدھے بھی کمر پر پھیلے ہوئے تھے۔ لیکن چونکہ سر پر دوپٹہ تھا لہٰذا ان کی خوبصورتی کو حجاب لگ گیا تھا۔ وہ ڈھیلے ملبوسات ہی زیبِ تن کرتی تھی۔ آستینیں فل ہوتیں اور دوپٹہ ہمیشہ قرینے سے لیا کرتی تھی۔ صوبر سا انداز تھا جو اس کی سادگی بیان کرتا تھا۔

"مس تو نہیں کیا مجھے؟" اس نے آنکھوں میں شرارت لیے سارہ سے کہا جس میں عیاری

کی آمیزش تھی۔اس نے کچھ نہ کہا۔اس سوال کا کیا جواب دیتی۔

''میرے دوستوں کو بڑا شوق ہے تم سے ملنے کا۔کچھ دن پہلے ہی فون کر رہے تھے کہ ہونے والی بھابھی سے ملواؤ۔''

اس نے پھر کچھ نہیں کہا۔دل ٹینشن سے تیز دھڑک رہا تھا۔شاہ زیب کی باتیں اس کے کانوں تک چھو کر گزر رہی تھیں۔

''کچھ بولو گی نہیں؟''شاہ زیب کو اس کی چپ بری لگی۔

''اگر میں آپ سے کچھ مانگوں تو دیں گے؟''اس نے لرزتے لب کے ساتھ ہمت کر کے کہا تھا۔

''لو جی ابھی تو شادی نہیں ہوئی اور فرمائش شروع۔ہاہاہا ویسے کیا چاہیے؟''شاہ زیب نے جانچتی نظروں سے اسے گھورا۔

''ہم دونوں کی ایک سال سے بات طے ہے،اور یہ ایک سال آپ نے اپنے لئے لیا تھا تا کہ آپ اپنے سارے کام مکمل کر لیں۔لیکن......اب میں آپ سے ایک سال اور مانگنا چاہتی ہوں۔''اس کا ڈر اس کے چہرے پر عیاں تھا۔شاہ زیب پر بھروسہ کرنے جیسا نہیں تھا۔کیا پتہ وہ فاروق کو سب بتا دے پر پھر بھی سارہ نے کوشش کر کے اپنا کام نکلوانا چاہا۔

''کیوں؟''شاہ زیب کو تعجب ہوا۔

''دیکھیں،مجھے اس شادی سے کوئی شکایت نہیں۔پھر آپ لوگ جو ڈیمانڈ کر رہے ہیں وہ سب پوری بھی ہو رہی ہیں۔پر میری خواہش تھی کہ میں پڑھائی مکمل کر لوں۔اپنے لیے کچھ کر جاؤں۔شادی کے بعد ذمہ داریوں میں پھر کہاں نصیب ہو گا۔''سارہ نے لجاجت سے کہا۔

''تمہیں معلوم ہے نا کہ یہ سب بیکار ہے۔کرنا تم نے گھر کے کام ہی ہیں پھر پڑھائی

لکھائی سے کیا کرو گی۔ یہ بھی بہت ہے جو پڑھ لیا۔" اس نے تنقیدی انداز میں کہا۔

"جانتی ہوں۔ اس کی کوئی اہمیت نہیں پر ایک سال کی ہی تو بات ہے۔ میرے اختیار میں ہوتا تو میں ہی ملتوی کر دیتی پر یہ کام آپ کو کرنا ہے۔" سارہ نے امید سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

"ٹھیک ہے ہو جائے گا پر میری ایک شرط ہے۔" کچھ توقف کے بعد وہ چہرے پر خباثت لیے کہنے لگا۔ بڑی چالاکی سے اس نے مونچھوں کو تاؤ دیا اور سارہ کو دیکھا۔

"کیسی شرط؟" سارہ کا دل بیٹھا۔

"وہ تمہیں شادی کے بعد بتاؤں گا۔ پر تمہیں وعدہ کرنا ہو گا کہ جب کہوں کرو گی۔" وہ اس کی مکاری سے بے خبر سر کو جنبش دے گئی۔

"مجھے منظور ہے۔ آپ جو کہیں گے۔" کبھی کبھی انسان کی خواہشات اس کی آنکھوں پر پٹی بن کر اسے گہرے گڑھے میں گرا دیتی ہیں۔ اس نے باتوں باتوں میں کئی سراغ شاہ زیب کو دے دیئے تھے پھر ایسی شرط مان بیٹھی تھی جس کے بارے میں اسے کوئی خبر ہی کہاں تھی۔

وہ لوگ چلے گئے تو سارہ نے گھر صاف کیا۔ کچن سمیٹا اور پھر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ تھکاوٹ اتنی تھی کہ کوئی کتاب نہ کھول سکی۔ پھر دماغ میں مستقل اپنی اور شاہ زیب کے درمیان ہونے والی گفتگو چل رہی تھی۔ اسے شدید قلق تھا کہ اگر شادی ملتوی نہ ہوئی تو وہ اپنی نظر میں ہی بے مول ہو جائے گی۔ اس کی کوئی ویلیو ہی کہاں رہے گی۔ یہ سوچ کر وہ کب محو استراحت ہوئی اسے پتہ نہ چلا۔

اگلے دن صبح سارہ یونیورسٹی کے لئے تیار ہو گئی تھی اور ناشتہ بنا کر لونگ روم میں آ گئی۔ پر اسے آج زینت دکھائی نہ دیں۔ ورنہ اس وقت تو وہ بھی مستعدی سے فاروق کی آفس کی تیاریوں میں مصروف ہوتی تھیں۔ دس منٹ گزرے ہوں گے جب زینت کمرے سے نکلیں

اور دیوار کے سہارے سے چلتی ہوئی آئیں۔ سارہ انہیں یوں دیکھ کر فکر مند ہوئی۔ وہ فوراً اٹھی اور زینت کے پاس جا کر ان کا ہاتھ تھام کر سہارا دیا۔

''مامی! کیا ہوا آپ کو؟'' سارہ نے تفکر آمیز انداز میں پوچھا۔

''مجھے لگتا ہے بخار ہے، چکر بھی کافی آرہے ہیں۔'' زینت نے کہا۔

''لگ بھی رہا ہے مامی۔'' ان کے بخار کی حدت سارہ کو ہاتھ پر محسوس ہوئی تھی۔ اسے افسوس نے آن گھیرا۔ بے چاری اس کی مامی اس کی وجہ سے کتنا خوار ہو رہی تھیں۔ کل سارا دن کام کر کے بے حد تھک گئی تھیں کہ بیمار ہی ہو گئیں۔ اس نے احتیاط سے زینت کو کرسی پر بٹھا دیا اور پانی کا گلاس لے آئی۔

''مامی! آپ آرام کریں۔ میں آج نہیں جا رہی یونیورسٹی۔'' سارہ نے نرمی سے کہا۔ بدلے میں انہوں نے کچھ نہیں کہا بس بے بسی سے سر ہلا دیا۔ اور سارہ انہیں واپس ان کے کمرے میں لے گئی۔ وہ پورا دن گھر کے کام کرتی رہی اور اپنی مامی کا خیال بھی رکھتی رہی۔ انہیں کھانا لا کے دینا، دوائی دینا، پانی دینا، وہ ان کو بستر سے اترنے ہی نہیں دے رہی تھی۔ اگلے دن بھی ان کی طبیعت بحال نہ ہوئی۔ لہٰذا سارہ نے اس دن بھی چھٹی کر لی۔ اس کا پورا دن کام کرتے گزرا تھا۔ پھر زینت کی تیمارداری میں بھی جت گئی تھی۔ وہ خیال رکھنے سے کبھی پیچھے نہیں ہٹی تھی۔ اگر بیمار ہونے والے فاروق بھی ہوتے تب بھی سارہ ایسے ہی جی جان لگا کر ان کا خیال رکھتی۔

رات میں جب اس کے ماموں کھانا کھا کر نیچے چلے گئے تھے تو وہ زینت کے پاس ان کی دوائی لے آئی۔

''اب کیسی طبیعت ہے آپ کی؟'' سارہ نے ٹیبلٹ زینت کو دی ساتھ پانی کا گلاس تھمایا۔

”ہاں! اللہ کا شکر ہے اب کافی بہتر محسوس کر رہی ہوں۔ تم کل چھٹی نہیں کرنا اور چلی جانا۔“ وہ شرمندہ تھیں کہ اپنی طبیعت کی وجہ سے سارہ کا بہت حرج ہو گیا تھا۔

”جی، آپ کل بھی کام مت کیجیے گا، میں آ کر سب کر دوں گی۔“ سارہ کہہ کر اٹھی اور جانے کے لیے آگے بڑھی تھی کہ زینت نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

”سارہ!“

سارہ نے پلٹ کر دیکھا۔

”ابھی تھوڑی دیر پہلے رضیہ کا فون آیا تھا، شاہ زیب کو کچھ دکان کا کام آ گیا ہے، وہ اتنی جلدی شادی نہیں کرنا چاہتا، فاروق گئے ہیں بات کرنے، تمہیں اس لیے بتا رہی ہوں کہ شادی کچھ اور مہینے آگے بڑھ گئی ہے۔“ زینت نے کہا۔ یہ سن کر پہلی بار اسے شاہ زیب کے بارے میں اچھا خیال آیا اور دل میں سکون محسوس کیا۔ تھوڑی بہت عزت سارہ کے دل میں شاہ زیب نے کر دی تھی پر وہ نادان لڑکی نہیں جانتی تھی کہ اپنی سب سے بڑی کمزوری وہ اس عیار انسان کے ہاتھ میں سونپ گئی تھی۔

”یعنی آپ چاہتی ہیں آپ کے ماموں کو اس بات کا علم نہ ہو کہ آپ نے کہا ہے؟“ شاہ زیب نے پوچھا۔

”جی۔“

”ٹھیک ہے، میں دیکھتا ہوں کہ کیا ہو سکتا ہے۔“

☆......☆......☆

”یار! مجھے ٹینشن ہو رہی ہے، تمہیں واقعی یہ سلائیڈز صحیح لگ رہی ہیں؟“ وہ سراسیمہ سی تیزی سے سلائیڈز کو اوپر نیچے کر رہی تھی۔

”سارہ! کتنی بار بولوں بالکل صحیح ہیں، اتنی ٹینشن مت لو، تمہارے گروپ کے دوسرے لوگوں نے کیا بنایا ہے؟“ برابر بیٹھا زین اسے باور کروا رہا تھا۔

”مجھے نہیں معلوم، مجھے ان کے کام سے کیا لینا دینا؟ ویسے بھی الگ الگ مارکنگ ہوگی۔“ سارہ نے تپ کر کہا۔

”ہم۔ ویسے یہ بات صحیح نہیں۔“ زین نے اس پر تنقیدی نگاہ ڈالی۔

”کیوں نہیں؟ مجھے ان کا کیا کرنا ہے۔ ایک تو ڈھنگ سے اردو نہیں بول سکتے۔ یوں لگتا ہے انگریزی کی بالٹی میں الفاظ ڈبو ڈبو کر اردو جیسی تمیزدار زبان کا بیڑا غرق کر کے منہ پر مارتے ہیں۔ اور خود کو پھنے خان سمجھتے ہیں۔ ویسے ماننا پڑے گا یہاں کی عوام کی ذہنیت کو۔ تالیاں بجاؤ۔“

”ہاہاہا۔ ٹپیکل سارہ! ویسے یہ بتاؤ اگر میں ایسا ہوتا تو کیا کرتیں؟“ وہ سارہ کے طرزِ انداز پر ہنس پڑا۔

”تمہاری سوچ ہے زین، پھر تم یہاں نہیں بیٹھے ہوتے۔“ سارہ نے تنک کر کہا۔

”اوہ محترمہ آپ بھول رہی ہیں یہاں آپ نے مجھے بلایا ہے اپنی سلائڈز دکھانے کے لیے میں خود نہیں آیا۔“ زین نے یاد دلایا تو وہ گھبرائی۔

”ہاں تو...... تو کیا ہوا؟ اچھا ابھی تم یہ سب باتیں چھوڑو اور سلائڈز دیکھو پلیز؟“ سارہ نے ملتجیانہ انداز میں کہا تو وہ اسے معنی خیزی سے دیکھنے لگا۔

”سارہ! میں تیسری چوتھی بار دیکھ چکا ہوں، اب میں تھک گیا ہوں۔ مائے سپاٹ پر چلیں؟“ زین نے پوچھا۔

”تمہیں واقعی لگتا ہے سر پورے مارکس دیں گے مجھے، میں کسی حال میں مارکس کھونا نہیں

چاہتی۔" وہ زین کی بات کا جواب دیئے بنا اپنی بات کہہ رہی تھی۔
"سارہ! میں جا رہا ہوں تمہیں آنا ہو تو آ جانا۔ بائے۔" اب کی بار زین زچ ہوا اور چلا گیا۔
"ارے ایک منٹ۔" سارہ نے جلدی جلدی سب یو ایس بی میں سیو کیا اور پھر بھاگتی ہوئی زین کے ہم قدم ہوگئی۔ زین اسے دیکھ کر مسکرایا۔ یقین تھا کہ وہ ضرور پیچھے پیچھے آئے گی۔
"اتنی جلدی کیا ہے، آ رہی تھی نا میں۔" سارہ نے غصے سے کہا۔
"چلو۔" زین کہتا آگے بڑھ گیا۔
وہ دونوں زین کے مائے سپاٹ پر چلے گئے تھے اور وہیں دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ چونکہ موسم گرما اپنے جوبن پر تھا لہٰذا سورج کی حدت تو اس وقت بھی تھی پر چونکہ یہ لوگ پانچویں فلور پر تھے اس لیے ہوا کا زور زیادہ تھا۔ جو گرمی کی شدت کو کم کر رہا تھا۔
"آگے کے حوالے سے کیا سوچا ہے تم نے؟ کچھ تو پلان کیا ہوگا؟" کچھ سوچ کر زین نے پوچھا۔
"میری زندگی میرے پلان کے مطابق نہیں چلتے مسٹر زین۔ فی الحال تو پڑھائی پوری کر لوں۔" سارہ نے کہا۔ وہ کل رات زینت کے ساتھ ہونے والی بات سوچنے لگی تھی ساتھ ہی شاہ زیب کا خیال بھی آیا۔
"کہاں کھو گئیں؟" زین نے اس کے چہرے کے سامنے چٹکی بجا کر اپنی جانب متوجہ کیا۔
"کہیں نہیں۔ تمہارا کیا ارادہ ہے؟" سارہ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔
"ہمم۔ سوچا تو بہت کچھ ہے پر سمجھ نہیں آتا سب کروں گا کیسے۔" زین نے الجھ کر کہا۔
"کیا مطلب؟" سارہ نے پوچھا۔
"مجھے خود نہیں معلوم۔" اس نے خفیف سے شانوں کو جنبش دی۔ وہ دونوں ایک دوسرے

کو دیکھ رہے تھے۔ یہاں سارہ اس کے دل میں گھر کر کے بیٹھی تھی اور زین یہ سب کہنے کے لیے فی الحال تیار نہیں تھا۔ وہ خود اپنے جذبات سے اس وقت پوری طرح واقف نہیں تھا۔ پر یہ جانتا تھا کہ سارہ کی موجودگی اس کے لیے ہر بار سحر انگیز ہوتی۔

برابر بیٹھی سارہ کے خیالات کچھ اور ہی لے پر تھے۔ وہ سوچنے لگی تھی کہ زین کو اپنے منگیتر کے حوالے سے بتا دے پر پھر ارادہ ترک کر دیا۔ کچھ دیر دونوں خاموش رہے پھر اپنے ہی خیالات سے واپس آگئے اور عین سامنے دیکھنے لگے۔

''تمہاری امی کو کوئی پراجیکٹ ملا؟'' کئی لمحات خاموشی کی نذر ہوئے جب سارہ نے زین سے پوچھا جو نفی میں سر ہلا گیا۔

''میں کچھ بتاؤں؟ پر پتہ نہیں تمہیں سمجھ آئے۔'' سارہ نے جھجک کر کہا۔

''ایسی کیا بات ہے، بتاؤ۔'' زین نے کہا۔

''تم اپنی امی سے یہ کیوں نہیں کہتے کہ وہ کوئی ایسا کام کریں جس سے نچلے طبقے کے لوگوں کی پریشانیاں بھی دور ہوں۔ ڈپریشن جیسی بیماری صرف اپر یا مڈل کلاس تک تو محدود نہیں۔ غریبی سرفہرست ہے جو انسان کو لے ڈوبتی ہے زین۔ جب مفلس انسان پلیٹ کو خالی اور بچوں کو تڑپتا دیکھتا ہے تو وہ کوئی ایک راہ چنتا ہے۔ یا تو بچوں کو مار کر خود بھی خودکشی کر لیتا ہے یا گناہ کی طرف مائل ہوتا ہے جس سے بچوں کا پیٹ بھر سکے۔ کئی تنہا ہو کر غلط سرگرمیوں میں ملوث ہو جاتے ہیں اور یوں یہ نچلا طبقہ معاشرے پر برا اثر کرنے لگتا ہے۔ کیونکہ کوئی بھی ان کی طرف دھیان ہی نہیں دیتا۔ ان کو اس حد تک توجہ ہی نہیں ملتی۔ تمہاری مام کا اثر و رسوخ بہت ہوگا۔ وہ چاہیں تو اپنی ٹیم میں ایسے لوگوں کو شامل کریں جو غریب لوگوں کے لیے مدد کا باعث بنیں۔ اور یہ کام فنڈ ریزنگ کے ذریعے ہو سکتا ہے۔ ایک ایسی ٹیم بنائیں جو ان مجبور کے گھروں پر جا کر

ان کا دکھ سنیں۔ ان کے لیے نوکری کی راہ ہموار کریں۔ اور انہیں بہتر زندگی بنانے کی صلاحیت سے آگاہ کریں۔ تمہیں اندازہ ہے کہ غریب طبقہ قرآن اور دینی تعلیم سے بھی دور ہے۔ ہر شخص کو وسائل حاصل نہیں جتنا کہ باقی طبقوں کو ہیں۔ اگر ایسی بنیاد کھڑی کریں جو دینی علوم کے ساتھ دنیاوی قواعد ان کو سکھا دیں تو کئی لوگوں کو فائدہ پہنچے گا۔ یہ تو تم بھی جانتے ہو کہ غریب طبقے امیر سے کئی فیصد زیادہ ہیں پر امیر کے پاس جو مال ہے وہ اس حد تک موجود ہے جس سے غریب بھی مستفید ہو۔ اللہ نے زکوٰۃ کا حکم اسی لیے تو دیا ہے کہ توازن سوسائٹی میں قائم رہے۔ اگرچہ یہ آئیڈیا مشکل ہے پر ناممکن نہیں۔ فنڈ ریزنگ اس میں کرامت ثابت ہوگی باقی تم بہتر سمجھتے ہو۔" وہ کہہ کر زین کے تاثر کا جائزہ لینے لگی تھی جو ہمہ تن گوش تھا۔

"فنڈ ریزنگ۔ ہمم، برا آئیڈیا نہیں ہے سارہ، کام کیا جا سکتا ہے اس پر۔" زین سن کر خوش ہو گیا۔

"تمہیں اچھا لگا؟" سارہ نے مسرور کن لہجے میں کہا۔

"ہاں، لیکن یہ کافی بڑا پراجیکٹ ہوگا۔" زین نے اندازہ لگایا۔

"ہاں، اس میں وقت لگ جائے گا۔ پر میں نے تمہیں وہ ہی بتایا جو میں اپنے اطراف دیکھتی ہوں۔ تب ہی تو ٹیم بناتے وقت ایک ہی سوچ کے حامل لوگوں کو نہیں رکھنا چاہیے۔ مختلف آراء مل کر ایک اچھا پلان بنتا ہے۔ میں نے اس کا نام بھی سوچا ہے۔" وہ پرجوش سی زین کو بتا رہی تھی۔

"اچھا کیا؟"

"ہوپ...... امید۔" وہ اس کے آئیڈیا اور سوچ سے بے حد متاثر ہوا تھا۔

"پوری تیاری کر کے آئی ہو تم۔" زین نے کہا۔

''ہاہاہا۔ایسی بات نہیں ہے۔تم نے اس دن اپنی الجھن بتائی تو بیٹھے بیٹھے ایک خیال آگیا۔'' سارہ نے کہا۔

''میں آج ہی مام سے بات کروں گا۔بہت اچھا آئیڈیا ہے۔'' زین نے کہا اور سارہ خوش ہوگئی۔

''اچھا تم نے سوسائٹی کے حوالے سے کیا سوچا۔'' وہی سوال واپس گھوم پھر کر آیا تو سارہ نے ماتھا پیٹ لیا۔

''اچھا ٹھیک ہے، مت آؤ! خود ہی نے ابھی کہا مختلف آراء کے حامل لوگ ہی بہترین پلان بنا سکتے ہیں۔میں تو اسی لیے چاہتا ہوں کہ تم شامل ہو گی تو ٹیم کو بہت فائدہ ہوگا۔'' وہ پھر خفا ہوا۔جب ناراض ہوتا تھا تو بے حد معصوم لگتا تھا۔سارہ نے ٹال کر کسی اور بات میں اسے لگا دیا تھا۔

(قسط نمبر: 2)

''تم لوگوں میں سے کسی نے زین کو دیکھا ہے؟'' شازیہ جو کب سے زین کو فون کر رہی تھی پریشانی کے عالم میں چلتی ہوئی ارسلان اور انوشہ کے پاس جا پہنچی۔ جو آپس میں محو گفتگو تھے۔

''ہاں کہہ رہا تھا لائبریری جا رہا ہے۔'' ارسلان نے کہا۔

''وہ وہاں نہیں ہے میں دیکھ کر آ گئی ہوں۔'' شازیہ نے تنگ آ کر کہا۔

''یار! تو کال کر لو یا میسج کر دو۔'' ارسلان نے کہا۔

''دونوں کر چکی ہوں پر نہیں اٹھا رہا ہے وہ۔'' شازیہ کے کہنے پر انوشہ اپنی جگہ سے اٹھی اور ارسلان کو ایکسکیوز کہتی اسے ایک طرف لے گئی۔

''میں نے زین اور سارہ کو لائبریری میں دیکھا تھا جب میں نیچے کتابیں دیکھنے گئی تھی، پر واپس اوپر آئی تو دونوں ہی وہاں نہیں تھے۔ میں نے تمہیں کہا تھا دونوں پر نظر رکھو۔'' انوشہ کی بات سن کر شازیہ کا رنگ اڑ گیا۔ وہ چڑھے ہوئے تیوروں سے فون نکال کر پھر زین کو کال کرنے لگی تھی پر بے سود۔ وہاں زین اور سارہ ابھی بھی باتوں میں مصروف تھے۔ زین کا فون اس کی پاکٹ میں تھا اور شازیہ کی کال آئے جا رہی تھی لیکن وہ جب بھی مائے سپاٹ پر ہوتا تو فون سائلنٹ کر دیتا تھا۔

☆......☆......☆

رمضان شروع ہو گیا تھا اور ان لوگوں کے فائنل امتحان بھی۔ زنیرہ کو پتہ لگ گیا تھا کہ رمضان میں پیپر دینا کتنا مشکل تھا۔ بقول اس کے۔۔۔

”یار! ہمیں ایک روزے کا ڈبل ثواب ملنا چاہئے، ایک تو گرمی کے روزے اور پھر فائنل امتحان کا پریشر۔“

سارہ کا یہ ایسا دوسرا رمضان تھا۔ خیر تین پیپرز تھے، ہو گئے، اور اب سارہ کا اس طرح ایک سمسٹر پورا ہو گیا تھا۔ عید کی چھٹیاں ختم ہوئیں تو پانچواں سمسٹر شروع ہو گیا تھا۔

اس بار سارہ کی کسی کلاس میں زنیرہ نہیں تھی۔ دونوں نے اپنے کورسز دیکھے اور افسوس ہی کیا لیکن پھر سوچا کہ جب بھی فارغ ہوں گی ملیں گی۔ آج سارہ کی پہلی کلاس مینجمنٹ اکاؤنٹنگ کی تھی اور وہ ضرورت سے پہلے ہی یونیورسٹی پہنچ گئی تھی۔ چونکہ پہلی کلاس تھی تو لیٹ ہونا تو بنتا نہیں تھا۔ وہ پہلی ہی تھی جو کلاس میں داخل ہوئی تھی۔ یہ کلاس باقیوں کے مقابلے میں مختلف طرز پر بنی تھی۔ وسیع سیڑھیاں تھیں جن پر کرسیاں رکھی ہوئی تھیں۔ تاکہ سب سے آخری سیٹ پر بیٹھا طالب علم بورڈ کو باآسانی دیکھ سکے۔ سارہ تیسری سیڑھی کی طرف بڑھی اور دیوار سے لگی کرسی پر جا بیٹھی۔ لیکچر شروع ہونے میں کافی وقت تھا لہٰذا اس نے بیگ سے ناول نکال کر پڑھنا شروع کر دیا۔ تھوڑی دیر ہی گزری ہو گی دروازہ کھلا اور سارہ کی نظر چوکھٹ پر کھڑے شخص پر رک گئی، دونوں ایک دوسرے کو حیرت کدے میں دیکھ رہے تھے۔

”زین؟“

”سارہ! تم یہاں کیا کر رہی ہو؟“ وہ حیرت سے آگے بڑھتا ہوا پوچھنے لگا۔

”کلاس ہے میری یہاں اکاؤنٹس کی۔“ سارہ کے بتانے پر وہ بے یقینی کی کیفیت سے دوچار ہوا۔

”آئے ڈونٹ بیلو اِٹ۔ تم میرے ساتھ مینجمنٹ اکاؤنٹنگ میں ہو۔“ زین کی خوشی دیدنی تھی۔

''یہ میرے نیک اعمال ہی تھے جو مجھے اس سبجیکٹ میں اکاؤنٹس کی چیمپیئن مل گئی۔ اب آئے گا مزہ۔ مس سارہ احمد! میں چیلنج کرتا ہوں تمہیں اس سبجیکٹ میں ہرا کر دکھاؤں گا۔'' زین پرجوش ہوگیا۔

''ویسے تو تم بھی جانتے ہو کہ ہارو گے۔ پر اگر اتفاقاً مارکس دونوں کے ہی برابر آئے پھر؟'' وہ بھی پیچھے ہٹنے والوں میں سے کہاں تھی۔

''خام خیالی ہے تمہاری! پر اگر برابر ہوئے تو ٹائے، ڈن؟'' زین نے کہا۔

''ڈن مسٹر زین، آپ بس اب اپنی فکر کریں۔'' سارہ نے بھرپور چیلنجنگ انداز میں کہا اور وہ بھی معنی خیزی سے اسے دیکھنے لگا۔

''وہ تو وقت ہی بتائے گا مس سارہ احمد۔'' زین نے کہا اور اس کے برابر فاصلے پر رکھی کرسی پر جا بیٹھا۔ سارہ واپس اپنا ناول پڑھنے لگی تھی۔

''قسم سے آتے ہوئے یہاں سوچ رہا تھا کہ ایک تو دوست ساتھ ہوتا۔'' زین اب بھی بے یقینی کی کیفیت میں تھا۔

''اچھا اور اب کیا سوچ رہے ہو؟'' سارہ نے پوچھا۔

''اب تو شکر ادا کر رہا ہوں۔ وہ جب دیتا ہے بے شک چھپڑ پھاڑ کر ہی دیتا ہے۔'' زین کی بات پر سارہ ہنس پڑی تھی۔ وہ دونوں ہی اس کلاس میں اتفاق سے ساتھ ہوگئے تھے۔ یہ مضمون زین کے تمام دوست پہلے ہی لے چکے تھے لہٰذا اس کلاس میں سلام دعا کے حوالے سے تو کئی لوگ پھر بھی مل جاتے پر اس کے گروپ سے کوئی نہیں تھا۔ سارہ کو کلاس میں دیکھ کر اسے دہری خوشی ملی تھی۔ ایک تو یہی کہ کم از کم کلاس کا وقت اچھا گزر جایا کرے گا پھر دوسری بات یہ بھی تھی کہ اسے مزید سارہ کے ساتھ وقت گزارنے کا موقع بھی ملے گا۔

''کیا پڑھ رہی ہو؟'' زین نے پوچھا۔

''ناول۔''

''ارے وہ تو مجھے بھی دِکھ رہا ہے! کون سا ہے؟'' زین نے کور دیکھا۔

''ارے یہ تو Then there were none ہے نا؟ یہ پڑھا ہوا ہے میں نے۔ کلرجج ہے اس میں۔'' زین نے رواداری سے کہا۔

''زین!'' زین کے کہنے پر وہ تلملا اٹھی۔

''یار! ساری کہانی کا ستیاناس کر دیا۔ میرے پیسے ضائع ہو گئے۔'' سارہ نے ناول ہی بند کر دیا اور مشتعل سی اسے گھورنے لگی جسے اپنی بے ساختگی پر خوب ہنسی آ رہی تھی۔

''ہاہاہا، ارے تم لیتی کیوں ہو، یہ میرے پاس بھی ہے مجھ سے لے لیا کرو۔ بلکہ اور بھی بہت ہیں تم نام بتانا میں لے کر آ جاؤں گا۔'' دونوں کی باتوں پر بریک لگ گیا جب زین کا فون بجنے لگا۔ وہ لال بھبوکا چہرا لیے اسے ابھی بھی گھورے جا رہی تھی۔ بس تو چل رہا تھا ناول ہی اٹھا کر اس کے سر پر مار دے۔

''ہیلو؟ ہاں شاز یہ میں آ رہا ہوں، نہیں کلاس میں تھا ابھی دس منٹ ہیں کلاس شروع ہونے میں، تم رکو میں آ رہا ہوں۔'' زین نے فون واپس جیب میں ڈال دیا اور سارہ کو دیکھنے لگا جو پھولے ہوئے تاثر لے کر بیٹھی تھی۔

''یہ سیٹ کسی کو نہیں دینا تم۔ میں بس ابھی آتا ہوں۔'' اس کے غصے کو نظر انداز کرتا ہوا وہ جوں ہی اٹھا تو سارہ نے ناول ہی لے کر اس کی سیٹ پر پٹخ دیا جس کے ردِعمل سے وہ پھر ہنس پڑا۔

ان دونوں کے لئے یہ اتفاق ہی تھا۔ یوں تو سارہ اور زین بہت اچھے دوست تھے لیکن کبھی

بھی ساتھ کورسز لینے کے حوالے سے نہیں سوچا تھا۔ وہ قدرت کی طرف سے اسے معجزہ سمجھ کر بے حد فرحت محسوس کر رہا تھا۔

☆......☆......☆

ایکٹیویٹی سینٹر کے پہلے فلور پر کئی کمرے موجود تھے جہاں مختلف سوسائٹیاں میٹنگ، انٹرویوز اور آنے والے پروگراموں کے حوالے سے بحث مباحثوں میں مصروف ہوتی تھی۔ اس وقت بھی میٹنگ روم میں زین، ارسلان، تیمور، شازیہ، انوشہ اور کرن موجود تھے۔ زین انہیں لیڈ کر رہا تھا اور وہ تمام اس کے کو لیڈرز تھے جو اس کے مطابق تمام کام سرانجام دے رہے تھے۔

''اچھا اب مجھے یہ بتاؤ کہ ایک مہینہ اور صحیح ہے فارمز کی سمیشن میں؟'' زین نے سب سے پوچھا۔

''ہاں یار کرنا پڑے گا۔ میں نے تو سمرز میں دیا تھا تب لوگ ہی کم تھے۔'' ارسلان نے کہا۔

''ٹھیک ہے۔ شازیہ اور تیمور تم متعلقہ لوگوں سے رابطہ کرنا شروع کرو جو ہمیں سال کے آخر میں ہونے والے ایونٹ کی ڈیکوریشن کے لیے کام آئیں۔ سٹیج، سیٹ اپ، کھانے پینے کے سٹالز تمام چیزیں جو ایک ایونٹ میں شامل ہوتی ہیں اس کی لسٹ تیار کر کے منتخب لوگوں سے بات کرو۔ ایک ایسٹیمیٹ نکال کر ہمیں اندازہ ہو جائے گا کہ کتنی کاسٹ کی ضرورت ہو گی۔'' زین نے کہا جس پر دونوں نے سر کو جنبش دی اور نوٹس میں لکھنے لگے۔

''زین! تم نے کیا سوچا ہے کنسرٹ یا پھر کلچرل فیسٹیول؟'' شازیہ نے پوچھا۔

''ہمم۔ اس پر میں نے تفصیل سے سوچا تو مجھے کلچرل فیسٹیول کا آپشن زیادہ بہتر لگا ہے۔ دو سال پہلے جس مارکٹنگ سوسائٹی نے کنسرٹ کروایا تھا اس میں بہت سی ایسی غیر سرگرمیاں

نظر عام ہوئی تھیں جو ایک یونیورسٹی کے لیے زیب نہیں دیتیں۔ اور پھر کلچرل فیسٹیول میں کرنے کو بہت کچھ ہے۔ فقط ایک کنسرٹ کی حد تک ایونٹ محدود نہیں رہے گا۔ ویسے بھی کچھ الگ کریں گے تو لوگ زیادہ پسند کریں گے۔ تم لوگ اس بات سے بخوبی واقف ہو کہ میں ایسی کسی چیز کو سپورٹ نہیں کرتا جو انسان کو اس کی انسانیت کھونے پر مجبور کر دے۔ یہ میرا مشورہ ہے باقی اب تم لوگ بتاؤ، کیا کہتے ہو اس بارے میں۔'' زین کی بات سن کر یہ لوگ متفق ہوئے تھے۔

''مجھے لگتا ہے یہ آئیڈیا بہترین ہے۔ ویسے بھی اب تک کسی نے کلچرل فیسٹیول نہیں کیا ہے۔ پر زین، اس بات کا دھیان رکھنا ہوگا کہ یہ ایونٹ لیٹ نائٹ تک نہ جائے۔ عموماً ایسے ایونٹ میں بہت سے پروگراموں کو ترتیب دینا پڑتا ہے۔ تو وقت کا خیال رکھنا ہوگا۔'' شازیہ نے مشورہ دیا۔

''ہاں بالکل، میں نے اس بارے میں بھی سوچ رکھا ہے۔ اس وقت دن مختصر ہوگا لہٰذا ہمیں اسی حساب سے ہر پروگرام کو ترتیب دینا ہوگا۔ جیسے ٹیلنٹ شو، مشاعرہ، پاکستانی کلچر سے متعلق گفت وشنید پھر میں ایک گروپ کو جانتا ہوں جو مختلف صوبوں کی موسیقی کا علم رکھتے ہیں۔ ان کے لیے الگ سٹیج ہوگا جہاں وہ ہر صوبے کی مدھم آواز میں موسیقی سے ناظرین کو لطف اندوز کریں گے۔'' زین نے کہا۔

''یار! مجھے تو صرف سوچ کر لگتا ہے کہ اگر سب کچھ ہمارے مطابق ہوا تو یہ ایونٹ بہترین جائے گا، کیا کہتے ہو سب؟'' ارسلان نے بیک وقت سب سے پوچھا جس پر مشترکہ جواب تائید میں آیا۔

''چلو پھر جب ہم سب کی رائے ایک نہج پر آ ہی گئی ہے تو اب کام بھی اسی طرح شروع کر

دیتے ہیں۔'' زین سب سے مخاطب ہوا۔

''ویسے دیکھا جائے تو اب تک یونیورسٹی میں یہ ایونٹ نہیں ہوا۔ میرا خیال ہے کچھ الگ کریں گے تو طلبا کو پسند بھی آئے۔'' یہ کہنے والی کرن تھی۔

''بالکل! ہم اسے شاندار بنانے کی پوری کوشش کریں گے اور اس کے لیے ارسلان اور شازیہ، جلد سے جلد پمفلٹ باٹنے ہوں گے تاکہ انٹرویوز لینے کے مرحلے سے ہم گزر جائیں۔ ایک بار مکمل ٹیم بن گئی تو کام کرنا بے حد آسان ہو جائے گا۔ میں جلد ہی ایک آؤٹ لائن بنادوں گا جس سے کافی مدد ملے گی اور ہم سب ایک ہی زاویے پر سوچ کر کام کر سکیں گے۔ اب یہ بتاؤ ارسلان، بجٹ کیسے کرو گے؟'' زین نے پوچھا۔

''ہاں یار، وہی سوچ رہا ہوں۔ بس تم لوگ سب سیٹ اپ سوچ لو اور کام کن سے کروانا ہے ان سے ایسٹیمیٹ لو پھر میں اس پر پوری کاسٹ شیٹ تیار کر دوں گا۔ تب ہی ٹکٹس کی قیمت بھی نکل پائے گی۔'' ارسلان نے کہا۔

''ارے ارسلان! میں بھی تمہاری بجٹ میں مدد کر دوں گی۔'' انوشہ نے ارسلان سے کہا جسے سن کر اس کی گلٹی ابھر گئی۔ اس نے گھبرا کر جبراً مسکرا کر دیکھا پر میز کے نیچے سے وہ زین کو ہاتھ جوڑ رہا تھا۔

''انوشہ تم، کرن اور تیمور مجھے مارکٹنگ کے لئے ہی چاہیے ہو۔ ممبرز کے ساتھ چارٹس، پمفلٹس ٹیکلٹس یہ سب کام تم لوگوں کے ذمہ ہیں۔'' زین ارسلان کی بے چارگی محسوس کرتا ہوا اس کی جان بچا گیا تھا۔

''اس وقت پہلا قدم ہمارا طلبا کو انٹرویو کے لیے بلانا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ ارسلان اور شازیہ تم دونوں حساب کتاب کا کام سنبھالو۔ ہمیں اگلے ہفتے تک ہیڈ سٹاف اساتذہ سے یہ

سب ڈسکس کرنا ہوگا تاکہ وہ ہمارے کام سے واقف ہوں اور بہتر مشورہ دے سکیں۔'' ان کے درمیان کچھ اور بحث مباحثے ہوئے پھر میٹنگ منقطع ہوگئی۔

☆......☆......☆

پی آئی بی کالونی میں جہاں کئی پرانی عمارتوں میں دفاتر موجود تھے وہیں ایک بوسیدہ دفتر میں آج دوپہر کے وقت فاروق اپنی کرسی پر بیٹھے میز پر رکھی ایک کھلی فائل پر مصروف تھے۔ دوپہر بارہ بجے کی اگست کی دھوپ کی تپش نے ٹھیک ٹھاک مزاج کو چڑچڑا کیا ہوا تھا۔ سونے پر سہاگا جنریٹر پر چلتے پنکھے کی رفتار ایسی تھی کہ میز پر دس منٹ سے رکھی ہوئی چائے کو ابھی تک بھی ٹھنڈا نہیں کر پایا تھا۔ ان کے دونوں طرف فائلوں کا ڈھیر ہی ڈھیر تھا جس کا بوجھ وہ اپنے دونوں کندھوں پر روز محسوس کرتے تھے۔ کام تھا کہ کبھی ختم نہ ہوتا۔ گرم گرم چائے کا گھونٹ پیے جاتے اور فائل میں کام کرتے جاتے۔

''فاروق صاحب! بڑے صاحب آپ کو بلا رہے ہیں۔'' پیون کہہ کر چلا گیا۔ فاروق نے تیزی سے گرم گرم چائے کے گھونٹ پیے اور فائل وہیں بند کر کے سر کے کمرے میں چلے گئے۔

''جی آیئے فاروق صاحب، تشریف رکھیے۔'' شفیع صاحب نے کہا۔ وہ تعظیم میں سر کو جنبش دیتے ہوئے آگے بڑھے اور ایک کرسی کھینچ کر بیٹھ گئے۔

''جی کیا کام تھا آپ کو؟'' شفیع صاحب نے پوچھا۔

''جی سر! وہ مجھے کچھ پیسوں کی ضرورت تھی۔''، فاروق کی زبان میں لرزش ہوئی۔

''کتنے چاہئیں آپ کو؟'' شفیع صاحب نے ان کا جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔

''سر! یہی کوئی دو تین لاکھ، دراصل بھانجی کی شادی ہے، اور آپ تو جانتے ہیں لڑکیوں کی شادیوں پر کتنا خرچا ہوتا ہے۔'' فاروق کہتے کہتے خفت میں نظریں جھکا گئے۔ یہاں لہجے میں

نرمی تھی کیونکہ ان کی پوزیشن کمزور تھی اور کوئی بھی سخت الفاظ سے وہ نوکری سے ہاتھ دھو بیٹھتے۔

''ہمم۔ فاروق صاحب! چالیس پینتالیس ہزار تو تنخواہ ہے آپ کی۔ کچھ سوچا ہے کیسے واپس کریں گے؟'' شفیع صاحب نے پوچھا۔

''سر! ہر مہینے سے کاٹ لیجئے گا، کچھ ایسے اخراجات ہیں جو میں چھوڑ نہیں سکتا۔'' فاروق نے کہا۔

''ہمم۔ چلیں ٹھیک ہے، آپ ہمارے کافی پرانے ملازم ہیں، آپ پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے، کب تک چاہئیں آپ کو؟'' شفیع صاحب نے پوچھا۔

''سر! کچھ مہینوں میں ضرورت پڑ جائے گی۔ پہلے سے بات کرنے کا مقصد ہی یہ تھا کہ اگر یہاں سے انکار ہو جاتا تو میں کوئی اور راستہ سوچتا۔'' فاروق نے کہا۔ دونوں کے درمیان چند اور باتیں ہوئیں اور فاروق وہاں سے اٹھ کر اپنی کرسی پر جا کر بیٹھ گئے۔ ابھی فائل کھولی ہی تھی کہ ان کا فون بجنا شروع ہو گیا۔ اسکرین پر نام دیکھ کر یکلخت ہی ان کی تھکن دور ہوئی تھی۔

''ہیلو! ارے بشیر کیسا ہے؟'' طویل عرصہ گزرنے کے باوجود بھی ان کا بشیر سے رابطہ رہا تھا۔ وہ جب ان کا فون آتا چہک اٹھتے تھے۔

''تیری دعا ہے۔ تُو سنا؟'' بشیر نے پوچھا۔

''بس یار کیا بتاؤں تجھے اب۔ تُو تو بخوبی میرے حالات سے واقف ہے۔ بھانجی کی شادی کی تیاریوں میں پھنسا ہوں۔'' فاروق نے کہا۔ دفتر میں لائٹ آئی تو سر پر چلتے پنکھے کی رفتار بڑھ گئی۔

''ہیں؟ تُو نے بات طے بھی کر دی؟'' بشیر کی آواز میں حیرانی در آئی۔

''ہاں نا، سال ہو گیا ہے۔ شادی پہلے تو اسی سال تھی پھر کچھ معاملات کی وجہ سے ایک

سال اور ملتوی ہو گئی پر جہیز کے اخراجات اور شادی بیاہ کے خرچے تجھے معلوم ہیں۔ تیاری ابھی سے کروں گا تو اگلے سال مکمل ہوگا۔" فاروق نے کہا۔ قرض کا بوجھ سوچ کر آواز میں پریشانی صاف ظاہر تھی۔

"یہ کیا بات کر رہا ہے تُو؟ یار میں نے تو فون ہی تیری بھانجی کا ہاتھ مانگنے کے لئے کیا تھا۔" بشیر کے الفاظوں سے انہیں زور کا دھچکا لگا تھا۔

"کیا بات کر رہا ہے؟" ان کی آنکھیں کُھلی کی کُھلی رہ گئی تھیں۔

"ہاں بھائی! اپنے اکلوتے سپوت کے لیے تمہاری بھانجی کا ہاتھ مانگ رہا تھا۔ بلکہ میں تو کراچی بھی آنے والا ہوں، کچھ کام تھا وہ نپٹانے اور تجھ سے یہ بات کرنے۔ پھر تیری میری دوستی میں جہیز وہیز جیسی کیا بات۔ میری جان تجھ پر قرض ہے یارے۔" بشیر کی بات پر وہ سوچ میں پڑ گئے۔

"بشیر! یہ باتیں فون پر نہیں ہو پائیں گی، تو یہاں آ پھر مجھ سے مل کسی دن۔ ساتھ بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔" فاروق نے کہا۔

"چل ٹھیک ہے، میں تجھے ایک دو دن میں واپس فون کروں گا۔" انھوں نے فون بند کر کے میز پر رکھ دیا۔ اب کام میں دل کہاں لگنا تھا۔ بشیر کی بات نے ٹھیک ٹھاک دماغ منتشر کر دیا تھا۔

دوسری طرف یونیورسٹی میں وہ اس وقت آہستہ آہستہ آئی ٹی بلڈنگ کی طرف جا رہی تھی۔ پروڈکشن کی کلاس شروع ہونے میں ابھی پندرہ منٹ تھے۔ وہ چہل قدمی کرتی ہوئی بالآخر اس گول عمارت تک پہنچ ہی گئی۔ آج عجلت میں گھڑی نہیں پہنی تھی لہٰذا اسے بیگ سے موبائل نکال کر وقت دیکھنا پڑ رہا تھا۔ اس وقت بھی مرکزی دروازے سے داخل ہوتے ہوئے ٹائم

دیکھنے کی غرض سے اس نے موبائل نکالا تو اسکرین پر نا معلوم نمبر سے تین کالز آئی ہوئی تھیں۔ وہ پل بھر کو وہیں رکی اور نمبر پر غور کرنے لگی۔ آخری فون ایک منٹ قبل ہی آیا تھا پر چونکہ کلاس لیتے وقت وہ موبائل سائلنٹ کر لیا کرتی تھی لہٰذا آن کرنا بھول جاتی تھی۔ کالز آتی رہی ہوں گی اور اسے پتہ ہی نہ چلا۔ پہلے تو اس نے نمبر پر کال کرنے کے لیے سوچا پر پھر کسی خیال کے تحت ارادہ ترک کر دیا اور سیڑھیاں چڑھنے لگی۔ جوں ہی دوسرے فلور پر پہنچی فون پھر سے بجنے لگا۔ سارہ وہیں رک گئی اور کال اٹینڈ کر کے موبائل کان سے لگا لیا۔

''ہیلو سارہ! شاہ زیب بات کر رہا ہوں۔'' سپیکر سے آواز آئی۔

''کون شاہ زیب؟'' سارہ نے خالی الذہنی سے پوچھا۔

''کمال ہے۔ اپنے ہونے والے شوہر کا نام بھی بھول گئیں۔'' یہ سنتے ساتھ ہی سارہ کے ہاتھ سے موبائل گرتے گرتے بچا۔ وہ سٹپٹا ہی تو گئی تھی۔ اس نے پھر سے موبائل کان سے لگا لیا۔ یہ شاہ زیب ہی تھا جو کب سے اسے کالز کیے جا رہا تھا۔

''امم۔ وہ...... نہیں...... ایسی بات نہیں ہے۔ میں ذرا کسی سوچ میں گم تھی۔ آپ کو میرا نمبر کس نے دیا؟'' وہ ایک طرف کھڑی ہو گئی۔

''لو نمبر نکالنا کوئی مشکل کام ہے؟ ویسے کال مجھے نہیں تمہیں کرنی چاہیے تھی۔ کم از کم شکریہ ادا ہی کر دیا ہوتا۔'' شاہ زیب نے کہا اور وہ جھجک سی گئی۔

''دراصل میرے پاس آپ کا نمبر نہیں تھا...... اور ماموں سے کیسے لیتی۔ خیر میں آپ کی بہت احسان مند ہوں۔'' سارہ نے کہا۔

''یعنی تم مانتی ہو نا میں نے تم پر احسان کیا ہے۔'' شاہ زیب نے کہا۔

''جی اور مجھے اپنی شرط بھی یاد ہے۔'' سارہ نے کہا۔

''شرط تو ایک طرف وہ تو تم کرو گی ہی۔ پر مجھے تم سے کچھ اور بھی چاہیے؟'' یہ سن کر سارہ نے بھنویں بھینچ لیں۔

''کیا مطلب...... کیا چاہیے؟'' سارہ نے استفسار کیا۔

''آخری بار جب ملے تھے تب بھی میں نے تم سے کہا تھا کہ میرے کچھ قریبی دوست ہیں جنہیں تم سے ملنا ہے۔ وہ دیکھنا چاہتے ہیں میری ہونے والی بیوی کو۔ تمہیں کرنا صرف یہ ہے کہ جب میں کہوں تب تیار ہو جانا اور میں تمہیں لے چلوں گا۔ ایک چھوٹی سی دعوت ہو جائے گی۔'' اس کی زبان سے ایسی خواہش سن کر سارہ کو اپنے نصیب پر رونا آیا۔

''کیا ہوا، آواز آ رہی ہے؟'' وہ سکتے کی کیفیت میں کھڑی کی کھڑی رہ گئی جب ریسیور سے پھر آواز آئی۔

''شرط منظور تھی مجھے پر اب جو آپ مانگ رہے ہیں وہ ناممکن ہے۔'' اس نے بمشکل خود پر ضبط کر کے کہا تھا۔

''تم نے ابھی کہا تم پر احسان کیا ہے۔ بدلے میں تم سے صرف یہ مانگ رہا ہوں اس وقت۔'' شاہ زیب کی عیار آواز ابھری۔ وہ اپنے کانوں پر یقین نہیں کر پا رہی تھی۔ رہی سہی جو عزت دل میں گھر کی تھی بے گھر ہوئی۔ اسے اس شخص سے نئے سرے سے نفرت ہونے لگی تھی۔

''شاہ زیب! پہلی بات تو یہ کہ اگر آپ کی یہی خواہش ہے تو آپ ماموں سے بات کریں۔ ان کی آنکھوں پر پٹی باندھ کر میں ایسا کوئی قدم نہیں اٹھا سکتی۔ دوسری بات یہ کہ آپ کے دوستوں سے میرا کیا لینا دینا۔ آپ جتنا چاہیں ان کے ساتھ بیٹھیں پر مجھے اس سے دور ہی رکھیں۔'' وہ جانتی تھی کچھ بھی ہو جائے فاروق اس بات پر کبھی راضی نہیں ہوتے۔ جیسے بھی تھے غیرت ان میں زندہ تھی۔ پھر چاہے شاہ زیب انہیں بتا بھی دے کہ شادی ملتوی کرنے کا پلان

سارہ کا تھا تو بھی اسے اب ڈر نہیں تھا۔ کیوں کہ بات عزت پر آ گئی تھی۔ ماموں کی ڈانٹ لاکھ درجے قبول تھی اسے۔

''احسان بھول رہی ہو لگتا ہے۔'' اس نے چالاکی سے اسے گھیرا، پر وہ بھری شیرنی کی طرح اس وقت دھاڑنے کو تیار تھی۔

''معاف کیجئے شاہ زیب لیکن میں آپ کی یہ بات نہیں مانوں گی۔ مجھے آپ کے دوستوں کے لئے نمائش بننے کا کوئی شوق نہیں ہے، میری کلاس شروع ہو رہی ہے، اللہ حافظ۔'' سارہ نے کال کاٹی اور فون بیگ میں پٹخ دیا۔ جو خود ایسا تھا اس کے دوست کیسے ہوں گے۔ اسے کراہیت کا احساس ہونے لگا تھا۔ بیٹھے بٹھائے اس شخص کی سوچ سے بھی گھن آنے لگی تھی جو عورت کی عزت کرنا نہیں جانتا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ اس سے پہلے وہ ماموں کو سب بتائے سارہ خود ہی گوش گزار کر دے۔ پر اس سے ہوگا کیا؟ فاروق شاہ زیب کی بات کے خلاف تو ہوں گے پر وہ رشتہ نہیں توڑیں گے۔ کیونکہ ان کے نزدیک یہ لا ابالی عمر ہے۔ لڑکے ایسا کر جاتے ہیں اور شادی کے بعد ''سدھر'' جاتے ہیں۔ اگر شاہ زیب نے زبان نہ کھولی اور وہ ہوشیاری کر کے سب بتا گئی تو بھی ڈانٹ اس کے ہی سر آئے گی۔ لہٰذا اس نے سر جھٹک دیا اور معاملہ تقدیر پر چھوڑتی ہوئی وہ سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔ جو ہوگا دیکھا جائے گا۔

کلاس لیتے وقت بھی اس کا دماغ بار بار شاہ زیب کی بات پر جا رہا تھا۔ وہ اپنے نصیب کی ستم ظریفی پر رو دینا چاہتی تھی۔

''کہاں زین اور شاز یہ پھر زنیرہ اور بلال۔ اور کہاں شاہ زیب اور سارہ۔'' دل سے آواز ابھری تھی۔

''سوچا تو تھا کہ جلد یا بدیر زنیرہ اور زین کو سب بتا دوں پر اب نہیں۔ یہ ایسا شخص ہی نہیں

جس کے بارے میں بتایا جائے۔ مر جاؤں گی لیکن یہ ظاہر نہیں ہونے دوں گی کہ اس لڑکے سے میری بات میرے اپنے ماموں نے طے کی ہوئی ہے۔"

☆......☆......☆

بند آنکھوں پر اس کی پتلیاں حرکت کرتی نظر آ رہی تھیں۔ مساموں سے پانی پھوٹ پڑا تھا۔ گہری نیند میں بھی تنفس تیز تھا۔ دل کی دھڑکن ریل کی رفتار پر چل پڑی تھی۔ نیند کی گہرائی بڑھتی جا رہی تھی۔ وہ خود کو ایک ویکیوم میں کھنچتا محسوس کر رہی تھی۔ جیسے کوئی طاقت اسے اپنی طرف کھینچ رہی ہو۔ اندھیرے پر اندھیرا پے در پے بڑھتا جا رہا تھا۔ جسم میں سے جان نکلتی محسوس ہو رہی تھی۔ سائڈ میز پر رکھا موبائل بیپ بیپ کی آواز سے بجنا شروع ہوا۔ وہ یہ آواز سن سکتی تھی پر وہ اٹھ کیوں نہیں پا رہی تھی۔ اندھیرا اسے اپنے اندر سمو رہا تھا۔ اس کا سانس گھٹنا شروع ہو رہا تھا۔ گہری کھائی تھی جس میں انجانی قوت اسے کھینچ رہی تھی اور وہ اس کے اثر سے خود کو چھڑانے سے قاصر تھی۔ اس کا پورا وجود منجمد ہو گیا تھا۔ وہ ہل نہیں پا رہی تھی۔ بیپ بیپ کرتا موبائل بجتا جا رہا تھا۔ وہ آنکھیں کھولنا چاہتی تھی پر نہیں کھول پا رہی تھی۔ ایک سایہ سا اسے اپنے اوپر محسوس ہو رہا تھا۔ وہ ڈر رہی تھی۔ وہ اندر ہی اندر کانپ رہی تھی۔ بیپ بیپ

بیپ۔

"یہ سب سچ نہیں...... یہ سب سچ نہیں! اللہ...... اللہ مدد۔" وہ ایک دم بستر سے اٹھی۔ جیسے گہری نیند کی آہنی زنجیروں کو توڑ کر اٹھی ہو۔ آنکھوں کی پتلیاں یہاں وہاں دوڑاتی وہ یقین کرنا چاہتی تھی کہ خواب کا اثر ختم ہو گیا تھا اور وہ اپنے کمرے میں موجود تھی۔ تیز تیز سانس لیتی ہوئی اس نے بکھرے بالوں کو سمیٹا اور ماتھے پر پسینے کے ننھے قطروں کو ہاتھوں کی پشت سے صاف کیا۔ اب دھیان موبائل کی بیپ بیپ پر گیا تو اس نے ہاتھ بڑھا کر موبائل بند کر

دیا۔ بے چارگی کی سی کیفیت میں ہاتھوں کی ہتھیلیوں میں وہ منہ چھپا گئی۔ یہ خواب اسے جیتے جی مار رہا تھا۔

☆......☆......☆

"السلام علیکم زنیرہ صاحبہ کیسی ہو؟" زنیرہ چھوٹے سے باغیچے کے پاس کھڑی بلال کا انتظار کر رہی تھی جب برابر سے زین نے آواز لگائی تھی۔

"وعلیکم السلام، میں بالکل ٹھیک اور تمہارے کیا حال ہیں؟ سنا ہے بہت مصروف ہوگئے ہو سوسائٹی کے پیچھے۔" زنیرہ نے مسرور کن لہجے میں کہا۔

"مت پوچھو! یا تو کلاس میں ہوتا ہوں یا سوسائٹی روم میں۔ بہت مشکل ہوگیا ہے۔" زین نے کہا۔

"ہاں کام ہے تو مشکل۔ ویسے ہمارے لئے کچھ ڈسکاؤنٹ ٹکٹ میں؟" زنیرہ نے مسکرا کر پوچھا۔

"آہ! مجھے معلوم تھا یہ ہی ہوگا! پر آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ میں آپ کی اس حوالے سے مدد نہیں کر سکتا۔" یہ سن کر اس نے منہ ہی بنالیا۔

"یہ کیا بات ہوئی! میں تو ویسے بھی ڈسکاؤنٹ کی حق دار تھی۔" اس نے نالاں ہو کر کہا۔

"اچھا وہ کیوں؟"

"لو بلال دوست ہے نا تمہارا! تو ڈسکاؤنٹ تو مجھے بھی ملنا چاہیے۔"

"ڈسکاؤنٹ تو اس کو بھی کہاں ملے گا۔" وہ ہنسا۔

"غلط بات ہے ویسے۔"

"تم ایک کام کرو اپنے ہونے والے ایک عدد شوہر سے کہو کہ تمہاری ٹکٹ وہ ہی کرا

دے۔‘‘ اس نے سرگوشی میں زنیرہ سے کہا۔

’’یہ ہی ارادہ ہے ویسے۔‘‘ زنیرہ نے بھی ہلکی آواز میں کہا اور ہنس پڑی۔

’’ویسے تمہاری وہ ایک عدد دوست بھی نظر نہیں آ رہی؟ صبح کلاس میں تو ملاقات ہوئی تھی میری۔‘‘ زین نے کہا۔

’’ہاں مجھے بھی نہیں معلوم وہ کہاں ہے۔ وہ اس وقت فارغ ہی ہوتی ہے اب کہاں ہے یہ نہیں پتہ۔‘‘ زنیرہ نے متلاشی نگاہ ادھر ادھر ڈال کر کہا۔

’’ہمم، چلو میں دیکھتا ہوں، پھر ملتے ہیں۔‘‘ زین نے کہا اور چلا گیا۔

☆......☆......☆

اچھی نیند اللہ کی طرف سے رحمت ہے اور نیند انسان کی ضروریاتِ زندگی ہے۔ جس کے بغیر وہ محض مردہ ہے۔ پر اگر نیند ہی زحمت بن جائے تو؟ ایسے میں انسان سو کر جسم تو ترو تازہ کر لیتا ہے پر دماغ بے سکون ہونے لگتا ہے۔ وہ مائے سپاٹ پر بیٹھی بے چینی کا شکار تھی۔ وقتاً فوقتاً بھیانک خواب اس کی نیندوں میں مخل ہو کر اس کے سکون کو تباہ و برباد کرنے لگا تھا۔ وہ بستر سے اٹھ کر روزمرہ کی روٹین پر آ تو جاتی تھی پر دماغی طور پر وہ کتنے ہی گھنٹے اس خواب کے زیرِ اثر ہوتی تھی۔ اس وقت بھی مائے سپاٹ پر بیٹھی سر کو عقب میں موجود کھڑکی سے ٹکائے وہ اس خواب کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ بڑھتا ہوا اندھیرا اور وہ جگہ جہاں کوئی راستہ نہ تھا۔ اس خوف سے جسم میں جھرجھری محسوس ہوئی۔

’’جب آپ کو سارہ کہیں نہ دکھیں تو سمجھ لیں وہ چھپی ہوئی ہیں۔‘‘ زین کے اچانک سامنے آنے پر وہ چونک اٹھی۔

’’کیا ہوا ڈر گئیں؟‘‘ وہ زیرِ لب مسکرایا اور ایک فاصلے سے چبوترے پر بیٹھ گیا۔

''ہاں۔نہیں نہیں ڈری نہیں ہوں، تم یہاں کیسے؟'' سارہ نے پوچھا۔

''یار میٹنگ رکھ رہے تھے پر کسی مسئلے کے تحت ملتوی کر دی۔تو فارغ تھا سوچا تمہیں دیکھ لوں پر تم کہیں دکھائیں نہ دیں اس لیے یہاں چلا آیا۔'' وہ زین کو سن تو رہی تھی پر اس کے حواس مکمل طور پر حاضر نہیں تھے۔اس نے زین کی بات پر فقط سر کو جنبش دی۔

''مجھے لگتا ہے اس بار میرا ریکارڈ ٹھیک ٹھاک خراب ہوگا۔'' زین نے کہا۔

''کیوں؟ سوسائٹی کی وجہ سے؟'' سارہ نے پوچھا۔

''جی جناب، لیکن کیا کریں یہ بھی کرنا ہے۔'' زین نے سرد سانس کھینچ کر کہا۔سارہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔بس عین سامنے دیوار کو دیکھنے لگی۔وہ اسے آج پھر بدلی بدلی سی لگی بالکل پہلے جیسی، وہی آنکھوں میں گہرائی۔چہرے پر قنوطیت سی کیفیت جیسے کسی ذہنی دباؤ کا شکار ہو۔

''تمہیں کیا ہوا ہے؟ گھر میں سب ٹھیک ہے نا؟'' اس کا دھیان سارہ پر گیا تو پوچھے بنا نہ رہ سکا۔

''ہمم۔'' اس نے ہنکار بھر کر پھر زین کو پریشان کیا۔

''کیا ہوا سارہ؟ بتاؤ۔'' زین اس کے لئے فکرمند ہونے لگا۔

''کچھ بھی تو نہیں۔سب تو ٹھیک ہے۔'' اس نے الجھے ذہن سے کہا۔

''مس سارہ احمد۔آپ کی رگ رگ سے واقف ہونے لگا ہوں۔یہ بہانے کسی اور کے سامنے کیجئے گا۔اب بتانا پسند کریں گی۔کیونکہ آپ کو اندازہ نہیں ہے کہ کس قدر آپ مجھے ٹینشن دلا رہی ہیں۔'' وہ لہجے کو سنجیدہ کر گیا۔مقابل اس کے دلی کیفیت سے جو ناواقف تھی۔اسے کیا معلوم تھا کہ اس کے ایک ایک تاثر، ایک ایک ادا پر دل کی دھڑکن بے ترتیب ہو جاتی تھی۔

''ایک الجھن کا شکار ہوں۔ اسی بارے میں سوچ رہی تھی بس۔'' سارہ نے زین کے چہرے کے تاثر اخذ کر کے سرینڈر کر دیا۔

''اچھا وہ کیا؟''

''تمہیں کبھی سلیپ پیرالسز ہوا ہے؟'' اس نے زین سے پوچھا۔

''میرا نہیں خیال۔ پر میں نے اس بارے میں کچھ کچھ سنا ضرور ہے۔''

''اچھا! تو میں پھر کیسے سمجھاؤں۔ تم معلوم نہیں کہ سننا چاہو گے۔'' وہ مخمصے کی حالت میں کہنے لگی۔

''سارہ! تمہیں اندازہ تک نہیں ہے کہ میں کس قدر تمہیں سننا چاہتا ہوں۔'' اس کی بات سن کر سارہ نے شکن آلود ماتھے سے اسے دیکھا۔ اس کے تاثر کو بھانپ کر زین نے اپنے الفاظ اور جذبات پر ایک دم ہی بریک لگایا۔ جو بے اختیاری میں زبان سے پھسل گئے تھے۔

''دوست کی خاطر کچھ بھی......'' اس نے فوراً لفظوں کو جوڑ توڑ کر سارہ کے گوش گزار کیا۔ اپنی حرکت پر خود کو سرزنش تو کر رہا تھا پر حیران بھی ہو رہا تھا۔ اس کی بات سن کر وہ زیر لب مسکرائی تھی۔

''دراصل مجھے کئی مہینوں سے ایک خواب پریشان کر رہا ہے۔ جیسے مجھ سے کچھ کہنا چاہ رہا ہو۔'' اس نے کچھ توقف کے بعد کہنا شروع کیا۔

''ایک انجانی گہرائی پر دھکیل رہا ہو۔ جہاں میرے پاس کوئی راستہ نہیں۔ جہاں میں بے بس ہو جاتی ہوں۔''

''کیسا خواب؟'' زین کے پوچھنے پر اس نے جو کچھ دیکھا تھا سب بتانا شروع کیا۔

''ایک بس ہے جس کے پیچھے میں بھاگتی ہوئی نظر آتی ہوں پر وہاں موجود کوئی بھی مجھے

نہیں دیکھ پاتا۔ مجھے وہاں اپنی منزل کھوتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ جیسے کوئی چیز تھی جسے مجھے حاصل کرنا ہے پر وہ میرے ہاتھوں سے اتنا ہی دور ہوتی جا رہی ہو۔" ذہن کی اسکرین پر خواب چل رہا تھا۔ وہ تمام کیفیات سے زین کو آگاہ تو کر رہی تھی پر اس کے جسم میں لرزش سی ہو رہی تھی جیسے اسی خواب کے زیر اثر ہو۔

"بس چل پڑتی ہے اور میں بس کے پیچھے سرپٹ بھاگتی ہوئی ایک پتھر سے ٹھوکر کھا کر گر پڑتی ہوں۔ پر مدد کو کوئی نہیں آتا۔ میں چیختی ہوں چلاتی ہوں۔ پر کوئی مجھے نہیں سنتا۔ جب خود کو سنبھال کر اٹھتی ہوں تو منظر ہی بدل جاتا ہے۔ ایک خلا جہاں گھپ اندھیرا۔ جیسے کوئی ویکیوم۔ وہاں آواز بھی ختم ہو جاتی ہے اور جان بھی جاتی رہتی ہے۔ میں نے کئی بار اس خواب میں محسوس کیا کہ اس جگہ کوئی راستہ نہیں ہے، نہ دروازہ نہ کھڑکی نہ کوئی امید کی روشنی۔ پھر جسم سے جب جان کا آخری سہارا جاتا ہے تو میں تکلیف سے اللہ کو پکارتی ہوں اور آنکھیں کھل جاتی ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے ہر بار ایک نئی زندگی مل رہی ہے۔ کیوں کہ اس خواب میں، میں نے خود کو بار بار مرتے دیکھا ہے۔" وہ گھبراتی ہوئی کپکپاتی آواز میں تمام بات زین کو بتا گئی اور اب اس کی طرف الجھ کر دیکھنے لگی جو سارہ کی بات پر گہری سوچ میں ڈوبا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

"میں نے تمہیں بھی پریشان کر دیا۔" وہ جو ایک دم ہی خاموش ہو گیا تھا اسے دیکھ کر سارہ نے خود کو ملامت کرتے ہوئے کہا۔

"نہیں سارہ! ایسی بات نہیں ہے۔ میں یہ سب سن کر صرف اتنا کہنا چاہتا ہوں۔ زندگی میں بڑے سے بڑا مسئلہ ہی کیوں نہ آجائے۔ تم نہ ہی بکھرو گی نہ ہی ہارو گی اور نہ ہی ٹوٹو گی۔ چاہے جتنی مشکلات کیوں نہ آجائیں۔" وہ کہہ تو لبوں سے رہا تھا پر دل ہی دل میں اس کی زندگی میں آنے والی ہر پرابلم کو ختم کر دینا چاہتا تھا۔ اس کے دامن کو غموں سے خالی کر کے

اسے خوشیوں سے بھر دینا چاہتا تھا۔ وہ اس کے لیے دل کی گہرائی سے دعا گو تھا۔ ایک آس لیے وہ سارہ کو دیکھ رہا تھا۔

''تم ایسے کیوں کہہ رہے ہو؟'' اس نے متعجب ہو کر زین کو دیکھا۔ وہ خیالات کو ایک طرف کر کے اس کے خواب پر پھر سے غور کرنے لگا۔

''سارہ! خواب محض ایک ایسی دنیا ہے جو ہمارے بس میں نہیں۔ اچھے خواب اللہ کی طرف سے جب کہ برے خواب شیطان کی طرف سے ہوتے ہیں۔ تمہارے خواب میں مجھے مشکلات، پریشانیاں غم، ہر وہ شے دکھی جو تمہیں توڑ سکتی ہے اسی لیے کہہ رہا ہوں پر یہ میں تمہیں کہوں گا کہ میں اس خواب کو منفی نگاہ سے نہیں دیکھ سکتا۔''

سارہ مخمصے کی حالت میں اسے دیکھنے لگی۔

''پر یہ ایک برا خواب ہی ہے زین۔ اس میں کوئی بھی بات مثبت نہیں۔''

''نہیں سارہ۔ ایسا تم سوچتی ہو، پر میری نظر سے دیکھو تو ایسا نہیں ہے۔ تم اس کی سائنس کو سمجھو۔ زیادہ تر خواب اس حوالے سے ہوتے ہیں جن کے بارے میں ہم سارا دن سوچتے ہیں۔ یا ہمارے ذہن کے کسی حصے میں وہ ہر وقت بات موجود ہوتی ہے۔ اب تم نے کہا کہ تم ایک بس کو پکڑ نہیں پاتیں جو تمہیں منزل تک پہنچا دے گی۔ اس کا صاف مطلب تو یہ ہوا کہ ظاہری دنیا میں کوئی ایسی خواہش ہے جسے تم پورا کرنا چاہتی ہو پر ڈرتی ہو کہ وہ پوری نہ ہوئی تو کیا ہوگا؟''

وہ شاک کے عالم میں زین کو دیکھ رہی تھی۔

''پھر چوٹ لگ کر گرنا اور کسی کا مدد کو نہ آنا بھی اسی زمرے میں آتا ہے۔ کہ تم نے ہمیشہ یہ ہی سوچا ہے کہ تمہاری مصیبت میں تمہارا کوئی ساتھ نہیں دے گا۔ پر ایسا صرف اور صرف تمہارا

اپنا خیال ہے۔"

وہ حواس باختہ ہی تو ہو گئی تھی۔

"آخری حصہ تم نے کہا ایک ایسی جگہ جہاں بے تحاشا اندھیرا ہے اور راہ راست نہیں۔ پر دیکھا جائے تو راستہ یہاں بھی ہے۔" وہ کہہ کر سارہ کے تاثر کا جائزہ لینے لگا تھا جو دم بخود تھی۔

"نہیں ہے کوئی راستہ زین! تم نہیں سمجھتے۔ وہاں صرف کھائی تھی۔ اور اندھیرا اور مرنے کے علاوہ کچھ نہیں۔" وہ بدحواس سی زین کو کہہ رہی تھی۔ پر زین نے نرم نگاہوں سے اس کی جانب دیکھا۔ وہ اسے ریلیکس رکھنا چاہتا تھا۔

"یہ بند جگہ مجھے کوئی امید نہیں دلاتی زین۔" وہ جھلا اٹھی۔

"سارہ! ایسی کوئی جگہ نہیں جہاں راہ نجات نہ ہو۔ ہاں بند راستے ان کے لیے ہوتے ہیں جو اللہ کی رحمت سے دور ہوتے ہیں۔ پر جو اللہ توکل چلتے ہیں وہ بند راستوں سے بھی راہ نکال لیتے ہیں۔ اور تم یقین نہیں کرو گی۔ ظاہری طور پر تم اس سے ناامید ہو پر خواب میں تم نے خود راستہ چنا بھی ہے اور آزاد ہوئی ہو۔"

"وہ کیا؟"

"اللہ کی مدد سارہ......" وہ کہہ کر مقابل کو مزید شاک دلا گیا۔

"تم نے خود ہی تو کہا جب امید کی آخری کرن رہ جاتی ہے اور تمہیں کچھ نہیں سوجھتا کہ کیسے خود کو اس چنگل سے آزاد کرو تو تم اللہ سے مدد مانگتی ہو۔ اور خواب ٹوٹ جاتا ہے۔ اس سے تو صاف ظاہر ہے کہ زندگی میں ہر مشکل، ہر مصیبت، ہر پریشانی کے وقت تمہیں اللہ کو پکارنا ہے۔ وہی تمہیں راہِ راست پر لے جائے گا۔ سارہ!" وہ زیر لب مسکرایا۔

"تم کہتی ہو دروازہ نہیں کھڑکی نہیں پر ایسا نہیں ہے تم تو چابی لیے گھوم رہی ہو۔ راہِ راست

کی چابی۔" وہ اسے لاجواب کر گیا تھا۔

☆......☆......☆

وہ محو خیال چولہے پر چائے پکا رہی تھی۔ آج زین کی باتوں نے اسے کشمکش میں مبتلا کر دیا تھا۔ کتنی آسانی سے وہ اس کے خواب کی ترجمانی کر گیا تھا۔ کیا وہ نہیں ہر وقت اس ٹینشن میں رہا کرتی تھی کہ شادی کی وجہ سے اس کی پڑھائی ادھوری رہ جائے گی؟ آخر تھی تو یہ اس کی دلی خواہش۔ پھر یہ بھی بات درست تھی کہ جیسے جیسے عمر بڑھتی گئی اس نے دوسروں سے امید باندھنا بند کر دی تھی۔ وہ کسی سے مدد لیتے ہوئے جھجک محسوس کرتی تھی۔ اسے لگتا تھا کہ اس کی مدد کو آنے والے جو دو نفوس تھے، وہ تو خود اس دنیا سے کوچ کر گئے تھے اب اس کی سنے گا کون۔ لیکن یہ محض اس کا خیال تھا۔ حالانکہ دیکھا جائے تو حقیقت اس سے کچھ کچھ الگ تھی۔ ہاں تحت لاشعور میں ماضی سے متعلق کئی واقعات ایسے ضرور تھے جس میں وہ بے بس اور لاچار ہوئی تھی پر ہر بار ایسا نہیں تھا۔ پہلی مدد تو خود زینت نے کی تھی کہ اس کی خواہش کی پہلی سیڑھی پر اسے قدم رکھنے میں سہارا بنی تھیں۔

پر اس کا دماغ فی الوقت خواب کے آخری حصے پر اٹکا تھا۔ وہ جوش دیتی ہوئی چائے کو بغور دیکھ رہی تھی پر ذہن کی اسکرین پر خواب کا آخری حصہ جو سوائے گہرے سیاہ اندھیرے اور ناامیدی کے علاوہ کچھ نہیں تھا، گھوم رہا تھا۔ وہ کئی بار کوشش کر چکی تھی پھر بھی اس آخری حصے سے مثبت خیال نہیں نکال پا رہی تھی۔ لیکن زین کیسے با آسانی سب کر گیا تھا۔ ٹھیک ہے اس نے آخر میں اللہ سے مدد مانگی اور نجات بھی نصیب ہوئی پر وہ بھیانک خواب مثبت پھر بھی کیسے ہو سکتا تھا۔

"وہ کہتا ہے چابی میرے ہاتھ میں ہے۔ پر دروازہ تو ہو؟" وہ بے حد الجھ گئی تھی۔

زین اور سارہ دونوں کی سوچ بہت مختلف تھی۔ سارہ کا اندازِ فکر جتنا محدود تھا اس کے برعکس زین کی سوچ کا دائرہ وسیع تر تھا۔ سارہ زین کی اکثر باتوں سے حیران رہ جاتی تھی، وہ زندگی کو ایک الگ طریقے سے لے کر چلتا تھا اور ہر صورتحال میں مثبت سوچ رکھتا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے کوئی انتہائی تجربہ کار ہو جو زمانے کی چکی سے پس کر آیا ہو۔ ایسا شخص جس کو وقت کی اونچ نیچ نے اس کم عمری میں ہی پکا مرد بنا دیا ہو۔

چائے میں ابال آ گیا تھا اور وہ اسے کپ میں بھر کر فاروق کے پاس لے گئی۔ بند چینی کا ڈبہ ایک طرف پڑا ہوا جاتی سارہ کو منہ چڑا رہا تھا۔ وہ اپنے تخیل میں اپنے ماموں کو چائے دینے لگی تھی۔ فاروق نے کپ تھام کر گرم چائے کی جوں ہی چسکی لی تو پلٹتی ہوئی سارہ کے پیر وہیں جامد ہو گئے۔

''دماغ کہاں رہتا ہے تمہارا؟'' فاروق جو ویسے ہی مزاجاً کڑوے تھے۔ اس کڑوی کسیلی چائے کو پی کر سارہ پر چلّا اٹھے۔

''کیوں، کیا ہوا ہے؟'' زینت فوراً سامنے آ گئیں۔

''چینی ہی نہیں ہے اس میں۔ ایک تو پورا دن تم لوگوں کے پیچھے دھکے کھاؤں اور گھر پر آؤں تو یہ پھیکی چائے پلاتے ہو۔'' خیالات کے بادل تو پہلی آواز پر ہی چھٹ گئے تھے۔ اور اپنی غلطی پر لرزتی ہوئی وہ خود کو ملامت کر رہی تھی کہ ذرا سی بے دھیانی میں چینی ڈالنا بھول گئی۔

''ایک تو ویسے ہی سر پر بوجھ۔ کم از کم کام تو ڈھنگ سے کر لیا کرو۔ اندازہ بھی ہے بی بی کہ تمہارے چکر میں کس قدر پریشان رہ رہا ہوں میں۔ تمہارے والدین کو تو اپنی پڑی تھی۔ وراثت میں چند چیزیں چھوڑ کر چلے گئے۔ اب ان کی بیٹی کا جہیز بھی میں دیکھوں۔'' تیر تھے زہر میں ڈوبے ہوئے جو دل میں پیوست ہو رہے تھے۔ وہ خاموش کھڑی ان کے برستے

الفاظوں کے زیرِ اثر زخمی ہوتی جا رہی تھی۔ زینت اس کے بازو کو تھام کر کھڑی ہوگئیں اور فاروق کو بس کرنے کی التجا کرتی رہیں۔

"چلو جہانگیر کی تو موت اچانک واقع ہوگئی۔ پر روبینہ کو تو اندازہ نہ تھا کہ بیٹی پر کیسا وقت آ سکتا ہے۔ اب بتاؤ چند سونے کے زیور سے کیا آئے گا۔" وہ برستے تھے تو پھر رکنے کا نام ہی کہاں لیتے تھے۔

"اسے تم ہی رکھو۔" چائے کے کپ پر اشارہ کرتے ہوئے وہ اٹھ گئے۔

"زینت! میں کہہ رہا ہوں، اس کو سمجھا دو، ایک بھی شکایت آئی سسرال سے میں اسے چھوڑوں گا نہیں، پڑھائی کیا کر رہی ہے گھر کے کاموں میں لاپروا ہوگئی ہے۔" وہ متنبہ کرا کر رکے نہیں گھر سے چلے گئے۔ پیچھے کھڑی زینت سارہ کو تاسف سے دیکھتی رہیں اور سارہ...... بظاہر خون جسم کے کسی حصے سے نہیں رستا تھا پر آنکھیں تو خون کے آنسو ہی رو رہی تھیں۔ وہ خاموشی سے پلٹ کر کمرے کی جانب چل دی۔

"سارہ! تمہارا یہ مسئلہ تو حل ہوگیا اب رہی بات سلیپ پیرالسز کی تو سارہ، یہ بار بار ہونا ٹھیک نہیں، تم کہو تو میں اپنی مام سے تمہارا......"

"ہرگز نہیں، کیا میں تمہیں دماغی طور پر پاگل لگتی ہوں؟" اس نے زین کو بیچ میں ٹوکا۔

"تم میرا مطلب غلط لے رہی ہو۔ دماغی طور پر منتشر شخص ایسے خوابوں کا شکار ہو جاتا ہے۔ اگر تمہاری رہنمائی بہتر طریقے سے ہوگی تو یہ مسئلہ اپنے آپ ختم ہو جائے گا۔"

"میری زندگی رہنمائی سے بہتر نہیں ہو سکتی۔ اتنے بڑے بڑے اژدھے جب زندگی کا حصہ ہوں تو انسان ہر وقت تتر بتر ہی رہتا ہے۔"

مائے سپاٹ پر دونوں کے درمیان ہوئی آخری باتیں اس کے دماغ میں بازگشت کر رہی

تھیں۔اس نے قدم کمرے میں رکھا اور دروازہ بند کر دیا۔پشت کو دروازے سے ٹیک لگائے وہ سکتے کی سی کیفیت میں تھی البتہ آنسو متواتر گر رہے تھے جو اس کے بس میں ہی نہ تھے۔

''ہر کسی کی زندگی فقط رہنمائی سے بہتر کہاں ہوتی ہے زین۔تم نہیں جانتے روز کس کرب سے گزر کر مرتی ہوں پھر خود کو زندہ کرتی ہوں۔''

☆......☆......☆

چائے کے ڈھابے پر موجود دونوں چارپائی پر بیٹھے مختلف باتوں میں مگن تھے۔ایک لڑکا لحظہ قبل ہی دو چائے کے کپ اور پراٹھے رکھ کر گیا تھا۔آسمان پر شفق کی چمک ہر سو پھیلی ہوئی تھی۔اتوار کا دن تھا اور کئی لوگ ڈھابے پر چائے کی غرض سے آئے ہوئے تھے۔

''تُو نے تو مجھے کہا تھا بشیر کہ سلمان کو شادی ہی نہیں کرنی، میں نے تو بات کی تھی تجھ سے اپنی بھانجی کے لئے۔'' وہ پلیٹ میں رکھا گرما گرم پراٹھا توڑتے ہوئے کہنے لگے۔

''میں نے پوچھا تھا اس سے، پر اس نے منع کر دیا تھا،اور فاروق بات ہے بھی کافی پرانی، تب تو تیری بھانجی بھی چھوٹی تھی۔'' بشیر نے یاد دلایا جسے سن کر وہ گہرا سانس بھر گئے۔

''پر اب تو کچھ نہیں ہو سکتا بشیرے، کچھ مہینوں میں اب شادی ہے اس کی۔'' فاروق نے کہا۔

''ہمم۔میرے بیٹے کے نصیب میں ہی نہیں تھی تمہاری بھانجی۔'' بشیر نے آہ بھر کر کہا۔

چائے ختم ہوئی تو سگریٹ کا پیکٹ نکال کر فاروق نے ایک بشیر کو بھی دی۔

''ویسے ہے کیسا سلمان اب؟'' فاروق نے پوچھا اور لمبا سانس لے کر سگریٹ کا مرغولہ ہوا میں چھوڑا۔

''مست ہے، مرد ہو گیا ہے مرد! ہاہاہا۔'' بشیر نے کہا۔

''ہاہاہا۔اچھی بات ہے، ہونا بھی چاہئے۔'' فاروق نے کہا۔

''ظاہر ہے، بیٹا کس کا ہے، مجھے دیکھ کر ہی سیکھے گا نا۔'' بشیر نے کہا۔

''تو اس کے لئے وہیں ڈھونڈ نا لڑکی، وہاں تو ہوں گی۔'' فاروق نے کہا۔

''کہا تھا میں نے، پر اسے بڑے شہر کی لڑکی سے ہی کرنی ہے شادی، وہاں کی اسے سمجھ میں نہیں آتیں۔ تُو تو جانتا ہے نا آج کل کے لونڈوں کو۔'' بشیر نے کہا۔

''ہمم۔ پھر تُو ڈھونڈ، ایک ہی لڑکا ہے، بات تو ماننی پڑے گی۔'' فاروق نے کہا۔

☆......☆......☆

یہ ایک مہینہ زین کا بے حد مصروف گزرا تھا۔ وہ یا تو کلاس لے رہا ہوتا یا سوسائٹی روم میں میٹنگ میں مصروف ہوتا اور اگر ان دو جگہوں پر نہیں ہوتا تو ادھر سے ادھر بھاگ رہا ہوتا۔ کبھی ڈیکوریشن کے حوالے سے بات کرنے تو کبھی سٹالز کی سیٹنگ دیکھنے۔ گروپ کے ساتھ ہیڈ سٹاف کے پاس بحث مباحثے کرنے تو کبھی ممبرز کو گائیڈ کرنے۔ وہ کولیڈرز سے لے کر ہر ممبر کی رہنمائی کر رہا تھا۔ ہر فرد اس پر منحصر تھا۔ کلچرل فیسٹیول لفظ کہنا تو آسان تھا پر اس میں کئی ذمہ داریاں تھیں جن کو پورا کرنے کے لیے تین مہینے بھی کم لگ رہے تھے۔

آج بھی کئی کام نبٹانے کی غرض سے اسے پورا دن سوسائٹی روم میں گزارنا تھا۔ جیسے ہی سارہ مرکزی دروازے سے داخل ہوئی وہ بھاگتا ہوا اس تک آیا تھا۔ زین کو اپنی طرف آتا دیکھ کر وہ رک گئی تھی۔

''سارہ! میں تمہارا ہی انتظار کر رہا تھا۔'' وہ عجلت میں کہہ رہا تھا۔

''خیریت۔ کیا ہوا؟'' سارہ نے پوچھا۔

''یار! میں آج اکاؤنٹس کی کلاس نہیں لے پاؤں گا۔'' زین نے کہا۔

''کیوں، کیا ہوا؟'' سارہ نے پوچھا۔

''یار! یہی سوسائٹی کا کام، سب ممبرز کو بلایا ہے میں نے آج۔ تقریباً پورا دن لگ جائے گا مجھے کاموں میں، فلکس ڈیزائن اور دیگر مارکیٹنگ کی چیزیں دیکھ کر فائنل کرنی ہیں۔ میں پوچھنا چاہ رہا تھا کہ کیا تم مجھے آج جو کچھ بھی پڑھایا جائے گا کلاس میں وہ سمجھا دوگی؟'' زین نے پوچھا اور یہ سن کر سارہ فرحت سے اسے دیکھنے لگی۔

''کیوں نہیں، اس میں پوچھنے والی بات کیا ہے۔ میں ضرور سمجھا دوں گی، تم بے فکر رہو۔'' سارہ نے تسلی بخش جواب دیا۔

''تھینکس سارہ، میں تم سے آخری فری سیشن میں ملتا ہوں۔'' زین کہتے کہتے رخ موڑ گیا۔

''تم نے بھی میری کافی مدد کی ہے، کیسے بھول سکتی ہوں۔'' سارہ نے کہا۔

''اور آگے بھی کرتا رہوں گا۔'' اس نے عقب میں کھڑی سارہ کو پھر سے دیکھا کہا اور چلتا چلا گیا۔

دوپہر کے دو بجے وہ اپنی کلاس لے کر اکیڈیمک بلڈنگ سے نکلی اور روش پر جا بیٹھی۔ شفق پوری آب و تاب سے کرنیں زمین کے اس خطے میں گرانے میں کوشاں تھا پر گھرے بادلوں نے اس کی ساری کوشش کو ناکام کیا ہوا تھا۔ وہ زنیرہ کا انتظار کرتی ہوئی یہاں وہاں دیکھ رہی تھی۔ کئی طلبا آ جا رہے تھے۔ بے اختیاری میں اس کی نگاہ دور کھڑے ایک گروپ پر جا ٹھہری۔ تین لڑکیاں اور دو لڑکے تھے جو آپس میں ہنس بول رہے تھے، مستی کر رہے تھے۔ جیسے زندگی میں کوئی پریشانی ہی نہ ہو۔ وہ سب کے چہروں کو بغور دیکھ رہی تھی جو ہر قسم کے قلق سے عاری تھا۔ بے فکر اپنی دنیا میں مگن زندگی جیتے ہوئے یہ تسکین بھرے چہرے سارہ کو رشک دلا گئے۔

''السلام علیکم۔'' وہ زنیرہ کے اچانک برابر بیٹھتے ہی سلام کرنے پر چونکی تھی پھر اسے مسکرا

کر دیکھا۔اس کی زندگی میں غموں کے پہاڑ تھے پر دوست جیسی رحمت سے وہ اب محروم نہیں تھی۔زنیرہ اس کی پکی سہیلی تھی۔جس کے لیے وہ اپنے رب کی شکر گزار تھی۔

''وعلیکم السلام،اتنی دیر آنے میں؟'' سارہ نے پوچھا۔

''ہاں یار، سر تو آج چھٹی ہی نہیں دے رہے تھے،اور تم سناؤ کیا ہو رہا ہے،جلدی جلدی باتیں کر لیتے ہیں،تم تو فارغ ہو ابھی لیکن میری تو پھر سے کلاس ہے۔'' زنیرہ نے منہ بسور کر کہا۔

''کیا سناؤں۔ابھی کچھ ہی دن میں پیپر ہیں۔یہاں تو جب سے آئے ہیں ایسا لگتا ہے بس پیپر ہی پیپر دیتے رہو۔'' سارہ کا دل اچاٹ ہو گیا۔

''واقعی یار اب تو تھک گئے بھئی۔لیکن اس سال کے آخر میں جو کلچرل فیسٹیول ہونے والا ہے وہ ساری تھکان دور کرے گا دیکھنا تم۔خوب مزہ آئے گا۔'' زنیرہ نے پر جوش انداز میں کہا۔

''تمہیں ہی آئے گا۔میرے لئے تو یہ سب فضول ہے۔'' سارہ نے بے زاری سے کہا۔

''ایک منٹ۔کیا مطلب تمہارا؟تم دبے لفظوں میں یہ کہہ رہی ہو کہ نہیں آؤ گی؟'' زنیرہ کو اچنبھا ہوا۔

''میں تو صاف اور کھلے لفظوں میں بھی یہ ہی کہوں گی کہ جی نہیں میں نہیں آؤں گی۔'' سارہ نے قطعیت بھرے لہجے میں کہا تو وہ طیش میں آ گئی۔

''سارہ!اگر تم نے ایسا ویسا کچھ سوچا تو دیکھنا تم،میری تمہاری دوستی ختم۔'' زنیرہ نے اسے غصے سے دیکھا۔

''یار!یہ دوستی کہاں سے آ گئی بیچ میں؟'' سارہ نے بھی دبے غصے سے اسے روکا۔

''کیوں لڑ رہے ہو تم دونوں؟'' دونوں کے سنجیدہ تاثر دیکھتے ہوئے زین نے کہا۔وہ سارہ سے ملنے آ رہا تھا۔جب اس نے ان دونوں کو روش پر بیٹھا دیکھا تو وہیں آ گیا اور ساتھ بیٹھ گیا۔

''ان میڈم کے نانخرے بہت ہیں، کہہ رہی ہیں فیسٹیول میں نہیں آئیں گی۔'' زنیرہ کی آگ کی تپش زین کو محسوس ہوئی۔ وہ واقعی برا مان رہی تھی۔

''اوہ۔ ویسے اگر اس فیسٹیول کا کوئی امتحان ہوتا تو سارہ سب سے پہلے پہنچی ہوتی۔ کیوں سارہ؟'' زین نے سارہ کو چھیڑا جس پر وہ مزید زچ ہوئی۔

''کرو کرو اور اڑاؤ میرا مذاق۔'' سارہ نے ناک بھوں چڑھا لیا۔

''سچ ہی تو کہہ رہا ہوں، اس میں کوئی شک ہے؟ ویسے یہ آئے گی، اس کی تم فکر نہیں کرو۔'' زین کے اٹل لہجے نے سارہ کو چونکا دیا۔

''سارہ! تم سن لو اور میری بات کو حفظ کرلو۔ میں نہ نہیں سنوں گی۔ ورنہ سب ختم، تین طلاقیں دے دوں گی میں اس دوستی کو۔ اب چلو میں جا رہی ہوں کلاس شروع ہونے والی ہے۔'' وہ انگشتِ شہادت دکھا کر اسے متنبہ کرگئی اور طیش سی وہاں سے یہ جا وہ جا۔

''قدر کرو اس کی تم۔ نصیب والوں کو بہترین دوست ملتے ہیں۔'' زین نے کہا۔

''ہاں وہ تو ہے پر یہ بتاؤ یہاں کیوں آئے ہو؟ اور تم مجھ پر حکم چلا رہے ہو کہ میں آؤں گی؟'' سارہ نے تیوری چڑھا کر زین کو گھورا۔

''اوہ! مس سارہ کو اب شدید غصہ آرہا ہے۔ ویسے نہیں آنا تو مت آؤ تمہارے بغیر بھی ہو جائے گا فیسٹیول۔ اور میں یہاں اس لیے آیا ہوں کیونکہ آپ اس وقت فارغ ہیں اور میں نے آپ سے صبح ہی کہا تھا کہ میں پڑھنے آؤں گا۔'' وہ بھی اس کے نہ آنے پر کچھ خفا ہوا تھا۔ البتہ سارہ کو اس کے وہاں ہونے کی وجہ یاد آئی تو دانتوں تلے زبان ہی دبا لی۔

پڑھائی کی غرض سے دونوں روش سے اٹھے اور ایک مناسب جگہ کی تلاش میں چلنے لگے جہاں سکون سے سارہ اسے آج کی کلاس کا لیکچر سمجھا سکے۔ وہ روش پر ہی چل رہے تھے۔

بائیں جانب سبز باغ تھا جہاں خالی جگہ تلاش کرتی ہوئی سارہ کی یکا یک نگاہ شازیہ پر رکی جو زین کی طرف ہی آ رہی تھی۔ اسے دیکھ کر سارہ کے قدم وہیں رک گئے۔

''ہیلو زین۔'' شازیہ کی آواز کا تعاقب کرتی زین کی نگاہ اس پر پڑی۔ اور سارہ جو پہلے تو منجمد تھی پر اب تین چار قدم پیچھے کرتی ہوئی بائیں جانب باغ میں چلی گئی۔ یہاں ایکاڈیمک بلڈنگ سے لگی ہوئی ہاف باؤنڈری وال تھی جس میں کئی رنگ کے چھوٹے بڑے پھول موجود تھے۔ وہ اینٹوں سے بنی اس نصف دیوار پر جا بیٹھی۔ زین کی نگاہ شازیہ سے ہوتی ہوئی سارہ پر گئی جو پاس موجود نہیں تھی بلکہ اب ان سے ایک فاصلے پر تھی۔ منعطف ہوتی نظریں پھر شازیہ پر گئیں البتہ اس بار وہ سارہ کے فاصلہ قائم رکھنے سے متعجب ہوا۔

''کیا ہو رہا ہے، کیا کر رہے ہو تم؟'' شازیہ نے کروٹ لیے شنگرفی ہونٹوں سے کہا۔

''کچھ بھی نہیں، کیوں کیا ہوا، کوئی کام آ گیا ہے پھر سے سوسائٹی کا؟'' زین کے چہرے پر ایک دم ہی بیزاریت چھائی۔ وہ آج بے حد تھک گیا تھا۔

''نہیں نہیں، میں تو ایسے ہی پوچھ رہی تھی تم سے۔ اچھا اگر تم ابھی فارغ ہو تو ہم کہیں چل کر باتیں کریں یا کہیں باہر جا کر کچھ اچھا سا کھا کر آتے ہیں۔'' شازیہ نے چہک کر کہا۔

''ہمم، تمہارا خیال برا نہیں ہے لیکن میں نے صبح ہی سارہ سے اس وقت کی بات کر لی تھی۔ وہ دراصل مجھے اکاؤنٹس پڑھا دے گی۔ کلاس نہیں لی تھی نا میں نے۔ اس لیے۔'' زین نے کہا۔

''یہ تمہیں پڑھائے گی؟ تم کسی اور سے بھی تو پڑھ سکتے ہو؟'' شازیہ نے ناگواری سے کہا۔ اسے یہ بات کھٹکنے لگی تھی۔ ویسے ہی وہ اکثر دونوں کو ساتھ دیکھا کرتی تھی اب ایک ڈیڑھ گھنٹہ زین اس سے پڑھے گا۔ شازیہ سے ہضم نہ ہوئی یہ بات۔

''جی محترمہ، پڑھ تو سکتا تھا پر اگر کسی کا معلوم ہو کلاس میں تب نا! جب سے یہ سمسٹر شروع

ہوا ہے مجھے اندازہ بھی نہیں ہے کہ میری کلاس میں سارہ کے علاوہ اور کون ہے۔ اس سوسائٹی نے اتنا مصروف کر دیا ہے مجھے۔'' زین کی آواز میں تھکاوٹ محسوس ہوئی۔

''سارہ تمہارے ساتھ اکاؤنٹس میں ہے؟'' اب جھٹکا لگنا تو بنتا تھا۔

''تو کیوں پڑھ رہا ہوں پھر اس سے! ظاہر ہے ساتھ ہے اس لیے۔ اچھا ایک کام کرتے ہیں چھٹی میں چلتے ہیں۔ تم ارسلان سے پوچھ لینا پھر چلیں گے لنچ کرنے۔'' زین نے کہا۔

''اس سے پوچھنے کی کیا ضرورت ہے؟ ہم دونوں نہیں جا سکتے؟'' شازیہ نے پوچھا۔

''شازیہ! مجھے نہیں لگتا ہم دونوں کبھی اکیلے گئے ہیں، ارسلان بھی ساتھ ہوتا ہے۔'' زین نے اسے حیرانی سے دیکھا۔

''ٹھیک ہے، جیسا تم کہو، میں پوچھ لیتی ہوں ارسلان سے بھی، چلو پھر ملتے ہیں۔'' اس نے سرد سانس کھینچ کر خفیف سے کاندھوں کو جنبش دی اور کینہ توز نگاہوں سے سارہ کو دیکھا جس کو زین نے شازیہ پر ترجیح دی تھی۔

ان کے درمیان دوستی کے علاوہ کوئی رشتہ ہوتا تو بات بھی تھی۔ پر یہ دونوں صرف اچھے دوست تھے۔ پھر یونیورسٹی میں یہ دونوں ایک کپل کے طور پر مشہور کیوں تھے؟ جتنے منہ اتنی باتیں۔ چونکہ دونوں ہی ایک ساتھ بہترین لگتے تھے اور ہر کسی کی توجہ کا مرکز با آسانی بن جاتے تھے لہٰذا لوگوں کی آراء سے اس بات کا چرچا شروع ہو گیا کہ دونوں کے درمیان دوستی سے زیادہ کا رشتہ ہے۔ بات جنگل میں آگ کی طرح جب پھیلی تو شازیہ کی سہیلیوں کو بھی اس کی خبر ہوئی اور یوں اس طرح وہ شازیہ سے زین کے متعلق پوچھتی رہا کرتی تھیں۔ ان سب مشتبہ باتوں کا اثر یہ ہوا کہ شازیہ جو پہلے سے ہی زین کی طرف مائل تھی مزید اسے پسند کرنے لگی پر اس نے کبھی جرأت نہ کی تھی کہ زین سے اس حوالے سے بات کرے۔ یونیورسٹی میں افواہیں مشہور ہوتی

گئیں اور وہ ان کو انجوائے کرتی رہی۔ یہی وجہ تھی کہ زنیرہ بھی ان چہ میگوئیوں کے زیرِ اثر تھی جو ہر بات آ کر سارہ کے گوش گزار کرتی اور سارہ کو بھی یقین ہو چلا تھا کہ زین اور شازیہ ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں بلکہ عنقریب شادی کا ارادہ بھی رکھتے ہیں۔ جبکہ زین ان باتوں پر کان بھی نہیں دھرتا تھا۔ اسے لوگوں کی باتوں سے کبھی کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ وہ اپنے حساب سے اپنی زندگی جیتا اور اپنے کام سے کام رکھتا تھا۔ اس کے لئے شازیہ صرف ایک اچھی دوست ہی تھی جیسے باقی سب تھے۔ اس کے سوائے تمام کے تمام ہی غلط فہمی کا شکار تھے۔

''تم یہاں کیوں آ کر بیٹھ گئیں؟'' شازیہ پلٹ کر چلی گئی تو وہ سارہ کے پاس جا پہنچا جو پھولوں کو دیکھنے میں مشغول تھی۔

''تم دونوں بات کر رہے تھے تو میں نے سوچا یہاں آ جاتی ہوں۔'' وہ ان کی ذاتی زندگی میں داخل نہیں ہونا چاہتی تھی۔ پھر شازیہ کی اس کے بارے میں رائے سے وہ بخوبی واقف تھی اس لیے اس کے پاس کھڑے رہنے سے بھی کتراتی تھی۔

''بات کر بھی رہے تھے تو بھی وہیں رہتیں کوئی مسئلہ تھوڑی تھا۔ خیر اب دیر بہت ہو رہی ہے شروع کریں؟'' زین نے سارہ سے کہا اور اس دوران دونوں کو ایک سایہ دار جگہ مل گئی جہاں دونوں بیٹھ کر پڑھنے لگے۔

☆......☆......☆

زین کے لیے دن چٹکی میں گزرتے محسوس ہو رہے تھے۔ وہ ہر وقت فیسٹیول کے کام میں مصروف رہا کرتا تھا۔ ظاہر ہے جب اتنی بڑی ذمہ داری لی تھی تو اب اسے پورا کرنے کی جستجو میں تھا۔ کلچرل فیسٹیول کے متعلق صحیح معنوں میں کام کا آغاز اب ہوا تھا۔ ممبران شارٹ لسٹ ہو گئے تھے اور سب کو ان کی ذمہ داریاں سمجھا دی گئی تھیں۔ اب ایک اہم میٹنگ زین اور

ارسلان کی ہیڈ سٹاف کے ساتھ تھی جس میں پورے ایونٹ کا بجٹ سامنے آتا۔ یعنی وہ رقم جو یونیورسٹی کو اس فیسٹیول کرنے کے لیے دینی تھی۔ اب یہ کوئی معمولی کام نہیں تھا۔ اس کے لیے پوری ٹیم کو ارسلان سے رجوع کرنا تھا اور اسے تمام صورتِ حال سے آگاہ کرنا تھا۔ یعنی اگر سٹیج کی سجاوٹ کرنی ہے تو اس کی دیگر چیزیں مدنظر رکھنی پڑتی ہیں۔ جیسے سجاوٹ کا سامان، ساؤنڈ سسٹم، لائٹنگ ارینج منٹ، بیٹھنے کے لیے کرسیوں کی تعداد۔ سٹالز کا خرچا۔ وی آئی پی سیٹ اپ وغیرہ وغیرہ۔ پھر مارکٹنگ کے متعلق جتنی اشیاء استعمال ہو رہی تھیں ان سب کا الگ خرچہ۔ چھوٹے بڑے بینرز، پمفلٹ، پوسٹرز، ٹکٹ کی ڈیزائننگ اور نہ جانے کیا کیا۔ سب کچھ بجٹ میں شامل ہو کر ایک مکمل رقم کا اندازہ ہو جاتا۔ پھر اندازاً کلچرل فیسٹیول سے جو منافع ہوتا، اس سے ٹوٹل نکل کر پورے بجٹ کی حتمی شکل سامنے آجاتی۔

زین کو اچھا تجربہ تھا کہ کو لیڈرز میں سے کون کس کام میں ماہر تھا۔ اس نے اسی لحاظ سے متعلقہ کام ہر شخص کو سونپ دیا تھا اور وہ تمام کام بہ حسن وخوبی انجام دیئے جا رہے تھے۔

شازیہ اور تیمور تمام سیٹ اپ کا ڈیزائن سوچ رہے تھے کہ کون سی چیز کیسی چاہیے۔ دوسری طرف انوشہ اور کرن مارکیٹنگ کے سارے انتظامات دیکھ رہی تھیں۔ زین کو ابھی ایک میٹنگ ان لوگوں کے ساتھ کرنی تھی جو اس فیسٹیول کے ساتھ اپنے برانڈز کی پبلسٹی کرنے میں دلچسپی رکھتے تھے اور کچھ اور انڈسٹریز کو اس سلسلے میں قائل بھی کرنا تھا تاکہ وہ بھی اس فیسٹیول کا حصہ بنیں۔ سٹیج کی ڈیکوریشن اور پورے فیسٹیول کی سجاوٹ سے متعلق شازیہ اور تیمور کئی لوگوں سے رابطہ کر چکے تھے اور زین سے مشاورت کے بعد ایک کو فائنل کیا تھا جنہیں ان لوگوں نے آج یونیورسٹی بلا کر اسٹیمیٹ کے حوالے سے بات کرنی تھی۔ ارسلان ان کے ساتھ رہ کر تمام خرچے اپنے پاس لکھ لیتا اور بجٹ پر کام شروع کر دیتا۔ پر صبح سے ایک سیشن مکمل ہونے کو آرہا

تھا اور ارسلان اب تک بھی یونیورسٹی نہیں پہنچا تھا۔

زین نے آج کی ہی تاریخ میں کافی کام مکمل کرنے کی تاکید کی تھی۔ چند دن میں ان کے امتحان تھے اور تب یہ سب کرنا ناممکن تھا۔ اس نے تمام کولیڈرز کو سمجھا دیا تھا کہ وہ آج ہی تمام لسٹ تیار کرلیں اور کام کی آوٹ لائن بنالیں تاکہ ترتیب سے ہر چیز مکمل ہوتی رہے۔ ایک پریزنٹیشن جس میں ان کے اقدام کے حوالے سے واضح معلوم ہو سکے گا تو ہیڈ سٹاف بھی ان سے متاثر ہوں گے۔ بلکہ اپنی آراء بھی شامل کریں گے۔

اس وقت شازیہ اور تیمور سوسائٹی روم میں موجود تھے۔ انوشہ اور کرن کلاس میں چلی گئی تھیں پر وہ اپنی ذمہ داری مکمل کر چکی تھیں اور ارسلان کو تمام خرچے سے آگاہ بھی کر دیا تھا۔ زین نے ان کو یہ ہی کام دیا تھا کیونکہ وہ تخلیقی صلاحیتوں میں سب سے آگے تھیں۔ زین بھی کلاس لے کر آئی ٹی بلڈنگ سے نکل کر ایڈمن بلڈنگ کی طرف رخ کر گیا تھا۔ برانڈز کے حوالے سے وہ میٹنگ سے پہلے اپنے سر سے کچھ مشاورت کرنا چاہتا تھا۔ وہ عجلت میں جا رہا تھا جب اس کا فون بجنے لگا۔

''ہیلو؟'' شازیہ کا نام اسکرین پر دیکھ کر اس نے کال ریسیو کی تھی۔

''زین! ارسلان ابھی تک آیا نہیں ہے، تم نے اسے بتا دیا تھا نا کہ آج کا دن ضروری ہے؟'' شازیہ نے کہا۔

''ہاں، میری اس سے کل رات ہی بات ہوئی تھی۔ یہ بتاؤ تم لوگوں نے سب سوچ کر رکھا ہے کہ کیسے کرنا ہے؟'' زین نے اپ ڈیٹ مانگی۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ کچھ بھی غلط ہو۔

''ہاں میں ابھی تیمور کے ساتھ یہ ہی بات کر رہی ہوں۔ جن دو صاحب سے بات کی تھی وہ آنے والے ہوں گے۔ تم آؤ گے؟'' شازیہ نے پوچھا۔

”میں وہیں آ رہا تھا لیکن مجھے ابھی سر قاسم کا میسج آیا ہے کہ انہیں کسی سلسلے میں بات کرنی ہے۔ مجھے نہیں معلوم کتنا وقت لگے گا۔ پھر برانڈز کی پبلسٹی کے لیے ٹیموں سے آج کی میٹنگ ہے۔ تم نے ارسلان کو فون کیا؟“ وہ بات بھی عجلت میں کر رہا تھا۔ وقت کو تو جیسے پَر لگ گئے تھے۔ اسے ہاتھ میں پہنی گھڑی کی سوئیاں بھاگتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔

”ہاں آدھے گھنٹے پہلے کیا تھا پر اس نے اٹھایا نہیں۔“ شازیہ نے کہا۔

”چلو میں کر کے دیکھتا ہوں، بات ہو جائے گی تو بتاتا ہوں۔“ زین نے ارسلان کو کال لگائی لیکن ریسیو ہی نہیں ہوئی۔ وہ کشمکش میں مبتلا ارسلان کو میسج کرنے لگا تھا کہ اس کا فون پھر گنگنانے لگا۔ اس بار اسکرین پر سر قاسم کا نام تھا۔ انہوں نے اسے بتایا کہ کمپنیز اپنے برانڈز کی شہرت اس فیسٹیول کے ذریعے کرنا چاہ رہی تھیں وہ تھوڑی دیر میں پہنچ رہی ہیں۔ یعنی جو میٹنگ دو گھنٹے بعد تھی وہ ابھی ہونے لگی تھی۔ اس نے سنتے کے ساتھ ہی اپنے قدم تیز کر لیے۔ ابھی فون جیب میں رکھتا کہ پھر رنگ کی آواز سے وہ رکا۔ اب ارسلان کالنگ لکھا آ رہا تھا۔ اس نے فوراً کال ریسیو کی۔

”ہیلو! ارسلان یار کہاں ہے تو؟“ وہ جھلا اٹھا۔

”یار! کیا بتاؤں۔ خاندان میں فوتگی ہو گئی ہے۔“

”اوہ! تو اب؟“ زین ارسلان کی بات سن کر یکدم پریشان ہو گیا۔

”اب یہ کہ میں نہیں آ سکوں گا۔ مجھے سب کو لے کر جانا ہے یہاں سے، ابو بھی آفس سے آ رہے ہیں۔“

”کیا۔ یار کیا کہہ رہا ہے۔ شازیہ نے مجھے ابھی فون کر کے بتایا ہے کہ سجاوٹ والے آ رہے ہیں اور واپس ٹائم نہیں دیں گے۔ ارسلان مجھے اس کا حساب سر کو دینا ہے۔“ وہ آشفتہ

حال یہاں سے وہاں ہونے لگا تھا۔
''یار! میں تمہیں فائل ای میل کرتا ہوں، میں نے تھوڑا بہت بنا لیا تھا مطلب، کیا کیا سامان ہیں۔ تم اگر اس میں صرف ان کا حساب ڈال دو گے تو میں پرسوں تک سب کر دوں گا۔ سوری یار۔'' وہ زین کی آواز سن کر شرمندہ ہوا تھا۔
''یار میں سمجھ سکتا ہوں۔ تیری بھی مجبوری ہے، ٹھیک ہے تو مجھے ای میل کر میں کچھ کرتا ہوں۔'' زین نے کال بند ہی کی تھی کہ سر قاسم کا میسج آ گیا۔
''زین! آپ مجھے بجٹ آج ہی دکھا دیجئے گا میں اس کے بعد ایک کام سے باہر جا رہا ہوں۔'' اور یہ میسج دیکھ کر زین کے چھکے چھوٹ گئے۔ مانو سارا آسمان گر پڑا ہو۔ یکے بعد دیگرے وہ الجھن کا شکار ہوتا جا رہا تھا۔ اس نے فوراً سر کو کال لگا دی اور ان سے ایک دو دن کا ٹائم مانگا پر سر نے ایک نہ سنی اور آج کے ہی دن سب دکھانے کے لیے تاکید کی۔ زین نے ارسلان کے حوالے سے عذر بتایا تو سر قاسم کی اپنی مجبوری سامنے آ گئی۔ انہیں یونیورسٹی کے کام سے دو تین دن کے لیے جانا تھا۔ لہٰذا فائنل آج ہی کرنا تھا۔ یہ بجٹ ڈین کے پاس جائے گا اور وہاں سے فائنل ہو کر انہیں سب کام شروع کرنے ہوں گے۔ اگر بجٹ میں ہی تاخیر ہو گئی تو سمجھو کوئی کام شروع نہیں ہو پائے گا۔
اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے لیے وہ خود چاروں طرف سے پھنسا ہوا محسوس کر رہا تھا۔ وہ چاہتا تو یہ کام خود کر لیتا لیکن اسے ابھی ان کمپنیز سے بھی میٹنگ کرنی تھی۔ شازیہ اور تیمور کو وہ اندازے سے لکھنے کو کہہ سکتا تھا لیکن اسے معلوم تھا کہ وہ حتمی شکل نہیں دے سکیں گے۔ زین کے علاوہ ان کے گروپ میں ارسلان ہی ماہر تھا، ان سب میں اور اس کے پاس ہی زیادہ معلومات تھی کہ کتنا حساب رکھا جائے۔ وہ آئی ٹی بلڈنگ اور اکیڈیمک بلڈنگ کے درمیان جو

سڑک موجود تھی وہیں کھڑا کا کھڑا رہ گیا۔ اسے جلد کوئی ترتیب سوچنی تھی۔ باری باری کر کے وہ ہر فرد کو دماغ میں لاتا گیا۔

"انوشہ؟ نہیں وہ گڑبڑ کر دے گی۔ کرن؟ اسے یہ کہاں سمجھ آئے گا۔" کسی ممبر کو یہ کام سونپا بھی نہیں جا سکتا تھا کیونکہ ایک مہینے میں تمام ممبرز کو وہ مکمل طور پر جان نہیں پایا تھا۔

"کون کر سکتا ہے یہ؟" وہ منتشر سا دماغ لیے ایڈمن کی طرف بڑھ رہا تھا جب اس کی اچانک نگاہ سارہ پر پڑی جو اکیڈیمک بلڈنگ سے باہر آئی تھی اور رخ آئی ٹی بلڈنگ کی طرف تھا۔ دماغ کی بتی جلی اور اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ اور سارہ کے پاس بھاگتا ہوا گیا۔

"کیا ہوا؟ ایسے کیوں بھاگ رہے ہو؟ خیریت ہے؟" سارہ نے اسے دور سے ہی اپنی طرف برق رفتاری سے آتا دیکھا تو وہیں رک گئی۔

"سارہ! مجھے تم سے بہت ضروری کام ہے، پلیز منع مت کرنا۔" وہ ہانپتا ہوا اس سے التجاء کر رہا تھا۔

"کیا ہوا ہے؟" وہ اس کے چہرے پر تناؤ دیکھ کر یکلخت ہی پریشان ہوئی۔

"یار! مجھے ابھی تھوڑی دیر میں پورے فیسٹیول کا اسٹیمیٹڈ اور پھر ایک فائنل بجٹ تیار کر کے سر کو دکھانا ہے۔ پر سارا مسئلہ یہ ہو گیا ہے کہ یہ کام ہی ارسلان کا تھا جو آج آیا نہیں، اس کی فیملی میں کسی کی فوتگی ہو گئی ہے۔" زین نے تیزی سے سب کہہ دیا۔

"تو ایک دو دن بعد دکھا دو؟" سارہ نے مشورہ دیا جس پر زین نے اسے جواب دیا کہ وہ کوشش کر چکا ہے لیکن سر نہیں مان رہے۔

"تو تمہاری ٹیم میں یہ کام تو کوئی بھی کر دے گا۔ یہ تو آسان ہے۔" سارہ نے لاپروائی سے کندھے اچکائے۔

”سارہ! میں خود بھی یہ بجٹ بنا لیتا، لیکن میری ابھی کسی کام کے حوالے سے مصروفیت نکل آئی ہے، ابھی فوری طور پر ایک میٹنگ ہے جس میں مجھے جانا ہے اور باقی سب کا مجھے پورا یقین ہے کہ نہیں کر پائیں گے۔ تھوڑی بھی غلطی کی گنجائش نہیں ہے۔“ وہ عجلت اور پریشانی کی عالم میں تھا۔

”ہمم۔ یہ تو واقعی پھر بڑا مسئلہ ہے، تو اب؟“ سارہ نے پوچھا۔

”سارہ! میں چاہتا ہوں یہ کام تم کرو...... ابھی۔“ زین نے کہا۔

”کیا؟...... میں کیسے کر سکتی ہوں؟“ سارہ کو شاک لگا۔

”ابھی تو تم نے کہا آسان ہے اور واقعی آسان ہے تم مجھے بس اس کی پراپر ایکسل فائل بنا کر دے دو، آگے پیچھے جو کرنا ہو گا وہ میں تھوڑی دیر میں دیکھ لوں گا۔ ارسلان پہلے ہی ایک فائل پر کام شروع کر چکا ہے۔ وہ تمہیں ای میل کر دوں گا تم اس پر ہی کام کرنا اور شازیہ تیمور تمہیں سب سمجھا دیں گے۔“ شازیہ کا نام سن کر وہ جو کچھ قائل بھی ہو رہی تھی پہلے تو حیران ہوئی پھر سراسیمہ سی ہو کر زین کی جانب دیکھا۔

”زین! میں ان لوگوں کے ساتھ کام نہیں کر سکوں گی، اور ویسے بھی ابھی میری کلاس ہے۔“ وہ اس کے چہرے کے تاثر سے بھانپ گیا تھا کہ وہ شازیہ کے ساتھ کام کرنے میں غیر آرام دہ ہو رہی ہے۔ پھر اب تک سارہ نے کبھی بھی یونیورسٹی میں کلاس بنک بھی نہیں کی تھی۔ یہ الگ ٹینشن اس کے سر پر ناچ رہی تھی۔

”اوہ! ابھی فارغ نہیں ہو تم؟“ زین کی آواز میں مایوسی در آئی۔ وہ سوچ میں پڑ گیا تھا۔ اس کے چہرے پر ٹینشن سارہ کو صاف نظر آ رہی تھی۔ سارہ کے ضمیر نے ملامت کرنا شروع کر دیا۔ وہ زین کو منع کر کے پچھتا رہی تھی پر شازیہ کو فیس کرنا اس کے لیے آسان نہیں تھا۔ اور پھر کلاس......

اس کا کیا؟ دل ودماغ کی جنگ میں پھنس گئی تھی اور مقابل کھڑا زین جس نے اپنے ہاتھ پر بندھی گھڑی دیکھی تو وقت دیکھ کر چونکا پھر سارہ کو وہیں چھوڑ کر ایڈمن کی طرف بھاگنے لگا۔

''زین!'' سارہ نے زور سے آواز لگادی اور تیز قدم بڑھاتی ہوئی اس کے پاس جا پہنچی۔

''میں کر دوں گی یہ کام، تم میٹنگ میں بے فکر ہو کر جاؤ۔'' اس کا ضمیر اسے اندر ہی اندر تھپتھپا رہا تھا۔ شاباشی دے رہا تھا اور دل ودماغ میں امن ہی امن ہو گیا تھا۔

''پر تمہاری کلاس؟'' سارہ کے مان جانے پر وہ خوش تو ہوا تھا پر سارہ کو پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا۔

''کوئی بات نہیں، ویسے بھی پروڈکشن کی ہے، ایک مس ہو جائے گی تو بھی اتنا نقصان نہیں ہو گا جتنا تمہارا اس وقت ہو رہا ہے۔'' سارہ نے مدھری مسکراہٹ کے ساتھ اسے تسلی بخش جواب دیا اور وہ جس کا چہرا تناؤ کا شکار تھا فوراً ریلیکس ہوا۔

''واقعی میں؟ شکریہ سارہ، میں شازیہ کو بتا دیتا ہوں تم آ رہی ہو، یہ لوگ سوسائٹی روم میں ہیں تم وہیں چلی جاؤ، بہت بہت شکریہ۔'' زین کی خوشی اس کے چہرے سے عیاں تھی۔ اس نے اطمینان کا سانس لیا اور وقت مزید ضائع کیے بنا میٹنگ کے لیے بھاگا۔ پر پیچھے کھڑی سارہ مدد کے لیے ہاتھ تو بڑھا گئی تھی لیکن شازیہ کا خیال آتے ہی وہ کشمکش سی لب کاٹتی رہ گئی۔

زین نے ساری بات شازیہ کو سمجھا دی جسے سن کر یہ سب اس پر گراں گزرا۔ پوری یونیورسٹی میں اسے سارہ ہی دکھی تھی۔ وہ جلے پاؤں کی بلی کی طرح ادھر ادھر مچل رہی تھی۔ سارہ ان کی زندگیوں میں داخل ہو رہی تھی۔ اسے رہ رہ کر انوشہ اور باقیوں کی باتیں یاد آنے لگی تھیں جنہوں نے پہلے بھی شازیہ کو متنبہ کیا تھا پر وہ اس وقت ٹال گئی تھی پر اب خود بھی پہلے تو زین پر حیران ہو رہی تھی پھر سارہ کے ان کے گروپ میں تقریباً داخل ہونے سے پریشان الگ تھی۔

سارہ سیڑھیاں چڑھ کر سوسائٹی روم کے دروازے تک جا پہنچی۔ ہینڈل پر ہاتھ رکھا ہی تھا کہ اس کی گلٹی ابھر گئی۔ دوست کی خاطر اسے کیا کیا کرنا پڑ رہا تھا۔ وہ دروازہ کھول کر اندر آئی تو تیمور اور شازیہ کو بیٹھا دیکھا۔ تیمور کے تاثرات دیکھ کر ہنوز ویسے ہی تھے پر شازیہ کے تیور چڑھ گئے تھے۔ تیمور نے اسے کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور سامنے رکھے کاغذات جس میں آج کی میٹنگ کے حوالے سے تمام اقدام درج تھے بتاتا چلا گیا۔ سارہ نے شازیہ کی اپنی طرف زہر خند آنکھوں کو محسوس تو کیا تھا پر وہ اب تمام کی تمام توجہ کام پر دینا چاہتی تھی۔ اس سے ہوا یہ کہ اس کی گھبراہٹ آہستہ آہستہ جاتی رہی اور وہ اپنی ذہانت استعمال کرتی ہوئی کام میں جت گئی۔ میٹنگ کے دوران وہ شازیہ اور تیمور کی تقلید میں باسکٹ بال کورٹ چلی گئی تھی۔ وہ دونوں کام سمجھاتے جا رہے تھے اور سارہ ان لوگوں کا اسٹیمیٹ لکھ رہی تھی۔ جب ان دونوں کی طرف سے اطمینان ہوا اور میٹنگ اختتام کو پہنچی تو یہ سب سوسائٹی روم چلے گئے اور تیمور نے سارہ سے کہہ دیا کہ وہ اب اسے صحیح ترتیب دیکر زین کو پہنچادے۔

تمام میٹنگ میں شازیہ نے اس سے لاتعلقی رکھی تھی۔ پر سارہ نے شازیہ کی حرکت کو نظر انداز کر دیا۔ وہ خاموشی سے پلٹ کر لائبریری چلی گئی اور کام شروع کر دیا۔ اس نے ارسلان کی ای میل کھولی اور آہستہ آہستہ سمجھنے لگی تھی کہ زین کو بجٹ کس طرح بنا کر دینا تھا۔ ارسلان نے اس فائل میں کچھ بھی نہیں کیا ہوا تھا صرف جو کاموں کی فہرست تھی وہ موجود تھی۔ انوشہ کی دی گئی معلومات اس نے اگلی شیٹ پر درج کی ہوئی تھی جسے مرکزی شیٹ پر حساب سے شامل کرنا تھا۔ سارہ نے اسی فائل پر کام کرنا شروع کر دیا۔ اس نے تمام کاموں کی فہرست ترتیب سے لکھی جیسے ٹینٹ، سٹیج کی سجاوٹ، ساؤنڈ سسٹم، کرسیوں کی تعداد، پھر کتنے سٹالز لگیں گے وغیرہ۔ پھر اس کے بعد انوشہ کی دی گئی معلومات کو فہرست میں شامل کیا اور ایک مکمل کاسٹ

نکال کر آخری میں درج کر دی۔ پر اس میں مزید اہم چیزیں ابھی بھی شامل ہونی تھی۔ جیسے برانڈز کے ساتھ کتنی انویسٹمنٹ ہوگی۔ انداز اً ٹکٹ سے آنے والی رقم۔ سٹالز لگانے کے لیے جو رقم طلبا دیں گے۔ اس کے علاوہ بھی کئی اہم نکات تھے۔ وہ یکے بعد دیگرے فہرست میں ایک ایک چیز شامل کرتی گئی۔ برابر کولم میں اس نے تعداد اور پھر اس سے آگے کولم میں اس نے قیمت وغیرہ کے متعلق کام کر لیا تھا۔ سب چیزیں ایک بار صحیح سے چیک کر کے اس نے اس پیپر کا پرنٹ آؤٹ کروالیا اور اب ایڈمن میں زین کو دینے کے لیے چلی گئی۔ وہ اس کمرے کے باہر کھڑی تھی جہاں اندر زین سر سے بجٹ مباحثوں میں مصروف تھا اور یہاں آنے سے پہلے ہی اس نے زین کو میسج کر دیا تھا۔ تھوڑی دیر گزری تھی کہ زین باہر آ گیا۔

''بالکل وقت پر آئی ہو تم۔'' زین نے سکون کا سانس لیا اور اس سے بجٹ کی شیٹ لے کر دیکھنے لگا۔

''میں نے اس میں سب معلومات شامل کی ہیں۔ تم ان حساب کو دیکھ کر اب با آسانی سر سے بات کر سکو گے۔ مجھے نہیں لگتا تمہیں اس میں کچھ بھی مسئلہ پیش ہوگا اب۔'' سارہ نے مطمئن ہو کر کہا۔

زین یہ سب دیکھ کر حیران رہ گیا۔ ایسے سلیقے سے کیے ہوئے کام کی توقع اس نے ارسلان سے بھی نہیں کی تھی۔ اس میں کچھ بھی تبدیل کرنے جیسا نہیں تھا۔ وہ سارہ کی کوشش سے بہت متاثر ہو گیا۔

''تم ساتھ چلو میرے، یہ تم نے بنایا ہے اور میں چاہتا ہوں یہ تم ہی دکھاؤ سر کو۔'' زین نے توصیفی نگاہ سے اسے دیکھ کر التجاء کی۔

''کیا ہو گیا ہے؟ میں اندر جا کر کیا کروں گی۔ صرف دکھانا ہی تو ہے تم دکھا دو۔'' سارہ دو

قدم پیچھے ہوئی۔

"سارہ! اگر ارسلان ہوتا تو اس کو ساتھ لے کر جاتا لیکن ابھی تم ہو اور یہ سب تم نے بنایا ہے۔ اس حوالے سے تم مجھ سے بہتر بات کر سکو گی اور ابھی ہمیں فائنل بجٹ بھی مل جائے گا۔ تم اسی وقت شامل کرتی رہنا۔" زین نے مزید وقت ضائع کیے بغیر سارہ کا تعارف سر قاسم سے کروا دیا اور اب تینوں ہی اس کمرے میں بجٹ پر مباحثہ کرنے میں مصروف ہو گئے۔

☆......☆......☆

تیسری روٹی توے پر سینک رہی تھی اور چوتھی روٹی بیلنے پر بیلتی جا رہی تھی۔ ابھی مزید پانچ روٹیاں باقی بنانی تھیں۔ چولہے کی تپش نے مختصر کچن کی درجہ حرارت میں مزید اضافہ کر دیا تھا۔ پر سارہ اور زینت اس کے عادی تھے۔ گرمی کو برداشت کرتے ہوئے بھی کام نپٹا رہے تھے۔

"سارہ! دال میں بھی بگھار لگا لینا۔" زینت کچن میں آئیں اور دال کا چولہا بند کر دیا۔

"جی امی۔" سارہ نے کہا۔ ایک ہاتھ سے روٹی سینکتی اور دوسرے ہاتھ سے وقفے وقفے سے دوپٹے کے پلو کو پکڑ کر ماتھے پر پسینہ صاف کرتی رہتی۔

"اچھا سارہ! مجھے تم سے بات کرنی تھی، آج تمہاری ہونے والی ساس کا فون آیا تھا، وہ چھوٹی سی منگنی کی رسم کرنا چاہ رہی ہیں اس ہی اتوار کو۔ کہہ رہی تھیں کہ ایک ہی بیٹا ہے ارمان پورے کرنا چاہ رہی ہوں۔" زینت نے کہا۔

"ایک سال سے تو بات طے ہے پھر اب رسم کی کیا تک بنتی ہے؟" سارہ کو تپ چڑھی۔

"میں نے بھی یہ ہی کہا پر ان کا یہی کہنا ہے کہ ابھی تک تم دونوں کی کوئی بھی رسم نہیں ہوئی، اور وہ تمہیں اپنے دوسرے رشتہ داروں سے ملوانا چاہ رہی ہیں۔" زینت نے کہا۔

"امی! آپ کو منع کر دینا چاہیے تھا۔ اب کپڑے وغیرہ یہ سب کیسے ہوگا؟" سارہ نے کہا۔

''تمہارے کپڑے وہ کریں گی اور ہمیں شاہ زیب کا کرتا ہوگا۔تمہارے ماموں نے بھی ہاں بھرلی ہے اور کھانا میں سوچ رہی تھی باہر سے کرلیں گے۔ظاہر ہے ہمارے بھی چند رشتے دار شامل ہوں گے اس طرح مہمانوں کی تعداد کافی ہوگی۔'' زینت نے کہا جنہیں سن کر سارہ نے فوراً گردن نفی میں ہلائی۔

''نہیں، کھانا باہر سے مت کریں، اس اتوار کا ارادہ ہے نا؟ میں بنادوں گی، آپ ماموں سے سامان منگوالیں۔ابھی جہیز کے بھی اخراجات ہیں۔'' سارہ نے کہا۔

''ایک تو سر پر بوجھ۔کام تو کم از کم صحیح کرو۔'' فاروق کی کہی ہوئی بات سارہ کیسے بھول سکتی تھی۔

''تم کیسے کروگی؟ کافی بنانا ہوگا اور پھر رات میں تمہاری رسم بھی ہے۔'' زینت نے چونک کر کہا۔

''کوئی بات نہیں کھانا پکنے میں دیر نہیں لگتی، صبح اٹھ کر یہ کام کرلوں گی، رسم ویسے بھی رات کو ہوگی۔'' اس کا اٹل لہجہ زینت کو چپ کروا گیا۔وہ جانتی تھیں سارہ ایسا کیوں کر رہی ہے۔

''ٹھیک ہے، پھر میں بھی ساتھ لگ جاؤں گی تاکہ سب کام ہوجائیں۔'' زینت نے اس کے سپاٹ چہرے کو دیکھا اور پُر الم سی وہاں سے چلی گئیں۔وہ ضبط سے کھڑی توے پر روٹی سینک رہی تھی۔چولہے کی حدت اس کے دل کی تمازت کو مات دینے میں ناکام تھی۔دل کی تپش پر کبھی محبت کی پھوار جو نہ برسی۔کبھی اس کو سراب نہ مل سکا۔آنکھوں کے اندرونی کنارے سے آنسو نکل کر گرنے پر تھا جسے سارہ نے دوپٹے کے پلو سے وہیں پونچھ دیا۔

''اگر بیٹی سمجھ کر بیاہ کرتے تو خوشی خوشی چلی جاتی، پر آپ تو مجھ سے جان چھڑانا چاہتے ہیں ماموں۔''

☆......☆......☆

”ارے یار، کیسا ہے؟ پھر کیا ہوا بجٹ کا؟“ ارسلان زین سے فون پر بات کر رہا تھا۔

”میں ٹھیک ہوں، اور شکر سب ہو گیا، سارہ نے سب کام کر دیا تھا اور تو مان یا نہ مان تجھ سے ہزار گنا اچھا کیا ہے۔“ زین نے جتایا تو وہ ابرو اچکا گیا۔

”اچھا! ویسے سارہ کو کیوں کہا تو نے؟“ ارسلان نے پوچھا۔ کیفے میں کی ہوئی اپنی اور سارہ کی گفتگو یاد آئی تو خفت سی محسوس ہوئی اسے۔

”کیونکہ ایک وہ ہی مجھے معقول لگی تم سب نامعقول میں۔“ اس نے ارسلان کو آڑے ہاتھوں لیا۔ جو اپنی بے عزتی زین کے منہ سے سن کر کھسیانی سا ہنسا۔ میٹنگ کے بعد سارہ زین کو ارسلان کی فائل کے متعلق آگاہ کر چکی تھی کہ اس میں کیا کیا نہیں تھا جس پر زین نے سر ہی پیٹ لیا تھا۔

”اب سن! کچھ چیزیں ہیں وہ سارہ کل کر کے لا کر تجھے دے گی۔ میں نے اسے تیرا نمبر بھی دے دیا ہے۔ تو چاہے تو اس سے فنکشن اور دیگر مسائل پر بھی مشورہ لے سکتا ہے کیونکہ اب وہ بھی ٹیم کا ایک حصہ بن گئی ہے۔ سر کو اس کا کام بہت اچھا لگا تھا اور مجھے اسے شامل کرنے کے لیے مشورہ دیا۔“ زین نے کہا۔ وہ بے حد مطمئن اور خوش لگ رہا تھا۔

”واہ بھئی! چل میں کل آتا ہوں تو اس سے ملتا ہوں۔“ ارسلان نے کہا۔

”ہاں، میں تجھے بھی نمبر دے رہا ہوں اس کا۔ چل میں رکھتا ہوں کل صبح ملتے ہیں۔“ زین نے کہہ کر فون بند کر دیا۔ رات میں سارہ نے ارسلان کو میسج کر دیا تھا کہ پیپرز وغیرہ وہ صبح کلاس شروع ہونے سے پہلے اسے دے گی۔ اور دونوں نے کلاس کے باہر ہی جگہ مقرر کر لی تھی جہاں انہیں ملنا تھا۔

سارہ صبح اکیڈمک بلڈنگ میں داخل ہوئی تھی کہ اسے ارسلان کلاس کے باہر کھڑا موبائل

استعمال کرتا نظر آیا۔ وہ اور زین کالج کے زمانے سے ساتھ تھے اور کافی گہرے دوست تھے۔ ارسلان کا قد لگ بھگ زین جتنا ہی تھا اور رنگ تھوڑا سانولا تھا۔ بال سیاہ رنگ کے اور چہرے پر شوخی ہر وقت نظر آتی تھی۔ وہ سنجیدہ کم ہی ہوتا تھا۔

"یہ لو ارسلان یہ سارے پیپرز ہیں اور فائل۔" وہ موبائل میں مشغول تھا جب سارہ اس کے پاس آئی اور کہنے لگی۔

"اوہ۔" ارسلان نے اس کے اچانک نازل ہونے پر چونک کر دیکھا۔

"ہاں۔ ویسے السلام علیکم بھی کچھ ہوتا ہے۔" ارسلان نے اس سے پیپرز لیے۔

"وعلیکم السلام۔ ہو گیا! اب چیک کر لو سب اور جو پوچھنا ہے پوچھ لو مجھے بھی اپنی کلاس میں جانا ہے۔" وہ ہونق سی شکل لیے اس سپاٹ چہرے والی لڑکی کو دیکھتا ہوا اب فائل چیک کرنے لگا تھا۔

ارسلان نے سارے پیپر چیک کیے پھر بجٹ اور دیگر چیزیں دیکھ کر کل شب زین کے ساتھ کی گئی بات سے متفق ہوا۔ وہ حقیقتاً اس طرح کام نہیں کرنے والا تھا۔ جتنی ترتیب اور صفائی سے سارہ نے ہر چیز لکھی تھی، واقعی یہ کام تعریف کے لائق تھا۔

"زبردست بھئی! مطلب مجھے نہیں معلوم تھا کہ اس بڑے سے کالے چشمے کے پیچھے اتنا اچھا دماغ بھی ہے۔" اس کی زبان پھسلی۔ وہ کہہ کر زبان تو دانتوں تلے دبا گیا پر سارہ کا میٹر شارٹ ہوا۔

"کیا کہا تم نے؟" سارہ کے چہرے سے صاف ظاہر تھا کہ اب ارسلان کی خیر نہیں۔

"ارے کچھ نہیں میں نے کچھ نہیں کہا۔" وہ بپھری شیرنی کی طرح دھاڑی تو وہ گیدڑ کی طرح دبک گیا۔

”نہیں تم پھر سے بولو کیا کہا تھا واپس بول کے دکھاؤ۔“ سارہ کا بس نہیں چل رہا تھا جوتی اتار کے مار دے۔ وہ تھا بھی اکیلا اور سارہ کے لئے اس سے نپٹنا آسان تھا۔

”کیا ہو گیا تم دونوں کو؟“ زین ابھی ابھی ان دونوں کے درمیان شامل ہوا اور سارہ کی کہی ہوئی بات اس نے سن لی تھی۔

”اس سے پوچھو اس نے کیا بولا ہے ابھی۔“ سارہ نے زین سے کہا اور زین نے ارسلان کو دیکھا، اسے کچھ سمجھ نہیں آیا۔

”ارے یار! میں نے تعریف کی ہے اس کی، اسے سمجھ ہی نہیں آ رہا۔“ ارسلان زین کو سمجھانے لگا۔

”تعریف؟ تم اس طرح کی بات کو تعریف کہتے ہو؟“ سارہ نے غصے سے کہا۔

”ایک منٹ رک جاؤ تم دونوں، کیا بچوں کی طرح لڑ رہے ہو، ارسلان کیا کہا ہے یار تم نے اسے؟“ زین نے اب ارسلان سے پوچھا۔

”رہنے دو۔“ سارہ نے غصے سے ارسلان کو دیکھا اور چلی گئی۔

”سارہ! یار ارسلان کیا کہا ہے تم نے؟“ زین زچ ہوا۔

”یار! میں نے تو بس یہ کہا تھا کہ اتنے بڑے سے چشمے کے پیچھے ایسا دماغ......“

”ارسلان! یار سوچ کر تو بولا کر۔ تجھے معلوم نہیں ہے وہ کتنی حساس ہے۔“ زین ایک منٹ نہ رکا اور سارہ کی طرف بھاگتا ہوا گیا۔ وہ تیز قدم لیتی روش پر چل رہی تھی جب وہ رفتار بڑھاتا ہوا اس کے سامنے آ کر راستہ روک گیا۔

”سارہ! یار، میری بات سنو، اس کا واقعی وہ مطلب نہیں تھا۔ وہ ہے ہی ایسا۔ اسے نہیں معلوم ہوتا کہ کب کیا کہنا ہے۔“

سارہ نے رنجیدہ اور طیش کے ملے جلے تاثرات سے زین کو دیکھا۔

''تم تو اس کی ہی حمایت کرو گے، اس کے دوست جو ہو۔'' اس کی آواز بوجھل ہوئی۔

''سارہ! میں اس کی حمایت نہیں کر رہا، تم اس کے مذاق کو اتنا سنجیدہ مت لو۔'' زین نے سمجھانا چاہا۔

''اچھا...... کتنا آسان ہوتا ہے نا لوگوں کا مذاق اڑانا! پوش علاقے سے تعلق رکھنے والوں نے اپنے سے نچلے طبقے کے لوگوں پر کبھی غور ہی نہیں کیا۔ ضروری نہیں جو ہم نظر آتے ہیں وہ شوق سے کر رہے ہوں۔ مجبوری بھی ہو سکتی ہے۔ جوتوں کے تلوؤں پر چھید ہو جائے پھر بھی گھستے رہتے ہیں کہ کوئی بات نہیں کچھ اور دن سہی، اس بہانے دوسرے اخراجات پورے ہو جائیں گے۔ ہاتھ میں پہنی گھڑی کو ہزار بار بنواتے ہیں۔ ٹچ اسکرین موبائل کو غیر ضروری سمجھ کر کی پیڈ والے فون کو ترجیح دیتے ہیں اور اسے بھی جتنا ہو سکے چلاتے ہیں۔ ایک ایک جوڑے کو کئی بار استعمال کرتے ہیں حتیٰ کہ اس کی چمک ماند پڑ جاتی ہے پر جب تک پہننے کے قابل نہ ہو پہنتے رہتے ہیں۔ ہم ایک ایک چیز کو احتیاط سے استعمال کرتے ہیں تاکہ فضول خرچوں سے بچ سکیں۔ کیونکہ ہمیں گھر کی چکی چلانی ہوتی ہے۔ جو دکھتا ہے وہ ہوتا نہیں۔ کتنا آسان ہے ہر کسی کے لیے مقابل کی مجبوری کو مذاق میں اڑا دینا۔ مجھے بتاؤ کون بیوقوف چاہتا ہے کہ وہ سب کی نظروں میں تمسخر بنے۔ بغیر سوچے سمجھے کسی کے بارے میں کتنے آرام سے مذاق کر لیتے ہیں۔ کوئی تو وجہ ہو گی وہ اس طرح کر رہا ہے۔ کبھی اس طبقے کو تو سمجھو۔'' وہ ضبط کا مظاہرہ کر کے آنسوؤں کو باڑ لگائے ہوئے تھی اور جو اتنے عرصے سے نہ کہا تھا سب کچھ اگل گئی تھی۔ زین کی غلطی نہ ہونے کے باوجود بھی وہ شرمندگی محسوس کرنے لگا تھا۔ حالات و واقعات سے وہ انجان نہیں تھا پر آج سارہ کے منہ سے سب سن کر اس کے دل کو تکلیف محسوس ہوئی تھی۔

سارہ کے لفظوں نے اس کی نگاہیں نیچے کر دی تھیں۔
''اس کی طرف سے میں تم سے معافی مانگتا ہوں، وہ دل کا بہت اچھا ہے پر کبھی نادانی میں کچھ زیادہ ہی بول جاتا ہے۔'' وہ چپ ہوئی تو زین نے زیرلب اس سے التجاء کی۔ اس کی آواز میں ندامت محسوس کرتی ہوئی سارہ کا ضبط ٹوٹا۔ وہ رکی نہیں زین کے بائیں طرف سے چلتی چلی گئی۔

☆......☆......☆

پیر سے اس کے امتحان تھے اور آج اتوار کو وہ صبح سے اٹھی ہوئی کچن میں زینت کے ساتھ دعوت کے لئے کھانا تیار کر رہی تھی۔ پیپر کی تیاری وہ پہلے ہی کر چکی تھی پر پھر بھی ٹینشن کی وجہ سے کتاب کچن میں کاؤنٹر پر ایک طرف کھولے ہوئے ساتھ ساتھ پڑھ بھی رہی تھی۔ لونگ روم سے زینت اور سارہ نے مل کر کھانے کی میز اور صوفے کے ساتھ چھوٹی میز کو ہٹا کر سارہ کے کمرے میں رکھ دیا تھا۔ تاکہ مہمان باآسانی بیٹھ سکیں۔ دونوں شام تک فارغ ہو گئی تھیں۔ مہمانوں کا آنے کا وقت ہوا تو سارہ تیار ہونے چلی گئی۔ اس نے شمپین رنگ کی میکسی ملبوس کی ہوئی تھی جس پر سلور اور سنہرے رنگ کے نگوں سے کام کیا ہوا تھا۔ نیچے چوڑی دار پاجامہ تھا۔ سڈول ہاتھوں میں مہندی رچی تھی جو ایک دن قبل اس کی پڑوسن نگین نے لگا دی تھی۔ دونوں ہاتھوں میں تھوڑی تھوڑی سلور اور سنہری چوڑیوں نے ہاتھوں کی خوبصورتی میں مزید اضافہ کر دیا تھا۔ لمبے گھنیرے بال جو پشت پر کھلے ہوئے تھے انہیں سلجھا کر کلپ کی مدد سے مقید کیا۔ پھر زینت نے اس کے سر پر گلابی رنگ کا دوپٹہ جس پر فاصلے سے سلور اور سنہرے نگوں سے کام تھا پن لگا کر سیٹ کر دیا تھا۔ ہونٹوں پر گلابی لپ سٹک اور آنکھوں میں کاجل لگائے وہ بے حد حسین اور پرکشش لگ رہی تھی۔

کچھ ہی دیر میں مہمانوں کی آمد شروع ہوئی۔ زینت کے خاندان سے ان کی بہن شامل تھیں جنھیں بہت اصرار پر زینت نے بلایا تھا۔ وہ فاروق کے رویے کے باعث احتراز کرتی تھیں اور زینت سے کم ہی ملا کرتی تھیں۔ فاروق کی طرف بھی یہی حال تھا۔ البتہ خاندان میں ہونے والی شادی بیاہ میں انہیں مدعو کیا جاتا تھا۔ پھر لے دے کر ایک چچا اور چچی ہی بزرگوں میں اب تک حیات تھے جنھیں فاروق نے آج بلایا تھا۔ ان کے علاوہ قریبی ہمسائے میں سے بھی خواتین کو زینت نے مدعو کر لیا تھا۔ شاہ زیب کے خاندان سے اس کے گھر والے، دو پھوپھو بمع شوہر اور بچے اور ایک خالہ اور ان کے بچے موجود تھے۔ مختصر سالونگ روم مہمانوں سے کھچا کھچ بھر گیا تھا۔ مرد حضرات کے لیے زینت اور فاروق کے کمرے میں بیٹھک لگادی تھی۔ لہٰذا وہ سیدھے وہیں گئے تھے۔ شاہ زیب نے سفید شلوار قمیض پہنی تھی اور اس پر کالے رنگ کی واسکوٹ تھی۔ وہ دیکھنے میں ٹھیک لگتا تھا، رنگ گندمی اور چہرے پر ہلکی سی داڑھی اور مونچھیں تھیں۔ سارہ اور شاہ زیب دونوں کو صوفے پر بٹھایا گیا تھا اور رسم کا سلسلہ شروع ہوا۔

دونوں نے پہلے ایک دوسرے کو انگوٹھی پہنائی اور اس کے بعد سب نے باری باری آکر دونوں کا منہ میٹھا کرنا شروع کیا۔ سارہ کو مٹھائی کا ہر نوالا دوسرے نوالے سے مزید کڑوا لگ رہا تھا۔ کل ہونے والے امتحان کی فکر میں وہ بس مسلسل دل میں دعائیں کر رہی تھی کہ جلدی تقریب ختم ہو تاکہ وہ پڑھ سکے۔ رسم ختم ہونے کے بعد دستر خوان کی تیاری شروع ہوگئی اور سب کی توجہ اب اس جوڑے پر سے ہٹی۔ آج رضیہ کی نندیں سارہ کی تعریف مسلسل کیے جا رہی تھیں۔ وہ واقعی بہت خوبصورت لگ بھی رہی تھی۔ جیسے ہی شاہ زیب کو موقع ملا اس نے بھی جملہ اچھال دیا۔

''آج بہت اچھی لگ رہی ہو۔''

پر سارہ نے کوئی جواب نہ دیا۔ اسے آج بھی ان کے درمیان ہوئی آخری گفتگو یاد تھی۔ یہ تو فاروق کے مزاج سے وہ بہت ڈرتی تھی ورنہ آج شاہ زیب کی خیر نہیں تھی۔ سب کھانا کھانے لگے تھے اور سارہ اور شاہ زیب بھی دستر خوان پر آ گئے تھے۔ کھانا تناول ہوا تو سارہ کو اس کے کمرے میں بھیج دیا جہاں خواتین اس کے پاس آ کر بیٹھ گئیں اور باتیں کرنے لگیں۔ کچھ دیر اور گفت وشنید میں وقت گزرا پھر سب مہمان جاتے رہے۔ سارہ اور زینت نے مل کر سب کچھ مستعدی سے سمیٹا اور اس کے بعد وہ پھر سے پڑھنے بیٹھ گئی۔

اگلے دن پہلا پیپر دے کر وہ ایکٹیوٹی سینٹر چلی گئی۔ آج زنیرہ اور سارہ نے پہلے فلور پر موجود صوفوں پر آرام دہ حالت میں سیر ہو کر پڑھنے کا ارادہ کیا تھا۔ زنیرہ ٹک شاپ پر تھی جب سارہ نے ایک صوفہ منتخب کیا اور آرام سے بیٹھ گئی۔ گھر جاتی تو کاموں میں مصروف ہو جاتی پھر زنیرہ بھی اکیلی تھی۔ وہ جاتی ہی وین سے تھی اس لیے اس نے سارہ کو رکنے کے لیے اصرار کیا تھا۔ بیگ کو ایک طرف رکھ کر اگلے پیپر کے سارے نوٹس میز پر رکھ کر وہ ترتیب دے رہی تھی جب اس کا فون جو وائبریشن پر تھا، اس کی زون زون کرتی آوازیں آنے لگیں۔ اس نے موبائل نکال کر اسکرین پر نام دیکھا تو حلق تک کڑوا ہو گیا۔ زچ ہو کر اس نے واپس اندر رکھنا چاہا لیکن یہ کرنا ناممکن تھا۔ اس نے فون کال اٹینڈ کی اور کان سے لگا لیا۔

”جی شاہ زیب! بولیے۔“ لہجہ ہر تاثر سے عاری تھا۔

”اوہ۔ اس بار تو تم کو پہلے ہی معلوم ہو گیا کہ میں نے کال کی ہے۔“

”جی نمبر سیو کر لیا تھا آپ کا۔“

”چلو۔ دل میں نہ سہی موبائل میں تو مجھے سیو کیا تم نے۔“ سارہ کے چہرے پر بیزاری عیاں ہوئی۔ اگر ابھی اسے کوئی زہر پینے کو دیتا تو وہ شوق سے پی لیتی۔

"شاہ زیب! میں مصروف ہوں آپ مدعے پر آئیں۔ کیوں فون کیا ہے؟"

"بھول گئیں۔ ابھی تک تم نے میرا احسان نہیں اتارا۔ تمہیں بتانا چاہتا تھا کہ تمہارے ماموں سے میری بہت اچھی بات چیت ہو گئی ہے۔ اور صرف فون پر ہی یہ بتا دینا کہ اصل حقیقت اس شادی کو آگے کرنے کی کیا تھی۔ میرے لئے بہت آسان ہے۔"

"آپ مجھے بلیک میل کر رہے ہیں؟" سارہ کا پارا چڑھنے لگا۔

"نہیں نہیں، تم جیسی ہوشیار اور اکڑ دکھانے والی کو میں بلیک میل نہیں کر سکتا۔ میرے دوستوں سے نہ سہی۔ مجھ سے ایک بار مل لو۔ گھر میں کون سا آرام سے بات ہو پاتی ہے۔"

"شاہ زیب! میں اپنے ماموں کی اجازت کے بغیر آپ سے نہیں مل سکتی، اگر آپ کو ٹھیک لگتا ہے تو خود ان سے بات کر لیں۔"

"یار! تم تو ایسا نہ بولو۔ کیا یونیورسٹی میں لڑکوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا نہیں ہے تمہارا؟" وہ زچ ہوا۔

"دوستوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا اور اپنے منگیتر کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے میں بہت فرق ہے۔ جو رشتہ میرا آپ سے ہے وہ یہاں اور کسی سے نہیں، اور ویسے بھی شادی سے پہلے ملنا یا بات کرنا بھی اچھا نہیں سمجھا جاتا۔" اس نے قدرے لہجہ نارمل رکھ کر شاہ زیب کو سمجھایا۔ پر مقابل سمجھتا تو بات تھی۔

"سارہ! تم تو ایسی باتیں نہ کرو۔" وہ ہنس پڑا اور اس کی ہنسی سے سارہ مشتعل ہوئی۔

"شاہ زیب! میں ایسی ہی بات کروں گی۔ آپ آزاد خیال ہوں گے، میں نہیں...... اور اگر آپ کو ایسی ہی لڑکی چاہیے تو پھر اپنے فیصلے پر غور کریں۔ اللہ حافظ۔" سارہ نے فون بند کر کے بیگ میں پٹخ دیا۔ یہ آفت اس کی سر پر جب بھی منڈلاتی تھی سب ستیاناس کر کے جاتی

تھی۔ وہ جھلائی ہوئی صوفے پر ٹیک لگا گئی اور توجہ کل کے پیپر کی جانب مبذول کرلی۔

"کہیں یہ تو وہ بند جگہ نہیں جہاں سے میں خواب میں نکل نہیں پاتی۔" وہ سوچوں میں گم ہوگئی اور اسے معلوم نہ ہوا کہ کب زنیرہ ٹک شاپ سے نکلی اور اس کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔

"کہاں کھوئی ہوئی ہو؟"

سارہ نے چونک کر اسے دیکھا اور سارے خیالات بلبلے کی مانند پھٹ گئے۔

"کچھ نہیں۔" سارہ واپس نوٹس کو ترتیب دینے لگ گئی۔

"کیا بات ہے مہندی لگائی ہوئی ہے۔ پہلے تو تمہیں کبھی ایسے نہیں دیکھا۔" سارہ کے ہاتھوں پر مہندی کا رنگ اس وقت بھی بہت گہرا تھا۔

"حیرانی کی بات تو یہ ہے کہ میں نے تو خود کو بھی پہلی بار ایسے دیکھا ہے۔" دل میں سوچتی ہوئی وہ یاسیت سے سرد سانس لے گئی۔ مسلسل اس کی نگاہیں اپنے کام پر تھیں اور زنیرہ اس کے برابر میں بیٹھی اس کے ہاتھ پر مہندی کے ڈیزائن کو دیکھ رہی تھی۔

"کوئی شادی وادی تھی کیا؟" زنیرہ نے پوچھا اور یہ سن کر سارہ نے اسے بغور دیکھا۔

"ایسا ہی سمجھو۔" وہ افسردہ سی واپس نوٹس میں لگ گئی۔ ٹک شاپ سے زنیرہ اپنے لیے دو چپس کے پیکٹ بھی لے آئی تھی جو اس نے ایک سارہ کو دے دیا پھر دونوں ساتھ مل کر کھاتی رہیں اور اپنا اپنا پڑھتی رہیں۔

☆......☆......☆

"بہت ہلکی ہے رضیہ! تمہیں بھی لے دے کر یہ ہی گھر ملا تھا شاہ زیب کی شادی کے لیے۔" انگوٹھی کو جانچتی ہوئی نظروں سے دیکھا اور رضیہ سے کہا۔

"آپا! آپ تو جانتی ہیں آپ کے اس بھتیجے کی بات ٹالنا کتنا مشکل ہے۔ بھئی میں نے تو

فرح اور مہر کو جب دیکھا تھا تو دونوں ہی خوب جچ رہی تھیں شاہ زیب کے ساتھ، پر یہ بیوقوف دونوں کا رشتہ صاف ریجیکٹ کر کے سارہ سے شادی کرنے پر تلا ہے! پوچھے اس سے۔ اب دیکھیں منگنی میں بھی اتنی ہلکی چاندی کی انگوٹھی پہنا کر مانو احسان کیا ہو۔'' لالچ ان کے چہرے سے ٹپک رہا تھا۔

''کیوں بے شاہ زیب! یہ کیا کیا تو نے۔ تجھے سمجھ نہ آئی۔ اب بتاؤ تمہاری مانگ میں کون سے سرخاب کے پَر لگے تھے۔ ارے رضیہ! وہ فرح تو بے حد خوبصورت بھی تھی۔'' اب حسن پر تبصرہ شروع ہو گیا تھا۔ شاہ زیب شیشے کے سامنے کھڑا اپنی اماں اور پھوپھو کے درمیان گفتگو سنتا ہوا بال سنوار رہا تھا۔

''اماں! مجھے بھی کچھ نہ دیا ان لوگوں نے۔ بھلے چھوٹی ہوں پر ہوں تو نند نا! سونے کا سیٹ نہ سہی پانچ ہزار کا لفافہ ہی پکڑا دیتے۔'' شاہ زیب کی بہن نے منہ بسور کر ٹیم میں حصہ لیا۔

''اے چل جا یہاں سے۔ بڑوں کی باتوں میں نہ بول۔'' رضیہ نے بیٹی کو ڈپٹا اور کمرے سے بھیج دیا۔

''ویسے کہہ تو صحیح رہی ہے میری بچی۔ اب بتاؤ آپا، میری شادی ہوئی تھی تو یاد کرو منگنی میں آپ کو بھی تو سیٹ چڑھائے تھے۔ یہاں تو نہ شکل نہ مال۔ پتہ نہیں اس گدھے کو کہاں سے یہ گھرانہ سمجھ آ گیا۔'' وہ بیٹے کے انتخاب کو کوستی رہ گئی تھیں۔

''اماں! جس کو گدھا کہہ رہی ہو نا تم وہ دور اندیشی سے کام لے رہا ہے۔'' شاہ زیب نے بالوں کو سنوار کر آخری جائزہ خود کا لیا پھر ان کی طرف چلتا ہوا آیا۔

''لو بتاؤ ذرا، اب کاہے کی دور اندیشی؟'' یہ کہنے والی اس کی پھوپھو تھیں۔

''پھوپھو! جو رشتے اماں کو پسند آئے تھے ان میں صرف حسن ہی حسن تھا۔''

”تو یہاں کون سا مال ہے؟“ رضیہ کہے بنا نہ رہ سکیں۔

”اماں! تم بھی معصوم ہو۔ان دونوں لڑکیوں کے بہن بھائی تھے۔یعنی جائداد کی وصولی کے وقت ان لڑکیوں کے ہاتھ میں فقط بٹی ہوئی رقم ہی آتی، جبکہ یہاں دیکھا جائے تو سارہ پورے گھر کی واحد مالکن ہے۔اس کے ماموں مامی کی اولاد نہیں اور سارہ کے آگے پیچھے کوئی نہیں۔لگ بھگ میرے حساب سے گھر کی قیمت آج کے دور میں چالیس لاکھ تو ہوگی ہی۔جو عنقریب میرے ہاتھ لگے گی۔اب دُکان کا مال جو قرضہ لے کر ڈالا ہے اتارنے کا کوئی تو حل تلاش کرتا میں۔“ وہ خباثت سے ہنسا تو شیطانی شکل اختیار کر گیا۔

”لو بتاؤ ذرا۔اور وہ دودھ پیتی بچی ہے نا جو تجھے سارا کا سارا دے بھی دے گی۔آپا! ذہین لڑکی ہے۔پھر وہ کیا کہتے ہیں بزنس پڑھ رہی ہے۔اللہ جانے کہاں چھوڑ آئے گی ہمیں۔اور اس کمبخت نے یہ سوچ کر رشتہ یہاں پکا کیا۔“

”ہاں اماں ہے تو بڑی عقل مند وہ۔پر اس بار اس کی جو کمزوری میرے ہاتھ لگی ہے وہ سب نکلوا کر ہی چھوڑے گی۔یہ لڑکی جان سے جائے گی پر زبان سے نہیں دیکھتی رہنا بس تُو۔“

”میسنا کہیں کا۔کیا کیا کرتا پھرتا ہے۔اور وہ تیری رخسار اور دوسری کون تھی نام یاد نہیں آرہا ان سے جان چھڑائی! اب شادی قریب ہے تیری۔“ رضیہ نے آڑے ہاتھوں لیا۔

”دل لبھانے کے لیے کبھی کبھی چلتا ہے اماں! تجھے تو کام کاج کے لیے مستقل لڑکی دے رہا ہوں نا تو چین سے بیٹھ اب۔“ وہ لاپروائی سے دانت دکھاتا ہوا گھر سے چلا گیا۔

”ارے اس عمر میں سب کرتے ہیں۔شادی ہوگی بیٹھ جائے گا۔“ نند نے بھابھی کو آنکھوں سے تسلی دے کر چپ کرا دیا۔

☆......☆......☆

پہلا امتحان مکمل ہوگیا تھا اور مینجمنٹ اکاؤنٹنگ میں سارہ کے مارکس زین سے زیادہ تھے۔ زین شاک کے عالم میں پہلے اپنے پیپر کو دیکھتا پھر سارہ کے پیپر کو۔ کتنی دیر تو وہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ اس کے کم مارکس کیسے آئے اور سارہ مسلسل اس کی پھٹی پھٹی آنکھیں اور حیران کن چہرا دیکھ کر خوب ہنس رہی تھی۔ ان دونوں میں ہر وقت پڑھائی کو لے کر مقابلہ رہتا تھا اور آج سارہ زین کو تنگ کرنے کا موقع ہاتھ سے جانے نہیں دے رہی تھی۔

''یہ سب تمہاری سوسائٹی کی وجہ سے ہوا ہے۔'' سارہ نے اسے تنگ کیا۔ زین نے وہ غلطیاں کی ہوئی تھیں جس کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔

''تم ہنس کیوں رہی ہو، تنگ نہیں کرو ابھی مجھے۔'' وہ ٹھیک ٹھاک بگڑ رہا تھا اور سارہ اترا اترا کر اس کے چہرے کے آگے اپنا پیپر لہرا کر مزید اسے زچ کر رہی تھی۔ وہ اپنی غلطیاں دیکھ کر سر پکڑ کر بیٹھ گیا تھا۔ زین جیسے ذہین شخص سے ایسی بچکانہ غلطیوں کی توقع نہیں تھی۔ سوسائٹی کے کاموں نے اس کے ریکارڈ کو ٹھیک ٹھاک متاثر کیا تھا۔ سارہ اس کے پیپر میں غلطیاں ڈھونڈ ڈھونڈ کر اسے بتا رہی تھی اور بمشکل مسکراہٹ کو دبانے کی کوشش میں تھی کیونکہ وہ ہونق شکل لیے اپنے پیپر کو دیکھے جا رہا تھا۔ پر سارہ کی چھیڑ چھاڑ سے وہ زیرِ لب مسکرانے لگا تھا۔ حالانکہ پریشانی تو ابھی بھی چہرے پر عیاں تھی، پر سارہ کی تبسم نے اس کے دل پر پھوار برسائی تھی جو اسے بے حد تسکین دے گئی تھی۔

''زین! تم ہار گئے۔'' سارہ نے کہا اور زین اسے ملامتی نظروں سے دیکھنے لگا۔

''ہاں ہاں ہنس لو، دوسرے امتحان میں تم دیکھنا، میں لا کر دکھاؤں گا اچھے مارکس۔'' یہ پہلا ٹرم تھا جس میں سارہ آگے تھی۔ ابھی دوسرا ٹرم اور فائنل امتحان باقی تھا لہٰذا کامپیٹیشن جاری تھا۔

"ہمم، ہاہاہا۔" سارہ نے اترا کر کہا۔

"بس اب فائنل ہوگیا ہے۔تم مجھے پڑھاؤ گی اب! اور دوسرے پیپر سے ایک دن قبل بھی تم مجھے سب ریوائز کرواؤ گی۔" اپنی مصروفیات کو مدنظر رکھتے ہوئے وہ ٹینشن میں آیا۔مزید مارکس گرنے نہیں دے سکتا تھا لہٰذا اس نے سارہ سے کہا جس پر سارہ نے ہامی بھرلی۔

☆......☆......☆

وہ کمرے کو ترتیب دے رہا تھا۔کچھ سوسائٹی کا سامان تھا جو ٹھکانے لگانا تھا۔پھر جو کپڑے بکھرے پڑے تھے وہ الماری میں تہہ کر کے رکھنے تھے۔تمام کام مکمل کرتا ہوا وہ اپنی میز کی طرف آیا اور اکاؤنٹس کی کتاب اور پین لے کر بستر پر بیٹھ گیا۔کتاب کھولی ہی تھی کہ سارہ کا مسکراتا ہوا چہرہ آنکھوں کے سامنے آگیا۔اس کی سادہ پر کھلتی ہوئی ہنسی۔پھر اپنے مارکس پر اترانا اور زین کو تنگ کرنا۔وہ محوِ خیال حالتِ انبساط میں تھا۔

"کیا بات ہے، اکیلے بیٹھے مسکرایا جا رہا ہے؟" وہ سوچ کی اس قدر گہرائی میں تھا کہ ارم کا سامنے سے داخل ہونا بھی نظروں سے اوجھل تھا۔ان کی آواز پر سارہ کا چہرا ہوا میں تحلیل ہوا اور وہ خجل سا محسوس کر کے تاثر چھپا گیا۔

"ارے۔نہیں نہیں۔آئیں نا بیٹھیں۔" زین نے بستر کی طرف اشارہ کیا۔

"شکر تمہارا کمرا تو سمٹا۔" ارم نے چاروں طرف طائرانہ نگاہ ڈالی۔ ہر چیز اپنی جگہ پر تھی۔

"ہاں! آج موقع مل گیا تھا مجھے، ویسے کنزا نہیں آئی ابھی تک؟" زین نے پوچھا۔

"ہاں کہہ رہی تھی راستے میں ہے پہنچنے والی ہے۔" زین نے سر کو جنبش دی۔

"ہمم اچھا مام۔اس پروجیکٹ کا کیا ہوا جس کے حوالے سے بتایا تھا میں نے آپ کو؟" زین نے سارہ کے دیئے ہوئے آئیڈیا کے بارے میں پوچھا۔

''ہاں! میں نے ٹیم سے بات کی تھی، کافی لوگوں کو پسند آیا تھا پر فوراً کام اس پر نہیں ہو سکتا۔ پہلے ساری معلومات اور تحقیق کرنی پڑے گی۔ یہ شازیہ نے مشورہ دیا تھا؟'' ارم نے پوچھا۔

''نہیں نہیں، میری ایک دوست ہے سارہ، اس نے دیا تھا۔'' سارہ کا نام لیتے ہی اس کی آنکھوں میں چمک سی ارم کو محسوس ہوئی تھی۔

''سارہ؟ شازیہ، ارسلان، کرن یہ سب تو سنے تھے۔ تم نے سارہ کے حوالے سے پہلے کبھی ذکر نہیں کیا۔ کون ہے؟'' ارم نے متجسس انداز میں پوچھا۔

''جونیئر ہے میری لیکن اب ایک کلاس میں ساتھ بھی ہے۔ بہت قابل ہے وہ۔ آپ کو معلوم ہے سوسائٹی کا تمام بجٹ اس نے ایک گھنٹے کے اندر اندر کر کے دیا تھا حالانکہ وہ اس سے واقف بھی نہیں تھی۔ سر قاسم بھی خوش ہو گئے تھے اور اب ٹیم میں بھی شامل ہے۔'' سارہ کا ذکر کرتے ہوئے اس کا چہرا شادماں ہوا تو ارم اس کے تاثرات کا جائزہ لیتی ہوئی زیرِ لب مسکرائی تھیں۔

''اور تو اور فل سکالرشپ پر پڑھ رہی ہے۔ میرا ہر ریکارڈ ناک آؤٹ کر رہی ہے۔'' زین نے کہا۔

''اچھا! پہلی بار سن رہی ہوں، ہم...... ایسی لڑکی سے تو اب ملنا پڑے گا۔ تم نے باقی سب سے تو ملوا دیا اب اس سے کب ملوا رہے ہو؟ ویسے بھی ''ہوپ'' کا آئیڈیا اسی نے دیا ہے۔ اب ملنا تو بنتا ہے۔'' ارم کو بھرپور اشتیاق ہوا۔

''آپ ملنا چاہتی ہیں اس سے؟'' زین نے پوچھا۔

''ظاہر ہے۔ میں ایسی لڑکی سے کیوں نہیں ملنا چاہوں گی جس کے بارے میں سوچ کر تم

تھوڑی دیر پہلے اکیلے اکیلے مسکرا رہے تھے۔“ انہوں نے معنی خیز انداز سے زین کو دیکھا جو پل بھر کو تو رکا پھر ارم کو دیکھ کر نظریں نیچے کرلیں۔ وہ کیسے بھول گیا تھا کہ مقابل بیٹھی اس کی والدہ تھیں جو اپنے بچوں کی رگ رگ سے واقف تھیں۔ ارم نے بیٹے کی خفت بھری شکل دیکھ کر اس کے چہرے کو ہاتھوں کے پیالے میں لیا اور صبیح ماتھے پر بوسہ دیا۔ وہ اٹھ کر جانے کے لیے مڑی ہی تھیں کہ زین نے نرمی سے ان کا ہاتھ تھام لیا۔

”میں جلد ملواؤں گا آپ کو اس سے۔“ اس کی مشتاق آنکھیں ارم سے بہت کچھ کہہ گئی تھیں۔ ارم نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر تھپتھپایا اور نرم نگاہوں سے اسے تسلی دی۔

☆......☆......☆

”یار سارہ! تمہیں پہلے بھی مشورہ دیا تھا میں نے بلاوجہ اپنا وقت بزنس پڑھ کر برباد کر رہی ہو۔ میری مانو تو شیف بن جاؤ۔“ زنیرہ نے کہا۔ وہ دونوں اسی پاتھ پر بیٹھی تھیں جہاں آخری باران کی فیسٹیول کے حوالے سے بات ہوئی تھی۔ سارہ نے کل شب بنی ہوئی سبزی کو انڈے کے ساتھ ملا کر آملیٹ کی شکل دے دی تھی اور سلائیس میں رکھ کر سینڈوچ بنا دیا تھا جس سے زنیرہ اس وقت خوب لطف اندوز ہو رہی تھی۔ دونوں کلاس لے کر ہی نکلی تھیں اور زنیرہ کی پھر سے کلاس تھی پر خالی شکم نے حالت بری کی ہوئی تھی اس لیے سارہ نے اپنا لفن اس کی طرف بڑھا دیا اور دونوں مزے لے کر کھانے لگی تھیں۔

”ہے تو یہ مکس سبزی لیکن اس کا ذائقہ۔ یار سارہ! مجھے نہیں معلوم تھا تم اتنا اچھا پکا لیتی ہو کھانا۔“ وہ جب تعریف کرنے پر آتی تو زمین آسمان ایک کرتی تھی۔

”تمہیں واقعی اچھا لگ رہا ہے؟“ سارہ کو تعجب ہوا۔ اس سے پہلے گھر میں کبھی اس کی ایسے تعریف نہ ہوئی تھی۔

''واقعی یار! میں جھوٹ تھوڑی کہہ رہی ہوں۔'' زنیرہ نے کہا۔

''اگر تمہیں اچھا لگ رہا ہے تو میں تمہارے لئے بھی جب کچھ ایسا ہوگا تو لے آیا کروں گی۔'' سارہ اس کی صاف گوئی سے خوش ہوئی۔

''ہاں یار پلیز، میری امی تو یہ دیکھ کر تمہاری نظر ہی اتارتی رہیں گی۔ ان کے ارمان ہیں کہ میں کھانا بنانا سیکھ لوں لیکن مجال ہو جو میں نے کبھی ایک پیاز بھی کاٹی ہو۔'' زنیرہ نے کہا۔

''ارے سارہ! گھر میں تم ہی کھانا بناتی ہو؟ تمہاری امی نہیں؟'' زنیرہ کے پوچھنے پر وہ پل بھر کو ساکت ہوئی پھر بھرپور انداز سے خود کو کمپوز کر لیا۔

''ہاں، تقریباً۔ سمجھ لو کبھی روٹی کبھی کھانا، کچھ نہ کچھ ہوتا ہی رہتا ہے۔'' سارہ نے کہا۔

''ہمم۔ چلو یار! دیر ہو رہی ہے، کلاس شروع ہو جائے گی تو سر آنے نہیں دیں گے۔ تمہارا بہت شکریہ پھر ملتے ہیں۔'' زنیرہ نے اسے کس کر گلے لگا لیا اور وہاں سے چلی گئی۔ سارہ نے خالی ٹفن اپنے بیگ میں ڈال دیا پھر کچھ دیر وہیں بیٹھی رہی۔ مدھر ہوا سکون بخش رہی تھی جو پل بھر میں ختم ہوا تھا۔

''السلام علیکم۔'' یہ آواز سن کر سارہ کے چہرے کے تیور بدل گئے۔ ارسلان اس کے ساتھ آ کر فاصلے سے بیٹھ گیا تھا۔

''وعلیکم السلام، کیا کام ہے؟'' سارہ نے اسے بغیر دیکھے جواب دیا۔ چہرے پر ناگوار تاثر عیاں تھے۔

''ضروری تو نہیں کہ میں کام سے ہی آؤں...... لیکن ویسے سچ ہے میں کام سے ہی آیا ہوں۔'' ارسلان نے خجل سے سر کھجایا تو سارہ نے اس کی طرف دیکھا۔ چہرے پر وہی مستی اور شرارت ٹپک رہی تھی۔

”دراصل میں دوکام سے آیا ہوں۔اور پہلا یہ ہے کہ......“ اس نے لمبا سانس لیا اور پھر کہا۔”یار! میں......اس دن کے لئے تم سے معذرت چاہتا ہوں۔“ ارسلان کا بس یہ کہنا تھا اور سارہ کے غصے کا پارا جو بڑھنے پر تھا آہستہ آہستہ نیچے گرنے لگا۔

”میرا مطلب وہ نہیں تھا۔زین صحیح مجھے نامعقول کہتا ہے۔دراصل زبان پر قابو نہیں سچ بولوں دل کا برا نہیں میں۔تم بھی مجھے کچھ نہ کچھ کہہ دو۔جو کر سہی، لیکن واقعی مجھے ہر کسی کے سامنے سوچ سمجھ کر بولنا چاہیے۔“اس کا طرزِ انداز سارہ کا غصہ بھاپ کی طرح اڑا گیا۔وہ اپنی برجستگی کی وجہ سے پھنستا تھا جس پر زین اسے اکثر ڈانٹ دیا کرتا تھا۔اس وقت بھی اس کے چہرے اور لب سے نکلے الفاظ ایک دوسرے کا ساتھ دے رہے تھے۔

”جتنا بھی شرارتی ہو کم از کم اپنی غلطی مانی اور سوری تو کیا۔“ سارہ نے سوچا۔

”کوئی بات نہیں۔یہ عادت سب میں ہوتی ہے۔میں بھی کافی غصے میں آ گئی تھی، جو کہ غلط ہے۔“سارہ نے کہا۔

”ہمم۔ویسے یہ بات تو واقعی سچ ہے کہ تم نے کام اچھا کیا تھا، بھئی ماننا پڑے گا۔میرا خیال ہے اب ہم دونوں میں بات چیت رہے گی۔تم ٹیم میں جو ہو اب۔“ ارسلان نے کہا۔

”ہاں، پتہ نہیں کیوں سر نے یہ کہہ دیا۔خیر اور دوسرا کیا کام تھا تم کو؟“ سارہ نے پوچھا۔

”اوہ ہاں! میں بھول گیا۔“

وہ دونوں اب سوسائٹی کے حوالے سے بات کر رہے تھے۔ارسلان نے اسے ایک دو کام کرنے کو کہے تھے جو سارہ کو اگلے دن کر کے دینے تھے۔اس کے بعد سارہ اپنے راستے اور ارسلان اپنے راستے چلا گیا۔

☆......☆......☆

اگلے دن سوسائٹی روم میں ارسلان، شازیہ اور انوشہ فیسٹیول کے حوالے سے باتیں کر رہے تھے۔ وقت کو تو جیسے پَر لگ گئے تھے اور کام تھے کہ ختم ہو کر نہ دیں۔ چھٹی ہونے میں تقریباً آدھا گھنٹہ تھا۔ وہ لوگ کام میں مصروف تھے اور پھر ارسلان اپنی تمسخر طبیعت کے باعث دونوں کو ہنسا رہا تھا جو دروازہ کھلتے ہی سناٹے کا شکار ہوا۔ سارہ نے یکے بعد دیگرے تینوں کو دیکھا۔ وہ ارسلان سے کام کے متعلق بات کرنے یہاں آئی تھی۔ اس نے شازیہ اور انوشہ کے تاثر کو نظر انداز کر کے ارسلان کو کچھ کاغذات دیئے جسے دیکھ کر ارسلان اور سارہ میں گفتگو شروع ہو گئی اور یہ منظر شازیہ اور انوشہ دونوں کے لئے ناقابل برداشت تھا۔

''اگر ممبر نہیں ہیں تو بغیر پوچھے سوسائٹی روم میں آنا منع ہے۔'' شازیہ نے کڑوے لہجے میں ان کی گفتگو کے بیچ میں ٹانگ اڑائی۔ اس بات پر سارہ نے ارسلان کو دیکھا اور شرمندگی محسوس کرنے لگی تھی۔

''یہ ممبر ہی ہے، زین نے نہیں بتایا تمہیں؟'' ارسلان نے لہجے کی تلخی کو نوٹ کر کے قدرے نارمل انداز میں شازیہ سے کہا۔

''انٹرویو کے بغیر کوئی کیسے ممبر بن سکتا ہے ارسلان؟ اور میں یہ بات نہیں بھول سکتی کہ یہ انٹرویو کے لئے آئی ہوگی۔'' چہرے پر رعونت لیے شازیہ نے کہا۔

''اس نے پورے فیسٹیول کا بجٹ سر قاسم اور زین کے ساتھ مل کر سیٹ کیا ہے اور شازیہ ایسا کہیں نہیں لکھا ہوا کہ یہاں کون آسکتا ہے اور کون نہیں۔'' ارسلان اس کے چہرے کے تاثر دیکھ کر حیران ہوا۔ وہ ایسی تو نہیں تھی پھر اچانک کیا ہو گیا تھا۔

''مجھے ویسے بھی کوئی شوق نہیں ہے یہاں آنے کا! میرا خیال تھا کہ یہاں زیادہ کام کو اہمیت دی جاتی ہے پر میں غلط تھی۔'' سارہ کے ضبط نے جواب دے دیا۔ وہ کئی دن سے شازیہ

اور انوشہ کی طرف سے ملنے والی حقارت کو نظر انداز کر رہی تھی پر اب اور نہیں۔ سارہ نے دونوں کو ناگواری کی نگاہ سے دیکھا۔ اسے بہت غصہ آ رہا تھا لیکن وہ مزید اور کچھ بولنا نہیں چاہ رہی تھی اور یہ سن کر چڑھے ہوئے تیوروں سے شازیہ نے انوشہ کی طرف نگاہ کی۔

''مجھے دیر ہو رہی ہے۔ اگر کوئی اور بات کرنی ہو تم کو تو اب زین سے ہی کر لینا، اللہ حافظ۔'' سارہ کہہ کر وہاں سے چلی گئی۔ اسے لوگوں کی ذہانت پر آج بے حد افسوس ہو رہا تھا۔

''اس کا کام ہو گیا تھا نا؟ پھر یہ بار بار کیوں آ جاتی ہے؟'' وہ گئی تو شازیہ پھٹ پڑی۔

''کیا مطلب؟ یہ ٹیم میں ہے۔'' ارسلان نے سمجھانا چاہا۔

''انٹرویو ہوا نہ کچھ اور، زین نے اسے لے لیا؟'' شازیہ نے پوچھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کیا کر دے۔

''زین نے اسے نہیں کہا ہے شازیہ۔ وہ اپنی قابلیت کی وجہ سے آج سوسائٹی کا حصہ ہے۔ ہیڈز نے اس کے کام سے متاثر ہو کر اسے ٹیم میں شامل کرنے کی تاکید کی تھی پھر زین کیسے پیچھے ہٹ سکتا تھا۔'' ارسلان نے کہا۔

''ایسا بھی کیا تیر مار دیا۔ بجٹ بنانا کون سا مشکل کام ہے، زین ہمیں دے دیتا ہم کر لیتے۔'' انوشہ بھی برس پڑی۔

''اس وقت تم لوگوں میں سے کوئی بھی فارغ نہیں تھا اور سارہ زین کی دوست ہے اور کافی قابل ہے اس لیے کیا۔ تم دونوں کو ہو کیا گیا ہے؟'' ارسلان نے دونوں سے حیران ہو کر پوچھا جو بھوکی شیرنی کی طرح دھاڑے جا رہی تھیں۔

''ہمیں کیا ہو گیا ہے؟'' شازیہ نے انوشہ کی طرف تیور گھما کر کہا۔

''ارسلان اس سوسائٹی کا کوئی معیار کوئی درجہ ہے۔ یہ ہم سب نے مل کر بنائی تھی، اور

ہماری بھی عزت ہے۔'' شازیہ نے کہا۔ وہ آگ بگولہ ہو رہی تھی۔

''ہاں تم جانتے ہو کہ ہمیں اس سوسائٹی میں کیسے لوگ چاہئیں، جن کا کچھ تو سٹیٹس ہو، اچھے بیک گراؤنڈ سے ہوں، کم از کم ہمارے جیسے تو ہوں۔'' انوشہ نے بھی آگے بڑھ کر کہا۔

''ہاں، صحیح کہہ رہی ہو، زین کو یہ سب سمجھنا چاہئے۔'' وہ دونوں نفوس کی سوچ پر متحیر سا ہو گیا۔

''تم دونوں کو کیا ہو گیا ہے؟ کیسی باتیں کر رہی ہو؟''

''اس میں غلط کیا ہے؟ جو بات سچ ہے وہی بتائی جا رہی ہے۔'' شازیہ نے کہا۔

''شازیہ! جہاں تک مجھے معلوم ہے زین نے یہ ٹیم اس لئے بنائی تھی کہ اس میں ہم یونیورسٹی کے لوگوں کو اچھے پروگرامز دکھا سکیں، میرا نہیں خیال کہ اس نے اس لیے یہ سب کیا تھا کہ ہم اسٹیٹس وائز تفریق کریں۔'' ارسلان مزید بولا۔

''اور ہمیں ایسے لوگ چاہئیں جو اس ٹیم کو فائدہ دیں، مجھے معاف کرنا لیکن یہ باتیں کم از کم زین کے سامنے مت کرنا۔'' وہ زین کو اچھے سے جانتا تھا۔ اگر تو اسے بھنک بھی پڑ جاتی کہ سوسائٹی روم میں کیا ہوا ہے تو آج شازیہ اور انوشہ کی خیر نہیں تھی۔

انوشہ نے شازیہ کو دیکھا جو ارسلان کی بات سے خفت محسوس کر رہی تھی۔

''ارسلان! زین اور میں بے حد کلوز ہیں اور تم یہ جانتے ہو، تمہیں کوئی حق نہیں بنتا کہ مجھے بتاؤ اسے کیا کہنا ہے اور کیا نہیں۔ خیر تم تو سارہ کی ہی سائیڈ لو گے، دوست جو بن گئی ہے اب تمہاری۔'' شازیہ نے شرمندگی کو دور کرتے ہوئے ارسلان کو گھیرا۔ وہ ہاتھ باندھ کر ارسلان کے سامنے کھڑی ہو گئی۔

''میں کسی کی سائیڈ نہیں لے رہا شازیہ! تمہیں سمجھانا چاہ رہا ہوں بس۔ خیر زین کا میسج آیا

ہے وہ نیچے انتظار کر رہا ہے۔ اب چلیں؟" ارسلان نے موبائل پر دیکھ کر کہا اور مزید ایک منٹ اس روم میں نہ رکا۔ دونوں لڑکیوں نے اس کا مغز جو ہلا دیا تھا۔

"دیکھا! کیسے آتی جا رہی ہے یہ۔ پہلے زین کے قریب ہوئی اور اب ارسلان کی دوست بن گئی، مجھے سمجھ نہیں آتا ان لوگوں کو کچھ فرق کیوں نہیں پڑتا۔" انوشہ نے معنی خیزی سے شازیہ کو دیکھا جس کا سپید چہرا غصے اور سبکی کی وجہ سے لال ہو رہا تھا۔ دماغ جیسے ماؤف ہو گیا تھا۔ شازیہ جیسی اپسرہ اس چمش چڑیل سے حسد محسوس کر رہی تھی، اسے اس بات کی حیرانی الگ تھی۔ انوشہ نے اسے اپنی طرف متوجہ کرایا۔

"شازیہ! زین سب کی مدد کرتا ہے، پر ایسے سب کے ساتھ ہر وقت نہیں ہوتا، پر سارہ۔ صرف میں ہی نہیں سب کہہ رہے ہیں۔" انوشہ جلتی پر تیل چھڑکنے کا کام بھرپور انداز سے کر رہی تھی۔ شازیہ رقابت کی آگ میں جل رہی تھی۔ میز پر رکھا موبائل میسج کی بیپ سے بج اٹھا۔ اس نے دیکھا تو زین کی طرف سے میسج تھا۔

"زین نیچے بلا رہا ہے۔ چلو۔" اس نے مزید کچھ نہیں کہا۔ وہ ارسلان کو تو انوشہ کے سامنے کہہ چکی تھی پر زین کی فطرت سے واقف تھی۔ اگر زین کو حقیقتاً پتہ چل جاتا کہ وہ دونوں کیا کرتی پھر رہی ہیں تو اس کے غضب کے زیرِ عتاب ہوتیں۔

زین اور ارسلان کچھ دوستوں کے ساتھ صوفے پر آرام دہ حالت میں بیٹھے ٹی وی پر کرکٹ میچ دیکھتے ہوئے تبصروں میں مصروف تھے جب وہ دونوں بھی سیڑھیوں سے اتر کر گروپ میں شامل ہو گئیں۔ چھٹی کا وقت ہو گیا تھا اور ملحقہ سیزنس کی کانچ نما دیوار سے باسکٹ بال کورٹ میں بسیں آتی دکھائی دے رہی تھیں۔ وقتاً فوقتاً اس خطے میں طلبا کی آنا، جانا بڑھ رہا تھا۔ کچھ اس جگہ سے ہوتے ہوئے بسوں کی طرف جا رہے تھے تو کچھ سڑک سے۔ پر چند لمحہ

گزرے جب باسکٹ بال کورٹ میں بھیڑ بڑھنا شروع ہوگئی۔ انوشہ اور ارسلان نے گردن اچکا کر کانچ کی دیوار سے دیکھا کہ کئی لوگ وہاں موجود تھے اور بسوں میں سوار ہونے کے بجائے اپنا رخ واپس ایکٹیویٹی سینٹر کی طرف کر رہے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس جگہ رش بڑھتا چلا گیا۔ صوفے پر بیٹھے وہ طلبا جو اپنی گاڑیوں میں جاتے تھے جن میں زین اور ان کا گروپ بھی شامل تھا متعجب ہو کر ایک دوسرے کو دیکھنے لگا تھا۔ کئی باتیں ہوا میں گردش کرتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔ کسی سے پوچھنے پر معلوم ہوا کہ بسوں میں بیٹھنے سے منع کیا جا رہا ہے کیونکہ دو گھنٹے سے پہلے بسیں نہیں چلیں گی۔

''یار! کیا ہو رہا ہے؟'' زین نے ارسلان سے پوچھا۔

''پتہ نہیں بسیں بھی دیر سے چل رہی ہیں، کیا ماجرا ہے۔'' رش تھا کہ بڑھتا جا رہا تھا اور چلنے کی جگہ تنگ ہوتی جا رہی تھی۔ شور و غل میں شازیہ کو اپنا فون بجتا سنائی دیا۔

''یار! میسج آیا ہے میرے پاس فوراً خبروں کا کوئی چینل لگاؤ۔ یونیورسٹی کے پاس بس شاپ پر حالات خراب ہو رہے ہیں۔'' شازیہ نے میسج پڑھ کر تیزی سے ان لوگوں کو خبر دی۔ جس کے پاس ریموٹ تھا اس نے سنتے کے ساتھ ہی چینل بدل دیا اور آواز تیز کر دی۔

''پھر سے نہیں یار۔'' ارسلان نے کہا۔ ان لوگوں نے فوراً خبروں پر لگا دیا اور اب وہاں کھڑے کافی لوگوں کی توجہ اس ٹی وی اسکرین پر مبذول ہوگئی۔

''دو سیاسی جماعتوں کے کارکنوں میں تصادم۔ پولیس اور رینجرز کے جوان فوری موقع واردات پر پہنچ گئے ہیں۔ بتایا یہ جا رہا ہے کہ حالات کو قابو میں کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے اور کچھ افراد کو حراست میں لے لیا گیا ہے۔ ہمارے نمائندے سعد آپ کو پل پل کی خبر سے آگاہ کر رہے ہیں۔ جی سعد! کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ یہ کون سا علاقہ ہے اور وہاں اس وقت کیا

ہو رہا ہے؟"

"جی...... جی آپ دیکھ سکتی ہیں یہاں سیاسی جماعتوں کے کارکنوں میں جھگڑا ہونے کی صورت میں یہ راستہ بند کر دیا گیا ہے۔ دونوں پارٹیز کے کارکنان ایک دوسرے پر پتھراؤ کر رہے ہیں۔ پولیس اور رینجرز پوری کوشش کر رہے ہیں کہ حالات پر قابو پایا جائے۔ جی......"

"سعد! کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ وہاں اس وقت عام شہری کس حال میں ہیں؟"

"جی! عام شہری کو اس وقت بہت پریشانی کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے، کیونکہ پبلک ٹرانسپورٹ روک دی گئی ہے، وجہ یہ ہے کہ اطراف کے تمام راستے بند کر دیئے گئے ہیں۔ جلاؤ گھیراؤ میں ایک بس اور دو رکشے بھی تباہی کا شکار ہوئے ہیں۔ پولیس شہریوں کو متاثرہ علاقوں کی طرف جانے سے روک رہی ہے جہاں سے اطلاع ملی ہے کہ تین شہری زخمی ہو چکے ہیں جنہیں فوری طور پر سول ہسپتال منتقل کیا گیا ہے۔ جی۔"

"بسیں بھی دو گھنٹے بعد چلیں گی، لیکن یونیورسٹی کے پیچھے والا راستہ تو کھلا ہے، یہ لوگ چاہیں تو وہاں سے نکل سکتے ہیں۔" انوشہ نے کہا۔

"ہمم! پر وہ راستہ انڈسٹریل ہے۔ بسوں کا وہاں سے نکلنا خطرناک ہو سکتا ہے۔ آئے دن تو وہاں وارداتیں سنتے ہیں۔ معاملات سلجھیں گے تو ہی نکل سکیں گے ورنہ بیٹھو یہاں۔ چلو شکر کھانے پینے کو کیفے ہے ہمارے پاس۔" ارسلان نے سکون کا سانس لیا۔ ان سب کی باتوں میں کسی کو یہ احساس نہ ہوا کہ یہ سب سن کر زین کے حواس مختل ہو رہے تھے۔ نیوز ٹیلی کاسٹ سن کر اس کی ہوائیاں اڑ گئی تھیں۔ کانوں پر پڑنے والا شور ایک دم ہی عدم ہوا تھا اور صرف یہ جملہ کہ بس سٹاپ پر حالات خراب ہیں پھر تین شہری زخمی تھے اس کے دماغ میں گونج رہا تھا۔

"پرائیویٹ گاڑی وہاں جا سکتی ہے؟" اس نے شاک کے عالم میں نیوز پر ٹکٹکی باندھے ارسلان سے پوچھا۔

"نہیں! میرا نہیں خیال، دیکھو نا، یہی تو بس سٹاپ ہے اور سارے راستے بند کر دیے ہیں۔ پولیس شہریوں کو اسی طرف لا رہی ہے، یونیورسٹی روڈ پر تاکہ مزید زخمی ہونے سے بچیں۔ قسم سے ہمارے ملک کا تو اللہ ہی حافظ ہے۔" ارسلان نے کہا۔

"تم کیوں پوچھ رہے ہو۔ پرائیویٹ گاڑیاں تو آرام سے نکل جائیں گی انڈسٹریل روڈ سے وہاں جان جھونکنے جانا ہے کیا۔" شازیہ نے اسے تشویشی انداز میں دیکھا۔ زین کا ماتھا عرق آلود تھا اور چہرے پر پریشانی صاف دکھ رہی تھی۔

"پبلک ٹرانسپورٹ بند ہو جائے گی تو مسافر پیچھے انڈسٹریل کے راستے سے کیسے جائیں گے۔ راستہ طویل ہے یہاں سے بھی اور بغیر کسی رکشہ کے پیدل تو جانا ناممکن ہے۔ پھر آئے دن اس طرف کے سنسان راستے پر وارداتیں ہوتی ہیں۔ پبلک ٹرانسپورٹ تو پھنس جائے گی۔" زین نے کہا۔

"یار! پولیس کچھ نہ کچھ کر دے گی۔ تم اتنا پریشان کیوں ہو رہے ہو۔ جو بسوں میں جاتے ہیں کوئی تو راستہ نکال ہی لیں گے۔" ارسلان نے اس کی الجھن اخذ کر کے کہا۔

"مجھے کسی کام سے جانا ہے کل ملتے ہیں۔" وہ عجلت میں اٹھا اور تیزی سے وہاں سے نکلا۔

"زین...... زین...... اسے کیا ہوا ہے؟" اس کی تتر بتر ہوتی حالت دیکھ کر شازیہ نے ارسلان سے پوچھا۔

"پتہ نہیں...... گاڑی تو یہ لایا تھا، پھر پبلک ٹرانسپورٹ سے کیوں جانا چاہ رہا ہے؟" ارسلان نے ناسمجھی میں سر کھجایا۔

''وہ کیوں جائے گا اس سے...... کیا ہو گیا ہے ارسلان تم کو۔'' شازیہ نے اپنا ماتھا پیٹ لیا۔

وہ برق رفتاری سے باسکٹ بال کورٹ میں بھاگتا ہوا گیا۔ اس کی گاڑی باہر پارکنگ لاٹ میں کھڑی تھی پر وہاں کا رخ کرنے سے پہلے ہی اس کی باسکٹ بال کورٹ میں موجود زنیرہ پر نظر پڑی۔ وہ ایک منٹ نہ رکا اور بھاگتا ہوا اس کے پاس گیا۔

''زنیرہ! سارہ کہاں ہے؟'' وہ ہوش و حواس میں ہی کہاں تھا۔ اس وقت صرف فکر تھی تو ایک دوشیزہ کی۔ اس کے اچانک پوچھنے پر زنیرہ کو بھی کچھ کچھ تعجب ہوا تھا۔

''وہ تو کب کی چلی گئی، آج اسے جلدی جانا تھا۔ شاید پندرہ بیس منٹ ہو گئے ہوں گے اس کو نکلے ہوئے۔ اب تو آدھے راستے پر ہو گی۔'' وہ مزید کچھ کہتی کہ زین نے اس کی بات کو ان سنا کیا اور وہاں سے بھاگتا ہوا پارکنگ کی طرف چلا گیا۔ وہ ایک ہاتھ سے گاڑی کا دروازہ کھول رہا تھا اور دوسرے ہاتھ سے اسے موبائل پر فون کر رہا تھا۔ مسلسل بیل جاتی رہی تھی پر فون ریسیو نہیں ہو رہا تھا۔ زین گاڑی میں بیٹھا۔ چابی اگنیشن میں گھمائی اور گاڑی کو تیزی سے پہلے ریورس کیا پھر ایکسی لیٹر پر پیر دبا دیا۔ وہ گاڑی وہیں لے کر جا رہا تھا جہاں اس وقت صورت حال تشویش ناک تھی۔ وہ اسے تین چار بار فون کر چکا تھا لیکن اس کی کالز ان اٹینڈ جا رہی تھیں۔ زین نے طیش سے موبائل کو دوسری سیٹ پر پھینک دیا۔ اس کے چہرے پر پریشانی کے آثار صاف پڑھے جا سکتے تھے اور اس کے دل میں خوف ہی خوف تھا۔

''کوئی فائدہ نہیں، کوئی نہیں آئے گا۔'' اسے ماضی کے قصے سے جڑی سارہ کی پرسوز آواز سنائی دی۔ کتنے انجان خدشوں نے اسے اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ وہ جانتا تھا اسے فون کرنے والا کوئی نہ تھا اور نہ وہ کسی کو مصیبت کے وقت فون کرے گی۔ زین نے ایک لمبا سانس لیا جیسے خود کو سنبھالنا چاہ رہا ہو۔

وہ اس جگہ پہنچ گیا تھا جہاں سے آگے گاڑی نہیں جا سکتی تھی۔ اس نے گاڑی ایک سائڈ پر پارک کی اور فوراً نکلا۔ یہاں کچھ ہی فاصلے پر لوگوں کی کافی بھیڑ تھی۔ شور و غل سے وحشت طاری ہو رہی تھی اور ہر جگہ دنگا فساد، بھاگم دوڑ مچی ہوئی تھی۔ اس نے صورت حال کا جائزہ لیا اور بھاگتا ہوا اس بھیڑ میں گھس گیا جہاں کافی لوگ پریشان کھڑے تھے اور پولیس انہیں حفاظتی مقامات پر بھیج رہی تھی۔ اس نے چاروں طرف دیکھا۔ وہ اسے کہیں نہیں دکھی۔ خود کو بھیڑ سے جیسے تیسے نکالا اور دوسری طرف بھاگتا ہوا گیا۔ کارکنان کا شور، پارٹی کے نعرے، ایمبولینس کے سائرن پھر پولیس اور رینجرز کی آوازیں سب فضا میں گونج رہی تھیں۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا وہ کہاں جائے۔ تصادم اس سے کافی دور ہو رہا تھا پر اس کا ردِعمل یہاں تک آ رہا تھا۔ وہ بے بسی سے ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ تھوڑے ہی فاصلے پر ایک جگہ زین کو اور لوگوں کا گروہ نظر آیا۔ جیسے انہیں پولیس نے یہاں بھیجا ہو، وہ بھاگتا ہوا اس پُرخطر کدے میں جا پہنچا۔ جب جان سے بڑھ کر عزیز تھی۔ اب اپنی جان کیا معنی رکھتی تھی۔ اس نے بھیڑ کے اندر باہر ہر جگہ دیکھ لیا پر وہ کہیں نہیں ملی۔ دل میں خوف تھا جو بڑھتا جا رہا تھا۔ وہ بھیڑ سے دوسری طرف سے نکلا اور ہر جگہ دیکھتا چلا گیا۔ دل کی دھڑکن اس کا ساتھ ہی کہاں دے رہی تھی۔ وہ ہار ماننے والا نہیں تھا۔ فون اس نے مسلسل کال پر لگایا ہوا تھا پر وہاں سے نو رسپانس دیکھ کر اس کا اشتعال عروج پر تھا۔ وہ بے دست و پا ہو رہا تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا زور سے اس کا نام لے کر پکار دے۔ یا وہ کہیں سے بھی خود سامنے آ جائے۔ وہ کہیں نہیں تھی۔ کیا وہ چلی گئی تھی؟ پر دل کیوں بے چین تھا۔ کیوں سکون نہیں مل رہا تھا۔

زین کے دماغ میں اس وقت کئی خیالات آ چکے تھے۔ کئی زخمی ہوتے دکھائی دے رہے تھے۔ اس کا حلق خشک ہو چکا تھا۔ وہ وحشت سے ایمبولینس کی طرف جانے کے لئے پلٹا ہی تھا

کہ اچانک سے اس کی نظر ایک جگہ سے گزری۔ اس نے پھر وہیں نگاہیں دوڑائیں۔ سامنے بند دکان کے پاتھ پر جہاں لوگ کھڑے تھے ان کے پیچھے وہ سمٹی ہوئی بیٹھی تھی۔ زین کو اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا۔ سارہ کے چہرے پر خوف و ہراس صاف عیاں تھا۔ دوپٹے کے عرض سے خود کو ڈھانپے ہوئے وہ ہر شخص سے خود کو محفوظ رکھنا چاہ رہی تھی۔

زین کے تو جیسے جان میں جان آئی تھی۔ وہ ایک منٹ نہ رکا اور بھاگتا ہوا اس کے پاس گیا۔ یہاں بھی کئی لوگ موجود تھے۔ مرد حضرات آوارہ لڑکے اِدھر اُدھر پھر رہے تھے۔ وہ سب سے خود کو بچاتی ہوئی ادھر ادھر بیٹھی تھی۔

''سارہ!'' اس نے حلق کے بل آواز دی جس سے وہ چونک گئی تھی۔ زین کو یہاں آتا دیکھ کر وہ شاک میں مبتلا ہوئی۔ زین بالکل اس کے سامنے کھڑا طیش اور پریشانی کی آمیزش لیے اسے دیکھ رہا تھا۔ پر آنکھوں میں رمق کہ وہ ٹھیک تھی واضح نظر آ رہی تھی۔ سارہ اسے سوالیہ نگاہ سے دیکھ رہی تھی۔ زین نے ایک منٹ نہ سوچا اور دوپٹے میں چھپا اس کا ہاتھ دوپٹے کے اوپر سے ہی تھاما۔ یہ دوسرا تحفظ تھا جو اسے زین سے فراہم ہوا تھا۔ پہلا تحفظ چھت پر تھا جب سارہ کو سوتا دیکھ کر زین نے اسے جگا دیا تھا۔ محبت میں عقیدت کا رنگ مل جائے تو یہ احترام کے درجے کو پہنچ جاتی ہے۔ وہ حد درجے سٹپٹائی تھی پر مقابل سوچنے کا وقت کہاں دے رہا تھا۔ وہ مشتعل سا اسے لوگوں کی بھیڑ سے لیتا ہوا اپنی گاڑی کی طرف بڑھنے لگا تھا۔ اس کی رفتار سے خود کی رفتار ملانا مشکل ہو گیا تھا۔ وہ کھنچی کھنچی اس کے ساتھ بڑھتی جا رہی تھی۔ زین اسے جلد از جلد حفاظتی مقام پر پہنچانا چاہتا تھا۔ اس کے کھینچ کر لے جانے پر وہ سہم بھی کافی گئی تھی۔ جیسے ہی زین کی گاڑی سامنے آئی اس نے سارہ کو گاڑی کے دروازے کے سامنے لا کر کھڑا کر دیا اور ہاتھ چھوڑ دیا۔

”زین! کیا ہو گیا ہے؟“ سارہ متوحش سی اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ دونوں سٹاپ سے دور تھے اور یہاں محفوظ بھی تھے۔

”تم فون کیوں نہیں اٹھا رہی ہو؟“ وہ لال بھبھوکا چہرا لیے چلا اٹھا تھا جس سے سارہ کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ سی ہوئی۔

”ف......فون؟ پ...... پتہ نہیں مجھے آواز نہیں آئی فون کی۔ شور اتنا ہے وہاں اس لیے۔“ زین کا یہ رنگ دیکھ کر وہ بے حد ڈر گئی تھی۔

”تمہیں معلوم نہیں تھا کیا کہ یہ حالات ہو رہے ہیں، تم واپس یونیورسٹی نہیں آسکتی تھیں؟“ زین نے شعلہ بار آنکھوں سے اس سے پوچھا۔

”میں جب نکلی تھی تب ایسا کچھ نہیں تھا۔ اور میں تو انتظار کر رہی تھی کہ راستہ کھل جائے گا تو چلی جاؤں گی جیسے باقی سب کر رہے ہیں۔“ وہ زین کے غصے سے مغلوب ہوتی جا رہی تھی۔ اس کا تسلط سارہ پر چھا رہا تھا۔ وہ جھجک اٹھی تھی۔ جیسے تیسے اپنے کیے کی صفائی پیش کی۔ آج پہلی بار زین کو ایسے دیکھا تھا۔ سارہ تو جیسے بھیگی بلی لگ رہی تھی اس کے سامنے۔ زین نے اپنے دونوں ہاتھ کی انگلیوں سے آنکھیں مسلیں اور لمبا سانس لیا۔ دل میں بے حد اطمینان آ گیا تھا کہ وہ بالکل ٹھیک تھی۔

”سارہ! تم گاڑی میں بیٹھو، میں تمہیں گھر چھوڑ دیتا ہوں۔“ لہجہ قدرے سخت پر اب چہرا سنجیدگی کی زد میں تھا۔ غصہ جا تا رہا تھا۔

”کیا؟ زین، دیکھو، میں یہاں سے چلی جاؤں گی۔ کوئی بھی رکشہ مل جائے گا مجھے۔“ وہ ڈرتی ہوئی دو قدم پیچھے ہوئی۔

”سارہ! یہ بیجا انا دکھانے کا موقع نہیں ہے، جو کہہ رہا ہوں وہ کرو، تمہیں یہاں دور دور تک

کچھ نہیں ملے گا، میری بات سمجھو۔‘‘ زین اب چڑ رہا تھا۔ تصادم کا شور۔ لوگوں کی چیخیں۔ پولیس اور ایمبولینس کے سائرنوں نے دماغ گھما دیا تھا۔

’’زین! یہ بے جا نا نہیں ہے، میں نہیں جا سکتی تمہارے ساتھ، تم سمجھتے کیوں نہیں ہو۔‘‘ سارہ خوف کے مارے زور سے کہہ اٹھی۔

’’سارہ! آؤ اور بیٹھو، حالات اس وقت صحیح نہیں ہیں، بات کو سمجھو۔‘‘ زین نے اس کی حالت کو نوٹ کرتے ہوئے مزید خود کو کول ڈاؤن کیا اور آگے بڑھ کر گاڑی کا دروازہ کھول دیا پھر ہاتھ سے اسے اندر بیٹھنے کا اشارہ دیا۔ جو کام کبھی نہیں کیا تھا وہ آج بھی کیسے کر سکتی تھی۔ اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے اور دل کی دھڑکن ڈر کی وجہ سے صاف محسوس ہو رہی تھی۔ آنکھوں میں آنسو آنا شروع ہو گئے تھے۔

’’زین! میں ایسی لڑکی نہیں ہوں۔‘‘ سارہ کا بس یہی کہنا تھا جو جلتی ہوئی آگ میں پوری کی پوری تیل کی برنی انڈیلنے کے برابر تھا۔ زین کے چہرے پر خون جمع ہو گیا۔ اس نے زور سے دروازہ بند کیا اور اس کے مقابل کھڑا طیش سے اسے گھورنے لگا۔

’’سارہ! تمہیں کیا لگتا ہے۔ کیا میں ایسا لڑکا ہوں؟‘‘ وہ تلخ لہجے میں جب گویا ہوا تو سارہ اپنے لفظوں پر غور کرتی ہوئی ندامت سے نظریں نیچے کر گئی۔ آنسو چھلک کر گال پر بہنا شروع ہو گئے تھے۔

زین نے مزید کچھ نہیں کہا اور واپس سارہ کے لئے دروازہ کھول دیا۔ وہ اس بار خاموشی سے اندر بیٹھ گئی۔ زین نے زور سے دروازہ بند کیا جس سے وہ چونکی۔ ظاہر ہے ایسی بات کہی تھی ردعمل تو پھر آنا ہی تھا۔ وہ دوسری طرف سے تیزی سے آ کے بیٹھا۔ اور گاڑی پیچھے کی سڑک پر لے گیا۔ انڈسٹریل راستہ تھا۔ جہاں وارداتیں روز کا معمول تھیں۔ اس نے ایکسی لیٹر پر پیر

رکھ کر رفتار تیز کر دی تھی اور زن کرتا ہوا گاڑی وہاں سے لے گیا۔

پورے راستے گاڑی میں سناٹا تھا۔ دونوں کو جیسے چپ سی لگ گئی تھی۔ زین کے سخت تاثرات سارہ کی آنکھوں سے اوجھل نہیں تھے۔ وہ ڈری ہوئی زبان تالو سے لگائے ہوئے تھی۔ ان دونوں نے کوئی بات نہ کی۔ زین نے اس سے اس کے گھر کا پتہ پوچھا اور سارہ نے بتا دیا۔ اس کے بعد زین خاموشی سے گاڑی چلاتا رہا اور سارہ کھڑکی سے باہر دیکھتی رہی۔ ہر تھوڑی دیر کے بعد اس کی آنکھ میں آنسو آجاتا جسے وہ وہیں صاف کر لیتی۔ پورا راستہ یوں ہی کٹا۔ وہ اس کے علاقے میں پہنچ گیا تھا۔

''زین! تم مجھے یہیں اتار دو۔'' سارہ نے التجاء کی جس پر زین نے ایک سائیڈ پر گاڑی روک دی۔

''میں تمہیں گھر تک چھوڑ دیتا ہوں، یہاں سے تمہارا گھر ابھی بھی دور ہے۔'' زین نے کہا۔

''نہیں، میں یہاں سے چلی جاؤں گی۔ دراصل میرے علاقے میں اتنی بڑی گاڑیاں نہیں آتیں اور اگر آبھی جائیں تو سب کی توجہ کا مرکز بن جاتی ہیں، اور میں یہ رِسک نہیں لینا چاہتی۔'' سارہ نے خفت لیے کہا۔

''ٹھیک ہے، جیسا تم بہتر سمجھو۔'' زین نے کہا۔ وہ پوری گفتگو میں بس سامنے دیکھ رہا تھا۔ سارہ نے اپنا ہاتھ دروازہ کھولنے کے لیے بڑھایا پھر سوچا کہ ہمت کر کے زین سے اپنے کیے کی معذرت کر لے پر پتہ نہیں کیوں آج زبان نہیں کھل رہی تھی۔ سارہ نے جیسے ہی دروازہ کھولا، زین اس سے مخاطب ہوا۔

''سارہ!''

''ہاں؟'' وہ جیسے اس کی منتظر تھی۔

''اگر تمہیں یہ لگتا ہے کہ مجھے تمہاری کوئی بات بری لگی ہے تو ایسا نہیں ہے۔'' زین نے اب کی بار اس کی طرف دیکھ کر رسان سے کہا۔

''میں سمجھ سکتا ہوں تمہاری کیفیت۔ اس وقت حالات ہی ایسے تھے کہ میں دباؤ میں آ گیا تھا۔ لیکن جو پورے راستے تم کہنا چاہ رہی تھیں میں جان گیا ہوں۔ تمہارے لئے یہ پہلی بار ہی تھا۔''

سارہ کا سانس یہ سن کر بحال ہوا۔ طمانیت اس کے اندر تک سرایت کر گئی تھی۔ اسے یہ دوست واپس مل گیا تھا جس کے بارے میں وہ سارا راستے سوچ رہی تھی کہ وہ کھو دے گی۔ دونوں ہی ایک دوسرے کو دیکھ کر زیرِ لب مسکرائے تھے۔ سارہ نے دروازہ کھولا اور گاڑی سے اتر گئی۔

''زین! شکریہ، کل ملتے ہیں، اللہ حافظ۔'' سارہ نے تشکر آمیز انداز میں کہا اور چلی گئی۔ اس کے یہ الفاظ زین کا پورا مزاج بدل دینے کے لیے کافی تھے۔ وہ ہر چیز بھول گیا تھا اور اب صرف سارہ کو جاتے دیکھ رہا تھا۔

عشق اس کا آن کر یکبارگی سب لے گیا
جان سے آرام، سر سے ہوش اور چشم سے خواب

☆......☆......☆

لاپروائی سی چال چلتا ہوا وہ لبوں پر سیٹی لیے سیزنس تک آیا۔ ایک دو دوستوں کو دور سے ہاتھ ہلاتے ہوئے اس کی نظر سارہ پر پڑی جو پاتھ پر بیٹھی منہ کتاب میں دیئے ہوئے تھی۔ کچھ سوچ کے تحت اس نے سارہ کے پاس جانے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ وقفے وقفے سے کبھی کتاب میں تو کبھی آس پاس ماحول پر نظریں گھما رہی تھی۔ دوپہر کے تین بج رہے تھے۔ سورج مغرب

سے ملنے کی آرزو میں کھنچا جا رہا تھا۔ البتہ دھوپ کی تمازت برقرار تھی پر کھلا میدان تھا۔ ہلکی پھلکی ہوا ماحول کو پُرسکون بنانے میں کوشاں تھی۔

ارسلان چلتا ہوا اس کے پاس آ رہا تھا۔ سارہ کی نگاہ اس پر پڑی تو اس نے پوری طرح سے ارسلان کو نظر انداز کرنا چاہا۔ ایک دن قبل دی گئی تذلیل بھولی نہیں تھی جو شازیہ اور انوشہ نے مل کر کی تھی۔ وہ خود کو مصروف دکھانے کی کوشش میں تھی پر موصوف اپنی ہی دھن میں آ بھی گئے اور اس کے برابر بیٹھ بھی گئے۔

''کیسی ہو؟'' اپنے ازلی لاپروا انداز میں اس نے کہا۔

''ٹھیک۔'' اس نے ذرا نگاہ اٹھا کر دیکھا پھر کتاب میں توجہ مبذول کر لی۔

''سارہ! کیوں بجے ہیں تمہارے منہ پر بارہ؟'' وہ شوخ انداز میں جب گویا ہوا تو سارہ نے اسے کینہ توز نگاہوں سے دیکھا۔

''اوہ بہن! قسم سے ایسی نگاہوں سے میری امی نے دیکھا ہوتا تو میں اچھا خاصا سدھرا ہوا ہوتا بلکہ زین تو کیا تمہارے ریکارڈ کو بھی توڑ چکا ہوتا۔'' اس کی برجستگی کمال تھی۔ سارہ کا غصہ جاتا رہا۔ وہ سدھرنے والوں میں سے کہاں تھا۔

''تمہیں کیا کام ہے؟'' سارہ نے آتی ہنسی کو ضبط کرتے ہوئے اس سے پوچھا۔

''تم کیا پڑھ رہی ہو؟'' وہ اس کی مصروفیت کو نوٹس کرتا ہوا کتاب دیکھتا ہوا بولا۔

''ایتھکس۔'' سارہ نے کہا۔

''توبہ توبہ! جتنا سر کا تیل یہ مضمون خشک کرتا ہے اور کسی نے نہ کیا۔'' وہ کان پر ہاتھ لگا کر کہہ رہا تھا۔

''تم نے پڑھا بھی ہے؟ تمہارے کرتوت دیکھ کر لگتا تو نہیں ہے۔'' اس نے معنی خیزی

سے ارسلان کو دیکھا۔

''وہ کیوں بھلا؟''

''اب یہ اتھلکس نہیں ہے کہ میں یہاں مصروف ہوں اور تم اپنی بے نقط باتوں سے میرا وقت برباد کر رہے ہو؟'' سارہ نے سپاٹ انداز میں کہا تو وہ ہونق شکل بنا گیا۔

''میری سمجھ سے باہر ہے، یہ زین تم سے بات کر کیسے لیتا ہے؟ کہیں بے عزتی کی عادت تو نہیں ہوگئی اس موصوف کو؟'' ارسلان نے خجل انداز میں پوچھا۔

''ایسا ہی سمجھ لو! خیر آنے کا مقصد؟'' اب وہ اٹھنے کا نام ہی کہاں لے رہا تھا۔ سارہ نے کتاب بند کر دی اور اس سے استفسار کیا۔

''اتنی اہانت کے بعد کسے یاد رہتا ہے کہ کیوں آیا۔ اوہ ہاں یاد آیا'' اچانک یاد آنے پر اس نے چٹکی بجائی۔

''یار! تمہیں کل شازیہ اور انوشہ نے جو سوسائٹی روم میں کیا تھا برا لگا ہوگا؟'' اس نے لہجہ اب کے قدرے نارمل رکھ کر بات کی۔

''نہیں تو'' وہ جس قدر نارمل انداز میں بولی ارسلان کا ماتھا شکن آلود ہوا۔

''واقعی؟ پر برا لگنے والی بات تو تھی۔'' وہ خود سے استفسار کرتا ہوا الجھ سا گیا۔

''مجھے افسوس ہوا'' سارہ نے اس کی الجھن کو سلجھایا۔ ''سبحان اللہ ہے یہاں لوگوں کی سوچ پر ویسے۔ بتاؤ میں نے بھلا اس کا کیا بگاڑا ہے پر وہ ہاتھ دھو کر میرے ہی پیچھے پڑ گئی ہے۔'' اس نے لحہ بھر توقف کیا۔ پھر دوبارہ بولی۔

''میں نے تو زین سے پہلے ہی کہا تھا یہ سوسائٹی میرے بس کی بات نہیں۔ پر اس نے زبردستی مجھے سر قاسم کے کہنے پر اس میں ڈال دیا۔ کام بھی کرواتے ہو اور بے عزت بھی کرتے

ہو۔'' وہ ٹھیک ٹھاک برا مانی تھی پر اس وقت لہجہ نارمل رکھ کر بات کر رہی تھی۔

''یار! اب تمہیں کیا سمجھائیں۔ تم نہ چاہتے ہوئے بھی کیا کیا کر رہی ہو۔'' وہ اپنی ہی دھن میں کہہ گیا جس پر سارہ نے اسے چونک کر مستفسرانہ انداز میں دیکھا۔

''میں نے کیا کیا؟''

''مقبول شخصیت سے دوستی کرنے پر کچھ تو بھگتو گی نا۔'' ارسلان نے اسے سمجھایا اور وہ سن کر پریشان ہوئی۔

''یار! تم دراصل شازیہ کو جانتی نہیں ہو۔ وہ خوش فہم اور خود پسند مزاج ہے۔ پہلے سمسٹر سے لے کر اب تک زین اور اس کے درمیان کافی گہری دوستی ہے۔ بلکہ دونوں کے والدین کے درمیان بھی کافی اچھی انڈرسٹینڈنگ ہے۔ صرف یہی نہیں وہ زین کو لے کر بے حد حساس ہے جس کا زین کو بھی علم نہیں اور اگر ہوگا بھی تو زین کو میں جانتا ہوں وہ ان سب باتوں پر اہمیت نہیں رکھتا۔''

''یہ سب تم مجھے کیوں بتا رہے ہو؟'' سارہ نے اسے بیچ میں ٹوکا۔

''محترمہ! سمجھانے کے لیے کہ تمہاری جگہ کوئی بھی ہوتی اور یونیورسٹی میں افواہوں کے زیرِ اثر ہوتی تو شازیہ کا ردعمل ایسا ہی ہوتا۔''

''کیسی افواہیں؟''

''یار سارہ! اب یہ مت کہنا تمہیں معلوم نہیں۔ سب ہی جانتے ہیں کہ زین کی آج کل ایک الگ ہی مصروفیت نکل آئی ہے۔ وہ ایک لڑکی کو کافی وقت دینے لگا ہے۔'' اس نے معنی خیزی سے سارہ کو دیکھا جو غصے اور حیرانی کے ملے جلے تاثر لیے بیٹھی تھی۔

''پر میرا اور اس کا ایک کورس ہی ساتھ ہے۔ اب اگر مل کر پڑھ لیا یا کوئی بات کر لی تو اس کو

بریکنگ نیوز بنانے کی کیا تک؟'' سارہ زچ ہوئی۔

''یار! تمہارے پاس اختیار ہے منہ بند کرنے کا؟'' اس نے الٹا سوال کیا۔

''بالکل ہے۔ جو یہ بات کرے اسی کا منہ توڑ دو۔''

''اوہ خدا، میرا نہ توڑنا میں ایسا نہیں سوچتا۔'' وہ اچانک پیچھے ہٹا جب سارہ کا ردعمل دیکھا۔

''مت تنگ کرو مجھے ارسلان۔ تمہاری باتیں مزید پریشان کر رہی ہیں۔'' وہ تلملا اٹھی۔

''یار! دیکھو میں تمہیں اجاگر اس لیے کر رہا ہوں کیوں کہ تم پہلے ہی پلیز مت مارنا بے تحاشا ناموں سے فیمس ہو۔ اب اگر دو فیمس کو آپس میں ملا دو تو کہانی میں کتنا بڑا ٹوئسٹ آجاتا ہے۔'' اس نے دونوں ہتھیلی کو آپس میں ملایا اور ہاتھ مسلتا ہوا سارہ سے کہنے لگا۔ وہ اس کے انداز کو بغور دیکھتی ہوئی تیور چڑھا کر ارسلان کو گھورنے لگی۔

''تو اس سے شازیہ کو کیا مسئلہ ہے، مجھے تو ویسے بھی تمسخر کا نشانہ بنایا ہے۔''

''شازیہ کو یہ مسئلہ ہے کہ زین کیوں شازیہ پر سارہ کو ترجیح دے رہا ہے۔'' اس نے برجستہ کہا۔

''یہ تو زین سے پوچھو۔'' سارہ جھلا اٹھی۔

''ہیں...... ہاں ہاں یہ تو زین سے ہی پوچھنا پڑے گا۔'' وہ اس کے اشتعال سے گھبرا گیا۔

''ارسلان! تمہیں معلوم نہیں پر تم اچھے بھلے شخص کو الجھانے میں ماہر ہو۔'' بس ہاتھ میں پکڑی کتاب مارنے کی دیر تھی۔

''چلو کوئی ایوارڈ تو مجھے بھی ملا۔'' وہ دانت دکھانے لگا جو سارہ کو شدید زہر لگا۔

''مجھے سمجھ نہیں آتا مجھ پر کیوں ردعمل ہو رہا ہے۔'' وہ ٹھیک ٹھاک پریشان تھی۔ ارسلان نے مذاق ایک طرف کر کے اب کے اسے سکون سے بات کرنا چاہی۔

''اسے ڈر ہے کہ کہیں تم اس کی جگہ نہ لے لو۔'' ارسلان کا کہنا تھا کہ وہ اچانک ہی ہنس

پڑی تھی۔

''ہاہاہاہا۔اسے دماغ کا علاج کرانا چاہیے اور ارسلان مجھے زین اور شازیہ کے رشتے کے بارے میں سب معلوم ہے۔''

''اچھا کیسا رشتہ؟'' وہ سارہ کی بات سے کنفیوز ہوا۔

''اب تم نہیں بنو۔ویسے یہ سب تمہیں شازیہ نے بتایا ہے؟'' سارہ نے اسے ٹوکا۔

''توبہ کرو، آگ میں ہاتھ کون ڈالے۔میرا اپنا خیال ہے جو میں سمجھتا ہوں سو فیصد درست ہے۔''

''تو تم اس کا حل بھی بتادو۔'' سارہ نے پوچھا۔

''کوئی حل نہیں۔بلکہ یہاں آنے کا مقصد ہی یہ تھا کہ میں زین سے بخوبی واقف ہوں۔تم شازیہ اور انوشہ کی باتوں کے چکر میں اپنی اچھی بھلی بات زین سے برباد مت کرنا۔اور یہ سب سننے کے بعد تو بالکل نہیں ورنہ وہ میرا گلا دبادے گا۔'' وہ رہ رہ کر ڈر محسوس کررہا تھا۔سارہ کی پرابلم بھی دور کرنی تھی پر وہ اسے ٹھیک سے جانتا نہیں تھا۔اسے خوف تھا وہ قطع تعلق ہی نہ ہوجائے زین سے۔

''بھئی میرا مقصد تمہیں سمجھانا تھا کہ ردعمل اس بات سے ہے پر ظاہر ہے تمہارے اختیار میں کچھ نہیں۔فی الحال برداشت کرلو۔اگر میں بھی زین کے ساتھ زیادہ وقت گزاردوں تو موصوفہ برامان جاتی ہیں۔'' وہ خود بھی شازیہ کی آگ کی تپش کو کئی بار محسوس کرچکا تھا لہٰذا سب جانتا تھا اور سارہ کو مخلصانہ گزارش کررہا تھا۔

''ہمم۔ویسے کل میری سپورٹ کرنے کے لیے تھینکس۔'' اس نے ارسلان کی بات کو کچھ کچھ سمجھ کر موضوع ختم کرنا چاہا۔

''یو رویلکم۔ تم ٹینشن نہ لو بس درگزر کر دو۔'' ارسلان نے کہا۔

''ہم۔ اب میرا خیال ہے تمہیں چلنا چاہیے۔ ورنہ کل کے اخبار میں آ جائے گا کہ ارسلان کالے چشمے والی کے ساتھ گفت وشنید تھا۔'' اس نے معنی خیزی سے سرگوشی میں کہا تو ارسلان ہنسنے لگا۔

''ہاہاہاہا۔ خوب سمجھ گئیں تم! زین ٹھیک تمہاری ذہانت کے قصیدے پڑھتا ہے۔''

''واہ بھئی! آج سورج کہاں سے طلوع ہوا ہے؟ ارسلان اور سارہ دونوں ساتھ بیٹھے ہنس رہے ہیں۔'' زین نے کہا۔ وہ دور سے ہی انہیں آپس میں باتیں کرتا دیکھ کر ان کی طرف آنے لگا اور ساتھ بیٹھ گیا۔

''وہ ایک وقت ہی ایسا تھا بس اس کے بعد سے تو ہم کئی بار اچھے سے بات کر چکے ہیں۔ کیوں سارہ؟'' ارسلان نے دانت دکھا کر سارہ سے پوچھا جو فقط مسکرانے پر اکتفا کر گئی۔

''یہ تو اچھی بات ہے، ورنہ میں واقعی تم دونوں کو ساتھ دیکھ کر ڈر گیا تھا۔'' زین کی نگاہیں ارسلان سے ہوتی ہوئی اب سارہ پر جا ٹھہریں۔ دل پر شبنم برساتی وہ سادہ سی لڑکی اسے اس وقت بہت بھلی لگ رہی تھی۔ وہ کھلتے گلابی رنگ کی شلوار قمیض میں ملبوس تھی جس پر سفید رنگ کا دوپٹہ قرینے سے لیا ہوا تھا۔ بالوں کو ہاف باندھا ہوا پر خوب سمٹے ہوئے پیچھے پشت پر بے نیازی سے پھیلے ہوئے تھے۔ چہرا ہر سنگھار سے عاری پھر بھی دلکش۔ وہ آنکھوں کو خیرہ کر دیتی تھی۔ دل کو دھڑکا جاتی تھی۔ اپنی فسوں سازی میں بے خود کر جاتی تھی۔ اس نے امڈتے جذبات کو تھپتھپا کر سلایا۔ ارسلان کے کچھ کہنے پر دل کو بہلا پھسلا کر قابو کیا۔ وہ مختلف باتیں کرنے لگے۔ اس کے بعد ارسلان کے فون پر میسج آ گیا۔ اس کا ایک دوست اسے بلا رہا تھا تو وہ اٹھ کر چلا گیا اور زین اور سارہ وہیں بیٹھے رہے۔

''کیسی ہو تم؟'' زین نے سارہ سے پوچھا۔ یہ تو شدت جذبات پر ضبط کرنا آ گیا تھا ورنہ نگاہ ہٹانا اس دوشیزہ پر سے محال تھا۔

''ٹھیک ہوں، کیوں؟ کیا ہوا ہے؟'' سارہ نے استعجابیہ انداز سے دیکھا۔

''ایسے ہی پوچھا میں نے۔ ویسے کل کے حوالے سے تم نے گھر میں سب کو کیا کہا؟'' زین نے بغور اس کے چہرے کو دیکھنا شروع کیا۔ وہ لڑکی اس کے لیے کھلی کتاب تھی۔ اس کا ہر تاثر زین کو اس کے جذبات کی عکاسی کر دیتا تھا۔

''کیا مطلب؟'' سارہ نے پوچھا۔ وہ اس کی بات نہیں سمجھی تھی۔

''کل حالات کافی خراب تھے یار، تمہیں گھر میں کسی نے نہیں پوچھا کہ تم آئیں کیسے؟'' وہ اس کی غائب دماغی کو دیکھتا رہ گیا۔ اس کے سوال پر وہ دلکشی سے تو مسکرا اٹھی پر اس میں چھپی افسردگی زین کی نظروں سے اوجھل نہیں تھی۔

''زین! میرے گھر میں ٹی وی نہیں ہے۔ اس لیے میری مامی کو اس بات کا علم ہی نہیں تھا کہ کل کیا ہوا شہر میں اور میں نے اس وقت انہیں بتانا ضروری سمجھا بھی نہیں۔'' اس نے لاپروائی سے شانے ہلائے اور بات کو ٹالنا چاہا۔

''پر تمہارے ماموں کو تو سب معلوم ہوگا۔ وہ تو دنیا سے بے خبر نہیں۔'' وہ اس کی بات سے کچھ کچھ طیش میں آیا۔

''تم کیا چاہتے ہو زین، اپنی زندگی کا ہر ورق تمہارے سامنے کھول دوں۔'' وہ مسکراتی ہوئی نظریں چرا کر کہنے لگی۔

''تم نہ بھی کھولو تو بھی میں تمہیں مکمل پڑھ چکا ہوں۔'' وہ جذبات کی گہرائی تک جاتا ہوا کہہ اٹھا۔ جسے سن کر وہ نظریں تو نیچے کر گئی پر لب سل گئے۔

''تم نے جواب نہیں دیا؟'' وہ خاموش تھی جب زین نے پھر پوچھا۔

''اب تمہیں اتنا ہی شوق ہے پڑھنے کا تو بتاؤ سچ بولوں یا جھوٹ؟'' سارہ نے کمپوز ہو کر غم کو ضبط کیا اور سرد سانس کھینچتی ہوئی اس سے گویا ہوئی۔

''مجھے اس وقت سچ سننا ہے۔'' وہ متانت خیز انداز میں گویا ہوا تو سارہ مزید اس کی سنجیدگی بھری آنکھوں سے نگاہیں ہٹا گئی۔

''تو سچ یہ ہے مسٹر زین کہ ہاں ان کا فون آیا تھا۔ فکرمند تھے پوچھ رہے تھے کیسے آئیں میں نے بتا دیا کہ ایک دوست نے ڈراپ کر دیا تھا۔ مزاجاً سخت ہیں پر آنکھوں سے زیادہ وقت اوجھل رہوں تو پریشان ہو جاتے ہیں۔ ظاہر ہے ان کی زندگی کا سب سے بڑا تحفہ جو ہوں۔ خیال کرتے ہیں۔ خیر! اب تمہیں تمہارا جواب مل گیا تو اب میں چلتی ہوں مسٹر زین کلاس ہے میری۔'' اس نے لاپرواہ انداز میں جواب دے کر استجابت سے اسے ایک بار دیکھا پھر نظریں چراتی ہوئی اٹھ کر چلتی چلی گئی۔

وہ اس لڑکی کو جاتا دیکھتا رہا۔ دل میں جذبات کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر تھا پر وہ ضبط سے مٹھی کی گرفت مضبوط کر گیا اور خود کلام ہوا۔

''جھوٹ بولنا کوئی تم سے سیکھے۔''

☆......☆......☆

وہ آٹا گوندھ رہی تھی جب زینت کچن میں آئیں اور دیگچی کا ڈھکن ہٹا کر آلو چیک کرنے لگیں۔ کسر باقی تھی۔ انہوں نے ڈھکن ڈھانپ کر سارہ کو دیکھا جو مہارت سے آٹا سمیٹ رہی تھی۔

''سارہ! بیٹا، مجھے تم سے ایک بات کرنی تھی۔'' زینت نے کہا۔

''جی بولیں۔'' سارہ نے آٹے پر ہی توجہ رکھی۔

''اگر تمہیں اپنے جہیز کے حوالے سے کوئی چیز چاہیے ہو تو بتا دینا۔ میں لے سکی تو تمہارے لئے لے لوں گی۔'' زینت نے رسانیت سے کہا۔

''نہیں مامی! مجھے کچھ نہیں چاہئے، بلکہ مجھے تو آپ لوگوں کی سمجھ نہیں آ رہی، جب ان لوگوں نے فرنیچر کا کہا تو آپ لوگ مان گئے۔ آپ لوگوں کو منع کرنا چاہئے تھا۔'' سارہ نے کہا۔

''یہ تو ریت رواج ہے۔ اس سے منہ تھوڑی موڑ سکتے ہیں۔ ویسے بھی تھوڑی ہی رقم ہے جس سے میں فرنیچر اور چند کپڑے بنا پاؤں گی۔'' زینت نے آشفتہ ہوتے ہوئے کہا۔

''یہ بھی بہت ہے، آپ فکر نہیں کریں۔'' سارہ نے تھوڑا تیل لیا اور آٹے پر لگا کر اسے ایک کپڑے سے ڈھک دیا۔

''بلکہ میں خود کوشش میں ہوں کہ کچھ پیسے جمع کر لوں۔ پر یونیورسٹی کے خرچے اتنے ہیں کہ بس تھوڑے ہی بچ پاتے ہیں۔ ابھی بھی تھوڑے ہی پیسے جمع ہوئے ہیں وہ آپ کو دے کر بھی فائدہ نہیں ہوگا۔'' سارہ نے کہا۔

''نہیں! تم وہ پیسے اپنے پاس رکھو، اور جمع کرتی رہو، تمہیں ہی کوئی چھوٹی موٹی چیز لینے میں کام آ جائیں گے۔'' اس نے سر کو جنبش دی اور کھانا تیار کرنے میں پھر مصروف ہو گئی۔

اگلے دن صبح اکاؤنٹس کی کلاس میں ٹیسٹ تھا اور سارہ وقت سے پہلے کلاس میں تشریف فرما تھیں۔ کلاس خالی تھی۔ وہ آرام سے منتخب سیٹ پر بیٹھ کر پڑھنے لگی تھی۔ جیسے جیسے وقت سرکتا رہا چیدہ چیدہ طلبا آتے رہے۔ کچھ وقت کے کانٹے اور سرکے جب زین بھی کلاس میں داخل ہو گیا۔ سارہ کو اس کے اس قدر جلدی آنے پر تعجب تو خوب ہوا تھا کیونکہ وہ پہلی کلاس کے بعد سے کبھی بھی وقت پر نہیں آیا تھا۔ زین منہ لٹکائے اس کے برابر بیٹھا۔ بیگ کو اپنے برابر والی

سیٹ پر پھینک دیا۔ پھر اپنی کرسی سے جڑی چھوٹی میز پر بازوؤں میں سر گرا دیا۔ اس کے چہرے کا رخ سارہ کی طرف تھا البتہ وہ آنکھیں بند کیے ہوئے تھا۔ وہ جو خاموشی سے اس کی چال ڈھال نوٹ کر رہی تھی بالآخر گویا ہوئی۔

''تمہیں کیا ہوا ہے؟'' سارہ نے پوچھا وہ خود اسے ایسے دیکھ کر حیران تھی۔

''شدید نیند آ رہی ہے۔ بھوک بھی لگ رہی ہے۔ کلاس شروع ہو گئی؟'' زین نے آنکھیں بند کیے ہی بتایا۔

''ابھی تو پندرہ منٹ ہیں۔ میں خود حیران ہوں آج زین صاحب وقت سے کافی پہلے آ گئے۔'' سارہ نے کہا۔

''کیا! ابے یار۔ مجھے لگا شروع ہو گئی ہے تو میں بھاگتا ہوا یہاں پر آ گیا۔'' وہ جھٹکے سے اٹھا، پھر چڑچڑا ہوتا ہوا آنکھیں مسل کر کہنے لگا۔

''تو ٹائم چیک کر لیتے۔'' سارہ نے کہا۔

''ارے موبائل ہی چارج نہیں کیا ہے میں نے۔ کل شام دراصل ڈیڈ کے وکیل آئے تھے کچھ کام کے سلسلے میں بات کرنے۔ اب جو کام کرنا تھا اس کے دستاویزات ہی نہیں مل رہے تھے۔ مام اور میں نے پوری رات لگا دی ڈھونڈنے میں۔ تقریباً تین چار بجے جا کر ملے۔'' اس نے پھر سر میز پر گرا دیا۔ بھوک اور نیند کی تکرار نے اسے بے چین کر رکھا تھا۔

''اس کے بعد سونے کے لئے لیٹا ہی تھا کہ یاد آیا ٹیسٹ ہے پھر تمہاری یاد آ گئی۔ سوچا صبح جلدی آ کر تم سے سمجھ لوں گا، لیکن پھر دماغ میں آیا کہ ویسے ہی تمہارے مجھ پر اتنے احسان ہیں اس لیے اب ایسا نہ ہو کہ میڈم مصروفیت کا عذر پیش کر کے مزید احسان کرنے سے معذرت کر لیں، تب ہی صبح تک پڑھتا رہا۔'' وہ جس قدر بے چارگی سے گویا ہوا سارہ کے لبوں پر

فرحت ٹپک گئی۔

''آنکھ ہی اتنی دیر سے کھلی جاگنگ پر نہیں گیا۔ ناشتہ بھی نہیں کیا۔ تیزی سے گاڑی بھگا کر لایا کہ کہیں دیر نہ ہو جائے۔'' وہ ہنوز آنکھیں بند کیے ہوئے تھا۔

''ہاہاہا۔ تم بھی حد کرتے ہو ویسے، ابھی ٹائم ہے جا کر کیفے سے کچھ کھالو۔'' سارہ نے مشورہ دیا۔

''میں نے بھی گاڑی سے اترتے وقت یہی سوچا تھا لیکن پچھلے گیٹ پر پارکنگ نہیں ملی مجھے۔ یہاں مرکزی گیٹ کے پاس پارک کی تھی گاڑی۔ اب کلاس زیادہ قریب تھی اور کیفے بہت دور۔ پھر پتہ چل گیا ہے کہ پندرہ منٹ ہیں۔ سو جاؤں یا پھر کیفے جاؤں؟ اور اب میں نے سونے کا فیصلہ کرلیا ہے اس لیے خاموش۔'' زین نے کہا اور سارہ ہنستی رہی۔

''دشش۔'' زین نے ٹوکا۔ وہ بے حد تھکا ہوا تھا۔

''اچھا یہ بتاؤ۔ تمہیں پراٹھا پسند ہے؟'' سارہ کے پوچھنے پر وہ یکلخت چمک اٹھا۔

''کیا؟ پراٹھا! کہاں سے مل رہا ہے؟'' وہ ایک دم ہی سیدھا ہو کر یہاں وہاں دیکھنے لگا۔

''کہیں سے نہیں، میں لائی ہوں۔'' سارہ نے اپنے بیگ میں سے ٹفن نکالا اور زین کو دے دیا۔ تاخیر کے باوجود بھی ٹفن گرم تھا۔ زین نے کھولا اور خوشی سے پھولے نہ سمایا۔

''یار! یہ تو آلو کا پراٹھا ہے۔'' زین کی خوشی دیدنی تھی۔

''ہاں کل شب بنایا تھا آج لنچ میں لے آئی۔ دراصل یہ میں زنیرہ کے لئے لائی تھی۔ اگر تمہیں کھانا ہے تو......'' سارہ کا یہ کہنے کا فائدہ ہی نہیں تھا وہ تو شروع ہو گیا تھا۔ اسے واقعی بھوک بہت لگ رہی تھی اور اگر ایسا کھانا سامنے ہو تو کون رکتا۔

''یہ تمہارے نصیب کا تھا، تم زنیرہ کو نہیں بتانا ورنہ وہ تمہیں نہیں چھوڑے گی۔'' سارہ نے کہا۔

''یار! مجھے نہیں معلوم تھا تم یہ سب لاتی ہو، کہاں چھپی تھیں تم۔'' زین اتنی رغبت سے کھا رہا تھا کہ آس پاس کے لوگ بھی اسے دیکھ رہے تھے۔

''روز روز یہ نہیں لاتی...... زین! دوسرا مت کھانا وہ میرا ہے۔'' سارہ نے اس سے ٹفن لینا چاہا جو زین نے فوراً اس کی پہنچ سے دور کیا۔

''میں تمہیں یہاں سے کچھ بھی کھلا دوں گا ابھی مجھے مت روکو۔'' زین نے بچوں کی طرح ضد کی تو وہ خوش گوار حیرانی سے اسے دیکھنے لگی۔

''تمہیں واقعی یہ پسند آیا ہے؟''

''میں زبردستی نہیں کھا رہا سارہ۔'' زین نے کہا۔ دوسرا پراٹھا بھی آدھا ہو گیا تھا۔

''مجھے لگتا تھا کہ زنیرہ مذاق کرتی ہوگی میرے ساتھ، پر اب لگتا ہے کہ وہ واقعی سچ کہتی ہے۔'' سارہ نے سوچا۔ یہ دوسری بار تھا کہ جب کسی نے اس کے ہاتھ کے کھانے کی تعریف کی تھی۔ اس سے پہلے زنیرہ تھی۔ وہ زین کو یکسوئی سے کھاتا دیکھ کر بہت خوش ہوئی تھی۔ وہ دونوں پراٹھوں سے انصاف کرتا ہوا سارہ کو خالی ٹفن پکڑا گیا۔ اس کی جان میں جان آئی تھی۔

''تھینکس سارہ! تم نے اس بھوکے کو کھانا کھلا کر پھر احسان کر دیا۔'' زین نے کہا۔ اس کی طبیعت کافی بہتر ہو گئی تھی اور پھر دونوں سر کی طرف متوجہ ہو گئے جو ابھی کلاس میں داخل ہوئے تھے۔

سارا دن یوں ہی کلاسیں لینے میں گزر گیا۔ جب اسے فارغ سیشن ملا تو وہ سیدھی اپنے مائے سپاٹ پر چلی گئی تھی۔ کتنے دن ہوئے تھے اسے یہاں آئے ہوئے۔ تھکاوٹ محسوس کرتی ہوئی وہ بیگ ایک طرف رکھ کر سر کھڑکی سے لگا کر آنکھیں بند کرنے لگی تھی کہ اس کا فون بجنے لگا۔ اس نے فون نکال کر دیکھا تو سارے موڈ کا بیڑا غرق ہو گیا۔ بس تو چل رہا تھا آج فون نہ

اٹھائے پر بادل نخواستہ اٹھا لیا۔

''جی شاہ زیب! کیوں فون کیا ہے آپ نے؟'' سارہ نے پوچھا۔

''لگتا ہے تم اب تک میری اس دن کی بات پر خفا ہو۔'' شاہ زیب نے کہا۔

''جیسا آپ سمجھیں، کوئی ضروری بات کرنی تھی آپ کو؟'' سارہ نے ٹالا۔

''نہیں ضروری تو نہیں تھی۔ بس تمہاری یاد آرہی تھی تو سوچا آواز سن لوں۔'' یہ سنتے کے ساتھ ہی سارہ نے کان سے فون ہٹایا اور زہر خند آنکھوں سے اسکرین کو دیکھا۔ ایسی بے تکی باتیں اسے پہلے کبھی سمجھ آتی تھیں اور نہ ہی اب۔ ہر پل گزرتے کے ساتھ ساتھ اسے شاہ زیب برا لگنے لگا تھا۔

''میں رکھ رہی ہوں مجھے کام ہے۔'' سارہ نے واپس کان سے فون لگا کر کہا۔

''ارے نہیں، مت رکھو یار! سارہ! شادی ہونے والی ہے ہماری، ایسی باتیں تو ہر کوئی کرتا ہے۔'' شاہ زیب نے کہا۔

''پر میں نہیں کرتی، میں فون رکھ رہی ہوں، اللہ حافظ۔'' سارہ نے غصے سے جواب دیا اور فون بند ہی کر دیا۔

''اتنی بڑی یونیورسٹی میں کیا پڑھ رہی ہے ساتویں آسمان پر ہی چڑھ گئی! اب اسے بتانا پڑے گا کہ میں کون ہوں۔'' شاہ زیب نے شاطر نظروں سے اسکرین پر اس کے نام کو دیکھ کر مونچھوں کو تاؤ دی۔

☆......☆......☆

چند دن تھے وسط مدتی امتحان میں۔ پر طلبا پڑھائی سے زیادہ سال کے آخر میں ہونے والے فیسٹیول کو لے کر بے حد پرجوش تھے۔ پھر یونیورسٹی میں سجاوٹ کی شروعات ہو چکی تھی

جو مزید ان کی پرجوشی کو دن بھر دن بڑھا رہی تھی۔ قدم قدم پر چھوٹے بڑے بینرز لگا دیئے گئے تھے۔ ایکٹیویٹی سینٹر اور اکیڈمک بلڈنگ کی چھت سے زمین تک گرتا ہوا وسیع بینر آویزاں تھا جس میں آنے والے مشہور وی آئی پی کی تصویریں موجود تھیں۔ کئی راستوں پر سٹینڈ پوسٹر رکھے تھے جس میں ایونٹ کی تفصیلات واضح تھیں۔ ٹکٹس کی فروخت جاری تھی اور نتائج بہترین تھے۔ ان کی سوچ سے بڑھ کر طلبا ٹکٹس خرید رہے تھے۔ ایک طالب علم کے ساتھ ایک وزیٹر کی اجازت تھی لیکن ان کے لیے بھی ٹکٹ لینا لازم تھا۔ جس نے مزید یونیورسٹی کو فائدہ فراہم کیا تھا۔ فیسٹیول ان کے فائنل امتحان سے دو ہفتے قبل منعقد کیا گیا تھا تاکہ اس سے فارغ ہو کر پڑھائی کے لیے سب وقت نکال سکیں۔

اس خوشی میں روز بروز ایکٹیویٹی سینٹر میں کوئی نہ کوئی ہنگامہ ہوتا نظر آتا جو سب طلبا کی توجہ کا مرکز بن جاتا۔ جیسے آج کچھ طلبا نے گروپ بنا کر موسیقی کے آلات لیے اور دھیمی دھیمی آواز میں گانے لگے تھے۔ ایک لڑکے کے پاس دو چھوٹے ڈرمز تھے تو دوسرے کے پاس گٹار۔ دونوں نفوس گانے کی دھن بجا کر گانا گا رہے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہاں موجود ہر شخص ان کی طرف مائل ہو گیا اور جنہیں گانا معلوم تھا وہ آواز سے آواز ملا کر گا رہے تھے۔ ماحول خوش گوار تھا۔

موسیقی کی آواز جب کیفے میں پڑی تو زنیرہ اور سارہ جو وہاں موجود تھیں انہوں نے بھی اس طرف نظریں دوڑائیں۔ پھر کیا تھا زنیرہ سارہ کو کھینچتی ہوئی لے گئی جو جانے سے کترا رہی تھی۔ لوگوں کے مجمع میں وہ دونوں بھی کھڑی اس گروپ کو دیکھ رہی تھیں جنہوں نے اپنے ہنر سے سب کو گھیر لیا تھا۔ پر جو سب کے لیے کان پر پڑتا سکون تھا سارہ کے لیے شور سے کم نہ تھا۔ وہ زنیرہ کو چھوڑ کر واپس کیفے چلی گئی۔ اسے ویسے بھی اس طرح کی سرگرمیوں سے الجھن ہوا

کرتی تھی۔ آواز کیفے تک آرہی تھی جو اسے بے سکون کر رہی تھی۔ اس نے جانے پر اکتفا کیا اور جوں ہی میز سے اپنی کتاب اٹھائی تو ایک ورق اسے سرکتا ہوا نظر آیا۔ اس نے تعجب سے کاغذ نکال کر دیکھا تو آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ وہ ضبط سے نظریں یہاں وہاں گھمانے لگی پر وہاں کوئی ایسا موجود نہیں تھا جس پر شک کرتی۔ اس نے اپنا بقیہ سامان اٹھایا اور کیفے سے چلتی چلی گئی۔

اندر کے بہ نسبت باہر کا موسم تر و تازہ تھا۔ دھوپ چھاؤں کا سلسلہ برقرار تھا۔ البتہ اس کے اندر غموں کا سایہ سا لہرا گیا تھا۔ وہ رو نہیں رہی تھی بس چپ تھی۔ مستقل برداشت کرنے سے ایک وقت ایسا آتا ہے جب انسان عاجز ہو جاتا ہے۔ وہ بھی تھک گئی تھی۔ ٹہلتے ٹہلتے اس نے آئی ٹی بلڈنگ کے مرکزی دروازے کے پاس چھوٹے باغیچے کا رخ کیا۔ اس کے ایک طرف اینٹوں سے بنی روش تھی۔ جہاں اس نے بیٹھنے کا ارادہ کیا تھا۔ اس عمارت کی دیوار سے ٹیک لگا کر وہ غیر مرئی نقطے کو دیکھے جا رہی تھی۔ اس کے اطراف چھوٹے بڑے بے حد خوبصورت پھول کھلے ہوا کے ساتھ لہرا رہے تھے پر کوئی شے اس کو سکون نہیں دے رہی تھی۔ اندرونی تباہی اضطرابی خول میں بند کر دیتی ہے پھر جتنا سہانا موسم اور حسین نظارے ہوں جب باطن ہی تباہ کن ہو تو ظاہر کیسے خوشگوار ہوگا؟

☆......☆......☆

وہ شازیہ کا میسج دیکھ کر اکیڈیمک بلڈنگ سے نکلا تھا۔ ایکٹیویٹی سینٹر میں شازیہ اس کی منتظر تھی۔ وہ وہیں گروپ کے ساتھ ان کا حصہ بنی ہوئی سُر سے سُر ملا رہی تھی اور زین کو بھی جوائن کرنے کا پیغام بھیج دیا تھا۔ تیز تیز قدم اٹھاتا وہ سڑک پر سے جا رہا تھا جب اچانک اس کی نظر سارہ پر پڑی۔ آج بھی یہ دوشیزہ وہی لباس زیبِ تن کیے ہوئے تھی جس میں زین نے اسے

پہلی بار چھت پر دیکھا تھا۔ چونکہ اس لباس سے خوبصورت یاد وابستہ تھی لہٰذا سارہ پر اسے یہ رنگ حسین لگتا تھا۔ وہ ہشاش بشاش سا اس کی طرف لپکا تھا۔

''السلام علیکم محترمہ! یہاں اکیلے بیٹھ کر کیا ہو رہا ہے؟'' وہ زین کی آواز سن کر اس کی طرف متوجہ ہوئی۔ تاثرات جز بز تھے پر وہ کمال مہارت سے کمپوز بیٹھی تھی۔

''وعلیکم السلام! کچھ نہیں بس ایسے ہی۔'' اس نے شانے خفیف سے ہلائے۔ وہ اس کے برابر بیٹھ گیا۔ سورج عمارت کی اوٹ میں چھپ گیا تھا۔ وہ سائے کے تسلط میں موجود تھے۔

''تو پھر چلو ایکٹیویٹی سینٹر، میں نے سنا ہے کچھ لوگ مل کر تفریح وغیرہ کر رہے ہیں۔'' زین نے اسے خبر دی۔

''تم ہی جاؤ! مجھے اپنے کان پیارے ہیں۔'' اس نے چڑ کر کہا۔ وہ اس کے چڑ چڑے ہونے پر لطف اندوز ہوتا ہوا اس کی ہتھیلی پر غور کرنے لگا۔ جو شدت جذبات سے مٹھی بنی ہوئی تھی اور جس کی گرفت وہ وقفے وقفے سے کھول اور بند کر رہی تھی۔

''یہ کیا ہے؟'' اس کے پوچھنے پر سارہ کا ذرا دھیان ہٹا اور ہاتھ کھل گیا۔ زین نے باآسانی بال جھپٹ لی۔

''زین! دو یہ میرا ہے۔'' سارہ نے اچکتے ہوئے اس سے لینا چاہا پر بہت دیر ہو گئی تھی۔ سارہ نے زچ ہو کر اسے دیکھا جو پھر اس کی سن کہاں رہا تھا۔ مڑے تڑے کاغذ کو کھول کر نگاہوں کے سامنے کیا تو ماتھے پر بل نے ڈیرا جما لیا۔

''عینک والا جن؟'' اس نے کاغذ میں لکھی عبارت پڑھی۔ پھر مختلف قسم کی اشکال جو اس میں بنائی گئی تھیں ان پر غور کرنے لگا۔ سارہ چوکڑی مارے اس کے برابر بیٹھی اسے دیکھ رہی تھی۔ چہرے پر تنگ ہونے کے آثار تھے۔

''ابے یار! کیا یاد دلا دیا۔ بچپن میں دیکھتا تھا میں یہ ڈرامہ۔ پی ٹی وی پر آتا تھا تمہیں یاد ہے؟'' وہ معاملے کی سنگینی کو ایک طرف کر کے لکھی گئی عبارت پر بھرپور تبصرہ کرنے لگا تھا۔

''ہاں سنا ہے۔'' سارہ نے ناک بھوں چڑھا کر کہا۔

''قسم سے وہ کیا تھا۔ مجھے کام بتاؤ مجھے کام بتاؤ، میں کیا کروں، میں کس کو کھاؤں۔ زکوٹا جن ہوتا تھا...... اور یاد نہیں آرہا...... قسم سے جس نے لکھا ہے یادداشت بڑی مضبوط ہے بھئی۔'' اس نے مسکرا کر سارہ کو دیکھا جو اسے ملامتی نظروں سے گھور رہی تھی۔

''ویسے تصویر بھی کمال بنائی ہے۔'' اس نے سارہ کی طرف ورق بڑھا کر دکھایا۔

''ہمم، وہ تو ہے۔'' وہ بھی متفق ہوئی اور تصویر کا جائزہ لینے لگی۔

''کس کی طفلانہ حرکت ہے یار یہ؟'' وہ زیرِ لب ہنستا ہوا کاغذ کی بال بنا کر مقابل سڑک پار رکھی ڈسٹ بن میں شاٹ لگا گیا۔

''مجھے معلوم ہوتا تو یہاں بیٹھی ہوتی؟'' سارہ نے قدرے نارمل انداز میں کہا البتہ اس کے ماتھے پر مستقل پڑتی شکنیں اس کے اندر موجود خلفشار کی عکاسی کر رہی تھیں۔

''کہاں سے ملا تمہیں یہ؟'' وہ ریلیکس ہوتا ہوا دیوار سے ٹیک لگا کر گویا ہوا۔ شازیہ کا میسج تو اس کے دماغ سے اڑ ہی گیا تھا۔

''کیفے میں تھا میری کتاب کے نیچے دبا تھا۔ خیر واقعی ہے تو بچکانہ حرکت۔ اب یہی دیکھ لو ان موصوف یا موصوفہ جو کوئی بھی یہ ماہر مصور ہیں انہیں میرے صنف پر بھی شبہ ہے۔ دیکھو تو بھلا لڑکی کو کوئی جن لکھتا ہے۔'' اس نے سر جھٹکا۔

''ارے ہاں یہ تو میں نے غور ہی نہیں کیا۔ تمہارے مذکر مؤنث بھی اس کی سمجھ سے باہر ہے۔'' وہ ہنسا۔

''وہ ہی تو۔ بھئی اگر مذاق چشمے کو لے کر کرنا تھا تو ہیری پوٹر سے منسوب کر دیتے۔ قسم سے وہ اتنا برا نہیں لگتا۔'' سارہ نے کہا۔

''پر وہ بھی مذکر ہے۔'' زین نے زیرلب مسکرا کر اسے دیکھا اور سارہ نے خیال آنے پر اپنے ماتھے پر ہلکی سی چپت لگا دی۔ زین عام انداز لیے اس سے گفتگو کر رہا تھا پر ناقدانہ نگاہ اس کے چہرے پر گڑی تھی۔ وہ سارہ کی اندرونی مدوجزر ہوتی کیفیات سے واقف تھا۔

''سارہ! تمہاری کتنی پاکٹ منی جمع ہوئی ہے؟'' کچھ وقت خاموشی کی نذر ہوا تو زین کے غیر متوقع طور پر پوچھے گئے سوال سے سارہ نے اسے اچھنبے سے دیکھا۔

''میرے پاس؟ کُل ملا کر آج کا کرایہ نکال دوں تو تقریباً دو ہزار۔ تین مہینے سے جمع کر رہی ہوں۔'' اس نے سوچتے ہوئے زین سے کہا۔

''کیوں تمہیں چاہئیں؟ پر میرے پاس اس وقت فقط پانچ سو ہی ہیں۔ بقایا تو گھر پر رکھے ہیں۔ تم تو جانتے ہو گے بسوں میں جیب کترے گھومتے ہیں بھئی۔'' اس نے کہتے کہتے بیگ کھولا۔

''نہیں نہیں مجھے چاہئیں نہیں ایسے ہی پوچھ لیا۔'' اس نے لاپروا انداز میں کہہ کر سارہ کو روکا اور اس کی فراخ دلی پر توصیفی نگاہ سے اسے دیکھا۔

''اچھا۔'' سارہ نے کہا جس پر زین نے سر کو جنبش دے کر اس کے چشمے کو بغور دیکھا۔

''ارے تمہارے چشمے پر کچھ لگا ہے دکھاؤ صاف کر دوں۔''

''کہاں لگا ہے؟'' زین کے کہنے پر اس نے چشمہ اتار کر چیک کرنا چاہا پر زین نے اس کے ہاتھ سے لے لیا۔

''میں کر دیتا ہوں نا۔'' زین نے چور نگاہ سے سارہ کی جانب دیکھا جو آنکھیں مسلنے لگی

تھی۔موقع غنیمت جان کر اس نے چشمے کے وسط میں زور لگادیا۔

''چیخ۔'' وہ چٹخنے کی آواز پر فوراً چونکی۔

''زین۔'' وہ حواس باختہ زین کو اس کا قدیم چشمہ توڑتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔کچھ پل تو یقین ہی نہ آیا۔زین نے چشمے کے دو حصے کر کے پھر اس کے ٹیمپلز کو پکڑ کر مزید زور لگادیا۔

''چیخ۔'' ہر آواز پر سارہ کا دل دہلنے لگا تھا۔

''زین کے بچے! یہ کیا تم نے۔'' وہ شعلہ بار آنکھوں سے اس پر چلا اٹھی پر مقابل آرام دہ اس کی آگ کی تپش کو اگنور کرتا ہوا اٹھا۔سارہ کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔وہ ڈسٹ بن تک گیا اور اس کے چشموں کو آخری بار خیر باد کہتا انہیں پھینک آیا۔سارہ ہنوز منہ کھولے اسے گھور رہی تھی۔حواس تحلّل تھے۔بے یقینی ہی بے یقینی۔

''منہ بند کرلو لڑکی، مکھی چلی جائے گی۔'' وہ واپس اس کے برابر آ بیٹھا اور عام انداز میں اسے دیکھنے لگا۔

''ی...... یہ...... یہ تم ن...... نے کیا کیا۔'' اس کی ابتر ہوتی حالت نے زبان میں لڑکھڑاہٹ پیدا کردی تھی۔

''نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسری۔'' وہ فرحت سے کہتا ہوا پھر سے ریلیکس حالت میں بیٹھا پر مقابل کے تو چین وین سب اڑ چکے تھے۔

''زین! تم پاگل ہوگئے ہو، میں...... یہ...... یہ تم نے کیا کیا ہے۔'' سارہ آگ بگولہ ہوگئی تھی اور زین انتاہی پُرسکون اس کے سامنے بیٹھا تھا۔وہ گھبراہٹ سے انگشت بدنداں ہوئی۔

''ماموں کو کیا جواب دوں گی۔ابھی تو خرچے بھی کتنے ہیں۔وہ تو قسم سے مجھ پر فائر ہی کر دیں گے۔خود پر فاتحہ پڑھ لیتی ہوں۔'' وہ ٹینشن سے لب کاٹتی ہوئی کہہ رہی تھی اور زین اس

کی حرکتوں سے محظوظ ہو رہا تھا۔

''خبیث انسان! ہنس رہے ہو میرا کتنا بڑا نقصان کر کے! اب کہاں سے لاؤں گی دوسرا۔'' وہ چیخ رہی تھی چلا رہی تھی۔

''نقصان فی الوقت لگتا ہے پر فائدہ ہی کیا ہے۔'' اس نے سارہ کی حالت کو بالائے طاق رکھ کر عام سے انداز میں کہا۔

''کیسا فائدہ؟'' وہ تڑپ کر بولی۔

''اب کوئی تبصرہ نہیں کرے گا چشموں پر سارہ۔'' زین نے رسانیت سے کہا۔

''کیا؟ یہ تم کہہ رہے ہو۔ جسے ظاہری لکس سے کوئی سروکار نہیں۔ بھاڑ میں گئے لوگ جو مذاق بنا رہے تھے۔ میرا تو نقصان ہو گیا نا۔''

''اچھا؟ تو کیا تمہیں ایک فیصد بھی فرق نہیں پڑ رہا تھا جب تضحیک کا نشانہ بن رہی تھیں؟'' اس نے استفہامیہ انداز میں سارہ کو دیکھا جو حالتِ طیش سے یکلخت ہی حالتِ دنگ میں آئی۔

''سارہ! تم مانو یا نہ مانو پر تمہیں برا لگتا ہے تمہارے دل کو تکلیف پہنچتی ہے۔ پھر بتاؤ بھلا اس میں کیا نقصان ہوا۔ کبھی کبھی انسان کو ایسے فیصلے لینے پڑ جاتے ہیں کہ وہ اپنی زندگی سے ان چیزوں کو دور کر دے جو فقط مذاق کا سبب بنتی ہیں۔ ہاں تمہاری مجبوری تھی، لیکن مجبوری سے بڑھ کر دلی سکون ہے۔ جو تمہیں اب میسر ہو گا۔'' وہ لاجواب ہوئی تو زین نے اسے مخلصانہ انداز سے سمجھایا۔

''مجھے ابھی ڈھیروں کام تھے زین۔ مجھے یہ رقم جمع کرنی تھی تم کیوں نہیں سمجھتے۔'' وہ اس کے سابقہ سوال کا مطلب اب سمجھی تھی۔

''جانتا ہوں۔ اس کا ایک حل یہ ہے کہ میں تمہیں......''

”مجھے تمہاری مدد نہیں چاہیے۔“ وہ اس کا جملہ مکمل کرنے سے پہلے ہی بات کو منقطع کر گئی۔

”تب ہی توڑنے سے پہلے تم سے جمع کی ہوئی رقم پوچھی تھی کیونکہ میں جانتا ہوں تم خوددار ہو، نہیں لوگی پیسے۔“ اسے اپنا رونا زیادہ تھا۔ سر پکڑ کر بیٹھ گئی اور زین اس کی حالت کو انجوائے کرتا رہا۔

”میری ابھی کلاس ہے، اور جو نقصان تم نے کیا ہے۔ مجھے صرف یہ بتاؤ کہ میں کیسے پڑھوں گی؟“ سارہ کو رہ رہ کر غصہ آ رہا تھا۔

”مس سارہ احمد، ایک ہی کلاس ہے جیسے تیسے لے لی جائے گی اور اس کے بعد آپ مجھے سیزنس کے باہر ملیں گی۔“ زین یہ کہتا ہوا وہاں سے اٹھا تو سارہ بھی اس کی تقلید میں اٹھ کھڑی ہوئی۔

”میں نہیں آؤں گی، ایک تو چشمہ توڑ دیا اور اب حکم دے رہے ہو کہ وہاں آ جانا، جاؤ یہاں سے۔ دفع ہو۔ بلکہ تم چھوڑو میں ہی جا رہی ہوں۔“ اس نے پیر پٹختے ہوئے اپنا زمین پر دھرا بیگ اٹھایا اور کینہ توز نظروں سے اسے گھورتی ہوئی آگے بڑھی۔

”جیسے آپ کی مرضی، میں آپ کو وہیں ملوں گا۔“ وہ سیدھی سیدھی وہاں سے چلتی چلی گئی اور زین محظوظ ہوتا ہوا کیفے کا رخ کر گیا۔

مائے سپاٹ پر ہوتے تو نظروں سے اوجھل رہتے پر یہاں ہر کوئی دیکھ سکتا تھا اور جس نے نہیں دیکھنا چاہیے تھا اس نے بھی چھپ کر سب دیکھ لیا تھا۔

ایک کلاس تھی پر سارہ کے لیے گزارنا دشوار تھا۔ وائٹ بورڈ سے پڑھنا محال ہو گیا تھا۔ وہ آنکھیں چندھیا کر جیسے تیسے نوٹس بنا رہی تھی۔ بغیر چشموں کے وہ پہچانی نہیں جا رہی تھی۔ پر اس کا انداز و اطوار تو برقرار تھا، زین نے اسے تھوڑی ختم کیا تھا۔ اپنی اکڑ طبیعت کے باعث جو

لوگ الجھن کا شکار تھے سمجھ گئے تھے کہ وہ اور کوئی نہیں سارہ تھی۔ کلاس اختتام کو پہنچی تو اس نے گھر جانے کا فیصلہ کرلیا۔ زین پر تو رہ رہ کر شدید غصہ آرہا تھا بس نہیں چل رہا تھا اس کا سر پھاڑ ڈالے۔ اس نے دل پر اپنی سماعت کو بند کیا اور مرکزی گیٹ کی طرف قدم بڑھائے پر نہ جانے کون سی اندرونی طاقت کے زیرِ اثر ہوئی کہ پیر اس کا ساتھ ہی نہیں دے رہے تھے۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی دل پر کان کھول گئی اور سیزنس کی طرف بڑھ گئی۔

کانچ کی دیوار سے وہ پاتھ پر بیٹھا ہوا اسے نظر آیا۔ اس نے دروازہ کھول کر قدم باہر رکھا تو زین کو عقب میں اس کی موجودگی محسوس ہوئی۔ وہ جانتا تھا سارہ لاکھ منع کرے گی پر آئے گی ضرور۔ وہ اس کے آنے پر زیرِ لب مسکرایا تھا۔ سارہ نے خون خوار آنکھوں سے اس کی پشت کو گھورا اور اس کے برابر آبیٹھی۔

''آ ہی گئیں تم۔ کیسا رہا سب؟'' زین نے موبائل کی اسکرین پر نظریں ٹکائے اس سے پوچھا۔

''بات نہیں کرو مجھ سے! پتہ نہیں کیسے آ گئی۔ سیدھا گھر نکل رہی تھی میں۔'' اس نے زچ ہو کر کہا۔

''پھر تو شکر ہے یہاں آ گئیں۔'' وہ موبائل جیب میں ڈال کر سارہ کی طرف متوجہ ہوا۔

''کیوں ایسی کیا بات ہے؟'' سارہ نے پوچھا۔

''محترمہ! آپ کا اتنا بڑا نقصان کیا ہے تو ازالہ بھی کروں گا۔ چلیے آپ کو گھر ڈراپ کر دیتا ہوں۔ ورنہ معلوم ہوا گھر پہنچنے کے بجائے سارہ میڈم حیدر آباد کی بس پکڑ چکی ہیں۔'' وہ ہنستا ہوا اسے چھیڑنے لگا۔

''اب ایسی بھی اندھی نہیں ہوں میں۔ مجھے بھی معلوم ہے کس بس میں بیٹھنا ہے اور جناب عالی، کنڈکٹر آواز بھی لگاتا ہے۔ آنکھیں کمزور ہیں پر کان خوب چلتے ہیں میرے۔''

اس نے لڑاکا عورت کی طرح زین کو آڑے ہاتھوں لیا۔

''اچھا! پر غلط فہمی بھی تو ہو سکتی ہے؟'' زین نے تنگ کیا۔

''اب زین مجھے اتنا تو نظر آ ہی جائے گا کہ بس پر نمبر کون سا ہے۔ اب دیکھو تمہیں بھی آرام سے دیکھ سکتی ہوں۔ تمہاری دو آنکھیں ایک ناک اور ایک منہ ہے۔''

''واقعی میں؟ نہیں یار مجھے بھی آج پتہ چلا۔'' وہ سارہ کے چھیڑنے پر اسے ہی تنگ کر گیا۔

سارہ کا غصہ جاتا رہا۔ پر نظروں کے دھندلے پن نے فوکس کرنا دشوار کر دیا تھا۔

''تم واقعی چلی جاؤ گی؟'' وہ تمام چھیڑ چھاڑ کو ایک طرف کرتا ہوا سنجیدگی سے اس سے پوچھنے لگا۔ حالانکہ جانتا تھا وہ کسی صورت اس کے ساتھ نہیں جاتی پر فرض کی خاطر اس نے پوچھنا ضروری سمجھا۔

''ہاں زین بے فکر رہو۔'' سارہ نے کہا۔

''تو پھر ٹھیک ہے۔ اب تمہیں ایک کام اور کرنا ہے۔'' زین نے کہا۔

''وہ کیا؟''

''یہ ہی کہ اب تم خود اپنی فریم پسند کرو گی۔''

سارہ نے اسے استعجابیہ انداز سے دیکھا۔

''اس سے کیا ہوگا؟''

''مس سارہ احمد! اس سے یہ ہوگا کہ جب تم خود اپنے لیے اپنی پسند سے کوئی چیز لوگی تو دنیا لاکھ مذاق اڑائے تمہیں فرق نہیں پڑے گا کیوں کہ تم خود پر اعتماد رہو گی۔ میری بات مانو خود جاؤ اور جو بھی پسند ہو چاہے وہ تمہاری سابقہ فریم جیسی ہی کیوں نہ ہو، پر پسند اپنی رکھ کر لینا جس میں تم مکمل طور پر مطمئن ہو گی۔'' زین نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر اسے سمجھایا۔

''اس سے کیا فرق پڑتا ہے زین۔'' وہ تیوری چڑھا گئی۔

''اچھا؟ اس یونیورسٹی میں کیوں پڑھ رہی ہو؟'' اس نے الٹا سوال کیا۔

''میرا شوق ہے۔ اسی لیے۔'' سارہ نے کہا۔

''لاکھ باتیں سنتی ہوں گی پھر بھی فرق نہیں پڑتا ہوگا۔ ہے نا! اسی طرح اگر خود پر خرچ کرو گی۔ تو دنیا کچھ بھی کہے تمہیں فرق نہیں پڑے گا یہ بات یاد رکھنا۔''

''میں نے ایسے پہلے کبھی سوچا نہیں۔ میرے لیے یہ سب اہمیت نہیں رکھتا زین۔'' وہ جز بز ہوئی۔ کبھی خود پر توجہ رکھی ہی کہاں تھی۔ کٹھ پتلی کی طرح جیسے چلاتے وہ چلتی تھی۔ اس کی پسند کو بغیر اہمیت دیئے جو اس کے لیے آتا خاموشی سے لے لیا کرتی۔ اسے یہ سب سمجھنا مشکل ہو رہا تھا۔

''اب سوچ لو۔ اس میں تمہارا فائدہ ہے نقصان نہیں۔'' زین نے کہا۔

''یہ میرے لیے آزادی کی طرف پہلا قدم ہوگا جو تم مجھے سکھا رہے ہو۔ جانتے بھی ہو ایک پَر کٹے پرندے کو اڑان دکھانا کتنا تکلیف دہ عمل ہے۔''

''میں تمہیں تکلیف نہیں دے رہا۔ اور اتنی آزادی تو ہر انسان کا حق ہے۔'' وہ کہہ کر اسے دیکھ رہا تھا جو چپ سی ہو گئی تھی۔

☆......☆......☆

''السلام علیکم!'' وہ کہہ کر سیدھی اندر داخل ہوئی تھی اور زینت نے اسے چونک کر دیکھا تھا۔

''سارہ! کیا ہوا، چشمہ کہاں گیا؟'' ان کے سوال کرنے پر سارہ گڑبڑا گئی۔

''و...... وہ ٹوٹ گیا تھا۔'' اب کیا بتاتی کہ اس کے ایک دوست نے دانستہ طور پر چشمے کا ستیاناس کر دیا تھا۔

''اوہ۔'' وہ حیرانی سے سارہ کی بات سنتی ہوئی وہیں کھڑی کی کھڑی رہ گئیں۔ سارہ نے

انہیں منتشر پایا تو بیگ بستر پر رکھ کر ان کے پاس آ گئی۔

''آپ فکر مت کریں۔ میرے پاس کچھ رقم ہے۔ چشمہ آرام سے بن جائے گا۔'' اس نے زینت کو تسلی دلائی۔ وہ جانتی تھی جس بات سے سارہ خوف زدہ تھی وہی ڈر زینت کو بھی لاحق تھا۔

''اچھا۔ کتنے ہوں گے؟'' زینت نے پوچھا

''تقریباً دو ہزار۔'' سارہ نے بتایا تو ان کے چہرے پر سے فکر کے بادل جاتے رہے۔

''میرے پاس بھی سات سو رکھے ہیں۔ تمہارا چشمہ تو آرام سے بن جائے گا۔'' انہوں نے سارہ کے گوش گزار کیا۔

''پر ماموں......'' سارہ پر خوف طاری ہوا۔

''تمہارے ماموں کا کیا ہے۔ انہیں کہہ دیں گے نا کہ ٹوٹ گیا اور تمہارے ہی پیسوں سے نیا بنوا دیا۔ ویسے بھی تمہاری شادی پر یہ خرچہ بھی فہرست میں شامل تھا۔ کوئی بات نہیں تب نہیں ابھی سہی۔'' انہوں نے رسان سے کہا تو سارہ نے سر کو جنبش دی۔

''تو کب جاؤ گی؟'' زینت نے متجسس انداز میں پوچھا۔

''کہاں؟'' سارہ نے سوال پر سوال کیا۔

''چشمہ بنوانے۔'' زینت نے کہا۔

''اوہ......ہ ہاں چلی جاؤں گی دیکھیں۔''

''ابھی چلیں۔'' ان کی آنکھوں میں چمک سارہ کو کچھ اور ہی بتا رہی تھی۔

''آپ چلیں گی ساتھ؟'' سارہ نے پوچھا۔

''اگر تمہیں کوئی مسئلہ نہ ہو تو۔'' انہوں نے مسکرا کر کہا۔

”مجھے کیا مسئلہ ہوگا۔ چلیں میں منہ ہاتھ دھو کر آتی ہوں پھر نکلتے ہیں۔“ سارہ کہہ کر پلٹی اور زینت کے لبوں پر تبسم بکھر گئی۔ وہ تو کب سے اسے اس بھدے چشمے سے جان چھڑوانا چاہتی تھیں۔ بالآخر وہ دن آ ہی گیا تھا۔

سارے راستے تو یہ ہی عہد کر کے آئی تھی کہ خود دکان میں جا کر اپنی پسند سے خریدے گی پر زینت کے چہرے پر امڈتی رونق نے اس کا فیصلہ تبدیل کر دیا۔ وہ ان کی ہی تقلید میں چلتی چلی گئی۔ اور ہر بار کی طرح اس بار بھی زینت کی ملحوظ خاطر ان کے ہی انتخاب پر منحصر رہنے کا فیصلہ کر لیا۔ دونوں ایک دکان میں داخل ہوئیں اور زینت آگے بڑھ کر دکان دار سے مختلف فریم نکلوانے لگیں۔ سارہ ان کے ساتھ کھڑی خاموش تماشائی بنی رہی۔ زینت نے کئی فریم نکال کر سارہ کو دکھائے جو پہننے پر سوٹ نہیں کر رہے تھے۔ دکان دار سے مزید ڈیزائن نکلوائے اور ایک ایک کا جائزہ لیتی ہوئی سارہ کو دکھا رہی تھیں جو ان کے کہنے پر پہنتی جاتی اور دکھاتی جاتی۔

”تمہیں کچھ سمجھ آئے تو بتاؤ؟“ زینت نے سارہ سے پوچھا جو نفی میں گردن ہلانے ہی لگی تھی کہ اس کی نظر ایک فریم پر پڑی۔ یہ فریم لیس چشمہ تھا جس کا کانچ مستطیل شکل کا تھا۔ اس کے ٹیمپلز میرون رنگ میں تھے جن کے دونوں طرف تین ننھے ننھے نگ جڑے ہوئے تھے۔ وہ بغور اس فریم کو دیکھ رہی تھی۔ پھر جھجک آڑے آئی تو واپس رکھنے لگی۔

”جب تم خود اپنے لیے اپنی پسند سے کوئی چیز لوگی تو دنیا لاکھ مذاق اڑائے تمہیں فرق نہیں پڑے گا کیوں کہ تم خود پُر اعتماد رہو گی۔“ زین کی آواز اسے دماغ میں بازگشت ہوتی محسوس ہوئی۔

”یہ تو خوبصورت ہیں انہیں پہن کر دیکھو۔“ زینت نے اس کے ہاتھ میں فریم دیکھا تو انہیں بھی بے حد اچھا لگا۔ سارہ نے آئینے کے سامنے چشمہ پہنا تو اپنا آپ اسے پہلی بار بھلا اور اچھا لگا۔ وہ متحیر سی خود کے عکس کو دیکھے گئی تھی۔ کبھی اس زاویے سے سوچا نہیں تھا اور نہ ہی

خود پر توجہ دی تھی۔ نازک سا فریم اس کے کامنی چہرے پر دلکش لگ رہا تھا۔

''سارہ! یہ اچھا لگ رہا ہے۔ یہ کرلو۔'' زینت نے فیصلہ کن لہجے میں کہا تو اس نے سر اثبات میں ہلایا۔ وہ خود بھی مطمئن تھی۔ یہ کئی مدتوں میں پہلی بار تھا جب اس نے اپنی ذات پر اپنے ظاہر پر اپنی پسند سے خرچ کیا تھا۔

☆......☆......☆

''پتہ نہیں یار! زین کچھ بدلا بدلا سا لگتا ہے اب۔'' اس نے پرسوچ انداز میں کہا تھا۔

''ہم۔ بات تو صحیح کہہ رہی ہو، ہمارے ساتھ ہو کر بھی وہ نہیں ہوتا۔'' شازیہ کی بات پر انوشہ متفق ہوئی تھی۔ جہازی سائز بستر پر دونوں پیٹ کے بل لیٹی ہوئی مختلف باتوں میں مصروف تھیں جب موضوع گفتگو زین ہوا۔

''ہم۔ لیکن خیر ہے آج کل سوسائٹی کا کام ہی اتنا ہوتا ہے کہ اسے وقت ہی نہیں ملتا۔'' ہیزل آنکھوں میں الفت کی رمق چمکنے لگی تھی۔ وہ زین کا ذکر سنتے ہی گلنار ہو جاتی تھی۔

''تم فکر نہیں کرو جانی! وہ کچھ نہ کچھ سوچ ہی رہا ہوگا اور تمہیں آخر میں سرپرائز دے گا۔'' اس کی حالت سے باخبر ہوتی انوشہ نے کہا۔

''ہم۔ ویسے میری اس حوالے سے کوئی بات نہیں ہوئی ہے کبھی۔'' شازیہ نے جھجک کر کہا۔

''تم ایک کام کیوں نہیں کرتیں۔ اپنی ماما سے کہو کہ وہ ارم آنٹی سے بات کریں۔ بھئی ظاہر ہے، تم دونوں کی فیملیز کتنی قریب ہیں۔ تمہاری ماما ارم آنٹی سے پوچھ سکتی ہیں کہ زین نے اگر ان سے تمہارے حوالے سے کچھ کہا ہو یا اس کا کوئی ارادہ ہو؟ یا وہ بات نا...... اگر ارم آنٹی کا کوئی فیصلہ ہو کہ وہی نا دوستی کو رشتہ داری میں بدلنا وغیرہ وغیرہ۔'' انوشہ نے کہا۔

''یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں۔'' وہ انوشہ کی بات سے چمک کر اٹھ بیٹھی۔

’’بہت اچھا آئیڈیا دیا ہے تم نے، ارم آنٹی کو سب پتہ ہوگا۔ زین ان سے کچھ نہیں چھپاتا یہ مجھے معلوم ہے۔ اور پھر کیا پتہ واقعی زین کا کوئی پلان ہو؟‘‘ شازیہ دل میں امید لیے مسکرادی۔

’’ہاں نا، بلاوجہ اتنی ٹینشن لیتی ہو تم بھی، لیکن آنٹی کو یہ کام جلد کرنے کو کہنا، مجھے سارہ کے ارادے نیک نہیں لگتے۔‘‘ انوشہ نے اپنی طرف سے اسے پھر متنبہ کیا۔

’’تم پھر اس کی باتیں لے کر بیٹھ گئیں۔ انوشہ! زین ایسا نہیں ہے وہ چاہے ظاہر نہیں کرتا پر مجھے معلوم ہے کہ وہ میرے بارے میں کیا سوچتا ہوگا۔ اور سارہ تو ایسے ہی ہے بس۔‘‘ شازیہ جھنجھلا گئی۔

’’ایسے ہی ہو تو زیادہ اچھا ہے۔‘‘ انوشہ نے نگاہیں گھما کر اس سے کہا تو شازیہ گردن نفی میں ہلاتی ہوئی کچھ اور بات چھیڑ گئی۔

☆......☆......☆

وہ آج کلاس لے کر سیدھی سوسائٹی روم جا رہی تھی جہاں ارسلان نے اسے ملنے کے لیے کہا تھا۔ دونوں کو بجٹ میں کچھ حساب کتاب درست کر کے ہیڈ سٹاف سے میٹنگ کرنی تھی۔ وہ جب کمرے میں داخل ہوئی تو وہاں کوئی نہیں تھا۔ اس نے ایک کرسی کھینچ کر بیٹھنے پر اکتفا کیا۔ میز پر چند چارٹ پیپرز رکھے ہوئے تھے جن میں ادھوری تصویریں بنی تھیں۔ ساتھ ایک پرچہ موجود تھا جس میں تصویر صاف واضح تھی۔ کلچرل فیسٹیول کے حساب سے ایک ٹرک کا پچھلا حصہ تھا جس پر دھنک کے رنگ بکھرے ہوئے تھے اور پھول پتیوں سے آراستہ تھا۔ وسط میں لائن لکھی تھی۔

آگے دیکھ پیچھے نہ دیکھ
کلچرل فیسٹول آرہا ہے۔

یہ پڑھتے ساتھ ہی سارہ کے لبوں پر مدھر مسکراہٹ آ گئی۔ وہ خود بھی اکثر ٹرک آرٹ اور ان پر درج مذاحیہ شعروں اور جملے سے لطف اندوز ہوا کرتی تھی۔ وہ چارٹ پیپر پر اسکیچ کو دیکھ رہی تھی جب دروازہ کھلا تھا۔ کرن داخل ہو رہی تھی۔

''کون؟ اوہ سارہ...... اچھی لگ رہی ہو۔'' کرن کو کچھ پل لگے پہچاننے میں اور وہ بھی اس کے برابر آ کر بیٹھ گئی۔ صبح سے ان گنت مرتبہ لوگ اسے دیکھ کر خوش گوار حیرانی میں مبتلا ہوئے تھے۔ پہلی تو وہ خود تھی جب آج صبح تیار ہوتے وقت اس نے اپنا من پسند فریم آنکھوں پر رکھا تھا۔ ایک معمولی بدلاؤ سے کس قدر فرق محسوس ہوتا ہے اس حقیقت سے، وہ آج آشنا ہوئی تھی۔ اس وقت بھی وہ کرن کے حیران کن تاثر پر محظوظ ہوئی تھی۔

''شکریہ۔ میں ارسلان کا انتظار کر رہی تھی۔'' اس نے اپنے آنے کی وجہ بتائی۔

''اچھا اچھا۔ ارسلان تو ہے ہی لیٹ لطیف۔ تم آرام سے بیٹھو موصوف معلوم نہیں کب پہنچیں گے۔'' کرن کہہ کر چارٹ پیپر پر کام کرنے لگی تھی۔

''یہ تم نے بنایا ہے؟'' سارہ نے پر تجسس انداز میں پوچھا۔

''ہاں، کیسا لگ رہا ہے؟'' کرن نے رائے مانگی۔

''بے حد خوبصورت۔ مکمل ہو کر اور بھی اچھا لگے گا۔ تصویر کا انتخاب موقع کی مناسبت سے بہترین ہے ویسے۔'' سارہ نے برجستہ کہا اور کرن فرضی کالر اچکا گئی۔

''میں تمہاری مدد کروں؟'' اس نے مشتاق نگاہوں سے کہا۔ اس وقت اسے بہت دل تھا کہ چارٹ پیپر پر رنگ بھرے۔

''ہاں بالکل! تم یہ والا لے لو اور اس پر شروع ہو جاؤ۔'' کرن نے آگے بڑھ کر اسے دوسرا چارٹ پیپر دیا جس پر تصویر تو ایسی ہی تھی پر جملہ کچھ اور تھا۔

اس انداز سے درج تھا کہ جیسے یونیورسٹی اپنے مقابل کھڑی دوسری تعلیمی اداروں کو چھیڑ رہی ہو۔ کلچرل فیسٹیول بڑے پیمانے پر منعقد تھا اور اس کا چرچا ہر سو ہو رہا تھا۔

سارہ دل جمعی سے لگ گئی اور بنانا شروع کر دیا۔ وہ تصویر کو دیکھ کر بناتی جا رہی تھی اور دیکھتے ہی دیکھتے اس نے کچھ ہی وقت میں ایک رف اسکیچ بنا لیا تھا۔ کرن نے اسے صحیح کام کرنے پر خوب داد دی جو اس نے مسکرا کر سمیٹی۔ ارسلان صاحب اب تک تشریف فرما نہ تھے۔ سیشن تو سارہ کا بھی فری تھا۔ اس نے مختلف رنگ کے مارکرز اٹھائے اور اپنے بنائے ہوئے اسکیچ پر رنگ بھرنا شروع کر دیے۔ کرن کی تصویر جب مکمل ہوئی تو اس نے بھی سارہ سے پوچھ کر اس کی مدد کرنا شروع کر دی۔ یوں ایک دو گھنٹے کا کام آدھے گھنٹے میں مکمل ہوا۔ وہ لفظوں پر سیاہ مارکر سے ہاتھ پھیر رہی تھی جب دروازہ کھلا تھا۔

''ہیلو گائز! ہیں یہ کون محترمہ ہیں؟'' ارسلان ازلی لاپروائی سے اندر آتا ہوا نئی سی شکل کو دیکھ کر باقیوں کی طرح حیران ہوا پر پل بھر لگے تھے پہچاننے میں۔

''اوہ سارہ بی بی ہیں! کیا بھئی۔ اور یہ کیا ہو رہا ہے؟'' اس نے جھک کر چارٹ پیپر پر نقش نگاری دیکھی۔

''تم تو آ نہیں رہے تھے تو میں کرن کے ساتھ مدد کروانے لگ گئی۔'' سارہ نے تنک کر کہا۔

''زبردست بھئی کرن، بہترین بنا ڈالا یار تم نے۔'' ارسلان نے دونوں چارٹ پیپر پر باری باری نگاہ دوڑائی۔

''شکریہ شکریہ، پر یہ والا سارہ نے بنایا ہے میں نے صرف رنگ بھرنے میں مدد کر دی تھی۔'' وہ معنی خیزی سے سارہ کو توصیفی انداز میں دیکھنے لگا تھا۔

”واہ محترمہ آپ ایسے کاموں میں بھی ہنر رکھتی ہیں۔“
”مجھے خودنہیں معلوم تھا کہ یہ اچھا بنے گا، میں تو بس ایویں بور ہورہی تھی تو سوچا آج کچھ الگ کرتے ہیں۔“ وہ تعریف سنتی ہوئی خفت محسوس کر رہی تھی اور بے حد خوش تھی۔ اسے ارسلان کے اس قدر لیٹ آنے پر ذرا غصہ نہ تھا کیونکہ اس کا وقت بہترین گزرا تھا۔
”واہ بھئی، مجھے بہت سارہ ہوئی یہ سب دیکھ کر۔“ ارسلان کے کہنے پر وہ دونوں الجھ کر اسے دیکھنے لگیں۔
”کیا بولے جارہے ہو ارسلان!“ کرن نے کہا۔ وہ اور سارہ دونوں ارسلان کو سوالیہ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔
”ابے! اس کے نام کا مطلب خوشی ہے اس لیے کہا میں نے، میری بہن کا نام بھی سارہ ہے بھئی اس لیے مجھے معلوم ہے۔ اکثر اسے ایسے ہی چھیڑتا ہوں۔“ ارسلان نے کہا۔
”اوہ اچھا تو آپ کو سارہ ہوئی، مجھے بھی بہت سارہ ہوئی۔“ کرن نے ہنستے ہوئے کہا۔
”اور مجھے بھی بہت سارہ ہوئی اور یہ سن کر کہ سارہ کا مطلب خوشی ہے تو اور سارہ ہوگئی۔“ سارہ نے کہا اور تینوں ہی ہنس پڑے تھے۔ اسے آج معلوم ہوا تھا کہ جس احساس کی تلاش میں وہ رہا کرتی تھی وہ تو اس کے نام میں ہی موجود تھا۔
وہ آج بے حد مطمئن اور خوش تھی۔ صبح یونیورسٹی میں داخل ہوتے وقت وہ زنیرہ سے سب سے پہلے ملی تھی جس نے تعریف میں زمین آسمان ایک کر دیئے تھے۔ پھر جب زین سے مڈبھیڑ ہوئی تو وہ اس کی مسکراہٹ پر تسکین محسوس کرتا ہوا اسے نئے قدم رکھنے پر داد دے رہا تھا۔ وہ اس بات سے بے خبر تھی پر زین اسے جینے کا انداز سکھا رہا تھا۔ جس سے وہ خود کو اہمیت دینے لگی تھی۔ زین کی باتیں اس پر اثر کر رہی تھیں۔ سارہ کی کتاب حیات کے سات سالہ

اوراق تو رنگین سیاہی سے سجے تھے لیکن پھر اکیس سال تک اس میں سیاہ رنگ کا راج تھا جس نے پھر کبھی کسی رنگ کو مخل ہونے نہیں دیا تھا۔ زین جو اس کے ایک ایک ورق کو پڑھ چکا تھا اب آگے کے الفاظ قوس قزح کے رنگوں سے لکھ کر اس کی زندگی بدل رہا تھا۔ وہ لاشعوری پر اندرونی بدلاؤ آتا جا رہا تھا۔ وہ پُراعتمادی کی طرف بڑھ رہی تھی۔

☆......☆......☆

وہ ایکٹیویٹی سینٹر میں موجود صوفے پر بیٹھا سوسائٹی کے حوالے سے اگلے لائحہ عمل طے کر رہا تھا۔ ہاتھ میں ٹیبلٹ لیے اس کی توجہ مکمل اسکرین پر مرکوز تھی۔ کب اگلی میٹنگ کرنی ہے؟ کام کے حوالے سے اپ ڈیٹ کن کن سے لینی ہے؟ اگلے اقدام کیا ہوں گے؟ وہ تمام تفصیلات جو اس کے دماغ میں چل رہی تھیں ٹیبلٹ میں منتقل کر رہا تھا، جب انوشہ گربہ پائی کی چال چلتی ہوئی اس کے برابر آ بیٹھی تھی۔ پرفیوم کی خوشبو زین کے قوت شامہ سے ٹکرائی تو اس نے انوشہ کی طرف دیکھا۔

''ہیلو زین!'' اس نے ایک ادا سے زین سے کہا۔ بدلے میں وہ زیرِ لب مسکرایا اور پھر کام میں لگ گیا۔ انوشہ بغور اس کی مصروفیت کا جائزہ لے رہی تھی۔ وہ ملیحہ سراپا حسن تھی۔ دراز قد۔ ریشم جیسے سیاہ بال جو شانوں تک تھے اور انہیں وہ مزید سٹریٹنر کی مدد سے سیدھا اور دلکش بنا دیا کرتی تھی۔ بڑی بڑی سیاہ گہری آنکھیں جو کاجل سے مزید واضح ہوتی تھیں۔ ستواں ناک اور گلابی پنکھڑی نما ہونٹ جن پر وہ گلابی لپ گلوز لگایا کرتی تھی۔ اس کے تنگ لباسوں سے نشیب و فراز نمایاں ہوتے اور اندازہ لگایا جا سکتا تھا کو وہ کس قدر دبلی پتلی تھی۔ پر اتنے حسن اور دلفریب چہرے پر تیزی کی آمیزش جھلکتی تھی۔ اس کی گہری آنکھوں میں مکاری عیاں تھی۔ وہ اپنے مفاد کے لیے کسی بھی حد تک جا سکتی تھی۔ بچپن سے جوانی تک اس کی خواہشات

اس کے والدین نے کبھی مسترد نہیں کی تھیں اور یوں اسے ہر اپنی من پسند شے حاصل کرنا آسان لگتا تھا۔ پھر وہ کسی بھی طریقے سے کیوں نہ ہو۔

''کیسی ہو انوشہ؟'' زین نے اسکرین پر نظریں جمائے اس سے پوچھا۔

''ایک دم فٹ! کیا کر رہے ہو؟'' انوشہ نے کہا۔ وہ بھی ٹیبلٹ کی اسکرین کو دیکھ رہی تھی پر گاہے بگاہے نگاہیں اس وجیہہ مرد پر جذب ہو جایا کرتی تھیں جو اس کے بس میں کہاں تھا۔ اس کے ملبوس سے پھوٹتی کولون کی خوشبو انوشہ کے اندر تک سرایت کر رہی تھی۔ وہ مدہوشی کی لے پر گرتے گرتے ہر بار کی طرح اس بار بھی خود کو بچا رہی تھی۔

''کچھ نہیں بس سوسائٹی کا کام۔'' زین نے کہا۔

''ہم۔ آج کل سوسائٹی نے تمہیں مصروف کر دیا ہے۔ اب تو ہم دوستوں کے لئے وقت ہی کہاں۔'' انوشہ نے سرد سانس بھر کر اس سے کہا۔

''تمہیں ایسا لگتا ہے؟'' زین نے زیرِ لب مسکرا کر پوچھا۔ نگاہیں ہنوز اسکرین پر تھیں۔ اس کی مصروفیت مقابل کے حسن کو معمولی ٹھہرا رہی تھی۔

''ظاہر ہے، پہلے تم ہمارے ساتھ ہر وقت ہوتے تھے اور اب دیکھو۔ یا تو کام کر رہے ہوتے ہو یا پھر اس سارہ کے ساتھ......'' انوشہ کے کہنے پر زین نے اسکرین سے نظریں ہٹا کر اسے دیکھا۔

''کیا مطلب؟'' اس کے لہجے میں برہمی محسوس کر کے وہ گڑبڑا گئی۔

''میں تو بس وہی کہہ رہی تھی جو شازیہ کہتی ہے۔'' اور پہلا ترپ کا پتہ پھینکا گیا۔

''شازیہ کیا کہتی ہے؟'' زین نے استفسار کیا اور ٹیبلٹ ایک طرف رکھ دیا۔

''اہم! وہی کہ...... تم ہر وقت...... سارہ کے ساتھ ہوتے ہو، میں نے اسے دو تین لڑکیوں

سے کہتے سنا ہے۔" اس نے معصومیت سے زین کے گوش گزار کیا۔

"اس نے مجھے تو یہ سب نہیں کہا۔" وہ سارہ کے نام پر برہم ہوا تو یہ تاثر انوشہ کی نگاہوں نے گرفت کرلیا۔ اس کی چھٹی حس کمال کی تھی۔ اسے اپنے وجدان پر پورا بھروسہ تھا۔

"ہاں! وہ تمہیں کیوں کہے گی۔ میں تو اس کو سمجھاتی ہوں کہ ایسا نہیں کیا کرے، اچھی بھلی لڑکی کی عزت داؤ پر لگ سکتی ہے۔ وہ ہے بھی بہت بھولی سی۔" انوشہ نے لگی لپٹی کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی اور زین کے سخت پڑتے تیوروں کو انجوائے کر رہی تھی۔

"لیکن تم شازیہ سے کچھ مت کہنا۔ تم تو جانتے ہو حساس طبیعت کی ہے۔ میں اسے سمجھا ہی رہی ہوں۔ تم اس سے کچھ کہو گے تو وہ برا مان سکتی ہے۔ پھر ایسا نہ ہو، وہ سارہ کے بارے میں کچھ غلط بات مشہور کر دے جو وہ افورڈ ہی نہ کر سکے۔" اس نے راستہ مہارت سے صاف کیا تھا۔

"تم مجھے اپنا ایک ہمراز ہی سمجھو اور بے فکر رہو، میں سارہ کی عزت کرتی ہوں، ظاہر ہے بھئی سلجھی ہوئی معصوم سی تو لڑکی ہے اور شازیہ کو میں سمجھاؤں گی۔ بس تم اپنی مصروفیت سے ہم دوستوں کے ساتھ بھی کچھ وقت گزار لیا کرو تو شاید اسے بھی پھر یہ شکایت نہ ہو۔ چلو میں چلتی ہوں، کلاس شروع ہونے والی ہے۔ دوستی کی خاطر یہ بات اپنی حد تک ہی رکھنا زین!" انوشہ یہ کہہ کر اٹھی اور آخری نگاہ اس الجھے ہوئے شخص پر ڈالی۔ رقابت کا یہ کھیل تو اب شروع ہوا تھا جس کی پہلی چال تو وہ شازیہ کے دل میں آگ لگا کر چل چکی تھی اور اب دوسری چال بھی کامیاب رہی تھی۔ زین نہ چاہتے ہوئے بھی شازیہ کو لے کر دل میں بغض محسوس کر رہا تھا۔

"مجھے تو امید تھی کہ ارم بذاتِ خود مجھ سے بات کریں گی پر اگر تم کہتی ہو تو میں بھی پہل کر سکتی ہوں اور میرا نہیں خیال اس میں کوئی حرج ہے۔" سحرش نے خفیف سے شانے ہلا کر

شازیہ سے کہا۔ وہ دونوں گھر کے صحن میں بیٹھی شام کی چائے سے لطف اندوز ہو رہی تھیں جو خانساماں رکھ گیا تھا۔

''ہاں ویسے بھی اکیسویں صدی ہے مام۔ پھر ہماری سوسائٹی میں لڑکی کے والدین بھی پہل کرسکتے ہیں یہ کوئی بڑی بات تو نہیں۔'' شازیہ نے بھی مزید اکسایا۔

''صحیح کہہ رہی ہو۔ وہ سب تو پرانی باتیں تھیں، ویسے شازیہ! ارم نے ہاں کر دی تو میں اسی سال تم دونوں کی منگنی ارینج کروں گی۔ مجھے تو زین بہت اچھا لگتا ہے۔'' سحرش نے مشتاق بھری آنکھوں سے بیٹی کو دیکھا جو خود دل میں آرزو لیے کب سے انتظار میں تھی۔

''جی مام! ویسے زین کا بیرونِ ملک جا کر آگے بڑھنے کا ارادہ ہے۔ پر ہم سب دیکھ لیں گے سب کیسے ترتیب دینا ہے۔'' شازیہ نے تصدیق مانگی جس پر سحرش نے سر کو جنبش دی۔

''ہاں ہاں اس کی فکر نہیں کرو سب ہو جائے گا۔ تم اور زین ایک دوسرے کو بہت اچھی طرح سمجھتے بھی ہو۔ چلو میں ایک دو دن میں بات کرتی ہوں پھر تمہیں بتاؤں گی۔'' سحرش نے کہہ کر شازیہ کی پشت پر ہاتھ رکھ کر تھپتھپایا۔ دونوں آنکھوں میں امید کی چمک لیے ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرا رہی تھیں۔

☆......☆......☆

اس نے زنیرہ کو میسج کر کے بتا دیا تھا کہ وہ باتھ روم وضو کے غرض سے جا رہی تھی لہٰذا کلاس کے اختتام پر وہ بھی اسے وہیں ملے۔ زنیر کی اگلی کلاس دیر سے شروع ہونے والی تھی اسی لیے دونوں نے مل کر ظہر کی نماز ادا کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ سارہ نے میسج کر کے موبائل بیگ میں رکھا اور باتھ روم چلی گئی۔ بیگ کو کاؤنٹر پر رکھ کر اس نے چشمہ بیگ کی پاکٹ میں ڈال دیا۔ غیر متوقع طور پر اس وقت باتھ روم میں کوئی نہیں تھا ورنہ جب بھی وہ وضو کے غرض سے جایا کرتی

کوئی نہ کوئی موجود ہوتا تھا۔ ہاتھوں کو تین بار دھو کر اس نے کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا۔ پھر منہ دھونے کے لیے جھک گئی اور تین بار چلو بھر پانی سے منہ دھو کر جوں ہی چہرا اٹھا کر شیشے میں دیکھا تو ٹھٹک گئی۔ انوشہ کا عکس تھا یا آسیب کا سایہ؟ وہ غیر محسوس انداز سے کب باتھ روم میں آئی سارہ کو معلوم ہی نہیں ہوا۔

''ہیلو سارہ۔'' انوشہ نے اس کے عکس پر نگاہیں گڑ کر کہا۔

''ہیلو۔'' سارہ کہہ کر وضو مکمل کرنے لگی۔ ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھو کر وہ سر کا مسح کر رہی تھی پھر کانوں کا مسح کیا اور پیر دھونے لگی۔ انوشہ اس کے برابر کھڑی آنکھوں پر کاجل سے سیاہی مزید گہری کر رہی تھی۔ سارہ نے اسے نظر انداز کیا تھا پر وہ خود پر انوشہ کی نگاہوں کی تپش محسوس کر رہی تھی۔ اس نے کاجل بیگ میں ڈال کر فرصت سے سارہ کو دیکھا جو وضو مکمل کر کے دوپٹے سے چہرا صاف کر رہی تھی پھر پاکٹ سے چشمہ نکال کر آنکھوں پر لگا لیا تھا۔

''واہ بھئی، ویسے تمہیں ایک بات بتاؤں، انسان خود کو جتنا بھی بدل دے۔ لوگ اسے انہی ناموں سے یاد رکھتے ہیں۔'' اس کے لہجے میں طنز کی آمیزش سنتی ہوئی سارہ نے اسے ملامت کرتی نظروں سے دیکھا۔ دروازہ کھولتی ہوئی زنیرہ کے قدم بھی یہ الفاظ کانوں میں پڑتے ہی جامد ہوئے تھے۔ سارہ خاموش کھڑی تھی۔ اسے انوشہ کی کسی بات کا جواب دینا بے مصرف لگا تھا۔ سارہ نے بیگ اٹھایا اور جانے کا ارادہ کیا کہ وہ اس کے راستے میں حائل ہوئی۔ گہرے کاجل میں ڈوبی سیاہ چالاک آنکھیں سارہ کے حواس مختل کر رہی تھیں۔

''تم بہت معصوم ہو سارہ۔ جواب تک زین سے بھی ناواقف رہیں اور شازیہ سے بھی۔'' انوشہ نے کہا۔

''کیا مطلب ہے؟'' سارہ نے پوچھا۔ اس کے ماتھے پر شکن نمودار ہوئی تھی۔

”مطلب بہت صاف ہے۔ دیکھو۔ زین تم پر صرف ترس کھاتا ہے تب ہی تمہارے ساتھ ہوتا ہے اور شازیہ...... تمہیں معلوم ہے میں نے اسے کہتے سنا تھا کہ چشمہ بدلنے سے کیا ہوتا ہے؟ کوّے کو جتنا بھی میک اپ کر دو کبوتر تھوڑی بن جائے گا۔“ انوشہ کا بس یہ کہنا تھا اور زنیرہ کا چہرا لال پیلا ہونے لگا تھا جبکہ سارہ وہیں بغیر کسی تاثر کے انوشہ کو ٹکٹکی باندھے دیکھ رہی تھی۔

”تم زین کو کب سے جانتی ہو۔ ایک سال کچھ مہینے؟۔ میں زین کو تقریباً چار سال سے جانتی ہوں۔ اس نے کبھی ظاہر نہیں کیا ہوگا پر پوشیدہ ہی سہی ہم دونوں کے درمیان بھی رشتہ رہا ہے۔ پر اس نے کچھ بتایا نہ میں نے کبھی شازیہ سے ذکر کیا۔ وہ جنون کی حد تک زین سے محبت کر بیٹھی ہے۔ اور تمہارا اس کے آس پاس منڈلانا بھی برداشت نہیں کر پاتی۔“ انوشہ نے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا تو سارہ نے سوالیہ نگاہ سے اسے دیکھا۔

”سارہ! میرا کچھ نہیں جاتا پر تم بخوبی واقف ہو کہ شازیہ کس قدر مشہور ہے۔ خیر شہرت تو تم بھی کافی حاصل کر گئی ہو۔ پر میں تم پر بھروسہ کر سکتی ہوں۔ مجھے اپنا خیر خواہ ہی سمجھو۔ جو کچھ تمہیں بتایا ہے زین سے مت کہنا۔ وہ کیا ہے ہمارا رشتہ تو ماضی تھا۔ پر تم حالیہ ہو۔ اگر کوئی ایسا ویسا قدم اٹھایا تو یاد رکھنا تمہیں صرف ہوشیار کر رہی ہوں شازیہ تمہارا جینا حرام کر دے گی۔ پھر تم جتنی کوشش کرو گی لوگوں کے منہ بند نہیں کر سکو گی۔ خبردار رہنا بلکہ میں تو کہوں گی اپنی دوستی پر نظر ثانی کرو۔ بائے۔“ زنیرہ دروازے سے ہٹ گئی جب اسے انوشہ کے آنے کی بھنک ہوئی۔ وہ نکلی تو زنیرہ دروازہ کھولتی ہوئی سارہ کے پاس گئی اور اسے مشتعل سی گھوری دینے لگی۔

”دیر ہو رہی ہے تم وضو کر لو۔“ سارہ نے اس کی جانچتی نظروں کو بالائے طاق رکھ کر کہا۔ وہ سمجھ گئی تھی زنیرہ سب سن چکی تھی۔ دونوں فارغ ہو کر نماز روم چلی گئیں اور نماز ادا کرنے لگیں۔ زنیرہ نے سلام پھیر کر سارہ کو دیکھا جو غیر مرئی نقطے کو تک رہی تھی۔ انوشہ کی آواز ایسی

تھی گویا سور پھونک دیا ہو۔ وہ اس کے اثر سے خود کو نکالنے میں قاصر تھی۔

''ایسا کتنا صبر ہے تم میں؟'' زنیرہ کے ملامت کرنے پر اس کا سکتہ ٹوٹا تھا۔

''چھوڑو یہ ساری باتیں زنیرہ۔'' سارہ نے التجاء کی۔

''کیسے چھوڑ دوں؟ وہ چڑیل تمہیں اتنا سب کہہ کر چلی گئی اور تم کہتی ہو چھوڑ دوں۔ ایک رکھ کے دینا تھا تم نے۔'' زنیرہ کا غصہ آپے سے باہر تھا۔

''اور اس سے کیا ہوتا؟ تم نے سنا نہیں؟ ان لوگوں کو کچھ منٹ ہی لگتے ہیں باتیں پھیلانے میں، اور میں یہاں ان سب ڈراموں میں پھنسنے نہیں آئی ہوں۔ ایک دو مہینے کی ہی بات ہے۔ پھر تو زین کی بھی پڑھائی ختم ہو جائے گی اور سب کے منہ بند ہو جائیں گے۔'' سارہ کہہ کر اٹھی، اپنا دوپٹا واپس کھولا اور شانوں پر پھیلا دیا پھر اپنا بیگ لینے لگی تھی۔

''تو تب تک سنتی ہی رہو گی؟ کچھ بولو گی نہیں؟'' زنیرہ نے اسے ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچ کر کہا۔

''میں نے پوری زندگی ہی سنا ہے۔ یہ میرے لئے نئی بات نہیں ہے۔ مجھے بس اب انتظار ہے تو فائنل امتحان کا کیونکہ اس کے بعد یہ قصہ ہی ختم ہو جائے گا۔ اگر میں ان لوگوں کی باتوں میں آ کر زین سے رابطہ منقطع کروں گی تو وہ وجہ جانے گا اور اس سے بھی شاز یہ کا ردعمل سامنے آئے گا۔ لہٰذا بہتری اسی میں ہے کہ جیسے چل رہا ہے چلنے دو۔'' سارہ کا یہ کہنا تھا اور زنیرہ اسے بے یقینی سے دیکھتی رہی۔

''مجھے نہیں معلوم تھا کہ معاملہ اس حد تک بڑھ جائے گا۔ یہ سب باتیں بھی ہوتی ہیں ان لوگوں کے بیچ۔ حیرانی ہوتی ہے مجھے ان سب پر۔'' زنیرہ نے کہا۔ پھر اچانک اسے یاد آیا تو پوچھا۔ ''سارہ! جو اس نے زین اور اپنے حوالے سے کہا تھا تمہیں اس پر یقین ہے؟''

''مجھے اس کی بات پر بھروسہ نہیں۔ پر اگر یہ چند فیصد بھی سچ ہے تو بھی مجھے کیا حاصل۔ اس وقت تو میرے لیے یہ اہم ہے کہ شازیہ اور زین ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔ مجھے خوانخواہ ان کی زندگی میں گھسیٹا جا رہا ہے۔ حالانکہ میری ایسی کوئی نیت نہیں۔ سچ پوچھو تو میں زین کے مزاج کو جانتی ہوں۔ اسی لیے ان سب کی باتیں برداشت کر رہی ہوں۔ جب وہ سب کی رائے کو بالائے طاق رکھ کر اپنے دوستوں کی قدر کرتا ہے انہیں عزت دیتا ہے تو یہ کام تو میں بھی کر سکتی ہوں اور کر رہی ہوں۔'' سارہ نے کہا۔

''تو پھر یہ کیا بکے جا رہی تھی؟'' زنیرہ نے کہا۔

''پتہ نہیں۔ اس کی بات تو یہی جانے۔'' سارہ نے کہا۔ وہ دونوں ایکاڈیمک بلڈنگ سے باہر آ گئی تھیں۔ زنیرہ کی کلاس شروع ہونے والی تھی۔ وہ بپھری شیرنی کی طرح تلملاتی ہوئی سارہ کے ساتھ چل رہی تھی۔ باتوں باتوں میں کتنے ہی سنہرے الفاظ وہ شازیہ اور انوشہ کو کہہ گئی تھی جس پر سارہ نے کان بند کرنا ہی مناسب سمجھا۔

''زین آ رہا ہے۔ تم اس کو کچھ مت کہنا۔'' سارہ کی زین پر نگاہ پڑی تو اس نے زنیرہ کو ملتجیانہ انداز میں سرگوشی کی۔

''کیوں نہیں کہوں؟ اس کو بھی تو پتہ ہونا چاہیے نا کہ اس کے پیچھے اس کے دوست کیا کرتے پھر رہے ہیں۔'' زنیرہ نے تنک کر کہا۔

''نہیں! اگر تم نے اس سے کوئی بھی بات کی تو میں تم سے بات بند کر دوں گی زنیرہ، اس میں اس کی کیا غلطی ہے؟ یہ معاملہ یہیں ختم کر دو۔'' سارہ کا یہ کہنا تھا کہ زنیرہ کا چہرا غصے سے پھول گیا لیکن سارہ کی خاطر وہ خاموش رہی۔

''کیسی ہیں آپ دونوں؟ آج تو چہروں پر نور ہی نور ہے۔'' زین نے مسکرا کر کہا۔

''نماز پڑھ کر آ رہے ہیں شاید اس لیے۔ سارہ! تم ہی اس سے بات کرو میں جا رہی ہوں میری کلاس شروع ہونے والی ہے۔'' زنیرہ نے ملامت کرتی نگاہ سارہ پر ڈالی اور چلی گئی۔

''اس کو کیا ہو گیا؟'' زین نے سارہ سے پوچھا۔

''چھوڑو تم اس کو۔ اس کا تو یہ چلتا رہتا ہے۔'' سارہ نے کہا۔

''میرے لئے دعا کی تم نے۔ قسم سے اس وقت شدید ضرورت ہے مجھے۔'' زین نے کہا۔ وہ دونوں باتیں کرتے ہوئے ایک بینچ پر آ کر بیٹھ گئے تھے۔

''اچھا؟ اگر بہت ضرورت ہے تو کسی ایسے سے دعا کرواؤ جس کی قبول ہوتی ہوں۔'' سارہ نے کہا۔

''اس کے بارے میں تو میرا نہیں خیال کسی کو علم ہوگا۔'' زین نے کہا۔

''کسی کو ہو نہ ہو مجھے پورا علم ہے کہ میری قبول نہیں ہوتیں۔'' سارہ نے کہا تو زین اسے دلچسپی سے دیکھنے لگا۔

''ایسی بات نہیں ہے۔ ہر دعا کی قبولیت کا ایک مقرر وقت ہوتا ہے اور ویسے بھی نیک لوگوں کی دعائیں قبول ہوتی ہیں تب ہی تو تمہیں کہہ رہا ہوں۔'' زین مسکرایا اور سارہ سر جھٹک گئی۔

''تمہیں ہر کوئی اچھا لگتا ہے زین کیوں کہ تم خود بہت اچھے ہو اور تمہاری والدہ نے تمہاری تربیت بہت اچھی کی ہے۔'' سارہ نے کہا۔ وہ کافی سنجیدہ اور مایوس لگ رہی تھی۔

''واہ بھئی! آج مس سارہ نے ہماری شان میں تعریف کی ہے۔ ویسے تمہیں ایک بات کہوں، تم پہلی ہو جس نے ایسی تعریف کی ہے۔ ورنہ سب تو شکل و صورت سے ہی متاثر ہو جاتے ہیں۔'' زین نے کہا۔

''ہمم۔ شکل وصورت میں کیا رکھا ہے؟ یہ تو فانی ہے نا جو آج ہے وہ کل نہیں۔ انسان اچھے اخلاق کا مالک ہو تو خود بخود اچھا لگتا ہے۔ یہ بات تو تم نے ہی مجھے بتائی تھی، یاد نہیں؟'' سارہ نے اسے معنی خیزی سے دیکھا تو وہ کھلکھلا اٹھا۔

''ہاہاہا یعنی مس سارہ احمد کو میری ساری باتیں یاد رہتی ہیں۔'' زین نے کہا۔

''میں کسی کی بات نہیں بھولتی زین۔ پھر چاہے وہ کوئی بھی ہو۔'' سارہ نے کہا۔

وہ دونوں اب مختلف موضوع پر مصروف ہو گئے تھے اور دور کھڑی انوشہ انہیں دیکھ رہی تھی۔ اس نے اپنے پرس سے موبائل نکال کر ان کی دو تین تصویریں موبائل میں قید کر لی تھیں۔

☆......☆......☆

وہ مستعدی سے لونگ روم میں رکھے صوفے کو جھٹک رہی تھی۔ دال کی خوشبو قوت شامہ سے ٹکرائی تو ان کا دھیان کچن میں رکھے پتیلی کی طرف گیا جسے وہ مکمل بھول کر بیٹھی منہ کتاب میں دیئے ہوئے تھی۔

''سارہ! دال دیکھو جل نہ جائے۔'' زینت کی آواز پر وہ ایک دم چونک گئی۔

''اوہ خدایا! میں تو بھول گئی۔'' وہ کتاب بستر پر رکھ کر کچن کی طرف بھاگی۔ چند دن تھے دوسرے امتحان شروع ہونے میں جس کے لیے وہ سرتوڑ محنت کر رہی تھی۔

''اس میں بگھار بھی لگا دینا اگر پک گئی ہو۔'' زینت نے آواز لگائی۔

''ہاں پک گئی ہے، میں لگا دیتی ہوں بگھار۔'' سارہ جلدی سے فرائی پین نکال کر اس میں پیاز کاٹنے لگی۔

''تمہیں معلوم ہے مایا کی اگلے مہینے شادی ہے۔'' زینت نے کہا۔ وہ اب کچن کے باہر کی طرف جو دیوار تھی اسے جھاڑو سے جھاڑ رہی تھیں۔

”اچھا؟ پر آنٹی تو کہہ رہی تھیں کہ اسے آگے اور پڑھنا ہے۔“ سارہ نے کہا۔

”تمہاری کب بات ہوئی؟“ زینت نے پوچھا۔

”کافی پہلے ہوئی تھی، ایڈمیشن کے حوالے سے پوچھ رہی تھیں، شاید نہیں ہوا ہوگا۔“ سارہ نے کہا۔ پیاز لال ہونے لگی تو اس نے دال میں بگھار ڈال کر ڈھکن سے ڈھک دیا۔

”ہمم۔ خیر میں نے بھی تمہاری شادی کے حوالے سے انہیں بتا دیا ہے۔ چیدہ چیدہ خاندان میں افراد ہیں اور یہ چند پڑوسی ہی ہوں گے جو تمہاری شادی میں آئیں گے۔ تمہارے ماموں کے مزاج نے تو سب سے دور ہی کر دیا ہے۔“ زینت نے یاسیت سے کہا۔

”ہمم۔ اچھا امی! ماموں کو ظہر کی نماز پڑھ کر آنے میں آدھا گھنٹہ لگے گا۔ دس منٹ اور پڑھ لوں پھر روٹیاں بناتی ہوں۔“ سارہ نے کہا۔

”ٹھیک ہے بیٹا۔“ زینت نے کہا۔ وہ سر کو خم دیتی ہوئی کھانے کی میز صاف کرنے لگی تھیں۔

☆......☆......☆

”یہ لیجیے زین سرور صاحب! آپ کی گرما گرم کافی۔“

ارم کے طرزِ تخاطب پر وہ دلکشی سے مسکرایا اور ان سے مگ لے لیا۔ ارم اس کے برابر ایک کرسی کھینچ کر بیٹھ گئیں اور میز پر اپنا مگ بھی رکھ دیا۔ وہ دونوں گھر سے ملحقہ مرکزی باغیچے میں موجود تھے۔ شام کا وقت تھا۔ مدھر ہوائیں، اطراف میں پھیلی تر و تازہ ہریالی پھر طرح طرح کے خوش رنگ پھول اور نیلے آسمان پر گربہ پائی چال چلتے روئی مائل بادل جن کے اطراف سے پھوٹتی نارنجی شعاعیں اندر تک سکون بخش رہی تھیں۔

”شکریہ مام! آئی لو یو۔“

''ہمم۔عبدل ہوتا ہے پھر بھی مجھ سے ہی کافی بنواتے ہوتم۔'' ارم نے فرضی غصے سے زین سے کہا۔

''عبدل کافی تو بنادے گا پر اس میں ماںتا کی محبت کیسے ملائے گا مام؟'' اس نے سرشاری سے ارم سے کہا جو اس کے کان کھینچنے لگیں۔

''محبت کے بچے! تمہارا اچھا ہے تعریف کرتے کرتے کام بھی کرواتے ہو۔ مجھے تو تمہاری ہونے والی بیوی کا سوچ کر بھی ہول اٹھتا ہے۔ اسے تو دہلیز پر پیر رکھنے سے پہلے ہی ہوشیار کردوں گی کہ اپنے شوہر سے بچ کے رہے، اس کی لبوں سے نکلی تعریف شکنجہ ہے۔''

وہ ارم کی بات سن کر ہنس پڑا تھا۔ پیالی میں رکھے خشک میوہ جات ہتھیلی میں بھر کر اس نے ارم کی طرف رخ کیا ہوا تھا۔ دن میں جب بھی اسے ارم کے ساتھ وقت ملتا وہ ہر کام ایک طرف کرتا ہوا ان کے ساتھ وقت گزارنے کو ترجیح دیتا تھا۔ ارم نے کافی کا سپ لیا اور آنکھوں کو خیرہ کرتے ہوئے ماحول سے لطف اندوز ہوتی ہوئی انہیں اچانک بات یاد آئی۔

''ارے زین! مجھے تو تم سے اہم کام تھا۔ اور دیکھو میں مصروفیت میں سب بھول کر بیٹھی ہوں۔'' انہوں نے مگ میز پر رکھ کر اس سے کہا۔

''اچھا کیا ہوا خیریت؟'' وہ بادام منہ میں ڈال کر گویا ہوا۔

''آج صبح میری سحرش سے بات ہوئی تھی۔'' ارم نے کہا جس پر وہ استعجابیہ انداز سے انہیں دیکھنے لگا۔

''اچھا؟''

''ہاں اور جو انہوں نے کہا اس کے بعد تو مجھے کافی شاک لگا تھا۔''

''کیا ہوا، کیا کہا انہوں نے؟'' زین نے پوچھا۔

''زین! وہ مجھ سے تمہاری اور شازیہ کے رشتے کی بات کر رہی تھیں۔'' ارم کا کہنا تھا کہ وہ ٹھٹک کر انہیں دیکھنے لگا۔

''تمہیں اس بارے میں کچھ آئیڈیا نہیں؟'' وہ زین کے چونکنے پر متعجب ہوئیں۔

''بالکل نہیں۔'' اس نے صاف گوئی سے کہا۔

''تب ہی میں کہوں کہ اگر ایسا کچھ ہوتا تو تم مجھ سے کیوں چھپاتے۔ پر بیٹا میں تو کافی شرمندہ ہوئی تھی کیونکہ وہ جس طرح بات کر رہی تھیں اس سے تو یہ صاف ظاہر تھا کہ شازیہ اور تمہارے بیچ اس معاملے کو لے کر کوئی فیصلہ ہوا ہے۔'' ارم نے کہا۔

''مام! آپ مجھ پر یقین کریں۔ میری اس سلسلے میں کبھی بھی شازیہ سے کوئی بات نہیں ہوئی۔'' وہ حیرت سے انہیں کہہ رہا تھا۔

''ہمم۔ یہ تو پھر معاملہ سنگین ہے۔ تم واقف ہو ہماری ان سے اچھے ٹرمز ہیں اور میں نہیں چاہتی کہ محض کسی غلط فہمی کے باعث دونوں گھرانوں میں تصادم ہو۔ تم شازیہ سے پوچھو۔ اسے خبر ہوگی اس بارے میں۔'' ارم نے سمجھایا۔

''پوچھنا ہی پڑے گا۔ میں خود حیران ہوں کہ اچانک یہ کیا ماجرا چھیڑ لیا ہے۔'' وہ سوچتا ہوا کافی کا گھونٹ بھرنے لگا تھا۔ اس نے موبائل نکالا اور شازیہ کو ٹیکسٹ میسج بھیجا۔

''شازیہ! تم سے کل بات کرنی ہے مجھے ایگزام بلڈنگ کے باہر سیڑھیاں ہیں وہاں ملنا۔''

اس کا ٹیکسٹ میسج جیسے ہی شازیہ کو موصول ہوا وہ جو سیر ہوئی بستر پر لیٹی تھی پہلے تو ایک دم بیٹھ گئی۔ پھر زین کے اس سے کل ملنے کے حوالے سے وہ جتنے خواب سجائے بیٹھی تھی انہیں سوچتے ہوئے بستر سے اٹھی اور خوشی سے گول گھوم گئی۔ اسے اب بس کل کا انتظار تھا۔

انتظار تو زین کو بھی تھا جب سے ارم نے اسے بتایا تھا وہ کافی بے چین اور سنجیدہ ہو گیا تھا۔

یہ کوئی گڈے گڑیا کا کھیل سمجھ لیا تھا کہ بغیر مشاورت کے اس طرح پہل کی گئی تھی۔ اسے ارم کے سامنے شرمندگی سی محسوس ہوئی تھی۔ وہ ایسی سوچ کا مالک نہیں تھا۔ اس نے کبھی بھی ارم کے علم میں لائے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھایا تھا اور اس کی فطرت سے تمام دوست واقف تھے۔ ایسے میں شازیہ اور اس کی مام کا یوں فون آنا اسے بے ڈھب کر گیا تھا۔

اگلے دن وہ بتائی ہوئی جگہ پر موجود تھا اور چند پل گزرے ہوں گے کہ شازیہ بھی چلتی ہوئی اس کے پاس آئی اور ایک سیڑھی چھوڑ کر نیچے بیٹھ گئی۔

''ہیلو زین۔'' اس نے قدرے نارمل انداز میں استقبال کیا تھا پر دل میں جو گل کھل رہے تھے اس کا حال صرف وہی جانتی تھی۔

''السلام علیکم شازیہ! میں تمہارا ہی انتظار کر رہا تھا۔'' زین نے کہا پر اس کے سرد پڑتے تاثر نے شازیہ کو کچھ کچھ الجھن کا شکار کیا۔

''کیا ہوا؟ کچھ پریشان لگ رہے ہو۔'' اپنی کیفیت کو ایک طرف کرتی ہوئی اس نے زین سے سرد لہجے کی وجہ پوچھی۔

''شازیہ! کل سحرش آنٹی نے مام کو فون کیا تھا۔ کیا تمہیں اس حوالے سے کوئی علم ہے؟'' زین نے بغیر تمہید باندھے استفسار کیا۔

''تو جناب سنجیدگی سے پرپوز کرنا چاہتے ہیں۔'' اس کے دماغ میں خیال آیا۔

''ا...... ہاں...... دراصل ماما کافی وقت سے اس حوالے سے کہہ رہی تھیں۔ میں نے انہیں تمہارا بیرون ملک پڑھنے کے ارادے سے آگاہ کیا تو وہ کچھ آفیشل اقدام اٹھانا چاہتی تھیں۔ ان کا خیال ہے کہ اگر ایسا کچھ ہے تو پھر مزید لیٹ کرنا بلاوجہ ہوگا۔'' اس نے زین کی جانب اشتیاق سے دیکھا۔ وہ اب گھما پھرا کر بات کرنا نہیں چاہتی تھی۔ جو دل میں تھا سامنے لانا

چاہتی تھی۔ انتظار کی اب مزید سکت ہی نہیں تھی۔

"شازیہ! مجھے تم سے صرف ایک سوال کرنا ہے۔" اس نے سرد سانس لے کر سنجیدگی سے کہا تھا۔

"کیا؟ پوچھو۔" شازیہ نے کہا۔ شادابی چہرے پر انار پھوٹ پڑے تھے۔

"شازیہ! کیا میں نے کبھی تم سے اعترافِ محبت کیا ہے؟"

زین کے اچانک اس سوال پر وہ جو گلابی پڑتی جا رہی تھی یکلخت ہی حیرت سے گنگ ہوئی۔

"کیا مطلب؟" شازیہ نے پوچھا۔

"مطلب بہت آسان ہے شازیہ۔ میرا نہیں خیال کہ میں نے کبھی تم سے اس حوالے سے کوئی بات کی ہے۔ یا کبھی کوئی اشارہ بھی دیا ہو۔ محبت کا جذبہ نچھاور کیا نہ شادی کی بات چھیڑی۔" وہ جس قدر متانت خیز انداز سے گویا ہوا مقابل کی ہیزل آنکھوں میں خوشیوں کی رمق ماند پڑنے لگی تھی۔

"تم کہنا کیا چاہ رہے ہو، صاف لفظوں میں کہو۔" گلنار گال دودھیا رنگ میں تبدیل ہو گئے تھے اور چہرے پر بے یقینی سی چھائی ہوئی تھی۔

زین نے معاملہ آج ہی ختم کرنا چاہا۔ اگر تو شازیہ کے دل میں بھی کوئی ایسی بات تھی تو وہ کسی بھی طرح سے اس کی بدگمانی کو دور کرنا چاہتا تھا۔

"تو پھر سنو۔ پہلے سمسٹر سے لے کر اب تک میں نے تمہیں اپنا صرف ایک اچھا دوست مانا ہے، اور کچھ بھی نہیں۔" اس کے سفاکی سے سچ کہنے پر شازیہ شاک کے عالم میں چلی گئی۔

"ہم دونوں کو لے کر اس یونیورسٹی میں کئی افواہیں ہوتی رہی ہیں۔ غیر تو شروع کرتے تھے پر افسوس ہے کہ اپنوں نے مزید ہوا دی اور تم ان کی باتوں میں آ کر یہ سب سمجھ بیٹھیں کہ

میں تمہیں پسند کرتا ہوں یا تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں، جبکہ ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔"

اس کے اندر کچھ ٹوٹا تھا۔ چھناکے کی آواز اس کے کانوں تک محسوس ہوئی تھی۔ وہ حیرت سے اس وجاہت سے بھرپور مرد کو دیکھ رہی تھی جس کے خواب وہ کب سے بُنتی آ رہی تھی۔

"لوگ کہتے گئے اور تم مانتی گئیں۔ میں نے لوگوں کی باتوں پر کبھی دھیان نہیں دیا اور نہ ہی میری عادت ہے۔ میں تم سے ایک بار پہلے بھی کہہ چکا تھا کہ اپنے کان ان افواہوں پر مت دھرو۔ یہ محض تمہیں دھوکے میں رکھیں گے۔ اگر زندگی میں میرے دل میں کوئی جذبہ پیدا ہوا تو خود تم سے بلا جھجک کہوں گا پر ایسا کچھ بھی نہیں ہوا شازیہ اور تم محض اپنی سوچ اور افواہوں کے زیرِ اثر اتنی بڑی بات سحرش آنٹی سے کہہ گئیں جنہوں نے بغیر مجھ سے مشاورت کے یا کم از کم تم ہی مجھے بتا دیتیں، میری مام کو فون کر دیا۔" اس کی صاف گوئی شازیہ کو ندامت کے سمندر میں لے ڈوبی۔ اسے حیرت تھی کہ وہ یہ سب جان کر بھی کیسے قدم اٹھا گئی۔ زین کے کہنے پر اسے سب یاد آ گیا تھا کہ وہ اسے پہلے ہی اس بارے میں سب واضح الفاظ میں سمجھا گیا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ زین چاہے ہائی سوسائٹی سے تعلق رکھتا ہو پر اس نے اپنی تہذیب اور روایات نہیں چھوڑی تھیں۔ اسے برا سحرش کا فون کرنا لگا تھا۔ اگرچہ شازیہ پہلے خود زین سے بات کر لیتی تو وہ برا نہیں مانتا۔ بلکہ اس طرح بڑوں کے سامنے شرمندگی تو نہیں ہوتی۔

"تم کیا چاہتے ہو زین؟ تمہارا جواب نہ ہے؟" وہ آنکھوں میں امڈتے آنسو اور چہرے پر خفت لیے اس سے گویا ہوئی تو زین نے اسے ترحم کی نگاہ سے دیکھا۔ وہ دل دکھانا نہیں چاہتا تھا پر بدگمان رکھنا غلط تھا۔

"شازیہ! میرے الفاظ صاف ہیں ان میں کوئی جھول نہیں۔ میں خود اس وقت اس قدر منتشر ہوں کہ مجھے اپنے اگلے اقدام کی کوئی خبر نہیں۔ میں جن کیفیات سے گزر رہا ہوں تمہیں

کبھی وقت ملا تو بتاؤں گا۔ پر اس وقت تم میرے لیے دعا کرو کہ جس کشمکش میں، میں مبتلا ہوں اس سے نکل سکوں۔ تم دوست تھیں اور دوست کی ہی حیثیت سے میری زندگی کا حصہ ہو۔ تمہیں دکھ پہنچانا میرا مقصد نہیں۔ شازیہ! میں تمہاری بے حد عزت کرتا ہوں۔''

وہ کچھ نہ کہتے ہوئے بھی بہت کچھ کہہ گیا تھا اور شازیہ اس کی حالت دیکھ کر مزید پریشان ہونے لگی تھی۔ وہ کس بارے میں بات کر رہا تھا؟ وہ کیوں الجھن کا شکار تھا؟ پھر کیا شے تھی جو اسے شازیہ سے روک رہی تھی؟ اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپک کر اس کے گالوں پر سے بہہ گئے۔ زین اسے درد میں مبتلا دیکھ کر وہاں سے اٹھ گیا۔ وہ شازیہ کی دل سے قدر کرتا تھا اور جانتا تھا کہ وہ جو کرتی رہی ہے صرف اپنی سہیلیوں کے کہنے میں آ کر کرتی رہی ہے۔ ورنہ شازیہ ایسے اقدام اٹھانے والوں میں سے نہیں تھی۔

''کہاں جا رہے ہو؟'' شازیہ نے پوچھا۔ عشق نہ سہی دوستی کی خاطر وہ کچھ پل تو یہاں بیٹھ کر اس کے آنسو سمیٹ لیتا۔ یہ آس لیے اس نے زین کی طرف دیکھا۔

''کچھ دیر اکیلا رہنا چاہتا ہوں میں۔'' زین نے کہا اور چلا گیا۔ وہ وہیں بیٹھی رہی اور دامن بھگوتا رہا۔

☆......☆......☆

''تم زین کو اکاؤنٹس پڑھاتی ہو؟'' زنیرہ کو زور کا جھٹکا لگا تھا۔

''ہاں نا، وہ کلاس کم ہی لے پاتا ہے۔ سوسائٹی کی مصروفیت کی وجہ سے اکثر کلاس سے غائب ہوتا ہے تو میں اسے پڑھا دیتی ہوں۔'' سارہ نے کہا۔

''بھئی پھر تو میں کہوں گی تم یہیں نوکری کر لو اکاؤنٹس کے ٹیچر کی، واقعی کہہ رہی ہوں سارہ۔'' وہ زنیرہ کی بات پر ہنسنا شروع ہو گئی تھی۔ یہ دونوں کیفے میں موجود تھیں۔ میز پر رکھا

سارہ کا ٹفن خالی تھا۔ ایک پلیٹ پلاؤ کی اس کے برابر رکھی تھی جسے دیکھ کر اندازہ ہو رہا تھا کہ پلاؤ سے بخوبی انصاف کیا گیا تھا۔ حسب معمول سارہ کا اگلا سیشن نہیں تھا پر زنیرہ کی کلاس تھی۔ باتوں باتوں میں امتحان کی تیاری موضوع زیر بحث ہوا۔ سارہ نے زنیرہ کو بتایا تھا کہ زین کو وہ اکاؤنٹس پڑھا دیتی ہے جس پر زنیرہ نے اپنی رائے کا اظہار کیا تھا۔

''سارہ! میں واقعی سچ کہہ رہی ہوں، تم ویسے بھی بہت اچھا پڑھاتی ہو، تمہیں تو فوراً نوکری مل جائے گی۔'' زنیرہ کے اصرار پر اس نے سر کو جنبش دی۔

''اچھا بابا اچھا۔'' سارہ نے کہا۔

''ارے تمہیں ایک نیوز دینی تھی! اس ویک اینڈ بلال بمعہ فیملی ہمارے گھر آ رہے ہیں۔'' اس کے چہرے پر پھیلی شادمانی دیدنی تھی۔ سارہ نے خوشگوار حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

''اچھا؟''

''ہاں۔ دراصل بلال کا بیچلر مکمل ہو جائے گا۔ وہ لوگ چاہ رہے ہیں کہ جب لڑکا لڑکی ہی راضی ہیں تو اب بات آفیشل کر دیتے ہیں۔ تو ایک چھوٹی سی رسم ہے۔ انشاء اللہ جب بڑے پیمانے پر منعقد ہو گی تو تمہیں بھی بلاؤں گی۔ تم آؤ گی نا؟'' اس نے مسرور کن لہجے میں سارہ سے پوچھا۔

''ضرور۔ تمہاری خوشی میں شامل کیوں نہیں ہوں گی۔ بہت مبارک ہو زنیرہ، مجھے بے حد خوشی ہو رہی ہے۔'' سارہ نے اس کا ہاتھ تھام کر نرمی سے دبایا۔

''شکریہ! میں تو کہتی ہوں تم بھی کسی کو پسند کر کے کر لو۔ جب دیکھو کتابوں میں دھیان ہوتا ہے۔'' زنیرہ نے کہا۔

''میرا ان سب کا فائدہ ہی نہیں کیوں کہ میری ش...... م...... میں نے اس طرح سے

کرنے کی خواہش کی ہی نہیں۔" وہ برجستہ کہتی کہتی ایک دم رکی تھی۔

"تم تو بس رہنے ہی دو سارہ! چلو میری کلاس شروع ہونے والی ہے، تم کہاں جاؤ گی؟ زین نہیں آیا ابھی تک ورنہ وہ اس وقت آجاتا ہے، ہیں نا؟" حسب معمول زین کو اس وقت یہاں ہونا تھا۔ کیوں کہ زیادہ تر فری سیشن وہ زین کے ساتھ گزار لیا کرتی تھی اور زنیرہ بھی باخبر تھی لہٰذا اس وقت بھی متلاشی نظروں سے یہاں وہاں دیکھ رہی تھی۔

"ہاں کہہ تو صحیح رہی ہو، چلو میں دیکھتی ہوں کہاں ہے وہ۔" زنیرہ کے جاتے کے ساتھ سارہ نے کیفے میں ہر جگہ نگاہ دوڑائی۔ اس نے کیفے کے اندر باہر ہر جگہ دیکھ لیا تھا لیکن زین کہیں نظر نہیں آیا تھا۔ وہ اوپر سوسائٹی روم میں چلی گئی تھی۔ شاید وہ وہاں ہو۔ پر زین وہاں بھی نہیں تھا۔ عموماً زین اسے اکیڈمک بلڈنگ کے باہر ملتا تھا تو وہ اسی راستے پر چلتی چلی گئی پر وہ وہاں بھی نہیں تھا۔ اتنے دنوں میں پہلی بار ایسا ہوا تھا جب زین ساتھ نہیں تھا۔ وہ بے چین سی موبائل نکال کر اسے فون کرنے لگی تھی پر بے سود۔ دو تین بار فون کیا لیکن سامنے سے کوئی جواب نہیں آیا۔ وہ وہیں پریشان سی کھڑی تھی۔ جو ہر بار آجاتا تھا آج اس کی غیر موجودگی سارہ کو مضطرب کر رہی تھی۔ اسے اپنا آپ خالی خالی معلوم ہو رہا تھا۔

"کہاں چلا گیا۔" خود کلامی کرتے ہوئے اس کے دماغ میں دھماکا سا ہوا۔ وہ سمجھ گئی تھی کہ زین کہاں ہو سکتا ہے۔ اس نے اپنا رخ آئی ٹی بلڈنگ کی طرف کر لیا۔

تیز تیز چار منزلہ چڑھتی ہوئی وہ آخری سیڑھی پر جا پہنچی۔ دل میں خدشہ لیے چھت پر پہنچی تو دائیں جانب دیکھ کر قنوطیت جاتی رہی۔ اور دل میں اطمینان سا چھا گیا تھا۔ وہ زین کو اپنی منتخب جگہ پر دیکھ کر اس کے برابر ایک فاصلے سے جا بیٹھی۔

"جناب! پورے گام میں ڈھونڈ رہی ہوں آپ کو اور آپ یہاں تشریف فرما ہیں۔" اس

نے شاکی لہجے میں زین سے کہا۔

''تم مجھے ڈھونڈ رہی تھیں؟'' اس نے قدرے سنجیدگی سے سارہ سے کہا۔

''اور نہیں تو کیا! فون دیکھو تین بار کال کر چکی ہوں۔ وہ بھی نہیں اٹھایا تم نے! اب تم کہتے ہو یہاں بغیر بتائے نہیں آؤں تو مجھے کیسے معلوم ہوگا کہ زین سرور صاحب اپنے تخت و تاج سمیت یہاں سلطنت قائم کیے بیٹھے ہیں! اب ڈانٹنا نہیں مجھے۔ اندازہ کرتی ہوئی یہاں آ گئی میں۔'' اس سے پہلے کہ زین اسے بغیر بتائے مائے سپاٹ پر آنے سے جھڑکے، اس نے بروقت جرح کر لیا۔ وہ بغور اس نالاں لڑکی کو دیکھ رہا تھا جو اس کی ڈانٹ کو بھی بالائے طاق رکھتی ہوئی اس کے پاس موجود تھی۔

''اکیلے سیشن گزارنا مشکل لگتا ہے اب تمہیں، نہیں؟'' زین نے اس جانچتی نظروں سے دیکھا۔

''اس کا کیا مطلب ہوا؟ مسٹر زین! میں آرام سے سیشن اکیلے گزار سکتی ہوں۔ یہ میرے لیے کوئی نئی بات نہیں۔ وہ تو میں یوں ہی آ گئی۔ ارے بھئی اگر معلوم ہو کہ ایک دوست فارغ ہے اور اس کے ساتھ یہ وقت گزارا جا سکتا ہے تو کیا حرج ہے۔'' سارہ نے کہا۔

''اچھا؟ تو مان لو اگر میں تمہیں یہ کہوں کہ اب اس سیشن میں تم سے نہیں ملا کروں گا تو کیا کرو گی؟'' زین کی نگاہیں اس کے چہرے کا طواف کر رہی تھیں۔ وہ اس کے ہر تاثر کو تنقیدی نگاہ سے دیکھ رہا تھا۔ یہ سنتے کے ساتھ ہی وہ یکلخت پہلے تو ٹھٹکی جو زین کی آنکھوں سے اوجھل نہیں تھا۔ پھر سوچتی رہ گئی۔ کہنے اور کرنے میں فرق اسے اب محسوس ہوا تھا۔ پھر زین سے اس طرح کی بات کی توقع نہیں تھی اسے۔

''نہیں ہے نا جواب! مس سارہ! احمد آپ مانیں یا نہ مانیں آپ کو میری عادت ہو گئی

ہے!۔" اس کا کہنا تھا کہ ہنسی کا جلترنگ ہوا میں گونجا۔

"ہاہاہاہا۔کیسی باتیں کر رہے ہو تم! مجھے کوئی عادت وادت نہیں ہو گئی ہے آپ مجھے بہت ہلکا لے رہے ہیں۔آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ میں سیشن اکیلے بہت آرام سے گزار سکتی ہوں۔ابھی آپ نے مجھے جانا ہی کہاں ہے۔" اس نے زین کی بات کو مذاق میں اڑا دیا پر وہ سنجیدگی سے اسے دیکھتا رہا۔وہ چاہے لاکھ ہنس کر ٹال دے۔خود سے تسلیم نہ بھی کرے یا اس کیفیت سے ناواقف رہے پر زین اس کی دلی حالت کو سمجھ گیا تھا۔وہ لڑکی اس کی عادی ہو رہی تھی اور یہ خیال زین کو رہ رہ کر تسکین دے رہا تھا۔

"ہمم۔تم کہاں تھیں ویسے؟" ہنوز متانت خیز انداز میں زین گویا ہوا۔

"کیفے میں زنیرہ کے ساتھ، آج اس نے مجھے بہت خوش کر دیا ہے۔" سارہ نے محظوظ ہو کر کہا۔

"اچھا۔ایسا کیا کیا؟" زین نے پوچھا۔

"اس ہفتے زنیرہ اور بلال کی منگنی کی رسم ہے۔وہ بے حد خوش تھی اور مجھے بھی یہ سن کر بہت اچھا لگا۔

"یہ تو اچھی بات ہے۔" زین نے کہا۔

"وہی تو۔ارے زین۔" اسے اچانک خیال آیا۔

"تمہارا ابھی تو آخری سمسٹر ہے۔تمہارا اور شازیہ کا کیا ارادہ ہے؟ دیکھو اگر کوئی رسم ہوگی تو مجھے بلانا میں ضرور آؤں گی زنیرہ بھی بلائے گی مجھ۔"

"کیا کہنا چاہتی ہو تم۔" وہ اس کی بات کو کاٹتا ہوا یکلخت ہی برہم ہوا تو سارہ نے چونک کر اسے دیکھا۔وہ جو شازیہ کے ساتھ ہوئی گفتگو کو لے کر بے حد ڈسٹرب تھا اب سارہ سے یہ

سب سن کر مزید جز بز ہو رہا تھا۔

''م...... میرا مطلب یہ تھا کہ تم دونوں جب شادی......''

''تم نے بھی باقیوں کی طرح سوچنا شروع کر دیا؟'' وہ مشتعل سا سارہ کو دیکھ رہا تھا جو گھبراہٹ کا شکار ہو رہی تھی۔

''میں سمجھی نہیں۔'' وہ اس کے ردعمل سے گڑبڑا گئی تھی۔ زین کے چہرے پر صاف لکھا تھا کہ اسے یہ بات کس قدر گراں گزری تھی۔ سارہ خاموش سی اسے دیکھے گئی تھی۔ وہ کچھ دیر خاموش رہا اور دل میں مقابل بیٹھی دوشیزہ کے لیے امڈتے جذبات کو قابو کرنے کی جستجو میں لگا رہا۔ ورنہ اس کا بس نہیں چل رہا تھا وہ آج ہی اپنی دلی کیفیت سے سارہ کو آگاہ کر دیتا پر نہ جانے کیوں وہ خود کو روک رہا تھا۔ شاید آج موقع محل اور دستور ساتھ نہیں دے رہے تھے پھر وہ خود بھی دماغی طور پر منتشر تھا۔ اس نے سرد سانس کھینچ کر خود کو نارمل کرنا چاہا۔ جانتا تھا وہ اس کے غصے سے کس قدر ڈر رہی تھی۔

''سارہ؟''

''ہاں۔''

''تم نے میرے اور شازیہ کے بارے میں کس سے سنا ہے؟'' لہجہ قدرے نارمل رکھ کر اس نے پوچھا۔

''ا...... امم...... زیادہ تر تو زنیرہ سے ہی سنا ہے میں نے۔'' سارہ نے کہا۔ وہ الجھن کا شکار تھی۔ آخر کو کیا غلط کہا تھا اس نے؟

''کیا کبھی میں نے تم سے اپنے اور شازیہ کے رشتے کے بارے میں ذکر کیا ہے؟'' زین نے پوچھا۔ سنجیدگی ابھی بھی چہرے پر چھائی ہوئی تھی۔

''نہیں۔تم نے تو کبھی نہیں کیا۔'' سارہ نے کہا۔

''پھر تم فیصلہ کیسے لے سکتی ہو کہ میرے اور شازیہ کے درمیان کوئی تعلق ہے؟'' زین نے اس کی نگاہوں میں اپنی نگاہیں ڈال کر کہا۔

''یہ تمہارا اپنا ذاتی معاملہ ہے تم چاہو تو بتاؤ چاہو تو نہیں اس لیے۔'' وہ جتنی رواداری سے کہہ گئی زین کو اندر جھٹکا سا محسوس ہوا۔

''سارہ! میں کم از کم تم سے اس طرح کی باتیں چھپا نہیں سکتا۔ جو ہوں جیسا ہوں تمہارے سامنے ہوں۔'' زین کہہ کر اٹھ گیا اور نصف باؤنڈری وال تک چلا گیا۔ اس کا انداز سارہ کو وہیں بیٹھے رہنے پر مجبور کر گیا تھا۔ وہ اپنے الفاظوں پر غور کر رہی تھی۔ آخر کو اس نے وہی کہا تھا جو اس نے سب سے سنا تھا حتیٰ کہ انوشہ نے بھی ذکر کیا تھا۔ پھر اس سے غلطی کیا ہوئی تھی۔ زین کی ذومعنی گفتگو پر اس نے غور نہیں کیا تھا۔ نہ ہی اس کے شدت جذبات سے واقف تھی۔ وہ اس کی کیفیت سمجھنے سے قاصر تھی۔

☆......☆......☆

''یہ دیکھو تم۔'' انوشہ نے اپنا موبائل شازیہ کی طرف کیا۔ وہ شدت غم میں مبتلا تھی پر انوشہ کے سامنے اس نے آنسو بہانے سے خود کو روکا ہوا تھا۔

''کیا ہے یہ؟'' شازیہ نے پوچھا۔

''ارے دیکھو گی تو پتہ چلے گا نا۔'' انوشہ نے اپنے موبائل کی سکرین شازیہ کی آنکھوں کے سامنے کی جس میں زین اور سارہ کی تصویر کھلی ہوئی تھی۔

''میں نے کہا تھا تم کو اس پر نظر رکھنا لیکن تم نہیں مانیں۔ اب یہ سارہ زین کو لے کر اڑ جائے گی اور تم خالی ہاتھ رہ جاؤ گی۔''

وہ بے حد عیاری سے اسے چوتھی چال کے لیے تیار کر رہی تھی۔

''اس سے کیا ہوتا ہے؟ زین تو کتنی لڑکیوں سے بات کرتا ہے۔'' اسے اپنا درد ہی گھیرے ہوا تھا۔ وہ اس طرف دھیان ہی نہیں دے رہی تھی۔

''شازیہ! تمہاری عقل کو سلام! تم کیوں نہیں سمجھتیں؟ مجھے یہ بتاؤ زین نے آج کیا کہا تم سے؟'' شازیہ نے انوشہ کو کل شب میسج کر دیا تھا کہ زین شاید آج اس سے شادی کے متعلق بات کرے۔ جس پر انوشہ کے چہرے پر مکاری نے ڈیرا جمع لیا تھا۔ حالانکہ اس کی زین سے اس قدر بات چیت نہیں تھی پر وہ تیز اور حاظر دماغ تھی۔ اسے معلوم تھا کہ ردعمل کیا ہوگا اور آج شازیہ کی اتری ہوئی شکل سب بتا رہی تھی۔

''وہ......اسے تھوڑا وقت چاہیے۔'' اس نے الفاظ کی تبدیلی کر کے خود کو ندامت سے بچایا کیونکہ اس کا رعب جو داؤ پر آ گیا تھا۔

''ہاں یہ تو ہونا ہی ہے۔ میری بات مانو تو جاؤ اور جا کر سارہ کو ایک سبق سکھاؤ تاکہ یاد رکھے وہ۔ تم شازیہ ہو، تمہیں کسی صورت بھی نہیں دبنا ہے، سمجھ رہی ہو نا؟'' شازیہ نے ایک لمبا سانس لیا اور انوشہ کو دیکھا۔

''انوشہ! میرا اور اس کا کیا مقابلہ۔'' شازیہ جھنجلا گئی۔

''شازیہ! تم سمجھتی کیوں نہیں ہو؟ یہ نارمل نہیں ہے۔ زین سب کی مدد کرتا ہے پر اس کے ساتھ روز ہوتا ہے۔ میں نے دونوں کو کافی قریب بھی دیکھا ہے۔ تم زین کے پاس نہیں سارہ کے پاس جاؤ، وہ لوور کلاس لڑکی تمہاری ایک ہی دھمکی سے پیچھے ہٹ جائے گی۔ اس گیدڑ کو یاد دلاؤ کہ کس شیرنی سے پالا پڑا ہے۔ اگر زین کو وقت چاہیے بھی تو سارہ کو اس صفحے سے مٹا دو پھر وہ تمہارے لیے سوچے گا۔'' جس قدر شاطرانہ انداز میں اس نے شازیہ کا دماغ کنٹرول کیا

تھا وہ جو چند لمحے قبل اپنے دکھ پر روئے جا رہی تھی انوشہ کی بات سن کر اسے پرسوچ انداز سے دیکھنے لگی تھی۔

”صحیح کہہ رہی ہو، اب میں دیکھتی ہوں کیا کرنا ہے۔“ شازیہ کی آنکھوں میں تیزی اور انوشہ کے چہرے پر چالاکی صاف نظر آ رہی تھی۔

☆......☆......☆

”آپ نے سارہ کے جہیز کے لئے جو صاحب سے پیسے قرض کے طور پر مانگے تھے وہ مل گئے؟“ زینت نے پوچھا۔

”ایک مہینے پہلے پوچھا تھا میں نے ان سے پھر خود ہی یہ معاملہ فی الحال روک دیا ہے۔“ انہوں نے گرم چائے کی چسکی لیتے ہوئے کہا۔

”پر کیوں؟ فرنیچر اور شادی کی دیگر ضرورتیں اسی سے پوری ہونی تھیں۔“ زینت نے پوچھا۔

”جانتا ہوں۔ ایک مہینہ رک کر پھر لے لوں گا، تب تک شاید بھابی بھی شادی کی تاریخ بتا دیں۔“ فاروق نے کہا۔

”صحیح کہہ رہے ہیں۔“ زینت نے کہا۔

”زینت! روبینہ کا بس اتنا ہی زیور تھا یا اور بھی کچھ دیا تھا اس نے؟ ٹھیک سے یاد کرو۔“ فاروق نے تنقیدی نگاہ سے زینت کو دیکھا۔

”جی، روبینہ نے جو زیور سارہ کے اخراجات کے لئے بیچنے کو دیا تھا وہ اتنا ہی تھا۔“ زینت نے کہا۔ چہرے کے تاثر پر کوئی بدلاؤ نہ تھا۔ فاروق خاموش ہو گئے اور چائے پیتے رہے۔ پھر سنگھار میز پر جا کر بال درست کیے اور اپنی اونیکس کی انگوٹھی بائیں ہاتھ کی انگشت میں پہن کر باہر چلے گئے۔ جب انہیں تسلی ہو گئی کہ فاروق چلے گئے ہیں وہ بستر سے اٹھیں اور الماری کا

پٹ کھول کر کھڑی ہو گئیں۔ نیچے دو درازیں تھیں۔ ایک میں ضروری سامان تھا البتہ دوسری دراز میں پھٹے ہوئے کپڑوں کی کترنیں تھیں۔ وہ زمین پر بیٹھیں اور کترنوں والی دراز کو کھول کر ہاتھ اندر ڈالا۔ منتخب کردہ شے ایک کونے میں موجود تھی۔ ہاتھ لگی تو ان کے اندر تک جھرجھری سرایت کر گئی۔ نکال کر دیکھا تو وہ لال کپڑے میں لپٹی ہوئی چھوٹی سی پوٹلی تھی۔ فلم کی طرح ماضی سے جڑا واقعہ زینت کی آنکھوں کے سامنے چلنے لگا تھا۔

''بھابی...... بھابی۔'' درد سے کراہتی آواز زینت کے کانوں میں پڑی تو سب کام چھوڑ کر روبینہ کے پاس بھاگیں جو بستر بوس تھیں۔

''کیا ہوا روبینہ، پانی لاؤں میں؟'' زینت نے فکرمندی سے پوچھا۔

''نہیں بھابی! میری بات سنیں، مجھے آپ سے کچھ ضروری بات کرنی ہے، پھر آگے موقع پتہ نہیں مل بھی پائے گا کہ نہیں۔'' ان کے سینے میں درد کی ٹیس اٹھ رہی تھی جس سے الفاظ اٹک اٹک کر ادا ہو رہے تھے۔ وہ جانتی تھی وقت کم ہے۔

''کیسی بات کر رہی ہو روبینہ! ہمت سے کام لو، اپنے لئے نہ سہی، اپنی بیٹی کا تو سوچو۔'' زینت نے سمجھایا۔

''یہ صرف میں ہی جانتی ہوں کہ کس طرح روز اپنی سانسوں سے لڑتی ہوں کہ ایک دن اس کے ساتھ اور گزار سکوں۔ بھابی! مجھے کہنے دیں، بہت مشکل سے ہمت کر پا رہی ہوں۔'' روبینہ نے اصرار کر کے ان کا ہاتھ تھام لیا۔

''میں سارہ کی ذمہ داری آپ پر چھوڑ کر جا رہی ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ یہ کس قدر مشکل ہوگا۔ پر میں مجبور ہوں۔ سارہ کے چچا یا تایا تو ہیں نہیں ایک ہی پھوپھو ہیں وہ کیسے رکھیں گی اسے۔''

''روبینہ! تمہیں یہ سب کہنے کی ضرورت نہیں۔ میں تم لوگوں کو کہیں نہیں جانے دوں گی۔ اور سارہ میری بھی بیٹی ہے۔ فاروق تم سے ناراض ہیں پر ہو سکتا ہے بچی کو دیکھ کر ان کا دل موم ہو جائے۔'' زینت نے انہیں دلاسہ دیا۔

''میری بھی یہی دعا ہے۔ پھر بھی میں نہیں چاہتی کہ بھائی پر اتنا بوجھ آ جائے۔ لہٰذا گھر کا سامان تو وہ بیچ چکے ہیں۔ تا کہ اخراجات نکل سکیں البتہ اس بیگ میں کچھ زیور ہے وہ بھی آپ فاروق کو سارہ کے اخراجات کے لیے دے دیجیے گا۔''

''روبینہ! تم اس قدر مایوسی کی باتیں نہ کرو۔ اچھا گمان رکھو۔'' روبینہ نے انہیں ہاتھ کے اشارے سے روکا۔

''بھابی! اس زیور کے ساتھ ایک لال رنگ کی چھوٹی سی پوٹلی ہے۔ اس میں ایک چھوٹا ہار ہے جو ماں نے مجھے دیا تھا۔ میں نے یہ سارہ کو اس کی شادی پر دینے کے لیے رکھا تھا۔ ہے تو ایک ہی اور معمولی۔ پر سارہ کو میں خود یہ دینا چاہتی تھی لیکن اب مجھے اس کے کوئی آثار نظر نہیں آتے، میں آپ کو یہ امانت دیتی ہوں بھابی۔ اس کے بارے میں بھائی کو مت بتایئے گا۔ ورنہ وہ یہ بھی بیچ دیں گے۔'' روبینہ نے منت سے کہا۔

''مجھے تمہاری سمجھ نہیں آتی روبینہ، بیٹی کے لئے ہی کھڑی ہو جاؤ، حالات سے لڑو۔ تم تو ہار مان رہی ہو، اس کے بارے میں کچھ سوچا ہے، کیسے رہے گی وہ تمہارے بنا۔'' زینت نے کرب سے کہا۔

''اگر جینے مرنے کا فیصلہ ہمارے ہاتھ میں ہوتا تو میں کبھی مرنا نہیں چاہتی۔ اور سارہ کے ساتھ رہنا چاہتی، پر یہ فیصلے کرنے کا حق صرف اللہ کا ہے۔ جو سب پر قادر ہے اور بہترین سوچنے والا ہے۔ مجھے نہیں معلوم کتنی اور سانسیں باقی ہیں پر اس میں بھی کوئی نہ کوئی بھلائی ہو

گی، جو ابھی ہمیں نہیں دکھ رہی۔'' روبینہ نے کہا۔

''روبینہ! تمہاری بیٹی تمہارے پاس آ کر بیٹھتی ہے، اس سے بات ہی کر لیا کرو، اسے پیار ہی کر لیا کرو۔ اس پر کیا گزرتی ہوگی کبھی سوچا ہے تم نے؟'' زینت نے کہا۔

''عادی بنانا چاہتی ہوں اسے۔ اب آگے سفر بہت مشکل ہے، بھابی! مجھے زبان دیں کہ آپ یہ پوٹلی سارہ کو ہی دیں گی۔'' روبینہ نے کہا اور زینت نے ہامی بھر لی۔

''بھابی! مجھے معاف کر دیں، اس گھر میں آ کر احساس ہوا کہ آپ روز کس طرح دن کاٹتی ہوں گی۔ میں آپ کو زبردستی نہیں کہوں گی پر جتنا ہو سکے، سارہ کو چاہے ظاہر نہ سہی، چھپ کر ہی اس کا خیال رکھ لیجئے گا۔ ج...... جہاں تک آپ سے ہو سکے۔''

روبینہ کا چہرا تو ہوا میں تحلیل ہوا تھا پر ان کی آواز بازگشت کرتی زینت کو سنائی دے رہی تھی۔ آنسو متواتر ان کی آنکھوں سے بہہ رہے تھے۔ انہوں نے گود میں رکھی پوٹلی کھولی اور پھر واپس اپنا ہاتھ اسی دراز میں ڈال کر دوسرے کونے سے ایک اور سفید رنگ کے کپڑے میں لپٹی ہوئی چھوٹی سی پوٹلی نکالی اور اسے لال پوٹلی میں ڈال کر لپیٹ دیا۔

☆......☆......☆

رات کے گیارہ بج رہے تھے اور سارہ اپنے کمرے میں مختلف کاموں میں مصروف تھی۔ پہلے تو جتنا یونیورسٹی کا کام تھا وہ ختم کیا پھر اپنے بیگ میں کل ہونے والے مضامین کی کتابیں رکھنے لگی۔

''پروڈکشن، اکاؤنٹس اور کیا تھا...... ہاں انگلش۔ ہم...... سب رکھ دیا۔'' خود سے باتیں کرتی جا رہی تھی اور تیزی سے کام نپٹا رہی تھی۔ بیگ کو ایک طرف رکھ کر اب کل کے کپڑے الگ کرنے لگی تھی۔ صبح اتنا وقت ہی کہاں ہوتا تھا اس کے پاس۔ پشت پر لٹکی ڈھیلی چوٹی اس کی

حرکت دینے سے بار بار آگے آ رہی تھی جسے وہ ہر بار پیچھے کر لیتی تھی۔ سب سامان ترتیب دے کر وہ بستر پر بیٹھ گئی اور اپنی ڈائری میں کل ہونے والے تمام کاموں کی فہرست بنانے لگی تھی۔

دوسری طرف زینت جیسے تیسے واپس اٹھیں اور دراز بند کر کے سارہ کے کمرے میں چلی گئیں۔ آج ہی صحیح موقع تھا جب وہ سارہ سے یہ اہم بات کرنا چاہ رہی تھیں۔

سارہ نے زینت کو پاس آتے دیکھا تو اپنی ڈائری ایک طرف رکھ دی۔ وہ اس کے برابر میں بیٹھ گئیں اور پوٹلی سامنے بستر پر رکھ دی۔ سارہ نے انہیں سوالیہ نگاہوں سے بغور دیکھا۔ ان کے چہرے پر آنسوؤں کے نشان ثبت تھے۔ زینت نے کچھ نہ کہا۔ سارہ کی نظریں ان سے ہوتی ہوئی پوٹلی پر جا ٹھہریں۔ پھر سوالیہ نگاہیں زینت پر چلی گئیں۔ انہوں نے اس کے سامنے پہلے تو لال کپڑا اٹھایا پھر اس کے اندر سے سفید پوٹلی نکال کر اسے بھی سارہ کے سامنے کھول کر رکھ دیا۔ سونے کے چھوٹے سے دو ہار تھے جس کو دیکھ کر سارہ کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔

"مامی! یہ کیا ہے؟" سارہ نے اچنبھے سے پوچھا۔ زینت نے زیور باری باری کر کے نکالا اور سارہ کو دکھایا۔

"یہ ہار مجھے میری اماں نے میری شادی پر دیا تھا۔" زینت نے اسے دکھایا۔ وہ بہت خوبصورت سا نورتن کا ہار تھا جس کی آج بھی چمک ماند نہیں پڑی تھی۔

"اور یہ ہار تمہاری امی نے مجھے دیا تھا امانت کے طور پر تا کہ یہ میں تمہیں دے سکوں۔"

زینت کا بس یہ کہنا تھا اور سارہ حیرت سے دنگ رہ گئی۔ زینت نے دوسرا ہار بھی اسے دکھایا جس پر اخضری نگینے جڑے تھے۔ سارہ کو کچھ سمجھ نہ آیا۔ وہ بس خاموشی سے اپنی مامی کو دیکھتی رہی۔ زینت نے زیور واپس پوٹلی میں باندھا اور سارہ کی ہتھیلی میں رکھنا چاہا جس پر سارہ جھٹکے سے پیچھے ہٹی۔

"امی! یہ آپ کیا کر رہی ہیں؟" سارہ نے گھبرا کر کہا۔ زینت اسے نرم نگاہوں سے دیکھنے لگیں اور ان کی آنکھوں میں پھر سے پانی بھر آیا۔

"سارہ! میں نے یہ زیور اپنی پوری زندگی تمہارے ماموں سے چھپا کر رکھا ہے۔ اگر میں ایسا نہ کرتی تو وہ اسے بھی بیچ دیتے۔"

سارہ کو کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ زینت کہنا کیا چاہ رہی تھیں۔ وہ بس خاموشی سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

"اور یہ تمہاری امی کا زیور، انہوں نے مجھے اپنے جانے سے کچھ دن پہلے ہی دیا تھا کہ میں تمہیں تمہاری شادی پر یہ دے دوں۔" زینت نے کہا۔

"آپ یہ سب میرے پاس کیوں لائی ہیں۔ ماموں کو دیں وہ بیچ کر کام میں لے آئیں گے۔" سارہ جھنجھلا گئی۔ اسے یہ سب بہت عجیب لگ رہا تھا۔

"نہیں! انہیں اس کا علم بھی نہیں اور نہ ہی تم کبھی ان سے یہ ذکر کرنا۔ اپنے زیور کا مجھے ڈر تھا کہ اگر یہ بھی چلا جاتا تو ہم خالی ہاتھ رہ جاتے۔ ایسا نہیں ہے کہ انہوں نے مجھ سے اس کے بارے میں نہیں پوچھا۔ میں نے ان سے جھوٹ کہہ دیا تھا کہ مشکل حالات میں جب گھر کے اخراجات پورے نہیں تھے تو میں یہ بیچ کر گھر چلا رہی تھی۔"

سارہ خاموشی سے ان کی باتیں سن رہی تھی۔

"اور تمہاری امی کا زیور بھی میں نے یوں ہی چھپا کر رکھا تھا، کیوں کہ یہ انہوں نے مجھے امانت کے طور پر دیا تھا جس کی حقدار صرف تم ہو۔" زینت نے کہا۔ "اللہ کی بھی یہی مرضی تھی بیٹا، تب ہی تو بیچنے کی کبھی بھی نوبت نہیں آئی۔ اور یہ میں اب تمہیں دینا چاہتی ہوں۔"

زینت کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے تھے۔ وہ شدت جذبات سے سارہ کے آگے

ہاتھ جوڑ گئیں اور سارہ یہ دیکھ کر دم بخود رہ گئی۔

''میں تمہیں کبھی بھی ماں کا سکھ نہ دے سکی۔ میں مجبور ہوں بیٹا لیکن تم میرا زیور بھی قبول کر لو تا کہ مجھے سکون آ جائے۔''

سارہ فرطِ جذبات سے آگے لپکی اور ان کے دونوں ہاتھ تھام لیے پھر محبت کی ثبت ان کے ہاتھوں پر دینے لگی۔ پُرنم آنکھیں لیے وہ اپنی مامی کو ایسا کرنے سے روک رہی تھی۔

''مامی! آپ ایسی باتیں نہیں کریں، آپ نے جو کچھ میرے لئے کیا ہے میں اسے کبھی نہیں بھول سکتی۔''

زینت نے واپس پوٹلی اٹھائی اور سارہ کے ہاتھ میں تھما دی جس پر سارہ نے انکار کیا پر زینت نہ مانیں۔

''سارہ! مجھے اپنی زندگی کا نہیں پتہ، پر میں نہیں چاہتی کہ تم کبھی کسی پریشانی میں رہو اور تمہارے پاس کچھ بھی نہ ہو۔ یہ بات یاد رکھنا تمہارے ماموں بھلے تم سے تعلق ختم کر دیں شادی کے بعد، پر اس گھر کے دروازے تمہارے لئے ہمیشہ کھلے رہیں گے۔''

سارہ سے رہا نہیں گیا اور وہ پہلی بار اپنی مامی کے گلے لگ گئی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ اس کی ماں نے اس کا ساتھ چھوڑا تھا اور نہ ہی زینت نے۔ کتنے عرصے بعد آج اسے اپنایت کا احساس ہوا تھا۔ زینت کبھی سامنے نہیں آتی تھیں لیکن دل ہی دل میں ہر وقت سارہ کے لئے دعا گو ہوتی تھیں، یہ اسے آج معلوم ہوا تھا۔

☆......☆......☆

کمرے میں گھپ اندھیرا تھا اور اے سی کی خنکی ماحول کو پرسکون بنائے ہوئے تھی۔ وہ محو استراحت تھا جب گہری خاموشی میں موبائل کی آواز نے ارتعاش پیدا کیا تھا۔ نیند کا زور ٹوٹا تو

اس نے خمار آلود آنکھوں سے سائڈ میز پر دیکھ کر ہاتھ بڑھایا۔ اسکرین پر دیکھا تو شازیہ کالنگ لکھا آرہا تھا۔ اس نے موبائل پر وقت دیکھا تو ایک بج رہا تھا۔ کال اٹینڈ کرتا ہوا اس نے نیند کے زور کو بھگانا چاہا۔

"ہیلو؟"

"ہیلو......ہیلو زین!"

"ہا......ہاں شازیہ! کیا ہوا۔" زین اٹھ کر بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا گیا۔ آنکھیں ابھی بھی نیند میں ڈوب رہی تھیں۔

"تمہیں آواز آرہی ہے نا میری؟" شازیہ نے تصدیق مانگی۔

"ہاں آرہی ہے۔ کیا ہوا خیریت تو ہے؟ اتنی رات کو فون کر رہی ہو؟ انکل آنٹی ٹھیک ہیں نا؟" زین نے پوچھا۔

"ہاں ہاں سب ٹھیک ہے۔ مجھے معاف کر دینا میں نے تمہیں نیند سے اٹھا دیا۔" وہ اپنی حرکت پر خود کو سرزنش کر رہی تھی۔ اپنی بے چین طبیعت کے باعث زین کو بھی بے سکون کر گئی تھی۔

"نہیں نہیں کوئی بات نہیں، کیا ہوا ہے۔" وہ آنکھیں ملتا ہوا سائڈ میز پر رکھا پانی سے بھرا گلاس تھام کر پینے لگا۔

"زین! مجھے تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں، میں کب سے سوچوں میں گم ہوں اور سو نہیں پا رہی۔" شازیہ نے کہا۔

"کیا ہوا ہے؟ بولو میں سن رہا ہوں۔" وہ اب کافی حاضر دماغ تھا۔

"زین! یار، کیا ہو گیا ہے ہم دونوں کو؟ ہم تو کتنے اچھے دوست تھے، لیکن میں دیکھ رہی ہوں تم وقت کے ساتھ ساتھ بالکل بدل گئے ہو۔" شازیہ نے روہانسی آواز میں گلہ کیا۔

''ہم تو ابھی بھی اچھے دوست ہیں شازیہ۔'' اس نے رسانیت سے کہا۔

''زین! میں نے ہم دونوں کے بارے میں بہت کچھ سوچا تھا۔ کتنے خواب سجائے تھے اور مجھے واقعی لگا تھا کہ تم مجھے سیمسٹر کے آخر میں شادی کے فیصلے سے حیرت زدہ کر دو گے لیکن اب تم بدل گئے ہو۔'' شازیہ نے کہا۔

''شازیہ! میں کیا کہوں؟ میرے پاس اس حوالے سے کوئی جواب نہیں، میں نے تم سے کبھی بھی شادی یا اپنی ذاتی احساسات کے حوالے سے بات نہیں کی تھی لیکن تم سب کی باتوں میں آ کر خود بخود یہ سب سمجھ بیٹھیں۔'' زین نے کہا۔

''زین! تم بدل گئے ہو، یہ بات مانو میری۔'' اس نے شاکی لہجے میں کہا۔

''میں نہیں بدلا ہوں شازیہ۔ میں جیسے پہلا تھا ویسا ہی اب بھی ہوں۔ البتہ تم نے افواہوں کو مجھ پر فوقیت دی اور وہ سب سمجھ بیٹھیں جو محض سراب تھا۔'' اس کی صاف گوئی شازیہ کا دل ڈبا رہی تھی۔

''تم میری آج بھی ویسی ہی دوست ہو جیسے پہلے تھیں، مجھے افسوس بس اس بات کا تھا کہ گھر میں بات کرنے سے پہلے تم مجھ سے بات کرتیں۔ میری مام چاہے جتنی بھی اعلیٰ کلاس سے ہوں وہ بھی چاہیں گی کہ ان کا بیٹا پہلے انہیں اپنے فیصلے سے آگاہ کرے۔''

''ہاں میں جانتی ہوں آنٹی کو۔'' شازیہ کی آواز خفت سے دھیمی ہوئی۔

''تمہیں اس بات کا مشورہ کس نے دیا تھا؟'' زین نے تفتیشی انداز سے پوچھا۔ وہ اتنا تو جانتا تھا کہ شازیہ کبھی خود سے ایسا فیصلہ نہیں لے سکتی تھی۔

''کسی نے نہیں۔'' شازیہ انوشہ کا نام لیتے لیتے رہ گئی۔

''ہمم! خیر چلو اب تو سب ٹھیک ہو گیا ہے۔'' زین نے کہا۔

”ہمم! ٹھیک ہے میں رکھتی ہوں تم سو جاؤ۔ بائے۔“ شازیہ نے کہا۔ وہ اور بات کرنا چاہتی تھی اور اشارہ دیکھ رہی تھی لیکن سامنے سے اللہ حافظ کہہ کر فون ہی بند کر دیا گیا تھا جس سے شازیہ کو بہت مایوسی ہوئی۔ اس کی انا کو ٹھیس جو پہنچی تھی۔ اس نے فوراً انوشہ کو واٹس ایپ پر میسج کیا۔

”میں بھول ہی گئی تھی کہ زین کی مام کس ٹائپ کی ہیں اور تمہارے کہنے پر میں نے اپنی ماما کی ارم آنٹی سے بات کروادی۔“ تھوڑی دیر ہی ہوئی تھی کہ انوشہ کا جواب آ گیا۔

”اوہو، کیا ہو گیا ہے، کوئی بات نہیں۔“

”کیا مطلب، زین کو کافی برا لگا ہے۔“

”وہ تو لگے گا ہی، دیکھو میری بات مانو تمہیں اپنے راستے سے سب کو ہٹانا ہو گا تب ہی زین تمہاری طرف متوجہ ہو گا نا۔ میں تو تمہیں کہے جا رہی ہوں اس پر نظر رکھو لیکن تم میری سنتی ہی نہیں۔“

”اب سن رہی ہوں، بس بہت ہو گیا ہے، اب دیکھنا میں کیا کرتی ہوں۔“

”شاباش، چلو گڈ نائٹ۔“

”گڈ نائٹ۔“

”شازیہ! تمہیں یہ کرنا ہی ہو گا تاکہ سارہ راستے سے ہٹ جائے اور تمہیں میں زین کی نظروں میں ہی گرادوں۔ اگر وہ میرا نہ ہو سکا تو پھر کسی کا بھی نہیں ہو گا۔“ وہ خباثت سے ہنستی ہوئی موبائل سکرین کو دیکھ رہی تھی۔

☆......☆......☆

وہ کتاب پڑھنے میں مصروف تھی جب اس کا فون جو بیگ میں موجود وائبریشن پر تھا زوں

کر کے بج اٹھا تھا۔ کلاس میں سناٹا تھا لہٰذا آواز با آسانی اس تک پہنچ گئی تھی۔ اس نے اسکرین دیکھی تو چہرے پر بیزاریت پھیل گئی۔ اس بار کال کرنے والی رضیہ آنٹی تھیں۔ دل تو کیا فون ہی نہ اٹھائے پر زینت کی ملامت کرتی شکل اس کی نگاہوں کے سامنے آئی تو ڈر کے مارے فون اٹھانے میں ہی عافیت سمجھا۔

''السلام علیکم سارہ بیٹا! کیسی ہو؟'' رضیہ نے فون ریسیو کرتے ہوئے کہا۔

''وعلیکم السلام، جی میں ٹھیک ہوں آپ کیسی ہیں؟ اتنی صبح فون کیا آپ نے۔'' سارہ نے پوچھا۔

''ہاں! میں زینت بھابی کو جب بھی فون کروں تم ہوتی ہی نہیں ہو، میں نے اپنا نمبر بھی تمہیں اس لیے زینت بھابی سے کہہ کر موبائل پر ڈلوایا تھا کہ تم فون کر کے ہمارا حال احوال ہی پوچھ لیا کرو لیکن تم تو فون ہی نہیں کرتیں۔'' رضیہ نے شاکی لہجے میں کہا۔

''جی وہ بس مصروفیت اتنی ہوتی ہے اور اب تو واپس امتحان ہونے والے ہیں۔'' سارہ کو اس سے بہتر بہانا نہیں ملا تھا۔

''لڑکیاں تو اپنی ہونے والی ساس سے بنا کر رکھتی ہیں بیٹا، پڑھائی کا کیا ہے، زندگی تو تمہیں پھر ہمارے ساتھ ہی گزارنی ہے۔'' رضیہ نے صحیح موقع نکالا تھا باتیں سنانے کا۔ وہ ضبط سے سانس خارج کر گئی۔ اب کیا بتاتی کہ ان سے بات کرنے کے لیے مر نہیں رہی ہوتی۔

''جی، میں اب سے فون کر لیا کروں گی آپ کو۔'' سارہ نے کہا۔ کلاس روم کا دروازہ کھلا تھا اور کچھ طلبا بمعہ زین کے ساتھ اندر داخل ہوئے تھے۔

''دیکھو بیٹا! نازک رشتے ہوتے ہیں یہ، میرا کام تھا تمہیں بتانا، زبردستی نہیں ہے۔'' رضیہ کا جتاتا انداز اس کے تیور چڑھا گیا۔

''جی آنٹی، اچھا میری کلاس شروع ہونے والی ہے میں آپ کو ایک دو دن میں کال کروں گی، اپنا خیال رکھیئے گا، اللہ حافظ۔'' سارہ نے جلد بات ختم کرنا چاہی کیونکہ اب مناسب نہیں تھا مزید ان سے گفتگو کرنا۔ زین برابر بیٹھا اس کے اترتے چڑھتے تیوروں پر غور کر رہا تھا۔

''چلو ٹھیک ہے بیٹا اللہ حافظ۔'' رضیہ کا کہنا ہی تھا کہ سارہ نے فون بند کر دیا اور اپنے ہی سر پر پیٹ دیا۔ اسے شدید چڑ ہو رہی تھی۔

''کیا ہوا، کیا کیے جا رہی ہو صبح صبح؟'' زین اسے دیکھ کر ہنسنے لگا تھا۔

''کچھ نہیں۔'' سارہ نے زچ ہو کر فون بیگ میں پھینک دیا اور کتاب کھول کر بیٹھ گئی۔ منہ چڑا کا چڑا ہی تھا۔

''کس کا فون آ گیا تھا جو اس قدر غصہ ہے؟'' زین نے پوچھا۔

''میری پھوٹی قسمت کا۔ چھوڑو یار! مجھے ابھی کوئی بات نہیں کرنی۔'' سارہ نے کہا اور اپنا چہرا ہاتھوں میں چھپا کر غصے کو پینے لگی۔ زین نے مزید کوئی سوال نہیں کیا کیونکہ تھوڑی دیر بعد ہی ان کی کلاس شروع ہو گئی تھی۔ اسے ویسے بھی اندازہ تھا کہ بتانے والی بات ہوئی تو سارہ خود ہی بتا دے گی۔

☆......☆......☆

وہ آئی ٹی بلڈنگ سے ملحقہ باغیچے میں موجود تھیں۔ سارہ شجر کے تنے سے ٹیک لگائے کھڑی تھی اور زنیرہ اس کے عین مقابل کھڑی نالاں ہو رہی تھی۔ ان کے درمیان کلچرل فیسٹیول موضوع زیرِ بحث تھا۔ کئی طلبا اس خطے میں موجود تھے۔ آخری سیشن شروع ہونے میں چند منٹ رہ گئے تھے۔ زنیرہ کے پاس جتنا وقت تھا وہ سارہ کو قائل کرنے کی جستجو میں لگی رہی تھی پر سارہ تھی کہ اس کی ہر کوشش کو ناکام بنا رہی تھی۔

''تو پھر تم نہیں آ رہیں اس کا مطلب ہے۔'' زنیرہ نے طیش میں آ کر کہا۔

''تمہیں معلوم تو ہے مجھے یہ سب شور نہیں پسند۔'' سارہ نے کہا۔

''تو فیسٹیول کے لئے نہیں میرے لئے ہی آ جاؤ۔'' زنیرہ نے اصرار کیا تو سارہ نے اسے نظروں سے گھورا تا کہ اب وہ بات کو یہیں ختم کر دے۔

''سارہ! تم بہت بہت بہت بری ہو۔ تمہیں اپنی دوستی کا بھی لحاظ نہیں۔'' اس کی ملامت کرتی آواز پیچھے زین تک پہنچی جو سارہ کے پاس آ رہا تھا۔ چونکہ یہ وہ ہی فری سیشن تھا جس میں وہ زیادہ تر ساتھ ہوا کرتے تھے۔

''کیا ہوا زنیرہ، سارہ تنگ کر رہی ہے تمہیں؟'' اس نے وہیں سے آواز لگائی۔

''لو زین بھی آ گیا۔ ہاں یہ تنگ ہی کر رہی ہے مجھے، میڈم فیسٹیول میں آنے سے منع کر رہی ہیں۔'' زنیرہ نے شاکی لہجے میں زین سے کہا۔

''اچھا تو یہ مسئلہ ہے۔'' زین نے سارہ کی جانب دیکھا جو ہر حربہ استعمال کرتی ہوئی اس بات کو ختم کرنا چاہتی تھی۔

''آج آخری دن ہے سارہ، پھر پاسز نہیں ملیں گے، تم کیوں نہیں سمجھ رہی ہو؟'' زنیرہ نے اسے معاملے کی نزاکت سے آگاہ کیا۔

''ویسے یہ منع نہیں کر سکتی کیوں کہ یہ سوسائٹی کی ممبر ہے اور سب ممبرز کو ایونٹ میں آنا لازمی ہے۔'' زین نے کہا۔ وہ جو مستقل زنیرہ کے بار بار اصرار سے اب زچ ہو رہی تھی زین کی بات سن کر بھڑک اٹھی۔

''واہ یہ کیا بات ہوئی؟ جیسے میرے نہ آنے سے فیسٹیول تو ہوگا ہی نہیں۔ ایک تو ویسے ہی زبردستی تم لوگوں نے مجھے سوسائٹی میں شامل کر لیا اور اب یہ بات بھی کہہ رہے ہو، مجھے اس

سے فرق نہیں پڑتا۔" سارہ نے ہاتھ باندھ کر منہ موڑ لیا۔

"زین! تم تو لیڈر رہو، تمہارے پاس سے تو آرام سے پاسز مل جائیں گے نا۔ اگر کل بھی لینا چاہیں؟" زنیرہ نے پوچھا۔ اسے امید تھی کہ وہ آج نہیں تو کل تک بھی اسے منا لے گی۔

"بہت معذرت، ویسے بھی اب سب پاسز ختم ہونے والے ہیں اور لیڈر، کو لیڈر یا ممبر کے پاس یہ حق نہیں، یہ سب ہیڈز دیکھ رہے ہیں۔ کیا کریں وی آئی پی کے تحفظ کے لئے کیا جا رہا ہے۔" زین نے کہا۔

"سارہ! پلیز نا مان جاؤ؟" زنیرہ نے سارہ کا ہاتھ پکڑ کر التجاء کی لیکن سارہ کا چہرا دیکھ کر اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کیا کرلے۔ بے حد اصرار کے باوجود بھی وہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔

"ٹھیک ہے، مت آؤ، لیکن یاد رکھنا، تم نہیں آئیں تو میری اور تمہاری دوستی ختم، زین کا تو ویسے ہی آخری سمسٹر ہے اور میں بھی پھر تم سے بات کرنا بند کردوں گی پھر رہنا اکیلے ایک سال یہاں پر، میں جا رہی ہوں۔"

"زنیرہ! یہ کیا ضد ہے؟" سارہ نے زور سے آواز دی لیکن زنیرہ نے ایک نہ سنی اور چلی گئی۔ وہ تلملا اٹھی تھی۔ زنیرہ کی بھی عجیب ضدیں تھیں اور اس کی حرکت سے محظوظ ہوتے ہوئے زین کی ہنسی چھوٹ گئی۔

"تم کیوں ہنسے جا رہے ہو۔" سارہ نے زنیرہ کا غصہ زین پر نکال دیا۔

"تم اس کی بات کیوں نہیں مان لیتیں؟ ایک فیسٹیول ہی تو ہے۔" زین نے کہا۔

"تم لوگوں کے لئے ایک ایونٹ ہوگا پر میرے لئے سر کے درد سے کم نہیں۔ اور ویسے بھی آج آخری دن ہے لہٰذا کوئی فائدہ نہیں، میں زنیرہ کو منا لوں گی بے فکر رہو۔" سارہ کو اچانک خیال آیا کہ وہ آرام سے جان چھڑا سکتی تھی اور زنیرہ لاکھ کہے پر بات کبھی ختم نہیں کرتی۔ اس

نے مسکرا کر شانے اچکائے۔ جان جیسے چھوٹ گئی تھی۔ راہ فرار کا طریقہ زین کے گوش گزار کرنے پر زین نے اپنی جینز کی پاکٹ میں ہاتھ ڈالا اور ایک عدد پاس اس کی آنکھوں کے سامنے لہرایا۔

''یہ لو۔'' زین نے کہا۔

''یہ کیا ہے؟'' سارہ نے پوچھا۔

''تمہارا پاس۔ مجھے معلوم تھا تم نہیں خریدو گی تو میں نے ہی لے لیا۔'' زین نے جس قدر عام سے انداز میں کہا سارہ کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

''یہ کیا مذاق ہے؟ تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔'' سارہ نے اسے ٹوکا۔ وہ شاک کے عالم میں اسے دیکھ رہی تھی۔

''جیسے زنیرہ چاہتی ہے تم آؤ ویسے ہی میں بھی چاہتا ہوں اس لیے مجھے یہ تو کرنا تھا، اب تمہارے پاس کوئی بہانا نہیں ہوگا۔'' زین نے اسے شوخی لہجے میں مسکرا کر چھیڑا تو وہ ہونق شکل سے اسے دیکھے گئی۔

''مسٹر زین سرفراز سرور صاحب! ذرا مجھے بتایئے کہ اس پاس کی کتنی قیمت ہے؟'' اس نے زین کو گھوری دکھائی۔

''پورے پندرہ سو روپے۔''

''یا اللہ!'' اس کے بتانے پر سارہ کا شاک دیدنی تھا۔ وہ محظوظ ہوتا رہ گیا اس پاگل لڑکی کی اداؤں پر۔

''تم نے یہ لینے سے پہلے سوچا تو ہوگا ہی کہ سارہ احمد کبھی بھی احسان نہیں رکھتی۔ تو یہ نہیں سوچا کہ اس رقم کو ادا کیسے کرے گی۔'' اس نے زین کو آڑے ہاتھوں لیا۔

”تمہارے پاس جب ہوں دے دینا۔“ اس نے نارمل انداز سے بات کو ٹالا۔

”زین صاحب! کیا بھول گئے آپ کتنی سفاکی سے میرا چشمہ توڑا تھا۔ معلوم بھی ہے یہ نیا کتنے میں بنا ہے پورے ڈھائی ہزار میں۔ پانچ سو تو امی سے لیے تھے میں نے۔ اب یہ پندرہ سو کہاں سے ادا کروں۔“ وہ طیش کے عالم میں اس پر برس رہی تھی۔

”مس سارہ احمد! میں کہیں بھاگا نہیں جا رہا۔ مجھے معلوم تھا تم کیوں آنے سے منع کر رہی ہو۔ پھر فریم خریدنے کے بعد تو تم بینک کرپٹ ہی ہوں گی تو میں نے سوچا میں ہی لے لیتا ہوں۔ محترمہ اس بہانے آ تو جائیں گی۔ اب رہی بات ادھار کی تو دے دینا یار! تم نے پہلے بھی تین مہینے میں دو ہزار جمع کر لیے تھے۔ اب بھی کر لو گی۔“ زین نے شوخ لہجے میں اسے نظروں کے حصار میں لیتے ہوئے کہا پر وہ اس کے جذبات سے بے خبر اسی ٹینشن میں مبتلا تھی کہ اب کیا کرے گی۔

”زین! ہزاروں کام ہیں مجھے۔ فہرست شروع کروں تو ختم نہ ہو۔ اور تم نے یہ ایک اور خرچہ میرے سر ڈال دیا ہے۔ تم اسے کسی اور کو بیچ دو۔“ اس نے نالاں ہو کر منہ دوسری طرف پھیر لیا۔

”دوستی کا تقاضا ہی پورا کر دو۔ زنیرہ کے ساتھ ساتھ میری بھی خواہش ہے کہ تم آؤ۔“ اس نے زین کی جانب دیکھا جو تنے کی دوسری طرف ٹیک لگائے کھڑا تھا۔

”تمہارا دوست بننا بہت مہنگا پڑ گیا ہے مجھے۔“ اس نے تپ کر زین کے ہاتھ سے پاس لیا جو مسلسل ہوا میں لہرا رہا تھا۔ وہ جانتا تھا سارہ مان جائے گی۔ اور یہ ہی سوچ سوچ کر مسکرائے جا رہا تھا۔

”لیکن ابھی بھی ایک مسئلہ ہے۔“ سارہ نے کہا۔

”وہ کیا؟“ وہ اس کی طرف گھوما۔

”ماموں نہیں مانیں گے۔“ اس نے آخری حربہ استعمال کیا۔

”ایک تو یہ تمہارے ماموں۔“

”اوئے! میرے ماموں کو کچھ مت کہو۔“ اس نے آگے بڑھ کر متنبہ کیا تو وہ پیچھے ہٹا۔

”اچھا بابا کچھ نہیں کہتا۔ بات کرکے دیکھو مان جائیں گے۔“ زین نے کہا۔

”تمہیں کیسے معلوم؟“ سارہ نے پوچھا۔

”اندازہ ہے۔“

”ایک تو تم دونوں مجھے مل کر پٹواؤ گے۔“ وہ کہہ کر آگے بڑھی اور وہ مسکراتا ہوا اس کی تقلید میں چلتا چلا گیا۔

سارہ نے گھر پہنچ کر پہلے زینت سے فیسٹیول کے حوالے سے بات کی جس پر ان کا یہی کہنا تھا کہ آخری فیصلہ فاروق کا ہوگا اور اس کے لئے رات کا انتظار کرنا تھا۔ اسے اندر ہی اندر خوف گھیرے ہوئے تھا۔ پر اتفاق سے آج ان کے مزاج میں تغیر دیکھنے کو ملا تھا جو عید کے چاند کے مترادف تھا۔ زینت کے پوچھنے پر فاروق نے بتایا تھا کہ راستے میں ایک پرانا دوست مل گیا تھا جس کے ساتھ بچپن کے دن کی یادیں تازہ کرنے بیٹھ گئے تھے اور وقت کا پتہ نہیں چلا۔ کھانے کے بعد سارہ نے جلدی سے بہت اچھی سی چائے فاروق کے لئے تیار کی اور ان کے پاس لے کر چلی گئی۔ وہ کب سے تمہید سوچ رہی تھی کہ کس طرح بات شروع کرے۔ فاروق کو چائے دے کر وہ وہیں کھڑی رہی۔ گرما گرم چائے کی پہلی چسکی لے کر وہ اخبار کی ورق گردانی میں مصروف ہوگئے۔

”ماموں! آپ سے ایک بات کرنی تھی۔“ سارہ نے ہمت کرکے بات کرنا شروع کی۔

”ہاں۔“ ماموں نے کہا۔ نظریں ابھی بھی اخبار پر ہی تھیں۔

”وہ ماموں، کچھ دنوں بعد میری یونیورسٹی میں ایک پروگرام ہے تقریباً تین یا چار بجے تک شروع ہوگا اور ایک دو گھنٹے ہی چلے گا۔ کیا میں چلی جاؤں؟“ سارہ نے پوچھا۔ زین اور زنیرہ کی ضد کی وجہ سے اس کے دانتوں تلے پسینے آ گیا تھا۔

”واپسی کب ہوگی؟“ فاروق نے پوچھا۔

”میں جلد ہی آجاؤں گی۔ ش...... شاید چھ یا سات بجیں گے۔ کوشش کر کے اور بھی جلدی ہو جائے گا۔“ سارہ نے جھجک کر کہا۔

”ہمم۔ تمہارے آنے کا وقت بھی تقریباً پانچ یا چھ ہی ہوتا ہے۔ ٹھیک ہے چلی جانا لیکن دیر نہیں ہونی چاہیے۔“ فاروق کا یہ کہنا تھا کہ سارہ خوشی سے پھولے نہیں سمائی۔ خود زینت کا چہرا بھی کھل رہا تھا۔

”شکریہ ماموں۔“ سارہ نے تیزی سے کہا اور مسکراتے ہوئے زینت کو دیکھا۔

اگلے دن وہ یونیورسٹی کے لیے ایک دم فریش اٹھی تھی۔ گھر کے ماحول میں مثبت تغیر نے پل بھر میں اس پر اچھا اثر کیا تھا۔ وہ بغیر تاخیر کیے تیار ہونے چلی گئی۔ نماز اور ناشتے سے فارغ ہو کر وہ سنگھار میز کے پاس کھڑی اب بالوں کو برش کر رہی تھی۔ چہرے پر ہلکا تبسم لیے اسے اپنا آپ بے حد خوبصورت لگ رہا تھا۔ بلاشبہ یہ اس کے ساتھ پہلی بار ہوا تھا۔ اس نے آدھے بالوں کو کیچر میں مقید کیے باقی بالوں کو بے نیازی سے پشت پر کھلا چھوڑ دیا۔ پھر اپنی پسندیدہ فریم کو دوپٹے کے پلو سے صاف کرتی ہوئی اسے پہن لیا۔ درحقیقت آج اس کی باطنی راحت اس کے چہرے کو چمکا رہی تھی۔ وہ شاداں و فرحاں محسوس کر رہی تھی۔

اچھی طبیعت لیے وہ سفر طے کرتی ہوئی یونیورسٹی پہنچی تو معلوم ہوا مرکزی گیٹ کو آج بند کیا

ہوا ہے لہٰذا تمام طلبا پچھلے گیٹ سے داخل ہو رہے تھے۔ وہ بھی سب کی تقلید میں چلتی چلی گئی اور پچھلے گیٹ سے داخل ہوگئی جو باسکٹ بال کورٹ میں کھلتا تھا۔ اس وقت یہاں لوگوں کے آنے جانے کے باعث بھیڑ تھی پھر باسکٹ بال کورٹ میں چار لڑکے زین، ارسلان، تیمور اور رافع کھیل رہے تھے۔ سارہ کے داخل ہونے پر زین کی جوں ہی نگاہ اس پر پڑی وہ یہ بھول گیا تھا کہ تیمور اس کی طرف گیند پھینک رہا ہے۔ دھیان ہٹنے پر جو گیند ہاتھ میں آنی تھی وہ اس کے سر پر جا لگی۔ جس سے وہ جھٹکے سے پیچھے ہٹا تھا۔

"زین! ٹھیک ہو؟ کہاں دھیان ہے؟"

تیمور اور ارسلان بھاگتے ہوئے اس کے پاس آئے۔ اسے اپنی حرکت پر حیرانی سی ہوئی پر اس سے پہلے سارہ سینئرز کے گیٹ سے اندر داخل ہوتی، اس نے سارہ کے پاس جانے کا ارادہ کر لیا۔

"یار! ایک منٹ۔" وہ سر سہلاتا ہوا دونوں کو بیک وقت کہتا بھاگتا ہوا گیا اور سارہ کو دور سے آواز لگا دی۔ سارہ آواز کے تعاقب میں پیچھے مڑی تھی۔

"السلام علیکم مسٹر زین! کیا بات ہے آج صبح صبح باسکٹ بال؟" اس نے کھلی ہوئی مسکراہٹ سے زین سے کہا اور اس کے چہرے پر شادابی زین کی آنکھوں نے نوٹ کی تھی۔

"وعلیکم السلام مس سارہ احمد! ہاں ارسلان نے آتے ہی چیلنج کیا اور میں نہ کیسے کہہ سکتا تھا۔" اس نے شانوں کو بے نیازی سے ہلایا اور اس کے چہرے پر غور کرتا ہوا یکلخت ہی تر و تازہ محسوس کرنے لگا۔ وہ ضرورت سے زیادہ جاذب نظر لگ رہی تھی۔

"کیا ہوا زین! آؤ نا یار۔ اوہ سارہ موجود ہیں۔" ارسلان بھی بھاگتا ہوا اب ان کے پاس آ گیا تھا۔

''السلام علیکم ارسلان! کیسے ہیں آپ؟'' غیر متوقع طور پر اس نے ارسلان سے بھی مسکرا کر کہا تھا۔

''وعلیکم السلام، کیا بات ہے آج تو سارہ اپنے نام کی طرح خوش لگ رہی ہے۔'' اس کے تاثر کو نوٹ کرتا ہوا ارسلان کہے بنا نہ رہ سکا۔

''ہاں آج میں بہت سارہ ہوں۔'' سارہ نے ہنس کر کہا تو ارسلان محظوظ ہوا پر ساتھ کھڑا زین دونوں کو الجھ کر دیکھنے لگا تھا۔

''یہ تم دونوں کیا کہے جا رہے ہو؟'' زین نے دونوں کو سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔

''بھئی کچھ راز ہیں جو ہم تجھے نہیں بتا سکتے۔ اس لیے دو فٹ دور ہی رہ تُو۔'' ارسلان نے کہا۔

''ہاں، اسے نہیں پتہ چلنا چاہیے۔'' سارہ نے بھی ارسلان کی سائڈ لے کر اسے مزید کشمکش میں مبتلا کر دیا۔

''بہت خوب! میری بلی اور مجھے ہی میاؤں۔'' زین نے گردن گھما کر سارہ کو لتاڑا۔

''تم نے مجھے بلی کہا؟'' سارہ نے فرضی غصے میں تنک کر پوچھا۔

''نہیں، اس نے مجھے میاؤں کہا! زین تو چل رہا ہے یا ہار سمجھوں تیری اب میں؟'' وقت دیکھتے ہوئے ارسلان نے اسے چلنے کے لیے کہا۔

''ہارے گا تُو! چیلنج ہے میرا۔'' زین نے پر جوشی سے کہا۔ ارسلان معنی خیزی سے اسے دیکھتا ہوا واپس کورٹ کی طرف بھاگا۔

''کیا کہا تمہارے ماموں نے؟'' وہ جاتے جاتے سارہ سے پوچھنے لگا تھا۔ جس کے بدلے میں سارہ کا تبسم مزید کھل اٹھا تھا۔

''ہاں کہہ دیا؟ میں نے کہا تھا نا بلاوجہ تم اتنا ڈر رہی تھیں۔'' زین نے کہا۔

”کتنے دن بعد میرے گھر میں نئی ہوا چلی ہے، میں بہت خوش ہوں۔“ سارہ نے اپنی کیفیت کا اظہار کیا۔

”وہ تو چہرا صاف بتا رہا ہے۔ ہمیشہ خوش رہا کرو تم۔ اچھا تم کلاس میں جا رہی ہو میری سیٹ رکھ دینا میں اسے ہرا کر آتا ہوں۔“ زین نے کہا۔

”ہاں ٹھیک ہے۔“ سارہ کلاس کی طرف چلی گئی اور زین کورٹ کی طرف۔

”ہیلو زین! کیسے ہو کہاں ہو تم؟“ بمشکل ابھی گیم شروع ہوا تھا کہ زین کے فون پر شازیہ کی کال آ گئی اور اس نے پھر گیم روک دیا۔

”میں تو باسکٹ بال کورٹ میں ہوں، تمہیں کوئی کام ہے؟ یہیں آ جاؤ ارسلان بھی ہے۔“ زین نے کہا۔

”ارے نہیں، میں نے ایسے ہی پوچھا کلاس میں نہیں جا رہے؟“ شازیہ نے پوچھا۔

”ابھی تو کافی وقت ہے شروع ہونے میں۔“ زین نے کہا۔

”ہاں صحیح کہہ رہے ہو، چلو میں رکھتی ہوں تم کھیلو۔ بائے۔“ آنکھوں میں آگ لیے اس نے فون بند کر کے واپس اپنے پرس میں ڈال دیا۔ وہ اکاؤنٹس کی کلاس جہاں اس وقت صرف سارہ ہی موجود تھی اندر داخل ہو گئی۔ دروازہ کھلتے ہی سارہ کی نگاہ اس پر پڑی تو پل بھر کے لیے ماتھے پر لکیریں آئیں پھر اس نے اپنا دھیان کتاب کی طرف مبذول کر لیا تھا۔ شازیہ ادا سے چلتی ہوئی اس کی طرف آئی پر سارہ نے واپس نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھا۔ اسے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ زین کے انتظار میں یہاں آ گئی تھی پر معاملہ بالکل الٹ تھا۔ شازیہ نے شعلہ بار آنکھوں سے اسے گھورا اور متوجہ کرانے کے لیے اس کی کتاب اس کے ہاتھ سے چھین لی۔ وہ اس ردعمل کے لیے بالکل تیار نہ تھی۔ جھٹکے سے شازیہ کی جانب اس جسارت کی وجہ پوچھنے کے

لیے جب دیکھا تو شر انگیز چہرا اسے چونکا گیا۔

''یہ کیا بدتمیزی ہے۔'' اس نے خود پر قابو پا کر شازیہ سے پوچھا جس کے سوال پر ہنسی کا جلترنگ خالی کلاس روم میں گونجا۔ سارہ اس کی حرکت سے حواس باختہ ہوتی اسے دیکھتی رہی۔

''بدتمیزی؟ ہاہاہا۔'' اس نے کتاب دوسری کرسی پر پٹخی اور سارہ کی میز پر دونوں ہتھیلیاں جما کر آگے کو جھکی۔ سنہرے بال دائیں بائیں چہرے پر لہراتے ہوئے آئے اور اس کی ہیزل آنکھوں میں رعونت ٹپک رہی تھی۔ سارہ یک ٹک اسے دیکھ رہی تھی۔

''جو تم میرے ساتھ کر رہی ہو۔ اس کے آگے تو یہ کچھ بھی نہیں ہے۔'' اس نے سارہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

''ایسا کیا کیا ہے میں نے؟'' اس نے بمشکل خود کو قابو کرتے ہوئے کہا پر وہ ہر لحاظ سے اس سے دب رہی تھی اور شازیہ اس پر غالب ہوتی جا رہی تھی۔

''اتنی بھولی مت بنو۔'' وہ تکبر سے سیدھی کھڑی ہوئی اور ہاتھ باندھ کر اسے دیکھنے لگی۔

''تم نے چالاکی سے زین کے ساتھ ایک کورس لیا۔ تمہیں معلوم تھا وہ کس پروفیسر سے پڑھے گا۔ پھر اس کے فارغ سیشن میں تم نے اپنا سیشن بھی فارغ کر لیا تاکہ تم کوئی بھی دن اس کے بغیر نہ گزارو۔ تم قدم قدم چلتی ہوئی اس کے قریب ہوتی جا رہی ہو تاکہ اس کی زندگی میں مکمل طور پر داخل ہو جاؤ اور میری جگہ لے لو۔ پر تمہیں ایک بات بتاؤں۔ تمہارا اور میرا کوئی مقابلہ نہیں سارہ۔ تم جو کچھ بھی کر رہی وہ صرف وقت کی بربادی ہے۔ تم کیا سمجھتی ہو ارم آنٹی تمہیں قبول کریں گی؟'' اس نے تضحیک آمیز انداز میں اسے سرتاپیر دیکھا۔ اس کی تمسخر اڑاتی نگاہیں سارہ کو اہانت کے سمندر میں غوطہ زن کروا رہی تھیں۔

''تمہیں معلوم بھی ہے ہائی سوسائٹی میں اٹھنے بیٹھنے کا ڈھنگ؟ یہ تمہارے گھسے پٹے

کپڑے۔" اس نے ہاتھ بڑھا کر سارہ کے دوپٹے کو ہاتھ لگایا جو خود میں سمٹی تھی۔ چمکتا چہرا زرد پڑتا جا رہا تھا۔

"تمہیں معلوم ہے ہم ہر مہینے کی پہلی تاریخ کو ضرورت مندوں کو بلا کر اس سے بہتر کپڑے خیرات کرتے ہیں۔" اس کا انداز سارہ کی حالت متزلزل کر رہا تھا۔

"اپنی لمٹ کراس مت کرو شازیہ! میں اگر کچھ نہیں کہہ رہی اس کا مطلب یہ نہیں کہ تم بے دریغ بولتی چلی جاؤ۔" سارہ نے وحشت میں اپنی لرزتی حالت کو قابو کرنے کی کوشش کی۔

"لمٹ میں نہیں، تم کراس کر رہی ہو۔ میں تمہارا ارادہ جان چکی ہوں سارہ! تم جیسی چھوٹے علاقے کی رہنے والی پہلے تو اپنی اوقات سے بھی بڑھ کر ایسی یونیورسٹی میں آتی ہو اور پھر امیر لڑکوں کو اپنی معصومیت کا ڈھونگ رچا کر پھنسانے لگتی ہو۔" شازیہ کا زہر خند لہجہ اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ کر گیا تھا۔ وہ حیرت سے گنگ آنکھیں وا کیے ہوئے اسے دیکھ رہی تھی جو نخوت سے کھڑی ہر زاویے سے اسے مار رہی تھی۔

"شازیہ! تم مجھ پر جھوٹا الزام لگا رہی ہو، میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے، تم دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہو، میں کہاں سے بیچ میں آؤں گی؟" اس نے بمشکل بےبسی کی حالت میں جرح کی۔

"تم آ بھی نہیں سکتیں، میں زین سے جس قدر محبت کرتی ہوں تم اس کے حوالے سے سوچ بھی نہیں سکتیں اور تم جتنی بھی کوشش کر لو لیکن زین میرے پاس ہی آئے گا۔ وہ تم پر ترس کھاتا ہے، اس کا وقت ہی ضائع ہوتا ہے تمہارے ساتھ، کیا دے سکو گی تم اس کو؟ اپنی مسکین سی شکل کے علاوہ؟" شازیہ کی اونچی ہوتی آواز سے اس کا دل بیٹھتا جا رہا تھا۔

"شازیہ! بس کر دو۔ میں کچھ بول نہیں رہی ہوں اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تم کہے جاؤ

اور فائدہ اٹھاؤ۔'' وہ متورم آنکھیں لیے جیسے تیسے مقابلہ کر رہی تھی پر ہر انداز سے مرعوب ہو رہی تھی۔

''فائدہ تو تم نے اٹھایا ہے میرے چپ رہنے کا۔ تم جتنی کوشش کرلو پر میری جگہ نہیں لے سکتیں۔'' وہ چلا اٹھی تو سارہ کی آنکھیں ڈبڈبانے لگیں۔

''میں بیچ میں کیوں آؤں گی؟ میں نے کبھی بھی ایسا سوچا ہی نہیں ہے۔ صرف ایک دوست کی حیثیت سے دیکھا ہے اسے۔ میں ایسا کر ہی نہیں سکتی ہوں۔'' سارہ چیخ چیخ کر اپنی گواہی دینا چاہتی تھی اس تہمت کی جو اس پر لگائی جا رہی تھی۔

''کرنا بھی یہی۔ کیونکہ تمہاری اس کے علاوہ کوئی اوقات نہیں سارہ۔ نچلے طبقے سے تعلق رکھنے والے جتنے سرخاب کے پَر لگالیں ہوتے نیچ ہی ہیں۔ ہائی سوسائٹی ان کا خواب ہی رہتی ہے۔'' اس نے کوئی گنجائش نہیں چھوڑی تھی۔ سارہ کو ہر طرح سے ذلت و رسوائی میں مبتلا کیا تھا جس کی وہ حقدار بھی نہ تھی۔ سارہ کی حالت ابتر ہوتی جا رہی تھی۔ عیارسی مسکراہٹ لیے وہ پیچھے ہٹی اور قدم بڑھاتی ہوئی جاتی رہی۔

''مجھے اپنی حد معلوم ہے شازیہ! لیکن میں تمہیں صرف ایک مشورہ دوں گی، ایک بار اپنی دوست سے پوچھنا ضرور جو تمہارے زین کے خلاف غلط باتیں کرتی پھر رہی ہے۔'' سارہ نے خود پر ضبط کیے زبان سے الفاظ ادا کیے پر شازیہ نے بدلے میں کچھ نہ کہا۔ ایک پل رکی اور کلاس سے نکلتی چلی گئی۔ اس نے آنکھیں بھینچیں تو کتنے موتی بکھرتے ہوئے نیچے گرتے چلے گئے۔ اس کی حالت ناساز تھی۔ بمشکل کرسی سے اٹھتی ہوئی اس نے کلاس سے فرار ہونا بہتر سمجھا اس سے پہلے کوئی اور داخل ہوتا۔ واش روم میں پہنچتے کے ساتھ ہی اس نے بیسن میں سر جھکا لیا اور تیز نل کھول دیا۔ چشمہ ایک طرف کر کے اس نے زور زور سے پانی منہ پر مارنا شروع کر

دیا۔ وہ آنسو کو روکنا چاہتی تھی پر ناکام ہوتی جا رہی تھی۔ متواتر گرتے آنسو اس کی بس سے باہر تھے۔ اس نے اپنا عکس شیشے میں دیکھا تو گلے میں ہچکی بندھ گئی۔ میسج کی ٹون بجنے پر اس نے موبائل کی اسکرین دیکھی جس میں زین کا میسج اسے موصول ہوا تھا۔ وہ اس سے کلاس میں نہ ہونے کی وجہ پوچھ رہا تھا جس پر اس نے طبیعت کا عذر بتا دیا۔ سارہ جس کے نام کے معنی خوشی کے تھے اسے خوشیاں کبھی راس ہی نہ ہوئی تھیں۔

''بتا کر آ گئی ہوں اسے اس کی اوقات۔'' شازیہ نے انوشہ سے آتے کے ساتھ کہا۔

''شاباش۔ صحیح کیا بالکل۔'' انوشہ نے کروفر سے اسے دیکھا۔

''تم نے اسے کچھ کہا تھا زین کے حوالے سے؟'' اس نے سارہ کو تو نظر انداز کیا تھا پر اس کی بات بخوبی سنی تھی اسی لیے انوشہ سے پوچھا۔

''نہیں۔ میری تو اس سے کوئی بات ہی نہیں ہوئی۔'' انوشہ نے مہارت سے جھوٹ بولا۔

''کیسی جھوٹی ہے، مجھے میری دوستوں کے خلاف کر رہی ہے۔''

☆......☆......☆

نومبر کے مہینے کا آغاز تھا۔ صبح و شام مدھم خنکی کی نذر ہوتے جبکہ دوپہر کو شفق اپنی آب و تاب سے سردی کا اثر زائل کرتی ہوئی نظر آتی تھی۔ پر چونکہ یہ وسیع و عریض یونیورسٹی ایک کھلے خطے میں تعمیر تھی لہٰذا ہوا کا جوش اپنی سکت پر اتراتا ہوا اس موسم میں بخوبی دکھائی دیتا اور سورج کی کوشش کو کچھ حد تک ناکام بنا دیتا۔ پر یونیورسٹی میں اس دوران وسط مدتی امتحان کی فضا نے ہر شخص کا دھیان موسم سے ہٹا کر ٹینشن میں مبتلا کر دیا تھا۔ ہر سو نظر دوڑانے پر طلباء کتابوں میں یا تو غرق ہوتے نظر آتے یا جو امتحان دے کر نکل رہے ہوتے وہ سوال کے صحیح غلط ہونے پر آپس میں بحث مباحثوں میں الجھے نظر آتے تو کچھ چہروں پر تناؤ لیے ایگزام بلڈنگ میں پیپر

دینے کے لیے جا رہے ہوتے۔ منتخب کردہ پیپر مختلف اوقات پر ہوتا۔ جیسے مضمون پروڈکشن چار پیریڈز میں سے تیسرے میں ہوا کرتا تھا تو سارہ کا پروڈکشن کا پیپر بھی تیسرے پیریڈ کے اوقات پر ہی ہوتا۔ اس طرح صبح سے شام تک ایگزام بلڈنگ میں طلبا کا آنا جانا دکھائی دیتا اور یوں کل ملا کر چار مہینے کے سمیسٹر میں تین بار ایگزام بلڈنگ طلبا کو فیض یاب کرتی تھی ورنہ یہاں کوئی طالب علم عام دنوں میں دکھائی نہیں دیتا تھا۔ پورا ہفتہ اسی مصروفیت میں گزر رہا تھا۔ سارہ کے چھے میں سے چار پیپر ہو گئے تھے اور اب دو ہی باقی تھے جو ایک دن کے گیپ کے بعد سے دو دن تک لگا تار تھے۔

وہ اور زنیرہ ایگزام ہال سے پیپر دے کر نکل رہی تھیں۔ زنیرہ ایک دوست کے ساتھ پرچے سے متعلق سوالات پر بحث کرتی ہوئی آ رہی تھی جبکہ سارہ اس کے انتظار میں ایک طرف کھڑی تھی۔ دونوں کے مضمون مختلف تھے پر پیپر کے اوقات ایک ہونے کے باعث دونوں نے فارغ ہو کر ملنے کا سوچا تھا۔ زنیرہ نے سارہ کی طرف دیکھا تو اسے ہاتھ ہلا دیا اور اپنی دوست کو خیر باد کہتی ہوئی وہ سارہ کے ساتھ ہو لی۔ دونوں طلبا کے ہجوم میں جیسے تیسے بلڈنگ کے خارجی دروازے سے نکلی تھیں جبکہ داخلی دروازے پر اگلے امتحان کے لیے طلبا قطار بنائے نظر آ رہے تھے۔ مختلف باتیں کرتی ہوئی انہوں نے اپنا رخ آئی ٹی بلڈنگ سے ملحقہ باغیچے کی طرف کیا اور اخضری گھانس پر جا بیٹھیں۔ یہاں بھی اطراف میں کئی لوگ موجود تھے۔ کچھ پیپر دے کر انہی کی طرح سکون کا سانس لے رہے تھے تو کچھ کتابوں میں منہ دیئے پڑھ رہے تھے۔ وہ بھی چوکڑی مار کر بیگ ایک طرف رکھ کر اطمینان کا سانس لے رہی تھی اور زنیرہ کے ساتھ باتوں میں مشغول تھی۔

''میرا تو کل بھی پیپر ہے تمہارے مزے ہیں کل چھٹی ہے تمہاری۔'' زنیرہ نے بسورتی

شکل بنا کر کہا تھا۔

''ہاں تو میری چھٹی کے بعد لگا تار دو پیپر ہیں اور اس میں بھی آخری مینجمنٹ اکاؤنٹنگ جس میں کوئی گیپ ہی نہیں دیا ہے۔'' سارہ نے تنگ کر کہا۔

''یار! میں اگلے سیمسٹر لوں گی یہ سبجیکٹ، پلیز سارہ، تم کو پڑھانا ہوگا، ورنہ میں تو واقعی فیل ہو جاؤں گی۔'' زنیرہ کو تو اس کے نام سے بھی ڈر محسوس ہوتا تھا۔

''ہاں ہاں میں ضرور پڑھا دوں گی تم بالکل بے فکر رہو۔'' سارہ نے اسے تسلی دی تو اس نے طمانیت سے سانس خارج کیا۔

''زین نہیں نظر آیا اتنے دن سے؟'' اچانک یاد آنے پر زنیرہ نے اطراف کا جائزہ لیتے ہوئے سارہ سے پوچھا۔ وہ جو کتنے دن سے شازیہ کے ساتھ ہوا ہیبت ناک سامنہ اب تک نہیں بھولی تھی زین کا نام سنتے کے ساتھ ہی دل خوف سے دھڑک اٹھا۔

''ہ...... ہاں اس کے تین ہی تو سبجیکٹس ہیں، کیا ٹینشن۔ آرام سے دے رہا ہوگا پیپرز۔'' شازیہ کی ہر بات از بر تھی۔ اس نے خود کو کمپوز کیا اور دل ہی دل میں دعا گو تھی کہ کم از کم امتحان کے دنوں میں زین سے مڈبھیڑ نہ ہو جائے۔ پر اس کی دعائیں قبول کب ہوتی تھیں؟

''لو جناب کا نام لیا اور وہ حاضر۔'' زنیرہ نے سارہ کی پشت سے ارسلان، زین اور بلال کو جب آتا دیکھا تو سارہ کے گوش گزار کیا جو سنتے کے ساتھ ہی سراسیمہ سی لب کاٹتی رہ گئی۔ اس نے وحشت سے اِدھر اُدھر دیکھا تھا۔ وہ ڈر رہی تھی کہ شازیہ تو نہیں دیکھ رہی تھی۔ اس نے اپنی طرف سے پوری کوشش کی تھی کہ کسی طرح بھی زین سے رابطہ کم سے کم رکھے گی۔ مکمل طور پر ختم کرنا اس کے بس میں نہیں تھا۔ وہ زین کے ردعمل سے خوف کھا رہی تھی لیکن شازیہ کی تادیبی نگاہ اسے شدید کشمکش میں مبتلا کر رہی تھی۔ وہ کچھ نہ کر کے بھی برے طریقے سے پھنس گئی

تھی۔اور اسے پھنسانے میں جس کا ہاتھ تھا وہ اپنی قدم بہ قدم کامیابی پر خوشیاں منا رہی تھی۔

تینوں نفوس ان کی جانب بڑھ رہے تھے۔ارسلان اور زین تو ان کے ساتھ ہی گھانس پر بیٹھ گئے تھے جبکہ بلال نے زنیرہ کو کیفے چلنے کا اشارہ دیا تو وہ سارہ کو اللہ حافظ کہتی ہوئی اٹھ گئی تھی۔

''پیپر ہے ابھی تم دونوں کا؟'' سارہ نے دونوں سے پوچھا۔

''ہاں! بس ابھی تھوڑی دیر میں جائیں گے ایگزیم ہال۔'' ارسلان نے کہا۔وہ مستقل کتاب سے پڑھے جارہا تھا۔

''کون سا ہے۔کافی پریشان لگ رہے ہو تم؟'' سارہ نے ارسلان سے پوچھا۔

''ٹیکسیشن۔بہت مشکل ہے۔'' ارسلان کے کہنے پر سارہ نے بھی بھنویں چڑھائیں۔

''اوہ،اور تمہیں تو آسان لگتا ہوگا نا؟'' اس نے بمشکل زین کو مخاطب کیا تھا۔

''ہم۔نہیں ایسی بات نہیں ہے،دراصل میں پیپر سے پہلے نہیں پڑھتا اس لیے،ورنہ کافی مشکل ہے امتحان۔'' زین نے رسان سے کہا اور سارہ کا دل بیٹھنے لگا۔

''یار! اویس آگیا ہے اس سے کیلکولیٹر لینے جارہا ہوں میں،ٹھیک ہے۔'' ارسلان نے موبائل پر دیکھتے ہوئے کہا اور تیزی سے کیفے کی طرف جانے لگا۔

''ٹھیک ہے میں بھی بس آرہا ہوں سیٹ رکھنا۔'' زین نے کہا اور موبائل جیب میں رکھ دیا۔یہ دیکھتے کے ساتھ ہی سارہ کی گلٹی ابھر گئی۔جب تک ارسلان تھا اسے مسئلہ نہیں تھا پر اب وہ زین کے ساتھ تنہا تھی۔

''تم بھی چلے جاؤ نا اس کے ساتھ۔پیپر شروع ہونے میں فقط دس منٹ ہیں۔'' سارہ نے جھجک کر پر عام سے انداز میں کہا۔وہ کسی صورت بھی زین کو مشتبہ نہیں کرنا چاہتی تھی۔

''کیوں،تمہیں میرا یہاں بیٹھنا اچھا نہیں لگ رہا؟'' زین نے مسکرا کر اسے نظروں سے

گھیرا تو وہ ٹھٹک کر اسے دیکھنے لگی۔

''کیا میرا چہرا اسے یہ بھی بتا رہا ہے؟'' سارہ نے سوچا۔

''ن...... نہیں ایسی بات نہیں ہے۔ میں تو بس یوں ہی۔'' سارہ کہہ کر خاموش ہوگئی۔

''تم گھر جاؤ گی اب؟'' زین نے سارہ سے پوچھا۔

''ہاں۔ تھوڑی دیر بیٹھوں گی پھر جاؤں گی، تمہارا اگلا پیپر کب ہے؟'' سارہ نے پوچھا۔

''پرسوں صبح ہے، لیکن میں روز ہی آ رہا ہوں بس سوسائٹی روم میں ہوتا ہوں۔ ایونٹ میں وقت کم ہے یار، اس بہانے کام کر لیتا ہوں۔'' زین نے اس کے علم میں اضافہ کیا تو اسے مزید شاک لگا پھر شکر کرتی ہوئی اس نے خود کو نارمل کرنا چاہا۔ اگر وہ روز آ رہا ہے تو اس سے مڈبھیڑ ہو جاتی پھر معاملہ مزید سنگین ہو جاتا۔

''اوہ اچھا۔ میرا بھی پرسوں ہی ہے، اتھکس۔'' سارہ نے کہا۔

''اوہ وہ تو آسان ہے۔'' زین نے کہا۔

''ہاں آسان تو ہے پر بہت لمبا ہے، کتنا لکھنا پڑتا ہے۔'' سارہ سوچ کر ابھی سے تھکاوٹ محسوس کر رہی تھی۔

''ہاں یہ تو ہے پر مزے کی بات ہے کام کچھ نہیں آئے گا آگے بھی۔ خیر تمہیں یاد ہے نا کہ ہماری کیا ڈیل ہوئی تھی؟'' زین نے پوچھا۔

''کون سی ڈیل؟'' وہ الجھن کا شکار ہوئی۔

''بھول گئیں؟ مینجمنٹ اکاؤنٹنگ کے پیپر سے ایک دن پہلے تم مجھے پڑھاؤ گی۔ یاد آیا؟'' زین کے بتانے پر اس کے تو حواس ہی مختل ہونے لگے تھے۔

''اوہ ہاں! میں تو واقعی بھول گئی تھی۔'' سارہ نے مخمصے سے زین کو دیکھا جس کی آنکھوں

نے سارہ کا بدلتا تاثر نوٹ کیا تھا۔ وہ یکلخت ہی پریشان ہونے لگی تھی۔

"لگتا ہے محترمہ عذر سوچ رہی ہیں۔ اگر تم نہیں کرنا چاہتیں تو زبردستی نہیں ہے۔ میں تو بس ایسے ہی گروپ سٹڈی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔" زین کا لہجہ یکا یک نالاں ہوا تھا۔

"نہیں۔ مطلب ہاں۔ ٹھیک ہے۔ ایک دن پہلے دونوں ساتھ پڑھلیں گے۔ تمہیں زبان دی تھی۔ سارہ جان سے جائے لیکن زبان سے نہ جائے اور ویسے بھی کئی احسان چکانے تھے۔ ان میں سے یہ بھی تھا۔" اس نے خود کو سرزنش کرتے کے ساتھ ہی چہرا واپس نارمل کیا اور زین سے عام انداز سے کہا تاکہ اسے کسی قسم کا بھی شک محسوس نہ ہو۔ اس شخص کے ساتھ اسے قدم قدم پھونک کر چلنا پڑتا تھا۔ نہ جانے کیسے وہ اس کے بارے میں درست اندازے لگا لیا کرتا تھا۔

"ٹھیک ہے تو پھر یہ فیصلہ ہو گیا، میں تمہارا انتظار کروں گا، چلو میں جا رہا ہوں دعا کرنا۔ اللہ حافظ۔" وہ یکلخت ہی تشکر لہجے میں کہتا ہوا مسکرا اٹھا۔

"انشاءاللہ، اچھا ہو گا۔ اللہ حافظ۔" سارہ زین کو جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔

"سمجھ نہیں آتا کیا کروں۔ کچھ بھی کرنے جاتی ہوں تو یہ افسردہ ہو جاتا ہے۔ معاملے کی اس قدر سنگینی میں اگر مجھے دوستی توڑنی پڑ جائے تو یہ قربانی دے دوں گی پر......" صرف سوچ کر ہی آنکھیں اشک بار ہونے لگی تھیں۔ وہ زنیرہ اور زین سے قطع تعلق ہونا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی لیکن شازیہ سے ملنے والی بے توقیر اب اس کا جینا محال کر رہی تھی۔ آخر کو وہ بھی انسان تھی۔ برداشت کی حد اس میں بھی تھی۔ کبھی کبھی انسان کو ایسے فیصلے لینے پڑ جاتے ہیں جس میں نہ چاہتے ہوئے بھی قربانیاں دینی پڑتی ہیں۔ اس کا دل ڈوب کر ابھرا تھا۔ زندگی اس کی سکت سے بڑھ کر تقاضا کر رہی تھی۔

☆......☆......☆

''یا اللہ! سارہ، سارہ۔'' وہ زینت کی آواز پر ہڑبڑا کر اٹھی تھی۔

''ہ...... ہاں! جی مامی؟'' گہری نیند کا زور بے دردی سے توڑا گیا تھا۔ وہ جو خود کو آسیب کے سائے میں محسوس کرتی ہوئی جان چھڑانے کی کوشش میں ناکام تھی آج زینت کے اچانک اٹھانے سے جھٹکے سے آنکھیں کھولی تھیں پر ظاہر کو سمجھنے میں ناکام ہو رہی تھی۔

''بیٹا! تمہارا تو آج امتحان ہے نا؟'' زینت نے سارہ کو جگا کر پوچھا۔ سارہ کے سر میں ٹیس اٹھتی ہوئی محسوس ہوئی جسے اس نے ہاتھ سے دبایا تھا۔

''ہ...... ہاں، کیا وقت ہوگیا ہے؟'' اس نے کراہ کی آواز کے ساتھ زینت سے پوچھا۔ دماغ ابھی بھی حاضر نہیں تھا۔

''بیٹا! ساڑھے سات بج چکے ہیں، آدھی رات سے لائٹ گئی ہوئی ہے تو میرا فون بھی چارج نہیں ہوا۔'' زینت کا بس یہ کہنا تھا اور سارہ نے حواس باختہ ہو کر اپنا فون اٹھایا تو وہ بھی بند تھا۔

''یا اللہ! میرا تو اتھکس کا پیپر ہے نو بجے۔'' اچانک سب کچھ واضح ہونے لگا تھا۔ لائٹ رات سے نہیں تھی جس کی وجہ سے سارہ کا اپنا فون بھی بند پڑا تھا۔ وہ ایک جست میں بستر سے اٹھی۔ دماغ منتشر ہوتا دکھائی دے رہا تھا۔ کیا کرے کیا چھوڑے۔

''بیٹا! تم فوراً جاؤ فریش ہو میں تمہارا ناشتہ بناتی ہوں۔'' زینت نے اسے تحمل سے کہا تاکہ وہ کچھ ریلیکس ہو جائے۔

''نہیں، ناشتے کا وقت نہیں میں بس تیار ہو کر نکلتی ہوں۔'' اس نے کہا اور پلٹ کر باتھ روم چلی گئی۔ دس منٹ میں اس نے چھٹے گیئر کی سپیڈ سے خود کو تیار کیا تھا جیسے تیسے سنگھار میز سے کلپ اٹھا کر گھنیرے بال قید کیے تھے اور مرکزی دروازے پر پہنچ کر تیزی سے چپل پہننے لگی تھی۔

’’سارہ! رکشہ لے لینا ورنہ نہیں پہنچ پاؤ گی۔‘‘ زینت کچن سے نکلتی ہوئی اس تک آئیں جو ہڑبڑاہٹ میں چپل میں پیر گھسا رہی تھی۔ ناشتہ نہیں کیا تھا لہٰذا زینت نے اسے روٹی گرم کر کے رول بنا دیا تھا تاکہ وہ راستے میں کھا لے اور بھوکی کم از کم نہ جائے۔ اس کے سر درد کا اندازہ انہیں بخوبی تھا۔

’’جی مامی، میں دیکھ لوں گی۔ اللہ حافظ۔‘‘ سارہ تیزی سے گھر سے نکل گئی۔ اس نے زینت کی نصیحت کو اپنایا۔ اس وقت اگر وہ بس پکڑ کر جاتی تو پیپر ہی ختم ہو جاتا۔ صد شکر کرائے کے پیسے موجود تھے۔ اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ اور فوراً ایک رکشہ روک کر اس میں بیٹھ گئی۔

’’یا اللہ! وقت پر پہنچا دے۔‘‘ وہ دل سے دعا گو ہوئی تھی اور پیپر سے دس منٹ پہلے یونیورسٹی پہنچ گئی تھی۔ لیٹ ہونے کے خوف سے ہاتھ پیر ایک دم ٹھنڈے پڑ گئے تھے اور اچانک نیند سے اٹھنے پر اس کے سر میں ہلکا ہلکا درد شروع ہو رہا تھا پر فی الحال اس درد کو بھی نظر انداز کیا تھا۔ ٹینشن تھی تو صرف امتحان کی۔ وہ بھاگتی ہوئی ایگزیم بلڈنگ کی طرف گئی جہاں سب طلبا اندر جا رہے تھے۔ ہال تک پہنچتے پہنچتے پیپر شروع ہو گیا تھا۔

آج تو ٹھیک ٹھاک اس کی حالت خراب ہوئی تھی۔ ایک تو اچانک اٹھنے سے طبیعت پر اثر پڑا تھا پھر جیسے تیسے یونیورسٹی پہنچی اور اب انتہا سے زیادہ طویل پیپر۔ لکھ لکھ کے ہاتھ تھک گئے لیکن مجال ہو جو یہ پیپر ختم ہوا ہو۔ بالکل آخری منٹ پر اس کا سوال مکمل ہوا تھا۔ صحیح سے چیک کرنے کا وقت بھی نہیں تھا اور سر نے آتے کے ساتھ ہی پیپر لے لیا تھا۔ پر وہ مطمئن تھی کہ اس نے ہر سوال کا جواب دے دیا تھا۔ سکون کا سانس لیتی ہوئی وہ ایگزیم بلڈنگ سے نکلی تھی۔ پر حالت ناساز تھی۔ موبائل تو چارج ہی نہیں تھا پر قبل شب زنیرہ سے اس کا میسج پر رابطہ ہوا تھا۔ اس نے پیپر مکمل ہونے کے بعد کیفے میں ملنے کا پلان بنایا تھا۔ لہٰذا وہ سیدھی وہیں چلی گئی تھی۔

داخل ہوتے کے ساتھ ہی زنیرہ اسے دیوار سے لگی میز کے ساتھ صوفے نما بینچ پر بیٹھی ہوئی ملی۔ اس کا ایک گھنٹے بعد پیپر تھا لہٰذا وہ نوٹس پڑھتی ہوئی مصروف سی لگ رہی تھی۔ سارہ تھکی تھکی چال چلتی ہوئی اس تک آئی اور مقابل بینچ میں جا گھسی۔ بیگ کو دوسری طرف رکھ کر اس نے چشمہ اتار کر میز پر رکھا اور ماتھے کو ہتھیلی سے سہارا دے دیا۔

"السلام علیکم سارہ! کیا ہوا؟ پیپر اچھا نہیں ہوا؟" اس کی ابتر ہوتی طبیعت کو مدنظر رکھتے ہوئے زنیرہ نے فکرمندی سے اسے دیکھ کر پوچھا۔

"اچھا ہوا ہے، لیکن بہت لمبا تھا۔ میں نے اپنے انٹر کے اردو یا پاکستان سٹڈیز کے پیپر میں بھی اتنا نہیں لکھا ہوگا جتنا اس میں لکھ کر آئی ہوں۔" سر تو درد کر رہا تھا انگلیاں بھی تکلیف دینے لگی تھیں۔

"ہاں واقعی میرے سر نے بھی بہت لمبا پیپر بنایا تھا اس کا۔" زنیرہ نے کہا۔

"ہمم......اور اوپر سے آج میں لیٹ بھی ہوگئی، کیسے آئی ہوں میں ہی جانتی ہوں۔ چائے بھی نہیں پی۔ اب سر میں درد ہو رہا ہے۔" اس کی تھکن زدہ آواز سے زنیرہ اخذ کر سکتی تھی کہ سر میں درد کافی تھا۔

"سر میں درد؟ ناشتہ صبح سے کرنا چاہیے تھا نا، بلکہ رکو میں تمہارے لئے کچھ کھانے کو لاتی ہوں۔" زنیرہ اٹھنے والی تھی کہ سارہ نے روک دیا۔

"ارے نہیں، تم اپنا پڑھ لو پیپر ہے تمہارا۔ میں لے لیتی ہوں اپنے لئے۔" سارہ نے اسے روکنا چاہا۔

"نہیں نہیں، مجھے بھی چائے پینی ہے تمہارے لئے چائے اور رول لے لوں؟" زنیرہ نے پوچھا۔

"ہاں یار پلیز۔" وہ جانتی تھی کہ اگر درد کی ٹیس نے شدت پکڑ لی تو برداشت کرنا محال ہو جائے گا۔ تھوڑی دیر ہوئی تھی کہ وہ دو رول اور چائے کے دو کپ لے آئی تھی۔ گرم گرم رول سارہ نے کھول کر آہستہ آہستہ کھانا شروع کیا۔ آج تاخیر کے باعث لنچ بھی نہ لا سکی تھی۔ کچھ لقمے لے کر اس نے بیگ سے ٹیبلٹ نکالی اور پانی سے اتار لی۔

"تمہیں پہلے بھی کہا تھا میں نے، اس کا علاج کرواؤ۔ اس طرح درد ہونا ٹھیک نہیں ہے۔ میری کزن کو بھی ایسا ہی درد تھا۔ معلوم ہے کتنا طویل علاج چلا تھا اس کا پھر جا کر ٹھیک ہوا۔ اب بالکل فٹ ہے۔ بلکہ میں اس معالج کا نمبر لے کر دوں گی تمہیں۔" زنیرہ بھی دو سال میں سارہ کی تکلیف سے واقف ہو ہی گئی تھی۔ اور اکثر اسے علاج پر اکسایا کرتی تھی پر اسے اس کی مالی حقیقت کا اندازہ نہیں تھا۔

"لے تو لی دوائی۔ ہو جائے گا ٹھیک۔" اس نے درد کی شدت کو برداشت کرتے ہوئے زنیرہ سے کہا اور کپ اٹھا کر گرم گرم چائے کا گھونٹ بھرا۔ اندر تک اترتی چائے نومبر کی مدھر خنکی میں سکون بخش رہی تھی۔ اس نے دو تین گھونٹ ہی پیے تھے پھر طبیعت مزید اجازت نہیں دے رہی تھی اس لیے ایک طرف کپ رکھ کر سر کو میز پر ڈال دیا۔

"حد ہے سارہ تمہاری۔ کس قدر تکلیف برداشت کرتی ہو پر مجال ہے جو میری بات سنو۔" وہ مزید ملامت کرتی کہ اس کے فون پر میسج موصول ہوا۔

"یار! زین کا میسج آیا ہے میرے پاس، تمہارا پوچھ رہا ہے، میں نے کہہ دیا ہے ہم کیفے میں ہیں، تم اس کا فون کیوں نہیں اٹھا رہیں؟" زنیرہ نے سارہ سے پوچھا جو بوجھل آنکھیں لیے اس کی بات سن رہی تھی پر سر ہنوز میز پر تھا جس کے نیچے اس نے اب اپنا دائیاں بازو رکھ دیا تھا۔

"میرا فون بند ہے۔ رات کو لائٹ نہیں تھی تو چارج ہی نہیں ہوا اور جو تھوڑا بہت چارج تھا

وہ بھی ختم ہو گیا تھا۔ یہ تو تم سے پہلے بات ہو گئی تھی تو میں یہاں آ گئی ورنہ تمہیں بھی میں نہیں ڈھونڈ پاتی۔'' اس نے نحیف آواز میں وجہ بتائی۔

''اوہ۔ ایسا نہ کرو، اگر مجھے تم سے کچھ ضروری بات کرنی ہو تو کیسے کروں کوئی اور نمبر ہے؟'' زنیرہ نے پوچھا۔

''ایسی بھی کیا ضروری بات ہے۔ اچھا چلو میں تمہیں ایک نمبر اور دے رہی ہوں اگر میں نہ اٹھاؤں تو اس پر کر لینا۔'' سارہ نمبر بولتی گئی اور زنیرہ نے سیو کر لیا۔

''یہ تمہاری امی کا نمبر ہے؟'' زنیرہ نے پوچھا۔

''کچھ ایسا ہی سمجھو۔'' اس نے ٹال دیا اور آنکھیں مکمل بند کر لیں۔ زنیرہ کو اس پر بے حد ترس آیا۔ اس نے سارہ کے کلپ جس میں اس کے بال بندھے ہوئے تھے ڈھیلا کر دیا اور انگلیوں سے اس کا سر سہلاتے ہوئے پڑھنے لگی تھی۔

''بال کیوں کھول دیئے میرے؟'' اس نے چڑتے ہوئے کہا۔

''کھولے نہیں ہیں پونی کو ڈھیلا کیا ہے۔ کس قدر ٹائٹ باندھے تھے تم نے۔ جب میری امی کو سر درد ہوتا ہے تو میں ان کے ساتھ بھی ایسا ہی کرتی ہوں۔ انہیں سکون ملتا ہے تمہیں مل رہا ہے؟'' اس نے متجسس ہو کر پوچھا تو سارہ نے سر کو جنبش دی جس پر زنیرہ مدھری مسکرا گئی اور نوٹس پڑھنے لگی۔

''تمہارے بال بہت خوبصورت ہیں سارہ۔'' وہ کبھی بھی تعریف کرنے سے نہیں کتراتی تھی۔ اور آج سارہ کے بالوں کو بغور دیکھ کر لگے ہاتھوں اسے بتانے لگی تھی۔ کیفے میں جلتی زرد روشنیوں نے اس کے گہرے بھورے بالوں کی چمک میں اضافہ کر دیا تھا۔ پھر گھنیرے بال کلپ ڈھیلا کرنے کی وجہ سے پشت پر کافی حد تک آزاد ہو گئے تھے۔ زنیرہ نے ستائشی نگاہ

سے اسے دیکھا تھا۔

''اس میں ایسا کیا ہے؟ سب کے ہی بال ہوتے ہیں ایسے۔'' اس نے زنیرہ کی بات کو زیادہ اہمیت نہ دی تھی۔

''واقعی سچ کہتے ہیں، انسان کسی حال میں خوش نہیں، تمہیں معلوم ہے لوگ ترستے ہیں اتنے گھنے بالوں کے لئے۔'' سارہ نے کہا تو زنیرہ نے اسے ڈپٹا۔

''اچھا؟ پھر ایسا ہی ہوگا۔''

''میں کچھ دیر بعد چلی جاؤں گی، کچھ دوستیں ہیں ان سے پیپر کے حوالے سے پوچھنا ہے، ٹھیک ہے نا؟'' زنیرہ نے اس کی حالت دیکھ کر پوچھا۔

''ہمم۔'' سارہ مدہوشی سی کیفیت میں تھی۔ زنیرہ کا ہاتھ اسے سکون بخش رہا تھا۔ درد آہستہ آہستہ اترتا جا رہا تھا۔

''یہاں ہو تم دونوں۔ سارہ! فون کیوں نہیں اٹھا رہی ہو؟'' زین آتے کے ساتھ ہی زنیرہ کے ساتھ بیٹھا اور اس کی اچانک آواز سے سارہ نے اپنی آنکھیں وا کیں البتہ سر ہنوز بازو پر رکھا ہوا تھا۔

''ششش۔ اس کے سر میں درد ہے، فون چارج نہیں ہے اس کا۔'' اچانک آ کر برسنے پر زنیرہ نے زین کو ٹوکا تو اس نے جانچتی نظروں سے سارہ کو دیکھا۔

''سارہ! تم نے دوائی لی۔'' اس نے تفکر آمیز انداز میں پوچھا تھا۔

''ہمم۔ لے لی ہے۔'' سارہ نے سر اٹھایا اور ماتھے کو ہاتھوں سے سہلانے لگی۔ پشت پر کھلے بال تو بے نیازی سے بکھرے ہوئے تھے البتہ چہرے پر آتی آوارہ لٹیں چہرے کے اطراف میں ہالہ بنائی ہوئی دلکش منظر پیش کر رہی تھیں۔ زین کی اب جو نظر پڑی تو مبہوت رہ

گیا۔ وہ دوشیزہ آج بھی آسمانی رنگ کی شلوار قمیض زیب تن کیے ہوئے تھی۔ سفید دوپٹہ ابتر ہوتی طبیعت کے باوجود بھی قرینے سے لیا ہوا تھا البتہ زنیرہ کے کلپ چھیڑنے کے باعث جو بال قید سے چھوٹے تھے وہ آزادی سے یہاں وہاں ہو رہے تھے۔ اس کی مخروطی انگلیاں جب پیشانی کو سہلاتیں تو ہاتھ کی پشت پر لٹیں شرارت کرنے آجاتیں۔ جوں ہی وہ کان کے پیچھے بالوں کو اڑستی زین کے دل کی دھڑکن بے ترتیب ہونے لگتی۔ وہ لڑکی غیر محسوس انداز سے اسے اپنا اسیر بنا گئی تھی۔ اس کی جاذبیت زین کو ہوش وخرد سے بیگانہ کر رہی تھی۔ شدت جذبات کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر اپنے عروج تک جا رہا تھا۔ وہ فسوں سازی کے شکنجے میں پھنسا ہوا یک ٹک اسے دیکھے جا رہا تھا۔

"بس دوائی ہی لینی ہوتی ہے۔ اسے اتنی بار کہا ہے اس کا مکمل علاج کرائے تم ہی سمجھاؤ زین۔" وہ زنیرہ کی آواز پر چونکا۔

"ہ...... ہاں ہاں......" اسے اپنی حالت پر شدید حیرانگی ہوئی تھی۔ وہ لڑکی اسے دیوانہ کر رہی تھی۔ بے خودی کے عالم میں اسے گھسیٹ رہی تھی۔ اس نے مزید سارہ کو دیکھنے سے گریز کیا تھا۔ اگر اب تسخیر ہوتا تو لبوں پر صرف اظہارِ محبت ہوتی۔ جس کا موقع محل بالکل بے موزوں تھا۔

"کیا تم دونوں شروع ہو گئے ہو، سر کا درد ہی ہے اور کچھ نہیں، دوائی سے ٹھیک ہو جاتا ہے مجھے۔" سارہ نے کہا۔ وہ ابھی بھی ہلکے ہلکے درد کو برداشت کر رہی تھی جس کی وجہ سے اس کے ماتھے پر بل آگئے تھے۔ مستقل لٹوں کو چہرے پر محسوس کرتی ہوئی وہ زچ ہو رہی تھی۔ اس نے چڑ کر سارے بالوں کو پونی کی صورت میں سمیٹا اور کلپ میں مقید کر لیا۔ مقابل بیٹھا شخص دزدیدہ نگاہوں سے اس کی ایک ایک ادا کو نوٹ کرتا ہوا محظوظ ہوا تھا۔ نظریں تھیں کہ اپنی ضد

میں بار بار اس تک جا رہی تھیں اور وہ بمشکل خود کو قابو کیے ہوئے تھا۔

"تمہارا پیپر کیسا ہوا؟" یہ پوچھنے والی سارہ تھی جس کے درد میں کافی حد تک کمی آ گئی تھی اور وہ بخوبی اطراف کے ماحول سے واقف ہو رہی تھی جو شدت درد میں ظاہر نہیں ہو رہا تھا۔

"اچھا ہوا اور تمہارا؟" زین نے پوچھا۔ وہ موبائل نکال کر اسکرین کی طرف دیکھنا زیادہ بہتر سمجھ رہا تھا۔ آج قوت اس کا ساتھ نہیں دے رہی تھی۔ وہ ہر بار کی طرح اس بار اپنے جذبات پر قابو پانے میں ناکام ہو رہا تھا۔

"ہاں اچھا ہوا پر بے حد طویل۔"

"سارہ! تم اب ٹھیک ہو نا، میں جاؤں؟ میری دوستیں آ گئی ہیں۔" موبائل پر میسج چیک کرتی ہوئی زنیرہ نے سارہ کے ہاتھ پر نرمی سے اپنا ہاتھ رکھ کر پوچھا تھا۔

"ارے ہاں تمہیں تو جانا تھا، جاؤ بہن میری فکر مت کرو۔ تمہارا پیپر ہے تھوڑی دیر میں۔" سارہ نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر اسے تسلی دی تو وہ اطمینان سے سانس لیتی ہوئی اٹھی۔ زین بینچ سے اٹھا اور زنیرہ کو راستہ دے دیا جانے کا پھر واپس بیٹھ گیا۔

"میری دوست کا خیال رکھنا تم۔" جاتے جاتے بھی وہ زین کو تاکید کرنا نہیں بھولی تھی جسے سن کر اس نے تابعداری سے سر جھکایا اور سارہ مسکرا اٹھی۔

"تم نے چائے کیوں نہیں پی؟" میز پر رکھا نصف بھرا کپ دیکھ کر زین نے سارہ سے پوچھا جو ہتھیلی سے سر ٹکائے ہوئے اسی کی جانب چہرا کیے ہوئے تھی۔

"دل نہیں چاہ رہا تھا۔" اس نے منہ بنا کر کہا۔

"سارہ! درد میں اور کیا کیا دل نہیں چاہتا تمہارا؟" محبت کے سمندر کا تلاطم بٹھاتا ہوا وہ اس سے مخاطب ہوا۔

”طبیعت عجیب سی ہو رہی تھی۔“ اس نے میز پر رکھا چشمہ اٹھایا اور پہن لیا۔ اب فوکس کرنے میں دشواری نہیں تھی۔

”ویسے وہ صحیح کہہ کر گئی ہے۔ عام سر کا درد ہو تو سمجھ بھی آتا ہے پر تمہارا مسئلہ الگ ہے۔ تم سمجھتی کیوں نہیں؟“ زین اس پر برہم ہوا۔ اس سے زیادہ وہ کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

”ڈاکٹر بھی وہی دے گا جو میں لیتی ہوں۔ کی فرق پیندا ہے۔“ اس نے شانے اچکائے۔

”درد میں تم پنجابی بھی بول لیتی ہو۔“ اس نے سنجیدگی کی نگاہ سے اسے دیکھا۔ غصہ تو بہت آ رہا تھا اس کی لاپروائی پر۔

”ہاں نا، پشتو اور سرائیکی بھی بول لیتی ہوں۔ کہو تو بولوں۔“ وہ اسے اتنا ہی زچ کر رہی تھی۔

”کوئی ضرورت نہیں ہے۔ آرام کرو چپ چاپ۔“ اس نے پھر موبائل پر توجہ کر دی۔ وہ اس کے درد ختم ہونے کا انتظار کر رہا تھا۔

”ہائے اللہ! میں تو بھول گئی۔ ہمیں تو گروپ سٹڈی کرنی تھی نا؟“ اس نے پانی کے لیے بیگ کھولا تو اکاؤنٹس کی بک منہ بسورتی ہوئی اسے دکھائی دی تھی۔ یکلخت ہی اسے ذہن میں جھماکا سا ہوا کہ آج وہ زین کے ساتھ پڑھنے کا وعدہ کر چکی تھی اور اس درد کی وجہ سے سب بھول بیٹھی تھی۔

”بالکل محترمہ لیکن میں سوچ رہا ہوں منسوخ کر دیتے ہیں۔“ اس کے اچانک بولنے پر زین نے اس کی طبیعت کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنے ارادے سے آگاہ کیا۔

”پر کیوں؟“ سارہ نے استفہامیہ انداز میں دیکھا۔

”تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں۔ پیپر کل ہے۔ ایسا نہ ہو مزید خراب ہو جائے۔ تمہیں آرام کی ضرورت ہے اس وقت۔“ زین نے نگاہوں میں فکر لیے اس سے کہا۔

''ارے پر اب میں بالکل ٹھیک ہوں۔ ہلکا سا درد ہے ویسے بھی۔ چلو پڑھ لیتے ہیں۔ سارہ جان سے جائے پر زبان سے نہیں۔''

''جان سے تو ویسے بھی جا رہی ہو۔ حالت دیکھو اپنی۔'' اس نے لتاڑا۔

''افوہ زین! ایک سر کا درد ہے کون سی مری جا رہی ہوں۔'' وہ زچ ہوئی۔

''تمہاری سوچ ہے۔ تم اسے فقط یہ سمجھتی ہو حالانکہ میں نے اس طرح کے کیسز کو بگڑتے دیکھا ہے۔'' وہ آنکھوں میں پریشانی لیے کہنے لگا۔

''میرا وہ کیس نہیں اور تم اس قدر پریشان مت ہو۔ میں ایک دم ٹھیک ہوں اور ویسے بھی پڑھنا ضروری ہے ورنہ تمہارا ریکارڈ ٹھیک ٹھاک خراب ہو جائے گا۔''

''آر یو شور؟'' زین نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر تصدیق مانگی۔

''ہنڈرڈ پرسنٹ۔'' اور اس کے ٹھوس جواب سے وہ قائل ہو گیا۔ پر سارہ کو اچانک فکر لاحق ہوئی۔ وہ جو کتنی دیر سے سب بھولے بیٹھی تھی انوشہ اور شازیہ کی اشکال ذہن میں گھومیں تو لب کاٹتی رہ گئی۔

''تم اکیلے ہو؟ آج کوئی دوست نہیں آیا؟'' اس نے جھجک کر یہاں وہاں متلاشی نظریں گھما کر پوچھا۔

''نہیں جناب، سب گھوڑے بیچ کر اس وقت سو رہے ہوں گے۔ کسی کا پیپر آج تھا ہی نہیں پھر تمہارے ساتھ گروپ سٹڈی کا پلین بنا لیا تھا لہٰذا سوسائٹی کے کام کے حوالے سے بھی آج منع کر دیا۔'' اس کی بات سن کر سارہ کی جان میں جان آئی۔ ورنہ وہ گھبرا اٹھی تھی۔

''پھر تو پڑھنا پڑھے گا باس! ورنہ تم مجھے پر برہم ہو جاؤ گے کہ میں نے تمہارا وقت برباد کر دیا! اب یہ بتاؤ کہاں پڑھیں؟'' سارہ نے بیگ کاندھے پر لٹکا کر اس سے پوچھا۔

”تم بتاؤ جہاں تمہیں بہتر لگے۔“ زین نے اس پر فیصلہ ڈال دیا۔

”یہاں تو نہیں۔ بہت گھٹن ہے یہاں پر۔“ سارہ نے اطراف کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

”تو پھر مائے سپاٹ پر چلتے ہیں۔ کھلا آسمان تمہاری طبیعت میں بہتری لے آئے گا۔“ زین کے مشورے پر اس نے تائیدی میں سر ہلا دیا۔ وہ دونوں بینچ سے اٹھے اور کیفے سے نکلتے چلے گئے۔

چہل قدمی کرتے ہوئے وہ آئی ٹی بلڈنگ کی طرف بڑھ رہے تھے۔ سارہ کی رفتار سے رفتار ملاتا ہوا زین اس کی باتوں سے محظوظ ہو رہا تھا۔ یہ جان کر کہ انوشہ اور شازیہ آج آئی نہیں تھیں اسے دماغی سکون میسر ہوا تھا۔ ورنہ وہ ٹھیک ٹھاک پڑھائی کی آفر کر کے پچھتا رہی تھی۔

”چار منزلہ ہے چڑھ لوگی تم؟“ دروازے سے داخل ہو کر زین نے سارہ سے پوچھا۔

”زین! سر میں درد ہے پیروں میں نہیں اور اب تو سر کا درد بھی ختم ہو گیا ہے۔“ سارہ نے تسلی دلائی اور چڑھنا شروع کر دیا۔ وہ بھی اس کے پیچھے پیچھے اسی کی تقلید میں چڑھتا چلا گیا۔

”اس عمارت بنانے والے کو گول بنانے کی کیا سوجی تھی؟“ وہ ہلکی پھلکی درد کی شدت لیے ہوئے گویا ہوئی تھی۔

”یہ جواب تو تمہیں وہی بہتر دے گا جس نے یہ ڈیزائن کی ہے۔“ زین نے اس کے بے تکے سوال پر عش عش کرتے ہوئے کہا۔

”بھلا بتاؤ انسان جو ویسے ہی گول گھوما ہوا ہوتا ہے اسے مزید چکر کھلا رہے ہیں۔“ سارہ نے سر جھٹک دیا۔

”بنانے والا سیدھا ہوگا نا تمہاری طرح گھوما ہوا تھوڑی۔“ زین کے زچ کرنے پر اس نے پلٹ کر ملامتی نگاہ سے اسے دیکھا تھا۔ وہ ہنسی کو دباتا آگے بڑھ گیا۔

''اپنے بارے میں کیا رائے ہے آپ کی مسٹر زین سرور؟'' وہ پیچھے پیچھے چڑھتی ہوئی آئی۔

''الحمدللہ، تم سے لاکھ درجے بہتر۔''

''زین کے بچے۔'' وہ پیچھے بیگ سے مارنے لگی تھی کہ زین جسے حملے کی توقع تھی رفتار بڑھا کر چوتھا مالا بھی پار کر گیا۔

یکے بعد دیگرے دونوں چھت پر داخل ہوئے تو حسین نظاروں نے ان کا استقبال کیا تھا۔ مدھر چلتی ہوا جس میں خنکی کا عنصر تھا دل کو راحت بخش رہی تھی۔ چڑھتا سورج دھیرے چلتے بادلوں کے ساتھ لکا چھپی کھیل رہا تھا۔ چہچہاتے پرندے ہر سو رب کی حمد و ثناء میں مصروف تھے۔ وہ جب جب یہاں آتی تھی طمانیت اس کے اندر تک سرایت کرتی ہوئی محسوس ہوتی تھی۔ اس وقت بھی اس نے زیر لب مسکرا کر ہر طرف نظریں دوڑائی تھیں۔ آنکھوں کو ٹھنڈک بخشا موسم اور ہرے بھرے نظارے جو نصف باؤنڈری وال سے دکھائی دے رہے تھے طبیعت پر اچھا اثر کر رہے تھے۔

''کس قدر خوبصورت ہے نا؟'' سارہ نے عین سامنے تر و تازہ درختوں کو دیکھتے ہوئے زین سے پوچھا تھا جو اس کے ساتھ کھڑا تھا۔

''بہت زیادہ۔'' پر زین کی نگاہیں جس طرف تھیں اس سے سارہ انجان تھی۔ وہ بغور اس کے کھلتے چہرے کو دیکھ رہا تھا جو یہاں آتے کے ساتھ ہی شادابی اختیار کر گیا تھا۔ سیاہ بادلوں کا سایہ چھٹ جاتا تھا۔ وہ جس حد تک تسکین محسوس کرتی تھی اس کا چہرا صاف عکاسی کرتا تھا۔ وہ مانتی نہیں پر زین جان گیا تھا کہ اس کی سنگت میں رہ کر سارہ ہر غم بھلا بیٹھتی تھی اور یہ بات اندر ہی اندر زین کو راحت دیتی تھی کہ جس لڑکی سے وہ محبت کر بیٹھا تھا وہ اس پر پورا بھروسہ کرنے لگی تھی بلکہ اس کی عادی ہو گئی تھی۔

اپنی منتخب کردہ جگہ پر جا کر دونوں نے پڑھنے کا ارادہ کر لیا تھا۔ کتابیں زمین پر کھولی ہوئی تھیں اور رجسٹر اپنی اپنی گود میں لیے ہوئے وہ دونوں ایک دوسرے کو باری باری کر کے سوالات سمجھا رہے تھے۔ جہاں سارہ اٹک جاتی زین اس کی پرابلم حل کر دیتا اور جہاں زین کو کوئی اسٹیپ سمجھ نہیں آتا سارہ مدد کر دیتی۔ زین کے پڑھانے پر سارہ کا مکمل دھیان کتاب پر ہوتا لیکن جب سارہ سمجھا رہی ہوتی زین کی نگاہوں کا مرکز صرف اور صرف سارہ ہوتی۔

اگر اس نے گروپ سٹڈی کی ہامی بھری تھی تو دل سے اپنا وعدہ پورا کر رہی تھی۔ ایک ایک اسٹیپ کو واضح الفاظ میں بتا رہی تھی تاکہ وہ کہیں بھی الجھن کا شکار نہ ہو۔ جس دل جمعی سے سارہ کا انداز پڑھانے کا تھا زین اپنی کیفیت کو بے قابو ہوتا محسوس کرنے لگا تھا۔ اگر پڑھاتے وقت وہ خود کہیں اٹک جاتی تو پین کا پچھلا سرا دانتوں تلے دبا لیتی اور زین کو ٹھہرنے کا اشارہ کرتی۔ وہ لڑکی اس قدر مقابل کی حالت سے غافل تھی، اگر ایک بار نگاہ اٹھا کر اس کو دیکھ لیتی تو شاید اندازہ کر پاتی کہ وہ کس قدر اس کا اسیر ہوا بیٹھا تھا۔ سرکتی ہوئی شرارت کرتی ایک لٹ کلپ سے آزاد ہو کر اس کے چہرے پر چھونے لگی تھی۔ وہ دانتوں تلے پین کو گھما رہی تھی کہ لٹ نے اس کی توجہ میں مخل کر کے اسے پریشان کیا۔ سارہ نے کتاب پر نظریں جمائے لٹ کو کان کے پیچھے کیا اور زین کو سوال سمجھانا شروع کر دیا۔

"آ گیا سمجھ میں؟" ہنوز رجسٹر پر نظریں ٹکائے اس نے زین سے پوچھا تھا۔

"ہمم۔" اس نے صرف ہنکار بھرنے پر اکتفا کیا تھا۔ جوش مارتا محبت کا سمندر سیلاب کی صورت اختیار کر گیا تھا۔

"چلو اب اس سوال کو حل کرتے ہیں۔ دیکھتے ہیں تم نے کتنا سیکھا۔" سارہ نے اسے چیلنجنگ انداز میں کہا۔ زین نے سوال پڑھا اور رجسٹر میں لکھنا شروع کر دیا۔ پر صرف سارہ کی

مسکراہٹ اور چھیڑنے کے انداز کو دیکھنے کی خواہش نے اس کے دماغ میں ایک ترکیب سوجھی۔ اس نے جان کر کے کئی اسٹیپ غلط کر دیئے تھے۔ سارہ کے مکمل کرنے سے پہلے وہ سوال حل کر چکا تھا۔ اس نے بتایا نہیں تھا پر وہ ساری تیاری پہلے ہی سے کر کے بیٹھا ہوا تھا اور گروپ سٹڈی صرف ایک بہانا تھا سارہ کے ساتھ وقت گزارنے کا۔ پر اسے یہ نہیں اندازہ تھا کہ وہ کس قدر بے خود ہو جائے گا۔

''تم نے کر بھی لیا؟'' اس نے زین کا رکا ہاتھ دیکھا تو چونکی۔

''واہ بھئی میرا سمجھایا خوب سمجھے تم۔ اب رکو میرا بھی، یہ لو ہو گیا'' سارہ نے کہا۔ زین نے اپنا رجسٹر اس کے سامنے رکھ دیا۔

''چلو دیکھتے ہیں کس کا درست ہے؟'' اس نے آخری جواب دیکھا تو دونوں ہی مختلف تھے۔

''میرا تو یہ نہیں آیا۔ ایک منٹ کتاب کے پیچھے جوابات سے دیکھ لیتے ہیں کہ کس نے صحیح کیا ہے۔'' اس نے شرارتی نگاہ سے زین کو دیکھا تھا۔

''دیکھا میرا صحیح ہے۔ تمہارا غلط۔'' جیت کی خوشی سے چہرے پر مسرت جوں ہی نمایاں ہوئی زین زیرلب مسکرا اٹھا تھا۔

''لاؤ دیکھوں تو ذرا موصوف کہاں گڑبڑ کر بیٹھے ہیں؟'' موصوف تو دل ہارے بیٹھے تھے۔ وہ گڑبڑ اس سے بڑھ کر تھی۔ سارہ نے ایک ایک اسٹیپ چیک کرنا شروع کیا۔

''یہ رہی تمہاری پہلی غلطی۔ زین! تم نے یہاں پر حساب کتاب میں ہی غلطی کی ہے۔ تب ہی تو آگے سے جواب غلط آ رہے ہیں۔'' سارہ اس کے جواب کے برابر میں صحیح جواب بھی لکھتی جا رہی تھی اور پھر آگے دیکھنے لگی۔

''زین! اس طرح کی غلطیاں کرو گے تو پاس کیسے ہو گے؟ اس پر تو سر پورا جواب ہی کاٹ

دیں گے۔" سارہ مزید آگے سوال چیک کرتے ہوئے اب تھوڑی برہم ہوئی اس بات سے غافل کہ زین اسے بغور دیکھے جا رہا تھا۔ وہ اس کے کہے ہر لفظ اور اس پر اس کی یہ فرضی برہمی کے ساتھ مخلوط ہوئی مسکراہٹ، سب کو، بلکہ اس پورے لمحے کو اپنی آنکھوں میں، اپنے دل تک اتار رہا تھا۔ اس کا بس چلتا تو وہ وقت کو یہیں روک دیتا۔

"یہ دیکھو، آخری سٹیپ ہی غلط کیا ہے تم نے زین، ابھی تو سمجھایا تھا میں نے تم کو یہ۔ پھر غلطی کیسے کرلی۔ دھیان کہاں ہے تمہارا؟" سارہ نے نگاہیں رجسٹر پر جمائے اسے ڈانٹا۔

"تم پر۔" لبوں سے نکلے بے ساختہ الفاظ محبت کے سیلاب پر لگی باڑ کو توڑتے ہوئے آئے تھے۔ اس کا دل بے ترتیب ہوتا جا رہا تھا۔ اب وہ مزید پیچھے نہیں ہٹنا چاہتا تھا۔

"ماشاء اللہ۔ اتنی بچکانہ غلطیاں کی ہیں مسٹر زین نے اور اس میں بھی مذاق کرنے کا دل ہو رہا ہے صاحب کا۔" وہ اس کا آخری سٹیپ صحیح کر رہی تھی لیکن زین کی نظر صرف سارہ پر تھی۔

"میری طرف دیکھ کر بتاؤ کیا تمہیں میرے چہرے پر مذاق کے آثار نظر آ رہے ہیں؟" وہ جس قدر سنجیدگی سے گویا ہوا سارہ نے اس کی جانب الجھ کر دیکھا۔ وہ خمار آلود آنکھیں لیے اسے دیکھ رہا تھا۔ البتہ چہرے پر متانت خیزی عیاں تھی۔

"کیا کہہ رہے ہو تم؟" سارہ نے اسے بغور دیکھ کر پوچھا۔

"کہنا تو کافی عرصے سے چاہتا تھا لیکن الفاظ زبان پر آتے آتے رک جاتے تھے۔" اس کے لہجے میں ٹھہراؤ بتا رہا تھا کہ وہ ہرگز بھی مذاق کے موڈ میں نہیں تھا۔ اسے پہلی بار مختلف سا پا کر سارہ شدید کشمکش میں مبتلا ہوئی اور سٹپٹا کر اٹھ گئی۔

"کل امتحان ہے اور کافی پڑھنا ہے۔ اگر یہ مذاق ہے زین تو بہت بیہودہ مذاق ہے۔ سیریس ہو جاؤ۔" اس کی بات سنتا ہوا وہ بھی اٹھ کر اس کے مقابل کھڑا ہوا۔ آنکھوں میں

آنکھیں ڈالے وہ اس کی بگڑتی حالت کو بخوبی دیکھ رہا تھا۔

''میں ایسا مذاق کبھی کر ہی نہیں سکتا۔'' اس نے قطعیت بھرے لہجے میں کہا تو سارہ کا ذہن تتر بتر ہونے لگا۔

''کیا کہنا چاہ رہے ہو؟'' اس نے پریشان کن انداز سے پوچھا۔ چہرے پر شکنیں نمودار ہوئی تھیں۔ وہ زین کو دیکھے جا رہی تھی اور اس کے لئے یہ سب سمجھنا بہت مشکل تھا۔ دونوں کی نگاہوں میں کئی سوالات موجود تھے۔ زین نے بمشکل خود پر قابو پایا اور لمبا سانس اندر لے کر اس سے تحمل سے کہنے لگا۔

''سارہ! میں کافی وقت سے ایک کیفیت میں پھنسا ہوں، اور اس سے صرف تم مجھے نکال سکتی ہو۔'' وہ الجھا ہوا لگ رہا تھا۔ سارہ کو اس کی حالت پر حیرانی ہو رہی تھی۔ آخر اسے ہوا کیا تھا۔

''میں نے کئی بار کوشش کی ہے تمہیں بتانے کی لیکن ہمت نہیں کر پاتا تھا۔ کیا تم سننا چاہو گی؟'' زین نے کہا۔ اس کی آنکھوں میں ہلکی ہلکی نمی دیکھ کر سارہ مزید فکر مند ہوئی تھی۔

''زین! کیا مسئلہ ہوا ہے؟'' پہلی بار زین کو ایسی حالت میں دیکھ کر اس نے برجستہ کہا تھا۔

''تم بتاؤ۔ مجھے کیا ہوا ہے۔ یونیورسٹی آتا ہوں تو صرف تم دکھائی دیتی ہو۔ اتنے ہجوم میں بھی میں تمہیں با آسانی ڈھونڈ لیتا ہوں۔ رات میں سونے لیٹوں تو تمہارا چہرا آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔ تمہیں دیکھتا ہوں تو لگتا ہے وقت ایک ہی جگہ تھم گیا ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے...... جیسے یہ وقت میرے لئے رکا ہے تاکہ میں تمہیں دیکھ سکوں۔ ان سب باتوں کو تو میں مانتا بھی نہیں تھا۔ یہ سب باتیں تو تم نے مجھے بتائی تھیں نا۔ پھر میرے ساتھ یہ سب کیوں ہو رہا ہے؟'' وہ جس شدتِ جذبات سے گویا ہوا مقابل سکتے میں رہ گئی تھی۔ وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے زین کی جانب دیکھ رہی تھی جس کا صرف چہرا نہیں یکسر سوالیہ بنا کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔ کئی

اندیشوں نے اسے اپنی لپیٹ میں لینا شروع کیا تھا۔ وہ مزید سننے کی سکت نہیں رکھتی تھی۔

''زین! تم کیا کہے جا رہے ہو؟ ان سب باتوں کی حقدار صرف اور صرف شازیہ ہے۔ تم دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہو۔ پلیز مجھے بیچ میں مت گھسیٹو۔'' اس کے وہم وگمان میں بھی کہاں تھا کہ کایا اس طرح پلٹے گی۔ وہ جو شازیہ کی باتیں بھلائے بیٹھی یہاں اپنے دوست کے ساتھ پڑھنے کی غرض سے آئی تھی یکلخت ہی شازیہ کے ساتھ ہوا سابقہ واقعہ ذہن میں گردش کرنے لگا تھا۔ ایک ایک لفظ اسے دور سے سنائی دے رہا تھا۔

''سارہ! میرے اور شازیہ کے درمیان صرف ایک دوستی کا رشتہ ہے۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ میں تمہیں یہ بات پہلے بھی سمجھا چکا ہوں، تم اسے ہم دونوں کے بیچ کیوں لے کر آ رہی ہو؟'' وہ شازیہ کے ذکر سے برہم ہوا تھا۔

''زین! شازیہ تم سے بہت محبت کرتی ہے۔ تمہیں اس کی قدر کرنی چاہئے۔ اس کے جذبات کا احساس کرنا چاہیے۔'' اس کی برداشت سے باہر ہو رہا تھا۔ آنکھوں میں یکا یک آنسو نمودار ہوئے تھے۔ تحت لاشعور میں وحشت زدہ واقعہ روشن ہو رہا تھا۔

''سارہ! میں اس سے محبت نہیں کرتا، وہ صرف ایک دوست ہے۔ میں نے اپنی زندگی میں کبھی کسی سے اظہارِ محبت نہیں کیا ہے لیکن آج کرنا چاہتا ہوں۔'' زین آنکھوں میں محبت کی پھوار سموئے کہنے لگا تھا کہ سارہ خوف سے دو قدم پیچھے ہو گئی۔ تنفس اچانک تیز ہوا تھا۔ دل کی دھڑکن پٹڑی سے اترتی محسوس ہو رہی تھی۔

''سارہ! میں تم سے......''

''بس......'' وہ چلا اٹھی۔ پورے جسم میں سنسناہٹ سی محسوس ہوئی تھی۔ اس کی سکت یہ سب سامنا کرنے کے لیے تیار نہ تھی۔ وہ گھبرائی ہوئی بیگ پر جھکی جو زمین پر پڑا تھا۔ کپکپاتے

ہاتھوں سے سب سامان ڈال کر بھاگنے کو پَر تول رہی تھی۔ یہاں رکنا مزید محال تھا۔ زین اس کی حرکت کو نوٹ کر رہا تھا۔

''سارہ! رک جاؤ۔'' سارہ جوں ہی بیگ اٹھا کر وہاں سے بھاگی زین نے سخت آواز میں مستحکم انداز اپنایا۔ وہ جو ہمیشہ اس کے روکنے سے رک جاتی تھی آج بھی کیسے آگے بڑھ پاتی۔ وہیں ساکت بے حرکت کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔ زین ڈگ بھرتا ہوا اس کے راستے میں حائل ہوا۔ کئی سوالات اس کی آنکھوں میں موجود تھے پر سارہ کا دماغ کسی اور سمت چل پڑا تھا۔ وہ بغور اس کانپتی لڑکی کو دیکھ رہا تھا جس کا چہرا یکلخت ہی آنسوؤں سے تر ہو رہا تھا۔ پر وہ اس کی دماغی حالت سے واقف نہیں تھا۔

''تم جیسی چھوٹے علاقے کی رہنے والی پہلے تو اپنی اوقات سے بھی بڑھ کر ایسی یونیورسٹی میں آتی ہو اور پھر امیر لڑکوں کو اپنی معصومیت کا ڈھونگ رچا کر پھنسانے لگتی ہو۔'' بازگشت کرتا ہوا زہر خند لہجہ اس کے دماغ میں گونجا تھا۔

''زین! میرے راستے سے ہٹ جاؤ۔'' اس نے آوازوں کو بمشکل روکنا چاہا اور زین سے التجاء کی۔

''نہیں! مجھے تم سے ابھی کئی سوال کرنے ہیں۔'' وہ اس کی حالت سے بے خبر متانت خیز انداز میں گویا ہوا۔

''کیا سوال؟ کیسے سوال؟'' سارہ روہانسی حالت میں چیخ پڑی تھی۔

''میں نے تمہارے بارے میں کبھی ایسا سوچا ہی نہیں ہے زین اور نہ ہی سوچ سکتی ہوں کیونکہ میں......'' وہ کہتے کہتے رکی تھی۔ جہاں شازیہ کا کٹیلا انداز دماغ کی نسوں پر وار کر رہا تھا تو دوسری طرف شاہ زیب کا چہرا گردش کرنے لگا تھا۔ وہ کیسے بھول سکتی تھی کہ وہ کسی سے

منسوب تھی۔ شاہ زیب کی باتیں، اس کی عجیب نظریں سب یکے بعد دیگرے جھما کے کی صورت عیاں ہو رہا تھا۔ اس کے الفاظ زبان پر آتے آتے دم توڑ گئے تھے۔

"تم میرے لئے صرف ایک دوست ہو اور کچھ بھی نہیں۔ یہ باتیں تم شازیہ سے کرو۔ اس کا حق ہے ان سب پر۔" لفظوں کو تبدیل کرتی ہوئی اس نے زین کو سمجھانا چاہا تھا کہ وہ جو کر رہا ہے وہیں روک دے۔ مزید اس میں سننے کی طاقت نہیں تھی۔

"تمہیں ایک بات بتاؤں۔ تمہارا اور میرا کوئی مقابلہ نہیں سارہ۔ تم جو کچھ بھی کر رہی وہ صرف وقت کی بربادی ہے۔ تم کیا سمجھتی ہو ارم آنٹی تمہیں قبول کریں گی۔" گردش کرتی دل شکن آوازیں اس کے گرد چکر کاٹ رہی تھیں۔ اس نے شدت میں آنکھیں بھینچ لیں، آنسوؤں کا سیال اس کے گالوں پر بہہ گیا۔

"وہ تم پر ترس کھاتا ہے، اس کا وقت ہی ضائع ہوتا ہے تمہارے ساتھ، کیا دے سکو گی تم اس کو؟ اپنی مسکین سی شکل کے علاوہ۔" آنسو ہچکی کی صورت اختیار کر گئے تھے۔ دل درد سے تڑپ رہا تھا۔

"میں تمہیں کیا دے سکوں گی؟ میرے پاس ہے ہی کیا؟ مجھ پر اپنا وقت ضائع کرنے سے بہتر ہے اس کے پاس جاؤ جو تمہاری قدر کر رہا ہے۔ جو خاص تمہارے لیے بنایا گیا ہے۔ جو تمہاری محبت کو ترس رہا ہے۔ خدارا مجھے بخش دو۔" وہ جس ملتجیانہ انداز سے ابتر ہوتی حالت میں کہہ رہی تھی زین اسے متحیر ہوتا دیکھ رہا تھا۔ اس کے الفاظ اس کے نہیں لگے تھے۔ وہ آنکھوں میں وحشت لیے بچوں کی طرح ڈری سی روئے جا رہی تھی۔ زین مزید کچھ کہتا سارہ نے باہر نکلنے کے لیے دوسری طرف کا رخ کیا، پر زین نے اس کا راستہ پھر روک دیا۔ وہ اس کی آنکھیں پڑھنا چاہتا تھا، اس کے تاثرات کو سمجھنا چاہتا تھا۔ اچانک راستے میں حائل

ہونے پر سارہ نے اس کی جانب دیکھا تھا پر زین کی آنکھوں میں گہرائی اسے اپنی نگاہیں نیچے کرنے پر مجبور کر گئی تھی۔

"سارہ! مجھے سچ سچ بتاؤ، تمہیں نہیں لگتا کہ ہم دونوں کا رشتہ دوستی سے بڑھ کر ہو گیا ہے؟ کیا تمہیں فرق نہیں پڑتا جب ایک لمحہ بھی پورے دن میں تمہارے ساتھ نہ گزاروں؟ کیا تمہیں اپنے اندر تبدیلی محسوس نہیں ہوتی جب تم میرے ساتھ ہوتی ہو؟ کیا تمہیں میری عادت نہیں ہوئی؟ بار بار شازیہ کا نام لے کر مجھے صرف اتنا بتاؤ سارہ کہ اگر تم سے بڑھ کر میں شازیہ کو اہمیت دوں، تمہیں چھوڑ کر اس کے ساتھ وقت گزاردوں۔ تم سے بات ختم کر کے میں اس کی زندگی کا اہم حصہ بن جاؤں، تمہیں فرق نہیں پڑے گا؟" وہ طیش کو ضبط کیے سخت لہجے میں گویا ہوا تھا۔

"نہیں۔" سارہ نے چلا کر زین کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔ وہ اس ردعمل سے ٹھٹک گیا تھا۔ اور سکتے سی کیفیت میں اسے دیکھ رہا تھا۔ آنکھیں تو اس کی بھی نم تھیں۔ جذبات کی شدت نے اندرونی تباہی مچادی تھی۔

"مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا اور نہ ہی مجھے تمہاری عادت ہے۔ مجھے اس سے فرق نہیں پڑتا کہ تم کس کے ساتھ ہو اور کس کے ساتھ نہیں۔ میں نے تمہیں صرف ایک اچھا دوست مانا تھا زین! لیکن افسوس کی بات تو یہ ہے کہ آج تمہاری اس حرکت سے...... میں نے وہ بھی کھو دیا۔" اس کے الفاظ اس کی آنکھوں کا ساتھ نہیں دے رہے تھے۔ وہ چیخ کر تو کہہ رہی تھی پر لہجہ قطعیت لیے نہیں تھا۔ اس کا کپکپی لیا ہوا وجود کسی خوف کی ترجمانی کر رہا تھا۔ زین ضبط سے اس کا ردعمل دیکھ رہا تھا۔ وہ اسے اکسانا چاہ رہا تھا۔ جانتا تھا سارہ کبھی نہیں مانے گی۔ کبھی اپنی اندرونی کیفیات کو نہیں سمجھے گی۔ پر سارہ کا خوف اس کے اکسانے پر غالب ہو گیا تھا۔ وہ ایک

منٹ نہ رکی، ملامت کرتی نگاہ زین پر ڈالتی ہوئی سیدھی دروازے سے نکلی۔ چکر کاٹتی سیڑھیوں سے جس طرح وہ اتری تھی یہ وہی جانتی تھی۔ لڑکھڑاتے قدم اور تتر بتر ہوتی حالت نے اس کا توازن بگاڑ دیا تھا۔ اس سے تو اچھا تھا کہ وہ زین کی بات مان جاتی اور آج گروپ سٹڈی کا پلان منسوخ کر دیتی۔ پر اب جو ہوا تھا وہ اس کے دماغ پر دھما کے کر رہا تھا۔ شازیہ کا چہرا، شاہ زیب کی آوازیں گردش کرتی ہوئی اسے اپنی لپیٹ میں لے رہی تھیں۔ اس نے آئی ٹی بلڈنگ سے نکل کر دوپٹے سے چہرا صاف کیا تھا۔ اب یہاں ایک منٹ رکنا ناممکن تھا۔ وہ تیز قدم بڑھاتی ہوئی خارجی دروازے سے نکلتی چلی گئی تھی۔

زین وہیں ایستادہ رہ گیا۔ غصے کو ضبط کرتے ہوئے اس نے مٹھیاں بھینچ لی تھیں۔ چہرا شدید سخت تاثر لیے ہوئے تھا۔ وہ پیچھے پلٹا اور زور سے مکا دیوار پر دے مارا۔ درد کی ٹیس اس کے ہاتھ میں محسوس ہوئی تھی پر جس تکلیف میں دل تھا اس کے آگے یہ درد کچھ بھی نہیں تھا۔ وہ سارہ کی رگ رگ سے واقف تھا۔ جانتا تھا سارہ تسلیم نہیں کرے گی۔ وہ اپنے جذبات سے بالکل بے خبر تھی پر اس نے سوچا تھا کہ اپنی محبت کی پھوار اس پر برسا کر اس کی آنکھوں میں چھپی حیا سے ہی اخذ کر لے گا۔ پر یہاں معاملہ بالکل الٹ ہوا تھا۔ وہ لڑکی سراپا خوف میں مبتلا تھی۔ باتوں باتوں میں خود کو حقیر تک ٹھہرا گئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں وحشت ہی وحشت تھی۔ زین کو کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ دیوار سے ٹیک لگائے وہ بیٹھتا چلا گیا۔ سارہ کے لبوں سے نکلے ایک ایک لفظ پر غور کرنے لگا تھا پھر عزم لیے اس نے سامنے کی سمت دیکھا۔

”ٹھیک ہے سارہ! میں سمجھ گیا تم کیا کہنا چاہتی ہو۔ اب میں وہ ہی کر کے دکھاؤں گا جو تم چاہتی ہو پھر دیکھتے ہیں کہ فرق پڑتا ہے یا نہیں۔“ جس بات کا عہد ابھی ابھی اس نے خود سے کیا تھا جانتا تھا کہ سارہ کے لیے تکلیف دہ ہوگا پر اس کے بند دل کے تالے کو کھولنے کے لیے

اس کنجی کے علاوہ کچھ نہ تھا۔ اس نے تصور سے ہی آنکھیں بھینچ لی تھیں اور نگاہوں سے پھسلتا آنسو کا قطرہ اس کے گال پر بہہ گیا۔

☆......☆......☆

افتاں وخیزاں سی وہ جیسے تیسے گھر پہنچی تھی۔ داخل ہوتے کے ساتھ ہی اس نے زینت کو سر درد کا بہانا بتا دیا تھا اور بستر پر بیگ رکھتی ہوئی باتھ روم میں بند ہوگئی۔ سارا راستہ آنسوؤں کا گولا جو حلق میں پھندے کی مانند پھنسا تھا تنہائی میں سیلاب کی صورت بہنے لگا تھا۔ اس نے بیسن میں دونوں طرف کے نل کھول دیئے تھے تاکہ پانی کی آواز سے اس کے رونے کی آواز مدھم ہو جائے۔ وہ شدید کشمکش کا شکار تھی۔ کس بات کا غم منا رہی تھی کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ ایک اچھا دوست کھونے پر؟ یا شازیہ اور انوشہ کی دل شکن باتوں پر؟ یا پھر قسمت کی ستم ظریفی پر جو اسے ایسے شخص کے ساتھ منسوب کر گئی تھی جس کے لیے دل میں محبت کی ایک رمق تک نہ تھی بلکہ صرف نفرت ہی نفرت تھی، اس پر؟ یا وہ کیفیت جو زین کے جذبات جان کر اندر ہی اندر اسے بے چین کر رہی تھی جس سے وہ اب تک بھی نابلد رہی تھی، اس پر؟ یہ گتھی اسے الجھائے جا رہی تھی۔ وہ زار وقطار رو رہی تھی۔ اس نے ہاتھوں کے پیالے بنا کر پانی بھر بھر کر چہرے پر مارنا شروع کیا۔ روکنا تھا ان آنسوؤں کو۔ انہیں مزید گرنے سے بند کرنا تھا۔ پر اس کی بس میں نہیں تھا۔ وہ ہذیانی کیفیت میں پانی مارے جا رہی تھی کہ تھکان سے رک گئی۔ بے بسی کی حالت میں اس نے سر اٹھا کر دیکھا تو آئینے میں اپنا عکس اسے بکھرتا ہوا محسوس ہوا۔ یکا یک ذہن میں آوازیں گردش کرتی سنائی دیں۔

''تم جیسی چھوٹے علاقے کی رہنے والی پہلے تو اپنی اوقات سے بھی بڑھ کر ایسی یونیورسٹی میں آتی ہو اور پھر امیر لڑکوں کو اپنی معصومیت کا ڈھونگ رچا کر پھنسانے لگتی ہو۔'' اس نے نفی

میں گردن ہلا کر خود کو باور کرایا کہ وہ ایسی نہیں ہے۔ اس نے ایسا کچھ نہیں کیا تھا۔

''کوّے کو جتنا بھی میک اپ کردو۔ کبوتر تھوڑی بن جاتا ہے۔'' اگلی تمسخر اڑاتی ہوئی آواز سے اس نے یک ٹک اپنے خدوخال کو دیکھا جو اسے کسی زاویے سے دلکش نہ لگے تھے۔ اس نے سکتے کی حالت میں چہرے پر ہاتھ پھیرا۔ وہ مسکین سی لڑکی اس شہزادے کے دل میں گھر کیسے کرسکتی تھی؟

''سارہ! تم ہماری منگنی والے دن...... بہت اچھی لگ رہی تھیں۔'' شاہ زیب کا عیار چہرا اسے اپنے عکس کے برابر نمودار ہوتا دکھائی دیا تھا۔ اس نے طیش میں آکر چلو بھر پانی لیا اور شیشے پر دے مارا۔ دیکھتے ہی دیکھتے چہرا غائب ہونے لگا تھا۔

''سارہ......'' آس پاس گردش کرتی ہوئی اس آواز پر وہ یکلخت رکی تھی۔ اس کی آنکھوں کی پتلیاں دائیں بائیں گھومنے لگی تھیں۔ یہ اسیر کرتی آواز اسے اندر سے محسوس ہوئی تھی۔ جیسے اس کے دل میں چھپا کوئی شخص دروازہ کھول کر اپنے حاضر ہونے کی خبر دے رہا ہو۔ اس نے وحشیانہ حالت سے یہاں وہاں گردن گھمائی۔ وہ شکل اسے کہیں نہ دکھی۔

''میں نے اپنی زندگی میں کسی سے بھی اظہارِ محبت نہیں کیا ہے لیکن آج کرنا چاہتا ہوں، سارہ میں......بس......'' اس نے زور سے اپنے کانوں پر ہاتھ رکھ لیے تھے۔ وہ ان آوازوں کو ختم کرنا چاہتی تھی جو اسے پاگل کررہی تھیں۔ اس کا دم گھٹنے لگا تھا۔ وہ زور زور سے سانس لینے لگی تھی۔ ہاتھ کانوں پر رکھنے کے باوجود بھی تمام آوازیں گتھم گتھا ہوتی ہوئی اس تک آرہی تھیں۔ اس نے آنکھیں بھینچ کر ہاتھ مزید کان پر دبادیئے تھے۔ آہستہ آہستہ آوازوں کا اثر زائل ہوتا رہا۔ جوں ہی اس نے کانوں پر سے ہاتھ ہٹایا غش کی سی کیفیت اس پر طاری ہوئی۔ وہ چکرا کر گر پڑتی اگر خود کو سنبھال نہ لیا ہوتا۔ اس نے بیسن سے پکڑ کر خود کو سہارا دیا تھا اور

بمشکل چلتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی تھی۔ جان میں سے طاقت جاتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ توازن کھو بیٹھی اور بستر پر گر پڑی۔ بے ہوشی سی کیفیت اس پر طاری ہو رہی تھی پردہ ظاہر سے واقف تھی۔ آنکھوں میں سے کئی قطرے گر کر بستر پر جذب ہوئے تھے اور وہ دیکھتے ہی دیکھتے نیند کی وادی میں چلی گئی۔ زینت کی نظر پڑی تو وہ دوڑی چلی آئی تھیں پر سارہ کو گہری نیند میں دیکھ کر انہوں نے صرف اتنا کیا تھا کہ اسے اٹھا کر اس کا سر تکیے پر رکھ دیا تھا تا کہ وہ صحیح طرح لیٹ جائے۔ پھر اس کے ماتھے پر دست شفقت رکھے ہوئے تھیں اور نرمی سے دبا رہی تھیں۔ پر سارہ محو استراحت ان کی خدمت سے ناواقف تھی۔

شام کو زینت نے اسے اٹھا دیا تھا۔ وہ نقاہت سی نیم وا آنکھیں کیے اطراف میں دیکھ رہی تھی۔ جو کچھ ہوا تھا خواب کی مانند لگا تھا پر اس کے چہرے پر ثبت آنسوؤں کے نشان بتا گئے تھے کہ سب حقیقت تھی۔ اس کا دل ڈوب کر ابھرا تھا۔ لب کاٹتی ہوئی اس نے امڈتے آنسوؤں کو روک دیا۔ کل امتحان تھا اور اسے تیاری کرنی تھی پر نحیف حالت میں وہ جیسے تیسے ہی پڑھ پائی تھی۔ اگلی صبح بھی طبیعت ہنوز ویسی ہی تھی۔ ناشتے سے منہ موڑ کر وہ یونیورسٹی کے لیے نکل گئی تھی۔ ایک دن میں ہی اس کی آنکھوں کے گرد حلقے نمودار ہوئے تھے۔

وہ یونیورسٹی پہنچی تو قدم داخلی دروازے پر ہی جم گئے۔ قبل روز سے متعلق تمام باتیں یکے بعد دیگرے اسے یاد آتی گئی تھیں۔ اس نے افسردگی سے سرد سانس کھینچی اور ہمت جمع کی پھر اندر داخل ہو گئی۔ وہ دھیمی رفتار سے قدم بڑھا رہی تھی جب سامنے آئی ٹی بلڈنگ کی سمت اس کی نظر جا ٹھہری۔ باغ میں زین اور شازیہ ایک دوسرے میں مشغول نظر آئے تھے۔ زین کسی بات پر تبصرہ کرتا ہوا لگ رہا تھا جس پر شازیہ جیسی حور پری کھلکھلا کر ہنس رہی تھی۔ اس کی نظروں نے یہ منظر قید کیا تھا۔ وہ جس قدر دونوں کو ایک دوسرے میں کھویا ہوا محسوس کر رہی تھی

دل اسی قدر کھائی میں ڈوبتا ہوا لگ رہا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں تھا زین اور شازیہ شہزادہ اور شہزادی ہی تو لگتے تھے۔ ہر لحاظ سے بہترین کپل۔ اور وہ کیا تھی؟ ایک مسکین غریب سی عجیب لڑکی۔ حسین منظر میں امڈتا سیاہ بادلوں کی مانند؟ یا ایک خوبصورت پینٹنگ پر عیب دار دھبہ! اس کی سونی آنکھیں زین سے شازیہ پھر واپس زین تک گئی تھیں۔ کرب سے اس نے لب دانتوں تلے دبا لیے تھے۔ اس سے پہلے وہ برداشت کھو بیٹھتی اس نے رفتار تیز کردی اور ایگزیم بلڈنگ چلی گئی۔

''اچھا شازیہ تم مجھے یہ تمام نکات پر کل تک کام بھیج دینا۔ ایونٹ میں وقت کم ہے۔ آج کا امتحان ہو جائے پھر کل سارا دن فراغت ہوگی آرام سے دوسرے کام بھی مکمل کرلیں گے۔'' زین نے شازیہ سے کہا تھا جس نے سر کو جنبش دی تھی۔ ان کے درمیان ہونے والی گفتگو صرف سوسائٹی کے حوالے سے تھی پر سارہ کو دور سے دکھتا ہوا منظر کچھ اور ہی عکاسی کر رہا تھا۔ یہ سب دماغ کا کھیل ہے۔ جیسا انسان سوچتا ہے ویسا ہی سمجھ بھی بیٹھتا ہے چاہے وہ حقیقت سے کتنا دور ہی کیوں نہ ہو۔

ایگزیم ہال میں اس نے دیوار سے لگی کرسی منتخب کی تھی اور خاموشی سے پیپر شروع ہونے کا انتظار کر رہی تھی۔ آج زنیرہ کا پیپر نہیں تھا۔ دو دن کے گیپ سے اس کا آخری پیپر تھا۔ جیسے جیسے وقت کے کانٹے سرکتے گئے دیکھتے ہی دیکھتے ہال طلبا سے کھچا کھچ بھر گیا تھا۔ سارہ کے آگے اور پیچھے اس کی کلاس کے دوسرے طلبا نے جگہ لے لی تھی ورنہ وہ زین کے کہنے پر اس کی سیٹ رکھ دیتی۔ سارہ کی نگاہ داخلی دروازے پر گئی تو کئی لوگوں میں اسے وہ بھی سپاٹ چہرا لیے داخل ہوتا نظر آیا۔ وہ دروازے سے آتا سیدھا نکل گیا۔ اگر ان کے درمیان قبل روز ہوئی ملاقات نہ ہوتی اور سب کچھ پہلے جیسا ہوتا تو وہ اپنی ازلی مسکراہٹ سے اس کے پاس آجاتا۔

اسے پیپر کے حوالے سے چھیڑتا۔ کوئی نہ کوئی چیلنج ان کے درمیان ہو جاتا پر ایسا کچھ نہیں تھا۔ اس نے بغیر سارہ کی سمت دیکھے دوسری جگہ سیٹ منتخب کر لی تھی۔ سارہ نے حزن و ملال سے نظریں نیچے کر لیں۔ آخر کیا ہو رہا تھا اس کے ساتھ۔ کیا وہ واقعی دوست کھونے پر اس قدر افسردہ تھی؟ وہ دوست یکبارگی اجنبی کا روپ دھار گیا تھا۔

تقریباً پندرہ منٹ رہ گئے تھے پیپر ختم ہونے میں۔ زین اپنا پیپر مکمل ہوتے ہی اٹھ کر چلا گیا البتہ سارہ آخری وقت تک پیپر کر رہی تھی اور جب وقت ختم ہوا تو وہ دوسرے طلبا کے ساتھ ہال سے نکلی اور سیڑھیاں اترتی چلی گئی۔ روش پر چلتی ہوئی اسے خلوت کا احساس ہوا تھا۔ یونیورسٹی آج انجان محسوس ہو رہی تھی۔

''زین تو ہوگا نہیں، میں بھی بات نہیں کروں گی پھر رہ لینا اکیلے تم۔'' زنیرہ کی بات اسے اچانک یاد آئی تو یہاں وہاں دیکھتی ہوئی وہ لب کاٹتی رہ گئی۔ آج وہ درحقیقت اکیلی تھی۔ آس پاس آتے جاتے لوگ اگرچہ جانے پہچانے چہرے تھے پر سارہ کو یہ منظر اجنبی سا لگ رہا تھا۔ اس نے رکنا مناسب نہیں سمجھا اور گھر جانے کا فیصلہ کر لیا۔

وہ گھر پہنچی تو زینت نے دروازہ کھول کر چوکھٹ پر کھڑے ہو کر اس کا راستہ روک دیا۔ سارہ نے سوالیہ نگاہ سے انہیں دیکھا پھر لب کھولے ہی تھے وجہ پوچھنے کے لیے کہ اندر سے رضیہ کی آواز سن کر وہ وہیں منجمد ہوئی۔

''رضیہ بھابی آئی ہیں، تم سلام کرو اور فوراً جا کر تھوڑا تیار ہو جاؤ۔'' زینت کے سرگوشی میں کہنے پر اس نے ٹھٹک کر زینت کو دیکھا۔ آخر اچانک آنے کی ایسی کیا ضرورت پڑ گئی تھی۔ وہ زینت کا حکم بجا لائی۔ فریش ہو کر اس نے صاف ستھرے کپڑے پہن لیے تھے اور گھنے بالوں میں برش کرتی ہوئی انہیں سلجھا رہی تھی جب زینت اندر داخل ہوئی تھیں۔

''مامی! آپ نے بتایا نہیں یہ لوگ آنے والے ہیں۔'' وہ چوٹی کو بل دیتی ہوئی پوچھ رہی تھی۔

''مجھے خود نہیں پتہ تھا۔ کہہ رہی ہیں کہ کسی کام سے کراچی آنا تھا تو سوچا مل کے جائیں تم سے۔ سارہ! شاہ زیب بھی آیا ہوا ہے۔'' زینت کے خبر دینے پر وہ چوٹی کے بل بھول گئی۔ وہ سارہ کے آنے کے بعد پہنچا تھا۔ تب تو نہیں تھا پر اب ادراک ہوا تو اس کا منہ تک کڑوا ہو گیا۔ وہ اس کی کہی ہوئی کوئی بات نہیں بھولی تھی۔ تیار ہو کر وہ زینت کے ساتھ لونگ روم میں آ گئی تھی۔

''آپ آنے کا بتا دیتیں تو میں فاروق کو خبر تو دیتی، شاہ زیب بیٹا بھی آیا ہوا ہے اور ہم خواتین کی باتوں میں یہ بیزار ہو رہا ہوگا۔'' زینت نے شاہ زیب کے سر پر ہاتھ رکھ کر رسان سے کہا تھا۔

''ارے نہیں نہیں، اس میں کیا بیزاری، اچھا بھابی! یہ کچھ ایک دو جوڑے میں سارہ کے لیئے لائی تھی، یہ آپ لے لیں۔'' رضیہ نے زینت کو ایک پیکٹ تھما دیا۔ شاہ زیب نے اشارے سے اپنی امی سے کچھ کہا جس پر انہوں نے بھنوؤں کو جنبش دے کر جواب دیا۔

''اچھا بھابی! میں یہ کہہ رہی تھی کہ اگر یہ دونوں بچے اپنی باتیں کر لیتے تو، دراصل دونوں ہی اتنے مصروف ہوتے ہیں کہ اور کوئی رابطہ بھی نہیں۔'' رضیہ کا یہ کہنا تھا اور سارہ کے چہرے پر بیزاریت طاری ہوئی تھی۔ وہ یہ نہیں چاہ رہی تھی اور دعا کر رہی تھی کہ زینت منع کر دیں لیکن زینت نے اجازت دے دی اور سارہ کو کہا کہ وہ شاہ زیب کو اس کے کمرے میں لے جائے۔

وہ بستر کے سرہانے بیٹھی زمین کو تک رہی تھی جبکہ شاہ زیب کمرے کا جائزہ لیتا ہوا اس کی کتابوں کو دیکھنے لگا جو سنگھار میز پر رکھی ہوئی تھیں۔

''بڑی پڑھا کو لڑکی سے پالا پڑا ہے۔'' اس نے کتابوں کو وزن کرتے ہوئے اس پر تبصرہ اچھالا۔

''کیا کام ہے آپ کو شاہ زیب؟'' اس نے ازلی بیزاریت سے سوال کیا تھا۔

''کام تو بہت ہیں پر تم مانتی ہی کہاں ہو۔'' اس نے نظروں سے سارہ کو گھیرا جسے اس شخص پر نگاہ ڈالنا بھی ناگوار لگتا تھا۔

''جانتی ہو میں آج کیوں آیا ہوں؟'' وہ آہستہ آہستہ قدم بڑھاتا ہوا اس تک آ رہا تھا۔

سارہ نے بغیر تاثر لیے اس کی جانب دیکھا۔ وہ جس وجہ سے بھی آیا ہوا سے کیا غرض تھی۔

''فون پر بات کرو تو تمہارا منہ ہی چڑھا ہوتا ہے۔ سوچا گھر آؤں گا تو تمہارے ماموں مامی ملنے سے منع تو نہیں کریں گے۔'' وہ عیاری سے مسکرایا تو سارہ کے چہرے کے زاویے بگڑ گئے۔

''آپ کی بے جا ضد کے آگے میں کیا بات کروں آپ سے۔ میں نے تب بھی آپ سے وہی کہا تھا اور اب بھی یہ ہی کہوں گی، ماموں کی اجازت کے بغیر نہیں۔'' وہ مشتعل سی اٹھ کر اس کے مقابل آگئی پر لہجہ قدرے نارمل رکھ کر کہا تھا۔

''ہاں...... اجازت۔'' اس نے نخوت سے ہنکار بھرا۔ ''تم شاید بھول رہی ہو جو احسان کیا تھا۔ میں اگر چاہوں تو ابھی کے ابھی تمہارے ماموں سے شادی کی بات کر دوں۔ انہیں کیا اعتراض ہوگا، پر میں تمہاری وجہ سے نہیں کر رہا۔ جانتی ہو کیوں؟'' وہ رک کر سارہ کے چہرے کے تاثر دیکھ رہا تھا جس نے آنکھیں مزید وا کیے اس سے پوچھا تھا۔

''اچھی لگتی ہو تم۔ تب ہی مان لیتا ہوں پر اس کا یہ ہرگز مطلب نہیں کہ تم اپنی اکڑ میں یہ بھول جاؤ کہ مقابل میں کھڑا ہوں تمہارا ہونے والا شوہر۔ تمہیں یاد دلانا پڑتا ہے کہ فاروق انکل کو بتانے میں مجھے ذرا وقت نہیں لگے گا۔ لہٰذا سیدھے طریقے سے جو میں کہہ رہا ہوں وہ کرو۔'' اس کی نگاہیں شاطرانہ اور لہجہ مستحکم انداز لیے ہوئے تھا پر سارہ گھبراہٹ کے بجائے ڈٹ کر اسے دیکھنے لگی۔

”سو بسم اللہ! میری مت ماری گئی تھی جو آپ جیسے شخص پر بھروسہ کیا۔ اگر آپ بتانا چاہیں تو ضرور بتائیں مجھے ڈر نہیں لگتا۔“ وہ کہہ کر اس کی دائیں جانب سے جانے لگی کہ شاہ زیب نے نظر اکڑا کر اس کی کلائی مضبوط گرفت سے پکڑ لی۔

”کیا بدتمیزی ہے ہاتھ چھوڑیں میرا۔“ سارہ مشتعل سی اس پر بھڑک اٹھی۔ شاہ زیب نے پوری قوت سے اسے اپنی جانب کھینچا تھا اور اپنے لبوں پر انگشت شہادت رکھ کر اسے چپ رہنے کی دھمکی دی۔ اس کی آنکھوں میں سرخ ڈورے سارہ بخوبی دیکھ سکتی تھی جو وحشیانہ انداز لیے ہوئے تھیں۔

”تم جانتی نہیں ہو کس سے پالا پڑا ہے سارہ۔ تم یہ کیوں نہیں سوچ رہیں کہ تمہارے اپنے گھر آ کر بھی میں جو چاہوں کر سکتا ہوں۔ اب یہی دیکھ لو تمہاری ماما کو خیال ہی کہاں ہے۔ عزت سے پیش آ رہا ہوں تو تم بھی سیدھی طرح ہی چلو۔ مجھے شدید بھاؤ دیتی ہوئی لڑکیاں اتنی بھی نہیں پسند۔“ اس نے جھٹکے سے ہاتھ اس کا چھوڑا اور اپنی گھٹیا سوچ اور ذہنیت سے سارہ کے چہرے پر طواف کرتی ہوئی آنکھوں سے اسے دیکھا۔

وہ پل بھر میں اس شخص سے کراہیت محسوس کرتی ہوئی پیچھے ہٹی تھی۔ شاہ زیب چالاکی سے مونچھوں کو تاؤ دیتا ہوا باہر نکل گیا۔ اس کے باہر جاتے ہی سارہ نے دروازہ بند کر دیا اور سنگھار میز کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی۔ جسم وحشت سے لرز رہا تھا پر وہ آگ بگولہ ہو رہی تھی۔ اس شخص کے چنگل سے خود کو چھڑانا بے حد مشکل لگ رہا تھا۔ اپنا عکس آئینے میں دیکھتی ہوئی اس کے دماغ میں سائرنوں کی آوازیں گونجنے لگی تھیں۔ تحت لاشعور میں بے حد خیال سے رکھا گیا واقعہ ذہن کی اسکرین پر چلنے لگا تھا۔ فضا میں دھوئیں کے مرغولے، لوگوں کی دھما چوکڑی۔ پولیس کا مجمع کو حفاظتی مقام پر پہنچانا۔ ملامت کرتی ہوئی آوازیں۔ دور ہجوم میں اسے وہ شخص

جو فرشتہ نما تھا نظر آنے لگا تھا۔ جس نے ایک ہی جست میں اس کا ہاتھ تھاما تھا۔ گرفت تو اس کی بھی مضبوط تھی پر اس میں تحفظ کا احساس تھا۔ پھر دوپٹے کے اوپر سے کلائی تھامتے ہوئے اس نے حجاب کا خیال رکھ لیا تھا کہ مقابل کسی لحاظ سے وحشت کا شکار نہ ہو۔ یہ تو موقع کا تقاضا تھا ورنہ وہ جانتی تھی کہ زین ایسا بھی نہ کرتا۔

اپنا عکس دیکھتی نگاہیں یاسیت سے زمین بوس ہوئی تھیں۔ دو مرد اور ایک دوسرے سے کس قدر مختلف۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی شاہ زیب اور زین کا موازنہ کر رہی تھی۔

☆......☆......☆

باغ کا درد اسی پھول کے دل سے پوچھو
مسکراتا ہوا جو دورِ خزاں سے گزرے

نومبر کا دوسرا ہفتہ چل رہا تھا۔ موسمِ خزاں نے اپنی حاضری سے ہرے بھرے نظاروں کو مرجھا دیا تھا۔ تر و تازہ ہریالی اور رنگین پھول پودے سوکھ کر بکھرتے ہوئے ہر سو نظر آرہے تھے۔ اس بے رحم موسم کے شکنجے میں صرف شجر، پیڑ پودے اور گل ہی نہیں بلکہ وہ لوگ بھی آ جاتے ہیں جو خلوت کا شکار ہوتے ہیں۔ تنہائی کے خول میں تو وہ بھی بند ہو رہی تھی۔ سارہ کے چہرے کی شادابی خزاں کے موسم میں فرش پر گرے سوکھے زرد پتوں کی مانند ہوتی جا رہی تھی۔ کھلتا گندمی چہرا زرد رنگ میں گھل رہا تھا۔ وہ تو پہلے بھی ایسی ہی کیفیت سے دوچار تھی پر اب اس کا حال مختلف تھا۔ گویا اس روتے ہوئے بچے کی مانند جسے کھلونا دے کر بہلا دیا جاتا ہے۔ وہ رونا تو ختم کرتا ہے پر ساتھ ساتھ تحفہ پا کر بے تحاشا خوش بھی ہو جاتا ہے۔ پر اگر اس سے وہ ہی کھلونا چھین لیا جائے تو پہلے کے مقابلے مزید بلند آواز میں رو پڑتا ہے۔

وہ تو اس سے پیشتر بھی تنہائی کے پنجرے میں بند ہوئی مضطرب رہا کرتی تھی پر تب دوستی

کے رنگ میں رنگی نہیں تھی۔ خوشیوں سے ناآشنا تھی۔ زین کے زندگی میں آنے سے بہار کا موسم ہر سو محسوس ہوا کرتا تھا۔ وہ چاق و چوبند ہشاش بشاش سالڑکا خوشیاں بکھیرتا ہوا اسے بھی اسی لے پر لے جا رہا تھا کہ یکا یک سب درہم برہم ہوگیا۔ بہار کا موسم بن بتائے منہ موڑے چلا گیا۔ خوشیاں ناتا توڑ کر مدبر ہو گئیں۔ اس کی خلوت سے آشنائی مزید بڑھ گئی۔ وہ خود کو قفسِ قلق میں پایا کرتی تھی۔

امتحان کے بعد آج پہلی کلاس اکاؤنٹس کی تھی۔ جہاں وہ دونوں اول روز سے ساتھ بیٹھا کرتے نظر آتے تھے پر آج ایک دوسرے سے فاصلہ رکھے ہوئے تھے۔ سر نے کلاس میں تمام طلبا کو ان کے پیپر تقسیم کیے تھے اور بلند آواز سے پیپر میں جھنڈے گاڑنے پر سارہ اور زین دونوں کا نام لیا تھا۔ اتفاق تھا کہ دونوں کے مارکس پورے تھے اور ٹائے ہوا تھا۔ تالیوں کا شور کلاس میں گونجا تھا جب سر نے انہیں اچھے مارکس آنے پر مبارک باد دی تھی پر ان دونوں کے چہروں پر خوشی چھو کر بھی نہ گزری تھی۔ سارہ اپنی مخصوص جگہ پر سپاٹ چہرا لیے ہوئے تھی جبکہ زین دوسری طرف بیٹھا بس سر کو جنبش دے گیا تھا۔ یہ وہ وقت تھا جس پر اگر دونوں ساتھ ہوتے تو زین اسے اپنا چیلنج پورا ہونے پر چھیڑتا اور فائنل ایگزیم کا چیلنج لگے ہاتھوں دے دیتا۔ لیکن ان دونوں کے چہرے بجھے بجھے سے تھے اور آنکھیں کھوئی کھوئی تھیں۔ کتنے طلبا نے دونوں کو علیحدہ دیکھ کر آپس میں تبصرے شروع کر دیئے تھے۔ پر وہ دونوں سب کی باتوں سے بے پروہ اپنے غموں کو گن رہے تھے۔

کلاس اختتام کو پہنچی تو زین بغیر تاخیر کیے کلاس سے چلا گیا تھا جبکہ سارہ سب سے آخر میں نکلی تھی۔ اس کی دلی کیفیت اسے بوجھل کر رہی تھی۔ دماغی تھکان جسم سے جان ختم کرتی جا رہی تھی اور خدوخال پر شادابی ماند پڑ گئی تھی۔ وہ کلاس سے باہر نکلی اور کوریڈور میں چلتی ہوئی چلی گئی

کہ اچانک اس کی نگاہ سامنے جا ٹھہری۔

وہ یک ٹک دونوں کو ایک دوسرے سے بات کرتا ہوا دیکھ رہی تھی۔ ان کے درمیان تو رشتہ پہلے بھی تھا پر اب کیوں سارہ کو انہیں اس طرح دیکھ کر مزید کرب محسوس ہوتا تھا؟ شازیہ اور زین ایک ساتھ کھڑے اپنے دو اور دوستوں کے ساتھ ہنس بول رہے تھے۔ ان کے چہروں پر امڈتی مسرت سارہ کو اداسی کی طرف کھینچ رہی تھی۔ اسے برا نہیں لگ رہا تھا پر اسے اپنے اندر قلق اترتا محسوس ہو رہا تھا۔ وہ تو اکیلی تھی۔ بالکل اکیلی۔ آنکھوں کے کناروں سے ایک آنسو گرنے پر تھا جسے وہ اپنی انگلی سے صاف کر گئی تھی۔ وہ ان کی طرف سے جانے کے بجائے دوسرے راستے سے نکل کر اپنی اگلی کلاس لینے چلی گئی۔

آج تو پہلا دن تھا جو اتنا بھاری لگا تھا۔ اب تو آنے والے کئی دن اسے ایسے ہی گزارنے تھے۔ اس نے خود کو ہر شے سے لاتعلق کر دیا تھا۔ لے دے کر ایک زنیرہ تھی جس کے ساتھ کم وقت ہی مل پاتا تھا۔ جیسے جیسے دن سرکتے جا رہے تھے سارہ کی طبیعت ڈھلتی جا رہی تھی۔ اس نے خود کو صرف کتابوں تک محدود کر دیا تھا اور یوں ہی ایک ہفتہ گزر گیا تھا۔ اسے زین اور شازیہ ایک ساتھ ہر وقت دکھائی دیتے تھے۔ یا شاید اس کا دماغ اس کے ساتھ کھیل رہا تھا کیونکہ وہ دونوں تو ویسے بھی ملا کرتے تھے پھر اب کیوں اس کی نظروں میں مزید اجاگر ہو رہے تھے؟ وہ سمجھنے سے قاصر تھی۔ وہ مان نہیں رہی تھی پر وہ عادی ہو چکی تھی۔ اس شخص کی جس نے اس کی دنیا بدل دی تھی۔ اس کے ساتھ گزارا ایک لمحہ بھی سارہ کے چہرے پر مسرت لے آتا تھا۔ پر اب لب ایک دوسرے سے سل چکے تھے۔ پھر کوئی خوشی ان میں نہ سمائی تھی۔ پورے ہفتے میں آخری سیشن جس میں وہ اسے ڈھونڈتا ہوا آ جایا کرتا تھا اب اس کی راہ تکتی رہا کرتی تھی۔ نگاہیں نہ چاہتے ہوئے بھی اسے ڈھونڈا کرتی تھیں۔ اپنی کیفیت سے بیگانہ وہ آشفتہ سی

یونیورسٹی سے گھر روانہ ہو جاتی تھی کیونکہ جس کی آس تھی وہ پاس نہیں تھا۔ سارہ نے خود کو اس سے میلوں دور کر دیا تھا۔

ان کے درمیان دوریوں سے صرف یہی واقف نہیں تھے بلکہ وہ تمام طلبا جو چہ میگوئیوں میں وقت ضائع کرتے تھے۔ اب ان کے موضوع گفتگو سارہ اور زین کی علیحدگی ہو گیا تھا۔ کئی لوگ نوٹ کر چکے تھے کہ ان دونوں نے ایک دوسرے سے ملنا بند کر دیا تھا۔

☆......☆......☆

نومبر کا تیسرا ہفتہ شروع ہو گیا تھا۔ سارہ کلاس لے کر زنیرہ کا اکیڈمک بلڈنگ کے باہر انتظار کر رہی تھی۔ کافی دیر ہو گئی تھی جب زنیرہ اس کے پاس آئی تھی۔

''اتنی دیر ہو گئی تمہیں؟'' سارہ نے پوچھا۔ آج اس نے اپنے آدھے بالوں میں کلپ لگا کر باقی پشت پر کھلے چھوڑے تھے پر اس بے رونق چہرے پر وہ نمایاں نہیں ہو رہے تھے۔

''ہاں یار! سر نے اتنی دیر سے چھٹی دی ہے۔'' زنیرہ نے تھکان سے کہا تھا۔

''ہمم۔ تھوڑی دیر ہی ہے تمہاری دوسری کلاس شروع ہونے والی ہے۔'' سارہ نے کہا۔ اس کی خالی خالی آنکھوں میں کہیں کوئی رمق نہ تھی۔

''ہاں نا، پتہ نہیں ٹیچرز ایسا کیوں کرتے ہیں، دماغ کو بھی تو سکون چاہئے ہوتا ہے۔ ہے کہ نہیں؟'' زنیرہ نے پوچھا۔

''صحیح کہہ رہی ہو۔'' سارہ کہہ کر نظریں نیچے کر گئی۔

''سارہ؟ تمہارا چہرا اتنا کیوں اتر گیا ہے؟ ایک ہفتے سے دیکھ رہی ہوں، گھر میں سب ٹھیک ہے؟'' زنیرہ نے بغور اس کے چہرے کا جائزہ لے کر پوچھا تھا۔ جس پر سارہ نے الجھ کر اپنے گالوں پر ہاتھ پھیرا۔ وہ چاہے خود محسوس نہ کرتی پر زنیرہ نے بھی اس بڑھتی ہوئی بے رونقی کو پرکھ لیا تھا

”نہیں ایسی بات نہیں ہے بس موسم ہے ایسا اس لیے تھوڑی تھکان محسوس ہوتی ہے۔“ اور سارا الزام بے رحم موسم کی نذر رہوا تھا۔ وہ دونوں دیوار سے ٹیک لگائے کھڑی تھیں۔

”کتنا کم وقت ہوتا ہے۔ میں تو قسم سے پڑھ پڑھ کر پاگل ہو جاؤں گی۔ چلو یار میں چلتی ہوں۔ زین نہیں آیا ابھی تک؟“ زنیرہ نے معمول کے مطابق سارہ سے پوچھا تھا۔ کیونکہ یہ وہی وقت تھا جب زین لازمی آتا تھا لیکن پچھلے پورے ہفتے سے وہ نہیں آیا تھا اور زنیرہ نے اب جا کر اندازہ لگایا تھا۔ وہ متلاشی نگاہ ادھر ادھر کرتی ہوئی زین کو تلاش کر رہی تھی پر سارہ نے آشفتہ ہوتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔

”یونیورسٹی تو آتا ہے وہ۔ اکثر مل جاتا ہے لیکن کافی وقت سے تمہارے ساتھ نہیں دیکھا۔“ زنیرہ نے حیرت سے پوچھا تو سارہ نے بمشکل خود کو کمپوز کیا۔

”ہمم۔ شاید سوسائٹی کا کام ہوگا۔“ اس سے بہتر کیا بہانا ہوتا۔

”ہمم۔ ہاں ویسے بھی اب تو تھوڑے دن ہی رہ گئے ہیں فیسٹیول میں۔ خیر تم کہاں جاؤ گی اب؟“ زنیرہ نے سارہ سے پوچھا۔

”پتہ نہیں۔ دیکھو، شاید گھر چلی جاؤں۔“ سارہ نے کہا اور چپ ہوگئی۔

”چلو ٹھیک ہے پھر کل ملتے ہیں اللہ حافظ۔“ زنیرہ نے اسے گلے سے لگایا اور چلی گئی۔ وہ ایکاڈیمک بلڈنگ کی سیڑھیاں اترتی ہوئی آئی ٹی بلڈنگ سے ملحقہ باغ میں دیکھنے لگی۔ کئی بار ان دونوں کی ملاقات یہاں ہوا کرتی تھی اور اس وقت بھی اسے ماضی سے جڑے کئی واقعات یاد آنے لگے تھے۔ وہ افسردگی سے مسکرائی اور خارجی دروازے کی طرف قدم بڑھا دیئے۔

یوں تو وہ کسی نہ کسی دوست کے ساتھ ہوتا تھا لیکن اس کی نظر ہر وقت سارہ کے اردگرد گھومتی تھی۔ وہ اس کے ہر قدم سے واقف تھا اور اسے اکیلا نہیں چھوڑتا تھا۔ جب سارہ مکمل

منظر سے غائب ہوگئی تو وہ جو آئی ٹی بلڈنگ کے کانچ کے بنے دروازے کے عقب میں کھڑا اسے دیکھ رہا تھا، سیڑھیوں کی طرف رخ کرتا ہوا چھت پر اکیلے چلا گیا۔

☆......☆......☆

آرام دہ حالت میں صوفے سے ٹیک لگائے وہ دونوں اپنے ناخنوں کی تراش وخراش کی غرض سے سیلون آئی ہوئی تھیں۔ یہ سیلون پوش علاقے میں تھا جہاں اشرافیہ پائی جاتی تھی۔ وہ گرین ٹی شنگرفی ہونٹ سے لگا کر سپ لیتے ہوئے اطمینان اور سکون محسوس کر رہی تھی۔ سیلون میں اس وقت چیدہ چیدہ لوگ موجود تھے۔ دونوں کو ایک ایک اسسٹنٹ ملی ہوئی تھیں جو اپنا کام بخوبی انجام دے رہی تھیں۔ شازیہ نے مینیکیور اور پیڈیکیور میں اپنے تراش شدہ ناخنوں پر شائنز کا انتخاب کیا تھا جبکہ انوشہ نے گہرے رنگ کی نیل پالش ہاتھوں اور پیروں کے لیے پسند کی تھی۔ ہاتھ مکمل ہوتے ہی اسسٹنٹ ان کے پیروں پر اپنا ہنر دکھا رہی تھیں۔ وہ جیسے جیسے تلووں کو مساج کرتی جاتیں انوشہ اور شازیہ کو طمانیت کا احساس ہونے لگتا۔

''کتنا سکون ہے یہاں۔'' اس پر غنودگی طاری ہو رہی تھی۔

''ہمم۔ واقعی میں۔'' انوشہ بھی آرام دہ حالت میں صوفے پر بیٹھی ہوئی سروسز سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔

''شازیہ میم! ایک نیا نیل آرٹ لانچ ہوا ہے۔ آپ نے وہ پسند نہیں کیا؟'' اسسٹنٹ جو شازیہ اور انوشہ کو جانتی تھی پوچھنے لگی۔

''اچھا؟ تم فارغ ہو کر مجھے دکھانا تو ذرا۔'' شازیہ نے متجسس ہو کر پوچھا تھا۔

''یار شازیہ! اگر اچھا ہوا تو ایونٹ کے لیے ہم نیل آرٹ کروا سکتے ہیں۔ کیا کہتی ہو؟'' انوشہ نے چہک کر کہا تھا۔

”بہت اچھا آئیڈیا ہے۔ کچھ مختلف ہو جائے گا۔“ شازیہ نے ہامی بھری۔

”ہیں نا! ارے میں تو تم سے ایک بات پوچھنا بھول ہی گئی۔ تم نے ایسا کیا کیا کہ زین اور سارہ اب ساتھ نظر ہی نہیں آرہے۔“ اچانک یاد آنے پر اس نے شازیہ سے سرگوشی میں پوچھا تھا۔

”کیا واقعی؟ تمہیں کیسے پتہ کہ نہیں مل رہے؟“ شازیہ کو اس کے سوال پر خوش گوار حیرت نے گھیرا تھا۔

”لو! پوری یونیورسٹی کہہ رہی ہے اور تم مجھے پوچھ رہی ہو کہ مجھے کیسے پتہ۔“ انوشہ نے کہا۔

”اچھا۔ مجھے واقعی علم نہیں تھا اس بات کا۔ اور یہ بھی کہ نتیجہ اتنی جلدی دیکھنے کو ملے گا۔“ اس نے نخوت سے مسکرا کر کہا تھا۔

”تم نے ایسا کیا کیا تھا یہ تو بتاؤ جو وہ اتنی جلدی دور ہوگئی ہے زین سے۔“ انوشہ نے پوچھا۔ اسے بے تحاشا تجسس تھا

”اسے سمجھایا تھا کہ وہ کہاں سے آئی ہے۔ جب تک ایسے لوگوں کو ان کی اوقات نہ بتاؤ وہ سر پر ہی چڑھ جاتے ہیں۔“ شازیہ رعونت سے مسکرائی تھی۔

”اوہ! زبردست، کافی اچھا کھیلی ہو تم۔“ انوشہ نے کہا۔

”ہاہاہا۔ شکریہ۔“

☆......☆......☆

نومبر ختم ہونے میں چند دن باقی تھے اور خزاں کے موسم سے ہر شے متاثر ہوگئی تھی۔ پت جھڑ کا موسم آخری خیر باد کہتا ہوا جا رہا تھا اور موسم سرما اپنے ساتھ بڑھتی ہوئی خنکی اور مزید قنوطیت لیے داخل ہو رہا تھا۔ یونیورسٹی کی کھلی فضا میں جاڑے کا زور شدت پکڑ لیتا تھا۔ وہ بھی سیاہ شال لیے گھر سے نکلا کرتی تھی۔ اگرچہ ٹھنڈ کی شروعات تھی پر اسے یونیورسٹی

آتے وقت اندر تک سردی محسوس ہوا کرتی تھی۔ کچھ طبیعت کی ناسازی بھی تھی۔ وہ ایک مہینے میں بہت نحیف ہوگئی تھی۔ اس کا چہرا اس کے اندر موجود نقاہت کی ترجمانی کرتا تھا۔ آنکھوں کے گرد حلقے گہرے ہو رہے تھے۔ وہ اپنی ابتر حالت سے بے خبر تھی۔ ویسے بھی ظاہری حسن پر اس سے پیشتر دھیان کہاں رکھا تھا۔ لہٰذا اب بھی توجہ یہاں نہ جاتی۔ البتہ وہ ہر وقت تھکی تھکی اور اداس رہا کرتی تھی۔ آج بھی موڈ کی بحالی کے لیے اس نے کلاس سے نکل کر لائبریری کے باہر سیڑھیوں کی طرف رخ کرلیا۔ دھوپ کی کرنیں خنکی بھرے موسم میں آسودگی بخش رہی تھیں۔

''سارہ! تمہیں کتنی دیر سے فون کر رہا ہوں۔ اٹھا کیوں نہیں رہیں؟'' اس نے بیگ سے مطلوبہ کتاب نکال کر مطالعہ کرنا شروع کیا تھا کہ یکا یک ارسلان اس کے پاس چلتا ہوا کہتا آیا۔ وہ کیفے سے نکلا تھا کہ لائبریری کے پاس سارہ کو موجود پایا تو سیدھا یہاں چلا آیا۔

''اچھا؟ میرا فون تو بیگ میں ہے۔'' سارہ نے الجھ کر بیگ کھول کر دیکھا تو موبائل کی اسکرین پر تین کالیں ارسلان کی آئی ہوئی تھیں۔ پر فون وائبریشن پر تھا۔

''اوہ ہاں! میں نے آواز نہیں کھولی اس کی دراصل کلاس ختم ہوئی تو آ کے یہاں بیٹھی ہوں، کیا ہوا؟'' سارہ نے پوچھا۔

''یار! تم سے کچھ ضروری کام پر بات کرنی تھی۔ اور اس کے علاوہ کچھ سوسائٹی کے اور کام تھے جو تمہیں دینے تھے۔ اب وقت کم ہے ہمیں جلدی سب کرنا ہوگا۔'' ارسلان اس سے ایک سیڑھی چھوڑ کر بیٹھ گیا تھا۔

''ارسلان! جو ضروری کام تھا وہ کرلیا ہے ہم نے۔ مجھے نہیں لگتا کہ اب مزید میری کوئی ضرورت ہوگی سوسائٹی میں۔ مجھے ویسے بھی سر قاسم نے زبردستی اس میں شامل کر دیا تھا۔ میں

مزید اب کسی جھنجٹ میں نہیں پڑنا چاہتی۔" سارہ نے صاف انکار کر دیا تھا۔ اسے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ہر چیز سے بیزاری محسوس ہونے لگی تھی۔

"یار تھوڑے دن ہی تو ہیں۔ ایونٹ کے بعد تو ویسے بھی سب فارغ ہو جائیں گے۔ اچھا ہے ایک سرٹیفکیٹ مل جائے گا۔" ارسلان نے اسے سمجھانا چاہا۔

"اور اس کا میں کیا کروں گی؟ یہ سرٹیفکیٹ کس کام کا؟" سارہ نے اکتائے ہوئے پوچھا۔

"کیوں؟ شادی کرنے والی ہو کیا؟" وہ ارسلان کی بات پر ٹھٹک گئی۔ وہ تو شوخی انداز میں اسے دیکھ رہا تھا پر سارہ نے تاثر چھپا کر نظریں چرالیں۔

"مذاق کر رہا ہوں۔" ارسلان نے برجستہ کہا، کہیں وہ ناراض نہ ہو جائے۔

"ارسلان۔" اس نے سرد سانس کھینچی تھی۔ "میں اب پڑھائی پر مکمل توجہ دینا چاہتی ہوں اور مزید ڈسٹرب نہیں ہونا چاہتی۔" سارہ نے اصرار کیا تو وہ بھی مذاق کو ایک طرف کرتا ہوا اس کی حالت کو بغور دیکھنے لگا تھا۔ اس نے کتاب میں نظریں گاڑ دی تھیں۔ مزید ارسلان سے بات نہیں کرنا چاہتی تھی۔

"کچھ ہوا ہے کیا؟" اس نے سارہ کے چہرے پر چھائی مرجھائی اخذ کرتے ہوئے تشویشی انداز میں پوچھا تھا۔

"نہیں تو، سب تو ٹھیک ہے۔" سارہ کا جان چھڑاتا لہجہ اسے مزید سوچنے پر مجبور کر گیا۔

"چلو ٹھیک ہے جیسے تمہاری مرضی۔" وہ یکلخت ہی سنجیدہ ہوا اور وہاں سے اٹھ گیا۔ جاتے جاتے بھی اس نے ایک بار پلٹ کر سارہ کو دیکھا ضرور تھا۔ وہ چلتا ہوا واپس ایکٹیویٹی سینٹر جا رہا تھا۔ دیوار سے ٹیک لگائے زین موبائل فون پر کچھ کام میں مصروف تھا جب ارسلان اس کے پاس آ گیا تھا۔ اس سے قبل شازیہ زین کے ساتھ موجود تھی۔

”کیا کر رہے ہو یہاں تم؟“ ارسلان نے پوچھا۔

”کچھ بھی نہیں، بس کلاس لے کر آرہا ہوں، سوچ رہا تھا سوسائٹی روم چلا جاؤں۔ تم کہاں سے آرہے ہو؟“ اس نے موبائل جیب میں ڈال کر ارسلان کو دیکھا۔

”یار! سارہ کے پاس تھا۔ کچھ کام تھا اس سے لیکن اس نے مزید کسی قسم کی سوسائٹی سے متعلق مدد کرنے سے معذرت کرلی ہے۔ بہت سمجھایا لیکن کہہ رہی ہے کہ پڑھائی اور سوسائٹی دونوں ساتھ لے کر نہیں چل پا رہی۔“ ارسلان کا کہنا تھا کہ زین کے چہرے پر تاثرات سخت ہوئے تھے۔

”نہیں کرنا چاہتی تو پھر رہنے دو۔ تمہیں بھی زبردستی کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ چلو میں سوسائٹی روم جا رہا ہوں۔ تم آرہے ہو؟“ زین کا لہجہ سنتے ہوئے ارسلان نے اس پر تنقیدی نگاہ ڈالی تھی۔ وہ تو سمجھا تھا کہ یہ سب سن کر زین سارہ سے بات کرے گا۔ پر معاملہ اس کی توقع کے خلاف ہوا تھا۔

”ارے یار! ایک منٹ۔“ زین جانے کے لیے پلٹا تھا کہ عقب سے ارسلان نے کہا۔ وہ سارہ اور زین دونوں کو لے کر کشمکش میں مبتلا ضرور ہوا تھا پر اس وقت اسے سوسائٹی کے حوالے سے اچانک بات یاد آئی تھی۔

”کیا ہوا؟“ زین نے پوچھا۔

”یار! اس سے ایک بات تو کرنا بھول ہی گیا، سارے فلکس کی اینٹری کی ہی نہیں تھی اس کو بولتا ہوں بس یہ کر لے پھر سر قاسم سے ایک میٹنگ کرنی ہوگی۔“ ارسلان نے کہا۔

”چلو ٹھیک ہے، تم جاؤ میں چلتا ہوں۔“ وہ رکا نہیں چلتا چلا گیا۔

(قسط نمبر: 3)

ایکٹیویٹی سینٹر کا گراؤنڈ فلور آج پوری مارکیٹنگ سوسائٹی کے قبضے میں تھا۔ تمام ممبران یہاں موجود تھے اور جن جن طلبا نے ایونٹ میں مطلوبہ سٹالز لگانے کا ارادہ کیا تھا وہ بھی آج اس میٹنگ کا حصہ بنے ہوئے تھے۔ اجلاس کا تمام ایجنڈا زین چلا رہا تھا۔ وہ وجیہہ مرد آج مزید قابل ستائش لگ رہا تھا۔ بھرپور پھرتی اور پر جوشی کے ساتھ اس نے تمام لوگوں کو اپنے حصار میں کیا ہوا تھا۔ مذاق مستی کے ساتھ ساتھ میٹنگ کے تمام نقات پر بحث مباحثے ہو رہے تھے۔ ہر شخص اس کا گرویدہ ہو رہا تھا۔ ہر صنفِ مخالف کی آنکھ اس پر پڑ کر اسیر ہو رہی تھی۔ وہ ماہرانہ انداز سے سب کی سن بھی رہا تھا اور سوال جواب میں اپنے گروپ کے ساتھ سب کے پرابلم کو حل کرتا جا رہا تھا۔ ساتھ ہی اگلے اقدامات سے ایک ایک کو آگاہ کر رہا تھا۔ ہنسی کی گونج اور تالیوں کا شور پھر مزہ و تفریح میں کی جانے والی طلبا کی جانب سے ہوٹنگ نے ایکٹیویٹیز سینٹر کا ماحول خوش گوار کیا ہوا تھا۔ جو سوسائٹی کا حصہ نہیں تھے وہ بھی اطراف میں کھڑے اس وجاہت سے بھرپور مرد کو توصیفی نگاہ سے دیکھ رہے تھے۔ کئی پہلے فلور سے کھڑے ریلنگ سے ٹیک لگائے نیچے دیکھ رہے تھے۔ وہ اپنی قابلیت اور شائستہ لہجے سے ایک ایک کو متاثر کر گیا تھا۔

سارہ کی کلاس ختم ہوئی تو زنیرہ نے سارہ کو بھی ایکٹیویٹیز سینٹر چلنے کا کہا لیکن اس نے منع کر دیا اور سر درد کا بہانا بنا کر اپنے مائے سپاٹ پر چلی گئی تھی۔ یہاں بیٹھے اسے چند لمحے ہی گزرے ہوں گے جب ارسلان نے سارہ کو میسج کیا کہ وہ اسے پندرہ منٹ بعد سوسائٹی روم میں ملے گا۔ سارہ نے اوکے کا جواب دے دیا۔ ایک دن قبل ان کے درمیان ایک آخری کام

رہ گیا تھا جو ارسلان کے بے حد اصرار پر سارہ کرنے پر مان گئی تھی۔ وہ مائے سپاٹ پر خاموش بیٹھی رہی تھی۔ اس کا دماغ ایکٹیویٹی سینٹر میں ہونے والی میٹنگ کی طرف تھا۔ زنیرہ نے عجلت میں اتنا تو بتا دیا تھا کہ وہاں ٹھیک ٹھاک ہلا گلہ ہو رہا ہے۔ وہ آشفتہ سی سوچتے ہوئے خلا میں دیکھنے لگی۔ زین ہوگا تو شازیہ بھی ساتھ موجود ہوگی۔ ان دونوں کو ایک ساتھ دیکھ کر اس پر یاسیت سی طاری ہو جاتی تھی جسے وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ ایسا کیوں محسوس ہوتا ہے۔ یہ ہی تو اس نے چاہا تھا کہ زین شازیہ کے پاس چلا جائے۔ پھر یہ اداسی کیوں تھی؟ اسے کچھ کھونے کا احساس گھیرے ہوئے تھا۔ انجانی ہار کا اثر اسے اداس کرتا جا رہا تھا اور چونکہ وہ ان سب میں اس قدر الجھ گئی تھی کہ یہ تمام سوچیں اسے بے چین کرنے لگی تھیں۔ سوچ کے گھوڑوں کو بھگاتی ہوئی اس نے ہاتھ میں بندھی گھڑی پر وقت دیکھا تو پندرہ منٹ گزر چکے تھے۔ اس نے بالوں کو ترتیب سے کلپ میں باندھا جو ڈھیلے ہو کر بے ترتیب ہو گئے تھے پھر بیگ اٹھا کر ایکٹیویٹی سینٹر چلی گئی۔ میٹنگ کا اختتام کچھ لمحے قبل ہوا تھا اور جو ہال کھچا کھچ بھرا ہوا تھا اب نصف رہ گیا تھا۔ اس نے نظریں نیچے کیے ہی سیڑھیوں کی طرف رخ کر لیا اور اوپر چلی گئی۔

وہ سوسائٹی روم پہنچی تو وہاں سناٹا چھایا ہوا تھا۔ وہ ارسلان ہی کیا جو وقت پر آ جائے۔ کمرے کی لائٹیں جلا کر اس نے ایک کرسی پر بیٹھ کر انتظار کرنے پر اکتفا کیا تھا۔

تھوڑی دیر گزری تھی کہ اس کمرے کا دروازہ کھلا تھا۔ وہ ارسلان کی منتظر تھی اور اسی کی توقع کر رہی تھی پر چوکھٹ پر کھڑی انوشہ کو دیکھ کر وہ پل بھر کو ٹھٹکی ضرور تھی۔ انوشہ نے دوستانہ مسکراہٹ اس پر اچھالی اور اس کے برابر نشست سنبھال لی تھی۔

''کیسی ہو سارہ؟'' انوشہ نے سرتاپیر اسے دیکھا تھا پر سارہ کی نگاہیں اس کی سمت نہیں تھیں۔

''ٹھیک ہوں۔'' سارہ نے کہا۔

''بہت بجھی بجھی لگ رہی ہو۔تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟'' سب کی طرح انوشہ نے بھی اس کے چہرے پر چھائی زردی کو محسوس کرتے ہوئے پوچھا تھا۔ حالانکہ وہ وجہ تو جانتی تھی پر اس کے منہ سے سننے کا مزہ الگ تھا۔

''نہیں بس ایسے ہی، میں ٹھیک ہوں۔'' سارہ نے اس پر سرسری نگاہ ڈال کر کہا۔

''ارسلان کا انتظار کر رہی ہو؟'' انوشہ نے ریوالونگ کرسی سے ٹیک لگالی اور ہلکے ہلکے اسے جھلاتی رہی۔

''ہمم۔''

''اوہ۔ وقت پر کہاں آتا ہے وہ۔ ویسے سارہ! مجھے تم پر فخر ہے، تم نے میری بات سنی اور اس پر عمل کیا۔'' وہ مخلص دوست کا لبادہ اوڑھے اسے مزید بھٹکانا چاہ رہی تھی۔

''کون سی بات؟'' سارہ نے پوچھا۔

''یہی زین سے دور رہنے کی نصیحت۔ تمہیں میں نے ہی بتایا تھا کہ وہ کیسا ہے۔شازیہ کو تو میں سمجھاتی رہتی ہوں لیکن کیا کریں وہ سمجھتی ہی نہیں ہے۔'' اس نے شانوں کو دھیرے سے اچکایا۔''تم مجھے سمجھدار لگیں تو میں تمہارے پاس آگئی۔''

سارہ اس کی باتیں خاموشی سے سنے جارہی تھی۔ اس کی بے سروپا باتیں سارہ کے دو فٹ اوپر سے گزرتی تھیں۔

''زین بھروسے کے قابل نہیں ہے۔ وہ اپنے مفاد کے لئے کبھی کسی کے پاس تو کبھی کسی کے پاس چلا جاتا ہے۔ تم تو جانتی ہونا ان امیر لڑکوں کو، وہ اپنے ٹائم پاس کے لئے ہی یہ سب کرتے ہیں۔'' وہ جس قدر زہر خند لہجے میں زین کے خلاف کہہ رہی تھی سارہ یک ٹک اسے دیکھے جارہی تھی پر اس کی سماعت میں انوشہ کی نہیں اس شہزادے کی آواز گونجی تھی۔

”میں نے کبھی کسی سے اظہارِ محبت نہیں کیا۔“

”سارہ! میں تم سے اس طرح کی باتیں چھپا بھی نہیں سکتا، جو ہوں۔ جیسا ہوں، تمہارے سامنے ہوں۔“ انوشہ کی آواز خود بخود معدوم ہوگئی اور زین کی آوازیں اس کے کانوں میں گونجنے لگیں۔ وہ سوچ میں محو انوشہ کا چہرا دیکھ رہی تھی۔ اسے حیرانی تھی کہ وہ کیسی دوست تھی جو اپنے ہی دوست کے بارے میں اس طرح کے الفاظ استعمال کر رہی تھی۔ اگر شازیہ نے سارہ پر تہمت لگائی تھی تو انوشہ زین پر کیچڑ اچھال رہی تھی۔

”تم نے بہت اچھا کیا جو اس سے بات چیت ہی ختم کر دی۔“ انوشہ نے کہا۔ ”اب شازیہ کا تو اللہ ہی حافظ ہے، خیر تم افسوس مت کرنا تمہارا فیصلہ درست ہے اور اس میں تمہاری ہی بھلائی ہے۔“ وہ کہہ کر رکی تھی جب کمرے کا دروازہ کلک کی آواز سے بند ہوا تھا۔

”یہ دروازہ تو خود بند نہیں ہو جاتا؟ شاید اٹک گیا ہوگا۔ اُف ہر چیز ہی خراب ہو رہی ہے یہاں کی۔ چلو میں چلتی ہوں سارہ۔ اپنا خیال رکھنا۔ اگر کسی چیز کی ضرورت ہو تو مجھے بتانا میں تمہاری مدد کروں گی۔ مجھے اپنا دوست ہی سمجھو۔“ وہ کہہ کر اٹھی اور کمرے سے چلی گئی پر سارہ وہیں بیٹھی اس دوغلی شخصیت کو دیکھ کر حیران رہ گئی تھی۔

☆......☆......☆

”سارہ احمد؟ تمہارا نام سارہ احمد ہے نا؟“ وہ آج بھی لائبریری کی سیڑھیوں پر موجود تھی جب ایک لڑکی اس کے پاس آ کر بیٹھتے ہوئے پوچھنے لگی تھی۔ اس نے کتاب سے سر اٹھا کر دیکھا۔

”جی، آپ شاید میرے ساتھ کلاس میں ہیں، ہیں نا؟“ سارہ دیکھتے ہی پہچان گئی تھی۔

”ہاں میں نیلوفر ہوں، ہم دونوں فائنینشل انسٹیٹیوشن میں ساتھ ہوتے ہیں۔ دراصل سر نے میرا آپ کے ساتھ نام لکھا ہے پریزنٹیشن میں۔“ نیلوفر نے کہا۔

''ہاں۔ مجھے معلوم ہے، آپ کلاس سے جلدی نکل گئی تھیں ورنہ میں آپ کے پاس ہی آ رہی تھی۔'' سارہ نے کہا۔

''اوہ اچھا۔'' نیلوفر مسکرا دی۔

''تم زین کی دوست تھیں نا؟ اکثر تمہیں اس کے ساتھ دیکھا تھا میں نے۔'' اس کے غیر متوقع طور پر پوچھے گئے سوال سے سارہ کے چہرے پر آتی آتی فرحت اڑن چھو ہوئی تھی۔

''میرے اور بھی دوست ہیں۔ صرف زین نہیں۔'' سارہ نے قدرے ناگوار انداز میں کہہ کر نظریں نیچے کر لیں۔

''ہاں پر میں نے تمہیں زین کے ساتھ ہی پہلے کئی بار دیکھا ہے۔ تب ہی تو تمہیں جانتی ہوں۔'' نیلوفر نے کہا اور سارہ خاموش رہی۔ مقبول شخصیت کے ساتھ رہ کر وہ کس طرح بری پھنسی تھی۔ اسے اب احساس ہونے لگا تھا۔ اس نے گھبراہٹ کو کسی قدر دور کرنا چاہا۔

''اچھا۔ خیر یہ بتاؤ کام کیسے کرنا ہے؟'' سارہ نے ہمت کر کے واپس بات کی اور موضوع ہی بدل دیا۔

''میں تو لائبریری میں ہی کر لیتی ہوں ویسے، پریزنٹیشن اور اسائنمنٹ وغیرہ۔'' سارہ نے آگے کہا۔

''اوہ۔ یہ تو اور بھی اچھا ہو گیا، اگر تم ابھی فارغ ہو تو پھر ابھی ہی شروع کر دیں؟'' نیلوفر نے پوچھا۔

''ہاں صحیح ہے میں فارغ ہی ہوں۔'' سارہ نے کہا۔

''السلام علیکم سارہ۔'' ارسلان چلتا ہوا اس کے پاس آ رہا تھا۔ آج معمول کے خلاف وہ سنجیدہ لگ رہا تھا۔ چہرے پر مسکراہٹ نہ کوئی شرارت۔

"وعلیکم السلام ارسلان، کیا ہوا کوئی کام ہے؟" سارہ نے پوچھا۔

"ا...... ہاں! کیا میں تم سے دو منٹ بات کر سکتا ہوں؟" ارسلان نے پوچھا۔ سارہ نے نیلوفر کو اجازت بھری نگاہ سے دیکھا جو اس کا انتظار کر رہی تھی۔

"کوئی بات نہیں تم بات کر کے آجاؤ، میں اندر چلی جاتی ہوں اور کمپیوٹر پر کام شروع کرتی ہوں۔" نیلوفر نے کہا۔

"ٹھیک ہے میں بس ابھی آئی۔" سارہ نے کہا اور نیلوفر اندر چلی گئی پھر ارسلان اس کے ساتھ بیٹھ گیا۔

"کیا بات کرنی ہے تم کو؟ اگر سوسائٹی کے حوالے سے ہے تو میں پہلے بھی کہہ چکی ہوں ارسلان۔" وہ باقی نامکمل کام بھی پورا کر کے دے چکی تھی اور اب اپنی جان سوسائٹی سے چھڑانا چاہتی تھی اسی لیے اس وقت بھی چڑ کر گویا ہوئی تھی۔

"نہیں سوسائٹی کے حوالے سے نہیں ہے، وہ تو اس دن میں نے اور تم نے سب کام کر لیے تھے اب باقی جیسے تمہاری مرضی۔ میں نے زین سے بھی بات کی تھی اور اس کا بھی یہ ہی کہنا تھا۔" ارسلان نے کہا۔

"ہمم...... پھر؟" سارہ نے پوچھا۔

"یار! تمہارے اور زین کے بیچ میں کچھ ہوا ہے؟" اچانک سوال پر سارہ کا تاثر یک دم بدلا تھا۔

"کیا مطلب؟" سارہ نے پوچھا۔

"مطلب، تم دونوں بہت بدل گئے ہو، پہلے ساتھ نظر آتے تھے اب وہ بھی نہیں۔ کچھ ہوا ہے کیا؟" ارسلان نے گمبھیر لہجے میں پوچھا۔

"کیوں؟ اب یونیورسٹی میں یہ مشہور ہو گیا ہے کہ ہم دونوں نہیں ملتے؟ اگر ایسا ہے تو اچھا

ہے، لوگ مجھے اس طرح بھلا ہی دیں گے اور جن جن کو بے چینی ہے انہیں بھی قرار آ جائے گا!'' اس نے طنزیہ انداز میں کہا تو ارسلان اسے دیکھتا رہ گیا۔

''تو تم نے محض افواہوں کو بند کرنے کے لئے ایسا کیا؟'' ارسلان کو حیرت کا جھٹکا لگا تھا پر وہ یہ سنتے کے ساتھ ہی چپ ہوئی تھی۔ اس کے پاس کوئی الفاظ نہیں تھے وضاحت کے لیے۔ آخری چھت پر ہوئی ملاقات اسے اب تک اپنی گرفت میں لیے ہوئے تھی۔

''نہیں ارسلان، افواہوں پر ہوتا تو بہت پہلے کر لیتی۔ لیکن ایسا نہیں ہے۔ تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔ ایونٹ قریب ہے اور فائنل ایگزیم بھی۔ اس لیے ہم دونوں ہی مصروف ہو گئے ہیں۔'' اس نے کہہ کر بات ختم کرنا چاہی۔ ارسلان سے نگاہیں ہٹا کر اس نے دوسری سمت دیکھنا بہتر سمجھا تھا کیونکہ آنکھوں کے کٹوروں میں ننھے ننھے قطرے نمودار ہو رہے تھے۔

''چلو میں چلتی ہوں مجھے ابھی اندر کافی کام ہیں۔ اللہ حافظ۔'' اس سے پہلے وہ کوئی اور سوال پوچھتا سارہ وہاں سے اٹھ کر چلی گئی۔ ہر فرد کی طرح ارسلان بھی یہ سب نوٹس کر رہا تھا۔ اس نے سارہ کے مزاج میں بدلاؤ کو محسوس تو کیا تھا پر زین کے مزاج میں جس قدر تغیر آیا تھا اسے کئی سوالوں میں الجھا گیا تھا۔ وہ بے حد بدل گیا تھا۔ دوستوں میں ہو یا تنہائی دونوں صورتوں میں اس نے زین کو سنجیدہ پایا تھا جو اس سے قبل ہر وقت مسکرائے اور ہشاش بشاش سا رہا کرتا تھا۔ خاموشی اس کے مزاج کا حصہ ہی نہیں تھی پر اب وہ زیادہ تر صرف کام کے حوالے سے بات کرتا ہوا نظر آتا تھا اس کے علاوہ کسی تخیل میں گم ہوا لگتا تھا۔ سچے دوست ہونے کی حیثیت سے ارسلان زین کے لئے فکر مند ہو گیا تھا۔

☆......☆......☆

سرد موسم کا مزہ تو تب ہے جب اس میں تمام آرائشیں موصول ہوں ورنہ ٹھنڈا موسم بھی

رحمت کی جگہ زحمت بن جاتا ہے۔ معمول کی طرح وہ آج بھی چولہے کے سامنے کھڑی ایک بڑی دیگچی میں پانی گرم کر رہی تھی۔ ابال آنے پر اس نے چولہا بند کیا اور کپڑے سے پتیلا اٹھانا چاہا پر اس کی ہمت جواب دے گئی تھی۔ دماغی تھکان نے جسم بھی ناتواں کر دیا تھا۔ اس نے ڈونگے سے پانی ڈالنا شروع کیا اور یوں بالٹی پوری بھر دی۔ فاروق کے اٹھنے کا وقت ہوا جاتا تھا۔ زینت پوچھنے آئیں تو سارہ کو آخری ڈونگا ڈالتے دیکھا پھر دونوں مل کر گرم پانی کی بالٹی اٹھاتی ہوئی زینت کے باتھ روم میں رکھ آئیں۔ جاڑے کے موسم میں یہ روز کی مشقت انہیں کرنی پڑتی تھی۔ فاروق اٹھتے کے ساتھ ہی غسل کرتے تھے اور گرم پانی کی بالٹی ان کے بیدار ہونے سے پہلے باتھ روم میں موجود ہونی چاہیے۔

وہ کمرے سے باہر نکلی اور بیگ سنبھالتی ہوئی زینت کو اللہ حافظ کہتی یونیورسٹی کے لیے نکل گئی تھی۔

وہ سیدھی دھیرے قدموں سے بس سٹاپ تک جا رہی تھی۔ اس کی اداس اور سونی آنکھیں نیچے سڑک پر ٹکی تھیں۔ زین اور سارہ کے درمیان اس واقعے کو کئی دن ہو گئے تھے۔ اور جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا سارہ کے اندر تنہائی بڑھتی جا رہی تھی۔ اسے کسی چیز کی خوشی محسوس نہیں ہوتی تھی۔ زنیرہ کے ساتھ بھی وہ بات نہیں تھی جو زین کی سنگت میں وہ محسوس کیا کرتی تھی۔ پر کیا دوستی ختم ہونا اصل وجہ تھی یا بات کچھ اور تھی؟ خود کو شیل میں بند کرنے والی سارہ نے اپنے دل کو بھی مضبوط حصار میں قید کر دیا تھا۔ جیسے صرف دنیا ہی کو نہیں بلکہ خود کی نظروں کو بھی اس سے چھپانا چاہتی ہو اور جیسے خود بھی دلی کیفیت کو جانتی ہو اور نہ ہی جاننا چاہتی ہو لیکن یہ الجھن اسے ایک ذہنی دباؤ میں ڈال رہی تھی۔ چونکہ پڑھائی اس کے پاس ایک طریقہ تھا اپنے آپ کو مصروف رکھنے کا تو وہ کچھ سنبھلی ہوئی تھی ورنہ کب کی ٹوٹ جاتی۔

''السلام علیکم سارہ باجی۔'' مایا نے راستے میں سارہ کو آواز لگائی جسے سن کر اس کے قدم رک گئے اور وہ پیچھے مڑی تو مایا اس کے پاس آ رہی تھی۔

''وعلیکم السلام، کیسی ہو مایا؟'' سارہ نے پوچھا۔

''میں ٹھیک ہوں، آپ کیسی ہیں؟'' مایا نے پوچھا۔

''میں بھی ٹھیک ہوں، مجھے مامی نے تمہاری شادی کا بتایا، اگلے مہینے ہے نا؟ مبارک ہو تم کو۔'' سارہ نے معمولی مسکراہٹ سے کہا۔

''جی، شکریہ، مجھے امی نے آپ کی شادی کا بھی بتایا اگلے سال ہی ہے نا؟'' مایا نے پوچھا جس پر سارہ نے اثبات میں سر ہلایا۔''ویسے مجھے حیرانی ہوئی آپ کا سن کر سارہ باجی، آپ کی پڑھائی کتنی رہتی ہے؟'' مایا نے پوچھا۔

''تقریباً ایک سال۔'' سارہ نے کہا۔

''اور اسی سال میں شادی؟ سارہ باجی! جب یہ ہی کرنا تھا تو اتنا پڑھا کیوں؟'' مایا نے طنزیہ مسکراہٹ سے پوچھا۔

''مجھے تو تمہاری امی نے کہا تھا کہ تمہیں بھی آگے پڑھنا ہے؟'' سارہ نے پوچھا۔

''جی۔ سوچا تو تھا میں نے، ٹیسٹ بھی دیئے تھے لیکن کر نہیں پائی میں، پھر رشتے آ رہے تھے تو پڑھائی سے دل اٹھ گیا۔ اب کرنا آخر میں یہی ہے تو پھر ایسی پڑھائی کا فائدہ؟'' مایا نے کہا جس پر سارہ اسے دیکھتی رہ گئی۔

''تم نے صرف فائدہ دیکھا اور میں نے شوق۔ فرق یہ ہے! جبکہ میری بات بھی ایک سال سے پکی ہو گئی تھی پر میرا پڑھائی سے دل نہیں اٹھا۔ جتنا پڑھ سکتی ہوں پڑھوں گی باقی اللہ مالک ہے۔'' سارہ نے اسے لاجواب کر دیا تھا۔

"چلو مجھے دیر ہو رہی ہے میں جا رہی ہوں اپنا خیال رکھنا۔" سارہ نے رسان سے کہا اور پلٹ کر چلی گئی۔ مایا وہیں کھڑی اسے جاتے ہوئے دیکھتی رہی تھی۔

☆......☆......☆

"ہیلو زنیرہ کیا ہوا؟" وہ آخری سیشن میں گھر جانے کے ارادے سے قدم اٹھا رہی تھی جب زنیرہ کا اسے فون آ گیا۔

"یار! میری کلاس کینسل ہو گئی ہے آج، تم فارغ ہو نا؟ چلو کیفے میں ملتے ہیں۔" اس نے گھر جانے کا ارادہ فوراً ہی منسوخ کیا تھا۔ آج طبیعت بوجھل تھی اور اکیلا پن اسے اندر تک مضطرب کر رہا تھا۔ پر کیفے کا سن کر اس کا منہ بن گیا۔

"یار! کیفے کے علاوہ کہیں اور نہیں جا سکتے؟"

"یار! مجھے کیفے جانا تھا پلیز۔" اس کے اصرار پر سارہ بادل ناخواستہ مان گئی۔

"چلو ٹھیک ہے۔"

سارہ نے فون رکھا اور کیفے چلی گئی۔ وہ گیٹ کے باہر زنیرہ کا انتظار کر رہی تھی۔ اب تو کیفے میں جانے سے بھی کتراتی تھی کیونکہ اکثر وہاں زین اور اس کے دوست موجود ہوتے تھے اور مزید سارہ میں برداشت نہیں رہی تھی۔ زنیرہ کے آتے ہی وہ دونوں ساتھ کیفے میں داخل ہو گئیں اور دیوار سے لگے صوفہ بینچ پر بیٹھ گئیں۔ معمول کی طرح طلبا یہاں موجود تھے۔ پلیٹوں کی کٹر کٹر، چمچوں کی ٹن ٹن میں باتوں کی آوازیں گڈ مڈ ہوتی ہوئی سنائی دے رہی تھیں۔ زنیرہ اپنے لیے میکرونی کی پلیٹ لے آئی تھی اور سارہ نے چائے پر اکتفا کیا تھا۔

ان کی باتوں میں چند لحظہ گزرے تھے کہ چند جانی پہچانی شکلیں ایک گروہ کی صورت میں کیفے میں داخل ہوئی تھیں۔ سب کی نظروں کا مرکز بننے کی وجہ یہ ہوئی تھی کہ انہوں نے غباروں

کی ایک بڑی سی قطار تھامی ہوئی تھی جسے لا کر دو میزوں کو ملا کر ان کے اطراف باندھا تھا۔ اگلی شخصیت جو کیک لے کر داخل ہوئی تھی وہ انوشہ تھی۔ جس کے چہرے پر بڑی سی مسکراہٹ تھی اور ہاتھ میں تھاما کیک بے حد خوبصورت تھا۔ کیفے میں موجود لوگوں نے گردنیں اچکا کر توصیفی نگاہ سے کیک کو دیکھا تھا۔ یہ ایک فونڈنٹ کیک تھا جس پر دو رنگ ہلکا گلابی اور سنہری ملا کر ماربل کا ایفیکٹ دیا ہوا تھا۔ کیک کے اوپر ننھی ننھی سنہری موتیوں سے بارڈر بنایا تھا۔ وہی بارڈر کیک کے نیچے اطراف پر بھی لگایا تھا۔ فونڈنٹ سے بنا سنہرے رنگ کا نازک سا تاج کیک کی سطح پر سجا تھا جس کے ساتھ ایک سٹک پر ہیپی برتھ ڈے کا پیغام لکھا ہوا تھا۔

''لگتا ہے کسی کی سالگرہ ہے۔'' اتنی دور سے زنیرہ کو پیغام تو پڑھنا مشکل ہوا تھا پر مفہوم یہ ہی اخذ کر سکی تھی۔

''ہاں ایسا ہی ہے۔'' زنیرہ کو پلٹ کر دیکھنا پڑ رہا تھا تو دقت ہو رہی تھی جبکہ سارہ کی نظروں کی سمت میں تمام کام سرانجام ہو رہا تھا۔ اس نے دیکھا کہ دروازے سے زین اور ارسلان دونوں سنو سپرے لے کر داخل ہو گئے تھے اور ساری تیاری کر رہے تھے۔ آن کی آن میں کیفے کا ماحول تبدیل ہوا تھا۔ لوگ احاطے کی شکل میں میز کے گرد کھڑے ہو گئے تھے۔ خوش گپیوں میں سجاوٹ کی جا رہی تھی۔

''شازیہ کی سالگرہ لگتی ہے! کیک دیکھ کر تو یہ ہی لگ رہا ہے۔'' زنیرہ نے قیاس لگایا پر سارہ جس کی نظر جب زین پر گئی تو اس نے پورے منظر سے نگاہیں ہٹا لیں۔ یہی وجہ تھی کہ وہ کیفے نہیں آیا کرتی تھی لیکن زنیرہ کو کیسے سمجھاتی۔ تھوڑی دیر بعد دروازہ کھلا تھا اور شازیہ جوں ہی داخل ہوئی زین اور ارسلان جو دروازے کے دائیں بائیں چھپے کھڑے تھے سنو سپرے کرنا شروع ہو گئے۔ شازیہ سرپرائز سے بے تحاشا خوش ہوئی تھی۔ انوشہ اسے لیتی ہوئی میز تک آئی

تھی اور اسے چھری تھما کر سب نے بیک وقت ہیپی برتھ ڈے زوردار آوازوں میں گانا شروع کردیا۔ زین اس کے دائیں طرف کھڑا تھا جبکہ بائیں جانب ارسلان اور انوشہ تھے۔ دیوار کی کھڑکی کھلی ہوئی تھی جہاں سے باہر سارہ نے دیکھنے پر اکتفا کیا تھا پر جوں ہی زنیرہ کی نظر اس پر گئی اس نے سارہ کا چہرا تھام کر اسی سمت کردیا جہاں یہ سب موجود تھے۔

"ارے یار! یہاں دیکھو۔ کیا قسمت پائی ہے اس نے۔ اتنے اچھے دوست اور پھر یہ سالگرہ کا سرپرائز۔" زنیرہ کہے بنا نہ رہ سکی۔ سارہ کی نظر صرف زین اور شازیہ پر جا ٹھہری۔ انوشہ، ارسلان، کیک، سجاوٹ کچھ بھی نہیں دِکھ رہا تھا۔ اگر نظر آ رہے تھے تو دو نفوس شازیہ اور زین۔ شازیہ نے آنکھوں میں محبت اور اپنائیت لیے کیک کا پہلا پیس کاٹ کر زین کو کھلایا تھا۔ سارہ نے دیکھا کہ اس کے بدلے میں زین نے بھی چھوٹا سا پیس نکال کر شازیہ کو کھلا دیا تھا۔ ساتھ ساتھ شازیہ باقی سب دوستوں کو بھی پیس کاٹ کر کھلا رہی تھی۔ سب انہیں دیکھ کر رشک محسوس کر رہے تھے پر سارہ کے دل کی کیفیت عجیب سے رخ پر آ گئی تھی۔ اس کی آنکھوں کی پتلیاں میکانکی انداز میں زین سے ہوتی ہوئی شازیہ پر جاتیں پھر پلٹتی ہوتی نگاہ زین پر ٹھہر جاتیں۔ فاصلے پر بیٹھی ہوئی سارہ کو زین اور شازیہ میں حد درجے قربت محسوس ہوئی تھی۔ ان کے درمیان گفتگو، ایک دوسرے کو چھیڑنا، زین کے کہنے پر شازیہ کا مسکرا جانا۔ وہ ٹکٹکی باندھے دیکھے جا رہی تھی۔ یکلخت ہی اسے تمام آوازیں معدوم ہوتی محسوس ہوئی تھیں اور اندر مچلتی توڑ پھوڑ اس کے حواس بند کرتی جا رہی تھی۔ اندرونی جنگ کا سماں اسے تکلیف دے رہا تھا۔ اس نے شدتِ غم سے لب دانتوں تلے رکھے اور آنکھیں بند کر کے نظریں نیچے کر لیں۔ آنسوؤں کو روکنا تھا، باڑ لگانی تھی۔ اس نے پلک جھپک جھپک کر آنسوؤں کا اثر زائل کیا تھا۔

وہ کیوں ان کو دیکھ کر روہانسی ہو جاتی تھی۔ وہ تو یہ ہی چاہتی تھی نا کہ یہ دونوں قریب ہو

جائیں اور وہ ان کے درمیان سے ہٹ جائے۔ کیا وہ افواہوں کو بند کرنا چاہتی تھی اس لیے یہ فیصلہ کیا تھا؟ نہیں...... سارہ کو شازیہ کی ہر بات یاد تھی، اس کے ہر لفظ نے سارہ کو اس کی اصل اوقات بتائی تھی جس سے وہ خود بھی ظاہر ہے واقف تھی۔ تب ہی ایسا سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ پر وہ زین کو سمجھ ہی نہیں پائی تھی۔ جس کے لیے یہ سب کہاں معنی رکھتا تھا۔ جب زین نے اس سے اظہارِ محبت کرنا چاہا تو وہ اس کی برداشت سے باہر تھا۔ اس نے کبھی اپنے دل کو ٹٹولا ہی کہاں تھا۔ محبت کی کہانیاں پڑھ لینے سے محبت کا تجربہ نہیں آتا۔ یا تو یہ یکبارگی ہو جاتی ہے یا آہستہ آہستہ دل میں پنپتی ہے اور بے خود کر جاتی ہے۔ پھر کہاں اپنا ہوش ہوتا ہے؟ لیکن سارہ جیسی لڑکی جو اپنے دل کو بھی سختی سے بند کیے بیٹھی ہو جو خود اپنی کیفیات سے بھی نابلد ہو، کیسے جان پائے کہ محبوب تو دل میں قیام پذیر ہے۔ باہر سے تالا بند ہے تو کیا ہوا؟ آنکھیں بند کر لینے سے حقیقت تو نہیں بدل جاتی۔ محبوب کو رسائی حاصل ہو جائے تو دل میں گھر کر ہی لیتا ہے۔ وہ یہ بات سمجھنے سے قاصر تھی کہ جو کیفیت اسے اندر ہی اندر مار رہی تھی وہ دراصل محبت تھی۔ اسے زین کی عادت ہوگئی تھی۔ جب زندگی کسی کا عادی ہو جائے پھر جینا مشکل نہیں، ناممکن ہو جاتا ہے۔ ایسا شخص محض سانس لینے کی حد تک زندہ رہتا ہے۔ زندگی جی نہیں پاتا۔

''چلو یار! ہم بھی چلتے ہیں سب جا کر کیک کھا رہے ہیں۔'' زنیرہ پرجوشی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''ایک منٹ! ہمارا کیا کام ہے وہاں؟'' سارہ نے اسے فوراً روکا۔ بہت مشکل تھا اس وقت خود کو نارمل رکھنا پر وہ ضبط کا مظاہرہ بھرپور طریقے سے کر رہی تھی۔

''کیا مطلب؟ جانتے تو ہیں ہم سب کو۔ چلو نا، سب جا رہے ہیں اور مجھے کیک بھی قریب سے دیکھنا ہے۔'' زنیرہ نے اصرار کیا پر وہ نہ مانی۔ اتنی دور سے یہ کرب محسوس ہو رہا تھا پاس جاتی تو درد سے دل پھٹ ہی جاتا۔

"تم جاؤ، میں نہیں آرہی۔ میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔" سارہ نے کہا اور ماتھا سہلانا شروع کر دیا۔

"کیا ہوا تم کو، سر درد ہو رہا ہے؟" زنیرہ نے فکر لیے پوچھا۔

"ہاں تھوڑا تھوڑا اور تھکاوٹ لگ رہی ہے، میں یہیں بیٹھی ہوں تم جاؤ۔" اسے اپنے ہاتھ پیر ٹھنڈے ہوتے محسوس ہوئے تھے۔ زنیرہ دو منٹ کا کہہ کر چلی گئی اور سارہ کی نظر پھر ان دونوں پر جا ٹھہری تھی۔

"ہیلو زین۔" زنیرہ زین کے پاس چلی گئی تھی۔

"السلام علیکم زنیرہ، کیسی ہو؟" زین نے پوچھا۔ وہ اور ارسلان واپس شازیہ پر سنو سپرے کر کے ہٹے تھے۔

"میں ٹھیک ہوں، کیا زبردست سرپرائز دیا ہے تم لوگوں نے یار۔" زنیرہ نے ستائشی نگاہ سے دیکھا۔

"ہیں نا؟ چلو آؤ میں تمہیں کیک کھلاتا ہوں۔" زین نے ایک پیس کاٹا اور زنیرہ کو دیتے ہوئے اس کی نگاہ اسی بینچ پر گئی پر اب وہاں سارہ نہیں تھی۔ وہ اس افراتفری میں بھی اسے فوکس کیے ہوا تھا پر کچھ اس طرح کہ کسی پر شک نہ جاتا۔

"تمہاری دوست کہاں ہے، اسے بھی بلاؤ۔" اچانک غائب ہوتا پا کر زین نے قدرے نارمل انداز میں زنیرہ سے کہا تھا۔

"وہ تو بیٹھی ہے اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔" زنیرہ نے کہا۔

"اچھا، کہاں بیٹھی ہے؟" زین نے پوچھا تو زنیرہ نے پیچھے مڑ کر دیکھا پر اسے سارہ نظر نہیں آئی۔ اس نے آس پاس نظریں گھمائیں پر وہ اسے نہ دکھی۔

”ابھی تو یہیں تھی، کہاں چلی گئی۔“ زنیرہ کو تعجب ہوا۔

”فون کرلونا، پتہ چل جائے گا۔“ زین نے مشورہ دیا جس پر زنیرہ نے اثبات میں سر ہلایا اور فوراً ہی سارہ کو کال کردی۔ دو رنگ پر سارہ نے فون اٹھالیا۔

”سارہ! کہاں ہو تم؟ کیفے میں نظر نہیں آرہی ہو۔“ زین کے کان کھڑے ہو گئے تھے۔

”کیا ہوا ہے تم کو؟“

”اچھا۔ تم چلی جاؤ گی؟“

”ٹھیک ہے کل ملتے ہیں، اللہ حافظ۔“

”کیا ہوا؟“ اس نے کان سے فون ہٹایا اور کال کاٹی تو زین نے پوچھا۔

”وہ تو گھر کے لئے نکل گئی۔ کہہ رہی ہے، طبیعت بہت خراب ہو رہی ہے۔“ زنیرہ کے بتانے پر اس کے دل میں فکر لاحق ہوئی پر اسے اختیار ہی کب تھا کچھ کرنے کا۔

سارہ کے جانے کے بعد کچھ دیر وہ کیفے میں دوستوں کے ساتھ رہی تھی پھر انہی کے ساتھ چلتی ہوئی بس تک چلی گئی۔ باسکٹ بال کورٹ میں تمام بسیں آ گئی تھیں اور طلبا باری باری کر کے اپنی بسوں میں نشست سنبھال رہے تھے۔ وہ بھی اپنی مطلوبہ بس میں جا بیٹھی جہاں اس کی دوسری دوستیں اس کا انتظار کر رہی تھیں۔

”یار! تم لوگوں نے دیکھا کیفے میں کیا ہوا تھا۔“ وہ پرجوشی سے کہتی ہوئی بس میں چڑھی تھی اور ان تک پہنچی جو آپس میں باتوں میں مشغول تھیں۔

”سنا تھا یار! جب پہنچے تو سب ختم ہو گیا تھا۔“ راحیلہ نے منہ بسور کر اپنی بدقسمتی پر رونا رویا۔

”اُف: تم لوگوں نے مس کر دیا! کیا پارٹی کی تھی۔ گلابی اور سنہرے رنگ کے غبارے پھر شازیہ جب داخل ہوئی تو بے تحاشا سنو سپرے کیا گیا تھا۔ اور یار! کیک تو بہت اچھا تھا۔“ وہ

بے نقط بولتی چلی گئی اور اس کی سہیلیاں متجسس سی اسے سنتی رہیں۔

''زین کے پاس گئی تھی میں اور میرا نصیب، ایک پیس بھی مل گیا کھانے کو۔ مزے کا کیک تھا بھئی۔'' زنیرہ نے بھنویں اچکا کر سب کو چھیڑا تھا۔

''ارے ہمیں بھی بلا لیتیں نا پھر۔'' سندس نے لتاڑا۔

''لو ابھی بلانے بیٹھتی تو سیلبریشن مس کر دیتی۔ پر بتا رہی ہوں وہ ہی سن لو۔'' زنیرہ نے کہا۔

''ویسے بھی زین کے ساتھ تو یہ ان کی آخری پارٹی ہو گی۔ پھر وہ تو پاس آؤٹ ہو جائے گا!'' ماہ جبیں نے کہا۔

''ہاں نا! سارا مزہ تو اس کے ساتھ ہی ہے۔ آ جانے اور چھا جانے والی پرسنالٹی رکھتے ہیں موصوف، ارے زنیرہ یہ تو بتا یہ تیری دوست سارہ اب زین سے نہیں ملتی کیا؟'' راحیلہ نے معنی خیزی سے باقیوں کو دیکھ کر تیوری چڑھا کر اس سے پوچھا تھا۔ پر یہ سنتے کے ساتھ ہی زنیرہ کے ہونٹ سمٹ گئے۔

''ملتی ہے۔ پر کم ملتی ہے ایونٹ قریب ہے اور ایگزیم بھی۔ سارہ پڑھائی کے معاملے میں سمجھوتا نہیں کر سکتی اور ایونٹ میں زین مصروف ہے۔ تم لوگ نا اپنے کام سے کام رکھو میری دوست کو موضوع گفتگو نہ بناؤ۔'' اس نے سب کو آڑے ہاتھوں لیا تھا پر تینوں کی تینوں معنی خیزی میں ہنسی تھیں۔

''ایویں بہانا ہے۔ سارہ کو لگتا ہے معلوم ہو گیا ہے کہ کن سے دوستی کرنی ہے اور کن سے نہیں۔'' سندس نے کہا۔

''ایسی بات نہیں ہے۔ دوستی کسی معیار کے مطابق تھوڑی کی جاتی ہے۔ یہ تو بس ہو جاتی ہے مینٹلٹی ملنے کا کمال ہے۔ وہ دونوں مصروف ہیں اب۔'' اس نے تینوں کو باری باری دیکھتے

ہوئے کہا۔

"یار زنیرہ! یا تو تمہیں معلوم نہیں یا تم ہم سے چھپا رہی ہو۔ بھئی اگر اتنی ہی مصروفیت ہے تو کلاس میں بھی الگ الگ بیٹھنے کی کیا تک! میری دوست ہے رابعہ ان کے ساتھ ہی پڑھتی ہے۔ اسی نے مجھے بتایا کہ پہلے دن سے دونوں ساتھ بیٹھا کرتے تھے پھر معلوم نہیں کیا ہوا دوسرے آرلی کے بعد ہی الگ الگ ہو گئے۔ بلکہ یہ تو چھوڑو دونوں کے درمیان بات چیت تک ختم ہو گئی ہے۔ اب وہ تو ساتھ ہوتی ہے جھوٹ تھوڑی کہے گی۔" ماہ جبیں نے اس کے تمام بات گوش گزار کی تو وہ گہری سوچ میں محو ہو گئی۔

☆......☆......☆

گھر پہنچتے پہنچتے اس کے حواس جواب دے گئے تھے۔ وہ بمشکل ہمت لیے گھر کے کام میں خود کو مصروف کرنے لگی تھی۔ پر بار بار کیفے میں دیکھا منظر نظروں کے سامنے آتا تو اس کی آنکھیں بھر جاتیں۔ کئی بار اس نے زینت سے چھپ کر آنسو پونچھے تھے۔ وہ شدید کشمکش میں ڈوب گئی تھی۔ اس کی تو چاہ کے مطابق سب ہو رہا تھا پھر اسے یہ سب کیوں برا لگ رہا تھا۔ اس سے بڑھ کر کہ چھت پر ہوئی آخری ملاقات سے قبل اس نے کبھی اس طرح شازیہ اور زین کو لے کر محسوس نہیں کیا تھا، جو اَب کر رہی تھی۔ اس قدر اس کے مزاج میں تغیر کس بنا پر تھا؟ وہ شدید پریشان ہوئے جا رہی تھی اور اسی وجہ سے اندر ہی اندر ڈھلتی چلی جا رہی تھی۔

چولہے کے سامنے کھڑی وہ سالن کو تیز آنچ پر پکا رہی تھی۔ نگاہیں تو بھڑکتی ہوئی آگ پر تھیں لیکن اس کا دماغ اسے کسی اور ڈگر پر لے گیا تھا۔ اس شخص کی باتیں، منفرد انداز، بول چال میں شائستگی، مخلصانہ انداز۔ وہ ایک ایک بات یاد کرتی جا رہی تھی کہ ذہن میں پھرتے اس شہزادے کے خیال سے شاہ زیب کا خیال گھتم گھتا ہو گیا۔ اسے یکے بعد دیگرے شاہ زیب کی

عیار مسکراہٹ، اس کا زبردستی ہاتھ پکڑنا، رعب جمانا، عجیب سی نظروں سے دیکھنا، نامعقول اور بے ادب سی باتیں سب کچھ حاوی ہوتا چلا گیا۔ وہ سوچ کی اس قدر گہرائی میں تھی کہ دل اندر سے پھٹتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ قسمت کی ستم ظریفی پر روئے، ماتم کرے، کیا نہ کرے؟ اسے معلوم ہی نہیں ہوا کہ ہاتھ میں پکڑا اصافی جو چولہے کے قریب تھا آگ پکڑ گیا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے سلگتی ہوئی آگ سرکتی ہوئی اس کی انگلیوں تک جا رہی تھی پر وہ اس قدر محو تھی کہ اسے گرمائش کا احساس تک نہ ہوا تھا۔ صد شکر زینت اسی وقت کچن میں داخل ہوئی تھیں اور نظر پڑتے ہی وہ زور سے چلا اٹھیں۔ سوچ کا غبارہ پھٹا تو سارہ نے زینت کی نظروں کی سمت دیکھتے کے ساتھ ہی ڈر کر کپڑا نیچے پھینک دیا۔ پیر میں پہنی ہوئی چپل سے زینت نے آگ بجھائی تھی اور سارہ متوحش سی کپڑے کو دیکھے جا رہی تھی۔ اسے اپنی حالت پر حیرانگی ہوئی تھی۔ وہ کانپتی ہوئی ساکت رہ گئی۔

''سارہ! کہاں دھیان ہے تمہارا؟'' زینت کہہ کر جلے ہوئے کپڑے کو اٹھا کر ڈسٹ بن میں پھینک رہی تھیں۔ ان کے پوچھنے پر بھی سارہ نے کوئی جواب نہ دیا۔ شدید گھبرائی ہوئی وہ نازک سی لڑکی وہیں کی وہیں کھڑی رہ گئی تھی۔ اسے ڈر لگ رہا تھا۔ اپنی حالت پر رونا آ رہا تھا۔

''سارہ؟'' جواب نہ پا کر وہ چلتی ہوئی اس کے پاس آئیں۔ اس کی آنکھوں میں بے تحاشا آنسو بن بلائے مہمان کی طرح آ گئے تھے۔ چہرا وحشت سے زرد پڑتا جا رہا تھا۔ زینت نے اسے متوجہ کرنے کے لیے جوں ہی ہاتھ تھاما تو اس کے لمس میں تپش محسوس کرتی ہوئی وہ پریشان ہوئیں۔

''سارہ...... سارہ! تمہیں تو بہت تیز بخار ہے۔'' زینت نے چولہا بند کرتے ہوئے کہا۔ آنکھوں کے سامنے جلتا ہوا کپڑا پھر جسم میں محسوس ہوتی بخار کی حدت۔ سارہ کو اب تک

بھی ہوش میں نہ لا سکی تھی۔ دل تو ویسے ہی اضطراب کی حالت میں تھا پھر طبیعت نے الگ ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ وہ سراسیمہ سی کھڑی تھی اور کوئی ردعمل نہیں دکھایا تھا۔ زینت نے جب اسے سکتے کی حالت میں پایا تو انہوں نے اس کے منہ پر ہلکے سے تھپتھپایا جس سے وہ واپس ہوش میں آئی پر توازن کھونے پر چکرا کر گرنے ہی لگی تھی کہ زینت نے اسے تھام لیا اور سہارا دے کر اس کے کمرے میں لے گئیں۔ بستر پر لٹا کر وہ پھرتی سے پیالے میں پانی، رومال اور دوائی لے آئی تھیں۔ سارہ کو جیسے تیسے دوائی کھلا کر وہ اس کے ماتھے پر گیلا کپڑا رکھتی جا رہی تھیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ نیند کی وادیوں میں چلی گئی تھی۔

اگلے دن طبیعت میں ناسازی کے باعث سارہ یونیورسٹی نہیں گئی تھی۔ اس نے زنیرہ کو میسج کر کے آگاہ کر دیا تھا۔ پر وہ انجان تھا اور پشیمانی میں سارہ کی راہ تک رہا تھا لیکن وہ اسے کہیں نہیں دکھی تھی۔ زنیرہ سے ملاقات پر اس نے باتوں باتوں میں سارہ کا پوچھا تو زنیرہ نے اسے سارہ کی طبیعت کے حوالے سے بتا دیا۔ پر وہ کلاس کے لیے لیٹ ہو رہی تھی اسی لیے اس وقت اس کے ذہن میں اپنی دوستوں کی باتوں نے ٹھونکا نہیں مارا تھا۔ زین یہ سن کر بہت فکرمند ہو گیا تھا۔ ان دونوں کے درمیان دوریوں کے باعث وہ براہِ است سارہ کو فون کرنے سے جھجک رہا تھا۔

یہ مجھے چین کیوں نہیں پڑتا
ایک ہی شخص تھا جہاں میں کیا

دور تھی تب بھی آنکھوں کے حصار میں تھی۔ دل پر پھوار کی مانند روز سکون بخش دیا کرتی تھی پر آج اس کی غیر حاضری مضطرب کر رہی تھی۔ دل میں بڑھتی ہوئی حدت کو چین کہاں آنا تھا۔ اس کا یونیورسٹی میں دل نہیں لگ رہا تھا۔ چہرے پر مایوسی صاف عیاں تھی۔ آج ایونٹ کے حوالے سے کام بہت تھے لیکن وہ تھکان محسوس کر رہا تھا۔ کلاس لے کر وہ سیدھا آئی ٹی بلڈنگ کی

سیڑھیوں پر جا بیٹھا۔ ارسلان بھی کلاس لے کر نکلا تھا اور زین پر نظر پڑی تو اس کے پاس چلا گیا۔

''کیا ہوا، یہاں ایسے بیٹھے ہو؟'' ارسلان اس کے پاس ایک سیڑھی نیچے بیٹھ گیا۔ وہ موبائل اسکرین پر دیکھ رہا تھا، ارسلان کے پوچھنے پر اس نے سرسری سی نگاہ اس پر ڈالی تھی۔ مرجھایا ہوا چہرا نظروں سے اوجھل نہیں تھا۔

''ہاں، تھوڑی تھکاوٹ ہے۔'' زین نے کہا۔

''گھر چلے جاؤ، آرام کرلو جا کر پھر۔'' ارسلان نے اسے جانچتی نظروں سے دیکھ کر مشورہ دیا۔

''ابھی سوسائٹی کا کچھ کام ہے وہ کرلوں، اچھا ایک میسج کو، لیڈرز اور ہیڈ ممبرز کو بھیج دو کل کی میٹنگ کے لئے۔ آخری میٹنگ ہو گی یہ۔'' زین نے کہا۔

''ٹھیک ہے یہ تو میں ابھی کر دیتا ہوں۔'' ارسلان نے کہا۔

''ہاں، جگہ لائبریری میں کانفرنس روم لکھ دینا اور وقت میرا خیال ہے بارہ بجے ٹھیک رہے گا۔ دھیان رکھنا سارے ممبرز کو نہ چلا جائے۔'' زین نے کہا۔

''کلاس نہیں ہے تمہاری ابھی؟'' ارسلان میسج ٹائپ کر رہا تھا جب زین نے پوچھا۔

''ہاں بس جا رہا ہوں یار میں۔ چلو پھر ملتے ہیں چھٹی میں۔'' ارسلان نے کہا۔ وہ پوچھنا تو اور بھی بہت کچھ چاہتا تھا پر وقت کی نوعیت نے اجازت نہ دی۔ وہ موبائل پر میسج لکھتا ہوا واپس ایکاڈیمک بلڈنگ میں جا رہا تھا۔ دروازے سے داخل ہوا تھا کہ انوشہ سے مڈبھیڑ ہو گئی۔

''ہیلو ارسلان۔''

''ہیلو انوشہ، کیسی ہو؟'' ارسلان نے پوچھا۔

''ہم ٹھیک ہوں، زین کہاں ہے؟'' انوشہ نے پوچھا۔

''آئی ٹی بلڈنگ کے پاس بیٹھا ہے، کام ہے اس سے تمہیں؟'' ارسلان نے تنقیدی انداز

میں پوچھا۔

''صرف کام کے لئے تو نہیں مل سکتے نا ہم دونوں۔'' انوشہ نے تنک کر کہا۔

''ہمم۔ چلو میں جا رہا ہوں۔ بائے۔'' ارسلان کہہ کر چلا گیا۔ انوشہ سیدھی وہیں چلی گئی جہاں زین اس وقت بیٹھا موبائل استعمال کر رہا تھا۔ وہ اس کے پاس جا کر کچھ فاصلے سے بیٹھ گئی پھر تفصیلی نگاہ سے اسے دیکھتی رہی تھی۔ آج زین نے کالے رنگ کی ڈریس پینٹ اور اس پر گہرے گرے رنگ کی ڈریس شرٹ اور کالے رنگ کے چم چماتے جوتے پہنے تھے جو اس کی وجاہت میں مزید اضافہ کر رہے تھے۔ وہ کافی سمارٹ لگ رہا تھا۔

''ہیلو زین۔''

زین نے اچٹتی ہوئی نگاہ اس پر ڈال کر واپس نظریں موبائل پر کر دیں۔

''السلام علیکم انوشہ۔'' زین نے کہا۔

انوشہ اسے بغور دیکھ رہی تھی جو موبائل کی اسکرین کو اس پر ترجیح دے رہا تھا۔ آنکھوں پر لگا تازہ کاجل، ہونٹوں پر چمکتی ہوئی گلوز اور سلجھائے ہوئے بال بتا رہے تھے کہ وہ ابھی ابھی فریش ہو کر آئی تھی۔ پر مقابل بیٹھا شخص اس کی سر و پا تیاری سے بے نیاز موبائل پر لگا تھا۔

''کیا کر رہے ہو تم؟ ویسے آج بہت سمارٹ لگ رہے ہو۔'' انوشہ نے اس پر ستائشی نگاہ ڈالی۔

''شکریہ انوشہ! آج پریزنٹیشن تھی میری اس لیے فورمل پہنا ہے اور کچھ نہیں ابھی فارغ ہوا ہوں، کل میٹنگ ہے یاد سے آ جانا، ارسلان میسج کر دے گا تم سب کو۔'' زین نے کہا۔ نظریں ہنوز موبائل پر ہی تھیں۔

''ہمم۔ کیوں تم مجھ سے کام کے علاوہ کوئی بات نہیں کرتے؟'' انوشہ نے شاکی لہجے میں کہا۔

''اور کیا بات کروں؟'' زین نے پوچھا۔

''شازیہ سے تو بہت باتیں کرتے ہو، آج کل تو کچھ زیادہ ہی دکھ رہا ہے ویسے۔ جبکہ اس کے اور سارہ کے درمیان تو کافی بحث ہوئی تھی۔ مجھے لگا تم ان باتوں کو اچھا نہیں سمجھتے پھر بھی شازیہ کے ساتھ ہو۔ اسے کچھ کہا بھی نہیں۔'' انوشہ کے کہتے ہی اس نے یکلخت موبائل سے نگاہ ہٹا کر انوشہ کی جانب دیکھا۔

''کیسی بحث؟'' زین نے استعجابیہ انداز سے پوچھا۔

''لو تمہیں نہیں معلوم؟ آرلیز سے پہلے ان دونوں کے درمیان کسی بات پر جھگڑا ہوا تھا۔ دونوں ہی ایک دوسرے کو برا بھلا کہہ رہی تھیں۔ اور وجہ تم تھے۔ مجھے حیرانگی ہے دونوں میں سے کسی نے بھی تمہیں بھنک تک نہ پڑنے دی۔'' وہ الفاظوں میں ہیرا پھیری کرنے میں ماہر تھی۔ زین شدید کشمکش میں مبتلا ہوا تھا۔

''تمہیں یہ سب کیسے معلوم ہے؟'' وہ انوشہ پر فوراً یقین نہیں کرنا چاہتا تھا۔ لہٰذا تصدیق ضروری تھی۔

''ظاہر ہے شازیہ کے سب سے قریب میں رہتی ہوں اور باتوں باتوں میں اس بات کا بھی تذکرہ ہوا تھا۔ اسی سے اندازہ ہوا۔ اس کی بات سے صاف ظاہر تھا کہ شروعات شازیہ نے کی تھی۔'' وہ آگ لگانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑ رہی تھی۔

''وہ حساس طبیعت کی ہے تم جانتے ہو۔ موضوع بحث تم تھے شازیہ سے رہا نہیں گیا اور اس نے بے نقط سارہ کو سنایا جس پر سارہ بھی پیچھے نہیں ہٹی۔ آفٹر آل مجھے یہ سب شازیہ نے سرسری بتایا ہے۔'' انوشہ نے کہا جس پر وہ ٹھیک ٹھاک سنجیدہ ہوا تھا۔

''انوشہ اگر اس بات میں سچائی ہوئی تو میں یہ بات خود جا کر سارہ اور شازیہ سے پوچھوں گا، لیکن اگر یہ بات سچ نہیں ہوئی تو تم جواب دہ ہوں گی۔ اب تمہارا کام ہے مجھے صحیح معلومات

لا کر دو کہ ان دونوں کے درمیان بات کیا ہوئی تھی۔" وہ متانت خیز انداز سے گویا ہوا تھا۔ پریشانی الگ لاحق ہوئی تھی کہ یہ اچانک بیٹھے بٹھائے کیا ہو گیا تھا۔ پھر سارہ نے اسے کچھ کیوں نہیں بتایا؟

"بس اتنا سا کام اور کچھ بھی مانگتے تو دے دیتی۔ میں تمہاری بہت عزت کرتی ہوں زین۔ قدر ہے تمہاری۔ تمہیں سب بتاؤں گی کہ کیا ہوا تھا۔ ان سب باتوں سے آگاہ کروں گی پھر چاہے تم مجھے ٹھکرا ہی دو۔" اس نے زین پر نظریں ٹکا کر شاکی لہجہ اپنایا۔

"کیوں پرانی باتیں لا رہی ہو انوشہ؟" زین نے اس کی ابتر ہوتی حالت کو مدِنظر رکھتے ہوئے اسے وہیں روکا تھا۔

"میں نہیں بھولی ہوں زین۔ کبھی تو میری بھی قدر ہو گی تمہیں۔" انوشہ نے کرب سے کہا۔

"قدر ہے مجھے تمہاری پر دوست کی حیثیت سے، تمہارے لئے بہتر یہی ہو گا کہ بھول جاؤ سب، ہم؟" زین نے سہل انداز اپنایا۔

"ہم۔" اور وہ فقط ہنکار بھرتی رہ گئی۔

☆......☆......☆

اگلے دن بھی سارہ نہیں آئی تھی۔ اکاؤنٹس کی کلاس میں اس کی غیر حاضری نے جہاں زین کو اداس کیا تھا وہیں فکرمند بھی کر دیا تھا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ سارہ کافی بیمار ہو گئی ہے ورنہ یونیورسٹی سے غیر حاضر ہونا ناممکن سی بات تھی۔ بمشکل اس نے کلاس میں وقت گزارا تھا۔ یوں تو ان دونوں کے درمیان کھچاؤ پیدا ہو گیا تھا لیکن سارہ کی موجودگی ہی زین کے لئے باعثِ اطمینان ہوتی کہ کم از کم دیدار تو نصیب ہوا۔

وہ کلاس لے کر سیدھا باسکٹ بال کورٹ چلا گیا تھا۔ میٹنگ میں ڈیڑھ گھنٹہ تھا۔ اس نے

کورٹ میں ایک طرف پڑی بال اٹھائی اور اکیلے ہی کھیلنے لگا۔ وہ ہاتھ سے بال کو زمین پر مار رہا تھا پھر باسکٹ میں شاٹ لگا رہا تھا۔ تھوڑی دیر ہوئی تھی کہ ارسلان بیرونی گیٹ سے یونیورسٹی میں داخل ہوا تھا۔ وہ بیزنس جانے لگا تھا کہ زین کو تنہا کھیلتے دیکھ کر اس کے پاس چلا گیا۔ زین نے پھر سے باسکٹ میں بال پھینکی جو باسکٹ سے پھسلتی ہوئی نیچے گری اور ارسلان نے پکڑ لی۔

''ہو جائے میچ ہم دونوں کا؟ چیلنج دیتا ہوں۔'' ارسلان نے مسکرا کر پرجوشی سے کہا تھا پر زین کے مزاج آج چیلنج قبول کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ وہ تھکان سی محسوس کر رہا تھا۔

''ہمم۔ آج نہیں پھر کبھی۔'' زین نے غیر دلچسپی سے کہا جو ارسلان کو دنگ کر گیا۔ آج تک کبھی اس نے کوئی چیلنج رد نہیں کیا تھا۔ بلکہ پھرتی کے ساتھ ڈٹ جاتا اور جیتنے کی جستجو میں لگا رہتا پر آج اس کا چہرا حزن لیے ارسلان کو پریشان کرنے لگا تھا۔ زین خاموشی سے آیا اور ذہنی طور پر الجھے ہوئے ارسلان کے ہاتھ سے گیند لے کر پھر زمین پر ہتھیلی سے مارنے لگا تھا۔ ارسلان اسے یک ٹک دیکھے جا رہا تھا جو تنہا اور خاموش کھڑا اپنے آپ میں ہی کھیل رہا تھا۔ یکلخت ہی ارسلان اس کے لیے فکرمند ہوا۔

''کیا ہوا ہے یار؟ تُو مجھے بتا سکتا ہے۔'' ارسلان نے تفکر آمیز انداز میں پوچھا۔

''کچھ بھی نہیں، کیا ہوگا۔'' زین نے باسکٹ میں شاٹ لگایا اور واپس بال پکڑ کر زمین پر مارنے لگا۔

''اتنا خاموش تو کبھی نہیں ہوا تُو۔ کوئی مسئلہ ہے تو بتا۔'' ارسلان نے اسے اکسانا چاہا۔

''کچھ نہیں یار۔ طبیعت ٹھیک نہیں۔'' وہ ارسلان سے نظریں چرائے ہوئے اپنی بال میں مگن سا بات کر رہا تھا۔

''یار! ایک بات کر سکتا ہوں تجھ سے؟'' ارسلان کتنے دن سے اسی تگ و دو میں لگا تھا کہ

کس طرح زین سے بات کرے پر آج اس کی حالت نے ارسلان کو پیچھے ہٹنے سے روکا۔

''ہاں بول؟'' زین نے کہا۔ وہ رکا نہیں تھا ہنوز گیند کو کورٹ کی زمین پر ہتھیلی سے مار رہا تھا۔

''یار! کچھ ہوا ہے کیا تیرے اور سارہ کے بیچ؟'' اچانک سوال پر زین بال تھام کر پل بھر رکا پھر واپس بال کو ہتھیلی سے زمین پر مارنے لگا۔

''کیوں پوچھ رہے ہو؟'' زین نے پوچھا۔ بدستور نگاہیں بال پر تھیں۔

''یار! نظر آتا ہے! تم دونوں ملتے نہیں ہو اس لیے۔ اس نے سوسائٹی چھوڑ دی اور تم نے ایک بار بھی نہیں بات کی اس حوالے سے۔ میں نے سارہ سے بھی پوچھا تھا کچھ دن پہلے۔'' ارسلان نے کہا۔

''ہمم۔ کیا کہا اس نے؟'' وہ چہرے پر سنجیدگی لیے گویا ہوا۔

''کچھ بھی نہیں۔ تمہاری اور اپنی مصروفیت بتادی۔ اگر واقعی یہی وجہ ہے تم دونوں کے بیچ تو ٹھیک ہے لیکن اگر انوشہ کو لے کر کوئی بات ہوئی ہے تو پھر مجھے بتا، سب کیا ہوا ہے شاید میں کچھ معاملہ واضح کر دوں؟'' یہ سنتے کے ساتھ ہی اس نے واپس آتی بال کو ہاتھ میں تھاما اور ارسلان کی طرف استجابیہ انداز سے دیکھا۔

''انوشہ کہاں سے بیچ میں آ گئی؟'' زین نے پوچھا۔ وہ اب پوری طرح سے ارسلان کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

''یار! میں نے انوشہ کی سارہ سے باتیں سن لی تھیں سوسائٹی روم میں۔'' ارسلان نے کہا۔ اس نے زین کو ساری باتیں من و عن سنائی تھیں جو اس کے آنے تک وہاں ہوئی تھیں۔ کیسے انوشہ نے زین پر تہمت لگائی تھی اور سارہ کو اس سے دور رہنے کی تاکید کر رہی تھی۔ پھر یہ کہ انوشہ اور زین کا پہلے دوستی سے بڑھ کر رشتہ رہ چکا تھا اور زین نے اسے شازیہ کو لے کر دھوکا دیا

تھا۔ وہ سارہ کے فیصلے سے خوش تھی کہ اس نے زین سے بات اس ہی وجہ سے ختم کر دی تھی۔ جیسے جیسے ارسلان بتاتا جا رہا تھا اس انکشاف سے زین کے دماغ میں جھماکے سے ہو رہے تھے۔ وہ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ اس کی پیٹھ پیچھے کیا کیا ہوتا جا رہا تھا۔ پھر یہ کہ انوشہ نے جب کچھ حاصل نہ ہوا تو اس کی پیٹھ پر خنجر گھونپ دیا۔ اسے اپنے کانوں پر بھروسہ نہیں تھا۔ لے دے کر یہ بات بھی پریشان کر رہی تھی کہ سارہ نے اس کے حوالے سے کیا سوچا ہوگا۔

''یہ سب سن کر سارہ نے کیا کہا؟'' اس نے برجستہ سوال پوچھا تھا۔ ایک سکتہ اس پر چھا گیا تھا۔

''کچھ بھی نہیں۔ مجھے تو پتہ بھی نہیں تھا اندر کون ہے۔ وہ تو انوشہ نے بات کرتے ہوئے اسے مخاطب کیا تو معلوم ہوا ورنہ تمام گفتگو میں وہ خاموش تھی اور انوشہ ہی کہے جا رہی تھی۔'' ارسلان نے کہا۔

''یہ ساری باتیں تم نے خود سنی ہیں ارسلان؟'' زین کے چہرے کے تاثرات غصے کی شکل اختیار کر گئے تھے۔

''ہاں یار! میں وہیں دروازے کے پاس کھڑا تھا۔ داخل ہونے لگا تھا کہ انوشہ کی آواز کان میں پڑی تو وہیں رک گیا۔ معاملہ میری سمجھ سے باہر تھا۔ بس تو چل رہا تھا وہیں جا کر اس کا منہ بند کر دوں لیکن مجھے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ ہو کیا رہا ہے۔ وہ تجھ سے خود کو کیوں منسوب کر رہی ہے حالانکہ ایسا کبھی کچھ ہوا بھی نہیں۔'' ارسلان نے کہا پر زین مشتعل ہونے لگا۔ اس نے ہاتھوں میں پکڑی بال کو زمین پر زور سے مارنا شروع کر دیا۔ اس کی حالت ارسلان کی نظروں سے اوجھل نہیں تھی۔

''یار! سارہ کی وجہ سے غصہ مت ہونا۔ شازیہ اور انوشہ دونوں نے اسے کافی تنگ کیا ہے۔''

وہ سارہ سے متعلق جواب سن کر طیش میں آیا تھا لہٰذا ارسلان کو سارہ کی پوزیشن کلیئر کرنی تھی۔

''شازیہ؟ کیا تنگ کیا ہے؟'' زین نے پھر بال ہاتھ میں لے لی۔

''شازیہ اسے میری موجودگی میں ایک بار کافی بے عزت کر چکی ہے سوسائٹی روم میں۔ میں نے روکنا بھی چاہا لیکن ان کی سوچیں ہی ساتویں آسمان پر ہیں۔ اگلے دن میں نے سارہ سے ملاقات کر کے اسے شازیہ کی جانب سے کیے گئے رویے کی وجہ بھی بتائی تھی اور اسے درگزر کرنے کی نصیحت کی تھی۔ اللہ جانے کب کب اسے پریشان کیا ہوگا۔'' اس کے چہرے پر پریشانی، دکھ اور غصے کے ملے جلے تاثرات صاف عیاں تھے۔

''تم نے یہ سب مجھے کیوں نہیں بتایا؟'' زین نے پوچھا۔ اسے کچھ بھی سمجھ نہیں آ رہا تھا۔

''یار! ان لوگوں کی باتیں کیا آ کر بتاتا؟ یہ تو چلتا رہتا ہے لیکن انوشہ نے جو کیا وہ برداشت نہیں ہو رہا تھا۔ وہ تیرے کریکٹر پر تہمت لگا رہی تھی۔'' زین کے پاس الفاظ نہیں تھے کہنے کو، وہ اتنی الجھن میں مبتلا ہو گیا تھا پھر چہرے پر سختی صاف نمایاں تھی۔

''تم انوشہ سے کچھ مت کہنا۔ یہ معاملہ اب میں دیکھتا ہوں۔'' شعلہ بار آنکھیں اور چہرے پر گہری سنجیدگی لیے اس نے ارسلان سے کہا تھا۔

''ٹھیک ہے یار، تھوڑی دیر رہ گئی ہے میٹنگ میں چلتے ہیں۔'' ارسلان نے کہا۔

''تو جا میں آتا ہوں۔'' زین نے کہا اور ارسلان چلا گیا۔ وہ غصے کی آگ میں جلتا ہوا پوری قوت سے بال زمین پر مارنے لگا تھا۔ انوشہ کا سارہ کے سامنے اس پر تہمت لگانا جس پر سارہ کا صفر ردعمل دیکھ کر اس کا دماغ پھٹنے کو تھا۔ وہ لڑکی اس پر بھروسہ ہی نہیں کرتی تھی کیا؟ اسی لیے محبت ٹھکرائی تھی۔ کیا دوسروں کی باتوں میں آ کر سارہ نے یہ قدم اٹھانے سے گریز کیا تھا۔

''میں نے تمہارے بارے میں کبھی ایسا سوچا ہی نہیں ہے زین اور نہ ہی کبھی سوچ سکتی

ہوں کیوں کہ می......‘‘

’’کیوں کہ میں کیا سارہ...... کیا کہنا چاہتی تھی تم۔‘‘ وہ خود سے ہم کلام ہوتا ہوا طیش کی سرحدوں کو پار کرتا جا رہا تھا۔

’’کیا تم بھی دوسروں کی طرح لوگوں کی باتوں میں آ کر فیصلے لے لیتی ہو سارہ؟ کیا تمہیں مجھ پر ذرا یقین نہیں تھا اس لیے میری محبت ٹھکرا دی؟‘‘ وہ شدتِ جذبات میں گھرا ہوا زور سے بال مارتا گیا پھر تھام کر پوری طاقت سے بال کو باسکٹ کی طرف پھینکا۔ دماغ منتشر تھا فوکس نے ساتھ چھوڑا۔ بال زور سے باسکٹ کے پول سے جا ٹکرائی جس سے پول بھی لرز اٹھا تھا۔ وہ کرختگی میں ملال لیے ہلتے ہوئے پول کو دیکھتا رہا تھا۔

☆......☆......☆

’’سارہ! کیسی طبیعت ہے اب؟‘‘ زینت نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے پوچھا۔ وہ بستر پر بیٹھی تھی۔ زینت بھی اس کے پاس آ بیٹھیں۔

’’جی بہتر ہے اب کافی۔‘‘ دو دن بخار کی حدت میں رہ کر جسم میں تھکان محسوس ہو رہی تھی۔

’’کل جاؤ گی یونیورسٹی؟‘‘ زینت نے پوچھا۔

’’جی مامی، گھر میں بستر پر بیٹھ کر اور تھکاوٹ ہو رہی ہے مجھے۔ اور ابھی فائنل امتحان میں کم دن ہیں، مزید چھٹیاں نہیں کر سکتی میں۔‘‘ سارہ کے بتانے پر وہ زیرِ لب مسکرائی۔

’’ٹھیک ہے بیٹا۔‘‘ زینت نے کہا۔

’’آپ کیا کر رہی ہیں؟‘‘ سارہ نے پوچھا۔

’’کچھ نہیں کچن میں کھانا بنا رہی ہوں ابھی۔‘‘ زینت نے کہا۔

’’چلیں میں آپ کی مدد کروا دیتی ہوں۔‘‘ سارہ بستر سے اترنے لگی تھی کہ زینت نے

روک دیا۔ ”تم آرام کرو میں کرلوں گی۔“ زینت نے رسان سے کہا۔

”نہیں، کمرے میں مجھے اور گھٹن لگ رہی ہے، کچھ کام کروں گی تو شاید طبیعت بحال ہو جائے۔“ سارہ نے کہا اور اٹھ گئی۔ وہ دونوں کچن میں چلی گئیں اور سارہ ان کی مدد کرنے لگی۔

اگلی صبح جب وہ یونیورسٹی کے لیے بیدار ہوئی تو کافی بہتر لگ رہی تھی۔ اس نے معمول کے مطابق تیاری کی اور یونیورسٹی کے لیے نکل گئی۔ نیم نیلگوں روشنی ہر سو پھیلی ہوئی تھی۔ سورج بھی آرام سے بیدار ہوا کرتا تھا۔ دسمبر کی یخ بستہ ہوا اس کی ہڈیوں تک محسوس ہوئی تھی پر وہ اتنی سکت اب رکھتی تھی کہ برداشت کرلے۔ یونیورسٹی پہنچتے کے ساتھ ہی اس نے ایکاڈیمک بلڈنگ کا رخ کیا تھا۔ سیڑھیاں چڑھتی ہوئی وہ جوں ہی دروازے سے داخل ہوئی زین جو دروازے سے نکلتا ہوا ایڈمن بلڈنگ جانے کا ارادہ رکھتا تھا، اس سے مڈبھیڑ ہوگئی۔ دونوں اس افتاد پر ٹھٹک گئے تھے۔ نظروں کا تصادم الگ ہوا تھا۔ وہ دو دن بعد ان گہری آنکھوں میں دیکھ کر حواس باختہ ہوئی تھی جن میں منوں شکایتوں کا عنصر عیاں تھا۔ وہ دم بخودسی اس کی نظروں کے حصار میں پھنسی تھی جو کئی سوال لیے اس کی آنکھوں میں جواب کا متلاشی تھا۔ اس کے تاثر سپاٹ تھے پر سارہ کے چہرے پر ملال اور حزن کی جھلک تھی۔ زین نے نظریں چرائیں اور اس کی بائیں جانب سے ایسے گزرا جیسے مقابل کھڑا کوئی اپنا نہیں غیر تھا۔ اس کی بے اعتنائی سے پل بھر سارہ کا دل دکھا تھا لیکن آن کی آن میں یاد آنے پر کہ ان دونوں کے درمیاں تو اب کچھ بچا ہی کہاں تھا وہ یکلخت ہی خود کو نارمل کرنے لگی تھی البتہ آنکھوں نے ناتا توڑ دیا تھا۔ وہ برسنے کو بے تاب تھیں۔

پھر کیا تھا۔ پورا دن سارہ کے لیے گزارنا محال تھا۔ آج اکاؤنٹس کی کلاس نہیں تھی لہٰذا وہ پہلا ہی آمنا سامنا تھا لیکن سارہ کے حواسوں پر ایسے سوار ہوا تھا کہ آخری سیشن جس میں وہ

فارغ تھی زنیرہ کے لاکھ اصرار پر بھی یونیورسٹی میں نہ رکی اور گھر کے لیے روانہ ہوگئی۔ اسے مزید وقت چاہیے تھا کہ خود پر قابو پا سکے ورنہ جذبات کی نہر میں بہہ جاتی۔ دل کے دروازے پر کئی زنگ آلود زنجیریں باندھ کر اس نے تمام راستے بند کر دیئے تھے پر اب اپنی حالت پر پچھتاوے کے علاوہ کچھ نہ بچا تھا۔

''ارے زنیرہ یہ تو بتا، یہ تیری دوست سارہ اب زین سے نہیں ملتی کیا؟'' سارہ کو جاتا دیکھ کر زنیرہ کے دماغ میں دو دن پہلے اس کی دوست کے کہے ہوئے الفاظ بازگشت ہوئے تو اس نے پریشان ہو کر اس کی جانب دیکھا جو تقریباً نظروں سے اوجھل ہونے کو تھی۔ یہ وہی سیشن تھا جس میں زین سارہ کے پاس آجایا کرتا تھا پر کئی ہفتوں سے یہ فاصلہ بڑھتا جا رہا تھا۔ اس نے ارادہ کر لیا تھا کہ وہ خود زین سے تمام ماجرا پوچھے گی۔ سارہ رک جاتی تو وہ اس کے ساتھ ٹک شاپ جاتی اس لیے ابھی بھی اس نے وہیں جانے کا سوچا۔ سیشن فری تھا اور کوئی دوست فارغ نہیں تھا۔ چپس کا پیکٹ لے کر اس نے زین کو میسج کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ پر ٹک شاپ میں داخل ہوتے ہوئے اسے زین وہیں مل گیا۔

''کیسے ہو زین؟'' اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ فوراً زین کے پاس جا پہنچی جو چیونگم کا پیکٹ خرید رہا تھا۔

''ٹھیک ٹھاک، تم سناؤ کیا حال احوال ہیں؟ تمہاری کلاس نہیں ہوتی اس وقت؟'' زنیرہ نے بھی چپس کا پیکٹ خریدا اور اس کے ساتھ چلتی ہوئی باہر آئی۔

''میں تو فٹ اینڈ فائن! ہاں لیکن پریزنٹیشنز ہیں تو میں نے بنک کر لیا۔ پر میری قسمت دیکھو سارہ رکی نہیں اور چلی گئی۔'' وہ سارہ کے ذکر پر اپنے نظروں کے زاویے بدل گیا۔

''اچھا زین! مجھے تم سے کچھ ضروری بات کرنی تھی۔'' زنیرہ نے لگے ہاتھوں پوچھا اس

سے پہلے وہ کہیں اور نکل جائے۔

''ہاں خیریت، کیا ہوا، بلال تنگ کرنے لگا ہے تمہیں؟'' اس نے سنجیدگی میں ذرہ برابر شوخی سے کہا تا کہ اپنی امڈتی کیفیت کو کسی طرح دبا دے۔

''ہاہاہا۔ وہ کیا تنگ کرے گا مجھے بلکہ تمہیں اس کو مجھ سے بچانا چاہیے۔'' زنیرہ نے شرارت سے مسکرا کر کہا تو وہ تیوری چڑھا گیا۔

''اوہ! کرو کرو پھر خوب تنگ کرواسے۔'' وہ دونوں ایک صوفے پر جا بیٹھے تھے۔

''اچھا خیر اب بتاؤ کیا ہوا؟'' زین نے اس سے پوچھا۔ وہ جو مسکرا رہی تھی یکلخت ہی سنجیدہ ہوئی۔

''یار! مجھے سچ سچ بتاؤ تمہارے اور سارہ کے درمیان کیا ہوا ہے؟'' اس کے سوال پر زین کے چہرے پر تناؤ نمایاں ہوا۔ کل کی بات وہ اب تک بھولا نہیں تھا۔

''تم دونوں اس سیشن میں باقاعدگی سے ملتے تھے۔ اچانک ایسی کیا مصروفیت آ گئی کہ ملاقات تک نہیں ہوتی؟'' زنیرہ نے پوچھا تو وہ نظریں چرا گیا۔

''آج بھی وہ طبیعت کا عذر دے کر چلی گئی۔''

''تو ہو گئی ہو گی طبیعت خراب۔'' اس نے سنجیدگی میں تھوڑا طنز ملا کر کہا۔

''نہیں زین، کچھ اور معاملہ ہے۔ تم اتنی مدد کرتے ہو سب کی، سب سے بنا کر رکھتے ہو، سب جانتے ہیں، تو آپس میں تم دونوں کے درمیان اگر کوئی غلط فہمی ہے تو اسے دور کرو۔'' زنیرہ نے آگے کہا۔

''صاف نظر آتا ہے مجھے سارہ کے چہرے پر چاہے وہ جتنا چھپا لے۔ مجھے معلوم بھی نہیں ہے کہ تمہارے گروپ میں اس انوشہ نے اسے پھر تو کچھ نہیں کہہ دیا۔ پہلے بھی اتنا کچھ بول گئی

تھی۔ اور وہ مجھے بتائے گی بھی نہیں۔" زنیرہ کا چہرا غصے سے لال ہو گیا تھا۔

"انوشہ نے کیا کہا؟" ارسلان کے بعد اب زنیرہ کے منہ سے انوشہ کا نام سن کر وہ اس بار تو دھک سے ہی رہ گیا۔

"میں نے سارہ کو کہا بھی تھا کہ تمہیں سب بتائے لیکن وہ مدر ٹریسا بنی پھرتی ہے۔" اسے سارہ پر بھی شدید غصہ آیا تھا۔

"کیا تم مجھے بتا سکتی ہو سب کچھ کیا ہوا تھا؟" زین نے تشویشی انداز میں کہا۔

"یار! ایک آدھ مہینہ پہلے کی بات ہے جب انوشہ نے سارہ سے کچھ عجیب سی باتیں کی تھیں۔ وہ میری موجودگی بھانپ نہیں سکی ورنہ چپ ہو جاتی۔ انوشہ تمہارے، اپنے اور شازیہ کے بارے میں کہہ رہی تھی۔ ساتھ ساتھ سارہ کے لئے توہین آمیز الفاظ استعمال کر رہی تھی۔"

"کیا کہہ رہی تھی۔" زین کی آواز میں سختی تھی اور چہرے پر صاف نظر آرہا تھا کہ وہ طیش میں ہے

"وہ تمہارے اور اپنے حوالے سے کہہ رہی تھی کہ تم دونوں کا رشتہ رہ چکا ہے۔" زنیرہ کا کہنا تھا کہ زین نے تاسف سے اپنے ہاتھ کی انگلیوں سے ماتھا سہلانا شروع کر دیا۔ یہ باتیں واقعی برداشت کے قابل نہیں تھیں اور اب اس کا دماغ ایک دباؤ میں آگیا تھا۔ اسے اس طرح دیکھ کر زنیرہ گھبرا کر خاموش ہوئی۔

"مجھے پوری بات بتاؤ زنیرہ پلیز۔" زین نے اصرار کیا۔

"یار، اس نے کہا تھا کہ تم سے بات بند کرنے میں ہی اس کی بھلائی ہے کیونکہ وہ شاید یہ ٹھوکر کھا چکی ہے اور اگر یہ بات اس نے جا کر شازیہ سے کی تو وہ اس کے حوالے سے بہت کچھ مشہور کر سکتی ہے جیسے کر رہی ہے جو سارہ افورڈ نہیں کر سکتی۔" زنیرہ نے کہا۔

"شازیہ کیا کہہ رہی ہے؟" زین نے پوچھا۔

”مجھے نہیں معلوم، انوشہ نے کہا کہ شازیہ سارہ کو پسند نہیں کرتی اس لیے پتہ نہیں کیا کیا بکے جارہی ہے سب کو۔“ زنیرہ نے کہا۔

”کیا میں ایک بات پوچھ سکتا ہوں؟“ زین کی آواز دھیمی تھی۔ وہ غصے اور ملال کے ملے جلے تاثر لیے ہوئے تھا۔

”ہاں کیا ہوا؟“

”سارہ نے یہ سب سن کر میرے حوالے سے تم سے کچھ کہا تھا۔ کوئی تبصرہ یا کچھ؟“ زین واقعی جاننا چاہتا تھا۔ کل ارسلان کی باتوں نے اسے پریشان کر دیا تھا۔

”کچھ بھی نہیں! میں نے اس سے پوچھا تھا تمہارے حوالے سے۔ اور اس کا یہ ہی کہنا تھا کہ وہ انوشہ کی کسی بات پر بھی یقین نہیں رکھتی اور تم پر ہر لحاظ سے بھروسہ کرتی ہے۔“ جتنی قطعیت سے زنیرہ نے کہا تھا زین نے متحیر ہو کر اسے دیکھا تھا۔

”کیا واقعی؟“ زین نے برجستہ استفسار کیا۔

”ہمم۔ ہاں۔“ زنیرہ نے سر کو جنبش دیتے ہوئے کہا۔

”یہ ہی وجہ تھی اس نے مجھے تم سے یہ بات کرنے سے منع کر دیا تھا ورنہ میں تو اسی دن آ کر کہنے والی تھی۔ ارے یہ وہی دن تھا جب تمہیں ہم بہت نورانی لگ رہے تھے۔“ زنیرہ نے مسکرا کر کہا تھا اور زین کو خوش گوار حیرانی نے اپنی لپیٹ میں لیا تھا۔ وہ ویسے بھی سارہ کے ساتھ ہر گزارا ہوا دن کبھی نہیں بھولا تھا اس لیے زنیرہ کے بتانے پر اسے یاد آ گیا تھا کہ اس دن سارہ سے ملاقات پر اس کے ساتھ کیا باتیں ہوئی تھیں۔

”سارہ نے تمہیں مجھے بتانے سے منع کیوں کیا؟“ یہ سوال اسے پریشان کر رہا تھا اس لیے پوچھ لیا۔

”کہہ رہی تھی کہ یہ تمہارا مسئلہ نہیں ہے۔ تم ایسے نہیں ہو۔ تمہارے دوست ایسے ہیں۔ ان کا کام وہ ہی جانیں۔ اگر تم ہر بات جان کر بھی دوستی نبھا سکتے ہو اور کسی کی رائے جان کر منہ نہیں موڑتے تو وہ کیوں پیچھے ہٹے۔“ زنیرہ کی باتوں سے زین کے دل میں سکون کا احساس پیدا ہو گیا تھا۔ زنیرہ نے بنا جانے سارہ کی وکالت پیش کی تھی جو کل سے زین کو بے چین کر رہی تھی۔ زین نے اندازہ لگایا تھا کہ یہ بات کتنی پرانی تھی اور سارہ نے کس قدر مہارت سے سب مخفی کر لیا تھا۔ اس کے مطابق اسے لگا تھا کہ سارہ کا فیصلہ انوشہ کی لگی لپٹی چالاکیوں پر مبنی نہیں تھا۔ بات کچھ اور تھی۔

”تمہیں اس لئے سب اچھے لگتے ہیں کیوں کہ تم خود بہت اچھے ہو اور تمہاری تربیت بہت اچھی کی گئی ہے۔“ سارہ کی کہی ہوئی بات اسے اچانک یاد آئی تو زین کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ اپنا آپ ہلکا پھلکا محسوس ہو رہا تھا ورنہ کل سے اب تک وہ جس آگ میں جل رہا تھا اس کی تکلیف صرف وہ ہی جانتا تھا۔

”اس پگلی کو تو یہ بھی نہیں پتہ کہ محبت کیا ہوتی ہے۔“ وہ سارہ کے بارے میں سوچتا ہوا زیر لب کہہ گیا۔

”ہیں کیا کہا؟“ زنیرہ نے زین سے پوچھا۔ اس کی آواز اتنی ہلکی تھی کہ وہ نہیں سن سکی۔

”کچھ نہیں۔“ زین پُر سکون ہو گیا تھا۔ وہ سارہ کو لے کر غلط ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ جس نے اس کی زندگی کی کتاب کا ایک ایک صفحہ ازبر کیا ہو جس کے ہر تاثر کو سمجھنا آسان ہو اسے لے کر وہ کیسے غلط ہو سکتا تھا۔ ہاں کچھ پل کے لیے بہک گیا تھا تب ہی تکلیف زیادہ محسوس ہوئی تھی کہ کیا وہ سارہ کو حقیقتاً نہیں جان پایا تھا پر ایسا نہیں تھا۔ وہ صحیح راستے پر تھا اور درست نشانہ لگا رہا تھا۔ جب محبوب ہی اپنی کیفیت سے بے خبر ہو تو ایسے راستے اپنانے پڑتے ہیں جو اسے

جھنجھوڑ کر رکھ دیں۔ جو خود آگاہی دیں۔ جو اپنے دل کا حال سمجھائیں۔ وہ اس معصوم لڑکی کی دلی کیفیت سے بخوبی واقف تھا جو ہر جذبات سے بے خبر خود پر ظلم کر رہی تھی۔

رہی بات انوشہ اور شازیہ کی تو اب وہ ہر بات کی جب کڑی سے کڑی ملانے لگا تو اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ سب ہوا کیوں۔ سب نے اپنی چالیں چل لی تھیں اور اب زین کی باری تھی۔

"شکریہ زنیرہ! تم نے مجھے سب بتا دیا۔ رہی بات میرے اور سارہ کے درمیان کیا ہوا ہے۔ تم فکر مت کرو میں کچھ کرتا ہوں۔ بس تم یہ سب باتیں اس سے مت کہنا۔ جو جیسا چل رہا چلنے دو۔" زین نے اصرار کیا تو وہ گردن تائید میں ہلا گئی۔

☆......☆......☆

آج ہفتے کے دن وہ سوسائٹی روم چلا گیا تھا جہاں ایونٹ کے حوالے سے سب بحث مباحثوں میں مصروف تھے۔ اس دن زین اور اس کے گروپ کی کوئی کلاس نہیں ہوا کرتی تھی پر سب فیسٹیول کی تیاری کے لیے حاضر ہو جاتے تھے۔ جب وہ داخل ہوا تو ماحول میں مزید پرجوشی بڑھ گئی تھی۔ سب کے چہروں پر ایونٹ کو لے کر بے حد خوشی تھی۔ ذمہ داریوں کی بھی طویل فہرست تھی جو ایک ایک کو پوری کرنی تھی۔ جب ہر ایک فرد اپنے کام میں مشغول نظر آیا، زین نے خود پر انوشہ کی نظروں کی تپش محسوس کی تو فوراً اسے دیکھا پر آج اس کی نگاہوں میں بھی کچھ الگ تھا جس پر انوشہ پل بھر کے لیے ٹھٹک گئی تھی۔ زین نے اسے آنکھوں کے اشارے سے باہر آنے کا کہا۔ اور خود معذرت کرتا ہوا پہلے نکلا۔ اسے پہلے تو یقین نہ آیا پھر خوش گوار حیرانی سے وہ بھی اٹھ گئی اور روم سے باہر آ گئی۔

وہ دروازے کے باہر اس کا انتظار کر رہا تھا۔ جیسے ہی انوشہ باہر آئی زین اسے دیکھ کر مسکرا دیا۔ انوشہ کو ایک حوصلہ مندی کا احساس ہوا جیسے اس کی چال کامیاب ہو رہی تھی۔ زین کی

آنکھوں میں اس کے لیے جاذبیت محسوس کرتے ہوئے انوشہ کے دل میں امید کی کرن بن رہی تھی۔ زین اسے باسکٹ بال کورٹ کی طرف لے گیا تھا جہاں اس وقت کوئی نہیں تھا۔ ایکٹیویٹی سینٹر کی ایک دیوار جو باسکٹ بال کورٹ کی طرف رخ کر رہی تھی اس سے وہ ٹیک لگائے کھڑا ہو گیا جبکہ انوشہ اس کے مقابل کھڑی رہی۔ زین لبوں پر پرکشش سی مسکراہٹ لیے مہارت سے اسے آنکھوں کے حصار میں قید کر رہا تھا۔ وہ تو ویسے ہی اس پیش کش کے انتظار میں برسوں بیٹھی تھی۔ لہٰذا اس وقت بھی اس پل کو انجوائے کرتی ہوئی اسے جیت کا احساس اندر ہی اندر مسرور کر رہا تھا۔

"ایسے کیوں دیکھ رہے ہو تم؟" انوشہ نے زین کی نگاہوں میں اپنی عیار نگاہوں کو اسیر پایا تو پوچھ بیٹھی۔

"یہی کہ اتنا وقت گزار دیا اور اب تم مجھے سمجھ میں آئی ہو۔" وہ ذومعنی انداز میں اس طرح مخاطب ہوا کہ اس کا لہجہ پُر حدت تھا۔ اب سمجھنے کا زاویہ تھا یا تو محبت کے اعتبار سے سمجھا جائے یا ملامت کے۔

"ہمم۔ دیر کر دی تم نے زین۔ بہت دیر۔" انوشہ نے آس لیے اس کی آنکھوں میں دیکھ کر کہا۔

"جانتا ہوں، غلطی ہوئی ہے مجھ سے، اور اب اس کا کفارہ ادا کرنے کا وقت ہے، کیا چاہتی ہو تم؟" اس نے لہجے کو مخمور کن بنا کر انوشہ سے کہا جو سنتے کے ساتھ ہی اس محبت کی نہر میں بہنے کو بے تاب ہوئی۔

"تو میری خواہش محض کفارے کے برابر ہے؟" انوشہ نے پوچھا۔

"نہیں، لیکن خود کو کچھ تو سزا دوں گا۔" زین نے کہا۔ اس کی مسلسل نظریں انوشہ پر تھیں اور ہونٹوں پر ایسی مسکراہٹ تھی جو انوشہ کے جذبات کو ہوا دے رہی تھی۔

”ایسا کیا ہوا جواب میں تمہاری زندگی میں اتنی اہم ہوگئی ہوں؟“ انوشہ نے پوچھا۔

”تم پر یقین آگیا ہے انوشہ مجھے۔ تم صحیح تھیں، سب کے حوالے سے، کل ہی شازیہ سے کچھ بات کرتے ہوئے ایسا لگا کہ جو تم نے ان دونوں کے درمیان تنازع کے حوالے سے بتایا تھا وہ سچ تھا اور اب مجھے شازیہ کی حقیقت سمجھ آگئی ہے۔“ زین نے کہا۔ اس نے دونوں ہاتھ جینز کی جیبوں میں ڈالے ہوئے تھے۔

”تم مذاق تو نہیں کر رہے ہونا؟“ انوشہ کو شک سا ہوا۔ اسے اپنے کانوں پر اعتبار نہیں ہو رہا تھا۔

”نہیں، میں تم سے جھوٹ کیوں بولوں گا؟ خود پسندی اتنی خطرناک شے ہے کہ انسان کو لے ڈوبتی ہے اور یہ میں نے شازیہ میں دیکھی ہے۔“ زین کہتا ہوا اس کے چہرے کے بدلے تاثرات کو بھی نوٹ کرتا جا رہا تھا۔ کوئی اس قدر بھی چالاک ہو سکتا ہے اسے آج معلوم ہوا تھا۔

”صحیح کہہ رہے ہو۔“ انوشہ نے کہا۔

”میں تم سے مدد مانگنے آیا ہوں انوشہ۔ تم میری مدد کرو گی؟“ زین نے پوچھا۔ وہ اب سنجیدہ ہو گیا تھا۔

”کیا، بولو؟“ انوشہ نے پوچھا۔

”شازیہ نظروں سے گر گئی ہے۔ لیکن جو کچھ اس نے کیا اس کا سبق تو دینا پڑے گا۔ سارہ سے تو ویسے ہی بات بند کر دی تھی میں نے۔ پر شازیہ سے کچھ بھی بات کرنے سے پہلے مجھے اور جاننا ضروری ہے کہ ان دونوں کے درمیان کیا ہوا تھا؟“ زین نے پوچھا۔

”تم واقعی ایسا کرو گے؟“ وہ اپنے پلان پر عش عش کرتی رہ گئی تھی۔

”ہاں۔ دونوں پر سے میرا بھروسہ اٹھ گیا ہے، تب ہی تمہارے پاس آیا ہوں۔ تم نے مجھے

دو بار سمجھانے کی کوشش کی لیکن میں نے تمہاری باتوں کو اہمیت نہیں دی۔ مجھے اب معلوم ہوا کتنی عزت کرتی ہو تم میری، ہے نا؟" زین نے سوال کیا۔ وہ اتنی سنجیدگی سے بات کر رہا تھا کہ انوشہ کو واقعی سب سچ لگنے لگا۔ وہ یہ موقع ہاتھ سے کیسے جانے دیتی۔ ایک عرصے سے جو سوچ رہی تھی آج پورا ہو رہا تھا۔ زین اس کے اتنا قریب ہو کر اسی سے مدد مانگ رہا تھا۔

"عزت تو بہت کرتی ہوں میں تمہاری زین، اور محبت بھی۔" انوشہ نے کہا۔

"جانتا ہوں۔ جب تم نے مجھ سے پہلی بار اپنی محبت کا اعتراف کیا تھا تب میں تمہیں سمجھ ہی نہیں پایا۔ شازیہ جو آنکھوں میں بسی تھی لیکن آج مجھے پتہ چلا کہ تم میں اور شازیہ میں کتنا فرق ہے۔" وہ ایک ایک لفظ کو زور دے رہا تھا اور مہارت سے مقابل کو شیشے میں اتار رہا تھا۔

"مجھے بہت دکھ ہوا تھا جب تم نے منع کر دیا تھا۔" انوشہ نے کہا۔

"اس وقت میرے جذبات تمہارے لئے ویسے نہیں تھے۔ لیکن اب میں تمہیں سمجھنے لگا ہوں۔ مجھے تھوڑا وقت دو تو اور سمجھ جاؤں گا۔" زین نے کہا۔

"جتنا وقت لینا ہے لے لو۔ مجھے اس سے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔" انوشہ نے مسکرا کر کہا۔

"تم مجھے معاف کر دینا انوشہ، میں تمہیں سمجھ نہیں سکا۔"

"تم نے میرے جذبات کو اہمیت دی میرے لیے یہ ہی بہت ہے زین، معافی کی بات مت کرو۔" انوشہ نے کہا۔

"تو تمہیں کچھ معلوم ہے شازیہ کے حوالے سے؟" زین نے پوچھا۔

"بہت کچھ۔ مجھے پوری بات معلوم ہے۔ ان دونوں کے درمیان تمہیں ہی لے کر جھگڑا ہوا تھا۔ اور یہ دوسرے آر لیز سے ایک دو دن پہلے کی ہی بات ہے۔ میں تم سے سچ کہوں گی، سارہ نے کچھ نہیں کہا تھا، بس وہ اسے تھوڑا برا بھلا کہہ رہی تھی۔"

''تو پھر؟ شازیہ نے کیا کہا تھا؟'' زین نے پوچھا۔

''بقول شازیہ کے اس نے سارہ کو اس کی اوقات یاد دلائی تھی۔ میرا خیال ہے سارہ نے کوئی بدتمیزی کی تھی اس کے ساتھ۔ شازیہ نے اسے اس کا بیک گراؤنڈ اور ان سب سے متعلق طعنے دیئے تھے۔'' یہ سننا زین کے لئے بے حد مشکل تھا۔ وہ غصے کو بند ہاتھ کی مٹھی سے ضبط کرتا رہا اور چہرے کے تاثرات برقرار رکھے۔ ابھی بہت کچھ جاننا تھا۔

''میں نے سمجھایا بھی تھا اسے کہ یہ اس نے غلط کیا ہے لیکن جب وہ غصے میں آتی ہے تو بات کرنے کی تمیز ہی بھول جاتی ہے۔ زین۔ تم نے سارہ سے بات کیوں بند کی؟'' انوشہ نے زین سے پوچھا۔ اسے یہ تو اندازہ تھا کہ سارہ نے شازیہ اور اس کے کہنے پر بات ختم کی تھی یہ اس کا گمان تھا! لیکن ان دونوں کے بیچ کیا ہوا تھا یہ جاننا چاہتی تھی۔

''بس۔ میرا اور اس کا مزاج نہیں ملا۔ اور پھر اس نے خود بھی بات بند کر دی تو میں بھی قطع تعلق ہو گیا۔'' زین نے کہا۔

''ہمم۔ چلو اچھا ہی کیا تم نے۔ مجھے تو ویسے سارہ پر بھی بھروسا نہیں ہے۔'' انوشہ نے کہا۔

''ہمم۔ اتنا سب میرے پیچھے ہوتا رہا اور مجھے پتہ نہیں چلا۔'' زین نے کہا۔

''میں تو تمہیں بتا رہی تھی زین لیکن تم سنتے ہی نہیں تھے۔'' انوشہ نے کہا۔

''کیا کروں، تم مجھے سمجھ اب آئی ہو، ویسے انوشہ! تم مجھے کیوں پسند کرتی ہو؟'' زین نے پوچھا

''محبت پر اختیار ہے؟ مجھے تو نہیں۔'' انوشہ نے چہک کر کہا۔

''ہاں، لیکن کوئی غلط کریکٹر کے لڑکے کو کیوں پسند کرے گا۔'' وہ کہتے کہتے خمار آلود لہجے سے کرخت لہجے میں جب تبدیل ہوا تو انوشہ کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔

''ہمم؟ میں تو وہ ہوں جس نے تمہیں دھوکا دیا، پھر سارہ اور شازیہ کو پھنسا رہا ہوں۔'' وہ

اس قدر نارمل انداز سے کہہ رہا تھا کہ اس میں کچھ بھی عام نہیں تھا۔ آگ تھی جو لبوں سے نکل کر مقابل کو تہس نہس کر رہی تھی۔ انوشہ کا رنگ فق ہوا۔

''کیا ہوا؟ کچھ غلط کہا میں نے؟'' انوشہ کو دم بخود پا کر وہ اس کے قریب آیا۔ آنکھوں میں اشتعال کی تمازت لیے وہ کسی شیر سے کم نہیں لگ رہا تھا۔ انوشہ ڈر محسوس کرنے لگی تھی۔ یہ اچانک اسے کیا ہوا تھا۔

''م...... مجھے تو سمجھ نہیں آ رہا تم کیا کہہ رہے ہو؟'' خوف سے زبان نے ساتھ چھوڑا۔

''پر انوشہ مجھے تو سب لوگوں نے یہی بتایا ہے۔'' زین اس کی وحشت بھری آنکھوں میں اپنی شعلہ بار آنکھیں ڈالتا ہوا جب گویا ہوا تو وہ گھبراہٹ سے کف نگل گئی۔

''ک...... کن لوگوں نے؟ یہ سب جھوٹ ہے۔'' انوشہ نے کہا۔

''تو تم ڈر کیوں رہی ہو اتنا؟ اگر جھوٹ ہے تو پھر یہی ہو گا۔'' زین نے کہا۔ وہ سخت بھی تھا اور پر سکون بھی اور یہ ہی تاثر کافی تھے انوشہ کو سامنے لانے کے لیے۔

''ہ...... ہاں، میں نے ایسا کچھ بھی نہیں کہا ہے سارہ کو۔'' ایک سازشی مسکراہٹ اب زین کے چہرے پر نمودار ہوئی تھی۔

''میں نے یہ تو نہیں کہا کہ تم نے یہ سب سارہ سے کہا ہے۔'' زین کے کہنے پر اس کے چہرے کی ہوائیاں اڑ گئیں۔

''م...... میرا مطلب کہ ایسا ک...... کسی سے کچھ نہیں کہا ہے۔ کوئی مجھ پر غلط الزام لگا رہا ہے۔ س۔ سارہ ہی نے کیا ہو گا یہ۔'' انوشہ کی حالت دیدنی تھی۔ وہ ایک دم سے بھیگی بلی بنی تھی۔

''شازیہ بھی ہو سکتی ہے۔ ہیں نا؟ تو ایک کام کرتے ہیں تم میرے ساتھ چلو میں شازیہ سے پوچھ لیتا ہوں۔ بلکہ اسے یہیں بلا لیتے ہیں۔'' اس نے چہرے پر سختی کو ختم کر کے طنزیہ

انداز اپنایا اور قدرے نارمل لہجے میں مقابل کو گھیرا پھر موبائل نکال کر شازیہ کو کال کرنے لگا کہ انوشہ نے اسے فوراً روک دیا۔

''نہیں شازیہ نے نہیں کیا ہے، وہ کیوں کرے گی۔''

''کیوں نہیں کرے گی؟ اسی نے کیا ہے اسے بلا لیتے ہیں۔''

''اس نے نہیں کیا ہے تم اسے کال مت کرو۔'' انوشہ نے اس سے موبائل چھیننا چاہا۔

''تو پھر سارہ کو بلا لیتا ہوں۔ ارے۔ دونوں کو بلا لیتا ہوں یار! بات ہی ختم۔'' زین نے پھر واپس فون آن کیا اور شازیہ کا نمبر ملا کر سپیکر آن کر دیا۔ رِنگ جا رہی تھی اور زین انوشہ پر نگاہیں مرکوز کیے ہوئے تھا جس کے پسینے چھوٹ چکے تھے۔ اگر سب کو اس کے بارے میں پتہ چل جاتا تو وہ اس یونیورسٹی میں منہ دکھانے کے قابل نہیں رہتی۔

دو رِنگ کے بعد شازیہ نے فون اٹھا لیا اور زین اسے دیکھے جا رہا تھا۔

''ہاں شازیہ! ایک کام تھا تم سے۔ کیا تم......'' انوشہ نے فوراً اس کے ہاتھ سے موبائل لے کر کال کاٹ دی۔

''تم ایسا کیوں کر رہے ہو؟'' انوشہ چلائی جس پر زین نے اس سے پوری شدت سے موبائل چھینا جس سے وہ مزید سہم گئی۔ زین کا چہرا غصے سے لال پیلا ہو گیا تھا۔

''میں سچ سننا چاہتا ہوں، تمہاری پوری حقیقت میرے سامنے آ گئی ہے۔ اور یہ اڑتی افواہیں نہیں بلکہ ان لوگوں نے بتائی ہیں جنہوں نے اپنے کانوں سے تمہیں سنا ہے۔'' انوشہ کا حلق خشک ہو گیا۔ وہ کانپ رہی تھی۔ زین کی خشمگیں نگاہیں اس پر ایسے پڑ رہی تھیں جیسے وہ اسے بدنام کر دے گا۔

''اب تم بتا رہی ہو یا میں تم تینوں کو یہاں سامنے لا کر کھڑا کر دوں؟'' انوشہ کے پاس سے

جواب نہ پاکر وہ اسے متنبہ کرنے لگا۔

''م......م۔ میں بتا رہی ہوں، پلیز ایسا مت کرنا......م......می......میں نے سارہ کو وقتاً فوقتاً تم سے دور رہنے کے لیے کہا تھا۔ شازیہ کے دل میں، م......میں نے شک پیدا کیا تھا۔ میں جیسا جیسا کہتی جاتی وہ کرتی جاتی۔'' انوشہ کی آنکھوں سے آنسو نکل رہے تھے لیکن زین کو اس پر ایک بار بھی رحم نہیں آیا۔

''شازیہ کو کچھ نہیں معلوم۔ اسے تو تمہارے اور سارہ کے بارے میں بھی کچھ نہیں پتہ تھا۔ میں اسے سب بتاتی تھی۔ م......میں نے جب بھی تم دونوں کو ایک ساتھ دیکھا تو مجھے ڈر لگتا تھا کہ تم اور سارہ قریب نہ ہو جاؤ۔ کبھی آئی ٹی بلڈنگ کے پاس، تو کبھی لائبریری کے پاس۔ تم جس طرح سارہ کو دیکھتے ہو ایسے تم نے پہلے کبھی کسی کو نہیں دیکھا۔ مجھے تو کیا شازیہ کو بھی نہیں دیکھا۔ آج پہلی بار مجھے لگا کہ تمہارے دل میں میرے لئے جذبات جاگے ہیں پر میں غلط تھی۔ مجھے اس بات کا یقین تھا کہ تم سارہ کو پسند کرتے ہو تو میں شازیہ کو سامنے لاتی رہی تاکہ وہ سارہ کو دور کر دے۔ کیسے بھی کر کے۔ شازیہ نے اکاؤنٹس کی کلاس میں سارہ کو برا بھلا کہا۔ تم سے دور رہنے کی وارننگ بھی دی تھی۔ پر سارہ نے کچھ بھی ردعمل نہیں دکھایا اور میں نے ایک دو بار سارہ کو......ت......تم......تمہارے حوالے سے لغو باتیں کی تھیں تاکہ اس کے دل میں نفرت پیدا ہو جائے۔'' وہ گلوگیر لہجے میں سب کچھ کہتے جا رہی تھی اور سنتے سنتے زین کے چہرے پر اتار چڑھاؤ واضح ہوتا جاتا۔ اب کچھ بھی چھپانا اپنے پیر پر کلہاڑی مارنے کے برابر تھا۔ انوشہ نے کبھی زین کو ایسے نہیں دیکھا تھا اور وہ اتنی ڈر گئی تھی کہ سب بتا بیٹھی تھی۔

''شازیہ کو میں نے ورغلایا تھا کہ وہ سارہ کو راستے سے ہٹا دے تاکہ اس کے لئے آسانی ہو، کیوں کہ وہ تم سے محبت کرتی ہے۔ تمہارے دل سے شازیہ کو گرانے کے لیے میں نے تمہیں

بھی اس کے خلاف اکسایا تھا۔'' انوشہ کو اس کے سامنے شدید شرمندگی کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ مسلسل اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اور زین کو اس کی شکل سے نفرت ہوگئی تھی۔ جتنی چالاکی سے اس نے سارہ کے دل میں زین کے لئے اور زین کے دل میں شازیہ کے لئے بغض ڈالا تھا اتنی ہی ہوشیاری سے زین نے اس سے ساری باتیں اگلوادی تھیں۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا وہ انوشہ کو وہیں کچھ کر دیتا لیکن اس نے اپنا سارا غصہ پیتا شروع کر دیا۔

''کیوں کیا تم نے یہ سب؟'' وہ دانت پیستا ہوا غرایا تو انوشہ نے نظریں نیچے کرلیں۔ وہ متزلزل حالت میں روئے چلے جا رہی تھی۔

''بولو۔''

انوشہ چونک گئی۔ یہاں آس پاس کوئی نہ تھا ورنہ اچھا خاصہ اس کا تماشا بن جاتا۔

''میں تم سے محبت کرتی ہوں زین، اور جب سے تم نے میری م محبت کو ٹھکرایا میرے اندر تب سے آ...... آگ جل رہی تھی۔ میں تمہیں...... ک...... کسی کے...... س...... ساتھ نہیں دیکھ سکتی۔''

''تم اسے محبت کہتی ہو؟ یہ محبت نہیں خود غرضی ہے۔ جس سے محبت کی جاتی ہے اس کی عزت کی جاتی ہے۔ تم نے تو میرے کردار پر کیچڑ اچھال دیا اور مجھے سارہ کے سامنے بدنام کر دیا...... اور اللہ کا کرنا دیکھو۔ عزت دینے والی ذات بھی وہ ہی ہے اور ذلت دینے والی بھی۔ تم نے میرے بارے میں اس لڑکی سے کہا جو آنکھیں بند کر کے مجھ پر بھروسہ کرتی تھی اور کسی سے کوئی لفظ نہ کہا۔ وہ کہتی بھی تو بھی کوئی نہیں سنتا اس کی، پر تم مجھے جانتی ہو۔ یونیورسٹی کا ہر ایک شخص مجھے جانتا ہے، مجھے صرف دو منٹ لگیں گے تمہیں بدنام کرنے میں، صرف دو منٹ۔'' زین کا تادیبی انداز اسے چاروں شانے چت کر گیا۔

''پھر کہاں جاؤ گی تم؟'' زین کی باتیں سن کر انوشہ لرز اٹھی تھی۔

”لیکن میں ایسا نہیں ہوں، تم میں اور مجھ میں فرق کیا رہے گا پھر؟ اگر اپنی عزت اور اپنا نام بچانا چاہتی ہو تو باز آ جاؤ اور اپنے آپ کو دور رکھو ان چکروں سے۔ تمہارا پھیلایا ہوا گند اب مجھے صاف کرنا ہے اور اگر تم اب بھی باز نہ آئیں تو میں رحم نہیں کروں گا۔ یہ آخری موقع ہے۔ چلی جاؤ یہاں سے۔“ وہ زیر و زبر ہوئی تھی۔ زین نے ایسی گرجدار آواز میں کہا کہ انوشہ افتاں و خیزاں کی حالت میں اپنا پرس تھام کر بھاگتی ہوئی یونیورسٹی کے گیٹ سے نکل گئی۔ وہ اپنی بدنامی نہیں چاہتی تھی۔ ایک رتبہ تھا اس کا سب کے سامنے، خاص طور پر شازیہ کے سامنے جسے وہ کھونا نہیں چاہتی تھی۔

زین وہیں کھڑا رہا۔ اس پل اسے سارہ بہت یاد آئی۔ کیسے اس نے ہر چیز خاموشی سے سن لی تھی اور پھر بھی اس کے دل میں زین کے لئے عزت برقرار تھی۔

☆......☆......☆

آج اکاؤنٹس کی کلاس میں کتنے دن بعد زین کی نگاہیں بار بار اس دوشیزہ کی جانب جا رہی تھیں جو خود کو دسمبر کی سردی سے بچانے کے لیے سیاہ شال میں مکمل لپٹی اور سمٹی ایک کونے میں بیٹھی تھی۔ پہلی نگاہ تو بے اختیاری میں گئی پھر ہر ہر نگاہ پر اس کا خود اختیار نہ تھا۔ یخ ٹھنڈے موسم میں اس کے بال مزید ریشم کی مانند لگ رہے تھے۔ اس نے نصف بالوں کو کلپ کر کے باقیوں کو پیچھے کھلا رکھا تھا پر سب شال کے اندر جاڑے سے بچنے کی جستجو میں تھے۔ زین اس کے برعکس دو سیڑھی مزید اوپر بیٹھا ہوا تھا جس سے وہ باآسانی اس کی نگاہوں کا مرکز بن رہی تھی۔ اس سے پہلے وہ اس کی ہی لائن میں مقابل کونے میں بیٹھا کرتا تھا۔ پر دل آج دماغ کی سن کہاں رہا تھا۔ وہ پرکشش سی لڑکی اس کے دل کو بے ترتیب کیے جا رہی تھی۔ پر اندر ہی اندر ڈر لاحق تھا کہ کیا وہ لاحاصل تھی؟ ان دو سالوں میں وہ کافی بدل گئی تھی۔ یوں تو چہرے پر بے

رونق آج بھی تھی لیکن وقت کے ساتھ ساتھ پختگی نمایاں ہوا کرتی تھی۔ اسے حالات نے اتنا ہوشیار کر دیا تھا کہ انوشہ اور شازیہ کی کہی ہوئی باتیں وہ زین کو آ کر نہیں بتاتی تھی۔ اور یہ بھی کئی اداؤں میں سے ایک ادا زین کے دل کو پسند آ گئی تھی کہ اس نے کسی کی بھی شکایت نہ کی تھی اور اکیلے اکیلے سب سہہ رہی تھی۔

کلاس شروع ہونے سے پہلے زین نے شازیہ کو ایگزیم بلڈنگ کی سیڑھیوں پر ملنے کا کہا تھا۔ وہ انوشہ سے تو نبٹ گیا تھا اب شازیہ کی باری تھی جس سے اس کو ہرگز بھی ایسے کسی عمل کی توقع نہیں تھی۔ شازیہ کا مقام اس کے دل میں ہمیشہ الگ رہا تھا پر آج وہ اپنے ہی اعمال سے اس جگہ کو کھو چکی تھی۔ کلاس کے اختتام پر سارہ پہلے باہر نکلی تھی جبکہ زین کچھ دیر بعد کلاس سے باہر آیا تو اسے شازیہ وہیں انتظار کرتی ہوئی نظر آئی۔

"میں نے سوچا دونوں ساتھ چلتے ہیں اس لیے رکی ہوئی تھی۔" شازیہ نے کہا۔ وہ دونوں ساتھ قدم بڑھاتے ہوئے اس کوریڈور سے جا رہے تھے جہاں اس وقت سارہ زنیرہ کے ساتھ تھی۔ جیسے ہی سارہ کی ان دونوں پر نظر پڑی تو نگاہ وہیں مقید ہو گئی۔ وہ اس کے سامنے سے جوں ہی گزرے سارہ کی زبان کو قفل لگ گیا۔ وہ ٹرانس سی کیفیت میں رہ گئی تھی۔

"کیا بول رہی تھیں تم؟" بات کرتے کرتے جب رکی تو زنیرہ نے اس سے پوچھا اور سارہ سوچ میں رہ گئی۔ بات تو دور دور تک ذہن میں نہیں تھی اور ان ہی دونوں کا خیال گھوم رہا تھا۔

"کچھ نہیں، میں کلاس میں جا رہی ہوں۔" سارہ وہاں سے چلی گئی۔ اب کہاں ذہن کام کرتا تھا۔ وہ دونوں مستقل اس کے دماغ میں گردش کرتے جا رہے تھے۔

شازیہ اور زین ایگزیم بلڈنگ کی سیڑھیوں پر آ کر بیٹھ گئے تھے۔ دوسرا سیشن شروع ہو گیا تھا اور جہاں یہ لوگ موجود تھے وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ وہ سارے راستے چپ تھا اور اس وقت

بھی کافی سنجیدہ لگ رہا تھا۔

''بتاؤ کیا بات کرنی ہے؟'' شازیہ نے اس کے تاثرات کو بھانپ کر پہل کی۔

''ہمارے بارے میں۔'' زین نے سوچتے ہوئے کہا۔

''ہمارے بارے میں؟'' شازیہ نے سوال کیا۔

''ہاں۔'' زین نے کہا۔

''ہمارے بارے میں کیا بات کرنی ہے تمہیں؟ کیا تم نے اپنے فیصلے پر واپس غور کیا ہے؟'' شازیہ نے پوچھا۔ زین کو انوشہ کی ہر بات یاد آنے لگی جو شازیہ نے سارہ کے ساتھ کیا تھا۔ وہ دونوں کا موازنہ کرتا رہ گیا۔ کس قدر فرق تھا۔

''شازیہ! میں تم سے جو کہنا چاہتا ہوں اسے غور سے سننا۔'' کچھ توقف کے بعد وہ گویا ہوا۔

''میں دنیا کو بہت الگ نظر سے دیکھتا ہوں۔ میرے لئے یہ کلاس، سٹیٹس، سوسائٹی یہ سب معنی نہیں رکھتا۔ میرے لئے سب برابر ہیں۔ اور...... ظاہر ہے میں یہی چاہتا ہوں کہ میری ہونے والی بیوی بھی یہ ہی سوچ رکھتی ہو۔ میں کم از کم اپنی زندگی میں یہ فرق جو تمام لوگ بناتے ہیں، نہیں برداشت کرسکتا۔'' زین کہہ کر رک گیا۔

''زین! تمہیں نہیں لگتا یہ سب کتابی باتیں ہیں؟ آج کل ایسی سوچ کون رکھتا ہے؟'' شازیہ نے پوچھا۔

''اگر میں رکھتا ہوں تو ایسا تو نہیں ہے کہ صرف میں ہی رکھ سکتا ہوں، بہت ہیں، صرف ڈھونڈنے کی دیر ہے۔'' زین نے کہا۔

''ٹھیک ہے، چلو مان لیا کہ ایسے اور بھی لوگ ہیں، لیکن ان سب باتوں سے کیا فرق پڑتا ہے؟'' شازیہ نے پوچھا۔

”جب تمہیں فرق کا ہی اندازہ نہیں تو میں تم سے اس بارے میں مزید کیا بات کروں جو میرے لیے اہم ہے۔“ زین نے کہا۔

”زین! تم جتنا لڑکیوں کو جانتے ہو اس سے کئی زیادہ میں جانتی ہوں۔ آج کل سب یہ ہی دیکھتے ہیں، سٹیٹس، شکل، سوسائٹی پھر چاہے وہ کہیں سے بھی ہوں۔“ شازیہ نے کہا۔

”اور اگر یہ سب نہ رہے تو؟“ زین کے برجستہ پوچھنے پر وہ متعجب ہوئی۔

”کیا مطلب؟“

”تم مجھ سے محبت کرتی ہو؟“ زین نے پوچھا۔

”جانتے تو ہو تم۔“ شازیہ نے سراسیمہ ہو کر کہا۔

”تو اگر یہ سب میں ابھی اسی وقت اپنے پاس سے دور کر دوں۔ شکل، سوسائٹی، سٹیٹس، پیسہ سب ختم! اب رہو گی میرے ساتھ؟“ زین نے پوچھا۔

”ایسی باتیں تو نہیں کرو زین۔“ شازیہ نے الجھ کر کہا۔

”کیوں؟ تمہیں معلوم ہے پوری زندگی کا کمایا ایک لمحے میں ختم ہو سکتا ہے۔ جو ہمارے پاس ہے وہ کل نہیں بھی ہو سکتا۔ اور یہ ممکن ہے! جب کسی چیز کی گارنٹی ہی نہیں تو اس تفرقے میں کیسے پڑ سکتے ہیں؟“ زین نے کہا۔

”زین! تم بات کو کہاں سے کہاں لے کر جا رہے ہو، ہم کیا بات کر رہے تھے اور ابھی اس وقت کیا موضوع لے کر بیٹھ گئے ہیں۔“ شازیہ چڑنے لگی تھی۔

”اگر تمہارے لئے اہم ہوتا تو تم اسے ایسے ہی نہیں ٹال دیتیں۔“ زین نے کہا۔

”تم کہنا کیا چاہتے ہو، صاف صاف کیوں نہیں کہتے؟“ شازیہ نے پوچھا۔

”شازیہ! جو خوبیاں میں چاہتا ہوں کہ میرے ہمسفر میں ہوں وہ تم میں نہیں ہیں۔ جو بات

میرے لئے اتنی ضروری ہے وہ تمہارے لئے دور دور تک اہمیت نہیں رکھتی۔ اصل بیوی تو وہ ہے جو مشکلات میں ساتھ دے۔ اور صرف ایسی ہی لڑکی یہ کرسکتی ہے جو میری طرح کا نظریہ رکھتی ہو۔'' زین نے کہا۔

''اور تمہیں کیا لگتا ہے کہ ایسی لڑکیاں ہوتی ہیں؟ میرے پاس سب کچھ ہے زین۔ مجھے اس سے کیا فرق پڑے گا لیکن اگر کسی کے پاس یہ سب آرائش نہ ہوں تو اس کے ارادے ہم آرام سے پتہ کرسکتے ہیں کہ وہ کیوں مائل ہے۔'' شازیہ نے زچ ہو کر کہا۔

''ہر شخص ایک جیسا نہیں ہوتا شازیہ۔'' زین نے سمجھانا چاہا لیکن شازیہ نے تیور چڑھا لئے۔

''میں سمجھ گئی، یہ سب تم نہیں بلکہ جو کچھ سارہ نے میرے خلاف تمہارے اندر ڈالا ہے وہ بول رہا ہے، اور یقیناً سارہ نے ہی سب بتایا ہوگا جو ہمارے درمیان بات ہوئی تھی۔'' شازیہ کو غصہ آنے لگا تھا۔

''سارہ سے میری کوئی بات نہیں ہوئی ہے، کیا تم دونوں کے درمیان کچھ ہوا ہے؟'' وہ انوشہ کا ذکر کیے بغیر اب شازیہ سے ہر بات براہِ راست سننا چاہتا تھا جو سن کر خاموش ہوئی۔

''تمہاری خاموشی کو میں کیا سمجھوں؟ کیا ہوا ہے تم دونوں کے درمیان؟'' زین نے پھر پوچھا۔

''میں نے جو کیا وہ تمہاری بھلائی کے لئے کیا۔ وہ الگ بات ہے کہ تم نہیں سمجھو گے۔'' شازیہ نے جرح کیا۔

''کیسی بھلائی؟'' زین قدرے غصے میں کہنے لگا۔

''زین! تم ایسی لڑکیوں کو نہیں جانتے ہو۔ ان کے ارادے صحیح نہیں ہوتے اور میں یوں ہی نہیں کہہ رہی! تم چاہے کسی کی بات نہ سنو پر میں تو سنتی ہوں نا! اسے سمجھانا ضروری تھا کہ تم سے دور رہے اور ہمارے بیچ نہ آئے۔'' شازیہ کا کہنا تھا کہ زین جہاں بیٹھا تھا وہاں سے اٹھ

گیا۔ وہ مستقل شازیہ کو سوالیہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ یہ دیکھتے کے ساتھ ہی شازیہ بھی اپنی جگہ سے ہڑبڑا کر اٹھ گئی۔

''کیا ہمارے بیچ؟ تم کہنا کیا چاہتی ہو؟ تمہاری جگہ الگ ہے اور اس کی الگ۔'' زین غصے سے لال پیلا ہونے لگا تھا۔

''دیکھا تم نہیں سمجھو گے۔ میں نے کہا تھا۔'' شازیہ نے کہا۔

''تم نے اس سے کیا کہا ہے؟'' زین نے پوچھا۔ انوشہ کی باتیں سچ ثابت ہو رہی تھیں لیکن شازیہ کے منہ سے الفاظ نہیں نکل رہے تھے۔ وہ ہاتھ باندھ کر وہیں کھڑی رہی اور زین کو دیکھتی رہی۔

''شازیہ تم سے بہت محبت کرتی ہے، تمہیں اس کی قدر کرنی چاہیے۔''

''تم دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہو، مجھے بیچ میں کیوں لا رہے ہو؟''

''میں تمہیں کیا دے سکوں گی؟ میرے پاس ہے ہی کیا؟ مجھ پر اپنا وقت ضائع کرنے سے بہتر ہے اُس کے پاس جاؤ جو تمہاری قدر کر رہا ہے۔''

سارہ کا کہا ہوا ہر لفظ یاد آنے لگا تھا۔ وہ اس کی باتیں سوچتا ہوا اندازہ کر رہا تھا کہ شازیہ نے اسے کیا کیا کہا ہوگا۔ تاسف سے وہ اپنی آنکھوں کے اندرونی کونے دبانے لگا تھا۔ ماتھے پر بل اور چہرے کے تاثرات شازیہ کے کیئے پر حیرانی ظاہر کر رہے تھے۔ وہ اتنا گر سکتی تھی اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔

''زین! میں نے کچھ غلط نہیں کیا ہے۔'' شازیہ نے اپنی وکالت کرنا چاہی۔ پر زین کا پارا چڑھ گیا اور وہ دو قدم اس کی طرف بڑھا۔

''اگر تمہیں اپنی غلطی کا اندازہ ہی نہیں تو میں تمہیں کیا سمجھاؤں؟ میں تم سے پوچھنا بھی

نہیں چاہتا کہ تم نے کیا کہا ہوگا۔ مجھے شرم آتی ہے تمہاری اس حرکت پر شازیہ۔'' اس کی آنکھوں میں ہلکی ہلکی نمی تھی جو سارہ کا درد محسوس کرتے ہوئے بے اختیاری میں ہوئی تھیں البتہ لہجہ کرخت تھا۔

''اتنا برا لگ رہا ہے تمہیں اس کے لئے؟'' شازیہ نے رقابت کی آگ میں پوچھا۔

''شازیہ! سارہ کے علاوہ بھی کوئی ہوتا، کوئی بھی! تو بھی میں اس حرکت پر تمہیں شاباشی نہیں دیتا۔'' زین نے آگے کہا۔

''ایک لفظ...... بس ایک لفظ کافی ہوتا ہے انسان کی زندگی خراب کرنے کے لیے۔ کیا تمہیں ان باتوں کا اندازہ نہیں؟'' وہ کہہ کر اسے دیکھ رہا تھا جو سٹپٹا گئی تھی۔

''تم تو جانتی ہو کہ میرا روز کا کیا کام ہے پھر بھی تم یہ سب کر رہی تھیں؟'' زین کی آواز اونچی ہونے لگی تھی لیکن ان کے آس پاس کوئی نہیں تھا جو ان کی باتیں سن سکے۔

''روز اس ہی کوشش میں ہم لوگ ہوتے ہیں کہ کسی کا دل ہلکا کر دیں، کسی کی مدد کر دیں، کسی کی مصیبت میں کام آجائیں لیکن مجھے کیا پتہ تھا...... کہ میرے تو دوست ہی اس کے خلاف قدم اٹھاتے ہیں۔'' وہ ایسے دھاڑا کہ مقابل سہم اٹھی اور آنکھوں میں ہلکی سی نمی ظاہر ہونے لگی۔

''مجھے شرم آتی ہے۔ تم پر نہیں خود پر کہ میں نے تم لوگوں سے دوستی جیسا خوبصورت رشتہ قائم کیا۔ شازیہ! تم تو سب جانتی ہو میری مام کا کام۔ تم تو یہ تک جانتی ہو کہ ڈیپریشن کتنی خطرناک بیماری ہے۔ پھر بھی تم نے اسی کو بڑھاوا دیا۔ کیوں ہم اپنے سے پہلے دوسروں کا نہیں سوچ سکتے؟ کیا اتنا مشکل ہوتا ہے؟'' شازیہ کے پاس کوئی الفاظ نہیں تھے۔ وہ نادم کھڑی نیچے دیکھ رہی تھی۔

”تمہارے دل میں آگ سلگ رہی ہے شازیہ، جس نے تمہیں پوری لپیٹ میں لے لیا ہے اور یہ تمہارے ساتھ ساتھ دوسروں کو بھی نقصان پہنچا رہی ہے۔ مجھے تم سے اب کوئی بات نہیں کرنی، میں جا رہا ہوں، اللہ حافظ۔“ زین کہہ کر چلا گیا اور شازیہ وہیں کھڑی رہ گئی۔ آنسو تیزی سے اس کے چہرے پر گرنے لگے تھے۔ کتنے دن بعد اسے آج زین کی باتوں سے احساس ہوا تھا کہ وہ کس قدر غلط کر رہی تھی۔

☆......☆......☆

”میری ماما آج کل اپنی بہن کو لے کر بہت پریشان ہیں۔“

”کیوں کیا ہوا ہے؟“

”پتہ نہیں، میری آنٹی کوئی بات کرتی ہی نہیں، بس خاموش رہتی ہیں، پتہ نہیں کیا سوچتی ہیں جبکہ ان کے گھر میں سب ہیں لیکن پھر بھی۔“

”ہمم۔ تمہاری مام نے اس حوالے سے کچھ کیا؟“

”ہاں بہت بار بات کرنے کی کوشش کی ہے لیکن کوئی فائدہ نہیں ہے، پتہ نہیں کیا انہیں اندر ہی اندر مار رہا ہے۔ ڈاکٹر کے پاس جانے سے بھی ڈرتی ہیں۔ میں بہت پریشان ہوگئی ہوں انہیں ایسے دیکھ کر۔“

”اچھا رکو، یہ لو یہ نمبر اپنے پاس سیو کر لو، یہ میری مام کا ہے۔ جو بات تم بتا رہی ہو میرا خیال ہے میری مام اس میں مدد کر سکتی ہیں اور یہ کارڈ بھی اپنی مام کو دکھا دینا۔ میری مام کو خوشی ہوگی تمہاری مام سے بات کر کے۔ آج ہی کر لینا میں بھی بتا دوں گا انہیں۔“

”یہ ہے کیا؟“

”ایک چھوٹی سی کوشش زندگی بدلنے کے لیے۔ یہ میری مام نے اپنی دوستوں کے ساتھ

مل کر شروع کیا ہے اب تو کافی وقت ہو گیا ہے۔ مجھے یقین ہے تمہاری آنٹی کو مدد ملے گی۔"

پہلے سال میں ان دونوں کے درمیان ہوئی گفتگو دماغ میں بازگشت کر رہی تھیں جب یکا یک گاڑی رکی تو مدھم جھٹکے سے وہ اپنے خیالات سے واپس آ گئی تھی۔

"جی بی بی زین صاحب کا گھر آ گیا ہے۔" شازیہ کے ڈرائیور نے کہا۔ وہ گاڑی سے نکلی اور اس گھر کی طرف حسرت سے دیکھنے لگی۔ کئی بار آنا ہوا تھا یہاں۔ پھر دل میں پنپتی خواہش نے اس گھر کو دیکھنے کا نظریہ بدل دیا تھا۔ پر اب جو ہوا تھا اس کے بعد وہ ایک سچے دوست کو کھونا نہیں چاہتی تھی خاص طور پر ایسا شخص جو دل و جان سے عزیز تھا۔ چہرے پر خفت لیے اس نے مرکزی دروازے کی طرف قدم بڑھا دیئے۔

"اچھا عبدل کھانا تیار ہو گیا ہے؟" ارم نے پوچھا۔ وہ وسیع و عریض لونگ ایریا میں موجود گداز صوفے پر بیٹھیں ہوئیں آنے والی میٹنگ کی تیاریاں کر رہی تھیں۔

"جی میڈم، آپ بتا دیں کب لگانا ہے؟" عبدل نے تابعداری سے کہا۔

"ہاں تھوڑی دیر میں کرنا تیاری۔" ارم کہتے ہوئے انٹر کام کی طرف دیکھنے لگیں جو بج رہا تھا۔

"دیکھو کون آیا ہے۔" ارم نے عبدل سے کہا جو سر کو جنبش دیتا ہوا انٹر کام اٹھانے چلا گیا۔

"میڈم! وہ شازیہ بی بی آئی ہیں۔" عبدل نے آواز لگائی۔

"ہاں ہاں دروازہ کھولو جا کر۔" ارم نے خوش گوار حیرانی سے کہا اور عبدل دروازہ کھولنے چلا گیا۔

"السلام علیکم شازیہ بی بی، اندر آ جائیں۔" عبدل نے کہا۔ اس کا آنا جانا کافی تھا لہٰذا گھر کے ملازم بھی اسے پہچانتے تھے۔

"شازیہ! میں یہاں لونگ روم میں ہوں، ادھر آ جاؤ۔" ارم کی فرحت بخش آواز جب سنی تو

شازیہ ان کے پاس چلی گئی۔ ارم اپنی ازلی نرم طبیعت کے باعث اٹھیں اور اسے محبت سے گلے لگالیا۔

''کیسی ہو بیٹا، زین سے ملنے آئی ہوگی نا تم؟ عبدل! زین کو جا کر کہو کہ شازیہ آئی ہے۔''

''کیسی ہیں آپ آنٹی؟'' اس کے چہرے سے لگ رہا تھا کہ وہ بہت مایوس اور شرمندہ سی ہے۔ چہرے پر بمشکل مسکراہٹ سجائے وہ ارم سے گویا ہوئی تھی۔

''شکر ہے اللہ کا۔ بس آج کل تو بہت مصروفیت ہے۔ کام ایسا ہے کیا کریں کسی نہ کسی کو ضرورت پڑ ہی جاتی ہے۔ اور پھر یوگا، بریتھنگ کلاسز یہ سب بھی ساتھ ساتھ چل رہا ہوتا ہے۔'' انہوں نے عجلت میں کہا۔ ارم چہرے سے بہت پرسکون لگتی تھیں۔ ان کے کام نے انہیں سنبھالا ہوا تھا۔ ہر وقت چہرے پر مدھم سی مسکراہٹ۔ کوئی بھی مایوس شخص ان کے ساتھ بیٹھ کر اپنا غم ہلکا کر سکتا تھا۔ شازیہ ان کے شفیق چہرے کو دیکھتی رہی تھی۔ بلاشبہ زین کا انداز اپنی ماں پر تھا۔

''ویسے تم لوگوں کے درمیان کچھ ہوا ہے؟ زین جب سے آیا ہے خاموش ہے اور کمرے سے باہر نہیں آیا۔'' ارم نے پوچھا۔

''بس آنٹی وہی سوسائٹی کا کام شاید اس لیے۔'' اس نے نادم ہو کر بات کو ٹالا۔

''یہ لڑکا بھی! کام کو سر پر سوار کرے گا تو اپنی طبیعت ہی خراب کرے گا۔ تم سمجھاؤ اسے۔'' ارم نے کہا۔

''شازیہ بی بی جی! آپ صاحب کے کمرے میں چلی جائیں۔'' وہ کہہ رہی تھیں جب عبدل مطلع کرنے آیا۔

''جی آنٹی میں سمجھا دیتی ہوں۔'' شازیہ یہ کہہ کر وہاں سے اٹھ گئی۔ زین کا کمرا پہلے فلور پر

تھا۔ وہ چلتی ہوئی سیڑھیوں تک آئی پر اب قدم بھاری ہوتے محسوس ہو رہے تھے۔ اس کی سونی آنکھیں رونے کی عکاسی کر رہی تھیں۔ وہ بمشکل توازن برقرار رکھتی ہوئی سیڑھی چڑھنے لگی تھی۔ راہ داری میں چلتے ہوئے زین کے کمرے کا دروازہ آیا تو وہ داخل ہونے سے پہلے پل بھر کو رکی۔ اسے زین کو فیس کرنا محال ہو گیا تھا۔ دروازے پر ناک کرتی ہوئی جوں ہی داخل ہوئی تو اسے وہ سامنے صوفے پر سنجیدہ بیٹھا دکھائی دیا۔ شازیہ نے کمرا بند کر دیا اور اس کے پاس برابر میں خاموشی سے بیٹھ گئی۔ زین نے ایک بار بھی اس کی طرف نہیں دیکھا تھا۔ وہ اپنی نظریں موبائل کی سکرین پر ہی جمائے ہوئے تھا۔ شازیہ کا وجود کپکپی کی لپیٹ میں آیا۔

''ہیلو زین۔'' شازیہ نے بمشکل لب وا کیے تھے۔ پر زین نے ان سنا کر دیا۔ اس کی جانب سے سفاک انداز دیکھ کر وہ برداشت نہ کر سکی۔ ندامت سے نظریں نیچے ہوئیں اور ہیزل آنکھوں میں ننھے ننھے موتی امڈ آئے۔ زین کا یہ برتاؤ اسے بہت تکلیف دے رہا تھا۔

''ناراض ہو نا تم مجھ سے؟'' شازیہ نے پوچھا پھر بھی کوئی جواب نہیں تھا۔ شازیہ نے ہمت کر کے بات شروع کی۔

''زین! میں...... میں تم سے کچھ چھپانا نہیں چاہتی۔ یہ بات سچ ہے کہ میں نے تمہیں دوست سے بڑھ کر سمجھنا شروع کر دیا تھا پر ایک بار بھی یہ نہیں سوچا تھا کہ تم کیا چاہتے ہو۔ تم صحیح کہہ رہے تھے۔ میرے دل میں آگ ہی تھی جو سلگ رہی تھی۔ مجھے ڈر لگتا تھا کہ تم مجھے انکار کر دو گے اور جب واقعی کر بھی دیا تو مجھ سے رہا نہیں گیا۔ اس لیے میں نے یہ سب کر دیا۔ پر میں اپنی انا اور ضد میں بھول گئی تھی کہ میں ایک بہت اچھا دوست بھی کھو دوں گی۔'' زین نے موبائل ایک طرف کر دیا اور سامنے دیکھتا رہا۔

''اور یہ ہی میری سب سے بڑی ہار ہو گی۔ میں تمہیں پہلے سمسٹر سے جانتی ہوں۔

ساڑھے تین سال وقت کم نہیں۔ میری زندگی میں تمہاری بہت اہمیت ہے اور آج صرف اس دوستی کی خاطر میں تمہارے پاس آئی ہوں اور تم سے معافی مانگنا چاہتی ہوں۔'' شازیہ کہہ کر رک گئی۔ زین اس واقعے کے بعد سے بہت پریشان تھا اور اندر ہی اندر گھٹ رہا تھا لیکن شازیہ کی باتوں نے اسے دھیرے دھیرے پرسکون کرنا شروع کر دیا تھا۔ وہ سسکیاں لے رہی تھی۔ اس کی آواز میں صداقت پا کر زین کچھ توقف کے بعد گویا ہوا۔

''تمہیں یاد ہے ایک بار تم نے مجھے کہا تھا کہ میں بدل گیا ہوں؟ میں نہیں بدلا تھا شازیہ۔ وقت کے ساتھ ساتھ تم نے اپنے آپ کو اتنا بدل دیا کہ ہم دونوں کی دوستی میں فرق پیدا ہو گیا۔'' زین نے کہا۔ ''تم نہیں جانتی پر میں پل پل ٹوٹ رہا ہوں مجھ میں اب اور ہمت نہیں ہے۔'' وہ ملال لیے سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔

''زین! مجھے معاف کر دو پلیز۔'' شازیہ نے اصرار کیا۔

''میں نے تمہیں صبح ہی معاف کر دیا تھا۔ کیوں کہ میں سمجھ گیا تھا کہ تم نہیں بلکہ تمہاری غلط صحبت نے تم سے یہ سب کروایا ہے۔ لیکن تمہاری معافی کا حقدار میں نہیں ہوں۔'' زین نے کہا۔

''اگر تم کہو گے تو میں سارہ سے بھی معافی مانگ لوں گی۔'' شازیہ نے کہا۔

''تم جانتی ہو شازیہ، سارہ نے مجھے کبھی تم دونوں کے درمیان جو باتیں ہوئی تھیں ظاہر نہیں ہونے دیں۔ وہ خاموشی سے سہتی رہی۔ اگر چاہتی تو بہت آرام سے تمہارے خلاف مجھے کر سکتی تھی۔ اس کے برخلاف اس نے مجھ سے تمہارے بارے میں سوچنے کو فوقیت دی۔ یہی کہ تمہارے احساسات کی قدر کروں تمہارے جذبات کو سمجھوں۔ اور یہ ہی اس کے نیک کردار کی گواہی دیتی ہے۔'' زین کا یہ کہنا تھا کہ شازیہ نے اپنا چہرا ہاتھوں میں چھپا لیا۔ آنسو مستقل بہہ رہے تھے۔ وہ اپنے آپ کو سارہ سے کمتر سمجھنے لگی تھی اور سارہ سرخرو ہو گئی تھی۔

’’خیر! تم اس سے معافی نہیں مانگنا۔ تمہیں اپنے کیئے پر پچھتاوا ہے یہی کافی ہے۔‘‘ وہ اس نادان لڑکی کو ترحم نگاہ سے دیکھ رہا تھا جس کے آنسو رکنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔

’’اس دوستی کی خاطر کچھ بھی زین! میں دل سے اس سے معافی منگنے کو تیار ہوں۔ اور تم سے بھی اپنے کیے کی معافی مانگتی ہوں۔‘‘ وہ عرش سے فرش پر گری تھی۔ اس کی آنکھوں میں شرمندگی دیکھ کر زین کے چہرے کے تاثر سنجیدگی سے نرمی میں بدل گئے تھے۔

’’جانتا ہوں شازیہ! تم کیسی ہو یہ بھی جانتا ہوں۔ ایک کام ہے جس سے تمہارا پچھتاوا کم ہوسکتا ہے۔‘‘ زین نے کہا۔

’’کیا کام؟‘‘ شازیہ نے چہرے پر سے ہاتھ ہٹا کر اس کی جانب دیکھا۔

’’کسی سے کچھ بلوانا ہے، اور اس کے لئے مجھے تمہاری ضرورت ہے۔ تمہارے بغیر میں یہ کام نہیں کرسکوں گا۔‘‘ زین نے کہا اور شازیہ سوچ میں پڑ گئی۔

’’پر اپنا ہمراز بنا کر کیا میں تم پر بھروسہ کرسکتا ہوں؟‘‘ زین نے اس سے تشویشی انداز میں پوچھا۔

’’اگر بھروسہ نہیں کرتے تو کیا تم مجھے بتاتے؟‘‘ شازیہ نے کہا۔ وہ زین کو بغور دیکھ رہی تھی اور زین کی نظریں پھر سامنے کی سمت ہو گئیں۔

’’زین! کیا میں ایک بات پوچھ سکتی ہوں۔ تمہیں اس میں ایسا کیا دِکھا کہ تم نے مجھے بھی نظرانداز کردیا؟‘‘ اس کے اندر اٹھتے سوال کو وہ لبوں پر لے آئی اور یہ سنتے کے ساتھ ہی زین نے اس کی جانب دیکھا۔

’’اس کی سادگی، معصومیت اور اعلیٰ اخلاق...... یہی میرے دل کو بھا گئی۔ مجھے اس کے آگے کوئی خوبصورت نہیں دکھتا۔‘‘

☆......☆......☆

دسمبر کے تیسرے ہفتے میں ایونٹ منعقد ہوا تھا اور فائنل امتحان اس کے چند دن بعد تھے پر ابھی دسمبر کا دوسرا ہفتہ چل رہا تھا۔ زین نے شازیہ کو اپنا ہمراز بنا کر اس سے مدد لینی چاہی تھی۔ وہ سارہ کے مزاج کو بخوبی جانتا تھا اور اسے یہ بھی معلوم تھا کہ سارہ خود اپنی کیفیت سے بیگانہ تھی۔ اب اسے آشنا تو کرنا تھا۔ پردے پر سے راز فاش کرنا تھا۔ دل کے بند تالے کو کھول کر دکھانا تھا کہ جس شخص سے وہ بھاگ رہی تھی وہ تو دراصل اس میں ہی بسا تھا۔ پر یہ کرنا آسان نہیں تھا۔ جب انسان خود سے ناواقف ہو تو ایسے قدم اٹھانے پڑ جاتے ہیں کہ اسے دھچکا لگے اور یہی کام زین کو سب سے بہتر لگا تھا۔

ویسے تو سارہ کو زین اور شازیہ اکثر ساتھ نظر آ جاتے تھے پر یہ پورا ہفتہ گزارنا محال ہو گیا تھا۔ وہ ہر وقت اسے ایک ساتھ دکھتے اور اتنا قریب لگتے کہ سارہ سے سہا نہ جاتا۔ حالانکہ کوئی معیوب حرکت نہ ہوتی پر دونوں کو باتوں میں اس حد تک مشغول پاتی تھی کہ اسے ان دونوں کے درمیان کوئی فاصلہ نظر ہی نہیں آتا تھا۔ وہ چاہے کینٹین جائے، کلاس سے باہر آئے، لائبریری کا رخ کرے یا یونیورسٹی میں داخل ہو، زین اور شازیہ یا تو کھڑے ہوتے یا کہیں بیٹھے باتوں میں اتنے گم ہوتے جیسے دنیا میں ان کے علاوہ کوئی نہیں۔ یونیورسٹی کا خوبصورت جوڑا اور پھر ہر وقت ساتھ دکھائی دے رہا ہو۔ صرف یہی نہیں وہ جب ہنستے مسکراتے تو سارہ کے دل میں درد کی لہر پیدا ہو جاتی۔ پر اس نے ایک بار بھی اس تکلیف کو سمجھنے کی کوشش نہ کی تھی۔ وہ چھپ چھپ کر آنسو بہا لیتی یا کبھی اندر ہی اندر پی لیتی۔ اسے ایسا احساس ہونے لگا تھا کہ جیسے زین اور اس کی آخری ملاقات جو چھت پر ہوئی تھی، محض ایک خیال تھا۔ وہ خالی خالی محسوس کرتی تھی۔ اسے زین کے ساتھ جو اتنے وقت تک دوستی رہی تھی، سب جھوٹ و فریب لگنے لگا تھا۔ یوں تو پہلے بھی زین اور شازیہ جب ساتھ ہوتے تو ہر شخص کو شازیہ، زین کی طرف

مائل ہوتی نظر آتی پر اس بار مختلف تھا۔ وہ دونوں ہی ایک دوسرے میں کھوئے کھوئے ہوتے اور چند دنوں میں ہی یونیورسٹی میں پھر سے ہاٹ ٹاپک بن گئے تھے۔

ایونٹ کی آمد آمد تھی اور اس سے اچھا موقع زین کے پاس نہیں تھا کہ وہ شازیہ کے ساتھ زیادہ وقت گزارتا۔

فیسٹیول کی تیاریاں عروج پر تھیں اور سجاوٹیں شروع ہوگئی تھیں۔ ہر جگہ خوشی کا سماں تھا۔ یوں تو سوسائٹی کے سب ممبران اور کولیڈرز زین کے ساتھ مل کر تیاریوں میں مصروف رہتے پر زین اور شازیہ ہر وقت ساتھ ہوتے۔ ان دونوں کے درمیان ہنسی مذاق، ایک دوسرے کو تنگ کرنا پھر ساتھ ساتھ کام کرنا کسی کی بھی نظر سے اوجھل نہیں تھا۔ آہستہ آہستہ سارہ نے خود کو مائے سپاٹ پر مقید کرلیا کیونکہ یہ واحد جگہ تھی جہاں وہ انہیں نہیں دیکھ سکتی تھی۔

انوشہ اس دن کے بعد سے یونیورسٹی نہیں آئی تھی۔ اس نے درخواست درج کروا کر پرائیویٹ پڑھنے پر اکتفا کیا اور شازیہ کو یہ عذر بتادیا کہ وہ شہر چھوڑ کر کہیں اور جارہی ہے۔ حالانکہ وہ تھی کراچی میں ہی پر اب اس میں زین اور شازیہ کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں تھی۔ آسمان کا تھوکا منہ پر آتا ہے۔ وہ جو لاپروائی سے بہتان لگارہی تھی اب اپنی عزت پر داغ لگنے سے دامن بچا بچا کر چل رہی تھی۔ اسے علم نہیں تھا پر زین نے اس کی حرکتوں کو راز رکھا تھا اور شازیہ سے اس کے متعلق کوئی بات نہ کی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ انوشہ اپنے کیے کی سزا بھگت رہی ہے۔

دوسری طرف شازیہ نے دوستی نبھا کر دکھائی تھی۔ وہ زین کی دل سے قدر کرتی تھی کیونکہ اس کی ماں کے کئی احسان تھے اس کی آنٹی پر جن کو ڈیپریشن جیسی بیماری سے نکل کر نئی زندگی ملی تھی۔ وہ کسی صورت بھی زین کو دوست کی حیثیت سے کھونا نہیں چاہتی تھی اور جیسے جیسے روز بروز وہ زین کے حساب سے چلتی، زین کو بھی اس پر بھروسہ ہونے لگا تھا۔

پورا ہفتہ ایسے ہی گزر گیا تھا۔ اور دسمبر کا تیسرا ہفتہ شروع ہو گیا تھا جس کا سب کو بے صبری سے انتظار تھا۔ یوں تو فیسٹیول ہفتے کے دن تھا پر وقت گزارنا دشوار تھا۔ سجاوٹ لگنا شروع ہو گئی تھیں اور ہر جگہ کچھ نہ کچھ نیا دیکھنے کو مل رہا تھا۔ مارکیٹنگ سوسائٹی کی محنت قدم قدم پر نظر آ رہی تھی۔ پر ابھی مکمل شکل واضح نہیں تھی۔

آج پیر کے دن سارہ کا آخری سیشن فارغ ہوتا تھا جس میں وہ یا تو کبھی لائبریری چلی جاتی تھی یا مائے سپاٹ پر بیٹھی پڑھ رہی ہوتی تھی۔ پر آج اسی سیشن میں زنیرہ کی پریزنٹیشن تھی جو کہ صرف پندرہ منٹ کی تھی جس کے بعد وہ بھی فارغ تھی تو اس نے سارہ کو اکیڈمیک بلڈنگ کے باہر پاتھ پر ملنے کا کہہ دیا تھا۔ سارہ کلاس لے کر نکلی تو طے شدہ جگہ پر جا بیٹھی۔ آس پاس طلبا کی آمد و رفت جاری تھی جو زیادہ تر فارمل کپڑوں میں نظر آ رہے تھے کیوں کہ اس ہفتے کئی اساتذہ نے پریزینٹیشن رکھی ہوئی تھیں۔ خود سارہ کا بھی یہ ہفتہ پریزنٹیشن میں مصروف رہا تھا۔ البتہ وہ عام دنوں میں جو لباس زیبِ تن کرتی وہی لباس پریزنٹیشن کے لیے بھی منتخب کرتی۔ اس کے پاس اتنی چوائس نہیں تھی کہ الگ الگ کپڑے پہنے۔ پریزنٹیشن کے دوران اس کا انداز اس قدر پرستائش ہوتا کہ کلاس کا ہر طالب علم یک ٹک اسے دیکھتا تھا۔ وہ ذہین لڑکی اپنی قابلیت سے جھنڈے گاڑا کرتی تھی اور ہر بار بازی لے جایا کرتی تھی۔ کلاس میں پوڈیم کے پاس کھڑے ہو کر وہ لوگوں کی نظروں سے جھجک محسوس کرتی تھی پر جیسے ہی دھیان کام کی طرف مرکوز ہوتا ڈر کا دامن چھوٹ جاتا اور وہ انگریزی زبان میں مہارت کے ساتھ جو طرزِ بیان و اندازِ تقریر کرتی تو ہر آنکھ متحیر رہ جاتی۔

زرد مائل چہرا لیے وہ لوگوں کو آتا جاتا دیکھ رہی تھی۔ آپس میں بات چیت کرتے مسکراتے چہکتے چہرے اسے قنوطیت کی طرف کھینچ رہے تھے۔ کمی کا احساس دلا رہے تھے۔ ایک ایسے

دوست کے بچھڑنے کا احساس جسے وہ اپنی آپ بیتیاں بتا دیا کرتی تھی۔ اس کا بس چلتا تو ماضی میں جا کر اس قصے کو ہی مٹا دیتی جس نے اس سے اس کا دوست تک چھین لیا تھا۔ پر ہونی کو کون ٹال سکتا ہے۔ وہ سرد سانس کھینچتی ہوئی اپنے اندر خالی پن محسوس کر رہی تھی جب زنیرہ اس کے پاس آ بیٹھی۔

''آ گئیں تم؟'' اس نے محو خیال پوچھا۔ جو بیتے کل زین کے ساتھ بتائے تھے یکے بعد دیگرے ذہن میں روشن ہو رہے تھے۔

''کیسی ہوئی پریزنٹیشن؟'' سارہ نے آگے پوچھا۔

''ہاں زبردست ہو گئی۔'' زنیرہ نے پُرجوشی سے کہا جسے سن کر سارہ مدھم سی کبیدہ مسکرا گئی۔

جب دل ہی تنہائی کا شکار ہو تو مزاج کیسے پُررونق ہو؟

''تم کیوں اتنی بجھی بجھی ہو! کیا ہو گیا سارہ؟ اچھی بھلی تھیں پر اب ایسا کیوں لگتا ہے جیسے مستقل تمہیں کوئی چیز پریشان کر رہی ہے۔'' زنیرہ نے اس کے چہرے کو بغور دیکھ کر کہا۔

''ارے نہیں، تمہیں غلط فہمی ہے، فائنل امتحان سر پر ہیں اس لیے تھوڑا ذہنی دباؤ ہے بس۔'' سارہ کہہ کر چپ ہو گئی اور زنیرہ نے مزید کچھ نہ پوچھنا بہتر سمجھا۔

''اچھا تم یہ بتاؤ فیسٹیول میں کیا پہنو گی؟'' زنیرہ نے موضوع بدل کر اس کا دل بہلانا چاہا۔

''کیا مطلب؟ جو روز پہنتی ہوں وہی پہنوں گی۔'' سارہ کو تعجب ہوا۔

''کیا ہو گیا ہے سارہ! اگر تم نے ایسا ویسا کچھ کیا تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔ اچھے سے کپڑے پہن کر آنا۔ تمہیں معلوم ہے سب خوب ڈریس اپ ہو کر آئیں گے۔'' ملامت کرتی ہوئی وہ ایک دم چمک کر بولی تو سارہ نے شکن آلود ماتھے سے اسے گھورا۔

''یار! مجھے اتنا تیار ہونے کا شوق نہیں۔ ویسے بھی سب کی نظریں اور توجہ وی آئی پی پر ہوں

گی۔ تو ایسے میں، میں کچھ بھی پہنوں فرق نہیں پڑتا۔'' سارہ نے کہا۔

''کیا کہے جا رہی ہو سارہ! یار یہ ہی تو موقع ہوتا ہے۔ مجھے کچھ نہیں سننا! تم اچھے سے تیار ہو کر آؤ گی اور یہ فائنل ہے اور پلیز کچھ چہرے پر لگا بھی لینا، دو سال سے ایسے ہی دیکھ رہی ہوں تم کو۔'' زنیرہ نے لتاڑا جس پر سارہ زچ ہوئی۔

''مجھے ان سب کا شوق نہیں ہے زنیرہ۔'' سارہ چڑنے لگی۔

''پلیز میرے لئے، میری بھی خواہش ہے کہ میں اپنی دوست کو اچھے ڈریس اپ میں دیکھوں۔'' اس نے اصرار سے آنکھیں گھماتے ہوئے کہا تو سارہ مسکرا اٹھی۔ اس خطے میں طلبا کا ہجوم بڑھتا جا رہا تھا کیونکہ جیسے جیسے آخری سیشن اختتام کو پہنچ رہا تھا کئی اساتذہ چھٹی جلدی دے رہے تھے۔ ان کی باتوں کے ساتھ دوسرے لوگوں کی گفتگو مخلوط ہوتی ہوئی فضا میں شور برپا کرتی ہوئی لگ رہی تھی۔ کئی لوگ ان کے اطراف میں گروپس کی شکل میں آ بیٹھے تھے۔ وہ دونوں بھی مگن تھیں گفتگو میں۔ ایک اچھا دوست کھو کر سارہ اب کسی صورت بھی زنیرہ کو دور نہیں کرنا چاہتی تھی۔ تبھی اس کی بے جا ضد کو مانے جا رہی تھی۔ زنیرہ میک اپ سے لے کر کپڑوں، ہر چیز پر تبصرے کر رہی تھی جو سارہ فقط سن رہی تھی۔ یہ اس کا پسندیدہ موضوع کبھی رہا ہی نہیں تھا اس لیے زنیرہ کو ہی بولنے کا موقع دیا تھا۔

''کب سے دیکھ رہی ہوں، دونوں کتنے قریب لگتے ہیں ایک دوسرے کے۔'' اچانک باتوں باتوں میں زنیرہ نے بائیں جانب ٹکٹکی باندھے دیکھ کر کہا تھا جس کی نظروں کی سمت جب سارہ نے مڑ کر دیکھا تو مسکراہٹ سمٹ کر معدوم ہو گئی۔

''کیا قسمت پائی ہے دونوں نے، شکل بھی ایک سے بڑھ کر ایک اور پھر ساتھ ایک دوسرے کو کامپلیمنٹ کرتے ہیں۔'' زنیرہ کے تبصرے جاری وساری تھے پر وہ مقابل بیٹھی سارہ

کے اندر ہوتی توڑ پھوڑ سے ناواقف تھی۔ زین آئی ٹی بلڈنگ کی دیوار سے ٹیک لگائے کھڑا تھا اورشازیہ اس کے ساتھ موجود باتوں میں مشغول دکھائی دے رہی تھی۔ اتنے فاصلے کے باوجود بھی وہ زین کی نظروں کو دیکھ رہی تھی جو مکمل شازیہ کو اپنے حصار میں لیے ہوئے چمک سی رہی تھیں۔ پھر کیا تھا اس نے حزن سے آنکھوں کے زاویے واپس زنیرہ کی طرف کر لیے اور اس کی بات پر اتفاق کیا۔ بلاشبہ بات تو سچ تھی۔

''مزید قریب نہیں لگتے سارہ۔'' زنیرہ کی البتہ نظریں اب بھی وہیں مرکوز تھیں۔

''ظاہر ہے جب دو لوگوں میں محبت ہوگی تو اتنی دور سے بھی ایک دوسرے کے لئے اپنایت نظر آہی جائے گی۔'' مایوسی کا عنصر لیے اس نے سنجیدگی سے کہا تھا۔

''تمہیں واقعی لگتا ہے وہ دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں؟'' زنیرہ نے پوچھا۔

''لگتا تو ایسا ہی ہے، چاہے ایک دوسرے سے اعتراف نہ کیا ہو پر جیسے ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں، احساس ہو ہی جاتا ہے۔'' سارہ نے کہا۔

''تو کیا اعتراف نہیں کیا ہوگا ابھی تک؟ تمہیں زین نے اس حوالے سے کبھی کچھ بتایا ہے؟'' زنیرہ نے پوچھا۔

''نہیں! وہ مجھے کیوں بتائے گا۔ یہ ان کا پرسنل معاملہ ہے اور میں اس کی فقط ایسی دوست ہوں جیسے تم ہو۔ اور کچھ نہیں۔'' اس نے سپاٹ انداز سے کہا تھا اور لہجہ زنیرہ نوٹ کر گئی تھی۔

''تم دونوں کے بیچ جھگڑا ختم نہیں ہوا ہے نا۔'' زنیرہ نے برجستہ پوچھا۔

''کیسا جھگڑا! زنیرہ تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے، ایسا کچھ نہیں ہے۔ میں تب سوسائٹی میں تھی اس لیے اس سے بات چیت ہو جاتی تھی پر اب میں نے سوسائٹی چھوڑ دی ہے۔ تو اب کوئی موضوع ہی نہیں رہا۔'' اس کا اٹل انداز زنیرہ کو خاموش رہنے پر مجبور کر گیا تھا۔ وہ کسی صورت بھی سارہ کو بتانا

نہیں چاہتی تھی جو اس کے اور زین کے درمیان بات ہوئی تھی۔ اسے یقین تھا کہ اگر وہ بتادے گی تو اس کی خیر نہیں تھی۔ پر بات صاف ظاہر تھی کہ کچھ تو دونوں کے درمیان ہوا تھا جواب تک بھی نہیں سلجھا تھا لیکن اس وقت سارہ کو مزید اس موضوع پر چھیڑنا اس نے مناسب نہیں سمجھا۔

''کیا ہم اندر جا کر نہیں بیٹھ سکتے؟'' سارہ زچ ہوتی ہوئی اچانک سے کھڑی ہوگئی اور اسے دیکھتے کے ساتھ ہی زنیرہ بھی اپنی جگہ سے کھڑی ہوگئی۔

''یہاں ٹھیک تو ہے، یا پھر کیفے چلتے ہیں؟'' زنیرہ نے مشورہ دیا پر سارہ نہیں مانی اور اسے وہیں چھوڑتی ہوئی ایکاڈیمک بلڈنگ میں داخل ہوگئی۔ زنیرہ اس کے پیچھے پیچھے بھاگی تھی۔ متعجب الگ ہوئی تھی کہ سارہ کو اچانک ہوا کیا تھا۔ دیوار سے لگی کرسیوں پر وہ دونوں جا بیٹھی تھیں۔ زنیرہ نے اس کے چڑچڑے انداز کو بخوبی نوٹ کیا تھا پر اس نے دوسری باتوں میں اسے مصروف رکھا۔ کچھ لمحے گزرے تھے جب زنیرہ کو بلال کا میسج موصول ہوا، جو اسے کیفے میں ملنے کے لیے کہہ رہا تھا۔ سارہ نے اسے جانے کا کہا اور خود گھر روانہ ہونے کے لیے اٹھی۔ ایکاڈیمک بلڈنگ سے نکلتی ہوئی زنیرہ نے اسے گلے سے لگا کر اللہ حافظ کہا تھا اور کیفے کے لیے چلی گئی تھی۔ سارہ البتہ کچھ دیر وہیں کھڑی رہی۔ اس نے جھجکتے ہوئے اپنی نگاہیں پھر اسی جگہ دوڑائی تھیں پر اب وہاں کوئی نہیں تھا۔ کتنی دیر وہ ایستادہ اسی جگہ کو دیکھتی رہی تھی۔ نہ ہو کر بھی اس کا ذہن وہی منظر اسے دکھا رہا تھا جو شدید تکلیف کا باعث بن رہا تھا۔ اس نے خود ہی تو چاہا تھا کہ ایسا ہو بلکہ خود زین سے اصرار کیا تھا اس کے لیے پھر یہ اداسی کیوں؟ بے ساختہ آنکھیں نم ہوئی تھیں۔ اس نے اپنا رخ خارجی دروازے کی طرف کر لیا اور امڈتے آنسوؤں کو جھپک کر ان کا اثر زائل کر دیا۔

☆......☆......☆

”تم صحیح کہہ رہے تھے۔ اس نے وہیں دیکھا جہاں ہم پہلے کھڑے تھے۔“ شازیہ نے زین سے کہا۔ وہ دونوں آئی ٹی بلڈنگ کے اندر موجود تھے اور اس ون سائیڈ مرر کے دروازے سے ایکاڈیمک بلڈنگ کی طرف دیکھ رہے تھے۔ اس کی توقع کے مطابق سارہ نے وہی کیا تھا جو زین نے کہا تھا اور یہ خیال جہاں دل میں کہیں نہ کہیں درد محسوس ہو رہا تھا وہیں اطمینان کا باعث بھی بن رہا تھا۔ وہ آشفتہ سا پلٹ کر سیڑھیوں پر جا بیٹھا جبکہ شازیہ ابھی بھی وہیں کھڑی تھی۔ البتہ نگاہیں زین کی طرف تھیں جو اس کی پرنم آنکھوں کو دیکھ کر عجیب سے احساس میں تھی۔

”تم تو واقعی سچی محبت کرتے ہو زین۔“ وہ پہلی بار زین کو ایسی حالت سے دوچار دیکھ رہی تھی۔ جسم کا روم روم محبت کی گواہی دیتا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ وہ جذبات کی شدت کو قابو کیے ہوئے تھا جو آنسو کی صورت اس کی آنکھیں نم کر رہا تھا۔

”مجھے نہیں معلوم تھا کہ محبت ایسی ہوتی ہے۔ تمہیں دیکھتی ہوں تو لگتا ہے کہ میں تو واقعی لوگوں کی باتوں میں آ کر تمہیں پسند کر بیٹھی تھی جبکہ ایسا کچھ نہیں تھا۔“ شازیہ نے اپنے احساسات پر غور کرتے ہوئے کہا۔

”پر زین کیا تمہیں واقعی لگتا ہے کہ اس پلان میں تم کامیاب ہو جاؤ گے؟ اس طرح تم اس کو خود سے دور نہیں کر رہے؟“ شازیہ کے سوال پر زین نے اسے دیکھ کر کچھ توقف کے بعد کہا۔

”جتنا میں سارہ کو جانتا ہوں، اتنا وہ خود بھی اپنے آپ سے واقف نہیں شازیہ۔ اور جہاں تک پلان کے کامیاب ہونے کی بات ہے، تو میں نے اس کی کامیابی یا ناکامی کے حوالے سے کبھی نہیں سوچا۔ میں تو بس اسے ایک بات کا احساس دلانا چاہتا ہوں جس پر مجھے پورا یقین ہے۔“ زین نے کہا۔

”پر زین احساس دلانے کے بعد بھی اگر وہ تم سے دور ہو گئی؟ کیونکہ کوئی بھی لڑکی ایسی

ٹینشن سے گزرے گی تو دور ہی ہونا اپنے لئے بہتر سمجھے گی۔'' شازیہ نے کہا۔

''شازیہ! میں نے ہمیشہ اپنی زندگی میں مثبت سوچ کو تھامے رکھا ہے اور منفی میں کبھی سوچتا نہیں۔ پر اگر پھر بھی وہ دور ہوگئی تو قدرت نے شاید ہمارا ملنا نہیں لکھا ہوگا اور اس کے بعد پھر خود اس سے میں بھی دور ہو جاؤں گا۔'' اس کی آواز میں لرزش تھی۔

☆......☆......☆

''یہ میرا پانچ ہزار چل ساجد پتی لگا۔''

''ارے شاہ زیب! ابے تو کب آیا۔'' سٹے بازی میں وہ پانچ ہزار کی رقم جوئے میں لگا کر شامل ہوا تھا اور اس کے دوست اسے اچانک دیکھ کر خوش گوار حیرت میں مبتلا ہوئے تھے۔

''بس تھوڑی دیر پہلے آیا! معلوم تھا سارے جگرے یہاں جمع ہوں گے تو سیدھا چلا آیا۔'' وہ ہنستا ہوا ساتھ بیٹھا۔

''اے چھوٹے! ایک کپ چائے اور لا۔'' موحد نے آواز لگائی۔

''لگتا ہے کام تیرا خوب چل رہا ہے جب دیکھو ایک پیر لاہور تو ایک پیر کراچی میں ہوتا ہے۔'' ساجد نے معنی خیزی سے اسے خوب گھیرا۔

''جس دن زبردست منافع ہوگا نا اس دن تم لوگوں کی دعوت پکی میری طرف سے۔'' اس نے سینے پر ہاتھ مار کر شان سے کہا تھا جس پر سب عش عش کرتے رہ گئے تھے۔

''پھر تو دعوت میں تیری ہونے والی بھی ہوگی۔'' صارم نے آنکھیں گھما کر مسکراہٹ میں شرارت بھر کر اسے گھیرا۔

''ابے وہ کہاں ہوگی؟'' شاہ زیب ابھی کچھ کہتا کہ ساجد نے ٹانگ اڑا دی۔

''کیوں بھئی؟'' صارم نے شاہ زیب سے پوچھا۔

''ابے! اس سے کیا پوچھتا ہے۔ ایک بار تو دیدار کرایا نہیں اس نے۔ صاف جورو کا غلام بنے گا یہ۔'' ساجد کی بات سن کر جہاں سب ٹھٹھے مار کر ہنسے تھے وہیں شاہ زیب کا چہرا کچھ لیے سنجیدہ ہوا تھا۔

''ابے تو ابھی سے دب گیا شاہ زیب۔'' موحد نے تمسخرانہ انداز میں کہا تھا۔

''ابے ایسی بات نہیں ہے۔ مصروف تھا میں۔ موقع نہیں ملا۔'' اس نے خفت کو کم کر کے سب سے بیک وقت کہا۔

''ہاں ہاں تیری مصروفیت خوب جانیں۔'' ساجد نے گردن گھما کر تاش کے پتے بانٹنا شروع کر دیئے۔

''تیری وہ رخسار فون کر کے بڑا تنگ کرتی ہے۔ کیوں رابطہ نہیں رکھا اس سے؟'' موحد نے کہا۔

''مصروف تھا فون نہیں اٹھایا تو بھاؤ کھا رہی تھی۔ میں نے کال اٹھانا بند کر دی! تو بھی بلاک کر دے اسے۔ اب دل بھر گیا میرا۔'' شاہ زیب نے جان چھڑانے والے انداز میں کہا تو سب ہنس پڑے۔

''ہاں ہاں ویسے بھی تیری شادی قریب ہے۔ اب دل خالی رکھ تاکہ بیوی سے لگا سکے۔'' ساجد نے چھیڑا۔

''اور اگر بیوی سے بھی دل بھر گیا تو؟'' دلچسپی سے صارم نے سب سے پوچھا۔

''شہر میں لڑکیوں کی کمی نہیں ہے جگر۔ چل کھیل شروع کر۔'' شاہ زیب چوکڑی مار کر بیٹھ گیا اور کھیل میں جت گیا۔

وہ تلملاہٹ سے یہاں وہاں ہو رہا تھا۔ کچھ دیر قبل گھر میں داخل ہوئے وہ بالکنی میں کھڑا اپنے دوستوں کی تضحیک آمیز گفتگو کو سوچتے ہوئے مشتعل ہو رہا تھا۔ سارہ اس کے لیے بڑا سرمایہ ثابت

ہو رہی تھی لہٰذا اس کے ساتھ تو وہ پھر کچھ تمیز کے دائرے میں چل رہا تھا پر اب پانی سر سے اوپر ہو گیا تھا۔ جہاں سارہ کا ہتک آمیز انداز اس کی مردانگی کو ٹھیس پہنچا رہا تھا وہیں دوستوں کا مذاق اڑاتا لہجہ اس کا خون کھولا گیا تھا۔ آنکھوں میں کائیاں عزم لیے اسے کل کا انتظار تھا۔

☆......☆......☆

اگلا دن بھی معمول کی طرح گزرا تھا۔ آج سارہ کی پریزنٹیشن تھی جس سے فارغ ہوئی تو زنیرہ کا میسج اسے ایکٹیویٹی سینٹر میں ملنے کا آیا۔ وہ بیگ سنبھالتی ہوئی دھیرے قدموں سے چلتی چلی گئی تھی۔ اب تو یونیورسٹی کی ہر وہ جگہ جہاں جہاں زین سے اس کی ملاقات ہوئی تھی دیکھتی جاتی تھی۔ تقریباً دو مہینے ہونے کو آ رہے تھے اور اب زین سے جڑا ماضی محض دھوکے سے کم نہیں لگا کرتا تھا۔ وہ یکبارگی جو گیا تو اپنے ساتھ اس کی خوشیاں لے گیا۔ اس کا سکون سلب کر گیا۔ دوستی جیسا انمول رشتہ ختم کر گیا۔ وہ لٹنے کے سے انداز میں خود کو تصور کیا کرتی تھی جس کے ساتھ بہت غلط ہوا تھا پر وہ یہ بھول رہی تھی کہ اب جو کچھ ہو رہا تھا وہ اس کی خواہش کے مطابق ہی ہو رہا تھا۔ پر وقت کے ساتھ ساتھ دکھ اور غموں کا اثر دماغ پر منفی اثر کرتا ہے۔ اپنی چاہ بھی سزا لگتی ہے اور اس کا سارا قصور مقابل پر انڈیل دیا جاتا ہے کہ جو کچھ کیا اسی نے کیا۔ اپنی خوشیوں کا گلا گھونٹنے پر وہ خود کو نہیں بلکہ زین کو مجرم ٹھہرا رہی تھی جس نے ایسا قدم اٹھا کر نہ صرف دوستی ختم کی تھی بلکہ حد درجے بے اعتنائی اور لاتعلقی سے مزید اسے مضطرب کر رکھا تھا۔ پھر شازیہ کے ساتھ تعلقات مزید استوار کر کے اس کے دل کو مٹھی میں پکڑ کر مسل دیا تھا۔ جس کرب سے وہ روز گزر رہی تھی یہ وہی جانتی تھی اور نہ چاہتے ہوئے بھی وہ زین کو لے کر بے حد منفی خیالات اکٹھے کر رہی تھی۔

ایکٹیویٹی سینٹر پہنچ کر زنیرہ اسے دروازے کے پاس ہی مل گئی تھی۔ اندر ہال میں آج پھر

کوئی گٹار بجا کر ہجوم اپنی جانب اکٹھا کیے ہوئے تھا اور جوں ہی سارہ کے کان میں آواز پڑی اس کے منہ کے زاویے ہی بگڑ گئے۔ پر زنیرہ اس کا ہاتھ کھینچ کر لے گئی۔

انجان سے چہروں میں کچھ کچھ جانے پہچانے بھی تھے پر وہ ایک چہرہ اس پورے مجمع میں نظر نہیں آیا تھا جس پر سارہ نے شکر کا سانس لیا تھا۔ کیونکہ اگر وہ یہاں موجود ہوتا تو سارہ زنیرہ کا دل توڑ کر ایکٹیویٹی سینٹر سے ہی چلی جاتی۔ جو اس وقت وہ نہیں کرنا چاہتی تھی۔ لہٰذا اب زنیرہ کے پاس برابر میں کھڑی وہ ہنستے مسکراتے چہروں کو دیکھ رہی تھی اور گٹار کا شور برداشت کر رہی تھی۔

جب تک سکت تھی کھڑی رہی تھی پر جب لگا کہ دماغ کا میٹر گھوم رہا ہے اس نے زنیرہ سے سر درد کا عذر پیش کر کے واک آؤٹ کرنے میں عافیت جانی اور اسے اللہ حافظ کہتی ہوئی گھر کے لیے روانہ ہوگئی۔

آج اس نے فٹ بال کورٹ کے خارجی دروازے کی طرف رخ کرلیا جو کہ ایکٹیویٹی سینٹر سے بے حد قریب تھا۔ کار پارکنگ ایریا سے نکلتی ہوئی وہ مین روڈ تک آ پہنچی تھی۔ اسے سٹاپ تک چل کر جانا تھا جہاں سے رکشا مل جاتا تھا۔ وہ سڑک پار کرنے کی غرض سے احتیاطاً خالی روڈ کو دائیں بائیں دیکھ رہی تھی کہ ایک جگہ جو نظر ٹھہری تو واپس پلٹ کر آنا ناممکن ہوگیا۔ اسے کچھ پل تو آنکھوں پر یقین ہی نہیں آیا پر جب اس شخص نے ہاتھ ہلا کر سارہ کو اشارہ کیا تو سارہ حیرت کدے سے نکل گئی۔

شاہ زیب کو یہاں دیکھ کر وہ دنگ ہی تو رہ گئی تھی۔ سڑک کراس کرتی ہوئی وہ اس کے پاس چلی آئی جو اس کا انتظار کرتا نظر آ رہا تھا۔ اسے اچانک یہاں دیکھ کر سارہ کے دماغ میں کئی وسوسوں نے ڈیرا جمایا تھا۔

”آپ یہاں؟ آپ تو لاہور چلے گئے تھے؟“ سارہ متحیر ہو کر مخاطب ہوئی۔

”ہاں سوچا تمہیں حیران کر دوں۔“ شاہ زیب نے کمینگی مسکراہٹ سے کہا۔ ”بس کل ہی آیا تھا میں۔ رشتے داروں میں شادی بھی ہے تمہیں بھی بلاوا آئے گا۔ اماں اور بہن یہیں تھیں انہیں لے کر واپس جاؤں گا شادی کے بعد۔“

سارہ خاموشی سے سن رہی تھی۔ آخری ملاقات میں کی گئی جرأت کیسے بھول سکتی تھی۔

”چلو گھر چھوڑ دیتا ہوں تمہیں میری بائیک دوسری سڑک پر ہے۔“ اس نے جھٹکے سے شاہ زیب کو دیکھا تھا جو عام تاثر لیے کہہ رہا تھا۔

”میں چلی جاؤں گی گھر، آپ کو زحمت کرنے کی ضرورت نہیں۔“ سارہ نے تناؤ لیے کہا۔

”زحمت کی کیا بات ہے۔ ہونے والی بیوی ہو۔ پھر ملنے بھی میں خاص تم سے ہی آیا ہوں۔ اب ایسے میں تم مجھے اکیلا چھوڑ کر گھر چلی جاؤ گی؟ چلو چھوڑ دیتا ہوں۔“ وہ شاطرانہ انداز سے گویا ہو رہا تھا اور سارہ کی چھٹی حس کسی خطرے کا اعلان کر رہی تھی کہ جیسے وہ گھر چھوڑنے کے لیے خصوصاً نہیں آیا تھا۔

”آپ اتنی دور مجھے صرف گھر ڈراپ کرنے آئے ہیں؟“ سارہ نے شاک کی حالت میں پوچھا۔

”اور نہیں تو کیا۔ کہیں بیٹھ کر چائے بھی پی لیں گے۔ کچھ وقت گزار لیں گے اس میں برائی کیا ہے؟“

وہ اسے تشویشناک انداز سے دیکھ رہی تھی۔

”شاہ زیب! میں پہلے بھی کہہ چکی ہوں اور اب بھی کہوں گی۔ میرا اور آپ کا رشتہ اس وقت ایسا نہیں ہے کہ میں آپ کے ساتھ گھوموں پھروں۔ اور اگر آپ کی اتنی ہی ضد ہے تو میں

نے یہ بھی کہا تھا کہ آپ ماموں سے اجازت طلب کرلیں۔ کیوں کہ میں ان کی اجازت کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھا سکتی۔" اس نے پھر سمجھایا پر شاہ زیب کے چہرے پر بیزاریت چھا گئی۔

"یہاں بھی تو کئی لڑکوں کے ساتھ اٹھتی بیٹھتی ہوں گی۔ تب اجازتیں یاد نہیں آتی تمہیں۔" اس نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"میں یہاں کسی سے منسوب نہیں آپ سے منسوب ہوں۔ اور ان میں اور آپ میں بس یہی فرق ہے۔" سارہ نے زچ ہو کر کرارا جواب دیا۔

"لگتا ہے اس دن کہی ہوئی بات تم بھول گئیں یا پھر یاد دلاؤں؟" وہ شدید چڑ چڑا ہو رہا تھا۔

"سب یاد ہے مجھے! اور یہ بھی یاد ہے کہ میں فقط منگیتر ہوں منکوحہ نہیں۔" اس نے تنگ کر کہا تو شاہ زیب کی انا کو ٹھیس پہنچی۔ وہ جوں ہی پلٹ کر آگے بڑھی شاہ زیب نے اس کی کلائی کو مضبوطی سے تھام لیا۔ اس جسارت کی سارہ کو یہاں کم از کم توقع نہیں تھی۔ وہ ٹپٹا کر اس کی جانب مڑی۔

"تمہاری ضد نے دو کوڑی کی عزت کر دی ہے دوستوں کے سامنے۔ سیدھی شرافت سے چلو۔ ورنہ تم جانتی نہیں ہو میں کیا کیا کر سکتا ہوں۔" ہیبت ناک چہرا لیے اس نے سارہ کو اپنی جانب کھینچا جو اس افتاد کے لیے بالکل تیار نہ تھی۔

"میں جانتی تھی آپ کا مقصد یہاں آنے کا صرف یہی ہو سکتا ہے۔ میں لعنت بھیجتی ہوں آپ کے دوستوں پر۔ ایسی خواہش کریں گے تو عزت دار گھرانوں سے بے عزت ہی ہوں گے۔" وہ دانت پیستی ہوئی اس پر برس پڑی پر شاہ زیب کا پارہ جوبن کو پہنچا۔

"کہا تھا نا زیادہ اکڑ دکھاتی لڑکیاں مجھے نہیں پسند۔ اب دکھاتا ہوں تمہاری اکڑ کیسے ختم ہو گی چلو۔" وہ پوری طاقت سے سارہ کو کھینچتا ہوا جھاڑیوں کی طرف لے جا رہا تھا۔ جہاں سے

سبزہ درخت اور انڈسٹریل ایریا شروع ہو رہا تھا۔ سڑک اس طرف سنسان تھی جہاں وہ پہلے کھڑا تھا۔ اسے معلوم تھا سارہ اس کی پیش کش کو منع کرے گی لہٰذا اس نے اسی جگہ پر رک کر اس کا انتظار کیا تھا جہاں وہ اپنی سبقت کا اس پر مظاہرہ کر سکے اور اس کی اکڑ ختم کر دے۔

''شاہ زیب! ہاتھ چھوڑیں میرا کیوں یہاں تماشا بنا رہے ہیں۔'' وہ مزاحمت کرتی ہوئی اس کے ساتھ کھنچی چلی جا رہی تھی۔ بیگ پیچھے گر پڑا تھا۔ وہ اسے بائیک تک لے جا رہا تھا۔ پر سارہ کو کئی اندیشوں نے اپنی لپیٹ میں لیا تھا۔ وہ ڈری ہوئی آگے تناور درختوں کو وحشت سے دیکھ رہی تھی جہاں نہ آدم تھا نہ آدم زاد۔ شاہ زیب کی آنکھیں وحشیانہ تھیں اور چال کسی درندے کی مانند لگ رہی تھی۔

''تماشا تو تم نے بنا دیا ہے۔ سیدھے طریقے سے مانتی نہیں تو مجبور کر دیا مجھے۔ تم میرے اشاروں پر چلتیں تو زندگی حسین کر دیتا پر اب تمہیں بتانا پڑے گا کہ پالا کس سے پڑا ہے۔'' وہ رک کر اس کے چہرے پر جب خباثت سے مسکرایا تو سارہ کی روح کانپ گئی۔ سڑک پیچھے تھی اور وہ اسے گھسیٹتا ہوا کافی آگے لے آیا تھا۔ سارہ نے پلٹ کر پیچھے دیکھا۔ کوئی تو مدد کو آ جائے۔ پر مین روڈ سے اکا دکا گاڑیاں گزرتی ہوئی نظر آئی تھیں جن کا دھیان اس طرف نہیں تھا۔ یونیورسٹی کا مرکزی دروازہ کافی آگے تھا جہاں گارڈ موجود تھا پر وہ بھی اتفاق سے اندر تھا۔ ورنہ اس کی نظر پہلے پڑ جاتی۔

''مجھے بچاؤ، کوئی ہے؟'' اس کی آواز سنتے کے ساتھ ہی شاہ زیب پھر رکا۔ وہ اپنی کلائی چھڑانے کے لیے بن پانی مچھلی کی مانند مچل رہی تھی۔ شاہ زیب نے اس کے لبوں پر اپنا ہاتھ رکھ کر اس کی آواز کا گلا گھونٹ دیا۔

''اگر عزت پیاری ہے تو چپ رہو۔ اب کی بار آواز کی تو تم جانتی نہیں مجھے۔'' وہ حیوان سا اس

پر حاوی ہوا تھا۔ یخ بستہ موسم میں بھی سارہ کے پسینے چھوٹ پڑے تھے۔ تنفس بڑھتا جا رہا تھا۔ دل پھٹنے کو تھا۔ مسلسل کھینچنے پر اس کی شال سر سے اتر گئی تھی اور کلپ میں مقید چند بال چہرے پر جھول پڑے تھے۔ وہ اپنی نگاہوں سے اس کے چہرے کا طواف کرتا ہوا مکاری سے ہنسا تو سارہ کے اوسان خطا ہو گئے۔ شاہ زیب نے اطراف کا جائزہ لیا اور اسے کھینچتا ہوا لے گیا۔

زبان تالو سے جا لگی تھی۔ وہ آواز دینے کی کوشش کر رہی تھی پر لفظ حلق میں دم توڑ رہے تھے۔ وہ جلاد شخص اسے بے دردی سے گھسیٹ رہا تھا۔ ہاتھ کی تکلیف سے وہ سسک اٹھی تھی۔ اس نے اپنی پوری سکت سے کلائی آزاد کرنی چاہی تھی پر شاہ زیب ضرورت سے زیادہ مضبوط تھا۔ جیسے جیسے وہ قدم بڑھا رہی تھی اس کی حالت بد سے بدتر ہوتی جا رہی تھی۔ وہ رو رہی تھی، بلبلا اٹھی تھی۔ دل میں فقط اللہ اللہ پڑھتی ہوئی وہ کچھ نہیں کر پا رہی تھی۔ طبیعت کی ناسازی کے باعث وہ مزاحمت کے باوجود بھی توانائی کھو رہی تھی۔ اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا رہا تھا۔ وہ خوف سے بے ہوشی سی کیفیت میں جا رہی تھی کہ یکایک وہ پیچھے سے ایک ہی جست میں شیر کی طرح بھاگتا ہوا آگے آیا اور اپنے فولادی ہاتھ سے شاہ زیب کی کلائی دبوچ ڈالی۔ درد کی کراہ سے شاہ زیب پلٹا تو ضرور تھا پر سارہ کا ہاتھ آزاد کر گیا تھا۔ وہ چٹان کی مانند اس کے آگے کھڑا ہوا تھا جو اس کی چوڑی پشت پر شاہ زیب کی حیوانیت سے بچ گئی تھی۔ سارہ کا سانس پل بھر کو رکا تھا۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس ڈھال بنے شخص کو دیکھ رہی تھی۔

''زین!'' وہ ہوش میں جو آئی تو حیرت سے گنگ رہ گئی۔

''کون ہے بے تُو، ہاتھ چھوڑ میرا۔'' شاہ زیب نے مکاری سے اسے متنبہ کیا پر وہ طیش کے آخری درجے پر تھا۔ پوری قوت سے اس نے دوسرے ہاتھ کا مکا بنا کر شاہ زیب کے منہ پر دے مارا۔ سارہ ڈر سے دونوں ہاتھ لبوں تک لے آئی۔ وہ اس عمل کے لیے بالکل تیار نہ

تھی۔شاہ زیب درد سے کراہتا ہوا زمین پر لوٹ مارتا نظر آرہا تھا۔زین نے شعلہ بار آنکھوں سے اس وحشی درندے کو دیکھا پھر پلٹ کر سارہ پر نظریں ڈالیں جو حواس باختہ سی اس صورتحال کو سمجھنے کی کوشش کررہی تھی۔وہ مشتعل نگاہوں سے سارہ کو بھی گھور رہا تھا جس کی خوف میں ڈوبی نظریں جب زین سے ٹکرائیں تو اس کے تمام حواس جاگ گئے تھے۔ایک طائرانہ نگاہ سارہ پر ڈال کر اسے دل سے تسلی ہوئی تھی کہ وہ ٹھیک تھی۔پر جس بے دردی سے شاہ زیب اسے پکڑ کر کھینچ رہا تھا وہ زین کا خون کھولا رہا تھا۔سارہ کی دائیں کلائی پر شاہ زیب کی گرفت کی چھاپ دیکھ کر اس کا بس نہیں چل رہا تھا وہ زمین بوس شخص کو زمین کے اندر دفن کردیتا۔سارہ کے چہرے پر الجھی لٹیں اور خوف کی زد میں آتے ہوئے تاثر زین کو بے چین کر گئے تھے۔وہ دم بخودسی اسے دیکھے گئی تھی جو نہ جانے کہاں سے فرشتہ نما انسان کی صورت اس کے پاس آپہنچا تھا۔

''ہمارا آپس کا معاملہ ہے، تُو کون بیچ میں ٹانگ اڑا رہا ہے۔'' شاہ زیب جیسے تیسے پیچھے سے اٹھا اور زین تک آیا۔اس کی آواز پشت پر سنتا ہوا وہ اب کی بار پلٹا تو آنکھوں میں سفاکی لیے وہ شاہ زیب کو گھور رہا تھا جس کے عیار چہرے پر حیوانیت کا عنصر ختم ہو رہا تھا اور ناک سے خون ابل رہا تھا۔زین کی نظروں کی تپش سے وہ گھگھیا گیا تھا پر پھر بھی توازن جیسے تیسے برقرار رکھ کر کھڑا تھا۔

''س......سارہ بتاؤ اسے۔یہ ہمارا آپس کا معاملہ ہے۔'' وہ سارہ سے مخاطب ہوا تو زین کے غضب کا میٹر پھٹا۔اس نے شاہ زیب کو گریبان سے پکڑ کر پوری شدت سے اپنے قریب کھینچا تھا۔غصے سے کن پٹی کی رگیں ابھر گئی تھیں۔چہرے پر حد درجے خشم ناک تاثر لیے وہ شاہ زیب کو جھلسا گیا تھا۔

''اگر آئندہ اس کے آس پاس بھی نظر آئے تو چہرے کا زاویہ بگاڑنے میں دیر نہیں کروں گا۔'' وہ جو گویا ہوا تو سارہ کے اوسان خطا کر گیا۔ زین کا یہ چہرا وہ پہلی بار دیکھ رہی تھی۔ زین نے پوری شدت سے شاہ زیب کو دھکا دیا جو سیدھا نیچے جا گرا تھا۔ شاہ زیب کی اتنے میں ہی بس ہو گئی تھی پر وہ سارہ کو گھورتا ہوا اٹھا تھا جو اس کی تادیبی نگاہ سے الگ پریشان ہو رہی تھی۔

''دیکھ لوں گا تمہیں...... دیکھ لوں گا۔'' وہ کہتا ہوا اٹھا اور جھاڑیوں سے بھاگتا دوسری سڑک کی طرف نکل گیا۔ جب تک نظروں سے وہ اوجھل نہ ہوا زین کی نظروں کی زد میں رہا تھا۔ پشت پر کھڑی سارہ تتر بتر سی منتشر حالت لیے ایستادہ رہ گئی تھی۔ اس کے جاتے ہی زین مشتعل سا سارہ کی جانب گھوما۔ اس کے قہر کی تپش وہ خود پر محسوس کر رہی تھی۔

''آواز نہیں نکلتی تمہاری۔ زبان نہیں ہے کیا؟'' وہ چلایا تو سارہ کانپ اٹھی۔

''جب وہ لے کر جا رہا تھا تو تم چیخ نہیں سکتی تھیں۔'' زین ایسا دھاڑا کہ اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ ہو گئی۔

''اگر مجھے نظر نہ آتیں تو تمہیں اندازہ بھی ہے وہ کیا کر سکتا تھا۔ کیا چھوٹی بچی ہو۔ جسے معلوم نہیں کچھ بھی۔ بولو سارہ!''

وہ کپکپی کی زد میں اسے دیکھتے ہوئے اشک بار جب ہوئی تو زین کا پارہ خود بخود نیچے گرنے لگا تھا۔ وہ سسکیوں اور ہچکیوں سے رو پڑی تھی۔ زین کو اپنے لہجے کی تلخی کا اندازہ ہوا پھر خود کو نارمل کرنے لگا تھا۔

وہ گاڑی لے کر گزر رہا تھا جب جھاڑیوں میں ایک لڑکی پر نگاہ جا رکی تھی جو سارہ جیسا لباس ملبوس کیے ہوئے تھی۔ سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں کسی خیال کے تحت اس نے گاڑی کو روکا تھا اور بھاگتا ہوا آگے بڑھا تو سارہ کا بیگ دیکھ کر اس کا شک یقین میں بدل گیا تھا۔

سارہ متوحش سی زین کی نگاہوں سے مزید شرمسار ہو رہی تھی۔ وہ تصور نہیں کر سکتی تھی کہ زین اس کے بارے میں کیا کیا سوچ رہا ہوگا۔ پھر شاہ زیب کی جانب سے کی گئی جسارت پر جو جھٹکا اسے اندر تک لگا تھا اس کا اثر اسے پوری لپیٹ میں لیے ہوئے تھا۔ زین نے ترحم بھری نگاہ سے اس کپکپاتی نازک سی لڑکی کو دیکھا اور اس کا بیگ کھول کر پانی کی بوتل نکال کر اس کی جانب بڑھا دی۔

''پانی پیو، تمہیں ضرورت ہے اس وقت۔'' وہ قدرے رسان سے اب کی بار گویا ہوا تو سارہ نے کبیدہ آنکھوں سے اسے دیکھا تھا۔ اس کی درد بھری آنکھیں زین کا دل مٹھی میں بند کر گئی تھیں۔ سارہ نے کانپتے ہاتھوں سے پانی کی بوتل تھامی اور دو گھونٹ بھرے۔ زین وہیں کھڑا آس پاس دیکھ رہا تھا۔ یہ خیال ہی بار بار پریشان کر رہا تھا کہ اگر وہ موقع پر نہ پہنچتا تو کیا ہوتا۔

''چیخی تھی میں پھر اس نے دھمکی دے کر منہ بند کر دیا۔'' وہ زیر لب جب گویا ہوئی تو زین جس کی نگاہیں اطراف کا جائزہ لے رہی تھیں اس پر جا ٹھہریں۔ لگ بھگ دو مہینے بعد اس نے آواز سنی تھی سارہ کی۔ پر جن حالات میں سامنا ہو رہا تھا وہ ناقابل برداشت تھا۔ وہ اس کی ابتر ہوتی حالت کو دیکھ کر لب دانتوں تلے لے آیا۔ سارہ اپنی وکالت کیے بنا نہ رہی۔ زین تو کیا کوئی بھی ہوتا وہ نہیں چاہتی تھی کہ کوئی بھی اسے غلط نظریے سے دیکھے۔

''سارہ! تم جانتی نہیں ہو۔ یہ علاقہ سنسان ہے۔ مجھے یہ بتاؤ وہ تھا کون جو تمہارا نام تک جانتا تھا۔ اور اس کی اتنی جرأت کہ تمہیں لیتا ہوا جا رہا تھا۔'' زین نے تشویشناک انداز میں متانت خیز انداز اپنایا اور اس کا سوال سنتے کے ساتھ ہی وہ نگاہیں سراسیمہ ہو کر نیچے کر گئی۔

زین کی نگاہیں خود پر مرکوز پا کر وہ لب چاہ کر بھی وا نہیں کر پا رہی تھی۔ شاہ زیب نے اسے کہیں کا نہیں چھوڑا تھا۔ وہ کیا بتاتی یہ حیوان شخصیت اس کا کیا لگتا تھا۔ سرافگندہ وہ نظریں تک

نہ ملا سکی تھی۔

''تم سے پوچھ رہا ہوں سارہ، کون تھا وہ؟'' جواب نہ پا کر زین قدرے غصے سے جب گویا ہوا تو اس کے ساکت جسم میں خوف سے ارتعاش پیدا ہوا۔ وہ زین کی نظروں کی تپش نگاہیں نیچے کیے ہوئے بھی محسوس کر سکتی تھی۔

''منگیتر۔'' بمشکل ہمت جمع کر کے سارہ نے جوں ہی کہا تو زین کے پیروں تلے زمین کھسکتی ہوئی لگی تھی۔ وہ شاک کے عالم میں اس سر جھکائی لڑکی کو دیکھ رہا تھا۔ کچھ بھی کہہ دیتی کزن، پڑوسی، کچھ بھی پر یہ لفظ دھماکے کی طرح دماغ پر وار کیا تھا۔ وہ دم بخود سا ایستادہ ٹکٹکی باندھے سارہ کو دیکھ رہا تھا پھر بے یقینی کے عالم میں ہنس پڑا۔

''ہاہاہا۔ میں ایسا سوچ بھی نہیں سکتی کیونکہ میں انگیجڈ ہوں۔'' وہ لبوں پر تلخی لیے افسردگی کی آمیزش کے ساتھ جوں ہی ہنسا سارہ نے متعجب ہو کر اس کی جانب دیکھا تھا۔ یکلخت اسے آخری ملاقات جو اس افتاد میں سب بھول گئی تھی یاد آئی اور زین کو اب کی بار جو دیکھا تو نظریہ ہی بدل گیا۔ زین بے اعتباری کے عالم میں حزن سی مسکراہٹ لیے یہاں وہاں دیکھ رہا تھا۔ جبکہ سارہ کا چہرا دنگ رہ گیا تھا۔ وہ صدمے کی سی کیفیت میں گردن نفی میں ہلاتا ہوا سارہ کو دیکھ رہا تھا جو اس کی گہری آنکھوں میں پل بھر بھی نگاہ نہ ٹھہرا سکی تھی۔ اپنا آپ اسے مجرم لگ رہا تھا۔

''یہی کہنا چاہتی تھیں نا تم اس دن؟'' وہ پوچھ نہیں رہا تھا بلکہ آواز میں سوز و غم کا عنصر لیے شکایت کر رہا تھا۔

''اور کیا کیا چھپایا ہے تم نے مجھ سے؟'' وہ دو قدم بڑھاتا ہوا اس تک آیا۔ سارہ کی مجال کہاں تھی آنکھ اٹھانے کی۔

''اب یہ تو نہیں کہو گی کہ اگلے سمسٹر شادی کر رہی ہو؟'' وہ طنز پر طنز کے تیر چلاتا ہوا مقابل

کو گھائل کر رہا تھا۔ خود اس کا دل کتنے تیروں کی زد ہوا تھا یہ صرف وہ جانتا تھا۔

"کیوں کیا تم نے ایسا؟" مدھر آواز میں شاکی لہجہ سارہ کو بھسم کر گیا تھا۔

"میں تو جو تھا سامنے تھا پر تم نے کیا کیا؟ اپنی زندگی کا سب سے اہم ورق ہی چھپا دیا۔" وہ کرب سے جب گویا ہوا تو سارہ نے بمشکل آنکھ اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ سرخ ڈورے لیے پرنم آنکھوں نے زین کو پسیج کر رکھ دیا تھا۔

"ہاں۔ پر اب جو کر رہے ہو اس کے بارے میں کیا کہنا چاہتے ہو؟" وہ سارہ کے سوال پر پل بھر کو ٹھٹک گیا تھا۔ یعنی پلان کامیاب ہوا تھا۔ اسے فرق پڑتا تھا۔ سارہ شکایت بھری آنکھیں لیے دیکھ رہی تھی۔

"میں جو پوچھ رہا ہوں اس کا جواب دو۔" زین نے موضوع بدل کر بات کا رخ واپس وہیں کیا۔ اس وقت وہ اس بحث کو بیچ میں لانا نہیں چاہتا تھا۔

"کیا وہ اس قابل ہے کہ اس کا ذکر کرتی؟" سارہ نے مضمحل انداز سے سوال کیا۔

"پھر کیوں کر رہی ہو شادی؟" وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھ رہا تھا۔

"چوائس ہوتی تو کبھی نہ کرتی۔ پر اپنی زندگی کا ریموٹ کنٹرول میرے ہاتھ میں نہیں۔" وہ جتاتے ہوئے انداز میں سنجیدگی سے گویا ہوئی۔

"اور اب؟ اس جرأت کے بعد بھی زندگی گزار سکتی ہو اس حیوان کے ساتھ؟" زین نے تشویشی انداز میں پوچھا پر اس کی آنکھوں کا حصار اس قدر زور آور تھا کہ سارہ نے نگاہیں ہٹا لیں۔ آنسو پونچھتی ہوئی اس نے جھک کر بیگ اٹھایا اور پلٹ کر جانے لگی۔

"سارہ!" وہ جوں ہی پلٹی زین کی آواز نے قدم جامد کر دیئے۔

"اگر تم نے کچھ نہیں کیا تو میں کروں گا۔ تمہیں جس سے شادی کرنی ہے کرو پر اس سے اگر

تم نے مزید رشتہ ہموار رکھا تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔" وہ تلخ انداز میں متنبہ کر کے اس کے پاس سے جا گزرا۔ دم بخود ہوتی ہوئی سارہ اسے جاتا دیکھتی رہی۔

☆......☆......☆

اس نے بیل پر ہاتھ دبایا تو دروازہ تھوڑی دیر میں کھولتی ہوئی زینت کے ہاتھ میں موبائل تھا جوانہوں نے کان سے لگایا ہوا تھا۔ سارہ خاموشی سے اندر آ گئی۔ زینت جو مسکراتی ہوئی بات کر رہی تھیں آن کی آن میں مسکان تو سمٹی ہی تھی۔ چہرا حیرت لیے الگ سارہ کو دیکھ رہا تھا۔ انہیں نوٹ کرتی ہوئی سارہ کو ادراک ہو گیا تھا کہ فون کس کا تھا۔

"آپ یہ کیا کہہ رہی ہیں؟" پریشان کن لہجے میں وہ کہتی ہوئی سارہ کو دیکھ رہی تھیں جس نے گھر میں داخل ہوتے کے ساتھ بیگ کھانے کی میز پر رکھ دیا تھا اور اس کی توجہ صرف اور صرف زینت پر مرکوز تھی۔ وہ سارے راستے سوچتی ہوئی آئی تھی کہ کیا کرے گی پر کسی طرح بھی راستہ اسے مل نہیں رہا تھا۔ زین کا متنبہ کرنا اپنی جگہ پر اب وہ خود اس رشتے سے دور بھاگنا چاہتی تھی، لیکن اب چونکہ معاملہ چھیڑ دیا گیا تھا لہٰذا وہ رک کر تنقیدی نگاہ سے زینت کو دیکھ رہی تھی۔

"آپ اس بات پر رشتہ ختم کر رہی ہیں؟" زینت کے لہجے میں حیرت اخذ کر کے سارہ نے ہمت جمع کی اور ان کے پاس آئی۔ اس نے اشارے سے زینت کو خاموش رہنے کا کہا اور ان سے موبائل لے کر فون کو اسپیکر پر کر دیا۔ زینت نا سمجھی سے سب دیکھ رہی تھیں۔

"یہ اتنی سی بات ہے؟ بھابھی! آپ کو معلوم نہیں ہے آپ کی بھانجی کے کرتوت۔ شاہ زیب نے مجھے کئی بار کہا تھا کہ سارہ کا لہجہ ٹھیک نہیں۔ وہ جب بھی بات کرنے کی کوشش میں ہوتا ہے آپ کی بھانجی اسے ٹوک دیتی ہے۔ بھئی صاف بات ہے میں نے بھی کتنی بار سارہ کو فون کیا پر مجال ہو جو اس نے خود سے ہمیں رابطہ کیا ہو اور حال احوال پوچھا ہو۔ اب لڑکی کے

تیوری آسمان پر ہیں۔ گھر کیا خاک بسائے گی۔" وہ سن کر ضبط کیے کھڑی رہی تھی۔ سانس الگ غصے سے پھولنے لگا تھا۔ سارہ نے زینت کو اشارے سے بات کرنے کو کہا۔

"دیکھیں بچی ہے۔ اور شاہ زیب کو غلط فہمی ہوئی ہوگی۔ سارہ تو بہت نرم دل کی ہے۔ پہلے پہل جھجک سے ایسا کر جاتی ہے۔ باقی آپ کو کبھی شکایت کا موقع نہیں ملے گا۔"

"ارے چھوڑیں کیا بچی وچی۔ اتنی تو بڑی ہے اندازہ نہیں اسے منگیتر سے بات کیسے کرتے ہیں۔ ابھی لہجہ ہتک آمیز ہے شادی کے بعد تو ہمارے سروں پر چڑھے گی۔ نہ بابا نہ۔ میں ایسی لڑکی ہرگز بہو کے طور پر نہیں چاہتی۔" وہ کہے جا رہی تھیں اور سارہ ضبط کیے زینت کو دیکھ رہی تھی۔ آنسو الگ آنکھوں میں بھر رہے تھے۔ زینت مکمل طور پر گھبرا گئی تھیں اور آنکھوں کے اشاروں سے سارہ سے وجہ پوچھ رہی تھیں۔

"شاہ زیب جیسا سلجھا ہوا لڑکا آپ کو داماد کے طور پر مل رہا تھا۔ تھوڑی آپ اس کی زبان پر بھی کام کر لیتیں۔ میں نے بھی خوب موقع دیا پر اب پانی سر پر سے گزر گیا ہے۔ تمیز ایک ٹکے کی نہیں اس میں اور اکڑ ا کر یوں بات کرتی ہے جیسے لاٹ گورنر کی اولاد ہو۔ مجھے یہ رشتہ اب منظور نہیں۔" اس کا صبر کا پیمانہ جوں ہی لبریز ہوا اس نے زینت کے ہاتھ سے فون چھینا اور کان سے لگا لیا۔ زینت دھک سے رہ گئیں۔

"السلام علیکم جی آنٹی بولیے کیا مسئلہ ہے آپ کو میرے لہجے سے؟" سارہ کی آواز سن کر رضیہ ایک پل کو چونک ضرور گئی تھیں۔

"تو محترمہ یہیں کھڑی سب سن رہی ہیں۔" رضیہ نے گردن گھما کر کہا۔

"جی بالکل اور ساری باتیں سن چکی ہوں جو جو مسئلے مسائل آپ کو اچانک ہی مجھ سے ہو گئے۔" سارہ بھی پیچھے نہ ہٹی۔ جسم زلزلے کی مانند تھا پر وہ ڈٹ کر کھڑی رہی۔ زینت سارہ کو

روکتی رہیں پر اس نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں وہیں رکنے کا کہا۔

''اچانک نہیں ہوئے بی بی تمہیں کتنا وقت دیا تھا۔ تمہارا جھٹک دینے کا انداز شاہ زیب پہلے ہی بتا گیا تھا مجھے۔ وہ تو میں تھی جس نے اسے سمجھایا تھا کہ وقت کے ساتھ ساتھ سدھار آ جاتا ہے پر نہیں تم نے میری بات کا بھی لاج نہ رکھا۔''

''کیا یہ سب باتیں آپ کو شاہ زیب نے اسی وقت کی ہیں؟'' سارہ نے تنقیدی انداز میں پوچھا۔ لہجہ متانت خیز انداز لیے ہوئے تھا۔

''بالکل۔''

''تو آپ کے چہیتے بیٹے نے یہ نہیں بتایا کہ یونیورسٹی کے باہر ملتے وقت جب وہ بے دردی سے مجھے گھسیٹ کر لے جا رہا تھا تب اپنی ماں کی لاج کہاں کھو بیٹھا تھا'' وہ بپھری شیرنی کی طرح جب دھاڑی تو زینت کا دل حلق کو آ گیا۔

''کیا اس نے یہ نہیں بتایا کہ اپنی بے جا ضد، گھٹیا سوچ اور نیچ ذہنیت سے اس نے کتنی بار مجھ پر وار کیا ہے؟ کیا اس نے یہ نہیں بتایا کہ اپنے دوستوں کو شو پیس کے طور پر دکھانے کے لیے محض اپنے دوستوں سے ملوانے کے لیے کتنی بار اکسایا ہے کہ میں اپنے گھر والوں کی آنکھوں پر پٹی باندھ کر اس سے ملوں۔ اور جب میں نے مزاحمت کی تو اس نے کیا یہ نہیں بتایا کہ یہ آج حیوانیت کے آخری درجے پر جا پہنچا تھا۔ آنٹی! یا تو آپ بہت بھولی ہیں یا آپ اپنی چالاکیوں میں یہ بھول گئی ہیں کہ آپ بھی ایک بیٹی کی ماں ہیں۔ یہ یاد رکھیے گا جو آپ کا سپوت کرتا آ رہا ہے کل کو آپ کی بیٹی کے بھی سامنے آ سکتا ہے۔ عزت اور ذلت بے شک اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ آپ چار لوگوں میں مجھ پر تہمت لگائیں گی کل کو آٹھ لوگوں میں آپ کی بیٹی پر بھی تہمت لگ سکتی ہے۔ سوچ سمجھ کر قدم اٹھائیں۔ آپ تو ویسے ہی بیوہ ہیں پھر نالائق بیٹے کے ساتھ

کہاں منہ چھپائیں گی؟ یہ رشتہ آپ نے بھی ختم کیا اور ہم نے بھی اسی وقت ختم کیا۔“

رضیہ کی طرف سے سناٹا تھا۔ وہ کہے جا رہی تھی اور زینت دل پر ہاتھ رکھے اپنے کانوں پر اعتبار تک نہ کر سکی تھیں۔ پل بھر میں کیا سے کیا ہو گیا تھا۔ وہ خوف سے سارہ کا منہ بند کرنا چاہتی تھیں پر سارہ ٹس سے مس نہ ہوئی تھی۔ جو اتنی زیادہ بھری ہوئی تھی تو پوری کی پوری برس پڑی تھی۔ اور اب فون کاٹ کر اس نے میز پر پٹخا تو زینت دم بخودی اسے دیکھے گئی تھیں۔ وہ تیز تنفس کے ساتھ وہیں کھڑی رہی جبکہ زینت حیرت کدے میں اسے گھورتی رہی تھیں۔ اس کی آنکھوں میں ملال سے آنسو ہر بات کی گواہی دے رہے تھے پر زینت پر کئی خوف لاحق تھے۔

”یہ...... یہ تم کیا کہہ رہی تھیں؟“ وہ بمشکل لفظ ادا کر سکی تھیں۔

”جو آپ نے سنا وہی کہہ رہی تھی۔“ سارہ طیش کی شدت لیے اب زینت سے مخاطب ہوئی تھی۔ بدلے میں زینت بے یقینی سے گردن نفی میں ہلانے لگیں۔

”ہاں مامی! یہی ہوا ہے۔ وہ آج بن بتائے میری یونیورسٹی آ پہنچا اور جب میں نے اس کے ساتھ جانے سے منع کیا تو اس نے میرے ساتھ زبردستی کی۔ میری عزت کو مجروح کرنے کی دھمکی دی۔“ وہ شدت جذبات سے گویا ہوئی تو ٹھہرے ہوئے آنسو سیال کی مانند چہرے پر بہہ گئے۔ اس کی خراب ہوتی حالت دیکھ کر زینت کا دل بیٹھا جا رہا تھا۔

”اس نے تمہارے ساتھ کچھ کیا تو نہیں۔ ت...... تم ٹھیک تو ہوں نا؟“ وہ ایک ہی جست میں آگے بڑھیں اور اسے سر تا پیر دیکھ کر کہا۔

”نہیں...... اس سے پہلے ہی فرشتہ نما شخص آ گیا تھا۔“ وہ ٹرانس کی سی کیفیت میں گویا ہوئی۔

”کون؟“ زینت نے پوچھا۔

”یونیورسٹی کا ایک دوست۔ وہ دیکھ کر پہچان گیا تھا۔“ سارہ کہہ کر نظریں نیچے کر گئی۔ اس کا

دل پھٹنے کو تھا۔ بار بار اپنا بے دردی سے کھینچتے ہوئے لے جانا، شاہ زیب کا اسے متنبہ کرنا منہ پر ہاتھ رکھ کر آواز بند کر دینا۔ ہر اذیت دیتی ہوئی بات یاد کر کے وہ بلک بلک کر رو پڑی تھی۔ زینت وہیں کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی تھیں۔ کان جیسے سائیں سائیں کر رہے تھے۔ جہاں وہ اللہ کی شکر گزار تھیں وہیں فاروق کو لے کر الگ پریشان تھیں۔ انہوں نے سارہ سے مزید کچھ نہ کہا۔ اس کی بگڑتی ہوئی حالت اس وقت کوئی ٹینشن نہیں لے سکتی تھی۔ وہ سارہ کو دیکھتی رہیں جو رو رو کر اپنا دل ہلکا کر رہی تھی۔

☆......☆......☆

فون کان سے ہٹاتی ہوئی انہوں نے میکانکی انداز میں پلٹ کر شاہ زیب کو دیکھا تھا جو دوسرے کمرے میں صوفے پر آرام دہ حالت میں بیٹھا برف سے ناک پر سکائی کر رہا تھا۔ وہ چلتی ہوئی اس تک آئی تھیں۔ سارہ کا ہر لفظ دماغ میں گونج رہا تھا۔

''تو نے کیا بتایا تھا کیسے لگی ناک پر؟'' وہ سکتے کی حالت میں شاہ زیب سے گویا ہوئی تھیں۔

''ارے بتایا تو بائیک سے گرا تھا سیدھا ناک سڑک پر لگی۔ کیا ہوا بول دیا ان لوگوں کو؟ سنا دی نا اس کی مامی کو اپنی بھانجی کے رویئے کیسے ہوتے ہیں میرے ساتھ۔'' وہ بات پلٹتا ہوا گویا ہوا پر رضیہ کو اس کی بات میں صداقت محسوس نہ ہوئی۔

''یہ تو بتا کہاں گرا تھا تو؟'' وہ پچھلی بات کا سرا تھامے ہوئے پھر پوچھنے لگیں۔

''کیا سوال کرتی ہو اماں۔ گھر کے لیے آ رہا تھا تو گر گیا۔'' وہ زچ ہو کر دوسری طرف پلٹا۔ یکا یک رضیہ کی اس کے گریبان پر نظر پڑی جس کا دوسرا بٹن ٹوٹا ہوا تھا جو زین کے کھینچنے کے باعث وہیں گر گیا تھا۔

''اور گرتے گرتے تیرے گریبان کا بٹن بھی ٹوٹ گیا؟'' رضیہ نے تشویشی انداز میں اس

کے گریبان کو پکڑ کر پوچھا۔

''اچھا؟ ہاں تو ٹوٹ گیا ہوگا۔'' اس نے گریبان ماں کے ہاتھ سے جھٹکا۔ رضیہ نے خوب کینہ توز نگاہوں سے اسے دیکھا۔

''تو سارہ کی یونیورسٹی کے پاس سڑک پر گرا تھا؟'' انہوں نے طنزیہ انداز میں اب جو شاہ زیب کو گھیرا تو وہ بھونچکارہ گیا اور رضیہ کو یقین آ گیا کہ سکہ کس کا کھوٹا تھا۔

''خبیث انسان! تجھے ذرا شرم نہ آئی۔'' وہ شاہ زیب پر پوری چڑھ دوڑیں جو جان بچاتا ہوا صوفے سے اٹھا تھا۔

''میری ناک کٹواتا رہتا ہے جب دیکھے۔ شاہ زیب! میں تیرا کیا کروں تو کب سدھرے گا؟'' وہ ہذیانی حالت میں اس کا گریبان پکڑ کر جھنجوڑ رہی تھیں۔ آنکھوں میں اشتعال لیے ان کا بس نہیں چل رہا تھا کیا کر دیں۔

''تیرا مار مار کر بھرتا نہ بنایا نا تو میرا نام بھی رضیہ نہیں۔'' گریبان چھوڑتی ہوئی وہ پلٹ کر کچھ مارنے کے لیے ڈھونڈ رہی تھیں جب شاہ زیب ہک دک سا پیچھے ہٹا تھا۔ اسے ایک فیصد بھی اندازہ نہیں تھا کہ سارہ سب کچھ من وعن سنا دے گی۔ اس سے پہلے جن لڑکیوں سے پالا پڑا تھا وہ ڈر و خوف کی زد میں منہ بند رکھے رہا کرتی تھیں پر سارہ اس کی توقع سے بھی زیادہ تیز نکلی تھی۔

''نالائق! تجھے پیدا کر کے میں نے اپنے اوپر عذاب پالا ہے۔ تجھے ذرا احساس نہ ہوا کہ تیری اپنی بہن بھی ہے۔ تو جو کچھ کرے گا وہ اس کے سر آ جائے گا۔ ایک تیرا ابا مجھے تجھ جیسے کمبخت کے پاس چھوڑ کر چلا گیا۔ ہائے میں کیا کروں۔ کیسے سمجھاؤں اس سطحی سوچ کو۔ کیوں مجھے ہر جگہ شرمندہ کراتا پھرتا ہے۔'' جب کچھ نظر نہ آیا تو وہ ہاتھوں سے اس کے سینے پر مارتی ہوئی دہائی

دیتی رہی تھیں بدلے میں شاہ زیب انہیں چپ کرانے کی کوشش میں لگا ہوا تھا پر رضیہ سنتی نا۔

''اماں! میری تو سن۔ وہ کچھ بھی بولے گی تو مان جائے گی؟'' شاہ زیب جھلا اٹھا۔

''یہ پہلی نہیں ہے دوسری ہے۔ پہلے بھی تُو نے ایسا ہی کیا تھا۔ کیوں تُو اپنے دوستوں کی خاطر اپنی ماں کو بلی چڑھا رہا ہے۔ کتنی مشکل سے عزت دار گھرانہ ڈھونڈا تھا پھر میں تو سارہ کو دیکھ کر ہی ڈر گئی تھی کیونکہ مجھے تیرے کرتوت جو معلوم تھے لیکن تیرے کہنے پر میں نے رشتے میں ہامی بھری۔ اب لاج تو رکھتا میری۔'' وہ چلاتی ہوئی اسے مارے جا رہی تھیں بدلے میں وہ خود کو بچا رہا تھا۔

''قسم سے شاہ زیب! خاندان میں بمشکل عزت رکھی ہے میں نے۔ اب جو شادی آ رہی ہے اس سے پہلے نکل ایسا نہ ہو اس کا ماما آ کر تیری دھلائی کر دے۔ چل تو پہلے یہاں سے نکل۔ تیرے کرتوت کب تک چھپاتی پھروں گی میں۔ کبھی تو عقل کے ناخن لے۔''

''اماں! تو خوانخواہ پریشان ہو رہی ہے۔ اس کا ماما کچھ نہیں کرے گا۔'' شاہ زیب نے وثوق سے کہا۔

''وہ کرے نہ کرے مجھے یہاں ایک منٹ نہیں رکنا۔ چل بوریا بستر باندھ اور لاہور نکل۔ میں آپا کو کوئی بہانا بتا دوں گی اور شاہنواز کی شادی میں شریک نہ ہونے کا کوئی بھی عذر دے دوں گی۔ پر اب یہاں ایک پل نہیں رکنا۔ میسنا کہیں کا۔ تجھ سے تو اچھا تھا میرے ہاں دو بیٹیاں ہی ہو جاتیں۔'' وہ لعنت ملامت کرتی ہوئی کمرے سے نکلی تھیں پیچھے وہ اپنی بے توقیری پر تلملا اٹھا تھا۔ اسے ذرا توقع نہ تھی کہ کایا یوں پلٹے گی۔

''دیکھ لوں گا سارہ تمہیں، دیکھ لوں گا۔'' وہ شاطرانہ عزم لیے گویا ہوا تھا۔

☆......☆......☆

زینت کے چہرے پر خوف کی لہر سارہ پل پل نوٹ کر رہی تھی۔ ان کی وقتاً فوقتاً گھڑی پر جاتی ہوئی نگاہ پھر واپس کسی کام میں خود کو مشغول رکھنے کی بھرپور کوشش سارہ کی نظروں سے اوجھل نہیں تھی۔ ان کا دھیان آنے والی افتاد میں الجھا ہوا تھا۔ وہ سراسیمہ سی ایک کام کریں تو ادھورا چھوڑ کر دوسرا شروع کر دیں۔ اس وقت بھی دودھ چولہے پر چھوڑ کر وہ فاروق کے کپڑے استری کرنے لگی تھیں۔ سارہ کو ان کی کیفیت کا اندازہ تھا پر اسے ذرا برابر بھی ڈر نہیں تھا۔ وہ اپنی جگہ درست تھی۔ اگر آج چپ ہو جاتی تو پھر کبھی نہ بول پاتی۔ اس نے دودھ میں ابال آیا تو چولہا بند کیا اور زینت کے پاس چلی گئی جو استری تو کر رہی تھیں پر بٹن آن کرنا بھول گئی تھیں۔

''مامی! آپ بیٹھیں میں کر دیتی ہوں۔'' اس نے رسان سے زینت کا ہاتھ تھاما اور انہیں بستر پر بٹھا دیا۔ پریشان کن حالت لیے وہ سر کو خم کرتی ہوئی جا بیٹھیں۔ سارہ نے انہیں بغور دیکھا۔ ان کی حالت ایسی تھی جیسے کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔ سارہ دوزانو ان کے پاس بیٹھی اور نرمی سے ان کے ہاتھ تھام لیے۔

''کیا آپ مجھے غلط سمجھتی ہیں؟'' سارہ نے استفہامیہ انداز میں ان سے نرم لہجے میں تصدیق مانگی۔

''نہیں بیٹا۔ بالکل نہیں۔'' زینت نے گردن نفی میں ہلاتے ہوئے کہا۔

''تو پھر کس بات کا ڈر ہے؟'' سارہ نے پوچھا۔

''تمہارے ماموں...... مجھے نہیں معلوم ان کا کیا ردعمل ہوگا؟'' وہ وحشت سے اشک بار ہوئیں تو سارہ نے انہیں تاسف سے دیکھا۔

''اگر غلط ہوتی تو میں بھی خوف زدہ ہوتی پر اس وقت میں حق پر ہوں۔ اب ان کا جو ردعمل

ہوگا جھیلوں گی۔آپ خود کو ہلکان مت کریں۔“ اس نے لہجے میں پختگی کا عنصر لیے انہیں تسلی دی تو وہ اسے دیکھتی رہ گئیں جسے وقت اور حالات نے کس قدر مضبوط بنا دیا تھا۔

☆......☆......☆

وہ کمرے کی چوکھٹ پر کھڑی باتیں سن رہی تھی جب زینت نے انہیں تمام احوال لرزتی ہوئی زبان سے گوش گزار کیا۔ دل میں کہیں تمنا لیے وہ فاروق کے جواب کی منتظر تھی۔ اس نے کئی مثبت خیالات لیے ان کے جواب کا انتظار کیا تھا۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی امید کرتی تھی کہ فاروق اس بار اس کی طرف داری کریں گے، اس کے حق میں بات کریں گے، اس کو سہارا دیں گے لیکن فاروق کے لبوں سے نکلے ہوئے الفاظ نے اس کی ساری امیدوں اور مثبت سوچوں پر پانی پھیر دیا۔

”آگے پڑھنا ہے آگے پڑھنا ہے، بس اس کی ہی رٹ تم دونوں نے لگائی ہوئی تھی میرے سامنے۔“ وہ چنگاری کی مانند بھڑک اٹھے اور زینت دنگ رہ گئیں۔

”دیکھ لیا اسے آگے پڑھانے کا نتیجہ۔ میں نے تمہیں کہا تھا نا کہ اس کی عزت اسی میں ہے کہ یہ گھر بیٹھے، لیکن تم نہیں سمجھیں۔ اب بھگتو بیٹھ کر۔ اکیلی یونیورسٹی جاتی ہے اور اس خبیث انسان کو موقع مل گیا۔ اگر چار دیواری میں بیٹھی ہوتی تو کوئی ہاتھ لگا کر دکھاتا۔ پر نہیں تم دونوں کو تو میں ہی غلط لگتا ہوں۔ بیٹھے بٹھائے جب دیکھو مسئلے۔ تم کسی سے کچھ مت کہنا......اور شاہ زیب کی خبر میں لیتا ہوں۔“ وہ چلاتے ہوئے گھر کا مرکزی دروازہ ٹھا کی آواز سے بند کر گئے تو ماں بھانجی کی روح تک کانپ گئی۔ وہ جو کتنے وقت سے خود کو ہمت دلائے ہوئے تھی اور چٹان کی مانند کھڑی تھی فاروق کے کٹیلے لہجے سے ریت کی طرح بکھرتی چلی گئی۔ دل بند ہونے کو تھا۔ پُر آب آنکھیں لیے وہ زمین پر بیٹھتی چلی گئی۔ جس اذیت سے

آج وہ گزری تھی اس کی تکلیف کا اندازہ اس کا دل کر سکتا تھا اور کوئی نہیں۔ وہ تو محبت کے دو لفظ سننا چاہتی تھی۔ ان کا دستِ شفقت سر پر محسوس کرنا چاہتی تھی۔ کم از کم آج اس نے فاروق سے امیدیں لگائی ہوئی تھیں پر ہر بار کی طرح اس بار بھی وہی قصوروار تھی۔

☆......☆......☆

"میرا بس چلے تو ایک سمسٹر میں چھ کی جگہ سات کورسز لے کر ختم کر لوں، میرے پاس ٹائم بہت کم ہے۔"

"یہ سوسائٹی مجھے کیا فائدہ دے گی؟"

"زین! میں نے تمہارے بارے میں کبھی ایسا سوچا ہی نہیں ہے اور نہ ہی کبھی سوچ سکتی ہوں کیونکہ میں......"

چودھویں کا چاند اپنے جوبن پر سیاہ آسمان پر چمک رہا تھا۔ اس کا نور اندھیری رات پر تسلط ہوتا دکھائی دے رہا تھا۔ زین ٹکٹکی باندھے تو قمر کو دیکھ رہا تھا جو اپنی روشنی سے سب کو اپنے ہونے کی خبر دے رہا تھا پر اس کا دماغ ماضی سے جڑے کئی خیالات اجاگر کر رہا تھا۔ اس نے نوٹ کیا تھا کہ سارہ کئی بار سراغ دیتی رہی تھی پر مکمل بات تو وہ جانتا نہیں تھا اور یہی خیال اسے بے قرار کر رہا تھا کہ وہ کسی سے اتنے وقت سے منسوب تھی۔ کبیدہ آنکھیں لیے وہ قمر کو اپنے غموں کی داستان نظروں سے سنا رہا تھا۔ شدتِ جذبات سے دل پھٹا جا رہا تھا۔

ارم کئی دن سے زین کے حوالے سے پریشان تھیں اور آج اس کی ابتر ہوتی حالت کو دیکھ کر مزید مضطرب ہوئی تھیں۔ وہ اسے ڈھونڈتی ہوئی بالکنی میں آپہنچی تھیں۔ نصف ریلنگ سے ٹیک لگائے وہ اس خوبرو نوجوان کو دیکھ رہی تھیں جو ان کا سپوت اور کاندھوں کا سہارا تھا۔ اسے دن بہ دن بکھرتا دیکھ کر ان کا دل بیٹھا جا رہا تھا۔

”زین۔“

وہ ارم کی آواز سن کر پل بھر کو چونکا تھا۔

”مام آپ۔“ آنکھوں کے اندرونی کنارے پر اٹکا آنسو اس نے ارم سے چھپا کر پونچھا تھا پر وہ ماں تھیں ان سے یہ سب کیسے مخفی رہتا۔

”آپ کب آئیں؟“ زین نے جبراً مسکرا کر پوچھا۔

”کافی دیر ہو گئی ہے، پر تم محو خیال تھے اس لیے اندازہ نہ کر پائے۔ ویسے یہ دوسری بار ہے جب تم نے میرے قدموں کی آواز کو ان سنا کر دیا۔ ورنہ کبھی ایسا نہیں ہوا۔“ وہ اسے چھیڑتے ہوئے مدھم سی آواز میں کہہ رہی تھیں بدلے میں وہ نظریں چرا گیا۔

”کیا ہوا بیٹا۔ تمہیں کیا لگتا ہے ایسی حالت میں تمہیں دیکھنا آسان ہے میرے لیے؟“ ارم نے سہل انداز سے کہا اور اس کا ہاتھ تھاما۔

”تم نے مجھ سے آج تک کچھ نہیں چھپایا زین۔ تو اب بھی کہہ دو دل ہلکا کر لو۔ تمہاری ماں تمہارے پاس ہے بیٹا۔“ ارم کا نرم انداز اس کو بکھرنے پر مجبور کر گیا۔ وہ دل برداشتہ بالکونی میں موجود کرسی پر جا بیٹھا۔ اب کھڑے رہنے کی توانائی بھی ختم ہو رہی تھی۔ ارم اس کے پاس دو زانو بیٹھ گئیں۔ اس کے گھٹنے پر ہاتھ رکھتے ہوئے وہ اسے رسان سے دیکھ رہی تھیں۔

”مام! آپ دعا کریں میرے لیے کہ مجھے سکون آ جائے۔“ وہ جب گویا ہوا تو آنکھوں پر آنسوؤں کا اختیار کھو بیٹھا۔

”آپ نے شروع سے میرے خیالات کو مثبت بنایا ہے پر اس بار معلوم نہیں کیوں میں وسوسوں کا شکار ہوں اور یہ کیفیت مجھے جیتے جی مار رہی ہے مام۔“ وہ پل بھر کو رکا تھا۔ ارم نے اسے بات کرنے کا پورا موقع دیا تھا۔

"مجھے خوف گھیرے ہوئے ہے۔ اگر وہ لاحاصل ہوئی تو؟ میں نے محبت تو نہیں چاہی تھی پھر ہوئی تو میرے اختیار میں کہاں تھا۔ اب سب جان کر بھی میں جتنی کوشش کروں کہ اسے اپنے ہاتھ سے پکڑ کر روک دوں۔ وہ اتنا ہی ریت کی مانند انگلیوں کے درمیان سے پھسل جاتی ہے۔ وہ چاند کی مانند ہے مام جسے پانے کی خواہش میں، میں اپنا آپ کھو رہا ہوں۔ مجھے سمجھ نہیں آ رہا میں کیا کروں۔" وہ سسکیوں سے جب رو پڑا تو ارم فرطِ محبت سے اٹھ کھڑی ہوئیں اور اسے سینے سے لگا لیا۔ زین بچوں کی طرح بلک اٹھا تھا۔ یہ کئی دن سے بھرتا ہوا غمگین سمندر تھا جو آج آنکھوں کے راستے بہہ رہا تھا۔

"مام! آپ دعا کریں پلیز۔ میرے دل کو قرار آ جائے۔ مجھے سکون مل جائے مام۔" وہ رو رو کر کہہ رہا تھا اور ارم پُر آب نگاہیں لیے آسمان کو دیکھنے لگی تھیں۔ ان کے دل سے بیٹے کی خوشیوں کے لیے دعا نکلی تھی۔ جتنی دیر وہ روتا رہا ارم کے لب دعا کا ورد کرتے رہے تھے۔

☆......☆......☆

وہ اکیلی اکاؤنٹس کی کلاس میں اپنی سیٹ پر بیٹھی ہاتھ سے سر کو سہارا دیئے ہوئے تھی کہ یکا یک کلاس کا دروازہ کھلا اور زین داخل ہوا۔ سارہ نے نظریں چرا کر نیچے دیکھنے پر اکتفا کیا تھا۔ اس کی سوجی آنکھیں ساری رات رونے کی عکاسی کر رہی تھیں۔ زین سنجیدگی سے اس پر نظریں ٹکائے اس کے پاس چلتا آیا پر سارہ نے کوئی ردعمل نہ دکھایا۔

"میں تم سے کچھ پوچھنے آیا ہوں۔" کرخت لہجے میں اس نے کہا۔

"ختم ہو گئی ہے منگنی۔" اور سارہ نے تنک کر بغیر سر اٹھائے جواب دیا۔ وہ جانتی تھی کہ زین کا آنے کا مقصد کیا تھا۔ اسے دل پر چوٹ محسوس ہوئی تھی۔ جب تمام لمحات شازیہ کے نام تھے تو اب اس کی فکر کرنا محض کس زمرے میں تھا؟ زین کرب سے لب دانتوں تلے دبا گیا۔ وہ

رکا نہیں جیسے آیا تھا ویسے ہی چلا گیا اور دروازہ ٹھا کر کے بند کر گیا جس سے سارہ سہم اٹھی تھی۔

زین کی بے رخی سارہ سے برداشت نہیں ہو رہی تھی۔ جو لڑکا اس کے پاس بیٹھ کر اس کی باتیں سنتا تھا، اس کے مسئلے سلجھا دیا کرتا تھا آج اجنبی سے کم نہ تھا۔ اس کی سرد مہری سارہ کو نئے سرے سے پریشان کر رہی تھی۔ وہ منفی سوچوں کی اس حد کو پہنچ گئی تھی کہ اسے زین اپنی زندگی کا سب سے بڑا قصوروار لگا تھا جس نے اس کا دوست اس سے چھین لیا تھا۔ وہ بھی رکی نہیں اپنا سامان اٹھایا اور کلاس سے چلتی چلی گئی۔

کلاس طلبا سے کھچا کھچ بھر گئی تھی۔ لیکچر شروع ہونے میں لگ بھگ دو منٹ باقی تھے۔ زین نے ہر جگہ دیکھا پر وہ کلاس میں نہیں تھی۔ پہلے تو موجود تھی پھر اب کہاں چلی گئی تھی۔ وہ سوچتا ہوا سر کے آنے سے پہلے ہی کلاس سے نکل گیا۔ غصے کا شکار وہ آس پاس کوریڈور میں دیکھ رہا تھا پر بے سود۔ دل بوجھل ہو رہا تھا۔ کہیں وہ کچھ زیادہ تو نہیں کر بیٹھا تھا۔ سارہ کا دل تھا بھی معصوم۔ اور جس طرح وہ اس سے پیش آ رہا تھا سارہ کی برداشت سے بڑھ کر تھا۔ وہ بھاگتا ہوا اکیڈمک بلڈنگ سے نکل گیا اور ہر جگہ نظریں دوڑائیں پر وہ کہیں نہیں تھی۔

''کدھر جا سکتی ہے؟'' وہ طائرانہ نگاہ ہر جگہ ڈالتا ہوا جوں ہی آئی ٹی بلڈنگ کے پاس پہنچا تو اچانک اسے خیال آیا۔ اس نے اپنا رخ وہیں کر لیا جہاں اسے معلوم تھا وہ بیٹھی ہو گی۔

سب کچھ تکلیف دہ تھا۔ شاہ زیب کا زبردستی کرنا، فاروق کا سارہ کو قصوروار ٹھہرانا۔ شازیہ کا اس پر تہمت لگانا، انوشہ کا تمسخر اڑانا پر ان سب سے بڑھ کر جو روح کو فنا کر رہا تھا وہ زین کا اس کے ساتھ سرد رویہ تھا۔ وہ سب کچھ برداشت کرنے کی سکت رکھتی تھی، پر ہمت ختم اس ایک شخص پر آ کر ہوتی تھی جس کا خاردار لہجہ اس کو ضرب دے رہا تھا، روح کو چھلنی کر رہا تھا دل کو فنا کر رہا تھا، وہ سب سے اچھا دوست صرف اجنبی ہو گیا تھا اور کچھ نہیں۔ کیوں وہ بے تاب ہو

رہی تھی؟ کیوں بے چینی کی سرحدوں کو چھو رہی تھی؟ کیوں اسے شازیہ کے ساتھ ہر وقت دیکھنا ناقابل برداشت تھا؟ آخر کیوں؟ کتنے ہی سوالات اس کے اندر پنپ رہے تھے۔ کیا اس کی ہر بات محض خواب تھا؟ کیوں سب حقیقت سے دور لگتا تھا؟

''میں نے کبھی کسی سے اظہارِ محبت نہیں کیا ہے لیکن آج کرنا چاہتا ہوں، سارہ! میں...... بس۔'' یکا یک دماغ میں گونجتی ہوئی سحر انگیز آواز نے سارہ کے حواس بند کر دیئے۔ اس نے آواز کو روکنے کے لیے زور سے کانوں پر ہاتھ رکھ دیئے تھے۔ تنفس تیز تھا بہت تیز۔ وہ جذبات کی ہر حد کو پار کرتی ہوئی جا رہی تھی۔ اس کے بس میں کچھ نہ تھا کہ یکا یک آنسو جو کب سے بہہ رہے تھے ہچکی میں بدل گئے۔ وہ کرب سے رو پڑی تھی۔ تنہائی کا احساس اس کا گلا گھونٹ رہا تھا۔ وہ قلق محسوس کرتی ہوئی سسک اٹھی تھی۔ اس کی آواز میں اتنا درد تھا کہ زین جو اس کے کچھ فاصلے پر کب سے کھڑا اسے بہت آرام سے سن سکتا تھا شدتِ جذبات سے بمشکل خود کو روکے ہوئے تھا۔ اس نے دیوار سے ٹیک لگائی ہوئی تھی۔ دل وہاں اسے سارہ کے پاس کھینچ کر لے کر جانا چاہتا تھا لیکن اس نے اپنے قدم زمین پر مضبوطی سے جمائے ہوئے تھے۔ دل اور دماغ کی جنگ میں وہ بھی ختم ہو رہا تھا۔ کیا کرتا۔ سارہ کے دل کا تالا کھولنا تھا اور زنگ آلود قفل آسانی سے نہیں کھلتا۔

☆......☆......☆

''کیوں نہیں آ رہیں، پلیز آ جاؤ؟'' زنیرہ کی لجاجت بھری آواز سارہ کو متذبذب کر رہی تھی۔

''طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ پلیز سمجھو۔'' سارہ نے التجاء کی پر زنیرہ کے پاس سے کوئی جواب نہیں آیا۔ کچھ توقف کے بعد اس نے فون کاٹ دیا اور سارہ منہ بسورتی ہوئی اسکرین کو دیکھ رہی تھی۔

”چلی جاؤ نا۔ اتنا اصرار کر رہی ہے تمہاری دوست۔“ زینت جو آس پاس موجود اس کی باتیں بھی سن رہی تھیں گویا ہوئیں۔

”ایک دن پہلے منگنی ٹوٹی ہے میری۔ اور آپ چاہتی ہیں میں خوشیاں مناؤں؟“ وہ زینت کی بات پر حیرت سے کہہ رہی تھی۔ زینت زیرلب مسکراتی ہوئی اس تک آئی تھیں۔

”بیٹا! بار بار ایسے مواقع کہاں ملیں گے۔ تمہارے ماموں نے تو پہلے ہی اجازت دے دی تھی۔ پھر سچ پوچھو تو میں ان کے رویے سے حیران ہوں۔ مجھے تو لگا تھا تمہارا یونیورسٹی ہی جانا بند کر دیں گے پر آج تو بے حد اچھے موڈ میں آفس گئے ہیں۔“ زینت نے متحیر ہو کر سارہ کے گوش گزار کیا۔

”ویسے ماجرا میری سمجھ سے بھی باہر ہے۔ ماموں کا ردعمل ہماری توقع کے برخلاف ہوا ہے۔ شاید وہ بھی رشتہ ٹوٹنے پر مطمئن ہیں۔ ظاہر نہ کرتے ہوں پر ہو سکتا ہے۔“ سارہ کے قیاس لگانے پر زینت نے بھی سر کو جنبش دی۔

”تو پھر تم بھی غم مت مناؤ۔ جو ہوا اچھے کے لیے ہوا بیٹا۔ اللہ نے سمجھو جان بچائی ہے۔ اب جلدی تیار ہو جاؤ اور اپنی دوست کا دل مت توڑو۔“ انہوں نے نرمی سے اس کے گال پر ہاتھ رکھ کر سمجھایا تو سارہ کے ارادے میں لچک پیدا ہوئی۔

☆......☆......☆

وہ الماری کا پٹ کھولے کھڑی الجھی ہوئی سی اِدھر اُدھر دیکھ رہی تھی۔ زنیرہ کو فون کر کے آنے کی اطلاع دے دی تھی اور اب اس کی ضد تھی کہ سارہ خوب تیار ہو کر آئے۔ اب یہ خوب تیار ہونا کس قدر تیار ہونے کے برابر ہوتا ہے وہ سارہ کی سمجھ سے بالاتر تھا۔ زینت نے اسے کشمکش میں مبتلا دیکھا تو اس کی مدد کو آ گئیں۔ انہوں نے وہ ہی میرون رنگ کا جوڑا منتخب کیا تھا

جو سارہ نے اپنے بر دکھاوے میں پہنا تھا۔ سارہ نے بغیر کسی چوں و چرا کے پہن لیا۔ چہرا ہر میک اپ سے عاری تھا۔ زنیرہ کے لتاڑنے کی آوازیں اسے ابھی سے سنائی دے رہی تھیں پر دل مایوس تھا۔ لے دے کر اس نے ننھے سلور جھمکے کان میں آویزاں کر لیے تھے۔ آدھے بالوں کو کلپ میں باندھ لیا تھا۔ قرینے سے دوپٹہ کاندھوں پر پھیلایا اور سردی سے بچاؤ کے لیے سیاہ شال سے خود کو لپیٹ لیا۔

لگ بھگ تین بجے وہ یونیورسٹی پہنچی تھی۔ زنیرہ اس کا بیرونی گیٹ پر انتظار کر رہی تھی۔ یونیورسٹی کے تمام گیٹ بند کر دیئے تھے سوائے مین گیٹ کے جہاں سے طلبا پاس دکھا کر اندر داخل ہو رہے تھے۔ سارہ پر نظر پڑی تو زنیرہ بھاگتی ہوئی اس کے پاس آئی اور گلے سے لگا لیا۔ پھر سر تا پیر اسے تنقیدی نگاہ سے بھی دیکھا، کچھ چہرا مشتعل ہوا لیکن وہ اس قدر خوش تھی کہ سارہ کی سمجھو جان بچی تھی۔ البتہ سارہ نے زنیرہ کی تعریف میں تاخیر نہیں کی تھی۔ اس نے بلیک رنگ کا انگرکھا پہنا ہوا تھا اور بھورے بالوں کو ہاف باندھا ہوا تھا۔ جو باقی کھلے تھے وہ بھی دونوں طرف سے آگے آئے ہوئے تھے۔ چہرے پر ہلکا سا میک اپ کیا ہوا اس کی خوبصورتی میں اضافہ کر رہا تھا۔ وہ دونوں باتیں کرتیں ہوئی چلتی چلی گئی تھیں۔ مین گیٹ پر طلبا کا رش لگا ہوا تھا۔ باری باری کر کے سب پاس دکھا کر اندر داخل ہو رہے تھے۔ موقع کی مناسبت سے سب نے دیسی لباس زیبِ تن کیے تھے۔ وہ طلبا جو عام دنوں میں بھی ویسٹرن لباس پہنتے تھے آج فیسٹیول کی وجہ سے دیسی لباس میں پہچانے نہیں جا رہے تھے۔ سارہ نے دیکھا کہ زیادہ تر لڑکیاں شلوار قمیض یا میکسی سٹائل فراک پہنے ہوئے تھیں۔ رنگ برنگی جوڑے دھنک کے رنگوں کی طرح ہر طرف نظر آرہے تھے۔ لڑکوں نے البتہ اپنے حساب سے لباس منتخب کیے تھے۔ کچھ شلوار قمیض اور لاہوری چپل پہنے ہوئے تھے تو کچھ پینٹ شرٹ میں ملبوس تھے۔ سب کے

چہروں پر مسکراہٹیں سجی ہوئی تھیں۔

جوں ہی وہ دونوں ایکاڈیمک بلڈنگ سے گزریں تو مارکیٹنگ سوسائٹی کی محنت ہر جگہ اپنا رنگ دکھانے لگی تھی۔ تمام سجاوٹیں اس خطے سے شروع ہوتے ہوئے باسکٹ بال کورٹ تک جا رہی تھیں۔

پاکستانی ثقافت کو مدنظر رکھتے ہوئے اس خطے میں ہرا، لال، نارنجی اور پیلے رنگ کا بے دریغ استعمال کیا گیا تھا۔ ان رنگوں سے کئی روایتی نقش جیسے اجرک، پھول کاری، بلاک پرنٹ اس کے علاوہ کئی کڑھائی کے منفرد نقوش بنا کر جگہ جگہ پوسٹر کی شکل میں کھڑے کیے گئے تھے۔ ہر نقش کے ساتھ اس کے متعلق چند فقرے موجود تھے۔ یہ راستہ سیدھا باسکٹ بال کورٹ تک جاتا تھا لہٰذا خصوصاً اس جگہ کو اجاگر کرنے کے لیے زرد قمقموں سے اس پوری سڑک پر چھت نما بنا دی گئی تھی۔ قدم قدم پر روش میں کھمبے موجود تھے جن کے سہاروں سے قمقموں کو ہوا میں آویزاں کیا ہوا تھا۔ ان کے درمیان رنگ برنگی لالٹین لٹکائے تھے جو ہوا سے تلاطم ہوتے ہوئے خوبصورت منظر پیش کر رہے تھے۔ سڑک کو گلاب، موتیا، گیندے کے پھولوں سے آراستہ کیا ہوا تھا۔ جو فضا کو معطر کر رہے تھے۔ بلاشبہ یہ خطہ ثقافت پر روشنی ڈالتا ہوا حسین لگ رہا تھا۔ ایکٹیویٹی سینٹر سے مختلف سٹالز شروع ہو گئے تھے جہاں کئی طلبا پاکستانی کھانے پینے کی اشیاء فروخت کر رہے تھے اس کے ساتھ کئی سٹالز میں روایتی لباس تو کئی طلبا نے شو پیس فروخت کے لیے سجائے ہوئے تھے جو پاکستان کے چاروں صوبوں کی نمائندگی کر رہے تھے۔ عوام کو مشغول رکھنے کے لیے گیم کے اسٹالز بھی موجود تھے۔ یہ سٹالز ایکٹیویٹی سینٹر سے شروع ہوتے ہوئے باسکٹ بال کورٹ تک جا رہے تھے۔

باسکٹ بال کورٹ کو شامیانے سے ڈھک دیا گیا تھا۔ وی آئی پی مہمانوں کے لیے آرام

وہ صوفے اسٹیج کے پاس سجائے گئے تھے جبکہ طلبا کے بیٹھنے کے لیے کرسیوں کو قطار سے رکھ دیا گیا تھا۔ اسٹیج کے پردے پر چار بڑے پوسٹر چسپاں تھے جس میں مشاعرہ، فوک ڈانس، موسیقی کے روایتی آلات جیسے طبلہ ستار وغیرہ اور صوفیانہ تصویریں موجود تھیں۔

شامیانے سے باہر سڑک کی طرف پولیس کی گاڑیاں موجود تھیں جو خاص مہمانوں کی حفاظت اور ہنگامی صورتِ حال کے لیے تیار تھیں۔ اسٹیج کے پچھلے حصے پر بھی کئی اسٹالز موجود تھے اور قدم قدم پر اسپیکر اور ساؤنڈ سسٹم رکھے گئے تھے۔ زرد لائٹوں کا انتظام اس خطے میں کیا گیا تھا۔ ہر شخص توصیفی نگاہ سے سجاوٹوں اور تیاری کو دیکھتا ہوا مارکیٹنگ سوسائٹی کی محنت پر عش عش کرتا نظر آرہا تھا۔

وہ ہجوم کے ساتھ چلتی ہوئی باسکٹ بال کورٹ میں داخل ہو گئی تھیں۔ پروگرام شروع ہونے میں کچھ وقت باقی تھا۔ لہٰذا طلبا کی توجہ کا مرکز اس وقت سٹالز تھے۔ زنیرہ بھی سارہ کو ایک سٹال پر لے گئی تھی جہاں منفرد پاکستانی ثقافت کے متعلق ڈیکوریشن کی اشیاء فروخت ہو رہی تھیں۔ زنیرہ نے ایک چھوٹا سا رکشہ نما شوپیس اٹھایا اور الٹ پلٹ کر اسے متاثر کن نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

''سارہ! کیسا ہے؟'' اس نے سارہ سے پوچھا جو برابر کھڑی فقط دیکھنے پر اکتفا کر رہی تھی۔

''اچھا ہے۔'' وہ خاص زنیرہ کے لیے آج موجود تھی۔ پر فیسٹیول میں آکر پرستائش سجاوٹ نے اس کے موڈ میں کچھ بحالی ضروری کی تھی۔

''بلال کے لیے خرید لیتی ہوں۔'' زنیرہ نے مسکرا کر سارہ سے کہا تھا۔

''رکشہ؟'' بدلے میں سارہ نے متعجب ہو کر دیکھا۔ بھلا یہ بھی کوئی تحفہ تھا پر زنیرہ کے فرحت سے سر کو جنبش کرنے پر وہ خاموش رہی تھی۔ زنیرہ اسے مختلف سٹالز پر لے جا رہی تھی

اور سارہ اس کی تقلید میں چلتی چلی جا رہی تھی۔ کئی مانوس چہرے اسے دکھائی دیئے تھے۔ مارکیٹنگ سوسائٹی کے کئی ممبران اور کولیڈرز بھی موجود اپنی ڈیوٹیاں انجام دے رہے تھے۔ پر اس کی نگاہیں نہ چاہتے ہوئے بھی اس ایک چہرے کی متلاشی تھیں۔ عمل بے اختیار تھا ورنہ وہ بے حد بدظن ہوئی تھی۔ یکا یک جہاں یہ لوگ موجود تھے ان کے عقب سے طلبا کا گروہ چلتا ہوا آگے آ رہا تھا۔ رخ باسکٹ بال کورٹ کی طرف تھا۔ کافی طلباء کی نگاہیں اس طرف ٹھہری تھیں۔ سب سے آگے مشہور اردو کے مصنف، ان کے شانہ بشانہ چلتی ہوئیں نامور اداکارہ اور ساتھ ہی پاکستان کی ثقافت سے متعلق سینئر موسیقار پوری شان وشوکت سے قدم اٹھاتے ہوئے کورٹ کی جانب بڑھ رہے تھے۔ یونیورسٹی کے ہیڈ سٹاف اور وائس پرنسپل ان کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے میزبانی کا بھرپور مظاہرہ کر رہے تھے۔ ان کے عقب میں چلتے ہوئے کئی طلبا توصیفی نگاہ سے مہمانوں کو دیکھ اور چہ میگوئیوں میں مصروف تھے۔ اطراف میں کھڑے تمام لوگوں کی توجہ کا مرکز وی آئی پی تھے جن میں وہ بھی شامل تھی۔ نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی نگاہ گروہ سے نکلتے ہوئے دو نفوس پر جا ٹھہری۔ جو تیز تیز قدم بڑھاتے ہوئے وی آئی پی سے آگے نکل کر باسکٹ بال کورٹ کی طرف جا رہے تھے۔ ہاتھ میں واکی ٹاکی لیے وہ دونوں شامیانے میں موجود دوسرے کولیڈرز کو آگے کے لائحہ عمل گوش گزار کر رہے تھے۔ کئی لوگوں میں سارہ کی نگاہ نے بھی ان کا پیچھا کیا تھا۔

''اف دیکھا تم نے؟'' ان میں سے ایک زنیرہ بھی تھی جس نے فوراً سارہ کو کہنی مار کر کہا تھا۔ وہ بھی اسیر ہوئی تھی۔ زین اور شازیہ سب سے الگ اور منفرد نظر آئے تھے۔ زین نے فارمل ڈریسنگ کا انتخاب کیا تھا۔ سیاہ پینٹ اور گہرے نیلے رنگ کی شرٹ پر سیاہ رنگ کا کوٹ پہنے ہوئے وہ بے تحاشا جاذبیت لیے کتنے لوگوں کی توجہ اپنی جانب کھینچ گیا تھا۔ اس کے ساتھ

قدم اٹھاتی ہوئی شازیہ نے اخضری رنگ کی گھیر دار پاؤں کو چھوتی میکسی جس کے نیچے چوڑی دار پاجاما تھا زیب تن کیے ہوا تھا۔ دودھیا پاؤں میں نفیس سی سینڈل پہنے ہوئے وہ زین کے قد تک آ رہی تھی۔ گلے میں بے نیازی سے دوپٹہ ڈالا ہوا تھا اور آج سنہرے بالوں کو کرلز دے کر کھلا چھوڑا تھا۔ دلکش سا میک اپ کیے وہ اپسرا زین کے ساتھ چلتی ہوئی ہر آنکھ کو اپنی گرفت میں کر گئی تھی۔

یہ دونوں جوں ہی سارہ کے پاس سے گزرے وہ یک ٹک انہیں باقیوں کی طرح دیکھے گئی تھی۔ جو بال برابر مزاج میں بہتری آئی تھی تو اب جاتی رہی۔ اس کا شازیہ سے موازنہ تو دور سوچ رکھنا بھی گناہ لگ رہا تھا۔ وہ خود پر ایک بار نظر ڈالتی ہوئی سراسیمہ سی محسوس کرنے لگی تھی۔

''بہترین یار، کیا کمال لگتے ہیں ایک دوسرے کے ساتھ۔'' اس کے دائیں جانب کھڑی ایک اجنبی لڑکی نے بھی تبصرہ اچھالا تو سارہ کے لبوں سے ''بلاشبہ'' نکل گیا۔ پر اب بے چینی نے دل کو اپنی گرفت میں لیا تھا تو اب یہاں رکنا اسے مزید محال لگ رہا تھا۔

زنیرہ اسے شامیانے میں لے گئی تھی جہاں پروگرام کا آغاز ہو رہا تھا۔ اسٹیج پر یونیورسٹی کے ہی طلبا نے پہلے ٹیبلو کے لیے ترتیب دینا شروع کر دی تھی۔ اس دوران زین اور شازیہ مہمانوں کو مختلف سٹالز کی طرف لے گئے تھے۔ ان کے ساتھ سر قاسم بھی موجود تھے جنہوں نے مارکیٹنگ سوسائٹی کے ساتھ مل کر یہ تمام ایونٹ منعقد کرنے میں خوب مدد کی تھی۔ وہ دونوں ایک دوسرے کا ساتھ دیتے ہوئے میزبانی پرتپاک انداز میں کرتے ہوئے نظر آ رہے تھے اور سارہ کی بار بار ان پر جاتی نگاہ اسے اندر ہی اندر پریشان کرنے لگی تھی۔

ٹیبلو شروع ہوا تو زنیرہ سارہ کو لیے کرسیوں پر جا بیٹھی۔ خوب مزاحیہ اور سبق آموز ٹیبلو سب کو بے حد پسند آیا تھا۔ اسٹیج کے اطراف میں کھڑے زین اور شازیہ تمام ایونٹ پر نگاہ تو

رکھے ہوئے تھے پر ساتھ ساتھ ٹیبلو سے لطف اندوز ہوتے ہوئے ایک دوسرے میں مائل ہوتے جب سارہ کو نظر آئے تو وہ تشتت کا شکار ہو جاتی۔ اس کے بعد پاکستانی فوک ڈانس اور موسیقی سے متعلق جس گروپ کو مدعو کیا تھا وہ اسٹیج پر موجود اپنے ہنر سے تمام ناظرین کو اپنا تسخیر کیے ہوئے تھا۔ بلال زنیرہ کے پاس آ بیٹھا تھا اور سارہ کو اب اپنا آپ بے ڈھب سا محسوس ہوا تھا۔ وہ ویسے بھی راہ فرار کے لیے پر تول رہی تھی۔ موسیقی کی آواز اگرچہ کانوں کو بھلی لگ رہی تھی پھر بھی اس نے زنیرہ سے معذرت کر لی اور کہیں دور بیٹھنے پر اکتفا کر لیا۔ وہ ان سب میں خود کو بے موزوں سمجھ رہی تھی۔ وہ شامیانے سے نکل کر عقب میں پاتھ پر جا بیٹھی تھی پر یہاں سے بھی اسے زین اور شازیہ صاف دکھائی دے رہے تھے۔ اس نے توجہ صرف اسٹیج کی جانب کر لی اور نگاہوں کو وہی تک مقید رکھا تھا۔

''ارے سارہ! تم یہاں کیا کر رہی ہو؟'' اس کی دائیں جانب کھڑا ارسلان سارہ کو تعجب بھری نگاہ سے دیکھ رہا تھا۔

''کچھ نہیں بس ایسے ہی۔'' سارہ نے جبراً مسکرا کر کہا تو وہ فاصلے سے اس کے ساتھ بیٹھ گیا۔

''ارے چلو نا اندر بیٹھو چل کر۔ تمہاری دوست کہاں ہے؟'' ارسلان نے پوچھا۔

''وہ بلال کے ساتھ موجود ہے۔ میں اندر ہی تھی پر کچھ گھٹن محسوس ہوئی تو آسمان تلے بیٹھ گئی۔'' سارہ نے کہا۔

''کیسی گھٹن سارہ! ٹھیک ٹھاک تو ٹھنڈ ہے۔ تم میرے ساتھ چلو ہم سب مل کر مزے کریں گے، یہاں اکیلے بیٹھی رہو گی تو بیزار ہو جاؤ گی۔'' ارسلان نے دوستانہ انداز میں کہا اور سارہ اس کی بات سے مسکرانے لگی تھی۔

وہ دور سے بھی سارہ کو آرام سے دیکھ سکتا تھا۔ وہ جب سے آیا تھا گاہے بگاہے اس کی نگاہ

سارہ پر ٹھہر رہی تھی۔ سارہ نے پہلے کبھی یہ رنگ نہیں پہنا تھا۔ وہ زیادہ تر ہلکے رنگ کے جوڑے ہی پہنتی تھی لیکن آج اس شوخ رنگ میں وہ زین کو تمام لڑکیوں میں سب سے الگ اور پرکشش لگ رہی تھی۔ چہرے پر جتنی بھی بے رونقی تھی پر وہ اس رنگ میں کھل اٹھی تھی پھر بالوں کی اوٹ میں کبھی دکھتے تو کبھی چھپتے ہوئے ننھے سے جھمکے اسے زین کی نظر میں اور خوبصورت بنا رہے تھے۔ اس کا قرینے سے لیا ہوا سلور کام کا چھن بوٹی دوپٹہ آسمان پر بکھرے ستاروں کی مانند لگا تھا۔ یہ سادگی ہی تھی جو زین کو اس کی طرف کھینچ رہی تھی۔ اسے ارسلان پر رشک ہو رہا تھا جو ہجوم سے دور اکیلے میں اس کے ساتھ پاتھ پر بیٹھا بات کر رہا تھا۔

"نہیں تم جاؤ، میں یہاں ٹھیک ہوں۔" سارہ نے ارسلان سے کہا۔

"ہم، چلو ٹھیک ہے ویسے یہاں بیٹھنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔" ارسلان نے پھر سمجھایا۔

"یہاں بھی آواز آ رہی ہے ارسلان۔" پر سارہ کے اصرار پر وہ سمجھ گیا کہ یہ لڑکی نہیں ہلنے والی۔

"لیکن جو مزہ وہاں ہے وہ یہاں اکیلے بیٹھنے میں نہیں ہے۔" ارسلان کہے بنا نہ رہ سکا۔

"کوئی بات نہیں، مجھے اس سے ویسے بھی فرق نہیں پڑتا، تم جاؤ۔" سارہ نے مسکرا کر ارسلان سے کہا جس نے خفیف سے شانے اچکائے اور آگے بڑھ گیا۔ لوگوں کا شور اور ہوٹنگ کی آوازیں شامیانے میں گونج رہی تھیں۔ شائقین موسیقی کی مدھم آواز اور فوک ڈانس سے متاثر ہوتے ہوئے تالیوں سے ان کو سراہ رہے تھے۔ وہ ارسلان کے جاتے ہی یکلخت سنجیدہ ہوئی تھی۔ کبھی ان لوگوں کو دیکھتی جو موسیقی کے مزے لیے جا رہے تھے اور بہت خوش نظر آ رہے تھے تو کبھی شازیہ اور زین کو دیکھتی۔ ان کا ایک دوسرے سے بات کرنا، مسکرا کر دیکھنا، مستی مزہ کرنا اندر عجیب سا احساس دلا رہا تھا۔ وہ خلوت محسوس کر رہی تھی۔ زنیرہ بھی بلال کے ساتھ موجود تھی اور ہر فرد کے ساتھ کوئی نہ کوئی نظر ضرور آ رہا تھا پر وہ تنہا تھی۔ یہ احساس اسے

مزید مضطرب کرتا چلا جا رہا تھا۔ بمشکل پندرہ منٹ بیٹھ سکی تھی پھر اس نے جانے کا فیصلہ کر لیا۔ بیگ سے شال نکالتی ہوئی اس نے خود کو لپیٹا اور پلٹ کر جانے سے پہلے آخری بار پھر وہیں نگاہ دوڑائی جو کبیدہ سی واپس لوٹ آئی تھی۔ اس نے پرس کاندھے پر لٹکایا اور پیچھے مڑ کر چلتی چلی گئی۔

چونکہ مہمانوں کی ریسیونگ کا سلسلہ ختم ہو گیا تھا تو زین نے اپنا کوٹ اتار کر ایک طرف رکھ لیا تھا اور اس وقت کسی ممبر سے باتوں میں مصروف تھا۔ بات مکمل ہوئی تو عادتاً وہ نگاہیں وہیں لے گیا جہاں سارہ اکیلی بیٹھی ہوئی تھی پر اب وہ جگہ خالی تھی۔ پل بھر کو ٹھٹک کر اس نے آس پاس نظریں دوڑائیں پر اسے وہ پرکشش سی لڑکی کہیں نہیں ملی تھی۔ اب کی بار وہ واقعی مخمصے کا شکار ہوا۔ منتشر سا یہاں وہاں ڈھونڈتا ہوا اس کی نگاہیں خالی خالی لوٹی تھیں۔

"شازیہ! میں ابھی آتا ہوں۔ کیا تم سنبھال لوگی؟" وہ الجھا ہوا شازیہ سے لجاجت سے کہہ رہا تھا جو اس کی کیفیت کو اخذ کر کے مسکرا دی۔

"تم فکر نہیں کرو۔ ویسے بھی سب ترتیب سے ہو رہا ہے۔ اس کے بعد تو مشاعرہ ہے۔ ٹیم بھی تیار ہے۔ جتنا وقت لینا ہے لے لو میں یہاں ہوں سب سنبھال لوں گی۔" شازیہ کے تسلی بخش جواب سے اسے ڈھارس محسوس ہوئی۔

"زین۔" اس نے قدم بڑھائے تھے کہ شازیہ نے عقب سے آواز لگائی۔ وہ سن کر پیچھے پلٹا۔

"آل دا بیسٹ۔" شازیہ نے انگشت نزد کھا کر معنی خیز اشارہ کیا تو وہ زیر لب مسکرایا پر ابھی اس کی دلی حالت بکھری ہوئی تھی۔ وہ شامیانے سے نکل کر چلتا ہوا اسی پاتھ تک آیا جہاں وہ کچھ دیر قبل موجود تھی۔ یہاں آس پاس کا جائزہ لیا پر بے سود۔ اس نے لوگوں میں پھر اسے تلاش کیا۔ زنیرہ اور بلال تو موجود تھے پر ان کے ساتھ سارہ نہیں تھی۔

''کہیں گھر کے لیے تو نہیں نکل گئی؟'' خود سے سوچتے ہوئے وہ ایک ہی جست میں پیچھے پلٹا اور رفتار بڑھاتا ہوا چلتا چلا گیا۔ ایکٹیویٹی سینٹر کے ساتھ ملحقہ یہ بجی ہوئی سڑک اس وقت خالی تھی۔ تمام لوگ پروگرام دیکھنے میں مصروف تھے۔ وہ قمقمے سے بجی ہوئی سڑک کو پار کر گیا تھا۔ آس پاس طائرانہ نگاہ بھی ڈالتا جا رہا تھا۔ شاید کہیں بینچ پر بیٹھی ہو۔ پر ہر بار لوٹتی نگاہ ناکامی کے باعث اداسی میں ڈھل رہی تھی۔ وہ لائبریری کی بلڈنگ تک آ پہنچا تھا پر یہاں بھی کوئی موجود نہیں تھا۔ شام کا جھٹ پٹا آسمان پر پھیل رہا تھا۔ سورج اپنی نارنجی شعاعیں فلک پر پھیلاتا ہوا خیرباد کہہ رہا تھا۔ ٹھنڈ میں اضافہ ہو چلا تھا۔ وہ لب کاٹتا ہوا ادھر ادھر نگاہ دوڑائے اس امید پر چلتا جا رہا تھا کہ شاید وہ ابھی یہیں موجود ہے۔ اگلی بلڈنگ آئی ٹی کی تھی جسے پار کر کے اب مختصر سا راستہ مین گیٹ تک بچتا تھا۔ جوں ہی وہ اکیڈمک بلڈنگ تک پہنچا اسے وہ سیاہ شال میں لپٹی ہوئی جاتی دکھائی دی۔ زین بے یقینی کے عالم میں پل بھر کو رکا پھر ایک ہی جست میں بھاگتا ہوا گیا۔ وہ سر جھکائے چلتی جا رہی تھی جب زین اچانک رفتار بڑھاتے ہوئے اس کے راستے میں حائل ہو گیا۔ ٹھٹک کر سارہ نے نگاہ اٹھائی تو اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔ متورم آنکھیں لیے اس نے زین پر نگاہ ڈالی پھر نظریں چرا کر پلکیں جھپکنا شروع کر دیں تاکہ آنسوؤں کا راستہ پلٹ دے۔

''کیوں رو رہی ہو سارہ؟'' وہ کچھ توقف کے بعد سحر انگیز لہجے میں گویا ہوا تو سارہ کے اندر ارتعاش پیدا ہوا تھا۔

''تم سے مطلب؟'' وہ مشتعل سی گویا ہوئی تو زین کو اس کے دبے دبے غصے پر فرحت محسوس ہوئی۔ پرتراشے ہوئے لب اس وقت سنجیدگی لیے ہوئے تھے۔

''اتنی جلدی جانا ضروری ہے۔ ابھی تو پروگرام میں بہت کچھ باقی ہے۔'' وہ جس قدر نرم

انداز میں بات کر رہا تھا سارہ کا دل بھرتا جا رہا تھا۔ پر وہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔ نگاہیں نیچے کیے ہوئے اسے نظر انداز کرنے کی بھرپور کوشش میں لگی ہوئی تھی۔

''دیر ہو رہی ہے۔ جانا ہے۔'' اس نے کہہ کر اس کی دائیں طرف سے نکلنا چاہا پر زین نے اس کا راستہ روک دیا۔ سارہ نے ضبط کر کے بائیں طرف رخ کیا تو وہ پھر حائل ہوا۔

''زین۔'' اس نے زچ ہو کر جیسے ہی گھنیری پلکیں اٹھائیں تو نظروں کا تصادم ہو گیا۔ وہ چاہتا بھی یہی تھا۔ سارہ ایک بار نگاہ اٹھا لے۔

چہرے پہ خوشی چھا جاتی ہے آنکھوں میں سرور آ جاتا ہے
جب تم مجھے اپنا کہتے ہو اپنے پہ غرور آ جاتا ہے
تم حسن کی خود اک دنیا ہو شاید یہ تمہیں معلوم نہیں
محفل میں تمہارے آنے سے ہر چیز پہ نور آ جاتا ہے
ہم پاس سے تم کو کیا دیکھیں تم جب بھی مقابل ہوتے ہو
بیتاب نگاہوں کے آگے پردہ سا ضرور آ جاتا ہے
جب تم سے محبت کی ہم نے تب جا کے کہیں یہ راز کھلا
مرنے کا سلیقہ آتے ہی جینے کا شعور آ جاتا ہے

مشاعرہ کا پروگرام زور و شور سے چل رہا تھا۔ اسپیکر میں سے آواز گونجتی ہوئی ان دو نفوس کو احاطے میں گھیرے ہوئے تھی۔ سحر انگیز سی کیفیت تھی۔ اسے الفت بھری نگاہوں میں مزید دیکھنا محال لگ رہا تھا لہٰذا سنجیدگی میں جھجک کا عنصر لیے نگاہیں نیچے کر گئی۔

''کتنے وقت سے تم خاموشی سے سب کی باتیں سہتی رہیں، پر ایک بار بھی تم نے مجھے نہیں بتایا۔'' کچھ توقف کے بعد وہ گویا۔

''میرے کردار کی بدترین شکل بنا کر تمہارے سامنے پیش کی پھر بھی تم نے مجھ پر بھروسہ کیا۔''

زین کے کہتے ہی اس نے ماتھے پر شکن لیے زین کی جانب دیکھا۔ وہ یہ سب کیسے جانتا تھا؟

''تمہارا جتنا شکر گزار ہوں میں سارہ اس بات کا تم اندازہ بھی نہیں کر سکتیں۔ اب مجھے تم سے صرف ایک سوال ہے۔ نہ شازیہ نہ انوشہ۔ کوئی بھی نہیں۔ میں اس وقت صرف سارہ کو سننا چاہتا ہوں۔'' وہ چہرے کا توازن برقرار رکھے ہوئے ایک قدم آگے بڑھا تھا۔

''اب بتاؤ مجھے، کیا ہوا ہے؟ تم اتنا کیوں رو رہی ہو؟'' زین نے واپس وجہ پوچھی لیکن سارہ نے کوئی جواب نہیں دیا البتہ ستواں ناک شدتِ ضبط سے گلابی ہو رہا تھا۔ آنکھوں میں پھر آنسوؤں کی آمد آمد تھی۔

''تکلیف ہوتی ہے؟ پر سارہ میں تو وہی کر رہا تھا جو تم نے مجھے کہا تھا کرنے کو۔'' زین کا یہ کہنا تھا اور وہ متعجب سی زین کو دیکھے گئی۔

''تم نے جیسا جیسا کہا میں نے ویسا ہی کیا۔ تمہیں تو فرق نہیں پڑتا۔'' وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھ رہا تھا پر سارہ کی زبان تالو سے جا لگی تھی۔ وہ گتھی میں الجھتی جا رہی تھی۔

''فرق پڑتا ہے۔'' وہ کہہ کر راز پر سے پردہ اٹھا گیا۔

''بہت فرق پڑتا ہے...... کیوں سارہ؟'' وہ سوال کرتا ہوا اسے پھر نگاہوں سے تسخیر کر گیا تھا اور سارہ کے دل کی دھڑکن بے ترتیب ہو گئی تھی۔

''کیوں تم اپنے دل کی بات نہیں سمجھتیں؟ کیوں اسے ایک تجوری میں بند رکھتی ہو اور خود کو تو اذیت دیتی ہی ہو، پر ساتھ میں مجھے بھی اس میں شامل کرتی ہو۔''

سارہ سکتے کی حالت میں اسے دیکھے جا رہی تھی۔

''یا تو تم واقف نہیں ہو اور اگر اب ہو گئی ہو تو چھپا رہی ہو پر تم جتنا چھپا لو سارہ! تمہاری

آنکھوں سے مجھے تمہارے دل تک رسائی حاصل ہے۔ یہ آنکھیں اس دن چھت پر بھی وہی بات مجھ سے کہہ رہی تھیں جو آج کہہ رہی ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ تم زبان سے تسلیم نہیں کر رہیں۔" وہ گتھی کو جتنی آسانی سے سلجھا گیا سارہ کو اپنا آپ ہلکا محسوس ہوا تھا۔ دل کا زنگ آلود قفل کھل گیا تھا۔ بند دروازہ چرچر کی آواز سے کھلا تھا اور وہ شخص اس کی آنکھوں میں سما گیا تھا۔ تو یہ بن بلایا مہمان تھا جو دل میں گھر کیے بیٹھا ہوا تھا۔ جو بے چین رکھے ہوئے تھا اور اب سب جان کر وہ ان نگاہِ التفات کو مزید نہ دیکھ سکی۔ اس بار گھنیری پلکوں کی باڑ جو جھکی تو اس میں حیا کا عنصر زین کو نمایاں ہوا۔ وہ زیر لب مسکرایا تھا۔ زین نے کچھ کہا تھا اور نہ سارہ لب وا کر سکی تھی۔ ان کے درمیان بس خاموشی تھی جو باتیں کر رہی تھی اور وہ ہی ان کی اظہارِ محبت بن گئی تھی۔

یکا یک پروگرام سے تالیوں کی گونج اور ہوٹنگ کی آواز نے فسوں سازی کا اثر زائل کیا تھا۔ وہ دونوں اس سحر سے آزاد ہوئے تھے۔ زین کے چہرے پر سکون کی لہر در آئی تھی۔ پرکشش سی لڑکی کی یہ ادا دل لبھا گئی تھی۔ وہ دلچسپی سے اسے دیکھتا رہا۔

"دیر ہو رہی ہے جانا ہے۔" اس بار جب لبوں سے الفاظ ادا کیے تو جھجک کی آمیزش نے زین کے دل پر وار کیا تھا۔ وہ بغیر حجت کیے راستے سے ہٹ گیا اور اسے احتراماً جانے کا اشارہ کیا۔ وہ رکی نہیں لبوں پر مدھم سی مسکراہٹ لیے چلتی چلی گئی۔

☆......☆......☆

وہ اپسرا جب نظروں سے اوجھل ہوئی تو زین فاتحانہ مسکراہٹ لیے جھوم اٹھا۔ بے یقینی ہی بے یقینی تھی۔ کیا واقعی سارہ نے اشارہ دیا تھا یا محض اس کا گمان تھا؟ وہ پل بھر کو رکا۔ کہیں خواب تو نہیں؟ وہ کشمکش میں مبتلا ہوا۔ پھر خود ہی بائیں بازو پر چٹکی دی اور سی سی کرتا رہ گیا۔ بے خودی کا عالم تھا۔ وہ کبھی مسکرائے، کبھی فرحت سے آسمان پر نگاہ ڈالے، کبھی اسی راستے کو دیکھے

جہاں سے سارہ گزری تھی۔ وہ خوشی سے چمک اٹھا تھا۔

''زین! اتنا وقت بھی نہیں کہا تھا۔ اب تمہیں آ جانا چاہیے، لیڈر کی اس وقت ضرورت ہے۔'' واکی ٹاکی سے آواز ابھری تو اس نے پینٹ کی جیب سے شازیہ کا میسج سنا اور محظوظ ہوا۔

''ضرور محترمہ! آ رہا ہوں۔'' اس نے بشاشت سے کہا۔

''لگتا ہے دال گل گئی۔'' شازیہ کا قیاس نشانے پر تھا، زین نے مزید کچھ نہ کہا اور واپس باسکٹ بال کورٹ کی طرف بھاگا۔

مشاعرے کا پروگرام اختتام کو پہنچا تھا۔ اردو ادب سے متعلق تقریر کے لیے طلباء موجود تھے پھر اس کے بعد وی آئی پی کو اسٹیج پر بلا کر تحائف تقسیم کرنے کی سیریمنی باقی تھی۔ زین نے واپس اپنی پوزیشن سنبھال لی تھی اور تمام انتظامات دیکھنے لگ گیا تھا، پر وقتاً فوقتاً وہ ہاتھ میں پہنی ہوئی گھڑی پر وقت بھی دیکھ رہا تھا۔ اسے انتظار تھا کہ کب سارہ گھر پہنچے گی۔

''کتنا فرق ہے دونوں میں۔ ایک شاہ زیب تھا جو عزت کی دھجیاں کر رہا تھا تو دوسری طرف زین جو محافظ تو تھا ہی پر آہستہ آہستہ میرا دل کھول کر میرے ہی سامنے رکھ گیا۔'' وہ محو خیال رکشے میں بیٹھی گھر کے لیے روانہ ہوئی تھی۔ چونکہ مغرب کا وقت قریب تھا لہٰذا اس نے آج رکشے سے جانا مناسب سمجھا تھا ورنہ بہت دیر ہو جاتی۔

''کیا یہ ہی محبت ہے جس کا مجھے کبھی پتہ ہی نہیں چلا یا محض ایک وقتی احساس، ایک خیال ہے جو پل بھر میں ختم ہو جائے گا۔'' وہ سوچوں میں گم دیکھ تو آتی جاتی گاڑیوں کو رہی تھی پر ذہن کسی اور ڈگر پر چل رہا تھا۔

''کیسا شخص ہے، جو بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی وہ چند لمحوں میں دل میں اتار دی۔ اگر یہ محبت ہے تو پھر تو یہ بہت عجیب شے ہے، مجھے نہیں معلوم تھا کہ اتنی اذیت بھی دے سکتی ہے۔''

''آج زنیرہ کی باتوں کا احساس ہوتا ہے کہ وہ کیوں ایسے کہا کرتی تھی پر وہ تو سب مذاق میں کہہ جاتی تھی۔ جب کہ حقیقت تو کچھ اور ہی ہے۔ پر میں اب بھی ان جذبات کو صحیح سے سمجھ نہیں پا رہی۔ یا اللہ! تُو کس موڑ پر میری زندگی کو لے کر جا رہا ہے۔ کیا میرا اس یونیورسٹی میں جانے کا فیصلہ صحیح بھی تھا؟ کیا زین واقعی محبت کرتا ہے یا اسے بھی اپنے احساسات سمجھ نہیں آ رہے؟ شاید وہ مجھ پر ترس کھا رہا ہو یا شاید نہیں۔''

''شاز یہ صحیح کہتی ہے، زین کو سب ہی اچھے لگتے ہیں۔ یہ کیسی الجھن میں پڑ گئی ہوں میں۔ نہیں سارہ، ہوش کے ناخن لے یہ سب کیسے ممکن ہو گا جو تُو سوچ رہی ہے۔ کہاں وہ شہزادہ اور کہاں تُو۔'' ہر وقت منفی سوچ رکھنے والی سارہ آج بھی منفی خیالات پال رہی تھی۔

''یہ سب آخر میرے ساتھ کیوں ہو رہا ہے۔'' جیسے ہی اس کا گھر آیا وہ اپنے تخیل میں کرایہ دے کر گھر کی جانب بڑھنے لگی۔

''ویسے دیکھا جائے تو اس کے لیول کی لڑکی ہی اس کے ساتھ اچھی لگے گی۔'' یکا یک زنیرہ کی آواز گونجی اور سارہ کے قدم جامد ہو گئے۔

''میں تو دور دور تک بھی اس کے لیول کی نہیں ہوں، مذاق بن جائے گا۔ تمسخر اڑایا جائے گا۔ زین کا فیصلہ ہی غلط ہے۔ جو خوشی مجھے آج تک نہیں ملی وہ میرے ساتھ رہ کر اسے کیسے مل سکے گی؟'' اندھیرا کافی ہو گیا تھا۔ وہ گھر کی طرف تیز تیز قدم بڑھاتی ہوئی چلی گئی اور تھوڑی دیر میں گھر پہنچ گئی۔ پہلی بیل پر زینت نے دروازہ کھولا تھا۔

''السلام علیکم!'' ذہن میں کئی خیالات بناتے مٹاتے ہوئے اس نے کہا تھا۔

''وعلیکم السلام۔ دیر ہو گئی؟'' زینت نے قدرے مسکرا کر پوچھا۔

''جی رکشہ لے کر آ رہی ہوں پر ٹریفک اتنا تھا۔'' اس کی کہتے کہتے نظر کمرے پر گئی جہاں

فاروق بستر پر بیٹھے ہوئے تھے۔

''ماموں بھی آگئے۔ موڈ تو صحیح ہے نا؟'' اس نے سرگوشی میں سراسیمہ ہو کر زینت سے پوچھا۔

''ہاں ہاں، تمہارا پوچھ رہے تھے۔ تم فریش ہو جاؤ پھر کھانا لگاتے ہیں۔'' زینت نے کہا تو وہ سر کو جنبش دیتی ہوئی کمرے میں چلی گئی۔

بیگ اور شال بستر پر رکھ کر اس نے رخ جوں ہی باتھ روم کی طرف کیا تو سنگھار میز پر لگا شیشہ اس کے قدم جامد کر گیا۔ وہ آہستہ آہستہ قدم بڑھاتی ہوئی آئی اور اپنا عکس دیکھنے لگی۔ اس نے سوچوں کے گھوڑوں کو مزید دوڑایا اور زین کو اپنے برابر تصور کیا۔ پر یکلخت ہی اس کا چہرا مایوسی سے پیچھے ہوا۔

''یہ تو بہت بے جوڑ رشتہ ہے۔ بالکل بے موزوں۔ ہائے سوسائٹی میں اٹھنے بیٹھنے کے ٹھاٹ بھی الگ ہیں۔ میں کہاں اس لیول پر آسکتی ہوں۔'' وہ محویت میں پریشان سی خود کو دیکھے گئی۔

''نہیں، یہ راستہ غلط ہے۔ مجھے زین کو روکنا ہوگا۔ اسے سمجھانا ہوگا کہ جو وہ چاہ رہا ہے ناممکن ہے۔ میرے ساتھ ساتھ اس کی بھی تضحیک ہوگی۔ مجھے یہ یہیں ختم کرنا ہوگا۔ پر...... دل کو کیسے مناؤں؟'' وہ پل بھر کو متورم ہوئی تھی پھر اس کا دھیان بیگ کی طرف چلا گیا جس سے تمام سوچیں ہوا میں تحلیل ہوئی تھیں۔ اس کا فون بج رہا تھا۔ اسکرین پر زین کا نام دیکھ کر اس کی گلٹی ابھر گئی تھی۔ وہ کیوں فون کر رہا تھا؟ اس نے جھجکتے ہوئے کال ریسیو کی اور بستر کے ساتھ لگی کھڑکی سے دیکھتے ہوئے فون کان سے لگالیا۔

''ہیلو سارہ! تم ٹھیک ہو؟'' زین نے پوچھا۔ پس پشت سے لوگوں کی باتوں اور ہوٹنگ کی آوازیں فون پر بھی سنائی دے رہی تھیں۔

''ہاں میں صحیح ہوں، کیوں فون کیا ہے؟'' سارہ نے جیسے تیسے بات کی۔ دل کی دھڑکن آج پہلی بار اتنی تیز ہوئی تھی مانو دل اچھل کر باہر ہی آجائے گا۔

''تم گھر پہنچ گئی ہونا؟'' ویسے تو وہ اس کے تفکر آمیز انداز سے واقف تھی پر آج اس میں اپنائیت نے دل کو مزید ہوا دی تھی۔

''ہاں زین، پہنچ گئی ہوں۔'' سارہ نے کہا۔ پیچھے موبائل میں شور کافی سنائی دے رہا تھا جبکہ زین کورٹ سے فاصلے پر تھا لیکن لاؤڈ سپیکرز سے آوازیں آرہی تھیں جو فون پر بھی صاف سنائی دے رہی تھیں۔

''سارہ...... میں تم سے کچھ...... پوچھنا چاہتا ہوں۔'' وہ پل بھر کو رک کر گویا ہوا تو سارہ کی جھجھک میں اضافہ ہوا۔

''ک...... کیا پوچھنا چاہتے ہو؟'' سارہ کہہ رہی تھی کہ اپنے کاندھے پر بھاری ہاتھ محسوس کرتے ہوئے وہ ٹھٹک کر جوں ہی پیچھے مڑی تو فاروق کو سامنے پایا۔ ان کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ پہلے سے یہاں موجود تھے۔ زین کی آواز خود بخود معدوم ہوئی تھی اور فاروق کی قہر آلود نگاہ نے اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ دوڑادی تھی۔ فاروق نے اس سے موبائل لیا اور کان سے لگالیا۔ سارہ کا چہرا فق ہوا۔ زینت جو کچن میں کھانے کی تیاری کر رہی تھیں کمرے میں جو کچھ ہو رہا تھا، وہ بے خبر تھیں۔

''سارہ! میں پوچھنا چاہتا تھا کہ......'' زین نے لمبا سانس لیا جیسے خود کو تیار کر رہا ہو۔

''سارہ...... کیا تم مجھ سے شادی کرنا چاہتی ہو؟ اگر تمہارا جواب ہاں ہے، تو میں کل ہی اپنی والدہ کو رشتے کے لیے تمہارے گھر بھیج دوں گا۔'' وہ جیسے جیسے کہتا رہا فاروق کی آنکھوں میں سرخی بڑھتی رہی۔ سارہ ان کے چہرے کے اتار چڑھاؤ دیکھتی ہوئی لرز اٹھی تھی۔ فاروق

نے کینہ توز نگاہوں سے سارہ کو دیکھا اور پوری قوت سے موبائل دیوار پر دے مارا۔ اس افتاد کے لیے وہ ہرگز تیار نہ تھی۔ لہٰذا دم بخود رہ گئی۔ ٹھنڈ میں بھی اس کا ماتھا عرق آلود ہوا۔ پل بھر کو ذہن اس بات پر گیا تھا کہ زین نے آخر ایسا کیا کہا تھا۔

''م...... ماموں۔'' اس نے بمشکل لفظ ادا کیا تھا کہ فاروق کا خون کھول گیا۔ الٹے ہاتھ کا تھپڑ انہوں نے پوری طاقت سے جوں ہی سارہ کے منہ پر رسید کیا، وہ بستر کے سرہانے جا گری۔ چیخ کی آواز سے زینت جو کچن میں مصروف تھیں چونک کر پیچھے مڑیں اور بھاگی ہوئی سارہ کے کمرے میں جا پہنچیں۔

سارہ کو زمین پر گرا ہوا دیکھ کر وہ ایک جست میں اس کے پاس آئی تھیں۔ سارہ نے کراہتی ہوئی پھولی سانس سے جب سر اٹھایا تو زینت حواس باختہ ہو گئیں۔ اونکس کی انگوٹھی دائیں گال پر ضرب دے گئی تھی جہاں سے خون رس رہا تھا۔

''یا اللہ! کیا ہوا؟ کیا کر رہے ہیں آپ۔'' زینت چلا اٹھیں۔

''ہیلو، ہیلو سارہ۔'' جواب نہ پا کر وہ فون کی اسکرین کو دیکھنے لگا تو کال منقطع پائی۔ اس نے پھر کال کی اور فون کان سے لگا لیا۔

''آپ کے مطلوبہ نمبر سے فی الحال رابطہ ممکن نہیں، برائے مہربانی کچھ دیر بعد کوشش کیجئے۔'' زین نے واپس کال کاٹ کر پھر کال لگائی لیکن تب بھی وہی جواب آیا۔

''لگتا ہے بیٹری ڈیڈ ہو گئی ہے موبائل کی۔'' زین نے کال بند کی اور فون جیب میں رکھ کر باسکٹ بال کورٹ چلا گیا۔

یہاں فاروق کا غصہ ساتویں آسمان کو پہنچ گیا تھا۔ وہ جارحانہ انداز میں دو قدم آگے بڑھے تھے کہ زینت چیخ پڑیں اور ڈھال بن کر ان کے سامنے آ گئیں۔

''بس کردیں، مار ڈالیں گے کیا۔ کیا قصور ہے اس کا؟'' وہ چیخنے لگی تھیں۔

''مجھ سے کیا پوچھتی ہو، اس منحوس سے پوچھو۔ ہمارے پیٹھ پیچھے کیا گل کھلاتی رہی ہے۔'' فاروق نے کٹیلے لہجے میں کہا تھا جس سے سارہ سٹپٹا گئی۔ زینت نے سارہ کو سوالیہ نگاہ سے دیکھا جس کی آنکھوں سے سیال بہہ رہا تھا۔ وہ گردن نفی میں ہلاتی ہوئی بات کی تردید کر رہی تھی۔

''سارہ! کیا ہوا ہے؟'' زینت نے پیار سے پوچھا جس سے سارہ کو ہمت ملی۔

''مامی! ایسا کچھ نہیں ہے۔ میں نے ایسا کچھ نہیں کیا ہے۔ میری بات مانیں۔ ایسا کچھ نہیں ہے۔'' سارہ رو رو کر اپنی صفائی پیش کرنے لگی۔

''خاموش ہو جا ورنہ یہیں تیری زبان کاٹ کر رکھ دوں گا۔'' سارہ کی روح تک لرز گئی تھی۔ اگر زینت دیوار بنی کھڑی نہ ہوتیں تو وہ آج زمین میں دفن ہوتی۔

''بہت قدر ہے نا تمہیں اس بھانجی کی۔ پوچھو اس سے۔ شاہ زیب کے ساتھ شادی کا فیصلہ آگے کس نے کیا تھا۔'' فاروق کا یہ کہنا تھا کہ سارہ سکتے میں آگئی اور یہ سن کر زینت حیرانی سے فاروق کو دیکھنے لگیں۔

''ہاں! صحیح کہہ رہا ہوں میں، اس نے کہا تھا شاہ زیب کو شادی آگے کرنے کے لیے۔ وہ تو تھا ہی ایسے کردار کا پر یہ کون سی پاک دامن ہے۔ یونیورسٹی کا بول کر جاتی ہے، اور وہاں، چھی...... شرم آتی ہے مجھے اسے اپنی بھانجی کہتے ہوئے۔'' وہ کف اڑاتے ہوئے لغو بول رہے تھے اور زینت متحیر سی سوالیہ نظروں سے سارہ کو دیکھنے لگیں۔

''ماموں! ایسا کچھ نہیں ہے جیسا آپ سوچ رہے ہیں، میرے کردار کو خراب مت کہیں، خدا کا واسطہ۔'' سارہ نے ہاتھ جوڑ کر رندھی ہوئی آواز میں کہا۔

''تو تُو مجھے یہ بتا کہ یہ فون پر پھر کون تھا۔'' فاروق چیخ پڑے اور سارہ مزید زور زور سے

رونے لگی۔ کیا کہتی؟ کس طرح صفائی پیش کرتی۔ اسے تو معلوم بھی نہیں تھا زین نے ایسی کیا بات کہی تھی جس سے فاروق اس قدر بھڑک گئے تھے۔

"آپ بات سنیں۔ غلط فہمی ہو سکتی ہے۔ آرام سے بیٹھ کر بات کر لیتے ہیں۔" زینت نے فاروق کو سمجھانا چاہا۔

"کیا غلط فہمی؟ اپنے کان سے سنا ہے میں نے۔ تُو مجھے یہ بتا کون ہے یہ لڑکا! تُو نے اس کی خاطر اپنا رشتہ توڑا تھا اور اب تیرا ارادہ کیا ہے، بتا مجھے میری عزت مٹی میں ملا کر تو بھاگ جانا چاہتی ہے اس گھر سے۔" وہ آگ کی مانند بھڑکے تو سارہ کے اوسان خطا ہو گئے۔ ان کا کرخت انداز اس قدر عبرت ناک تھا کہ زینت جو سارہ کو بچانا چاہتی تھیں سامنے آئیں پر فاروق پر غصے کا بھوت سوار تھا ایک ہاتھ سے زینت کو کھینچ کر ہٹایا۔ وہ توازن کھوتی ہوئی گر پڑیں اور سائیڈ میز کا کونا کن پٹی سے ٹکرا گیا۔

"مامی۔" سارہ چیختی ہوئی ان کے پاس لپکی۔ اس نے جھک کر زینت کو اٹھایا اور اپنی جانب ان کا سر کیا۔ وہ تکلیف سے سر پکڑے بیٹھی تھیں۔

"تیری...... صرف تیری وجہ سے یہ سب ہو رہا ہے کہ آج مجھے اپنی بیوی پر ہاتھ اٹھانا پڑا۔ منحوسیت لیے تُو نے میرا گھر برباد کر دیا۔ تیری ماں تو اس قابل تھی ہی نہیں تُو بھی ناک میں دم کر گئی ہے۔ اپنی عزت پیاری نہ تھی تو میری عزت کا ہی خیال رکھ لیتی کمبخت۔"

"بس۔" وہ غصے اور ملال کے امتزاج سے چلا اٹھی۔

"میرے کردار کے بارے میں کچھ مت کہیں ماموں۔ میں اللہ کو حاضر رکھ کر کہتی ہوں میں نے ایسا کچھ نہیں کیا۔" وہ ضبط توڑ کر بول اٹھی تھی۔

"ابھی بھی زبان چلاتی ہے۔" وہ پھر آگے بڑھے تھے کہ زینت جیسے تیسے اٹھ کر ان کے

سامنے ہاتھ جوڑ گئیں۔

''بس کردیں۔ مار ڈالیں گے کیا، بچی ہے بس کردیں۔'' وہ گڑگڑا اٹھی تھیں۔

''مارنا چاہتے ہیں تو مار ڈالیں، زندگی تو چھین گئے ہیں مجھ سے ایسی تہمت لگا کر اب فقط سانس باقی رہ گیا ہے وہ بھی ختم کردیں۔ پر آخری بار کہہ رہی ہوں مجھے اور میری ماں پر ایک لفظ مت کہیے گا۔'' وہ آگ کے ساتھ کھیلتی ہوئی شعلہ بار آنکھوں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔ جسم الگ متزلزل تھا پر اس کا ضبط کا پیمانہ لبریز تھا۔ زینت دونوں کو روکتی ہوئی خود بیچ میں پسے جا رہی تھیں پر فاروق اس بار وہیں کھڑے اسے قہر آلود نگاہ سے دیکھ رہے تھے۔

''تیرا تو میں بندوبست کر گیا ہوں۔ سن لے زینت، اب یہ یونیورسٹی نہیں جائے گی۔ بشیر کے لڑکے سے اس کے رشتے کی بات طے کردی ہے میں نے۔ اگر یہ گھر سے نکلی تو تجھے تو طلاق دوں گا ہی اس کے پیر پہلے توڑوں گا۔'' وہ لفظوں سے بھسم کر رہے تھے۔ زینت پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی تو سارہ ساکن سی کھڑی کی کھڑی رہ گئی تھی۔ وہ ڈگ بھرتے ہوئے گھر سے نکل گئے تھے۔ زینت نے روتے ہوئے سارہ کو دیکھا جس کی آنکھیں الاؤ ہو رہی تھیں۔ وہ ایک دم یہاں وہاں زینت کا فون ڈھونڈنے لگی تھی۔

''امی! فون دیں اپنا۔'' اس نے زینت سے مشتعل ہو کر کہا۔

''کیا کرنا ہے تم نے؟'' وہ کپکپاتے ہوئے گویا ہوئیں۔

''پولیس کو بلاؤں گی۔'' وہ ہیجانی کیفیت لیے یہاں وہاں فون ڈھونڈ رہی تھی اور زینت کا رنگ فق کر گئی تھی۔

''نہیں سارہ، نہیں ایسا مت کرنا۔ کیا ہو گیا ہے تمہیں کیوں تماشا بنا رہی ہو؟'' وہ ہاتھ جوڑتی ہوئی بلکتی ہوئی کہہ رہی تھیں۔

”آپ کو نظر نہیں آتا کہ یہ ناانصافی ہے، ماموں غلط کر رہے ہیں اور آپ پھر بھی چپ ہیں؟ آپ کیوں ان کے خلاف کھڑی نہیں ہوتیں، میں دوں گی آپ کا ساتھ۔ مجھ پر ہاتھ اٹھایا ٹھیک ہے پر آپ کو کس جرم میں دھکا دیا اور طلاق تک بات لے گئے۔“ اس کا غضب سر چڑھ کر بول رہا تھا۔

”نہیں سارہ، میں تمہارے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں۔ تم ایسا کچھ مت کرنا، شوہر ہیں وہ میرے۔“ وہ گڑگڑاتی ہوئی اسے لجاجت سے کہہ رہی تھیں پر سارہ کی آنکھوں میں آگ ہی آگ تھی۔

”شوہر ہیں خدا تو نہیں جو جزا اور سزا کا فیصلہ سنا دیں۔ آپ کو یہ سب غلط نہیں لگتا؟“ اپنے کردار پر کیچڑ کی کراہیت اسے اندر تک تلملا رہی تھی۔

”لگتا ہے غلط، لیکن میں تمہاری طرح باہمت نہیں ہوں سارہ، میرے لیے صرف میرے لیے اپنی زبان پر لگام دے دو۔ مت کرو ایسا۔ مجھے بتاؤ تمہیں کیا حاصل ہوگا۔ مزید تمہاری بدنامی ہوگی۔ پولیس آ کر کچھ نہیں کرے گی۔ میری خاطر سارہ، میرے لیے بچہ، ایسا مت کر۔“ وہ پُرالم سی دوزانو بیٹھتی چلی گئیں۔ ان کی بے بسی دیکھتے ہوئے سارہ کا پارہ گرتا رہا۔ زینت کی کن پٹی پر نظر گئی تو وہاں مار کا نشان اسے مزید اپنا قدم روکنے پر مجبور کر گیا۔ زینت دوزانو بیٹھی ہچکیوں سے رو رہی تھیں اور وہ ساکت بے حرکت مجسمہ بنی رہی۔

☆......☆......☆

رات کا دوسرا پہر تھا جب زینت نے کروٹ لے کر فاروق کو محو استراحت پایا۔ نیند تو ان کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی اور انہیں علم تھا کہ سارہ بھی بے خوابی کے عالم میں ہوگی۔ انہوں نے بغیر آواز کیے بستر سے اتر کر سارہ کے کمرے کا رخ کیا۔ دروازہ کھولتی ہوئی وہ پل بھر کو رکی

تھیں۔ وہ بت بنی ہوئی بستر پر بیٹھی دیوار سے ٹیک لگائے ہوئے تھی۔ گھٹنے سینے سے قریب کیے ہوئے بازوؤں کے حالے کی گرفت میں تھے۔ اس کی نگاہیں غیر مرئی نقطے کو تک رہی تھیں۔ چہرے کا رخ کھڑکی کی طرف کیا ہوا تھا۔ ایک جیتا جاگتا انسان محض صرف سانس لینے کی مانند۔ اس کا سپاٹ چہرا دیکھ کر زینت کا دل پسیج گیا۔ وہ چلتی ہوئی اس کے پاس آ بیٹھی تھیں۔ بائیں گال پر خون رسنا بند ہو گیا تھا اور چند قطرے سوکھ کر کھرنڈ بن گئے تھے۔ بڑا سا نیل کا نشان اور سوزش اب مزید نمایاں ہو رہی تھی۔ زینت نے بستر پر رکھی ٹیبلٹ دیکھی جو ویسے کی ویسے ہی پڑی ہوئی تھی۔

''سارہ! دوائی کیوں نہیں لی بیٹا۔ میں نے کہا بھی تھا لے لینا۔'' انہوں نے سارہ کو نرمی سے ٹوکا جس کے جسم میں کوئی جنبش نہ ہوئی۔

''جو تکلیف مجھے پہنچی ہے وہ اس درد کے آگے کچھ بھی نہیں۔'' اس نے زیر لب کہا اور زینت افسردگی کے ساتھ نگاہیں نیچے کر گئیں۔

''جانتی ہیں مامی، جس بے دردی سے شاہ زیب مجھے کھینچ کر لے جا رہا تھا وہ کیفیت میں لفظوں میں نہیں بتا سکتی۔ مجھے لگا تھا آج موت کا دن ہے کیونکہ اس کی حیوانیت نے میری روح کو چھلنی کیا تھا۔ پر اب معلوم پڑتا ہے کہ وہ درد بھی کم تھا اس تکلیف سے جو مجھے آج ملی ہے۔ میں سب کچھ برداشت کر سکتی ہوں پر اپنے کردار پر گند نہیں۔'' وہ جذب کے عالم میں بغیر کسی جنبش کے کہہ رہی تھی۔ اس کے بائیں گال پر آوارہ لٹیں پھیلی تھیں جنہیں نرمی سے زینت نے کان کے پیچھے کیا۔ پھر اس کے سر کو اپنی ہتھیلی سے سہارا دے کر اپنے قریب کر لیا۔ وہ کٹھ پتلی کی مانند ان کے سینے سے جا لگی۔ آج پہلی بار سارہ کو ممتا کا احساس ہوا تھا۔ ساکت وجود میں حرکت پیدا ہوئی اور وہ زار و قطار رو پڑی۔ کتنی دیر وہ ہچکیاں لیے روتی رہی تھی جب

زینت کو احساس ہوا کہ اس کا دل ہلکا ہو رہا ہے تو لب وا کیے۔

''اُس اذیت سے تمہیں اللہ نے بچایا۔ اِس تکلیف سے بھی وہی بچائے گا۔ مجھے یہ بتاؤ کیا یہ وہی فرشتہ صفت انسان تھا جس نے تمہیں شاہ زیب کے غضب سے محفوظ رکھا تھا؟'' وہ سہل انداز لیے بھرپور محبت سے گویا ہوئی تھیں۔

''جی۔'' سارہ نے کہا۔ وہ اب بھی ان کے سینے سے لگی تھی۔

''اس لڑکے کی اللہ عمر دراز کرے جس نے تمہاری حفاظت کی۔ بلاشبہ وہ اچھے کردار کا ہوگا جس کا حسنِ اخلاق گواہی دے رہا ہے۔'' وہ نرمی سے کہہ رہی تھیں اور سارہ سن رہی تھی۔

''محبت کرتا ہے تم سے؟'' وہ کچھ توقف کے بعد جھجک کر گویا ہوئیں تو سارہ نے سر اٹھا کر ان کی جانب دیکھا۔

''اور کیا تم بھی؟'' وہ کچھ نہ کہہ سکی تو زینت نے مزید سوال کیا۔

''دوست ہے۔ بہت اچھا اور سچا دوست۔'' وہ نظریں نیچے کیے کہنے لگی اور زینت ہمہ تن گوش تھیں۔

''محبت؟ کبھی اس نے لفظوں سے اعتراف نہیں کیا۔ پر اشارتاً یہی لگا۔ باتیں تو بے لفظ تھیں ہمارے درمیان پر دل کا راستہ ایک ہی معلوم ہوا۔ وہ بھی آج۔'' اس نے زینت کی جانب دیکھا۔

''اس سے پہلے تو کچھ تھا ہی نہیں۔ لیکن امی! میں اللہ کی قسم کھا کر کہتی ہوں۔ مجھے جب یہ آج اندازہ ہوا تو میں نے پیچھے ہٹنے کا فیصلہ کرلیا۔ میں نے یہ تک سوچ لیا تھا کہ اسے روک دوں گی۔ کیونکہ رشتہ سراسر بے موزوں ہے۔ میں فقط سطحی طبقے کی لڑکی اور وہ چاند کی مانند جسے تھامنا ناممکن ہے۔ کیسے یہ رشتہ ہوسکتا تھا۔ میں نے ارادہ کرلیا تھا کہ سب ختم کردوں گی۔ اگر کچھ ہوتا تو

میں آپ کو بے خبر نہیں رکھتی۔ میرا یقین کریں میں نے ایسا کچھ نہیں کیا جس سے میرے والدین یا آپ لوگوں کا نام ڈوبے۔'' وہ جس قدر وثوق سے کہہ رہی تھی زینت اسے سنتی گئی تھیں۔ ان کا ارادہ وضاحت مانگنا نہیں تھا۔ وہ بس سارہ کا دل ہلکا کرنا چاہتی تھیں۔ جس لڑکی نے پہلے کوئی قابل اعتراض کام نہ کیا، وہ اب بھی نہیں کر سکتی تھی۔ آخر کو غیرت مند ماں باپ کا خون تھی۔ زینت کو پختہ یقین تھا کہ سارہ اپنے بزرگوں کا بھروسہ کبھی نہیں توڑ سکتی تھی۔

''کیا بہت امیر ہے؟'' اس کی باتوں سے زینت نے اندازہ لگا کر پوچھا تو سارہ نگاہیں نیچے کر گئی۔ اس کا جواب مثبت پا کر زینت نے ترحم بھری نگاہ سے سارہ کو دیکھا۔

''محبت پر اختیار نہیں ہوتا بیٹا! پر میں تمہیں یہی کہوں گی کہ ہم نچلے طبقے کے لوگوں کو ہر قدم پھونک کر چلنا پڑتا ہے۔ پیر اتنے ہی پھیلاؤ جتنی چادر ہے۔ تمہارا فیصلہ درست ہے پر یہ بتاؤ اب دل کا کیا کرو گی، نکال لو گی اسے؟'' زینت نے پوچھا۔

''نکال دیا۔'' وہ برجستہ بولی۔ ''میرے لیے عزت اہم ہے محبت نہیں۔ میں محبت کے بغیر تو رہ سکتی ہوں پر عزت کے بغیر مر جاؤں گی۔ ماموں جس پر ہاتھ رکھیں گے میں اپنا سر خم کیے شادی کے لیے تیار ہوں۔ شاید اسی طرح انہیں میری پاک دامنی کا یقین آ جائے۔'' وہ قطعیت بھرے انداز میں گویا ہوئی تو زینت کی آنکھیں متورم ہونے لگی تھیں۔ البتہ سارہ کا دل یہ کہتے ہوئے زور سے دھڑکا تھا۔ دل میں بیٹھے بن بلائے مہمان کو بے دخل کرنے کی ناکام کوشش میں اپنا آپ تباہ ہو رہا تھا۔

''ان کی طرف سے میں تم سے معافی مانگتی ہوں بیٹا۔ سچ پوچھو تو اگر مجھے اختیار ہوتا تو میں پُرتپاک انداز سے تمہارے رشتے کو خیر مقدم کرتی۔ اور خوشی خوشی تمہیں بیاہتی کہ محبت کی شادی کوئی گناہ نہیں پر میرے قدم بندھے ہیں۔ میں اس کے علاوہ کچھ نہیں کر سکتی کہ تمہیں دلاسہ

دوں، تمہاری امیدیں باندھوں۔ تمہارے ماموں دقیانوسی سوچ رکھتے ہیں۔ انہیں یہ برداشت نہ ہوا، اسی لیے بگڑ گئے۔ پر مجھے تم پر پورا بھروسہ ہے۔ تم گیارہ سال کی تھیں تب سے میرے پاس ہو۔ میری بیٹی نہ سہی بیٹی جیسی تو ہو۔ سچ پوچھو تو سارہ، مجھے خوف آتا ہے قیامت کے دن سے جب پہلے اللہ کو پھر روبینہ کو کیا منہ دکھاؤں گی۔ تمہارا خیال نہ رکھ سکی میں۔'' وہ سوچ سوچ کر بلک اٹھی تھیں۔

''مامی......'' اس نے ہتھیلی سے ان کا چہرا تھاما۔

''میں نے اللہ کو حاضر رکھ کر کہا ہے کہ آپ نے اپنا فرض پورا کیا۔ امانت میں خیانت نہیں کی۔ مجھے آپ سے کوئی شکایت نہیں۔ پر ماموں کا مجھے مت کہیے گا میں انہیں معا......'' وہ کہہ رہی تھی کہ زینت نے ہاتھ اس کے لب پر رکھ دیے۔

''نہیں سارہ۔ جذبات میں آ کر کوئی ایسی ویسی بات مت کرنا۔ میری خاطر میری محبت میں انہیں معاف کر دینا۔ لاکھ برے سہی پر کوئی ایک وجہ بھی ملے تو معاف کر دینا۔ اللہ کا قہر ناقابل برداشت ہے۔ انسان کی طاقت نہیں کہ سہہ سکے۔ اگر مجھ سے محبت ہے تو انہیں بھی معاف کر دینا بیٹا۔'' وہ لہجے میں لجاجت لیے کہہ رہی تھیں پر سارہ کی زبان تالو سے جا لگی۔ اس نے کوئی اشارہ نہ دیا۔ زندگی کھونے لگی تھی۔ وہ بت بنی ہوئی زینت کو پتھرائی آنکھوں سے دیکھتی رہی تھی۔

☆......☆......☆

''بہت خوبصورت ہے۔ مجھے نہیں معلوم تھا تمہارا انتخاب اس قدر نفیس ہوگا زین!'' ارم انگوٹھی کو ستائش بھری نگاہ سے دیکھتی ہوئی زین سے گویا ہوئی تھیں جو وہ کچھ لمحہ قبل خرید کر لایا تھا۔ یہ نازک سی سونے کی انگوٹھی تھی جس پر تین ہیرے جڑے ہوئے تھے۔ اطراف کے دونوں

ہیرے وسط ہیرے سے قدرے چھوٹے تھے جس سے وسط ہیرا مزید نمایاں ہو رہا تھا۔ وہ اس کی مخروطی انگلیوں پر اس انگوٹھی کو تصور کر کے مسکرا رہا تھا پر ساتھ ہی ساتھ فکرمند بھی تھا۔ صبح سے دوپہر ہونے کو آئی تھی۔ وقتاً فوقتاً وہ کئی کالز سارہ کو کر گیا تھا پر ہر بار رابطہ ممکن نہیں ہو پایا تھا۔

''تو اب آپ کیا چاہتے ہیں زین صاحب!'' ارم کے پوچھنے پر وہ محوِ خیال سے لوٹا۔

''کب جانا ہے پھر آپ کے رشتے کے لیے؟'' ارم نے مسکرا کر کچھ چھیڑ کر کہا تھا۔

''مام! کچھ وقت رک جائیں۔ ابھی تو میں اس سے پوچھ بھی نہیں پایا کہ وہ مجھ سے شادی کرنا چاہتی بھی ہے یا نہیں۔'' وہ کشمکش میں مبتلا ارم سے گویا ہوا۔

''جب محبت ہے تو دیر کس بات کی۔ ایک کام کرتے ہیں سرپرائز دیتے ہیں اسے۔ ویسے بھی جب سے تم نے مجھے سارہ کا بتایا ہے میں بے تاب ہوں ملنے کے لیے۔ دیکھوں تو میرے اکلوتے سپوت کی پسند کیسی ہے؟'' وہ چہرے پر فرحت لیے تجسس سے گویا ہوئیں۔

''جی جی مام! آپ ضرور ملیں گی اس سے اور مجھے یقین ہے وہ آپ کو بے حد پسند آئے گی پر سرپرائز والا آئیڈیا فلاپ ہے۔ میں اس کی مرضی جانے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھا سکتا۔'' اس کے کہنے پر ارم نے بسورتی شکل بنالی۔

''ٹھیک ہے بھئی پھر آپ ان سے پوچھیے اور ہمیں بتایئے۔ ہم تو ایور ریڈی ہیں۔'' ارم نے کہا۔ زین نے پھر موبائل نکال کر کال کرنے کی کوشش کی پر بے سود۔ اس کی پریشانی میں اضافہ ہو رہا تھا۔ اب اسے کل کا انتظار تھا۔

اگلے دن وہ بہت جلدی یونیورسٹی پہنچا تھا۔ آج مینجمنٹ اکاؤنٹنگ کا آخری اور فائنل اسائنمنٹ جمع کروانا تھا اور ساتھ ہی آخری کلاس بھی لینی تھی جو بے حد اہم تھی۔ زین جانتا تھا سارہ کسی صورت بھی یہ کلاس نہیں چھوڑ سکتی تھی۔ وہ سب سے پہلے کیفے چلا گیا جہاں اس کے

چند دوست اس وقت آئے ہوئے تھے اوران کے ساتھ بیٹھ گیا۔ گاہے بگاہے وہ فون پر وقت بھی دیکھے جا رہا تھا۔ اسے اندازہ تھا کہ سارہ کتنے بجے تک آجاتی تھی اور یہ موقع وہ ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہتا تھا۔ جو بات فون پر نہ ہو سکی وہ بات سارہ کے سامنے کرنے کا ارادہ رکھے ہوئے اس کا منتظر تھا۔ اسے اندازہ تھا کہ جتنا وہ آگے کا سوچ کر پریشان ہو رہا تھا اس سے کہیں زیادہ سارہ تذبذب کا شکار ہوگی۔ پر اس نے ہر اقدام سوچ رکھا تھا اور اس کے حوالے سے سارہ کو آگاہ کرنا چاہتا تھا۔ جیسے ہی اس نے دیکھا کہ سارہ کا آنے کا وقت ہونے لگا ہے وہ وہاں سے اٹھ گیا اور سیدھا مینجمنٹ اکاؤنٹنگ کی کلاس کی جانب چلا گیا۔

وہ تیز قدم بڑھاتا ہوا کلاس تک گیا۔ دروازہ کھول کر اندر دیکھا تو کوئی بھی نہیں تھا۔ کمرا ابھی اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس نے دروازہ بند کیا اور کلاس کے برابر دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا اور سارہ کا انتظار کرنے لگا۔

جیسے جیسے گھڑی کے کانٹے سرکتے رہے، کلاس میں طلباء آنا شروع ہو گئے تھے پر وہ اب تک نہیں آئی تھی۔ ہر گزرتے سیکنڈ کے ساتھ زین کے دل کی دھڑکن بھی تیز ہو رہی تھی۔ وہ سرگرداں ہوتے ہوئے فون نکال کر پھر اسے کال کرنے لگا۔ اس امید پر کہ شاید اب لگ جائے پر وہ ہی جواب آیا جسے سن سن کر اس کی اکتاہٹ میں مزید اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ جب سر کلاس میں آئے تو وہ بھی مایوسی کے عالم میں کلاس میں چلا گیا۔

جیسے تیسے یہ کلاس گزاری تھی۔ سارا وقت صرف اس کا ہی خیال تھا کہ وہ کہاں تھی۔ جب کلاس کے آخر میں سر نے سب کے اسائنمنٹ لیے تو وہ سر کے پاس یہ پوچھنے چلا گیا کہ آیا سارہ نے پہلے اسائنمنٹ دے دیا ہو پر سر نے نفی میں سر ہلا دیا اور کہا کہ وہ آج ہی سب کے اسائنمنٹ لے رہے ہیں۔ کلاس ختم ہو گئی تھی اور سب طلباء باری باری کلاس سے نکل رہے

تھے۔ وہ محویت کی حالت میں کلاس سے باہر آ گیا۔ دل میں بے چینی تھی جو اسے انجانے اندیشوں میں مبتلا کر رہی تھی۔

"کیا ہو سکتا ہے اس کے ساتھ؟ کہیں راستے میں کچھ...... نہیں نہیں، ایسا نہیں ہے۔" زین نے اپنا سر اس طرح جھٹکا جیسے کسی برے خیال سے پیچھا چھڑانا چاہتا ہو پھر ایک دم اسے زنیرہ کا خیال آیا۔ اس نے فوراً موبائل نکالا اور زنیرہ کو کال لگا دی۔ بیل جانا شروع ہو گئی تھی اور تھوڑی دیر میں ہی اس نے فون اٹھا لیا۔

"السلام علیکم زین، کیا حال ہیں؟" زنیرہ نے پوچھا۔ وہ کیفے میں بلال کے ساتھ موجود تھی۔

"وعلیکم السلام زنیرہ! تم یونیورسٹی میں ہو؟" زین نے استفسار کیا۔

"ہاں میں یونیورسٹی آئی ہوں آج، کیوں کیا ہوا؟" زنیرہ نے کہا۔

"تمہیں سارہ صبح سے دِکھی ہے یونیورسٹی میں یا اس نے تمہیں فون کر کے کچھ بتایا ہے؟" زین نے برجستہ پوچھا۔

"نہیں۔ مجھے تو وہ نہیں دکھی، اور ایسی میری اس سے کوئی بات ہوئی نہیں ہے، کیا ہوا سب خیریت ہے؟" زنیرہ نے پوچھا۔

"وہ آج ضروری اسائنمنٹ دینا تھا پر وہ آئی ہی نہیں جبکہ وہ ایسی چیزوں کو کبھی مس نہیں کرتی اس لیے سوچا پوچھ لوں۔" زین نے محتاط رہ کر بات کی۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ زنیرہ کو کسی بھی بات کا شک ہو۔

"ہاں بات تو صحیح کہہ رہے ہو، ارے وہ کل آئے گی۔ اس نے ہی ایک بار باتوں میں بتایا تھا کہ اس کی منگل کو پریزنٹیشن ہے۔ اور یہ بھی گروپ پریزنٹیشن تو کیسے مس کرے گی۔ ہو سکتا ہے کل آ کر اسائنمنٹ بھی جمع کر دے۔" زنیرہ کے قیاس نے زین کو پھر موہوم سی

امید دلا دی۔ اس نے بات ختم کی اور وہیں کچھ دیر کھڑا رہا۔ اس کے بعد اس کی کوئی کلاس نہ تھی پر اس امید پر کہ شاید وہ آجائے۔ زین گھر نہیں گیا۔ وہ اکیڈمک بلڈنگ کے پاس کبھی دوستوں کے ساتھ تو کبھی اکیلا انتظار کرتا رہا۔ پر یہاں سے جو مین گیٹ نظر آرہا تھا وہاں سے اس کے آنے کے کوئی آثار نہ دکھے۔ یوں ہی پورا دن گزر گیا اور وہ نا امید ہو گیا لیکن ابھی بھی کل کا دن تھا جس کا اسے بے صبری سے انتظار تھا۔ اس دوران بھی وہ کتنی بار سارہ کو فون کرتا رہا تھا پر ہر بار وہی جواب آجاتا۔

اگلے دن بھی زین یونیورسٹی جلدی پہنچا تھا۔ اس نے ایک دن قبل زنیرہ کو فون کر کے یہ معلومات حاصل کر لی تھیں کہ سارہ کی کس سبجیکٹ کی پریزینٹیشن تھی۔ زین کو علم تھا کہ سارہ کی کلاس کہاں تھی اور وہ سیدھا اکیڈمک بلڈنگ چلا گیا۔ اس نے کلاس سے فاصلے پر موجود کرسی پر بیٹھ کر انتظار کرنے پر اکتفا کیا تھا۔ جو ہونا تھا اس ڈیڑھ گھنٹے میں ہونا تھا اور آج زین کے مطابق سارہ کو لازمی آنا تھا۔ جیسے جیسے کلاس شروع ہونے کا وقت قریب آرہا تھا۔ اس کمرے میں طلباء کا رش بڑھنے لگا تھا۔ سب تیاریاں کرتے نظر آرہے تھے پر سارہ موجود نہیں تھی۔ زین نے عقابی نگاہ رکھی ہوئی تھی لہٰذا اسے یہ تو یقین تھا کہ سارہ اس کی نظروں سے اوجھل نہیں ہوئی تھی پر نادان دل کو منانا آسان کہاں تھا؟ وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور سارہ کی کلاس کی طرف چلا گیا۔ دروازہ کھلا تھا۔ اس نے ہر کرسی، ہر کونا دیکھا پر سارہ کہیں نہیں تھی۔ یہ ماجرہ کیا تھا؟ آج کا دن سارہ جیسی ہوشیار لڑکی کبھی نہیں چھوڑ سکتی تھی۔ پھر یہ سب کیا ہو رہا تھا؟ وہ پیچھے مڑ کر جانے لگا تھا کہ پشت سے چند لڑکیوں کی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔ اس نے پوری توجہ سے سنا تو پتہ چلا تھا کہ یہ وہی گروپ تھا جس میں سارہ بھی ممبر تھی اور وہ سب آپس میں یہ ہی بات کر رہے تھے کہ سارہ نے اتنے دن میں فون کیا اور نہ ہی اسے فون لگا۔ وہ کافی ٹینشن میں

لگ رہی تھیں کیونکہ گروپ کا ایک ممبر آج فائنل پریزینٹیشن کے دن نہیں آیا تھا۔

یہ سن کر زین پراگندہ ہو گیا۔ وہ واپس اسی کرسی پر جا کر بیٹھ گیا اور پھر اس کلاس کی جانب دیکھنے لگا۔ چہرے پر تناؤ صاف نظر آ رہا تھا۔ اس نے بے چینی کے عالم میں فون نکالا اور سارہ کو کال کرنا شروع کر دی۔ پر ہر بار وہی جواب سن کر اب اس کا بے بسی سے چہرا سرخ ہو رہا تھا۔ اس نے غصے سے فون واپس جیب میں ڈال دیا۔ وہ ہار نہیں ماننے والا تھا۔ نگاہیں کلاس کے دروازے پر ٹکائے بیٹھا رہا۔ پورا ڈیڑھ گھنٹہ گزر گیا تھا اور زین وہیں بیٹھا رہا۔ کتنی سوچوں میں گم جب یہ بات کا احساس ہوا کہ اب وہ نہیں آئے گی، اسے یقین ہو گیا تھا کہ وہ کسی مصیبت میں مبتلا ہو گئی ہے۔

ڈیڑھ گھنٹہ جس طرح اس نے گزارا تھا یہ وہی جانتا تھا۔ پریشانی سے دماغ الگ منتشر ہو رہا تھا۔ کلاس کا اختتام ہو گیا تھا اور طلباء آہستہ آہستہ کر کے جا رہے تھے۔ وہ کشمکش میں مبتلا خالی کلاس کو دیکھتا رہا۔ اب یہاں انتظار کرنا بے وجہ تھا۔ وہ چلتا ہوا اکیڈمک بلڈنگ کے مرکزی دروازے سے نکل گیا۔ اب کیا کرے؟ کہاں جائے؟ کس طرح اس کی خبر حاصل کرے؟ کئی وسوسوں اور اندیشوں نے اسے اپنی لپیٹ میں لیا ہوا تھا۔ کسی خیال کے تحت اس نے فون نکال کر زنیرہ کو کال ملائی۔ وہ آج بھی یونیورسٹی میں موجود تھی۔ زین نے پھر سارہ کے حوالے سے اس سے پوچھا پر اسے بھی کوئی خبر نہ تھی۔ زین نے اسے فوراً اکیڈمک بلڈنگ کے باہر ملنے کا کہا۔ زنیرہ نے ہامی بھری اور وہ جب تک پہنچی نہیں تب تک وہ اِدھر اُدھر منڈلاتا رہا۔ زنیرہ جب اکیڈمک بلڈنگ پہنچی تو زین کو تتر بتر پایا۔ وہ متردد سا اس کی طرف لپکا تھا۔

''کیا ہوا، سارہ نہیں آئی؟'' زنیرہ نے پوچھا۔

''نہیں زنیرہ! آج تو اسے آنا چاہیے تھا۔ اس کے گروپ کے ممبرز بھی پریشان نظر آئے

تھے مجھے۔ ان کی باتوں سے یہ ہی لگا تھا کہ ان کا بھی سارہ سے کوئی رابطہ نہیں ہوا ہے۔'' زین نے آشفتہ ہو کر فوراً کہا۔

''ہاں رابطہ تو میرا ابھی نہیں ہو رہا اس سے۔ اس دن فیسٹیول سے بھی بغیر بتائے چلی گئی۔ پر اس کا فون اکثر مسئلہ کرتا ہے۔'' زنیرہ نے زین کو دلاسہ دینا چاہا پر وہ نفی میں گردن گھمانے لگا۔

''زنیرہ! فون خراب ہونے سے نہ آنے کی کیا تک بنتی ہے۔ اتنے اہم دنوں میں سارہ جیسی لڑکی چھٹی کا سوچ بھی نہیں سکتی۔ مجھے کچھ ٹھیک نہیں لگ رہا۔'' زین کو سارہ کے لئے اتنا فکرمند دیکھ کر زنیرہ مشتبہ ہوئی۔ بات اس کی درست تھی پر جب دونوں کے درمیان کوئی بات چیت ہی نہیں تھی پھر یہ سب اچانک کیا تھا؟ وہ اسے بے حد مختلف نظر آ رہا تھا۔ چال میں بے چینی، چہرے پر تفکر آمیز انداز۔ وہ کبھی ٹینشن سے ماتھے پر آئے بال پیچھے کرتا تو کبھی سوچتا ہوا گردن تردید میں ہلانے لگتا جیسے برے خیالات کو دور کرنا چاہ رہا ہو۔

''زین! تم اتنا پریشان نہ ہو، وہ ٹھیک ہی ہوگی۔ شاید بیمار ہو، اس لیے نہیں آ رہی ہو۔'' زنیرہ نے دھیرج سے کہا۔

''نہیں زنیرہ، مجھے یہ نہیں لگتا۔'' اسے یکے بعد دیگرے کبھی شاہ زیب کا چہرا یاد آ رہا تھا تو کبھی اس کے ماموں کا رویہ۔ یہ ڈر الگ لاحق تھا کہ کہیں سارہ نے زین کے حوالے سے بتا کر اپنے لئے مزید مسئلہ تو نہیں مول لے لیا تھا۔

''زین! میں بھی دوست ہوں اس کی۔ فکرمند ہوں اس کے لئے پر مجھے تمہاری حالت اس وقت سمجھ نہیں آ رہی۔ تم دونوں کے درمیان تو بات بھی ختم ہو گئی تھی پھر اب یہ اچانک؟'' اسے کشمکش میں مبتلا دیکھ کر زنیرہ نے بالآخر پوچھ لیا اور اس سوال پر تمام اندیشوں کے بادل زین کے دماغ سے چھٹے تھے۔ اب وہ زنیرہ کو ٹکٹکی باندھے دیکھ رہا تھا۔ چھپانے کا اب کوئی جواز

نہیں تھا۔ وہ ویسے بھی اکیلا کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ اسے زنیرہ کی اس وقت ضرورت تھی۔

''زنیرہ! اگر میں تمہیں کچھ بتاؤں تو کیا تم اس کو راز رکھو گی؟'' زین نے ہمت کر کے بات کی اور وہ الجھتی ہوئی اسے دیکھتی رہی۔

''کیسی بات؟'' زنیرہ نے پوچھا۔ وہ زنیرہ کے ساتھ ایکاڈیمک بلڈنگ کی سیڑھیوں پر بیٹھ گیا اور اسے تمام احوال بتانے لگا جو اس کے اور سارہ کے درمیان فیسٹیول سے پیشتر اور پھر اس کے بعد ہوا تھا۔ زنیرہ کے لیے تمام باتیں کسی جھماکے سے کم نہ تھیں۔ زین کی آنکھوں میں صداقت تھی جو اسے یقین کرنے پر مجبور کر گئی تھی ورنہ وہ یہ بات کبھی نہ مانتی۔ وہ یہ سب سن کر شاک میں آ گئی تھی۔ اسے سارہ کی باتوں سے کبھی یہ احساس نہیں ہوا تھا کہ اس کے دل میں کبھی زین کے لیے الگ احساس جاگا تھا اور جس طرح زین بتا رہا تھا اسے سارہ کی مضبوط اور کنٹرولڈ شخصیت کا اندازہ ہونے لگا تھا کہ اتنے بڑے جذباتی تغیر کا اس نے ذرّہ برابر بھی احساس نہ ہونے دیا جبکہ وہ اس کے اتنا قریب تھی۔

''میری اس سے آخری بار بات تب ہوئی تھی جب وہ فیسٹیول سے گھر آ گئی تھی۔ پر بات مکمل نہیں ہوئی تھی اور کال کٹ گئی تھی۔ میں اسے اتنی کالز کر چکا ہوں پر مسلسل ایک ہی جواب آ رہا ہے۔ یہ نارمل نہیں ہے۔'' زین نے زور دے کر کہا اور یہ سب سن کر زنیرہ کی پیشانی شکن آلود ہوئی۔

''تو تمہیں کیا لگتا ہے کیا ہوا ہو گا؟'' زنیرہ نے تشویشناک انداز میں پوچھا۔ اب تو وہ بھی سب کچھ جان کر مزید فکر مند ہو گئی تھی۔

''مجھے نہیں معلوم لیکن مجھے دو دن سے بہت بے چینی ہو رہی ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے وہ ٹھیک نہیں ہے۔ تم خود بتاؤ سارہ جیسی لڑکی طوفان بھی آ جائے تو کیا اتنی ضروری کلاسز چھوڑے

گی؟'' زین نے کہا اور زنیرہ سوچ میں پڑ گئی۔

''بات تو تم صحیح کہہ رہے ہو۔ وہ ایسی کلاسز کسی صورت نہیں چھوڑ سکتی۔'' زنیرہ کی بھی کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔

''سارا مسئلہ یہ ہے کہ میرے پاس اور کوئی ذریعہ نہیں ہے اس سے رابطہ کرنے کا۔ میری سمجھ نہیں آ رہا میں کیا کروں۔'' زین کے لہجے سے بے بسی ٹپک رہی تھی جسے زنیرہ نے تاسف سے دیکھا پر یکایک اس کے دماغ میں دھماکا سا ہوا۔

''ارے! سارہ نے ایک بار مجھے اپنی امی کا نمبر دیا تھا۔ کہہ رہی تھی اگر اس کا فون نہ لگے تو اس نمبر پر کال کر لیا کروں۔'' زنیرہ کا کہنا تھا اور وہ متعجب سا اسے دیکھتا رہا۔

''امی؟ زنیرہ! تمہیں کیا اس کے بارے میں کچھ نہیں معلوم؟'' زین نے حیرانی سے پوچھا۔

''کیا مطلب کیا نہیں معلوم؟'' زنیرہ اس کے چہرے کے زاویے بگڑتے ہوئے دیکھ کر استفسار کرنے لگی۔

''زنیرہ! سارہ کے والدین نہیں ہیں۔ وہ اپنے ماموں، مامی کے ساتھ رہتی ہے۔'' یہ سن کر زنیرہ حیرت سے گنگ ہوئی تھی۔

''کیا؟ نہیں یار ایسا نہیں ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو وہ مجھے بتاتی۔'' زنیرہ نے فوراً بات کی نفی کی۔ یقین کرنا ہی ناممکن تھا۔

''میں صحیح کہہ رہا ہوں۔ اس نے تمہیں کبھی بتایا ہے کہ اس کے گھر میں کون کون ہے یا جب اس نے تمہیں یہ نمبر دیا تھا تو کیا کہہ کر دیا تھا کہ کس کا ہے؟''

زین نے پوچھا اور زنیرہ سوچ کے گھوڑے دوڑانے لگی۔ سارہ نے کبھی اپنے گھر کے حوالے سے زنیرہ سے بات کی ہی نہیں تھی۔ پھر یہ بھی ہے کہ زنیرہ نے بھی کبھی ٹٹولا نہیں تھا۔

ہاں اگر وہ پوچھتی تو سارہ اسے یقیناً بتا دیتی۔

''یہ تمہاری امی کا نمبر ہے؟''

''کچھ ایسا ہی سمجھو۔'' اچانک اسے پرانی بات یاد آ گئی اور زنیرہ یکلخت ہی چپ سی ہو گئی۔

''اب یقین آ رہا ہے؟'' زین نے پوچھا۔ زنیرہ کے چہرے کے تاثرات صاف بتا رہے تھے کہ ان دونوں کے درمیان کبھی کوئی ایسی بات ہوئی نہیں تھی۔ اگر تو سارہ کے ماموں مامی کا رویہ اس کے والدین کی طرح ہوتا تو وہ کبھی ایسی باتیں نہ چھپاتی پر جب حالات ہی ایسے ہوں تو کسی کو بتا کر بھی کیا مل جاتا۔ وہ زین کو دیکھتی رہی اور سارہ کے لئے اداسی محسوس کرنے لگی تھی۔

''زنیرہ! پلیز چیک کر کے بتاؤ تمہارے پاس وہ نمبر ہے۔'' زین نے مزید تاخیر کیے بغیر پوچھا اور زنیرہ جیسے تیسے اپنے خیالات سے واپس آئی اور موبائل نکال کر تلاش کرنے لگی۔

''ہاں یہ والا نمبر ہے۔'' زنیرہ نے نمبر زین کو دکھایا جو امید کی کرن بن کر زین کی آنکھوں کے سامنے تھا۔

''ٹھیک ہے۔ زنیرہ اس نمبر پر فون کرو۔ جہاں تک میرا گمان ہے یہ اس کی مامی کا نمبر ہے۔ پر انہیں بالکل بھی یہ احساس مت ہونے دینا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ کوشش کرنا کہ وہ تمہاری سارہ سے بات کروا دیں۔'' زین نے سارا پلان سمجھایا جو اس نے ابھی اسی لمحہ سوچا تھا۔

''پر میں انہیں بولوں گی کیا۔ ہمیں تو ابھی یہ بھی نہیں معلوم کہ وہ کیوں نہیں آ رہی۔'' زنیرہ نے منتشر ہو کر پوچھا۔

''تب ہی تو کہہ رہا ہوں کہ یہی موقع ہے۔ ہمیں سوچ سمجھ کر قدم اٹھانا ہوگا۔ اگر وہ بیمار ہے تو یوں ہی پتہ چل جائے گا اور اگر وجہ کچھ اور ہے تو ہمیں اس حساب سے چلنا ہوگا۔ ایک کام کرو بات کرتے وقت سپیکر آن کر دینا میں اشارے سے سمجھاتا جاؤں گا۔'' زین نے کہا۔

”بالکل کوئی مووی سین لگ رہا ہے مجھے۔ چلو میں دیکھتی ہوں کہ کیا کر سکتی ہوں۔“

”مووی سمجھ کر ہی کرو پھر تو دماغ زیادہ چلے گا۔“ اس نے قدرے نارمل انداز میں کہا تھا اور زنیرہ نے نالاں ہو کر زین کو دیکھا۔

”یہ یاد رکھنا اس کے گھر والے بہت پرانے خیالات کے لوگ ہیں۔ تو سوچ سمجھ کر بات کرنی ہے۔“ یہ سن کر زنیرہ کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ وہ حوصلہ بڑھانے کے بجائے پست کر رہا تھا۔ خود جو اس وقت ٹینشن میں تھا۔ زنیرہ نے نمبر ملایا اور فون کا سپیکر آن کر دیا پھر زین اور اپنے درمیان لے آئی تاکہ وہ بھی آرام سے سن سکے۔ ان کے آس پاس اس وقت کوئی نہ تھا کیوں کہ دوسرا اسیشن شروع ہو گیا تھا۔ چیدہ چیدہ لوگوں کی آمد و رفت جاری تھی جو بے ضرر ثابت ہو رہے تھے۔ فون کی تین چار گھنٹیاں بجیں اور پھر فون اٹھا لیا گیا۔

”ہیلو کون؟“ زینت نے پوچھا۔ ان کی آواز میں ملائمت کے عنصر نے زنیرہ کو ہمت دلا دی تھی ورنہ زین کی بات سن کر اسے لگا تھا کہ کوئی سخت خاتون ہوں گی جن کا سامنا کرنا پڑے گا۔

”امم...... ا...... السلام علیکم آنٹی! میں زنیرہ بات کر رہی ہوں، سارہ کی دوست۔ م...... مجھے یہ نمبر سارہ نے ہی ایک بار دیا تھا کہ اگر کوئی بہت ہی ایمرجنسی ہو تو اس نمبر پر کال کر لوں۔ وہ دراصل ایک دو دن سے سارہ فون نہیں اٹھا رہی تو میں فکر مند ہو گئی تھی، وہ ٹھیک تو ہے نا؟“ زنیرہ نے زین کو آنکھوں کے اشارے سے پوچھنا چاہا کہ آیا اس نے صحیح بات کی جس پر زین نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

”اچھا بیٹا۔ ہاں سارہ ٹھیک ہے، پر اب یونیورسٹی نہیں آئے گی۔“ یہ سن کر زین اور زنیرہ دونوں کی آنکھیں حیرت سے مزید کھل گئیں۔ زینت کی آواز سے لگ رہا تھا جیسے وہ ابھی فون کاٹ دیں گی تو زنیرہ نے فوراً آگے کہا۔

''اچھا! کیوں آنٹی؟ آپ میری اس سے بات کروا سکتی ہیں۔ دراصل فائنل امتحان شروع ہونے والے ہیں اور میری کتاب اس کے پاس رہ گئی ہے، تب ہی فون کرے جا رہی ہوں اس کو۔'' شکر کہ اچانک کتاب کا خیال آیا اور یہ سن کر زین نے اشارے سے اسے آفریں کہا۔

''اچھا تم رکو، میں بات کروا دیتی ہوں تمہاری۔'' یہ سن کر زنیرہ نے زین کی جانب دیکھا تھا جس کا چہرا یکلخت ہی حساس ہوا تھا۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ اگلی آواز وہ سارہ کی سننے والا تھا۔ دل بے ترتیب ہو چلا تھا اور سانس رکتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ ہمہ تن گوش تھا۔ زین نے موبائل کے ماؤتھ پر انگلی کس کر رکھ دی اور تیزی سے زنیرہ کو سمجھایا کہ وہ کتاب والا عذر ہی سارہ سے بھی کرے اور یہ ہی ظاہر کرے کہ وہ اکیلی ہے جس پر زنیرہ سمجھ گئی۔

یہاں زینت اپنے کمرے سے نکل کر سارہ کے کمرے میں آ گئی تھیں جو بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے دیوار کو تک رہی تھی۔ زندگی جیسے ختم ہو گئی تھی۔ اس کی آنکھوں کی چمک ماند پڑ گئی تھی۔ وہ فقط ایک مجسمہ رہ گئی تھی۔ سانس لیتا مجسمہ۔ سونی آنکھوں میں اب آنسو بھی منہ موڑ گئے تھے۔ اب اگر کوئی روتا تھا تو فقط دل تھا جسے بے دردی سے خالی کیا گیا تھا اور اس کی تکلیف وہ یکسر محسوس کرتی تھی۔

''سارہ! تمہاری کسی دوست زنیرہ کا فون ہے۔'' وہ خیال سے واپس آتی ہوئی متعجب سی زینت کو دیکھے گئی۔ وہ بھول گئی تھی کہ کبھی اس نے زینت کا نمبر زنیرہ کو دیا تھا۔ سارہ نے زینت سے فون لیا اور کان سے لگا لیا۔ زینت کمرے سے چلی گئیں۔

''ہیلو۔'' جذبات سے عاری آواز جب زین کے کانوں سے ٹکرائی تو اس کے اندر طوفان سا برپا ہو گیا۔

''ہیلو سارہ! میں زنیرہ، کیسی ہو؟ تم آ کیوں نہیں رہیں؟'' زنیرہ نے اپنائیت لیے پوچھا۔

اس نے زین کی جانب دیکھا جو مکمل خاموش تھا۔

''ٹھیک ہوں۔ میں نے پڑھائی چھوڑ دی ہے زنیرہ۔'' اس کے سپاٹ انداز نے زین کا دل بے چین کیا تھا اور اس کے نہ آنے کی وجہ سن کر جہاں وہ حواس باختہ ہوا تھا وہیں زنیرہ بھی شاک میں آئی تھی۔

''اچھا؟'' زنیرہ نے زین کی طرف دیکھا پر وہ اتنا اداس ہو گیا تھا کہ اب زنیرہ کو ہی کچھ کرنا تھا۔

''سارہ! وہ میری کتاب تمہارے پاس ہے۔ مجھے وہ چاہیے تھی۔ اکاؤنٹس کی۔ امتحان کا پڑھنا تھا۔'' زنیرہ نے اشارتاً سارہ سے لفظ اکاؤنٹس کہا تھا جسے سن کر وہ پہلے تو سوچ میں پڑ گئی تھی کیونکہ زنیرہ کا اس سمسٹر کوئی اکاؤنٹس کا مضمون تھا ہی نہیں پھر خیال آنے پر اسے سب سمجھ آ گیا تھا کہ ماجرہ آخر کیا تھا۔

''میں وہ کتاب کیسے لوں سارہ؟'' زنیرہ کے بناوٹی انداز میں مزید کئی استفسار تھے۔ سارہ کچھ لمحہ رکی۔ پھر اس خیال کے تحت کہ آخری امید بھی ختم کر دے اور سلسلہ ہی مکمل طور پر منقطع کر دے اس نے مثبت میں جواب دیا۔

''ٹھیک ہے، تم ابھی آ جاؤ میرے گھر۔ اُس کے ساتھ۔ جس نے تمہیں یہ فون کرنے کو کہا ہے، میں تمہیں تمہاری کتاب دے دوں گی۔'' سارہ کے تائیدی جواب میں ان دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ فون بند کرتی ہوئی وہ جیسے تیسے بستر سے اٹھی تھی۔ فاروق کے کٹیلے لہجے نے تابوت میں آخری کیل ٹھونکی تھی اور اب سارہ زنیرہ کو پاس بلا کر دفنائی ہوئی محبت پر آخری مٹھی بھر مٹی ڈالنے جا رہی تھی۔

''زین! تم ٹھیک ہو نا؟'' زنیرہ نے زین کی حالت پر جانچتی نظر ڈالی تو رسان سے پوچھا۔

''ہمم۔'' وہ زنیرہ کے سوال پر بمشکل ہنکار بھر سکا۔ دل ڈوب کر ابھرا تھا۔ وہ ہیجانی کیفیت

میں مبتلا ہو گیا تھا۔ جس جیت پر وہ دو دن پہلے خوش تھا اب سراب معلوم ہو رہی تھی۔ حقیقت میں ابھی تک اس کا فیصلہ نہیں ہوا تھا۔ اس کی حالت ایسی تھی مانو پل صراط پر کھڑا ہو۔ آر یا پار! سارہ کی زندگی میں ایسا کیا طوفان آیا تھا۔ اسے کچھ کچھ اندازہ ہو گیا تھا پر اس طوفان کی شدت کیا ہو گی یہ اس کی سمجھ سے اس وقت باہر تھا پر اب اسے وہی کرنا تھا جو سارہ نے کہا تھا۔ یعنی زنیرہ کو سارہ کے گھر تک لے جانا۔

''اب کیا کرنا ہے زین؟'' زنیرہ نے پوچھا۔

''کیا تم میرے ساتھ چلو گی؟'' زین نے سنجیدگی کا عنصر لیے پوچھا۔

''سارہ کے گھر؟ ہاں چلتی ہوں۔'' زنیرہ نے کہا۔

''تمہارا مجھ پر یہ احسان رہے گا۔ میں تمہیں وہاں سے تمہارے گھر چھوڑ دوں گا۔ اس کی تم فکر مت کرنا۔'' زین نے اسے تشکر آمیز انداز میں کہا۔

''ٹھیک ہے مجھے کوئی مسئلہ نہیں ہے، میں امی کو بتا دیتی ہوں کہ میں تمہارے ساتھ آجاؤں گی گھر، پر زین مجھے اس کے گھر کا راستہ نہیں معلوم۔'' زنیرہ نے کہا۔

''اس کی تم فکر نہیں کرو۔ مجھے معلوم ہے، علاقے تک لے جاؤں گا، اس کے آگے سے دیکھنا ہوگا۔'' زین نے کہا۔ وہ دونوں تیز تیز قدموں کے ساتھ پارکنگ تک گئے اور زین کی گاڑی میں جا کر بیٹھ گئے۔ زین کی گھبراہٹ میں اضافہ ہو رہا تھا۔ ایک طویل سفر تھا جو اسے طے کرنا تھا۔ زین نے چابی اگنیشن میں لگائی اور لمبا سانس لیا۔ اس کی جزا اور سزا کا دن معلوم ہوتا تھا کہ آج اس کی حیات کا فیصلہ ہو چلا تھا۔

''زین! سب ٹھیک ہو جائے گا، فکر مت کرو۔'' زنیرہ نے تسلی دی جس پر وہ فقط سر کو جنبش دے گیا پر چہرے پر تناؤ صاف عیاں تھا۔

اس نے گاڑی کو ریس دی اور سارہ کے گھر کے راستے پر ڈال دی۔ سارا راستہ وہ خاموش تھا اور اپنے خیالوں میں کھویا ہوا تھا۔ زنیرہ نے بھی اسے چھیڑنا مناسب نہ سمجھا۔ وہ بھی محو خیال تھی۔ سارہ کے ساتھ بتایا ہوا وقت یاد کرتی رہی۔ اسے ایسا احساس ہو رہا تھا جیسے وہ سارہ کو صحیح سے جانتی ہی نہیں تھی۔ اسے وہ ہر لمحہ یاد آ رہا تھا جب وہ سارہ کو محبت بھری باتوں سے چھیڑتی تھی اور سارہ چڑ جاتی تھی۔ وہ سوچتے سوچتے کبھی تھوڑا مسکرا جاتی تو کبھی اداس ہو جاتی۔ پھر کہیں نہ کہیں دماغ میں سارہ اور زین کے حوالے سے بھی خیال گردش کرنے لگے تھے۔ پوری یونیورسٹی زین کے پیچھے تھی اور وہ سارہ کے پیچھے۔ کیا قسمت پائی تھی سارہ نے۔ زنیرہ کو بھی رشک ہونے لگا تھا کیونکہ زین بہت خیال رکھنے والا مخلص اور حسن اخلاق کا مالک تھا۔ یہ سب اور بہت سی سوچوں میں دونوں محو تھے اور یہ سفر یوں ہی طے پا گیا تھا۔ سارہ کا علاقہ جیسے ہی آیا زین نے گاڑی وہیں روک دی جہاں سارہ نے پہلے رکوائی تھی جب زین اسے ایک بار چھوڑنے آیا تھا۔

''زنیرہ! یہاں سے آگے مجھے نہیں معلوم، بس اتنا پتہ ہے کہ سیدھا چلتے جانا ہے، گلی وغیرہ کا کچھ اندازہ نہیں۔ اور میں گاڑی اندر لے کر نہیں جا سکتا۔'' زین نے کہا۔

''تو اب؟ فون کر کے پوچھوں آنٹی سے کہ گھر کا پتہ بتا دیں؟'' زنیرہ نے پوچھا۔

''ہاں ایسا کرو میں تمہیں چھوڑ کر یہاں واپس آ جاؤں گا۔ میں کسی صورت بھی اسے کسی مصیبت میں نہیں ڈالنا چاہتا۔'' زین نے کہا۔

''ٹھیک ہے۔'' زنیرہ نے فون نکالا اور کال ملائی۔ تھوڑی دیر میں زینت نے فون اٹھالیا۔ زنیرہ نے اپنا تعارف پھر سے کیا اور گھر کا پتہ معلوم کیا۔ سارہ نے زینت کو پہلے ہی آگاہ کر دیا تھا کہ اس کی دوست اپنی کتاب لینے آ رہی ہے تو وہ تیار تھیں۔ زنیرہ کے پوچھنے پر زینت نے

اسے گھر کا پتہ بتادیا اور زنیرہ نے فون بند کر دیا۔

''سیدھا جا کر تیسری گلی میں ہی پہلی بلڈنگ، زین! تم فکر مت کرو یہاں سے آسان ہے میں خود چلی جاؤں گی۔'' اس کی ابتر ہوتی حالت کو مد نظر رکھتے ہوئے زنیرہ نے قدرے تحمل سے کہا۔

''نہیں، تم میری ذمہ داری ہو، ایسے کیسے تمہیں جانے دے سکتا ہوں۔'' زین نے برجستہ کہا۔

''اوہ تم فکر مت کرو میں چلی جاؤں گی، تمہیں یہاں سے بھی دِکھ جائے گا۔'' زنیرہ نے اصرار کیا اور زین بمشکل مان گیا۔

''زنیرہ!'' اس نے جوں ہی دروازہ کھولا زین کی آواز پر پلٹ کر اسے دیکھا۔ چہرے پر تناؤ صاف ظاہر تھا۔ وہ بہت کچھ کہنا چاہتا تھا پر سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ زنیرہ اس کی بکھرتی ہوئی حالت دیکھ کر آنکھوں سے دلاسا دینے لگی۔

''زین! فکر مت کرو۔'' زنیرہ نے نرم لہجے میں اس کی ہمت بندھائی تو وہ کچھ نارمل ہوا۔

''زنیرہ! اگر سارہ نے تمہیں اس وقت بلایا ہے تو یقیناً اس کے ماموں گھر پر نہیں ہوں گے، پلیز بہت احتیاط سے کام لینا ہوگا، کوئی ایسی غلطی مت کر جانا کہ سارہ کے لئے مزید مشکلات پیدا ہو جائیں۔'' زین نے کہا۔

''کیوں اس کے ماموں بہت خطرناک ہیں؟'' زنیرہ نے گھبرا کر پوچھا۔

''ہمم۔'' اور زین کے ہنکار پر زنیرہ پریشان ہوئی۔ رہی سہی ہمت بھی ختم ہوگئی تھی۔

''تم عجیب ہو زین مجھے اور ڈرا رہے ہو۔'' اس نے زین کو لتاڑا۔

''میں خود اتنا الجھا ہوا ہوں اس وقت، کچھ سمجھ نہیں آ رہا۔ تم ایک کام کرو جاؤ۔'' وہ بے دست و پا محسوس کر رہا تھا۔

''تم پریشان نہ ہو، کیا چاہتے ہو مجھے صحیح سے بتاؤ۔'' زنیرہ نے کہا۔

''زنیرہ! ہم دونوں کو نہیں معلوم کہ اصل وجہ سارہ کی پڑھائی چھوڑنے کی کیا ہے، بہت وجوہات ہو سکتی ہیں۔'' زین کے دماغ میں شاہ زیب کا خیال آیا۔

''اگر وجہ میں ہوں یا نہیں بھی ہوں۔ اس سے جاننے کی کوشش کرنا کہ وہ مجھ سے کیا چاہتی ہے، میں وہ ہی کروں گا جو وہ کہے گی۔'' زین نے کہا اور زنیرہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''ٹھیک ہے، تم فکر نہیں کرو اب میں جاتی ہوں۔'' زنیرہ کہہ کر گاڑی سے اتر گئی۔ زین نے وہیں ایک طرف گاڑی پارک کر دی ایسے کہ وہ زنیرہ کو آرام سے دیکھ سکتا تھا۔ وہ دھیرے دھیرے چلتی ہوئی سارہ کی گلی تک پہنچ گئی۔ جب وہ منظر سے اوجھل ہوئی تو زین نے اسے کال کر دی۔

''ہاں زین؟'' زنیرہ نے وہیں رک کر کال ریسیو کی تھی۔

''تم فون پر رہو جب تک اس کے گھر تک نہیں پہنچ جاتیں ورنہ مجھے فکر ہی رہے گی۔'' زین نے کہا اور زنیرہ مان گئی۔ پہلی بلڈنگ تھی تو زنیرہ اندر سیڑھیوں کی طرف چلی گئی۔ گھر کا نمبر بھی زینت نے بتا دیا تھا اور گھر تیسرے مالے پر تھا۔ وہ سیڑھیاں چڑھتی ہوئی اس کے گھر تک پہنچ گئی تھی۔

''زین! پہنچ گئی ہوں، جیسے ہی آنٹی دروازہ کھولیں گی میں فون بند کر دوں گی۔'' زنیرہ نے دھیمی آواز میں مطلع کیا۔

''ٹھیک ہے، تسلی کر لینا کہ وہی گھر ہے پھر کال کاٹنا۔'' زین نے کہا۔ زنیرہ نے فون کان سے ہٹایا اور دوسرے ہاتھ سے سارہ کے گھر کی بیل بجا دی۔ تھوڑی دیر میں زینت نے دروازہ کھولا تھا۔

''السلام علیکم! یہ سارہ کا گھر ہے؟'' زنیرہ نے پوچھا۔

''ہاں ہاں، تم زنیرہ ہو نا، آجاؤ۔'' زینت کے پرتپاک انداز سے وہ خوشی خوشی اندر تو داخل

ہوئی تھی پر مختصر سے گھر کو دیکھ کر حیران رہ گئی تھی۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ سارہ نچلے طبقے سے تعلق رکھتی تھی۔ وہ ہر زاویے سے دیکھتی ہوئی کچھ پل تو شاک میں آگئی تھی۔ ضروری نہیں کہ ہم جو کچھ کسی کے بارے میں سوچیں وہ ویسا ہی ہو۔ اسے آج اندازہ ہوا تھا کہ کسی کے بھی بارے میں قیاس لگانا کبھی کبھی کس قدر غلط ثابت ہو جاتا ہے۔ ہاں اسے معلوم تھا کہ سارہ مالی طور پر مضبوط نہیں تھی پر رہن سہن دیکھ کر اسے اب اس کی مالی حیثیت کا اندازہ ہوا تھا اور وہ کیوں اتنی محنت سے پڑھا کرتی تھی تا کہ کسی بھی سمیسٹر کی فیس ادا نہ کرنی پڑے اور اپنے ٹوٹل مارکس ہمیشہ برقرار رکھ سکے۔ پھر یہ بھی تھا کہ اس نے کبھی سارہ کے منہ سے غریبی کا رونا نہیں سنا تھا۔ وہ خوددار لڑکی مکمل اعتماد لیے یونیورسٹی آیا کرتی تھی۔ بلکہ فراخ دل طبیعت کی مالک تھی۔ زینت اسے سارہ کے کمرے تک لے گئیں جو چار پانچ قدم پر ہی تھا۔ دروازہ بھیڑا ہوا تھا۔ جیسے ہی زینت نے دروازہ کھولا زنیرہ کو سارہ بستر پر بیٹھی نظر آئی۔

''سارہ! تمہاری دوست آگئی ہے، جاؤ بیٹا بیٹھو میں تمہارے لئے پانی لاتی ہوں۔'' زینت نے رسان سے کہا۔

''نہیں نہیں آنٹی! تکلیف نہیں کریں۔'' زنیرہ نے ان کا شفیق چہرا دیکھ کر محبت سے کہا تھا۔ پر زینت نہیں مانیں۔ سارہ کی دوست پہلی بار گھر آئی تھی لہٰذا انہوں نے چائے کے ساتھ بسکٹ وغیرہ کا انتظام کر لیا تھا۔ وہ وہاں سے واپس کچن میں چلی گئیں اور زنیرہ کمرے میں داخل ہوگئی۔ سارہ جہاں بیٹھی تھی وہیں بیٹھی رہی۔ یہ کمرا بھی بہت معمولی سا تھا۔ پر وہ کمرے کا جائزہ لینے کے بجائے سارہ کو دیکھتی رہ گئی جو مورتی کی مانند بغیر کسی جذبات کے وہیں بیٹھی زنیرہ کو دیکھ رہی تھی۔ زنیرہ سے رہا نہ گیا اور وہ فوراً اس کے برابر میں آکر بیٹھ گئی۔ زنیرہ نے ایک ہی پل میں اسے جانچتی نظروں سے دیکھا تھا اور دل اس کی حالت دیکھ کر تکلیف میں مبتلا تھا۔

انتہائی کمزور چہرا، سوکھی سوجی ہوئی آنکھیں جن کے تلے گہرے حلقے بے خوابی کی ترجمانی کر رہے تھے۔ وہ زنیرہ کو دیکھ کر ایک بار بھی نہیں مسکرائی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے امید ہی کھو بیٹھی تھی۔ سارہ نے سر پر دوپٹہ لیے رکھا تھا جو اس کے چہرے کو کچھ ڈھانپ رہا تھا۔ اس کا دایاں گال جس پر ضرب تھی فی الحال زنیرہ کی نظر سے اوجھل تھا۔ اس نے دوپٹے سے نشان کو قدرے چھپا رکھا تھا۔

''کیسی ہو سارہ؟'' زنیرہ نے بات شروع کی۔

''ٹھیک ہوں، تم ٹھیک ہو؟'' سپاٹ انداز میں جواب پایا تو زنیرہ اس کے لیے فکرمند ہوئی۔

''ہاں، کیا ہوا ہے تم کو؟ کیوں نہیں آ رہیں یونیورسٹی؟ فائنل امتحان شروع ہونے والے ہیں اور تم نے پڑھائی ہی چھوڑ دی۔'' زنیرہ نے پوچھا۔

''بس میں ہوتا تو پورا کرتی۔ پر میرا ہر سمسٹر اسی رسک پر چلا ہے کہ آیا پورا ہو پائے گا یا نہیں۔ خیر نصیب اتنا ہی تھا۔ پڑھ لیا۔'' زندگی کی رمق اس کی آنکھوں سے غائب تھی۔ زنیرہ یکلخت ہی مضطرب ہوئی تھی۔

''سارہ! تم نے یہ سب مجھے کبھی کیوں نہیں بتایا۔ اپنے والدین کے بارے میں یا جن حالات میں تم رہتی ہو اس کے بارے میں؟'' زنیرہ نے ملائمت سے پوچھا۔

''بتا کر بھی کیا کرتی، میرے ماموں، مامی ہی میرے والدین کی طرح ہیں اور میں ان دونوں کی دل سے قدر کرتی ہوں، رہی بات حالات کی، تو مجھے اتنی عادت ہے کہ اب فرق نہیں پڑتا، یہ تو نہ جانے کیا ایسے واقعات ہو گئے کہ میں...... اُسے سب بول بیٹھی، نہیں کرنا چاہیے تھا مجھے ایسے۔'' اس کے لفظوں میں پشیمانی تھی۔

''سارہ! وہ تم پر ترس نہیں کھاتا ہے، میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھا ہے، جیسا تم سوچ

رہی ہو ویسا نہیں ہے۔ اس کی محبت سچی ہے۔'' زنیرہ نے لہجہ سرگوشی لیے کہا تھا تا کہ آواز کچن تک نہ جائے۔

''محبت سے پیٹ بھرتا تو ہر شخص پہلے محبت کر بیٹھتا۔ پر زندگی اس سے زیادہ ہے۔ انسان کو جتنی جلدی ہو سکے حقیقت کا اندازہ کر لینا چاہیے اور فینٹسی سے خود کو دور رکھنا چاہیے۔ اچھا ہوا جو تم آئیں۔ کچھ کام ادھورے تھے میرے جو میں چاہتی ہوں اب تم پورے کر دو۔'' سارہ کہہ کر وہاں سے اٹھ گئی اور سنگھار میز پر ایک کتاب اور ایک کاغذ اٹھا کر لے آئی۔

''لو بیٹا! تمہارا اچانک آنا ہوا اس لیے زیادہ کچھ کر نہیں سکی میں۔'' وہ بستر کی طرف بڑھ رہی تھی جب زینت ایک ٹرے میں چائے کے کپ کے ساتھ بسکٹ لے آئی تھیں۔

''آنٹی! آپ نے کیوں تکلف کیا۔ مجھے شرمندہ کر رہی ہیں آپ۔'' زنیرہ نے خفت سے کہا اور ان سے تعظیم کے ساتھ ٹرے لی تا کہ انہیں جھک کر بستر پر نہ رکھنا پڑے۔

''تکلف کی کیا بات ہے۔ چلو تم دونوں باتیں کرو۔'' زینت نے رسان سے کہا اور ان کی پرائیویسی کا خیال رکھتے ہوئے کمرے سے چلی گئیں۔

''اس کاغذ میں میرا ای میل آئی ڈی اور پاسورڈ ہے، تمہیں صرف اتنا کرنا ہے کہ یونیورسٹی کو ایک ای میل کر دو میری طرف سے کہ میں اب اور آگے نہیں پڑھ سکتی۔'' زینت کے جاتے ہی سارہ نے کاغذ زنیرہ کو دے دیا۔

''اگر انہوں نے وجہ پوچھی تو؟'' زنیرہ نے پوچھا۔

''ویسے تو نہیں پوچھیں گے پر اگر ایسا ہوا تو تم جواب مت دینا، میں ویسے بھی ایسی جگہ جا رہی ہوں جہاں سے میری واپسی شاید مشکل ہے۔'' سارہ نے کہا۔

''کیا مطلب؟! کہاں جا رہی ہو تم؟'' زنیرہ نے پوچھا۔ وہ یہ سن کر پریشان ہو گئی تھی۔

''وہ تم چھوڑ دو۔ بس جو میں کہہ رہی ہوں وہ کرو پلیز۔'' سارہ نے پھر کتاب آگے کی۔

''یہ کتاب...... اُس کو دے دینا۔'' پل بھر کو اس کا ہاتھ کپکپایا تھا پر پھر اس نے خود پر قابو پایا۔

''کیا ہے اس کتاب میں؟'' زنیرہ نے پوچھا۔

''پیغام ہے! جانے سے پہلے میں کوئی بات ادھوری نہیں چھوڑنا چاہتی۔'' سارہ نے کہا۔

''سارہ! کیا میں پوچھ سکتی ہوں کہ تمہارا یونیورسٹی آنا بند اس کی وجہ سے ہوا ہے؟'' زنیرہ نے زین کا سوال سامنے رکھ دیا۔

''میں اپنی قسمت کی ستم ظریفی کا قصور وار اسے نہیں ٹھہرا سکتی۔ مجھے خوشیاں کبھی راس نہیں آئیں زنیرہ۔ پل بھر کو جب لگا تھا کہ دامن میں مسرتیں سمٹیں گی۔ میں بھول گئی تھی کہ میرا ناتا تو صرف غموں سے ہے۔'' سارہ کا انداز اس قدر پُرالم تھا کہ زنیرہ کی آنکھوں میں آنسو اُمڈ آئے۔

''تم کہاں جا رہی ہو سارہ؟'' زنیرہ نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

''یہ تو نہیں معلوم پر مقصد شادی ہے جو چند دن میں منعقد ہے۔'' زنیرہ کے حواس پر دھماکے ہوئے تھے۔

''ش...... شادی؟ کون ہے وہ؟'' اس نے متحیر ہو کر پوچھا تھا۔ زین کا چہرا نظروں کے سامنے گھوم رہا تھا۔ وہ اس کی کیفیت کا ابھی سے اندازہ کر رہی تھی کہ معلوم ہونے پر کیسا ردعمل دے گا۔

''معلوم نہیں۔ دیکھا نہیں میں نے۔'' سارہ نے کہا اور وہ حیرت سے اسے دیکھتی رہ گئی۔

''آج کے زمانے میں بھی ایسا ہوتا ہے؟'' اس نے شاک کے عالم میں پوچھا تو سارہ زیرِ لب افسردگی سے مسکرا گئی۔

''ہمارے ہاں تو ہوتا ہے۔'' اس نے کہہ کر اسے چائے کی طرف اشارہ کیا جو ٹھنڈی ہو رہی تھی۔ اب یہ سب سن کر کہاں دل کرتا۔ پھر بھی اس نے ایک دو بسکٹ کھا کر چائے پینا

شروع کی۔
''کافی وقت سے تم سے کچھ کہنا چاہتی تھی۔'' کچھ توقف کے بعد سارہ نے کہا تھا۔
''زنیرہ! مجھے اب تک کی زندگی میں تم جیسا دوست کبھی نہیں ملا تھا۔ ہر بار سوچتی تھی کہ تمہیں کہوں پر بولا نہیں جاتا تھا۔ شکریہ میری زندگی میں آنے کے لیے۔ میں تمہیں کبھی نہیں بھولوں گی اور میری دعا ہے کہ اللہ تمہیں ساری خوشیاں دکھائے۔ میری کوئی بہن تو نہیں پر اکثر سوچتی ہوں کہ وہ تم جیسی ہوتی۔'' پوری گفتگو میں اب جا کر سارہ کے لہجے میں محبت کا عنصر سنائی دیا تو زنیرہ کے ٹھہرے ہوئے آنسو گال پر بہہ گئے۔
''بہن ہوتی کیا مطلب۔ بہن ہی ہوں پاگل۔'' اس نے سارہ کو گلے سے لگا لیا۔ روتی ہوئی وہ جب پیچھے ہوئی تو سارہ کے بائیں گال پر نشان دیکھ کر اسے جھٹکا سا محسوس ہوا تھا۔ وہ کچھ نہ کہہ سکی۔
''تمہیں اب جانا چاہیے دیر بہت ہو رہی ہے، میرے ماموں کا کچھ پتہ نہیں، پر اگر وہ آگئے تو پرابلم ہو جائے گی۔ مجھے اجازت نہیں گھر سے نکلنے کی یا کسی سے بھی ملنے کی۔ اپنا خیال رکھنا، اللہ حافظ زنیرہ۔'' سارہ نے غمگین مسکراہٹ لیے کہا تو زنیرہ کا دل ڈوب گیا۔ وہ دونوں بستر سے اٹھیں اور سارہ زنیرہ کو باہر دروازے تک چھوڑنے آگئی۔ زینت بھی کچن سے آگئی تھیں اور زنیرہ نے انہیں بھی اللہ حافظ کہہ دیا۔ جانے سے پہلے اس نے ایک بار سارہ کو حسرت بھری نگاہ سے دیکھا تھا۔ پھر پلٹ کر جو گئی تو پیچھے دیکھنے کی ہمت کھو بیٹھی تھی۔
وہ تیز تیز سیڑھیاں اترتی ہوئی اس بلڈنگ سے نکل گئی۔ سارہ کا ہنسنا، باتیں کرنا، ان کے وہ ایک دوسرے کے ساتھ بتائے ہوئے ہر پل اس کے دماغ میں گردش کرنے لگے تھے۔ وہ بے بس تھی جو اپنی اس دوست کے لئے کچھ بھی نہیں کر سکتی تھی۔ زنیرہ رفتار بڑھاتی ہوئی اس گلی

سے باہر آگئی اور سامنے اسے زین کی گاڑی کھڑی نظر آگئی تھی۔ وہ تیز قدموں سے چلتی ہوئی اس کی گاڑی تک آئی اور فوراً دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گئی۔ پورا چہرا آنسوؤں سے تر ہو گیا تھا اور اس کی ایسی حالت دیکھ کر زین کے ہاتھ پیر ٹھنڈے پڑ گئے تھے۔

''زنیرہ! کیا ہوا ہے؟ تم رو کیوں رہی ہو؟ سارہ ٹھیک تو ہے؟'' زین سے صبر نہیں ہو رہا تھا۔

''میں ٹھیک ہوں، زین! مجھے میرے گھر چھوڑ دو پلیز۔'' زنیرہ کی حالت بگڑ رہی تھی۔

''مجھے بتاؤ تو کیا ہوا ہے، سارہ کو ضرورت ہے نا میری؟'' زین نے بے چین ہو کر پوچھا۔

''نہیں! اب تم سیدھے یہاں سے مجھے میرے گھر چھوڑو! میں ابھی کوئی بات نہیں کر سکتی۔'' زنیرہ نے دبے غصے سے اصرار کیا اور زین خاموش ہو گیا۔ اس کی حالت واقعی ٹھیک نہیں لگ رہی تھی۔ وہ اتنی صدمے میں آگئی تھی کہ زین نے وہی بہتر سمجھا جو وہ چاہتی تھی۔ اس نے گاڑی وہاں سے گھما کر زنیرہ کے گھر کی طرف موڑ دی۔ راستہ کافی لمبا تھا۔ پورے راستے زین نے اس سے کچھ نہیں پوچھا۔ دل میں کتنے سوال تھے پر زنیرہ کی آنکھوں سے مستقل آنسو نکل رہے تھے۔ وہ بہت اپ سیٹ لگ رہی تھی اور زین اسے مزید پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا۔ جیسے تیسے یہ راستہ بھی کٹا اور زین نے زنیرہ کے گھر کے باہر گاڑی لا کر روک دی اور اسے بے بسی سے دیکھنے لگا۔ دل پھٹنے کو تھا۔ کتنے خیالات نے اسے آن گھیرا تھا۔

''مجھے معاف کر دو زنیرہ۔ میں نے تمہیں پریشان کر دیا'' زین نے صدمے کی حالت میں کہا۔

''یہ کتاب لے لو، یہ اس نے تمہیں دی ہے، اس میں پیغام ہے تمہارے لئے۔'' وہ جذب کے عالم میں کتاب کو ٹکٹکی باندھے دیکھ رہا تھا۔ جیسے تیسے زنیرہ کے ہاتھ سے کتاب تھامی تھی۔

''زین! مجھے نہیں معلوم اس نے اس میں کیا لکھا ہے، پر اب میں تم سے التجاء کرتی ہوں، اس کے پیچھے مت جانا! اور جہاں تک میں سارہ کو آج جان پائی ہوں۔ وہ بھی تم سے یہ ہی

چاہتی ہے۔'' زنیرہ کی بات اس کے حواسوں پر دھماکا کر گئی تھی۔ ایسا تو اس نے سوچا بھی نہیں تھا۔ ''اگر تم چاہتے ہو کہ وہ زندہ رہے اور خوش رہے، تو میری بات مانو، اسے بھول جاؤ اور اپنی دنیا میں واپس چلے جاؤ۔'' وہ سنجیدگی سے زین کو سمجھا رہی تھی جو پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے بے یقینی کے عالم میں دیکھ رہا تھا۔

''کیا مطلب ہے تمہارا؟'' زین نے ایک دم غم اور طیش کی ملی جلی کیفیت سے پوچھا۔

''زین! میں نے اس کے گال پر زخم دیکھا ہے جسے وہ چھپانے کی ناکام کوشش کر رہی تھی، اور میں یہ بات یقین سے کہہ سکتی ہوں کہ وہ اسے لگی نہیں بلکہ مارا گیا ہے! اب بہتر یہی ہوگا کہ جو اس میں لکھا ہے تم وہی کرو کیونکہ اس نے مجھے یہی بتایا تھا کہ کچھ ایسی ادھوری باتیں ہیں جو اس نے مکمل کر کے تمہیں بھیج دی ہیں، اس کے آگے وہ کچھ کہنا نہیں چاہے گی! مجھے گھر لانے کا شکریہ، اللہ حافظ۔'' زنیرہ کہہ کر تیزی سے گاڑی سے اتری اور گھر کی طرف چلی گئی۔

زین سکتے کے عالم میں بیٹھا رہا۔ اس کی نظریں اس کتاب پر تھیں جو اس کے ہاتھ میں تھی اور خیال میں صرف سارہ تھی جو اتنے درد میں وہاں بیٹھی تھی۔ فی الحال وہ یہ کتاب کھولنے کی ہمت نہیں کر پا رہا تھا۔ اس نے وہاں سے گاڑی کا رخ اپنے گھر کی طرف کر لیا۔

پورے راستے سارہ کا خیال ستائے جا رہا تھا۔ وہ ایک پل بھی اس کے بغیر رہنا نہیں چاہتا تھا اور یہاں زنیرہ یہ کہہ گئی تھی کہ اسے چھوڑ دو۔ یہ کیسی آزمائش تھی جو دونوں پر آن پڑی تھی۔ وہ جیتی ہوئی بازی جیسے ہار گیا تھا۔ آج پہلی بار اسے منفی خیالات نے اپنی لپیٹ میں لینا شروع کر دیا تھا۔

''پر زین احساس دلانے کے بعد بھی اگر وہ تم سے دور ہو گئی؟ کیونکہ کوئی بھی لڑکی ایسی ٹینشن سے گزرے گی تو دور ہی ہونا اپنے لئے بہتر سمجھے گی۔''

''شازیہ! میں نے ہمیشہ اپنی زندگی میں مثبت سوچ کو تھامے رکھا ہے اور منفی میں کبھی سوچتا نہیں، پر اگر پھر بھی وہ دور ہوگئی تو قدرت نے شاید ہمارا ملنا نہیں لکھا ہوگا اور پھر خود اس سے میں بھی دور ہو جاؤں گا۔'' کچھ دن پہلے کی گئی باتیں یاد آنے لگی تھیں۔ جب یہ احساس ہو جائے کہ دونوں ایک دوسرے کے لئے ایک جیسے جذبات رکھتے تھے پھر دوری سہنا کیسے آسان تھا؟ اس نے ایسا تو کبھی نہیں سوچا تھا۔ سارا راستہ انہی تفکرات میں کٹ گیا۔ اسے پتہ ہی نہیں چلا کہ کب گھر آ گیا۔

اس نے گاڑی کو پارک تو کر دیا تھا پر خود گاڑی سے نہیں اترا تھا۔ نظریں مستقل اس کتاب پر تھیں۔ اپنا آپ زلزلے کی مانند لگ رہا تھا۔ ہاتھ میں کپکپی سی تھی۔ اس نے بمشکل کتاب اٹھائی اور ورق آگے پیچھے کرنا شروع کیے۔ کتاب کے بیچوں بیچ اسے تہہ شدہ کاغذ نظر آیا۔ شدتِ جذبات سے بوجھل اس نے کتاب ایک طرف رکھ کر خط کو اپنی نگاہوں کے سامنے کیا۔ وہ ضبط سے سانس بھرتا ہوا کھول کر پڑھنے لگا تھا۔

''السلام علیکم زین!

بہت پریشان کیا ہے تمہیں میں نے، ہیں نا؟ کبھی تمہیں کوئی خوشی نہیں دے سکی۔ بس اپنے مسائل سناتی رہی اور تم حل کرتے رہے پر کبھی کوئی گلہ نہیں کیا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ ایسے لوگ بھی اس دنیا میں بستے ہیں جو دوسروں کی مدد کے لیے ہر وقت تیار رہتے ہیں۔ تم ہمیشہ ایسے ہی رہنا، ہو سکتا ہے کل کو کوئی دوسری سارہ تمہیں مل جائے جسے تمہاری ضرورت ہو۔ تم نے جو کچھ بھی میرے لئے کیا، میں اس کی شکر گزار ہوں اور تمہارے احسان زندگی بھر نہیں بھولوں گی۔ تم نے ہر طرح سے مجھے بدلنے کی کوشش کی۔ مجھے خوشیوں سے پہچان کروائی پر میں بھول گئی تھی کہ مجھے خوشیاں راس ہی نہیں آتیں۔ قدرت کا بھی یہی فیصلہ تھا۔

زین! میں تم سے آج سچ کہوں گی۔ میں نے ہمیشہ تمہیں اور شازیہ کو دیکھ کر رشک کیا تھا۔ مجھے لگتا تھا کہ یہ سب تو صرف اعلیٰ طبقوں میں ہوتا ہے۔ دو لوگ ایک دوسرے کو پسند کرلیں۔ انہیں سب سراہیں اور پھر وہ خوشی خوشی زندگی گزار لیں۔ ہم جیسے لوگوں کے لئے نہیں! پر جب تم نے میرے دل میں جذبات جگا دیئے اور پھر اپنے دل کی کیفیت میرے سامنے رکھ دی تو میں گھبرا گئی تھی۔ جو کبھی زندگی میں نہیں سوچا تھا، اس حال پر لا کر تم نے مجھے کھڑا کر دیا۔ میں کیا کرتی؟ یہ تم مجھے بتاؤ۔ ایک پل میں، میں بھول گئی تھی کہ ہم جیسوں کو ایسا سوچنے کا بھی حق نہیں دیا جاتا، یہ بھول گئی تھی کہ میں کون تھی، میری کیا شناخت تھی، کہاں سے آئی تھی اور کیا کرنے جا رہی تھی۔ شہزادوں کے لیے تو صرف شہزادیاں ہی ہوتی ہیں عام لڑکیاں تھوڑی۔ زین، میں نے ان دو تین دنوں میں بہت سوچا اور اس ہی نتیجے پر پہنچی کہ تمہارا انتخاب غلط ہے۔ تمہاری محبت کی حقدار صرف شازیہ ہے جس نے سب جانتے ہوئے بھی تمہارا ساتھ دیا۔ آج بھی وہی کہوں گی جو تب کہا تھا۔ اس کی قدر کرنا زین، بہت مشکل سے ایسے لوگ ملتے ہیں اور تمہارے لئے شازیہ سے بہتر اور کوئی نہیں۔ یہ تمہیں جلد احساس ہو جائے گا۔

رہی میری بات...... تو میں نے جس دن اس یونیورسٹی میں قدم رکھا تھا، اپنی ماں کو اس بات کا یقین دلایا تھا کہ میں صرف پڑھنے کی نیت سے ہی جاؤں گی، پر مجھ سے غلطی ہو ہی گئی اور اب مجھے اس کا کفارہ ادا کرنا ہے۔ ہماری آخری فون پر گفتگو میں تم مجھ سے کچھ پوچھنا چاہتے تھے۔ وہ سب میرے ماموں نے سن لیا۔ مجھے نہیں معلوم، تم کیا کہنا چاہتے تھے پر میرے کردار پر کیچڑ اچھالا گیا ہے، زین! جو میں برداشت نہیں کر سکتی۔ میرے لیے عزت اہم ہے محبت نہیں۔ لہٰذا تم سے درخواست کروں گی جیسے ہمیشہ میرے محافظ رہے اس بار بھی میری عزت کی حفاظت کرنا اور پلٹ کر پھر کبھی مت آنا۔ سارہ سب برداشت کر سکتی ہے پر بے جا

تہمت نہیں۔ میں تمہیں اس بات کا الزام نہیں دے رہی۔ اس میں تمہاری کوئی غلطی نہیں تھی۔ تمہیں اس بات سے آگاہ کرنے کا مقصد صرف یہ ہی تھا کہ تمہارے دل میں اس حوالے سے سوال آیا ہوگا کہ میں کیوں نہیں آرہی۔ مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں ہے۔

زین! میرے ماموں چاہے جیسے بھی ہوں پھر بھی میں ان کی عزت کرتی ہوں اور ان کے خلاف کبھی نہیں جاسکتی کیونکہ میرے والدین نے میری تربیت ہی ایسی کی تھی۔ لہٰذا تمہیں یہی کہوں گی کہ اُسے اپنالو جو تمہیں اپنانا چاہتا ہے۔ ہر شخص کی اتنی اچھی قسمت کہاں؟ رہی میری بات، تو میں جارہی ہوں۔ کہاں؟ یہ مجھے نہیں معلوم، پر اتنا پتہ ہے کہ وہاں کوئی ہے جس سے میری شادی طے پا گئی ہے۔ یہ تو ہونا ہی تھا۔ اور مجھے ان سب سے کوئی اعتراض نہیں۔ اپنا بہت خیال رکھنا۔ میں اتنا سچا دوست کبھی بھول نہیں سکتی۔ تم بھی ہو سکے تو یاد رکھنا اور جو تم ہمیشہ سے کرتے آرہے ہو اسے نہیں چھوڑنا۔ یہ میری تم سے آخری بات تھی۔ اللہ نگہبان!

سارہ احمد"

یہ پڑھ کر اس نے واپس کاغذ لپیٹ کر ایک طرف رکھ دیا۔ آنسوؤں کے کئی قطرے اس کے چہرے پر ڈھلک آئے تھے۔ وہ ساکن سا بے حرکت بیٹھا رہا بس جسم ہچکی سے ہلکورے لے رہا تھا۔

☆......☆......☆

وہ بے چین سا یہاں وہاں منڈلا رہا تھا جبکہ ارم سارہ کا خط تھامے ہوئے پڑھ رہی تھیں۔ جیسے جیسے لفظ ان کی نظروں سے گزرتے گئے ان کا دل ڈوبتا چلا گیا۔

"مام! اسے ہماری ضرورت ہے۔ صاف معلوم ہو رہا ہے کہ اس پر تشدد کیا گیا ہے جو کہ ہر لحاظ سے جرم ہے۔ مجھے سمجھ نہیں آرہا میں کیا کروں۔ پلیز بتائیں آپ، کیا ہم سارہ کے لیے کچھ نہیں کر سکتے؟" وہ ٹینشن سے تلملا اٹھا تھا۔ بس نہیں چل رہا تھا کیا کر ڈالے۔ سارہ کے گھر

پہنچ جائے یا بے بسی سے بال نوچ ڈالے۔ ارم اس کی حالت دیکھتی ہوئی متفکر ہوئی تھیں۔ وہ ہوش کھو بیٹھ رہا تھا اور اسے سہارے کی اشد ضرورت تھی۔

''ہم کچھ نہیں کر سکتے زین۔'' انہوں نے اس کے بے چین وجود کو نظروں سے گھیرتے ہوئے سنجیدگی سے کہا تو وہ پل بھر کو رکا۔

''کیا مطلب ہے آپ کا؟ ہم کیوں کچھ نہیں کر سکتے۔ ماما! صاف کیس نظر آ رہا ہے۔ اسے ہماری ضرورت ہے وہ ویسے ہی ڈپریشن میں مبتلا ہے اور یہ سب جو اس کے ساتھ ہو رہا مزید اسے موت کے منہ کی طرف لے جا رہا ہے۔'' وہ بے دست و پا محسوس کرتا ہوا پھٹ پڑا پر ارم اتنی ہی نارمل تھیں۔ اپنی جگہ سے اٹھیں اور زین کو بازوؤں سے تھاما تاکہ پہلے وہ اپنی چال میں ٹھہراؤ لائے۔

''زین!'' انہوں نے زین کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر تحمل سے کہا۔

''اگر وہ اپنے خط میں مدد مانگتی کہ اس کی جان آ کر بچائی جائے تو میں پولیس فورس اس کے گھر لے جاتی پر اس نے صاف لفظوں میں یہ کہا ہے کہ اس کی عزت سب سے اہم ہے اور اس کی حفاظت صرف ایسے ہی کی جا سکتی ہے کہ اسے اب اکیلا چھوڑ دیا جائے۔ اسے مدد نہیں چاہیے زین۔'' ارم نے صاف لفظوں میں زین کے دماغ میں بات کو انڈیلا تھا جو یہ سن کر پھر پریشان ہونے لگا تھا۔

''یقین کرو۔ سارہ سے ملی نہیں ہوں میں، پر آج اس کے الفاظ پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ یہ لڑکی بلاشبہ خوددار اور اعلیٰ اخلاق رکھتی ہے۔ مجھے تمہارے انتخاب پر فخر ہے۔ اگر میرے بس میں ہوتا تو آج ہی رشتہ لے جاتی پر میں کچھ نہیں کر سکتی۔ اب تم ریلیکس ہو زین اور اگر اس کے لیے واقعی کچھ کرنا چاہتے ہو تو دعا کرو اس کی خوشیوں کے لیے۔ اپنی حالت پر غور کرنے سے

پہلے اس کو دیکھو جو اَن چاہے رشتے میں بندھ رہی ہے۔"

"تو یہی تو چاہتا تھا میں۔ کہ اسے اپنا کر اس کے سارے غموں کو مٹا کر دامن کو خوشیوں سے بھر دوں۔" وہ ضبط کے عالم سے نکل کر برس پڑا۔ آنکھوں میں نمی پھر در آئی تھی۔

"بیٹا! ہو سکتا ہے اسے وہ خوشی تم سے حاصل نہ ہو۔ ضروری تو نہیں جو ہم چاہتے ہیں وہی مل جائے۔ تم اگر اس سے سچی محبت کرتے ہو تو اس کے لیے آسانی مانگو۔ خوشیاں مانگو کہ وہ جہاں جا رہی ہے ہمیشہ مسرت اس کے لبوں پر رہے۔" وہ زین کی حالت دیکھ کر بمشکل خود کو کمپوز کیے ہوئے تھیں۔ اگر آج ٹوٹ جاتیں تو زین کو سنبھالنا مشکل ہو جاتا۔ اس کا وجود زلزلے کی لپیٹ میں تھا۔ وہ بے تاب سا ادھر ادھر ہو رہا تھا۔ دماغ کی رگیں پھٹنے کو تھیں۔ وہ ہوش کھو بیٹھ رہا تھا۔

"یہ نہیں ہو سکتا۔ ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔ میں ہار گیا مام۔ ہار گیا میں۔ اپنی زندگی کا سب سے بڑا چیلنج ہار گیا۔ ایسے میرے ساتھ نہیں ہو سکتا۔ وہ کیسے محبت کو ٹھکرا کر جا سکتی ہے۔ اتنا آسان ہے؟ آپ بتائیں مام پلیز کچھ کریں۔ دل سے جان نکلتی ہوئی محسوس ہو رہی ہے۔ میں کیسے رہ سکتا ہوں اس کے بنا جو سانس بن کر وجود میں دوڑتی ہے۔" اس نے دل پر ہاتھ رکھ کر اشک بار ہو کر ارم سے سوال کیا جو شدتِ جذبات سے لب کاٹ گئیں۔

"زین! قسمت کا لکھا ہے بیٹا قبول کیوں نہیں کرتے! میری طرف دیکھو۔ کیا میں آج مضبوط نہیں کھڑی حالانکہ میری تمہارے ڈیڈ سے محبت کا اندازہ تم بخوبی جانتے ہو۔ پر ہر انسان اگر اپنے دکھ لے کر بیٹھ جائے تو زندگی کیسے گزرے؟ ہر شخص کا ایک دوسرے پر حق ہے۔ اور تمہارا اور کنزا کے حقوق پامال نہ ہوں اسی لیے میں نے خود کو چٹان کی مانند کر لیا۔ بیٹا، یہی میں تم سے چاہتی ہوں۔ اگر اس طرح کرو گے تو کیسے جیو گے۔ تمہاری ماں تمہیں ایسے

نہیں دیکھ سکتی۔ کنزا کے بارے میں سوچو۔ کیا ہمیں تمہاری ضرورت نہیں؟'' وہ قدرے اونچی آواز میں کہتی ہوئی اس کے ذہن سے منفی خیالات جھٹک دینا چاہتی تھیں۔

''زین! دعا کرو۔ دعا میں سکون ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ ہر زخم مندمل ہو جاتا ہے۔ ابھی تم درد محسوس کرتے ہو بیٹا پر اس کا حل اور کوئی نہیں۔ اس کے لیے دعا کرو۔'' وہ کہتے کہتے رکی تھیں جب زین کا فون بج اٹھا تھا۔

''شازیہ کا فون ہے۔'' ارم نے بستر سے موبائل اٹھا کر زین کو مطلع کیا۔ پر وہ اس وقت کچھ بھی سننے کے موڈ میں نہیں تھا۔

''وہ کئی کالز کر گئی ہے بعد میں بات کرتا ہوں۔ آپ اٹینڈ کر کے عذر بتا دیں۔'' وہ بستر پر بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا گیا۔

''ہیلو ہاں شازیہ بیٹا؟'' ارم نے کہا۔

''آنٹی! زین کہاں ہے کب سے فون کر رہی ہوں وہ اٹھا ہی نہیں رہا، مجھے فکر ہو رہی ہے اس کی۔'' شازیہ نے کہا اور ارم نے فون زین کی طرف کیا۔

''زین! اس سے بات کر لو وہ تمہارے لئے فکر مند ہے۔'' ارم کے رسان سے کہنے پر زین نے سرد سانس کھینچ کر فون لیا اور کان سے لگا لیا۔

''ہیلو، ہاں شازیہ۔'' زین کی بھاری آواز ابھری تو وہ پریشان ہوئی۔

''زین! کیا ہوا ہے؟ کب سے فون کر رہی ہوں۔''

''کچھ نہیں۔ بس یوں سمجھ لو کہ سب جانتے ہوئے بھی میں ہار گیا ہوں۔'' زین نے کہا۔ آواز روہانسی تھی۔

''کیا؟ پر تم نے تو مجھے کچھ اور بتایا تھا۔'' شازیہ نے شاک کے عالم میں کہا۔

''ہاں، پر قسمت نے میرے ساتھ وہ بازی چل دی، جس کے لئے میں خود بھی تیار نہیں تھا۔'' زین نے کہا اور ارم اپنے آنسوؤں پر قابو نہ کر سکیں۔

''زین! تم رکو میں آرہی ہوں۔'' شازیہ نے کہا۔

''نہیں، میں کچھ دیر اکیلا رہنا چاہتا ہوں پلیز، اللہ حافظ۔'' اس نے فون بند کر کے ایک طرف اچھال دیا۔

''مام! پلیز مجھے اکیلا چھوڑ دیں۔'' وہ شکست خوردہ لہجے میں گویا ہوا تو ارم خاموشی سے کمرے سے چلی گئیں۔

☆......☆......☆

جیسے جیسے دن گزرتے گئے ویسے ویسے زین ڈھلتا گیا۔ مسلسل دل میں درد لیے وہ مثبت خیالات کو کم سوچنے لگا تھا۔ اس کا ذہنی دباؤ اسے مایوسی کی انتہائی گہرائیوں میں لے جا رہا تھا۔ صرف شازیہ ہی نہیں ارسلان بھی اس کے لئے فکر مند تھا۔ اس نے اپنے دوست کو کبھی ایسی حالت میں نہیں دیکھا تھا۔ شازیہ کے ذریعے ارسلان کو سرسری طور پر ماجرا معلوم ہو گیا تھا اور یہ سب جان کر ارسلان بے حد اداس ہوا تھا کیونکہ کہیں نہ کہیں وہ زین کی حالت سے باخبر تھا جو وہ سارہ کے لیے محسوس کیا کرتا تھا پر کبھی اس نے اس بارے میں زین سے بات نہیں کی تھی۔

یونیورسٹی میں فائنل امتحان شروع ہو گئے تھے۔ زین کے صرف تین پیپر تھے تو وہ چند دن میں ہی مکمل ہو گئے تھے۔ یہ وہی جانتا تھا کہ ان چار سالوں میں پہلی بار کتنی مشکل سے پیپر دیئے تھے۔ وہ ہر پیپر کے بعد اکیلا سارہ کے مائے سپاٹ پر چلا جاتا اور اسی جگہ پر بیٹھتا جہاں وہ بیٹھتی تھی۔ اس کی طبیعت میں اب ایک گہری خاموشی آ گئی تھی اور چہرے سے گمبھیر سنجیدگی جھلکنے لگی تھی۔ شازیہ اور ارسلان کوشش کرتے تھے کہ وہ پھر سے اپنی زندگی میں واپس آجائے

لیکن کوئی فائدہ نہ تھا۔

یوں ہی ڈھائی ہفتے گزر گئے تھے۔ یونیورسٹی میں فائنل امتحان مکمل ہو گئے تھے۔ زین کے پیپر ختم ہوئے کئی دن گزر گئے تھے اور اس طرح اس کی بیچلر کی پڑھائی مکمل ہو گئی تھی۔ یوں تو سب اس کے آس پاس اس کے لئے خوش تھے پر وہ نہیں تھا۔ مستقل دل میں اضطرابی اور درد سی کیفیت رہتی تھی جسے اب سہنے کی طاقت ختم ہو رہی تھی۔ وہ زیادہ تر اکیلا رہنے لگا تھا اور ارم اس کی یہ حالت دیکھ کر ڈرنے لگی تھیں۔ وہ ہر دن زین کو لے کر بیٹھا کرتیں اور اسے سمجھاتیں پر اسے کسی خوشی کا احساس نہ ہوتا۔ جیسے اندر سب ختم ہو گیا تھا۔ کچھ مر گیا تھا۔ وہ پھرتیلا چاق و چوبند خوبرو سا لڑکا جذبات سے عاری مجسمے کی مانند سا ہو گیا تھا۔ سارہ کا خط ہر وقت اس کے پاس رہتا تھا لیکن پھر سے پڑھنے کی ہمت نہیں ہو پا رہی تھی۔ وہ شخص جو ہر حالات سے مثبت پہلو نکالتا تھا اب منفی خیالات کے ساتھ اپنے دن کاٹ رہا تھا اور زندگی سے دور ہوتا جا رہا تھا۔

آج شام سے بھی وہ کمرے میں اندھیرا کر کے بیٹھا تھا۔ مستقل آنسو اس کے چہرے پر بہہ رہے تھے اور خیالات میں صرف سارہ تھی۔ یہ ایسی آزمائش تھی جس کو وہ سہہ نہیں پا رہا تھا۔ ارم اپنے کمرے میں زین کے لئے فکر مند ادھر سے ادھر ہو رہی تھیں۔ خود کنزا بھی سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ زین کو کیسے واپس زندگی کی رنگینیوں میں لے کر آئے۔ ارم کو یہ ڈر تھا کہ اگر وہ نہیں سنبھلا تو اپنا نقصان کر بیٹھے گا جو وہ کبھی نہیں چاہتی تھیں کیونکہ وہ خود بھی اس اذیت سے گزر چکی تھیں۔ کتنی دیر گزر گئی اور زین کمرے سے نہ نکلا۔ کنزا زین کے کمرے کے باہر کھڑی اس ہی فکر میں رو رہی تھی۔ اس نے آہستہ سے دروازہ کھولا تو اس اندھیرے میں بھی وہ اپنے بھائی کی غمزدہ حالت دیکھ سکتی تھی۔ وہ بستر پر نیم دراز تھا۔ کنزا بھاگتی ہوئی ارم کے پاس چلی گئی۔

”مام، مام! بھائی کو سنبھالیں، مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔“ کنزا نے روتے روتے ارم کو

بتایا اور یہ سنتے ہی وہ بھاگتی ہوئی زین کے کمرے میں آگئیں اور فوراً لائٹ جلا کر کمرے میں روشنی کی جس سے زین کی آنکھیں چندھیا گئیں۔اس نے اپنا چہرا دوسری طرف کرلیا۔ارم نے کنزا کو جانے کا اشارا کیا اور خود زین کے پاس جا کر بیٹھ گئیں اور اسے اپنے گلے سے لگالیا۔

''مام! مجھے سکون نہیں مل رہا، میں پوری کوشش کررہا ہوں، پر مجھے سکون نہیں مل رہا، میں کیا کروں۔'' وہ ماں کا لمس محسوس کرتا ہوا ضبط کھو بیٹھا اور روتے ہوئے کہنے لگا۔یہ دیکھ کر ارم بھی آبدیدہ ہوگئیں۔انہوں نے زین کے آنسو پونچھے اور اس کا ماتھا چوم لیا۔

''دعا کرو زین، سب ٹھیک ہوجائے گا، اپنے لئے دعا کرو، اس کے لئے دعا کرو، تمہیں خود بخود دل میں سکون آئے گا، جب تک منفی سوچو گے بے چین رہو گے، ناامیدی کفر ہے یہ تم جانتے ہو، اور اللہ کسی کا ساتھ نہیں چھوڑتا۔نہ اس نے تمہارا چھوڑا ہے اور نہ ہی اس کا چھوڑے گا۔ایسے بیٹھے رہنے سے کیا ہوگا؟ مل جائے گی وہ؟ نہیں۔''

''مام! میں اس کی ضد کر بھی نہیں رہا۔میں خود چاہتا ہوں کہ وہ ہمیشہ خوش رہے لیکن میرے اندر درد بڑھتا جارہا ہے۔جسے میں سمجھ نہیں پارہا، ایسا نہیں ہے کہ میں کوشش نہیں کررہا۔مجھے ایسا لگتا ہے کہ وہ میری حقیقی کیفیت سے واقف ہی نہیں تھی۔سب کچھ جان کر بھی وہ میرا انتخاب غلط کہہ رہی تھی۔'' زین لاچار سا ارم کو دیکھ رہا تھا۔

''زین! میں اتنے دن سے چاہ رہی تھی کہ تم خود سنبھل جاؤ مگر میں دیکھ رہی ہوں، تم پر قنوطیت گہری ہوتی جارہی ہے۔اللہ ہر طرح سے آزماتا ہے۔کبھی دے کر تو کبھی لے کر۔تم اللہ پر بھروسہ رکھو اور اپنے دل سے ہر کڑوی یاد مٹا دو۔ہر وہ وقت ہٹا دو جو تمہیں درد دے رہا ہے۔اچھے پل کو سوچتے ہوئے اٹھو، پھر دیکھو، کیسے سنبھلتے ہو، جتنا منفی سوچو گے اتنا درد ہوگا اور آہستہ آہستہ یہ ہی درد تمہیں کھا جائے گا۔'' ارم نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اسے ہمت دلائی۔

"زین! میں یہ نہیں کہتی کہ تم بھول جاؤ سب، پر میں یہ سمجھانا چاہتی ہوں کہ اب آگے بڑھو، تمہارے لئے یقیناً کچھ نہ کچھ تو رکھا ہے، جو بیٹھے رہنے سے نہیں ملے گا۔" ارم نے کہا اور زین خاموشی سے سن رہا تھا۔

وہ کافی دیر اس کے پاس بیٹھی رہیں۔ جب انہیں لگا کہ زین بہتر محسوس کر رہا ہے تو وہ اٹھ کر وہاں سے چلی گئیں۔ زین ابھی بھی خاموش کمرے میں بیٹھا رہا اور سوچتا رہا۔ یہ منفی سوچیں ہی تھیں جو اسے اندر ہی اندر مار رہی تھیں پر ان کو ختم کیسے کیا جاتا۔ کسی خیال کے تحت وہ اچانک بستر سے اٹھا اور تیز تیز قدموں کے ساتھ گھر سے نکل گیا۔ یہاں گھر پر رات کے کھانے کا وقت ہو گیا تھا اور ارم زین کو بلانے کے لیے جانے ہی لگی تھیں کہ گھر کے دوسرے ملازم نے بتایا کہ وہ گھر پر نہیں ہے۔ اسی دوران انٹرکام بجا اور عبدل اٹھانے چلا گیا۔ پتہ چلا کہ شازیہ آئی ہوئی تھی۔ وہ روز رات کو اس وقت آجایا کرتی تھی اور زین کو نارمل کرنے کی کوشش کرتی تھی۔ عبدل نے دروازہ کھولا اور شازیہ چلتی ہوئی ارم کے پاس آگئی جو ڈائننگ روم میں پریشان کھڑی تھیں۔

"السلام علیکم آنٹی، کیا ہوا زین ٹھیک تو ہے؟" شازیہ نے انہیں متفکر سا پایا تو کہا۔

"بھائی پتہ نہیں کہاں چلے گئے ہیں۔" کنزا نے برجستہ کہا۔ وہ بھی بہت فکرمند لگ رہی تھی۔

"ارے تو آپ لوگ فون کریں نا۔" شازیہ نے فوراً مشورہ دیا۔

"نہیں، مجھے اس پر پورا بھروسہ ہے، وہ شاید کچھ دیر باہر اکیلا رہنا چاہتا ہے اور ویسے بھی مجھے ملازم نے بتایا ہے کہ وہ تھوڑی دیر پہلے ہی نکلا ہے، تھوڑا وقت گزر جائے، پھر فون کرتی ہوں۔" ارم نے پُرسوچ انداز میں کہا۔

زین تیزی سے گاڑی چلاتا سمندر کی طرف لے گیا۔ چونکہ رات کا وقت تھا اور جنوری کا

مہینہ تو اس وقت یہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ یخ بستہ ہوائیں چل رہی تھیں اور ٹھاٹھیں مارتے سمندر کی شرشر کرتی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ وہ گاڑی سے اترا اور لہروں کے پاس جا کھڑا ہوا۔ جب جب سمندر کا یخ ٹھنڈا پانی اس کے پیر چھوتا وہ کپکپی سی محسوس کرتا۔ اس نے اپنے لیدر جیکٹ پر باندھ لیے تھے اور سوچتا ہوا فلک کی جانب نظریں کر گیا۔

''زین! اپنے دل سے ہر کڑوی یاد مٹا دو، ہر وہ وقت ہٹا دو جو تمہیں درد دے رہا ہے، اچھے پل کو سوچتے ہوئے اٹھو، پھر دیکھو کیسے سنبھلتے ہو۔'' ارم کی آواز گونجی۔ اسے سب سمجھ میں آنے لگا تھا کہ اسے کون سی چیز سب سے زیادہ تکلیف دے رہی تھی۔ زین نے جینز کی جیب میں ہاتھ ڈالا اور سارہ کا خط، جسے وہ ہر وقت لیے پھرتا تھا نکالا۔ اس نے تہہ شدہ خط کھولا اور آخری بار اپنی آنکھوں کے سامنے کیا۔ ہر لفظ درد دے رہا تھا۔ ہر بات دل پر کانٹے کی طرح چبھ رہی تھی۔ جوں ہی وہ ہر لفظ پر نظر ڈال رہا تھا، آنسو جو کب سے بہہ رہے تھے، رک گئے اور چہرے کے تاثر سنجیدہ ہو گئے۔

''اے بھائی! ٹھنڈ نہیں لگتی کیا۔ اچھا یہ لے تُو بھی پی گرمی محسوس ہو گی۔'' ایک نشئی سگریٹ پھونکتا ہوا اس کو تنہا دیکھتے ہوئے اس کے پاس آیا۔ زین نے خط سے نظریں ہٹا کر اس کی جانب دیکھا جو عجیب سی حالت میں میلے کچیلے اور پھٹے کپڑوں میں ملبوس تھا۔ چہرا الجھا اور کمر میں خم تھا۔ اس آدمی نے سگریٹ اور لائٹر نکال کر زین کو دکھائی تھی۔ زین نے اس کی ہتھیلی سے صرف لائٹر اٹھایا۔

''نشے میں، میں ہوں اور تجھے مدہوشی چھائی ہے، ابے سگریٹ تو لے۔'' اس نے زین کو لتاڑا۔ بغیر کچھ کہے زین نے لائٹر جلایا اور کاغذ کے کونے کو آگ سے سلگا دیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے پورا کاغذ آگ کی لپیٹ میں آ گیا۔

"ابے! کیا پاگل ہو گیا ہے کیا کر رہا ہے بے تُو۔" وہ ٹکٹکی باندھے جلتے ہوئے خط کو دیکھ رہا تھا۔ آہستہ آہستہ سارہ کے لکھے گئے سب الفاظ راکھ میں تبدیل ہو کر ہوا میں اڑ رہے تھے۔ نشئی نے لائٹر لیا اور سر جھٹک کر وہاں سے چلا گیا۔ زین وہیں کھڑا کاغذ کی راکھ کو اڑتا دیکھتا رہا۔ تو یہاں منفی خیالات کو دفن کیا گیا تھا۔ ہر وہ سوچ جو اسے تکلیف دے رہی تھی اسے جلا ڈالا تھا۔ وہ عزم لیے سمندر کو تک رہا تھا جب اس کا فون بج اٹھا۔

"ہیلو زین، کہاں ہو بیٹا، ٹھیک ہو نا تم؟" ارم نے پوچھا۔ شازیہ اور کنزا بھی ساتھ ہی بیٹھی تھیں۔

"جی مام! بے فکر رہیں۔" اس کے لہجے میں ایسا ٹھہراؤ تھا جیسے سمندر طوفان کے بعد پُر سکون ہو گیا ہو۔

"زین! شازیہ بھی آئی ہے، تمہارا پوچھ رہی ہے، بیٹا، اب سنبھل جاؤ اور آگے بڑھو، اس ہی میں بھلائی ہے۔" ارم نے سمجھایا۔

"بے فکر رہیں مام۔ کچھ وقت کے لیے بھٹک گیا تھا۔ پر اب راستے پر ہوں۔ شازیہ کو کہیں کہ رک جائے، میں تھوڑی دیر میں آ رہا ہوں، اللہ حافظ۔"

☆......☆......☆

آٹھ سال بعد:۔

شکاگو، امریکہ۔

بیپ بیپ بیپ۔

صبح کے چار بج رہے تھے جب اس کا الارم بجنا شروع ہوا۔ وہ حسبِ معمول پہلی آواز پر اٹھ گیا اور الارم بند کر کے آواز کے سلسلے کو منقطع کر دیا۔ کمرا اندھیرے میں نہایا ہوا تھا کیونکہ فجر

ہونے میں پونے دو گھنٹے باقی تھے۔ اس نے سائیڈ میز پر موجود لیمپ کو جلایا تو زرد روشنی سے کمرے میں موجود نصف اندھیرا چھٹ گیا۔ اپنی روز کی روٹین کے مطابق وہ واش روم فریش ہونے چلا گیا اور تھوڑی دیر میں سیاہ رنگ کا دبیز جرسی نما جاگنگ سوٹ پہن کر نکلا۔

مارچ کا دوسرا ہفتہ تھا۔ آج کل موسم بہار اور موسم سرما کی آپس میں تکرار سے تمام شہری متاثر تھے۔ شدید سردی میں برف باری کے باعث اس نے گھر میں ورزش کا انتظام کیا ہوا تھا پر اب چونکہ موسم کی طرف سے اجازت موصول ہوگئی تھی۔ لہٰذا اس نے معمول کے مطابق باہر جاگنگ کا ارادہ کر لیا تھا پر شاکو میں ٹھنڈ کے آثار ابھی تک برقرار تھے۔ اس نے سردی سے بچنے کے لیے جاگنگ سوٹ پر ایک جیکٹ اور پہن لیا اور گھر سے نکل گیا۔ اس علاقے میں بہت خوبصورت دو مالے کے ٹاؤن ہاؤس تھوڑے تھوڑے فاصلے سے بنے ہوئے تھے۔ سب گھروں کی بناوٹ تقریباً ایک جیسی ہی تھی۔ وہ اپنے گھر کے مرکزی دروازے سے نکلا پھر دروازہ لاک کر کے اطراف کا جائزہ لینے لگا۔ ہر شے اندھیرے میں ڈوبی ہوئی تھی۔ فقط سٹریٹ لائٹس جلی تھیں جس سے سڑک کے ساتھ روش واضح ہو رہی تھی۔ وہ سیڑھیاں اتر کر روش پر پہلے تو چلتا رہا پھر آہستہ آہستہ اپنی رفتار بڑھا کر جاگ کرتا ہوا چلتا چلا گیا۔ اس کے دائیں جانب تھوڑے تھوڑے فاصلے پر بنے ہوئے گھر اور ان کے ساتھ اُگے ہوئے خوب صورت درخت اور پودے جن کا حسن اندھیرے سے مات کھا رہا تھا، رفتہ رفتہ پیچھے جاتے رہے تھے جبکہ بائیں جانب سڑک تھی جہاں پر ہر گھر کے ساتھ گاڑیاں پارک تھیں۔ اس وقت ہوا میں خنکی بے پناہ تھی لیکن ورزش سے اس کے جسم میں حدت پیدا ہونے لگی تھی۔ وہ مناسب رفتار سے جاگ کرتا ہوا لنکن پارک جو اس کا علاقہ تھا وہاں سے نکل گیا اور مین روڈ کے ساتھ بنی روش پر جاگ کرتا ہوا آگے بڑھتا رہا۔

یہاں فاصلے سے چھوٹی چھوٹی دکانیں موجود تھیں۔ جیسے کافی شاپ، میڈیکل سٹور، کریانہ اسٹور وغیرہ، وہ سب کو پیچھے چھوڑتا ہوا اپنا رخ جولیا پورٹر پارک کی طرف کر گیا اور چند لحظہ گزرے ہوں گے جب وہ وہاں پہنچ گیا تھا۔ پارک کی خوبصورتی پر بھی اس وقت اندھیرے کا تسلط تھا۔ جگہ جگہ لگی لائٹس سے جاگنگ پاتھ واضح ہو رہا تھا جہاں اس نے معمول کے مطابق جاگ شروع کر دی تھی۔ اگرچہ باغ میں موجود ہریالی پر سیاہ اندھیرا چھایا ہوا تھا پر برستی ہوئی شبنم سے گندھی ہوئی مٹی کی سوندھی خوشبو نے اس کی طبیعت کو تر و تازہ کر دیا تھا اور صبح کاذب کی خاموشی اسے پرسکون کرنے لگی تھی۔

پورے سوا گھنٹے جاگنگ کرتا ہوا وہ واپس اپنے گھر پہنچ گیا۔ کچھ دیر لونگ روم میں موجود صوفے پر بیٹھ کر اپنی سانسوں کو درست کرنے لگا تھا اور پھر فریش ہونے چلا گیا تھا۔ اس کے گھر میں داخل ہوتے ہی مختصر سی راہ داری تھی۔ بائیں جانب پر کوٹ ریک اور شوز سٹینڈ تھا۔ یہ راہ داری لونگ روم کی طرف جاتی تھی جو اس کے ذوق کے مطابق آرائش کیا گیا تھا۔ گرے رنگ کے چوکور شکل میں گداز صوفے رکھے تھے جس کے ساتھ مستطیل شکل کی میز موجود تھی۔ میز تلے نفیس سا ترکی قالین بچھایا گیا تھا جو گہرے گرے اور سفید امتزاج سے آراستہ تھا۔ دیوار گیر ٹی وی موجود تھا۔ بائیں جانب کامن ایریا تھا جبکہ دائیں طرف اوپن کچن تھا۔ ضرورت کے مطابق گول کھانے کی میز تھی جس کے ساتھ چار کرسیاں لگی ہوئی تھیں۔ کچن بھی سفید اور گرے رنگ کے امتزاج سے بنا ہوا تھا جو آنکھوں کو طمانیت کا احساس دلاتا تھا۔ پیروں تلے چمکتا گہرے بھورے رنگ کی لکڑی سے بنا فرش تھا۔ کچن کی ایک دیوار سے لگی ہوئی سیڑھیاں تھیں جو اوپر راہ داری میں جاتی تھیں۔ جس کے ساتھ ملحقہ دو کمرے تھے۔ ایک اس کا ذاتی کمرا تھا جبکہ دوسرا گیسٹ روم کے طور پر استعمال ہوا کرتا تھا۔ دو کمرے نیچے بھی کامن ایریا

کے ساتھ ملحقہ تھے جس میں سے ایک اس نے اسٹڈی روم کے طور پر رکھا تھا جبکہ دوسرا کمرا قدرے چھوٹا تھا جو لانڈری روم تھا۔ کچن کی دوسری طرف سے بنا ہوا دروازہ اس کے بیک یارڈ تک جاتا تھا جہاں اس نے ذوق کے مطابق موسم سے لطف اندوز ہونے کے لیے آرام دہ کرسیاں اور میز رکھی تھیں۔ مختلف پودوں کی اقسام اطراف میں لگے فینس کے ساتھ موجود تھیں جس میں کئی طرح کے پھول کھلا کرتے تھے پر اس وقت یہ خطہ موسم سرما کے باعث تازگی کھو بیٹھا تھا، پر بہار کی آمد آمد نے اسے نوید دلائی تھی۔ اس کا یہ گھر، لنکن پارک شکاگو کے حسین ترین علاقے میں موجود تھا۔ اس پورے خطے میں خوبصورت گھر اور مختلف باغات بنے ہوئے تھے جو طبیعت پر اچھا اثر کرتے تھے۔

وہ فریش ہو کر نکلا پھر فجر کی نماز ادا کی۔ ویسے تو مسجد قریب ہی تھی پر وقت کی کمی کے باعث وہ زیادہ تر گھر پر ہی نماز پڑھتا تھا۔ با جماعت نماز ہفتے اور اتوار کو ممکن تھی۔ جائے نماز تہہ کر کے وہ کمرے سے نکلا اور اپنا موبائل لے کر نیچے کچن میں چلا گیا۔ معمول کی طرح آج بھی اس کے موبائل پر کئی سارے ریکارڈڈ میسجز تھے۔ اس نے ماربل ٹاپ پر موبائل رکھ کر پلے کا بٹن دبایا اور ناشتہ بناتے بناتے ساری ریکارڈنگ سننے لگا۔

''السلام علیکم زین بیٹا، کیسے ہو؟'' پہلا میسج ارم کا تھا اور ان کی فرحت بھری آواز سن کر وہ زیر لب مسکرایا۔

''السلام علیکم بھائی۔'' پیچھے سے کنزا کی چیخنے کی آواز آئی جس سے زین کے چہرے کی مسکراہٹ میں مزید اضافہ ہوا تھا۔ وہ ان پیغامات کو سنتے ہوئے دو انڈے لے کر ایک پیالے میں توڑ کر اب پھینٹ رہا تھا۔

''کنزا آئی ہوئی ہے رکنے کچھ دن کے لئے، اور تم بتاؤ کیسے ہو؟ آج کل روٹین اتنی

مصروف ہوگئی ہے، میٹنگز، کلاسز۔ اچھا زین! شازیہ کا فون آیا تھا میرے پاس، اس کا فون اٹھاؤ بھئی وہ مجھ سے کہہ رہی ہے کہ تم اس کا فون نہیں اٹھا رہے۔"

"مصروف تھا ماما۔" زین نے سن کر خود کلامی کی۔ انڈے میں تھوڑی سی پیاز ٹماٹر کاٹ کر، پھر مصالحے ڈال کر پھینٹنے لگا۔ ساتھ ہی کافی میکر کو آن کر دیا تھا جس میں کافی بریو ہو رہی تھی۔

"خیر جب موقع ملے تو کال کرنا اوکے، چلو اپنا خیال رکھو۔ میں رکھ رہی ہوں، اللہ حافظ۔"

بیپ۔

"ہیلو زین ہاں یار، ایک تو تُو اتنی جلدی سو جاتا ہے کہ بندہ بات کیسے کرے۔ اچھا سن، کل میری میٹنگ ہے ایڈورٹائزنگ کمپنی کے ساتھ، لہٰذا تو بھولنا مت ہمیں شیروانی ہاؤس جانا ہے۔ ایسا نہ ہو مصروفیت کی وجہ سے میں پھر سے یاد کروانا بھول جاؤں۔ تُو آفس سے سیدھا وہیں چلے جانا میں بھی کام نمٹا کر پہنچتا ہوں۔ پلیز مت بھولنا ورنہ ثانیہ تجھے نہیں چھوڑے گی۔ چل رکھتا ہوں بائے۔" شایان کا میسج سنتے کے ساتھ وہ آج کے دن کی ترتیب دینے لگا تھا۔

بیپ۔

"زین! تم فون کیوں نہیں اٹھا رہے، یہاں زوہان ضد پر ضد کیے جا رہا ہے کہ تم سے بات کرنی ہے۔ جیسے ہی میسج ملے کال کرو۔" شازیہ کا غصے سے کیا گیا پیغام سن کر وہ دھیمی سی ہنسی ہنس گیا۔ زوہان کا نام سنتے کے ساتھ اس نے فلائنگ کس موبائل کی طرف اچھالی تھی۔

بیپ۔

"مسجد کے امام صاحب مغرب کی نماز کے بعد بیان کریں گے۔ آپ سے گزارش ہے اس محفل کا حصہ بنئے اور برکتیں سمیٹیں۔" دن اور وقت دونوں میسج میں سنتے ہوئے زین نے

دماغ میں حفظ کرلیا کیونکہ وہ اکثر ایسی محفل سے جڑا رہتا تھا جو ہر وقت کچھ نہ کچھ نیا سکھاتے اور اصلاح کرنے میں مدد کرتے تھے۔

اس کے ساتھ ساتھ اور کئی میسجز تھے جنہیں وہ سنے جا رہا تھا اور ناشتہ بنا کر ٹیبل پر لے آیا تھا۔ جلدی جلدی اس نے ناشتہ مکمل کیا اور فوراً اوپر کمرے میں جا کر آفس کے لئے تیار ہونے لگ گیا۔

اس نے سفید رنگ کی ڈریس شرٹ پہنی تھی جس پر کچھ فاصلے سے سیاہ رنگ کی باریک دھاریں تھیں۔ نیچے سیاہ ڈریس پینٹ پہنی تھی اور اب بستر پر بیٹھے ہوئے وہ کالے رنگ کی ہی جرابیں پہن کر اپنے کمرے میں رکھی سنگھار میز کے سامنے آگیا تھا۔ برش اٹھا کر وہ اپنے بال بنانے لگا تھا۔ اتنے ماہ و سال گزر جانے کے باوجود بھی اس کے بال آج بھی ویسے ہی تھے۔ چہرے پر بھی خاص تغیر نہ تھا البتہ وقت کے ساتھ ساتھ مزید پختگی نمایاں ہوگئی تھی۔ وہ مزید جاذب نظر، ہوشیار اور سمارٹ ہوگیا تھا۔ جسمانی قوت روز کی ورزش اور ہفتہ وار جم جانے سے مزید بڑھ گئی تھی۔ پہلے سے وہ اور بھی زیادہ پھرتیلا، تندرست اور توانا لگتا تھا اور آج بھی مستقل اس کے چہرے پر وہی ازلی دھیمی سی مسکراہٹ سجی رہتی تھی۔ خصوصی طور پر تب جب اس کے اطراف میں لوگ موجود ہوتے تھے پر ان ماہ و سال میں یہ ضرور ہوا تھا کہ اس کی طبیعت میں مزید ٹھہراؤ اور سنجیدگی پیدا ہوگئی تھی جو یونیورسٹی کے زمانے میں نہیں تھی۔

اس نے بال بنا کر اپنی آستینوں کے کف بٹن لگائے پھر میز پر رکھی نفیس گھڑی پہنی اور ساتھ ہی پرفیوم لے کر خود پر سپرے کیا۔ ایک وہی مخصوص خوشبوئیں تھیں جنہیں وہ ہمیشہ سے استعمال کرتا آرہا تھا۔ اس کے بعد اس نے میز پر رکھا سلور اور سیاہ رنگ کا ہاف رم لیس چشمہ آنکھوں پر پہن لیا جو اس کی سنجیدہ طبیعت میں مزید بردباری ابھار رہا تھا۔ اس کے کام کی

نوعیت ایسی تھی کہ مستقل لیپ ٹاپ اسکرین پر نظریں جمائے رہنے کی وجہ سے اس کی آنکھیں تھوڑی کمزور ہوگئی تھیں پر وہ چشمے کے بغیر بھی با آسانی کام چلا سکتا تھا لیکن ڈاکٹر کے مشورے سے یہ فلٹر گلاسز بنوالیے تھے۔اس نے پھر کالے رنگ کا کوٹ لیا اور پہن لیا۔ یہ اس کا روز کا معمول تھا اور زیادہ تر اس ہی قسم کے لباس میں رہتا تھا۔سیاہ اور سفید رنگ کا ملا جلا مفلر اس نے گلے میں ڈال لیا جو اس کے سردی سے بچنے کے لیے کافی تھا۔مکمل تیار ہو کر اس نے موبائل کو جیب میں اور دیگر دوسری چیزیں جیسے والٹ وغیرہ سب ڈالا اور گاڑی کی چابی لے کر کمرے سے نکلنے والا ہی تھا کہ ایک دم اس کے پیر وہیں رک گئے اور چہرے پر تفکر سے تناؤ آ گیا۔اس نے اپنی جیبوں پر ہاتھ پھیر کر دیکھا تو وہ نہیں تھی۔ وہ تیزی سے پیچھے پلٹا اور سنگھار میز کے پاس جا کر دیکھا تو وہاں بھی نہیں تھی۔

"کدھر ڈال دی میں نے؟" یکلخت ہی چہرا مضطرب ہوا تھا۔ پھر اچانک اسے اپنا جاگنگ سوٹ یاد آیا جسے وہ آج پہن کر گیا تھا۔اس نے فوراً بستر سے جاگنگ سوٹ اٹھایا اور اس کی جیب میں ہاتھ ڈالا تو اٹکا ہوا سانس بحال ہوا تھا۔ جان میں جان آ گئی تھی۔اس نے اطمینان کے ساتھ جیب سے ہاتھ نکالا اور اسے دیکھنے لگا۔اتنے سالوں کے باوجود بھی اس کی چمک ماند نہیں پڑی تھی۔ معلوم نہیں کیوں پر اسے اپنے پاس رکھ کر مثبت احساس ہوتا تھا۔ہاتھ میں اسے تھامے ہوئے دیکھ کر وہ مسکرایا پھر پینٹ کی جیب میں ڈال لیا۔اب دن گزارنا آسان لگ رہا تھا۔

وہ گھر سے نکلا اور سیڑھیاں اترتے کے ساتھ ہی ملحقہ سڑک پر اس کی گاڑی پارک تھی۔ مزید تاخیر کیے وہ دروازہ کھول کر بیٹھ گیا۔چابی اگنیشن میں ڈالی اور گاڑی کو جو لیا پورٹ پارک کی طرف ڈال دیا جہاں وہ جاگنگ کرنے جاتا تھا۔

صبح کے سات بج رہے تھے اور سورج طلوع ہونے کا وقت ہوا جاتا تھا۔ وہ کچھ منٹوں میں اس پارک میں پہنچ گیا۔ گاڑی ایک طرف پارک کی اور ایک بار پھر اس پارک میں چلا گیا اور اپنی مخصوص جگہ پر کھڑا ہو کر درخت سے ٹیک لگا لی۔ صبح کا جھٹ پٹا ہر سو پھیلا ہوا تھا۔ آسمان پر نیلگوں روشنی تھی جس کے مشرق سے نارنجی شعاعیں پھوٹتی ہوئی نظر آ رہی تھیں۔ پرندے اللہ کی حمد و ثناء میں چہچہاتے ہوئے کانوں کو سکون بخش رہے تھے۔ فاصلے پر جھیل کی اوپری سطح پر خنکی کے باعث باریک برف جم گئی تھی جو ایک پتھر مارنے سے پوری ٹوٹ جاتی۔ یہاں کئی اقسام کے درخت اور پودے موجود تھے جو موسم سرما کی تکلیف دیتی ہوئی سردی سے مرجھا گئے تھے پر موسم بہار کی آمد آمد سے یہ دھیرے دھیرے اپنی شادابی واپس لینے لگے تھے۔ حدِ نگاہ تک منظر آنکھوں کو تسکین دے رہا تھا۔ اس جگہ اسے اپنائیت کا احساس ہوا کرتا تھا۔ وہ کچھ دیر وہاں کھڑا رہا جب تک شفق پوری طرح پھوٹ نہ گئی پھر گاڑی میں بیٹھ کر اپنی منزل کی جانب گامزن ہو گیا۔

اس نے فون ایک سٹینڈ پر ڈیش بورڈ پر لگا دیا تھا اور بلوٹوتھ کو اپنے سیدھے کان پر لگائے گوگل کو ارم کو کال کرنے کی ہدایت دی۔ ایک دو گھنٹیاں بجیں اور ارم نے فون اٹھا لیا۔

''السلام علیکم بیٹا۔'' پہلی بیل پر ہی ارم نے فون اٹھا لیا تھا۔ ان کی آواز میں زین کے فون آنے سے جو خوشی محسوس ہوئی تھی صاف سنائی دے رہی تھی۔

''وعلیکم السلام! کیسی ہیں مام آپ؟'' زین نے کہا۔ کان میں بلوٹوتھ کا آلہ لگا ہوا تھا جس کے ذریعے سے وہ ارم سے بات کر رہا تھا۔

''بالکل ٹھیک، اللہ کا شکر اور آفس کے لئے نکل گئے ہو؟'' ارم نے پوچھا۔

''جی مام بس ابھی نکلا ہوں، کنزا کہاں ہے؟'' زین نے پوچھا۔

”وہ تو سو رہی ہے، تھوڑی دیر بعد اٹھاؤں گی اسے میں۔“ ارم نے کہا۔

”اوہ ہو چلیں ٹھیک ہے، میں لنچ ٹائم میں فون کروں گا پھر۔“ زین نے کہا۔

”ہاں بیٹا خیال رکھنا اپنا اور گاڑی احتیاط سے چلانا۔“ ارم نے رسان سے کہا۔

”جی مام! آپ بھی اپنا خیال رکھیں اور جلد آئیں اب میرے پاس۔ چلیں میں رکھتا ہوں ہائی وے پر داخل ہونے والا ہوں، اللہ حافظ۔“ زین نے کہا۔

”ضرور بیٹا ضرور، انشاء اللہ، اللہ حافظ۔“ ارم نے کہا اور فون بند کر دیا۔ زین نے گاڑی شاہراہ پر ڈال دی اور رفتار مزید بڑھاتا ہوا وہ آدھے گھنٹے میں شکاگو میٹروپالیٹن ایریا پہنچ گیا جہاں اس کا آفس تھا۔ شکاگو کے اس خطے میں آسمان کو چھوتی ہوئی کئی بلند عمارتیں تھیں اور اس جگہ لاتعداد آفس موجود تھے۔ اس وقت سڑک پر رش لگا ہوا تھا کیونکہ یہ پیک آور تھا جس میں سب آفس پہنچ کر اپنے معمول کے مطابق روز کام کیا کرتے تھے۔ وہ بھی اس رش سے گزرتا ہوا بالآخر اپنے آفس کی بلڈنگ کے پارکنگ ایریا میں چلا گیا تھا۔

☆......☆......☆

”ہیلو ہاں شازیہ السلام علیکم۔“ زین نے اپنے ہاف ٹائم میں پہلے کنزا سے بات کی اور اب شازیہ کو فون کر لیا۔ ہاف ٹائم ختم ہونے میں تھوڑی دیر تھی اور وہ لنچ روم سے نکلتا ہوا اپنے کمرے کی طرف جا رہا تھا۔

”وعلیکم السلام، تم میرا فون کیوں نہیں اٹھا رہے تھے؟ یہاں زوہان ضد کیے جا رہا تھا کہ تم سے بات کروادوں۔“ شازیہ نے دبے دبے غصے سے کہا اور زین یہ سن کر مسکرا دیا۔

”سوری نا یار! کام میں مصروف تھا۔ اب تم جلدی سے میری اس سے بات کروا دو۔“ زین نے اپنائیت کے ساتھ کہا۔

''ہاں ایک منٹ رکو۔'' شازیہ نے زوہان کو آواز لگادی اور تھوڑی دیر میں ہی وہ دوڑا چلا آیا اور اپنی امی کے ہاتھ سے فون لے کر اپنے کان سے لگالیا۔

''ہیلو زین انکل!'' اس کی آواز میں پرجوشی زین صاف محسوس کرسکتا تھا۔ سماعت سے جوں ہی ننھے زوہان کی آواز ٹکراتی تھی زین بے تحاشا خوشی محسوس کرتا تھا۔ شازیہ کی شادی اس کے کزن دانش سے ہوئی تھی اور وہ اب لندن میں مقیم تھی۔ فاصلے ہونے کے باوجود بھی زین نے اپنے دوستوں سے تعلق ختم نہیں کیے تھے اور شازیہ کے چھ سالہ بیٹے زوہان کو دل سے چاہتا تھا۔ وہ جب جب لندن آتا زوہاں اس کے ساتھ وقت گزارتا اور ہر بار اس کے آنے کا انتظار کرتا تھا۔

''ہیلو زوہان! کیسے ہو، مما کو تنگ کر رہے ہونا؟'' زین نے کہا۔ زوہان کو اردو اتنی سمجھ نہیں آتی تھی تو زین اس سے انگریزی میں بات کر رہا تھا۔

''نہیں تو، زین انکل! آپ اب کب آئیں گے؟'' زوہان نے پوچھا۔

''بیٹا! آپ دعا کریں کہ میرے باس مجھے پھر سے چھٹیاں دے دیں، ویسے ابھی تو آ کر گیا تھا میں۔'' زین نے رسان سے کہا۔ وہ کیفے ٹیریا سے نکل کر کوریڈور سے چلتا ہوا اپنے کمرے میں داخل ہو گیا تھا۔

''ہاں تو پھر سے آجائیں، ہم دونوں مل کر کھیلیں گے، آپ کو معلوم ہے میں نیا فائٹنگ گیم لایا ہوں۔'' زوہان نے پرجوشی سے کہا۔

''زبردست! چلو ٹھیک ہے میں جلد آؤں گا اور بابا ماما کو تنگ نہیں کرنا۔ اوکے اب آپ فون اپنی ماما کو دے دیں۔'' زین نے کہا اور زوہان نے فون شازیہ کو دے دیا۔

''ہاں شازیہ! اس کو میری طرف سے پیار کرنا، دانش کو سلام کہنا، مجھے ایک میٹنگ اٹینڈ

کرنی ہے تم سے بعد میں بات کروں گا، اللہ حافظ۔" زین عجلت میں کہہ رہا تھا۔

"اوکے زین، اللہ حافظ۔ اپنا خیال رکھنا۔" شازیہ نے کہا اور فون بند کر دیا۔ زین روم میں موجود اپنی میز پر سے کچھ ضروری کاغذات اکٹھے کر کے فائل میں ڈال رہا تھا۔ میز پر لیپ ٹاپ اور دیگر اہم اشیاء کے علاوہ اس نے کنزا اور ارم کا ایک فوٹو فریم رکھا ہوا تھا۔ یہ کمرا چھوٹا سا تھا پر اس کا اپنا تھا۔

زین نے شکاگو میں ایم بی اے کی پڑھائی کے ساتھ ساتھ ایک جانی مانی ملٹی نیشنل کمپنی میں مارکیٹنگ اسسٹنٹ کی حیثیت سے جاب شروع کی تھی اور تھوڑے ہی عرصے میں اس نے اپنی صلاحیتوں کو منوالیا تھا جو اسے ہائر مینجمنٹ کی نظروں میں لے آئیں۔ ماسٹرز کی پڑھائی مکمل ہونے کے کچھ عرصے بعد ہی وہ برینڈ مینجر کی پوسٹ پر پروموٹ ہو گیا تھا۔ اس کے پروموشن کو ہوئے دو ڈھائی سال ہی ہوئے تھے اور جب سے اس پوزیشن پر آیا تھا اس کی قابلیت سے سب واقف ہونے لگے تھے۔ جس پراڈکٹ پر وہ کام کر رہا تھا اس نے ڈیڑھ سال میں ہی اس کی لائن کو نیشنل اور انٹرنیشنل لیول پر پاپولر کر دیا تھا۔ ہائیر مینجمنٹ نے اس کے فہم و ادراک کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنی کمپنی کی پراڈکٹ لائن ایسنز کی ذمہ داری بھی اس کے سپرد کی جس کی سیلز کا گراف وقتاً فوقتاً گرتا جا رہا تھا اور حالیہ مینجر نے اس لائن کی فروخت کو بند کرنے کا فیصلہ کر دیا تھا جس سے کمپنی کو کافی نقصان اٹھانا پڑتا۔ دوسری پراڈکٹ پر قابل تعریف کام کر کے اب وہ دی ہوئی ذمہ داری پر سر توڑ محنت کر رہا تھا۔

یہ ایک جانا مانا کنزیومر برینڈ تھا جس کی پوری دنیا میں سپلائی تھی پر زین کے کام کی نوعیت امریکہ تک تھی۔ یہ ایک شیمپو برانڈ تھا جس کے بعد اس ہی نام کی کئی اور پراڈکٹس نکلیں جیسے شاور جیل، ہیر جیل وغیرہ۔ اگر دیکھا جائے تو اس کی ایکسٹینشن کافی وسیع و عریض تھی اور اس

پراڈکٹ کی مارکیٹنگ سے لے کر اس کی ڈسٹری بیوشن تک کا کام زین کے ذمہ تھا۔ پر اس کے لئے اس کے ساتھ اس کے اسسٹنٹس بھی تھے جو اس کی ہدایت کے مطابق کام کرتے اور اسے رپورٹ کرتے رہتے تھے۔ اس کمپنی میں مختلف پراڈکٹ لائینز تھیں جن کا شمار کنزیومر آئیٹم میں ہی ہوتا تھا جو لوگوں کی ضروریات کے مطابق تھیں اور ہر پراڈکٹ لائن کا ایک برانڈ تھا اور ہر برانڈ کے لئے مختلف برانڈ ایگزیکٹو اور پھر برانڈ مینیجرز تھے۔ شایان بھی ان میں سے ایک تھا جس کی پراڈکٹ لائن مختلف تھی۔

زین اور اس کے اسسٹنٹ برانڈ مینجر ایلن، ڈیوڈ، بارنی اور وکٹر میٹنگ روم چلے گئے تھے جہاں تھوڑی دیر میں برانڈ اکزیکیوٹو جورج کے ساتھ ان کی میٹنگ منعقد کی گئی تھی۔ وہ انگریز تھے۔ ادھیڑ عمر کے آس پاس۔ جلد گلابی تھی اور سر پر اب چند بال ہی رہ گئے تھے۔ زین اور اس کی ٹیم کے برعکس جورج جسمانی طور پر فربی تھے۔ ایلن، ڈیوڈ اور بارنی بھی انگریز تھے جبکہ وکٹر اسپینش اور ڈیوڈ سیاہ فام تھا اور ان میں سب سے زیادہ ذہین بھی وہی تھا۔

میٹنگ روم میں ایک بڑی سی ٹیبل تھی جس کے اردگرد کئی کرسیاں رکھی تھیں۔ سربراہی کرسی پر جورج براجمان تھے اور ان کے برابر میں زین اپنا لیپ ٹاپ لیے تیار بیٹھا تھا اور پھر ان کے آمنے سامنے سب اسسٹنٹ نے نشست سنبھالی ہوئی تھی۔ میٹنگ زین کو ہی لے کر چلنی تھی تو اس نے لیپ ٹاپ کا رخ اپنے سامنے کیا اور جورج کے پیچھے ملٹی میڈیا لگا ہوا تھا جس پر اس نے پریزینٹیشن چلادی تھی۔ جورج نے کرسی کو گھمایا اور اس بڑے سے پردے کی طرف دیکھنے لگا۔ زین اور اس کی ٹیم نے جو کام سرانجام کیا تھا ان سب کے حقائق اور عداد وشمار سامنے سکرین پر نظر آرہے تھے جسے جورج پڑھ رہا تھا۔

"سر! مارکیٹنگ ریسرچ کرنے کے بعد ہمیں یہ سب ڈیٹا ملا ہے جو اس وقت سکرین پر نظر آ

رہا ہے۔" زین نے شائستہ انداز میں کہنا شروع کیا۔

"ٹیم نے ہر ایریا کا سروے کیا ہے جہاں جہاں ہمیں معلوم تھا کہ یہ پراڈکٹ استعمال کیا جاتا ہے۔ آپ دیکھ سکتے ہیں۔" زین کہہ کر اپنی جگہ سے اٹھا اور سکرین کی طرف چلا گیا۔

"کسٹمرز کو پراڈکٹ کی پیکجنگ سے مسئلہ ہے اور نہ ہی اس کی دستیابی سے۔ سارا پرابلم جو آ رہا ہے وہ پراڈکٹ کی اجزاء پر ہے۔" زین کے ہاتھ میں کنٹرولر تھا جس سے اس نے سلائڈ بدل دی اور نیا ڈیٹا سامنے لے آیا۔

"ہمارا یہ پراڈکٹ جو کہتا ہے وہ کر کے دکھاتا نہیں، اور ہمیں یہ بات نہیں بھولنی چاہیے کہ ہماری ٹارگٹ مارکٹ مڈل سے لوور تنخواہ والے ملازمین ہیں جو پیسے خرچ کرتے وقت یہ سوچتے ہیں اور یہ ہی چاہتے ہیں کہ جو پراڈکٹ انہوں نے خریدا، وہ فائدے مند ہو۔" زین شائستہ انگریزی میں اپنا موقف بیان کر رہا تھا اور سب حاضرین بھی توجہ سے سن رہے تھے۔

"سروے کے مطابق لوگوں کو وہ فائدہ نہیں حاصل ہو رہا ہے جس کا کمپنی دعویٰ کرتی ہے یا جس کا ان سے وعدہ کیا گیا تھا۔ اس لیے کنزیومرز مزید یہ پراڈکٹ استعمال کرنے سے گریز کر رہے ہیں جو ہماری پوری سیل پر اثر انداز ہو رہا ہے۔" زین رکا اور جورج کی طرف دیکھنے لگا۔

"تو مسٹر زین! آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ یہ پراڈکٹ ختم نہ کیا جائے بلکہ اس میں تبدیلی لائی جائے؟" جورج نے کہا۔

"جی سر، میرا مشورہ یہی ہے، کمپنی نے اس پراڈکٹ کی پیکنگ پر کافی پیسہ لگایا ہے پر اس کی ریسرچ اور ڈیویلپمنٹ میں کوتاہی ہوئی ہے۔ مجھے لگتا ہے کہ ہمیں اس کی اجزاء پر توجہ دینا ہوگا اور اس پراڈکٹ کو مکمل طور پر روک دینا میرے نزدیک درست فیصلہ نہیں ہوگا۔ اگر آپ کو یہ کمپنی کے لیے بہتر آپشن لگتا ہے تو ہمارا اگلا لائحہ عمل یہ ہوگا کہ تمام پراڈکس کو مارکیٹ سے اٹھا

لیا جائے۔ ہم پیکنگ وہی رکھیں گے تاکہ ہماری مقررہ کنزیومر مارکیٹ اس کو آرام سے پہچان لے۔ اجزاء پر کام کر کے ہم ایڈز کے ذریعے اپنی مارکیٹ کو اس بات کا یقین دلائیں گے کہ پراڈکٹ میں مکمل تبدیلی لا کر اب انہیں نیا شیمپو پیش کیا جا رہا ہے جو ان کی ضرورت کے مطابق ہو گا۔ اس طرح ہماری سالانہ سیلز کا گراف بہتر ہو گا۔'' زین نے کہا۔ جورج نے پھر سارے اسسٹنٹس کی جانب دیکھا اور ان سے مشورہ لیا تو سب زین کی بات سے متفق تھے۔ جورج نے واپس زین کی طرف دیکھا جو مسکرا رہا تھا اور اس قدر مطمئن تھا کہ جورج بھی بول پڑے۔

''یعنی مسٹر زین آپ رسک لینا چاہتے ہیں؟'' جورج نے معنی خیز مسکراہٹ دکھائی۔

''رسک نہیں سر، چیلنج! اور مجھے لگتا ہے کہ اس میں کامیابی ہو گی۔'' زین نے قطعیت بھرے لہجے سے کہا اور یہ سنتے کے ساتھ ہی جورج نے لمبا سانس لیا اور زین کو معنی خیز انداز میں مسکرا کر دیکھنے لگا۔

''ٹھیک ہے مسٹر زین، میں دیکھتا ہوں ہم اس سلسلے میں کیا کر سکتے ہیں۔ میں پراڈکشن ڈپارٹمنٹ سے بات کر کے آپ کو فیڈ بیک دوں گا۔ فی الحال آپ اس پر کام شروع کریں۔'' جورج مسکراتے ہوئے اٹھا اور چلا گیا اور میٹنگ کا اختتام ہو گیا۔ سب اسسٹنٹس کے چہروں پر مسرت تھی اور زین ان سب کو دیکھ کر ان کی حوصلہ افزائی کر رہا تھا۔

''اور زین نے پھر سے چیلنج لے لیا۔'' ایلن نے محظوظ ہو کر کہا۔ وہ دودھیا جلد مائل دبلی پتلی سی سنہرے بالوں والی لڑکی تھی۔

''یہ سب تم لوگوں کی وجہ سے ہوا ہے، اب کام کی بات کر لیتے ہیں۔'' زین نے لیپ ٹاپ بند کیا جس سے پیچھے ملٹی میڈیا بھی بند ہو گیا اور وہ ٹیبل کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔ سب اس خوبرو پُر اعتماد نوجوان کو ستائشی نگاہ سے دیکھنے لگے تھے۔ تھا تو وہ ان سے ایک پوسٹ اوپر

پر اس کا طور طریقہ ایسا تھا کہ سب ہی اس کے دوست بھی تھے اور کچھ بھی کہنے سے گھبراتے نہیں تھے۔

''یہ کام ہمیں آج ہی سے کرنا ہوگا، ڈیوڈ، ڈسٹری بیوشن والوں سے رابطہ کرو اور انہیں ہدایت دو کہ مارکیٹ سے ایسنز کا یہ پراڈکٹ فوراً ہٹا لیں۔ بارنی پروڈکشن ڈپارٹمنٹ سے رابطہ کرنا ہوگا، میں سوچ رہا ہوں جب مارکیٹ سے یہ پراڈکٹ واپس آجائے گا تو اس کی بوتلوں کو ہم واپس استعمال کر سکتے ہیں، اس سے ویسٹیج کم ہوگا اور کمپنی کو زیادہ پیسہ دینا نہیں پڑے گا۔ ہم پہلے اسی سٹاک پر کام کریں گے۔''

''یہ تو اچھا آئیڈیا ہے، اس کے بعد ہم مارکیٹنگ بھی ایسے ہی کر سکتے ہیں، لوگوں کو یہ ہی دکھائیں گے کہ پیکجنگ وہ ہی ہے پر اندر کے اجزاء بدل دیے ہیں۔'' ڈیوڈ نے مشورہ دیا۔

''بہت اچھا خیال ہے، ہمیں اس کی مارکیٹنگ پر سب سے زیادہ کام کرنا ہوگا کیونکہ لوگوں کو اس بات کا یقین دلانا ہے کہ اب جو پراڈکٹ وہ خریدیں گے انہیں وہ ہی ملے گا جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے۔ کل ہی ریسرچ اور ڈویلپمنٹ ڈپارٹمنٹ سے بات کر لیتے ہیں۔ کیا کہتے ہیں آپ لوگ؟'' زین نے پوچھا اور سب اس پلان سے سہمت ہو گئے۔ پھر میٹنگ ختم ہو گئی اور سب اپنے کاموں میں مصروف ہو گئے تھے۔ زین اپنا لیپ ٹاپ لیتا ہوا اپنے کمرے میں چلا گیا اور کام کے حوالے سے جت گیا۔

پانچ بجے آفس کا وقت ختم ہو گیا تھا اور زین بھی اپنا لیپ ٹاپ بند کر کے اسے کیس میں ڈال رہا تھا ساتھ ہی میز پر بکھرے سامان کو سمیٹ رہا تھا کہ اس کا دروازہ کھلا۔ ویویک جو کہ ہندو تھا وہ اور اس کے ساتھ چلتا ہوا بریٹ جو کہ انگریز تھا، داخل ہو گئے۔ یہ دونوں بھی مختلف برینڈ کے مینجرز تھے اور یہ سب آپس میں دوست بھی تھے۔

''اور زین کیسے ہو۔'' ویویک نے آتے ہی کہا۔ دونوں بریٹ اور ویویک اس کی میز کے سامنے آکر کھڑے ہوگئے۔ زین کے چہرے پر مسلسل فاتحانہ مسکراہٹ تھی جس کو یہ دونوں نوٹس کر چکے تھے۔

''لگتا ہے جورج مان گیا اور تمہاری میٹنگ کامیاب ہوگئی ہے۔'' بریٹ نے پوچھا۔

''جی جناب! جورج صاحب مان گئے۔'' زین نے کہا۔

''ارے واہ، یہ ہوئی نا بات، ویسے رسک بہت ہے اس میں زین، پر ہمیں معلوم ہے تم کر ہی لوگے۔'' ویویک نے کہا اور زین ہنس پڑا۔

''کیا بات ہے، شایان صبح سے نظر نہیں آ رہا؟'' بریٹ نے پوچھا۔

''ہاں، اس کی میٹنگ تھی ایڈورٹائزنگ کمپنی کے ساتھ۔ میرا خیال ہے پورا دن ہی لگ گیا ہوگا۔ ارے۔ اچھا ہوا تم نے شایان کا ذکر کر دیا میں تو بھول ہی گیا تھا شیروانی ہاؤس بھی جانا ہے، مجھے لگتا ہے وہ وہیں نکل گیا ہوگا۔'' زین کو اچانک خیال آیا۔

''وہ بھی عجیب ہے آخری منٹ کے لئے یہ کام رکھا ہے۔'' ویویک نے کہا۔

''واقعی! اور اب مجھے بھاگنا ہے، ورنہ وہ مجھے نہیں چھوڑے گا، ویسے آ رہے ہو نا تم لوگ سب؟'' زین نے پر جوش انداز میں پوچھا۔

''کیوں نہیں آئیں گے بھئی، ہم تو ترسے ہیں اس کی شادی دیکھنے کے لیے۔'' بریٹ نے کہا اور وہ تینوں باتیں کرتے ہوئے آفس سے نکل گئے اور اپنی گاڑیوں کی طرف چلے گئے۔

☆......☆......☆

''یہ لیجیے شایان صاحب شیروانی تیار ہے۔'' ڈیزائنر نے شیروانی شایان کو دی اور خود ایک طرف تعظیم سے کھڑا ہو گیا۔ شایان قد آور آئینے کے سامنے کھڑا تھا اور زین بھی اس کے ساتھ

موجود آئینے میں اس کے عکس کو دیکھ رہا تھا۔شایان نے شوخ انداز میں شیروانی لی اور زین کے لگا دی پھر اسے جانچتی نظروں سے دیکھنے لگا جس پر زین نے ابرو اچکا کر اسے خوب گھوری دکھائی۔

''یہ میری نہیں تیری ہے، تو اپنے اوپر دیکھ کیسی لگ رہی ہے۔'' زین نے خود سے لگی شیروانی کوٹ شایان کی طرف کی۔

''جانتا ہوں پر دیکھ رہا تھا کہ میرا دوست شیروانی میں کیسا لگے گا ویسے بھی تجھ سے مجھے کوئی امید بھی نہیں ہے کہ کبھی تو مجھے بھی یہ خوشی دے گا۔'' شایان کہتا ہوا شیروانی کے بٹن کھول کر پہننے لگا تھا۔یہ گھٹنے تک آتا ہوا ایک کوٹ تھا جس کا رنگ پیچ گولڈن تھا اور آستینوں اور گلے پر کام تھا۔

''میری رہنے دے، اپنا سوچ کر خوش ہو جا۔'' زین نے کہا اور اس کا عکس آئینے میں دیکھنے لگا۔شایان امریکن مسلم تھا جس کی شادی ثانیہ نامی لڑکی سے ہو رہی تھی جو کہ انڈین مسلم تھی۔زین، شایان اور ثانیہ تینوں نے اکٹھے ایک ہی یونیورسٹی سے ایم بی اے کیا تھا اور تب سے ساتھ تھے۔شایان کا قد لگ بھگ زین کے جتنا تھا اور رنگ گورا تھا۔کلین شیو اور وجیہہ نقوش لیے کافی سمارٹ دکھتا تھا۔اس کی ملاقات زین سے ایم بی اے کے پروگرام میں ہوئی تھی اور یوں ان کی گہری دوستی کا آغاز ہوا تھا جو آج تک برقرار تھی۔

''کیسی لگ رہی ہے؟'' شایان نے تنقیدی نگاہ خود پر ڈال کر زین سے مشورہ مانگا جو شایان کو ستائشی نگاہ سے دیکھ رہا تھا۔

''بہت اچھی! مجھے یقین نہیں آ رہا تُو شادی کر رہا ہے۔'' زین مسکرایا۔

''مجھے خود بھی یقین نہیں آ رہا۔'' شایان ہنس پڑا اور اسے دیکھ کر زین بھی محظوظ ہوا تھا۔

''جی مسٹر شایان! مجھے لگتا ہے اب کوئی ناپ میں گڑبڑ نہیں ہوئی ہے۔'' ڈیزائنر نے پوچھا۔

”نہیں اب بالکل صحیح ہے، آپ پیک کردیں اسے۔“ شایان نے کہا اور شیروانی اتار کر دے دی۔ زین ساتھ کھڑا دوسرے کپڑے دیکھنے لگا تھا۔

”شکر ہو گیا، اگر آج نہیں ہوتا تو ثانیہ کو تو ہی سنبھالتا۔“ شایان نے کہا۔ ڈیزائنر نے باکس پیکنگ میں شیروانی قرینے سے طے کر کے اسے دی اور شایان نے فائنل پیمنٹ کر دی۔ زین نے باکس تھام لیا تھا اور وہ دونوں بوتیک سے باہر نکل گئے۔

”یار زین! ایک کام کرتے ہیں اس کو رکھتے ہیں گاڑی میں اور یہیں سے کچھ کھالیتے ہیں۔ کیا کہتا ہے؟“ وہ دونوں چلتے ہوئے گاڑی کی طرف جارہے تھے جب شایان نے کہا تھا۔

”ہاں! بھوک تو مجھے بھی لگ رہی ہے، اور آج اکیلے کھانے کا موڈ بھی نہیں، چل چلتے ہیں۔“ زین نے کہا۔ شایان نے اپنی گاڑی کا دروازہ کھولا اور زین نے باکس اندر رکھ دیا۔ اس جگہ کئی دیسی ہوٹل تھے جہاں حلال کھانا آسانی سے دستیاب تھا۔ وہ ان میں سے ایک میں چلے گئے تھے۔ شام کا وقت تھا پر رش کم تھا کیونکہ زیادہ تر لوگوں کا رجحان یہاں ہفتہ اور اتوار کو ہوتا تھا۔ وہ دونوں ایک ٹیبل پر جا کر بیٹھ گئے اور مینیو کارڈ دیکھ کر پھر ویٹر کو کھانے کا آرڈر دے دیا۔

”اور تیری میٹنگ کیسی رہی جورج کے ساتھ، مان گیا وہ؟“ شایان نے پوچھا۔

”ہاں شکر اللہ کا، پر اب کام مزید بڑھ گیا ہے۔ چل اچھا ہے تھوڑی اور مصروفیت ہو جائے گی۔“ زین کی بات سن کر شایان نے سر جھٹک دیا۔

”تُو بھی حد کرتا ہے ویسے۔ یار زین! میں اس لیے نہیں کہہ رہا کہ میں شادی کر رہا ہوں، پر کچھ سوچ کر تجھے مشورہ دے رہا ہوں۔ اب سیٹل ہو جا۔ پردیس میں اکیلے رہنا آسان نہیں ہے۔“ شایان نے مذاق ایک طرف کرتے ہوئے سنجیدگی سے اسے سمجھایا اور زین کے چہرے کے تاثرات سے صاف ظاہر تھا کہ وہ اس ٹاپک کو سن کر چڑ رہا ہے۔

”کیا ہم کوئی اور بات نہیں کر سکتے؟“ زین نے زچ ہو کر کہا۔ یہ آج کی بات نہیں تھی بلکہ تقریباً روز کا معمول تھا جب کوئی نہ کوئی اسے یہ مشورہ دیتا تھا۔ وہ روز ایک ہی ٹاپک سن سن کر بیزار ہو گیا تھا۔ صرف شایان نہیں، ثانیہ، ارم، شازیہ، ارسلان اور جتنے بھی قریبی دوست اور رشتے دار تھے سب ہی اس کے پیچھے پڑ گئے تھے۔

”نہیں کر سکتے! یار زین، زندگی میں ہمیں ایسا ساتھی چاہیے ہوتا ہے جس سے ہم اپنے دل کی بات کر سکیں۔ جس سے ہم اپنے دکھ درد بانٹ سکیں۔ اب یہ مت کہنا کہ تُو مجھ سے ہی پوری زندگی پلان بنا کر بیٹھا ہوا ہے اپنے دکھ درد بانٹنے کے لیے۔“ شایان نے اس کی چڑ کو اخذ کرتے ہوئے مزاح کا عنصر لیے کہا تاکہ وہ نارمل ہو جائے اور زین یہ سن کر ہنسنے لگا تھا۔

”یار! تُو عجیب ہے قسم سے۔ تجھ جیسا میں نے کم از کم اپنی زندگی میں پہلے کبھی نہیں دیکھا۔“ شایان نے کہا۔

”کیونکہ تُو لکی ہے۔ تُو نے جسے پسند کیا، وہ ہی ملا، خوش نصیب سمجھ خود کو، سب کا ایسا نصیب نہیں ہوتا۔“ زین کا لہجہ قدرے افسردگی لیے تھا۔ شایان اسے سنجیدگی سے دیکھنے لگا۔

”پھر زندگی میں آگے بڑھنا ہی نہیں ہے؟“ شایان نے کہا۔

”آگے بڑھ تو گیا! برینڈ مینجر بن گیا ہوں، کچھ سالوں میں جورج کی کرسی پر بھی بیٹھ جاؤں گا۔“ زین نے ٹھاٹ سے کہا اور شایان ہنس پڑا۔

”ہاہاہا۔ یار تُو جورج کو نکال رہا ہے یا پروموٹ کر رہا ہے؟“ شایان نے مزاح لیے تشویشی انداز میں کہا۔

”بندہ اچھا ہے یار پروموٹ کر دیتے ہیں۔“ زین نے محظوظ ہو کر کہا اور شایان بھی ہنسنے لگا تھا۔ وہ کہتے ہوئے پھر سوچ میں گم سا ہوا تھا۔ دلکش سی مسکراہٹ اب سکڑ کر ختم ہو گئی تھی۔

شایان جو اس کے ساتھ ہر وقت رہا کرتا تھا۔ اس کی کیفیت سے بخوبی واقف تھا۔ وہ جانتا تھا کہ زین ضبط کر کے بمشکل خود کو نارمل دکھاتا تھا جبکہ اندرونی خلفشار اکثر اس کے چہرے پر عیاں ہو جایا کرتی تھی۔

''یار! شادی کرنے میں کیا حرج ہے؟'' شایان نے گمبھیر سنجیدگی لیے زین سے کہا تھا جو خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''دیکھ مرد نا جتنا بڑا ہو جائے اس کے اندر ایک چھوٹا بچہ ہمیشہ اتنا ہی رہتا ہے۔ یہ ہی وجہ ہے کہ پہلے وہ اپنی ماں کی طرف جھکاؤ کرتا ہے پھر بیوی کی طرف کیونکہ مرد محبت اور اپنائیت کا بھوکا ہوتا ہے۔ اس کے برعکس عورت بہت مضبوط جذبات کی حامل ہے۔ ہم نے عورت کو ہمیشہ کمزور سمجھا ہے پر دراصل ایسا نہیں ہے۔ کمزور ہم ہیں۔ وہ اکیلے اور تنہا رہنے کی طاقت رکھ سکتی ہے، تب ہی مردوں میں بیوی کی وفات یا علیحدگی کے بعد دوسری شادی کا رجحان زیادہ ہے بہ نسبت عورتوں کے۔ کیونکہ مرد چل ہی نہیں سکتا۔ اسے محبت جیسا سہارا چاہیے یار۔'' وہ کہہ کر کچھ دیر کا وقفہ کرتے ہوئے زین کے تاثرات کا جائزہ لے رہا تھا جو نظریں دوسری سمت کیے ہوئے چہرے پر متانت لیے تھا۔

''میں تجھ سے کب کہہ رہا ہوں سب بھول جا۔ میں تو صرف یہ کہہ رہا ہوں شادی کر لے۔ وقت کے ساتھ ساتھ سب ٹھیک ہو جائے گا یار۔''

''محبت میں شراکت گوارا نہیں ہے دوست! اور اگر شادی کا فیصلہ کر لیا تو محض ایک کو نہیں دو کو دھوکا دینے کے مترادف ہو جائے گا۔ پہلی تو محبت اور دوسری وہ لڑکی جو اپنی زندگی میرے ساتھ گزارنے کا فیصلہ کرے گی اور یہ مجھے قبول نہیں ہے۔ لہٰذا ٹاپک ختم کر۔'' زین نے سنجیدگی سے کہا اور شایان چپ ہو گیا۔ زین کو سمجھانا وقت کے ساتھ ساتھ مزید مشکل اور پیچیدہ

ہوتا جارہا تھا۔تھوڑی دیر میں ویٹران کا کھانا لے کر آ گیا تھا۔وہ دونوں کھانا کھانے لگے اور مختلف باتوں میں مصروف ہو گئے۔جب کھانا تناول کرلیا گیا تو دونوں نے بل ادا کر دیا اور وہاں سے نکل گئے۔ان کی گاڑیاں ساتھ ہی پارکنگ لاٹ میں کھڑی تھیں۔

''بھولنا نہیں جمعے کو پہلے نکاح ہے پھر رات کو مہندی کا فنکشن ہے اور ہفتے کو شادی۔'' شایان نے کہا۔

''یہ بھی کوئی بھولنے کی بات ہے، میں آجاؤں گا وقت سے پہلے تاکہ مدد کرواسکوں، چل کل ملتے ہیں آفس میں انشاء اللہ! اللہ حافظ۔'' زین نے کہا اور وہ دونوں گلے مل کر اپنی اپنی گاڑیوں میں بیٹھ کر اپنی منزلوں پر روانہ ہو گئے۔

☆......☆......☆

''ہم نے دعا کو بہت ہلکا لیا ہوا ہے۔لفظ دعا کیا ہے کبھی غور کیا ہے آپ لوگوں نے؟'' معلم نے رک کر سب کو ایک بار ٹھہر کر دیکھا تھا۔شاید کوئی بندۂ مومن اس لفظ کے مطلب کو سمجھا ہو پر وہاں موجود تمام لوگ ان کے جواب کے منتظر تھے۔

''دعا کا مطلب ویسے تو مانگنا ہے۔یعنی اللہ سے مانگنا پر اس کی گہرائی کو ہم اب تک سمجھے نہیں ہیں۔دیکھیے جب ہم دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتے ہیں تو یہ سوچ کر اٹھاتے ہیں کہ ہاں کم از کم یہ کام تو اللہ کر ہی دے گا، نعوذ باللہ۔حالانکہ ہمیں تو وہ تمام باتیں جو ناممکن لگا کرتی ہیں ان کے بارے میں بھی اس یقین سے اللہ سے مانگنا چاہیے کہ اللہ ہی کرے گا۔وہی کرسکتا ہے۔اسی کے پاس طاقت ہے۔جو تمام نظام چلا رہا ہے جس کا آپ اور میں انسانی عقل تصور بھی نہیں کرسکتی۔اس کے لیے کیسے کوئی شے ناممکن ہوگی؟'' مسجد میں چند لوگ گروہ کی صورت میں قالین پر بیٹھے ہوئے تعظیم سے معلم کو سن رہے تھے جن میں وہ بھی مکمل انہماک سے ان کی

جانب مرکوز تھا۔

”جب حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں تھے۔ ذرا تھوڑی دیر کے لیے تصور کریں کیسا خوف ہوگا۔ قرآن میں الفاظ ہیں، مفہوم بتا رہا ہوں کہ اندھیرا تلے اندھیرا یعنی اس قدر اندھیرا کہ آپ اپنا ہاتھ تک نہ دیکھ سکیں۔ اتنی گہری سیاہی کہ لائٹ کا گزر کہیں سے نہیں اب ایسے میں آپ کے خیال میں کیا آئے گا؟ لو جی میں گیا۔“

سب ہنس پڑے تھے۔ معلم نے ایک ایک کو مسکرا کر دیکھا۔

”اب بتاؤ حضرت یونس علیہ السلام نے کیا کیا؟ کیا وہ ناامید ہو گئے؟ کیا ہار مان لی؟ کیا سوچ لیا تھا کہ اب میرا کام تمام؟...... نہیں...... ان کا یقین پختہ تھا۔ وہ جانتے تھے کہ مچھلی کے پیٹ میں جو گئے تو اللہ کے حکم سے گئے اور نکالے بھی اللہ کے حکم سے جائیں گے لہٰذا انہوں نے آیت کریمہ دعا کی حیثیت سے پڑھی پھر کیا ہوا؟...... ناممکن سے ممکن ہوا۔ وہ ثابت سالم باہر آئے۔ کیا انسانی عقل آج کے دور میں یہ سب تصور کر سکتی ہے؟ پر ہوا ایسا ہی ہوا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو بتاؤ کیا کہا انہوں نے؟ دعا...... اس یقین سے دعا کی کہ اللہ بچائے گا۔ اس کی سکت ہے۔ ایسی قوت اور کسی میں کہاں۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے آگ سلامتی والی ہوگئی۔ آج کی سائنس بھی کیسے یہ باتیں ثابت کرے پر یہ قصے کہانیاں تو نہیں ہیں نا۔ یہ تمام واقعات حقیقی ہیں۔ اب یہ سوچا ہے کہ ہمیں یہ سب کیوں بتایا گیا؟ ایمان کو پختہ کرنے کے لیے۔ اگر ہم اس یقین سے یعنی وہ پختہ ایمان رکھ کر جو تمام انبیاء کرام اور صحابہ کرام کا تھا پھر دعا مانگیں تو بتاؤ ملے گا؟ کیوں نہیں ملے گا! تم یقین تو رکھو۔ تم اللہ کی شان تو سمجھو۔ تم اللہ کو تو سمجھو۔ افسوس کے ساتھ ہم اب تک بھی اس بات کو نہ سمجھ سکے۔“ وہ رک کر پانی کے گھونٹ بھرنے لگے تھے۔ ان کے الفاظ اس قدر متاثر کن تھے کہ تمام افراد میں خاموشی

چھائی ہوئی تھی اور مکمل توجہ معلم کی جانب مبذول تھی۔

"تو دعا کو صرف دعا نہ سمجھو، یہ تمہارے ہاتھ میں مفتاح کیا ہے۔ مفتاح چابی ہے، ان بند دروازوں کی جنہیں تم سمجھتے ہو کہ نہیں کھلیں گے۔"

"اب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کئی حدیثوں کے ذریعے ہمیں یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ دعا کے کون سے پاورفل اوقات ہیں یعنی ٹارگٹ پر لگے۔ ویسے تو اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے مانگو، جوتے کا تسمہ بھی ٹوٹ جائے تو مانگو۔ لیکن پھر بھی ہم لوگ شارٹ کٹ حاصل کرنے کے لیے کتنی کوشش کرتے ہیں تو اللہ نے بھی ہمیں شارٹ کٹ کے طور پر کئی اوقات ایسے فراہم کیے ہیں جن میں دعا کا ہو جانا یقینی ہے۔ جن میں سے ایک جو روز آپ کو میسر ہے بتاؤ کیا؟" انہوں نے پھر رک کر سب کی جانب دیکھا۔

"تہجد۔" اور کچھ توقف کے بعد خود ہی جواب دیا۔ "بہت مشہور حدیث بتا رہا ہوں مفہوم ہے کہ ہر رات جب آخری تہائی رات باقی رہ جاتی ہے تو ہمارا رب تبارک وتعالیٰ آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے اور پوچھتا ہے کہ کوئی ہے جو مجھ سے دعا کرے۔ میں اس کی دعا قبول کروں۔ کوئی ہے جو مجھ سے مانگے۔ میں اسے عطا کروں اور کوئی ہے جو مجھ سے مغفرت طلب کرے تو میں اسے بخش دوں اور یہ سلسلہ جاری رہتا ہے حتیٰ کہ فجر طلوع ہو جاتی ہے۔" وہ کہہ کر کچھ دیر رکے تھے۔

"اب انسان کی لگن کی بات ہے بس۔ اگر آپ میں اتنی ہی چاہ ہے حاصل کی تو آپ نیند کو بھی مات دیں گے اور آخری تہائی رات کو اٹھ کر اس سے دعا مانگیں گے۔ لیکن اس یقین کے ساتھ کہ جو مانگی وہ مل گئی۔ یہ مت سوچنا کہ ملے گی یا نہیں! نہ نہ نہ۔ ایسا ہرگز مت کرنا۔ یقین پختہ رکھو۔ پھر دیکھو...... تو ہر رات ملتی ہے۔ سب کو ملتی ہے۔ اب دنیا میں آئے ہیں تو یہاں

پلیٹ میں رکھ کر نہیں ملے گا۔ یہاں کچھ بھی حاصل کرنا تردد ہے۔ ورنہ دنیا اور جنت میں کیا فرق؟ نیند انسان کی سب سے محبّت شے ہے تب ہی تمہیں نیند سے یہاں آزمایا گیا ہے۔ بونس چاہیے تو محنت تو درکار ہے۔"

معلم کے الفاظ اندر تک سرایت کیے تھے۔ وہ ویسے بھی رات کے تہائی حصے میں اٹھا کرتا تھا پر اپنی روز کی روٹین میں ترمیم کر کے آج اس نے تہجد کی غرض سے جائے نماز بچھالی اور دو رکعت کی نیت کیے مکمل انہماک سے ادا کرنے لگا تھا۔ ہر سو خاموشی تھی۔ پورے چاند کی روشنی نے رات کے اندھیرے کا اثر زائل کیا ہوا تھا۔ کمرا بھی نیلگوں روشنی میں ڈوبا ہوا تھا۔ چاند کا نور کھڑکی سے گزرتا ہوا کمرے کو واضح کر رہا تھا۔ سلام پھیر کر اس نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تھے۔ اپنے ڈیڈ کی وفات کے بعد ایک دن بھی نہیں گزرا تھا جب اس نے ان کی مغفرت کے لیے دعا نہ کی تھی۔ اگلی باری ارم اور کنزا کی تھی جن کے لیے درازیٔ عمر، اچھی صحت اور خوشحال زندگی کے لیے دعا کی تھی۔ وہ اپنے لیے دنیاوی اعتبار سے کچھ نہیں مانگتا تھا۔ خود پر آکر الفاظ ہر بار دم توڑ جایا کرتے تھے۔ جو دل کی گہرائی سے نکلی ہوئی دعا تھی وہ تو لاحاصل ہو گئی تھی پھر اس نے کبھی خود کے لیے کچھ مانگا ہی نہیں سوائے موت کی بعد کی زندگی کے لیے کہ اس کے گناہ بخش دیئے جائیں۔ اسے جنت میں ٹھکانہ نصیب ہو جائے۔ حالانکہ مومن کو دنیا اور آخرت دونوں کی کامیابی کی دعا کی ترغیب خود قران دیتا ہے۔ رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنیا حَسَنَةً وَّفِی الآخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّار ۔ اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھلائی دے اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما، اور ہمیں جہنم کے عذاب سے بچا۔

آج بھی خود پر آتے آتے الفاظ دم توڑ گئے۔ وہ صورت آج بھی آنکھوں میں ویسے ہی بسی تھی جیسے آٹھ سال پہلے تھی۔ اسے بھلانا کیسے ممکن تھا جو سانسوں کی طرح ہر وقت ساتھ تھی۔

کتنے سال، کتنے دن، کتنے گھنٹے گزر گئے تھے پر کبھی ایک لمحہ ایسا نہ گزرا تھا جب زین کے خیال میں وہ نہ آئی ہو۔ وہ متورم آنکھیں لیے ہاتھوں کے پیالے کو ٹکٹکی باندھے دیکھ رہا تھا۔ دل بوجھل تھا۔ سانس اٹک رہی تھی۔ وہ غم کے سمندر میں غوطہ زن تھا۔

''دعا کو صرف دعا نہ سمجھو یہ تمہارے ہاتھ میں مفتاح کیا ہے، مفتاح چابی ہے ان بند دروازوں کی جنہیں تم سمجھتے ہو کہ نہیں کھلیں گے۔'' معلم کی آواز بازگشت کرتی ہوئی سنائی دی تو اس نے تمام غم دیتے خیالات کو جھٹک دیا۔

''یا اللہ.....'' بوجھل اور جذبات سے بھاری آواز میں اس نے دعا مانگنا شروع کی جو وہ ہر وقت اس کے لیے مانگا کرتا تھا۔

''تمام جہانوں کے رب۔ جو ہر بات سے واقف ہے۔ جس سے کچھ پوشیدہ نہیں۔ جو ہر شے کا علم رکھتا ہے۔ اے رب العزت، اے میرے پروردگار! تُو اس کے حال سے واقف ہے۔ تجھ سے وہ چھپا نہیں۔ میرے اختیار میں کہاں کہ اس کے لیے خوشیاں لاتا۔ یہ تو سب تیرے شان کی بات ہے۔ جو ہر بار مانگا ہے وہی آج تہجد میں تجھ سے مانگتا ہوں۔ اس کی جھولی کو خوشیوں سے بھر دے یا رب۔ وہ جہاں ہے خوش رہے آباد رہے۔ ضد تو میں نے تجھ سے پہلے بھی نہیں کی تھی۔ آج بھی نہیں کروں گا۔ بس تجھ سے دعا گو ہوں کہ غم اسے نہ چھوئے۔ اس کا ساتھ نہ چھوڑنا یا رب۔ اس کا ساتھ نہ چھوڑنا۔'' آنکھوں سے چھلکتے ہوئے کئی موتی اس کی ہتھیلی میں برس رہے تھے۔ اس کا ہلکورے لیتا ہوا جسم خاموشی میں ارتعاش پیدا کر رہا تھا۔ وہ کتنی دیر یوں ہی روتا رہا تھا۔ رب کائنات کے سامنے پھیلائے ہاتھ دھندلے دکھائی دے رہے تھے۔ اس نے ہاتھوں کے پیالے میں چہرا چھپا لیا اور کتنی دیر وہیں بیٹھا رہا تھا۔

''یا اللہ! مجھے سکون دے۔'' اور آج شدت جذبات کا سمندر باڑ توڑ کر بہنے لگا تھا۔ آٹھ

سالوں میں پہلی بار اس نے اپنے لیے مانگا تھا۔

''یا اللہ! مجھے سکون دے۔ میں کیوں بے چین رہتا ہوں۔ یہ بے چینی مجھے کسی دن مار ڈالے گی میرے مالک۔ یہ کیفیت مجھے ختم کر دے گی۔ تیرا بندہ تیرے آگے ہاتھ جوڑ رہا ہے۔ تُو میری فریاد سن لے، اللہ مجھے سکون دے مجھے سک......'' وہ سجدہ ریز ہو گیا اور گڑگڑا کر روتا رہا تھا۔ موبائل سے آزانِ فجر کی آواز اس کے گھر میں گونجنے لگی تھیں۔

☆......☆......☆

جمعے کی شام کو ثانیہ اور شایان کی مہندی کا فنکشن رکھا گیا تھا۔ اس ہی ہال میں اگلے دن شادی بھی منعقد تھی۔ اب مہندی کا فنکشن تھا لہٰذا پورے ہال کو گیندے اور چنبیلی کے پھولوں سے سجایا گیا تھا۔ مرکزی دروازے سے آتی ہوئی بھوری لکڑی نما روش تھی جس کے کناروں کو گیندے کے پھولوں سے آراستہ کیا گیا تھا۔ جگہ جگہ چھوٹے مصنوعی ستون نما کھمبے موجود تھے جو اوپر سے نیچے تک تازہ پھولوں اور قمقموں سے آرائش تھے۔ تازہ پھولوں کی مہک سے ہال معطر ہو گیا تھا۔ لکڑی نما پاتھ سیدھا ڈانس فلور کی طرف جا رہا تھا جو گول دائرے میں بنا تھا اور سامنے ہی دلہا دلہن کے لئے جھولے نما صوفہ رکھا گیا تھا۔ ڈانس فلور کے اطراف میں بھی کئی صوفے تھے اور ایک طرف پورا سسٹم سیٹ کیا تھا جس پر موسیقی کا بندوست تھا۔ مہمانوں کے بیٹھنے کے لیے گول میزیں موجود تھیں جن کو زرد رنگ کی ریشمی چادر سے ڈھانپ دیا گیا تھا۔ ساتھ لگی کرسیوں پر کور بھی زرد رنگ کے تھے۔ ہر میز کے وسط میں ٹوکری موجود تھی جس میں گیندے اور چنبیلی کے پھول سجے تھے اور دیا جل رہا تھا جو مصنوعی تھا۔

ہال کی چھت پر فاصلے سے کئی بڑے بڑے خوبصورت فانوس آویزاں تھے اور ساتھ ہی مختلف رنگوں کی لیزر لائٹس اور زرد رنگ کی لائٹس تھیں جو دولہا دلہن کے داخل ہوتے ہی جلنی

تھیں۔ ڈانس فلور کے اطراف میں بھی کھمبے موجود تھے جن پر لیزر لائٹس تھیں۔ ان کا رخ ڈانس فلور کی طرف کر دیا گیا تھا۔ کھانے کے لئے بوفے سسٹم تھا جس کی میزیں ہال سے داخلی دروازے پر رکھی گئی تھیں۔

شایان اور ثانیہ کے گھر کے چند افراد یہاں پہنچ گئے تھے اور ہال کے انتظامات دیکھ رہے تھے۔ یہ فنکشن دونوں کی طرف سے تھا لہٰذا اس وقت قریبی مرد اور خواتین یہاں پر سب انتظامات پر آخری بار نظر ثانی کر رہے تھے۔ شایان اپنے والدین کا اکلوتا بیٹا تھا اس لیے زین آگے بڑھ کر شایان کے والد کے ساتھ ہال میں مدد کرنے لگ گیا تھا۔ یوں تو شایان کے کزن بھی یہاں پر موجود تھے پر شایان کے والد ہاتھ بٹانے کے لئے زین پر زیادہ منحصر تھے۔ زین نے سفید شلوار قمیض پر پیلے رنگ کا صافہ گلے میں لپیٹ لیا تھا۔ مہندی کی تھیم بھی یہی رکھی گئی تھی، مردوں کے لئے سفید رنگ کی شلوار قمیض اور لاہوری چپل تھی جبکہ خواتین کے لئے ہرے یا پیلے رنگ کے جوڑے۔ جب لگا کہ مہمان آنا شروع ہو رہے ہیں تو ان میں سے چند لوگ جیسے ثانیہ اور شایان کے والد اور کچھ قریبی کزن دروازے پر جا کر آتے ہوئے مہمانوں کا استقبال پرتپاک انداز سے کرنے لگے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے پورا ہال مہمانوں سے کھچا کھچ بھرنا شروع ہو گیا تھا۔ شایان اور زین کے کولیگ جب داخل ہوئے تو زین ان سے گرم جوشی سے ملا۔ ڈیویک کے لئے یہ سب نارمل تھا لیکن ان کے انگریز اور میکسیکن دوستوں کو سب بہت مختلف اور اچھا لگ رہا تھا۔ یوں تو فلموں میں بھی سب دیکھنے میں آ جاتا ہے اور اب اس طرح کی مہندیاں بہت عام سی بات ہوتی ہے پر ان لوگوں کے لئے یہ سب ذاتی طور پر تجربہ کرنا نئی بات تھی۔ زین اپنے کولیگز کو ایک میز کی طرف لے گیا اور انہیں تعظیم سے بٹھایا۔ وہ خود تھوڑی دیر کے لئے ان کے پاس بیٹھا اور باتیں کرنے لگا لیکن جب شایان اور ثانیہ کے آنے کا وقت

ہوا تو وہ وہاں سے اٹھا اور مرکزی دروازے کی طرف چلا گیا تھا۔

پورا ہال موسیقی سے گونج اٹھا تھا اور ساری لائٹیں بند کر کے اب دروازے پر لیزر اور زرد رنگ کی لائٹیں جلنے لگی تھیں۔ سب سے پہلے کچھ خواتین داخل ہوئیں جن میں شایان اور ثانیہ کی والدہ بھی آگے آگے تھیں۔ پھر پیلے رنگ کی بڑی سی چادر کے چاروں کونے پکڑتے ہوئے کزن اور سہیلیاں داخل ہوئے جس کے تلے ہنستے مسکراتے شایان اور ثانیہ آ رہے تھے۔ ان کے ارد گرد لڑکیاں گلاب کی پتیوں سے بھری ہوئی تھال لے کر کھڑی تھیں اور ان پر پھول برسا رہی تھیں۔ خوشی کا سماں ہر سو پھیل گیا تھا۔ فوٹو گرافر بھی ہر زاویے سے ان کی تصویریں اور ویڈیوز بنا رہے تھے۔ خود زین بھی اپنا موبائل نکال کر اس پورے منظر کو اپنے کیمرے میں قید کر رہا تھا وہ بھی ارم کی فرمائش پر۔ وہ ذاتی طور پر شایان سے ملی نہیں تھیں پر زین کے توسط سے شایان اور ثانیہ سے اچھی سلام دعا تھی۔ جب انہیں معلوم ہوا کہ شایان اور ثانیہ کی شادی ہے تو زین کو ایک ایک لمحہ ریکارڈ کرنے کی تاکید کی تھی۔

شایان اور ثانیہ جھولے نما صوفے پر جا کر بیٹھ گئے اور سب کزن نے ان کو گھیر لیا تھا۔ موسیقی تھوڑی دیر کے لئے بند ہوگئی اور پہلے فوٹو گرافر نے سب لوگوں کو ایک طرف ہونے کا اشارہ کیا تا کہ کپل فوٹوز کھینچی جا سکیں۔ پھر چاروں طرف کیمرے کی کلک کلک گونجنے لگی تھی۔ یہ سلسلہ تھوڑی دیر تک چلتا رہا اور پھر رسم شروع ہوگئی۔ زین کے کولیگز بھی یہ سب دیکھنے کے لیے اس طرف آ گئے تھے اور زین شایان کے پاس چلا گیا تھا۔ شایان نے سفید کرتا پجاما اور اس پر پیلے رنگ کا واسٹ کوٹ پہنا تھا جس پر سیلف ڈیزائن بنا ہوا تھا۔

”کیسا لگ رہا ہوں؟“ شایان نے زین سے مسکرا کر پوچھا تھا۔

”زبردست جناب زبردست۔“ زین نے کہا اور دونوں ہنستے ہوئے گلے لگ گئے تھے۔

''السلام علیکم زین! کیا بات ہے بھئی آج تو بہت جچ رہے ہو۔'' جب ثانیہ کی نظر زین پر پڑی تو اس سے رکا نہ گیا اور فوراً زین کی تعریف کر دی۔ ثانیہ کا خوبصورت سانولا کھلتا رنگ تھا اور ہرنی جیسی بڑی بڑی آنکھیں تھیں جن پر کاجل اور آئی لائنر لگ کر مزید خوبصورتی میں اضافہ ہو گیا تھا۔ بال سلکی سیدھے اور سیاہ رنگ کے تھے جن کی لمبائی شانوں سے تھوڑی نیچے تک تھی۔ وہ قد میں شایان سے بہت چھوٹی تھی پر وہ دونوں ساتھ بہت پیارے لگتے تھے۔ یوں تو وہ دبلی پتلی سی تھی پر چہرے پر بھرے بھرے گال تھے۔ مزاج میں چلبلی اور باتونی تھی۔ ثانیہ نے پیلے اور ہرے رنگ کا کلیوں والا لہنگا پہنا تھا اور اوپر قمیض بھی زرد رنگ کی تھی۔ ساتھ میں رنگین دوپٹہ لیا ہوا تھا جس کو اس نے اپنے ایک کندھے پر سیٹ کیا تھا اور اس کا پیچھے سے پلو دوسری طرف سے گھومتا ہوا اس کے لہنگے میں پن سے لگا ہوا تھا۔ ہاتھوں میں بھری بھری رنگ برنگی چوڑیاں پہنی تھیں اور کہنی تک مہندی لگی ہوئی تھی۔ بال آدھے بندھے ہوئے تھے جن میں گلاب کے پھول لگے ہوئے تھے۔

''ماننی ہونا۔'' زین نے اسٹائل سے کہا۔

''اچھا یہ بتاؤ ہم دونوں میں سب سے اچھا کون لگ رہا ہے؟'' ثانیہ نے تجسس آمیز انداز سے پوچھا اور شایان بھی زین کی طرف مسکرا کر دیکھنے لگا۔

''تعریف اس خدا کی جس نے...... تمہیں بنایا۔'' زین اسے چھیڑنے کی غرض سے اپنا ہاتھ ثانیہ کی طرف اشارہ کرتے کرتے شایان کی طرف لے گیا اور شایان اور زین زور سے ہنس پڑے۔

''زین کے بچے! تجھے میں ابھی دیکھتی ہوں۔'' ثانیہ نے کینہ توز نگاہوں سے اسے گھوری دکھائی اور اسے مارنے کے لیے آگے بڑھی ہی تھی کہ اس کی والدہ آ گئیں اور ساتھ ہی سب کزن

بھی جن کے پاس تھال تھے۔ایک تھال میں گلاب کے پھولوں کے دو ہار تھے جبکہ دوسری تھال میں مٹھائیاں سجائی ہوئی تھیں۔ایک اور تھال میں ایک پیالی تھی جس میں مہندی تھی اور ساتھ ہی دو پتے رکھے تھے اور ایک عدد دیا جل رہا تھا۔زین شایان کے برابر میں کھڑا ہو گیا اور اس منظر کو پھر سے موبائل میں قید کرنے لگا تھا۔سب سے پہلے شایان کی والدہ نے پھولوں کا ہار اٹھایا اور ثانیہ کو پہنایا اور ساتھ ہی ثانیہ کی والدہ نے پھولوں کا ہار شایان کو پہنا دیا۔دونوں نے ان کے ماتھوں پر بوسہ دیا اور پھر رسم کا آغاز ہوا۔دونوں کی ہتھیلیاں سامنے کی گئیں اور ان پر ایک ایک پتہ رکھ کر اب باری باری سب آتے گئے اور انگلی سے مہندی لے کر پتے پر لگاتے گئے اور ساتھ ہی مٹھائی کی تھال سے مٹھائی لے کر دونوں کا منہ میٹھا کرتے گئے۔

جب یہ رسم مکمل ہوگئی تو سب سے پہلے شایان کے کزنز سارے ڈانس فلور پر آئے۔موسیقی شروع ہوئی اور انہوں نے جس گانے پر رقص کی پریکٹس کی تھی وہ کر کے دکھایا۔فلور کے اردگرد سب لوگ آ کر بیٹھ گئے تھے۔تالیاں، ہوٹنگ اور پھر موسیقی کی آواز سے پورا ہال گونج اٹھا تھا۔اس کے بعد ثانیہ کے کزنز نے مل کر ایک اور گانے پر رقص کیا۔جب یہ سب کر کے فارغ ہوئے تو سب لوگ مل کر ڈانس فلور پر آگئے، خود شایان اور ثانیہ بھی اس فلور پر آگئے اور مختلف گانوں پر انجوائے کرنے لگے تھے۔سب کے چہروں پر مسرت سجی تھی۔زین اس فلور سے ہٹ کر ایک طرف کھڑا ہو گیا تھا اور ثانیہ اور شایان کی ویڈیو بنانے میں مصروف تھا۔ثانیہ نے اسے اشارے سے آنے کو کہا پر اس نے منع کر دیا۔اسے شروع سے ہی ان سب سرگرمیوں کا شوق نہیں تھا اور اب وقت کے ساتھ ساتھ مزید گریز کرتا رہا تھا۔

یہ لوگ مزے کرتے رہے اور وہ ویڈیو بناتا رہا۔اسے اندازہ نہیں ہوا تھا کہ کب سے دو آنکھیں اس کے اردگرد طواف کر رہی تھیں۔جب اس لڑکی سے مزید رہا نہ گیا تو وہ اس کے

پاس آکر کھڑی ہوگئی جس سے زین کا دھیان وڈیو سے ہٹا اور اس کی طرف مبذول ہوگیا۔ وہ انگریز تھی۔ سنہرے بال اور تیکھے نقوش۔ جھیل رنگ کی آنکھیں جن میں ہلکا کاجل لگا تھا۔ موقع کی مناسبت سے اس نے بھی زرد رنگ کا سلیولیس شلوار قمیض اور دوپٹہ پہنا ہوا تھا جو اسے پُرکشش بنا رہا تھا۔

''امم...... کیا میں آپ کو جانتا ہوں؟'' وہ شکن آلود پیشانی لیے اس لڑکی سے پوچھنے لگا۔ جو ساتھ کھڑی رخ تو ڈانس فلور کی طرف کیے ہوئے تھی پر گاہے بگاہے اسے بھی دیکھ رہی تھی۔

''نہیں، پر میں تمہیں جانتی ہوں، میں دراصل ثانیہ کی دوست ہوں، اور اس نے مجھے تمہارے بارے میں بہت کچھ بتایا ہوا ہے۔'' اس لڑکی کا بس یہ کہنا تھا اور زین نے لبوں پر تو مسکراہٹ سجائی ہوئی تھی پر ملامت بھری نظروں سے وہ ثانیہ کو دیکھ رہا تھا جس کی توجہ بھی ان کی جانب تھی۔ ثانیہ نے اس کے غصے کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اسے آل دا بیسٹ انگشتِ نر دکھا کر کہا اور وہ اندر ہی اندر پیچ و تاب کھاتا رہا تھا۔ ثانیہ کا مزاج ایسا تھا کہ اگر وہ خوش ہے تو سب کو خوش ہو جانا چاہئے اور اگر وہ شادی کر رہی ہے تو سب کو شادی کر لینی چاہیے۔ اسی طرح وہ زین کے پیچھے ہر وقت اسی موضوع کو لے کر بات کیا کرتی تھی اور اس میں کئی بار شایان بھی اس کا ساتھ دیا کرتا تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ زین اندر ہی اندر قنوطیت میں مبتلا تھا۔

''میرا نام لیزا ہے۔'' اس لڑکی نے اپنا تعارف کروایا۔ ''کب سے دیکھ رہی ہوں، نہ کسی کے ساتھ ہو۔ نہ ہی رقص کر رہے ہو۔ بس ویڈیو میں مصروف، کیا ہم دونوں بیٹھ کر باتیں کر سکتے ہیں؟'' لیزا کی آنکھوں میں اچانک چمک نمودار ہوئی تھی جو زین کی آنکھوں سے چھپی نہیں تھی۔ اس بار ثانیہ نے حد ہی کر دی تھی لیکن جس ماحول میں وہ رہ رہا تھا وہاں یہ عام بات تھی۔ پاکستان میں البتہ یہ سب ہونا اتنا آسان نہیں تھا لیکن امریکہ میں کوئی لڑکا یا لڑکی کسی کو اپروچ

کرے اور پھر وقت گزارنے کی پیش کش کرے تو کوئی انوکھا کام نہیں تھا۔ پھر زین کے ساتھ بھی کئی بار ہو گیا تھا تو وہ بھی عادی تھا۔

''ہیلو لیزا! مل کر اچھا لگا اور شکریہ! پر معاف کرنا، میں اکیلا ہی ٹھیک ہوں۔'' زین نے مسکرا کر پیش کش کو رد کر دیا۔

''اوہ چلو نا، میں نے تم جیسا سمارٹ لڑکا آج تک نہیں دیکھا، اور ثانیہ کے کہنے پر میں یہاں نہیں آئی ہوں، ہاں اس نے مجھے تمہارے بارے میں بتایا ضرور تھا پر تم مجھے خود بھی اچھے لگنے لگے ہو۔'' لیزا نے اصرار بھرے لہجے میں کہا اور زین دل ہی دل میں ثانیہ کو انمول القابات سے مخاطب کرنے لگا تھا۔

''میں جاننا چاہتا ہوں تمہیں ثانیہ نے میرے بارے میں کیا بتایا۔ مطلب تم مجھے مکمل جانتی ہو؟'' اب وہ بھی ڈھیلے ڈھالے انداز میں گویا ہوا۔

''نہیں پر ساتھ مل کر بیٹھیں گے بات کریں گے تو معلوم ہو جائے گا اور پھر کیا پتہ خیالات ملتے جلتے ہوں۔'' اس نے اشتیاق سے کہا۔

''یار! دیکھو غالباً تم نے مجھے لکس پر جج کر کے ایک رائے قائم کر لی ہے پر دراصل میں انتہائی بورنگ بندہ ہوں۔ نو سے پانچ سادہ سی نوکری کرتا ہوں اور باقی اوقات صرف کام کے حوالے سے وقت گزار دیتا ہوں۔ ویسے پھر بھی تم مزید جاننا چاہتی ہو تو مجھے مطالعہ کا شوق ہے۔ فلاسفی کا ذوق رکھتا ہوں۔ تم نے سقراط، پلیٹو، ارسطو ان سب کے بارے میں پڑھا ہے؟ میں آج کل ان پر گہرائی میں سوچ رہا ہوں۔ اچھا تمہاری تھیوری آف فارمس کے بارے میں کیا رائے ہے۔ ویسے اگر مجھ سے پوچھو تو اس کے مطابق کہ اشیاء اور نظریات کی ابدی شکل ایک حقیقی وجود رکھتی ہے جو یہاں سے بہت بلند کئی دوسرے مقام پر ہے اور دنیا محض

ان صورتوں کا فقط سایہ ہے۔ میں نے کئی بار اس تھیوری پر غور کیا تو مجھے اس میں جھول نظر نہیں آیا۔ ظاہر ہے، ہم اہل کتاب ہیں تم بھی اتنا تو یقین رکھتی ہو کہ ایک جہاں اس سے بہتر اور بھی ہے اور یہ کہ......"

"تم کیا ایسی ہی باتیں کرتے ہو؟" وہ جب شروع ہوا تو بے نقط کہتا چلا گیا البتہ لیزا کے منہ کے زاویے جیسے جیسے بگڑنے لگے تو وہ اندر ہی اندر انجوائے کرنے لگا تھا۔

"بالکل، میں تو ابھی شروع ہوا ہوں۔" زین نے بمشکل ہنسی کو دبا کر اسے یقین دہانی کرائی تو وہ یکلخت پیچھے ہٹی۔

"اوہ! میں نے تو واقعی سرورق دیکھ کر غلط اندازہ لگا لیا۔ تم وڈیو بناؤ میں آتی ہوں۔" وہ جان بچا کر تپلی گلی سے جو نکلی تو زین اپنی ہنسی پر قابو نہ کر سکا۔ ثانیہ جوان سے قدرے دور تھی لیزا کے تاثرات دیکھ کر ٹھٹک ضرور گئی تھی۔ نہ جانے زین نے ایسا کیا کہا تھا کہ وہ بھاگی تو اس طرف مڑ کر دیکھنا بھی گوارا نہ کیا تھا۔ وہ لوگوں کے رش سے نکلتی ہوئی اس کے پاس تیز قدم چلتی ہوئی آئی جو ثانیہ کو دیکھ کر شوخ انداز سے ہنسے جا رہا تھا۔ لیزا کے چہرے پر یکلخت چھائی حیرانی نے ٹھیک ٹھاک محظوظ کیا تھا اسے۔

"کیا میں پوچھ سکتی ہوں تم نے ایسا کیا کہا کہ وہ جو بھاگی تو پلٹ کر آ بھی نہیں رہی۔" ثانیہ نے ٹھوری دکھا کر اس سے پوچھا جو ثانیہ کو شوخی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

"کچھ نہیں بس میں تو فلاسفی پر موضوع زیر بحث لایا تو وہ ہضم نہ کر پائی۔" اس نے لاپروائی سے شانے اچکائے اور ثانیہ کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

"سب خیریت، کیا ہوا؟" ثانیہ کا شاک میں ڈوبا چہرا دیکھ کر شایان جو اس کے پیچھے پیچھے آیا تھا استفسار کرنے لگا۔

''ایک تو اتنی پیاری لڑکی ڈھونڈ کر دی اسے پر اس موصوف نے اس کی آنکھوں میں دھول جھونک دیا اور یہ ظاہر کر دیا کہ یہ جناب انتہائی بورنگ فلاسفی کے ماہر ہیں۔ بتاؤ ذرا۔ وہ بے چاری ڈر کر بھاگ گی ہے۔'' ثانیہ نے تپ کر شایان کے ساری بات گوش گزار کی جو زین کو متعجب سا دیکھ رہا تھا۔

''ابے نہ کر۔ واقعی میں۔'' شایان بھی زین کی حرکت پر ہنس پڑا تھا۔

''اور نہیں تو کیا۔'' ثانیہ نے تنک کر کہا۔

''ویسے تھی کون؟'' شایان نے پوچھا۔

''لیزا! میری دوست ہے اور ہمسائی بھی۔'' ثانیہ نے کہا اور شایان زین کی طرف حیرانی سے دیکھنے لگا۔

''یار! وہ تو اچھی ہے۔ وہ تیرے پاس آئی تھی؟ اور تُو نے منع کر دیا؟ زین حد کرتا ہے تُو بھی قسم سے یار۔'' شایان کے چہرے کے تاثرات دیدنی تھے۔

''وہ ہی تو، ارے یار اسے مسلمان بنا کر شادی کر لیتے، شادی کی شادی اور ثواب کا ثواب۔'' ثانیہ نے آئیڈیا دے کر اسے پھر اکسایا۔

''بالکل فی الحال تم میرا خیال چھوڑو اور اس کو دیکھو اپنے شوہر کو، لیزا کی تلاش میں یہاں وہاں دیکھ رہا ہے۔'' زین نے شایان کو ادھر ادھر متلاشی نگاہ ڈالتے ہوئے نوٹ کیا تو رنگے ہاتھوں پکڑ کر ثانیہ کے سامنے پیش کیا۔

''ہا! شایان یہ کیا بات ہوئی۔'' ثانیہ زین کے کہتے ہی شایان کی جانب پلٹی تھی جو ڈر کر جھٹکے سے پیچھے ہٹا تھا۔

''ارے میں اس کے لیے تلاش کر رہا تھا۔ سوچا جا کر بتا دوں موصوف نے مذاق کیا

ہے۔‘‘ شایان نے جرح کیا۔

’’ثانیہ! پکڑ کر رکھو اسے، ویسے بھی جب مرد شادی کرتا ہے تو دوسری لڑکیاں مزید دلچسپ دکھنے لگتی ہیں۔‘‘ زین نے موقع کہاں ہاتھ سے جانے دینا تھا۔ خوب مرچ مصالے لگا کر ثانیہ کو بھڑکا رہا تھا۔

’’ابے! کیا کر رہا ہے یار۔‘‘ شایان نے زین کو روکا پر ثانیہ کی طیش بھری آنکھیں اسے ٹھیک ٹھاک الجھا گئی تھیں۔ زین دونوں کی حرکتوں سے محظوظ ہوتا ہوا پھر وڈیو بنانے میں مصروف ہو گیا۔

’’ثانیہ۔‘‘ ثانیہ کی والدہ نے اسے پکارا تو شایان کی جان بچی ورنہ آج اس کی خیر نہیں تھی۔ وہ جذباتی لڑکی تھی۔ اردگرد سے بے خبر جو کرنا ہوتا تھا کر جاتی تھی جیسے اس وقت اپنے مہندی کے فنکشن میں اپنے سسرالیوں کے سامنے شایان کی کھچائی کر رہی تھی۔

’’جی آئی امی۔ تمہیں تو میں ابھی دیکھتی ہوں۔‘‘ وہ متنبہ کرنا نہیں بھولی اور چلتی چلی گئی۔

’’تو قسم سے پٹوائے گا مجھے کسی دن اس کے ہاتھوں۔‘‘ اس کے جانے کے بعد شایان نے اپنا بازو زین کے گلے میں حمائل کیا اور گلا دبا ڈالا۔

’’ابے مارے گا کیا۔‘‘ زین کھانستا رہ گیا۔ شایان نے چھوڑ دیا اور اسے خاموشی سے دیکھتا رہا جو کھانسنے کی خوب اچھی ایکٹنگ کر رہا تھا۔

’’تیرے فنکشن میں میت اٹھ جانی تھی میری ابھی۔‘‘ زین نے لتاڑا۔

’’توبہ کر۔‘‘ شایان کہہ کر پھر سنجیدگی سے اسے دیکھنے لگا جو اس کی نظروں کے مفہوم کو اخذ کر گیا تو خود بھی چپ سا ہو گیا۔

’’یار زین! تُو حد کرتا ہے اچھی خاصی تو ہے، کب تک یوں ہی اس موضوع کو ٹالتا رہے

گا؟'' شایان نے سمجھایا اور زین نے بھاگنے کو پَر تولے۔

''شایان! تو سب جاننے کے باوجود بھی مجھ سے ہر بار یہ ہی بات کیوں کرتا ہے؟''

شایان نے اس کا بازو تھام کر روکا تو زین کی بس ہوگئی۔

''کیونکہ میں تجھے ایسے نہیں دیکھ سکتا، جس کا انتظار کر رہا ہے تجھے کیا لگتا ہے وہ آجائے گی؟'' شایان نے کہا۔

''شایان! میں نے کبھی نہیں کہا کہ میں اس کا انتظار کر رہا ہوں۔ بس اب مجھے اکیلے رہنے کی عادت ہوگئی ہے۔'' زین نے کہا۔

''اچھا؟ زین تو مجھے بیوقوف سمجھتا ہے؟ یار اس کے تو اب تک دو تین بچے بھی ہوگئے ہوں گے۔ تو اس کی یاد میں اپنی زندگی کیوں برباد کر رہا ہے۔'' شایان نے کہا اور زین طیش میں آگیا۔

''شایان! میں نے آج تک اس کا انتظار نہیں کیا ہے! اگر وہ اپنی زندگی میں خوش ہے تو اس سے بڑی بات میرے لئے اور کیا ہوگی۔'' زین نے کہا۔

''پھر کیوں آگے نہیں بڑھ رہے؟'' شایان نے پوچھا اور زین تھوڑی دیر کے لیے خاموشی سے نیچے دیکھتا رہا۔

''میں اس کی جگہ کسی کو نہیں دے سکتا، اس لیے۔'' اس نے زیر لب کہا تھا اور پاس کھڑے شایان تک آواز پہنچی تھی۔ وہ اس قدر غم کی اتھاہ گہرائی میں گیا کہ شایان نے بے ساختہ اسے گلے سے لگا لیا۔

☆......☆......☆

''بہت مزہ آیا دیکھ کر۔ تم نے شایان اور ثانیہ کو میری طرف سے مبارک باد تو دے دی تھی نا؟'' ارم نے انبساط سے کہا تھا۔ زین لونگ ایریا میں صوفے پر آرام دہ حالت میں بیٹھا ہوا

ٹانگوں پر لیپ ٹاپ کھولے ارم سے وڈیو کال پر بات کر رہا تھا۔

''ہاں آپ کا پیغام پہنچا دیا تھا۔ ویسے ان لوگوں نے آپ کو بھی مدعو کیا ہے۔'' زین نے کہا۔

''ہاں پر تم تو جانتے ہو نا بیٹا، اچانک سب کام چھوڑ کر آنا بھی تو آسان نہیں۔۔'' ارم نے تاسف سے کہا۔

''جی مام، وہ جانتے ہیں۔'' زین نے رسان سے کہا۔

''ایسی مہندی کا فنکشن تو کنزا کا ہی دیکھا تھا۔ یاد ہے نا، کیسے دھوم دھام سے کی تھی۔ پھر میں تمہاری آس لگائے بیٹھی رہی پر تم نے تو میری خواہش پر پانی پھیر دیا۔'' وہ بھی گھوم پھر کر اسی موضوع کو سامنے لے آئی تھیں اور زین نے بیزاری سے آنکھیں گھمالیں۔

''مام! پلیز اب آپ مت شروع ہو جائیں۔'' زین نے زچ ہو کر کہا تھا۔

''کیوں اور کون کہہ رہا ہے؟ کیا تمہاری بات شازیہ سے ہوئی ہے؟'' انہوں نے اشتیاق سے پوچھا۔

''نہیں پر اس کی کال مجھے موصول ہوئی تھی لیکن کچھ مصروفیت کے باعث نہیں اٹینڈ کی۔ ویسے اچانک اس کا کیا خیال آگیا آپ کو؟'' زین نے پوچھا۔

''وہ اس لیے کیونکہ اس نے مجھے بہت اچھا رشتہ بتایا ہے تمہاری چوائس کو مدنظر رکھ کر۔'' اور زین سن کر صوفے کی پشت پر سر ٹکا گیا۔

''زین! سن تو لو۔'' ارم نے ڈپٹ دیا پر اب اس کی برداشت کرنے کی سکت ختم ہو رہی تھی۔

''اس کی خالہ زاد ہے۔ میں نے تصویر دیکھی ہے بہت پیاری لڑکی ہے۔ رہتی بھی امریکہ میں ہے۔ حال ہی میں پڑھائی مکمل کی ہے۔ تم سے چار سال چھوٹی ہوگی۔ شازیہ نے بتایا سادہ اور ملنسار لڑکی ہے۔ مجھے تو دیکھتے ہی پسند آگئی پر شادی تم نے کرنی ہے۔ میری مانو تو ایک

بار دیکھ لو، شاید سمجھ آجائے۔'' انہوں نے اصرار بھرے لہجے میں زین سے کہا تھا پر اب اس کی بس ہوگئی تھی۔

''مام! پلیز ایک تو آپ سب میرے ہاتھ دھو کر پیچھے پڑ گئے ہیں۔ مجھے مجبور نہ کریں کہ میں سب سے قطع تعلق ہو کر کہیں ایسی جگہ چلا جاؤں جہاں سے رابطہ کرنا مشکل ہو جائے۔'' وہ چڑ تا ہوا کہہ رہا تھا اور ارم کے لبوں پر تبسم معدوم ہوگئی۔

''تم اپنی ماں کے ساتھ ایسا کرو گے۔ زین! اگر تمہارے پیچھے ہم پڑے ہیں تو اس کا مطلب صاف ہے کہ تمہارا خیال کرتے ہیں تم سے محبت کرتے ہیں۔ میری تو خواہش تھی کہ تمہاری شادی کر دوں گی پھر تم مجھے پوتا پوتی کی خوشی دو گے تو میں ان سے کھیلوں گی۔ اب دیکھو کنزا نے مجھے یہ خوش خبری دے دی، سال کے آخر میں ننھا مہمان بھی آجائے گا۔ انشاء اللہ۔'' ان کے چہرے پر چھائی سنجیدگی جب یکلخت فرحت میں تبدیل ہوئی تو زین نے بھی خوش گوار حیرانی سے ارم کو دیکھا۔

''کیا واقعی؟'' زین نے پوچھا۔

''جی جناب، آپ خیر سے ماموں بننے والے ہیں۔'' ارم کے پھول برساتے الفاظ زین کو الگ سی خوشی دے گئے۔

''انشاء اللہ۔ کنزا کو میری طرف سے پیار کیجیے گا۔ یہ تو بہت اچھی خبر سنائی آپ نے۔''

''اور نہیں تو کیا۔ اب اس نے تو دے دی۔ اب تم بھی خواہش پوری کرو میری۔ بھئی صاف بات ہے ہر ماں باپ کی یہی آرزو ہوتی ہے کہ ان کے بچے پڑھ لکھ کر اپنے پیروں پر کھڑے ہوں اور اپنی زندگی میں سیٹل ہو کر ہمیں ان خوشیوں سے گھیر لیں۔ پر تم ہو کہ میری خواہش کو پوری کرتے ہی نہیں۔'' انہوں نے خفیف سے شانے اچکا کر زین سے کہا۔

''اب یہ ایموشنل بلیک میلنگ چل رہی ہے مام۔'' زین نے فوراً سمجھ کر ان سے کہا۔

''تم جو بھی سمجھو۔ پر اب بہت ہو گیا۔ زین! تمہارے ڈیڈ کے بعد تم دونوں میرے سہارے رہے ہو۔ ہر شخص کو کوئی نہ کوئی ساتھی کے طور پر ضرورت درکار ہو جاتی ہے۔ پھر میں نے یہ تو نہیں سوچا تھا کہ میرا بیٹا ہمیشہ تنہا رہے گا اور مجھے کبھی پوتا پوتی کی خوشی ہی نہیں دے گا۔''

''مام! دیکھیں آپ کی باتوں سے اندازہ ہو رہا ہے کہ آپ کو بہو سے زیادہ بچے چاہئیں۔ تو میں ایک کام کرتا ہوں کچھ وقت رک جائیں پھر میں دو بچے ایڈوپٹ کر لیتا ہوں۔ آپ کی خواہش بھی پوری ہو جائے گی اور میری تنہائی کو اچھا مشغلہ مل جائے گا۔'' وہ چھیڑتے ہوئے کہہ رہا تھا اور ارم کے چہرے پر تناؤ صاف نظر آ رہا تھا۔

''توبہ زین، یہ بھی کوئی حل ہوا۔''

''ہاہاہا۔'' وہ ارم کے تاثر دیکھ کر ہنس پڑا تھا۔ اسکرین پر ارم کے چہرے پر تناؤ اداسی میں ڈھلنا شروع ہوا تو زین نے بھی ہنسی کا دامن چھوڑا۔

''زین! کتنی زندگی ہے میری۔ کیا میں نہیں چاہتی میری حیاتی میں تمہارا اپنا گھر بار ہو جائے۔ تم ماشاءاللہ کتنے اچھے ہو۔ نوکری اچھی ہے، کماتے اچھے ہو۔ اب زندگی میں ٹھہرنا ضروری ہو گیا ہے۔'' ارم نے گمبھیر سنجیدگی سے کہا۔

''مام! آپ کو میری عمر لگ جائے۔'' زین نے انہیں فوراً ٹوکا۔

''بیٹا! شادی سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ اس میں اللہ نے انسان کے لیے سکون رکھا ہے۔ میں تمہاری ماں ہوں اور اتنی دور سے بھی اندازہ لگا سکتی ہوں تمہیں کس چیز کی کمی ہے۔ شازیہ کے بتائے ہوئے رشتے پر غور کرو۔'' انہوں نے کہتے کہتے موبائل اٹھایا اور میسج زین کو سینڈ کیا۔ زین کا موبائل میسج کی بیپ سے بج اٹھا۔

''ایک بار دیکھ لو۔ نہیں سمجھ آئے وہ الگ بات ہے پر ایک بار دیکھنے میں حرج کیا ہے۔ تمہاری پسند اور خواہش کے مطابق سادہ طبیعت کی ہے۔ شازیہ نے خود گیرنٹی دی ہے۔ بیٹا، ہر بار اچھا رشتہ نہیں ملتا۔ جتنا ایک لڑکی کی ماں رشتوں کو لے کر پریشان ہوتی ہے اتنا ہی لڑکے کی ماں بھی ٹینشن میں رہتی ہے۔ اگر مجھے خود کوئی شبہ ہوتا تو نہیں کہتی پر ایک بار دیکھنے میں کوئی مضائقہ تو نہیں۔'' وہ تحمل سے اسے سمجھا رہی تھیں اور زین خود کو قید میں بند ہوتا محسوس کر رہا تھا۔

''اچھا، میری میٹنگ شروع ہونے والی ہے۔ تم سے استدعا ہے ایک بار ضرور کھول کر دیکھنا۔ میسج کا جواب نہیں آیا تو سمجھ جاؤں گی کہ تمہیں پسند نہیں آئی۔ اپنا خیال رکھنا۔'' انہوں نے ہاتھ کو لبوں سے چوم کر اسکرین کے کیمرے کی طرف کیا جسے زین نے اپنا ہاتھ بڑھا کر تصور میں لے لیا اور اپنے لبوں سے لگا لیا۔

کال بند ہوئی تو اس نے لیپ ٹاپ کی اسکرین بند کر دی اور صوفے کی پشت سے سر ٹکا لیا۔ ارم کے الفاظ کانوں میں گونج رہے تھے پر اس کے اندر ہوتی ہلچل اسے پل پل مضطرب کر رہی تھی۔ وہ روز روز کی چک چک سے بیزار ہو گیا تھا۔ پر آج ارم نے اسے پھر سمجھایا۔ وہ چھت کو تک رہا تھا۔ دماغ جیسے بالکل خالی تھا۔ آنسو اس کی آنکھ کے کنارے سے بے اختیاری میں نکل گیا۔ اس نے سر واپس اٹھایا اور موبائل کی طرف نگاہ کی۔ ہاتھ میں ہلکی سی کپکپی لیے اس نے موبائل تھاما اور ارم کا میسج کھولا جو واٹس ایپ پر شو ہو رہا تھا۔ یکایک دل کی رفتار تیز ہوئی تھی۔ بے چینی نے اسے اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔ وہ سینے میں درد محسوس کرتا ہوا اپنے حال پر بے بس ہو رہا تھا۔ اس نے ارم کا میسج کھولا اور نظروں کے سامنے آئی ہوئی تصویر کو ان دیکھا کر دیا۔ پھر اسے سلیکٹ کر کے ڈلیٹ پر دبا کر زین نے موبائل واپس صوفے پر اچھالا اور سر صوفے کی پشت سے ٹکا کر آنکھیں بند کر لیں۔ کئی موتی بند آنکھوں سے برس پڑے تھے اور وہ

کتنی دیر وہیں اسی حالت میں بیٹھا رہا تھا۔

ہفتے کے دن زین دوپہر سے شایان کے گھر پر چلا گیا تھا۔شادی کا فنکشن چار بجے تھا اور اس وقت دو بج رہے تھے۔شایان کا کمرا پھولوں سے سجا دیا گیا تھا جس میں خود شایان کو بھی جانا منع تھا۔لہٰذا وہ اور زین دونوں دوسرے کمرے میں تیار ہو رہے تھے۔شایان نے چوڑی دار سفید رنگ کا پاجاما پہنا تھا اور اوپر وہی بیج گولڈن رنگ کی شیروانی تھی۔وہ قد آور شیشے کے سامنے کھڑا ہوا خود پر تنقیدی نگاہ ڈالے ہوئے شیروانی کے بٹن بند کر رہا تھا۔تھوڑی دیر ہوئی کہ باتھ روم کا دروازہ کھلا اور زین تیار ہو کر باہر آ گیا۔اس نے سفید رنگ کے پاجامے کے اوپر سیاہ رنگ کی شیروانی پہنی تھی جس کے کالر اور آستین پر گولڈن زری کا کام کیا گیا تھا۔اس پر اس نے بھورے رنگ کا چُنا ہوا صافہ گلے میں لپیٹ لیا تھا۔سنگھار میز کے پاس کھڑے ہو کر وہ اب گھڑی پہن رہا تھا پھر بالوں کو سیٹ کر کے وہ بھی قد آور آئینے کے پاس آ گیا جہاں شایان اپنی شیروانی کو سیٹ کر رہا تھا۔دونوں ہی بہت جچ رہے تھے اور یہ اندازہ لگانا، کہ دلہا کون ہے، مشکل تھا۔شایان کی امی نے دروازہ کھٹکھٹایا اور اس نے اندر آنے کی آواز لگا دی۔اس کی امی اندر داخل ہوئیں اور اپنے بیٹے کو شیروانی میں تیار دیکھا تو آنکھوں میں خوشی سے آنسو آ گئے۔ ان کے ہاتھ میں میرون رنگ کی پگڑی تھی جسے وہ لے کر شایان کے پاس آ گئیں۔زین نے ایک کرسی لی اور شیشے کے سامنے رکھ دی جس پر شایان شان سے بیٹھ گیا۔پھر اس کی امی نے اس کے سر پر پگڑی رکھی اور ترتیب دے دی۔مکمل تیار ہو کر شایان جاذبیت لیے بہت اچھا لگ رہا تھا۔شایان کی امی نے زین کی طرف مسکرا کر دیکھا۔

''میرے دونوں بچے بہت پیارے لگ رہے ہیں۔'' شایان کی امی نے دونوں کو پیار کیا۔ان آٹھ سالوں میں زین شایان کی فیملی سے جڑ گیا تھا۔شایان نے کوئی ایسا پل نہیں

چھوڑا تھا جس میں زین کو شامل نہ کیا ہو۔ خاص طور پر عید اور رمضان کی دعوتوں میں شایان کی امی زین کو لازماً مدعو کیا کرتی تھیں۔ تب ہی وہ ان لوگوں سے بے حد قریب ہو گیا تھا۔

''تھوڑی دیر میں نکلنا ہے، ٹھیک ہے۔'' شایان کی امی نے دونوں سے کہا اور پھر وہ کمرے سے چلی گئیں۔ زین کی نظر واپس شایان پر گئی۔ وہ آج اپنے دوست کی خوشی میں بہت خوش تھا۔ آٹھ سال سے ثانیہ، شایان اور زین ایک دوسرے کو جانتے تھے اور آج شایان اور ثانیہ شادی کے خوبصورت بندھن میں بندھ رہے تھے۔

''کیا دیکھ رہا ہے؟'' خود پر نظریں مرکوز کیے شایان نے زین سے پوچھا۔

''بہت مبارک ہو شایان۔'' زین نے کہا اور شایان مسکراتا ہوا اپنی کرسی سے اٹھا اور اسے دونوں بازو سے تھام لیا۔

''زین! مجھے اور ثانیہ کو تُو نے ہی ملایا ہے۔ مجھے اس سے اپنے جذبات شیئر کرنا بہت مشکل لگا تھا پر تو نے میرا بہت ساتھ دیا۔ میں تیرا یہ احسان کبھی نہیں بھولوں گا۔'' شایان نے شدتِ جذبات سے کہا تھا اور زین نے اس کے کندھے پر محبت بھرا ہاتھ رکھ دیا۔ پھر وہ دونوں مکمل تیار ہو کر کمرے سے نکل گئے۔ تین بجے ان کے گھر سے گاڑیاں ہال کے لئے روانہ ہو گئی تھیں۔

آج کے دن شادی اور ولیمہ دونوں ساتھ ہی تھے لہٰذا دونوں گھروں کے مرد اور خواتین مین گیٹ پر کھڑے مہمانوں کا استقبال کر رہے تھے۔ ثانیہ بھی مکمل تیار ہو کر برائڈل روم میں اپنی کزن اور سہیلیوں کے ساتھ بیٹھی تھی۔ اس نے پیچ رنگ کا شرارہ پہنا تھا جس پر ہاف سلیوز کی اسی رنگ کی قمیض تھی۔ اور لال رنگ کا دوپٹہ سر پر ٹکایا ہوا تھا۔ پورا جوڑا گولڈن اور سلور زری کے کام سے بھرا ہوا تھا۔ شرارے اور قمیض پر جگہ جگہ سرخ رنگ کے نگینے جڑے تھے۔ اس

نے ایک طرف سے دوپٹہ آگے لیا ہوا تھا اور دوسری طرف سے پیچھے سے آتا ہوا اس کے دوسرے ہاتھ کی کلائی پر بندھا تھا۔ دونوں ہاتھ چوڑیوں سے بھرے تھے اور بالوں کا جوڑا باندھا تھا۔ کانوں اور گلے میں بہت نفیس سیٹ پہنا ہوا تھا۔

شایان کے گھر سے گاڑیاں ہال پہنچ گئی تھیں۔ زین اور شایان ایک ہی گاڑی میں تھے۔ جیسے ہی گاڑی ہال کے سامنے آ کر رکی، زین پہلے نکل گیا اور اندر چلا گیا۔ آج ہال کی سجاوٹ کافی مختلف تھی۔ داخل ہوتے ہی لال رنگ کا لمبائی میں قالین بچھایا گیا تھا جو سیدھا سٹیج تک جا رہا تھا۔ اس کے آس پاس ہر فاصلے پر لمبے لمبے پھولوں کے گلدستے رکھے تھے جن میں پیچ، سفید اور لال رنگ کے گلاب تھے۔ آج پورے ہال کی تھیم بھی پیچ اور لال رنگ کی تھی۔ قالین کے دونوں طرف مہمانوں کے لیے گول میزوں پر پیچ رنگ کی چادر بچھائی ہوئی تھی اور ساتھ ہی لال رنگ کا رَنر تھا جس کے بیچوں بیچ پھولوں کا گلدستہ رکھا تھا۔ چھت پر زرد روشنی دیتے ہوئے فانوس آویزاں تھے اور پورا ہال شاندار لگ رہا تھا۔ زین کھانے کے انتظامات دیکھ کر واپس شایان کے والد کے ساتھ کھڑا ہو گیا تھا۔ اب اس گیٹ سے شایان اپنے کزن اور والدہ کے ساتھ داخل ہوا۔ فوٹوگرافر نے شایان کو برائڈل روم میں جانے کو کہا جہاں اس کا ثانیہ کے ساتھ فوٹو سیشن تھا۔ جب زین اور شایان کے کولیگز داخل ہوئے تو زین نے آگے بڑھ کر ان کا استقبال کیا اور ایک طرف لے گیا۔ ابھی شایان اور ثانیہ کو آنے میں وقت تھا تو زین ان کے ساتھ بیٹھا باتیں کرتا رہا۔

اندر برائڈل روم میں ہر اسٹائل سے دلہا دلہن کی تصاویر لی جا رہی تھیں۔ ثانیہ اور شایان بہت خوش لگ رہے تھے۔ وقت کے کانٹے اور سرکے تو ان کو باہر بلایا جانے لگا کیونکہ رسمیں بھی باقی تھیں اور کافی مہمان پہنچ گئے تھے۔ شایان نے فون نکالا اور زین کو کال لگا دی۔ وہاں زین کو لیگز

کے ساتھ بیٹھا تھا۔ جب فون بجا تو اس نے جیب سے موبائل نکال کر دیکھا اور کال اٹینڈ کر لی۔

''ہاں شایان؟'' زین نے پوچھا۔

''ہاں یار! بس باہر آ رہے ہیں تم کیمرا ریڈی رکھو۔'' شایان کو بھی معلوم تھا کہ زین کی مام تمام فنکشن کی ویڈیوز دیکھنا چاہتی تھیں لہٰذا زین نے اسے پہلے ہی مطلع کر دیا تھا کہ جب انٹرنس ہو تو لازمی آگاہ کرے۔

''ٹھیک ہے میں آتا ہوں۔'' زین فوراً اٹھا اور اپنے کولیگز کو ایکسکیوز کر کے چلا گیا۔

برائڈل روم سے شایان اور ثانیہ دونوں ساتھ نکلے اور چلتے ہوئے مین گیٹ کے سامنے آگئے تھے۔ لال قالین کے اطراف سب قریبی کزن اور دوست احباب اکٹھے کھڑے ہو گئے تھے جن کے ساتھ زین بھی اپنے موبائل پر کیمرا کھولے تیار کھڑا تھا اور شایان اور ثانیہ کے سامنے فوٹو گرافر کیمرا تیار کیے کھڑا تھا۔ جیسے ہی دھیمی آواز میں موسیقی بجنا شروع ہوئی، دونوں آہستہ آہستہ قدم بڑھانے لگے تھے۔ فوٹو گرافر ہر زاویے سے انہیں ریکارڈ کر رہا تھا۔ وہ دونوں سیدھا چلتے ہوئے اسٹیج تک پہنچ گئے تھے۔ زین اپنا موبائل لیے اسٹیج سے نیچے ایک طرف جا کر کھڑا ہو گیا۔ ایسے کہ اسے شایان اور ثانیہ با آسانی دکھ رہے تھے۔ اسٹیج کے تینوں طرف سے سیڑھیاں تھیں۔ سیڑھی پر سب سے پہلے شایان چڑھا اور پھر اس نے پیچھے مڑ کر ثانیہ کو ہاتھ دیا اور ثانیہ نے تھام لیا۔ اس طرح بھی کئی تصویریں لی گئیں اور پھر ثانیہ بھی اسٹیج پر شایان کے سہارے شرارہ سنبھالتی ہوئی چڑھ گئی۔ دونوں کا رخ اب لوگوں کی طرف تھا۔ سب مہمان اپنے اپنے موبائل نکال کر تصویریں اور ویڈیوز بنانے میں مصروف ہو گئے تھے۔

مزید وقت ضائع کیے بغیر ثانیہ کی امی اسٹیج پر آئیں اور دونوں کو سامنے رکھے پیچ رنگ کے صوفے پر بٹھا دیا۔ شایان کی امی بھی اسٹیج پر آگئیں اور ساتھ ہی دونوں کے کزن بھی موجود

تھے۔ چونکہ ثانیہ کا کوئی بھائی نہیں تھا تو اس کے ایک کزن نے شایان کو ہاتھ میں گھڑی پہنائی تھی۔ اس کے بعد ثانیہ کی ایک کزن پھولوں سے بھری ہوئی تھال لے آئی جس پر ایک سجا ہوا گلاس رکھا تھا جس میں بادام دودھ تھا جوان کے گھر کی رسم تھی۔ ثانیہ کی دونوں بہنوں نے تھال شایان کے سامنے کیا اور شایان نے دودھ کا گلاس اٹھا کر پی لیا۔ یہ سب منظر کو کیمرے میں قید کرتا ہوا زین اسٹیج کے ایک طرف کھڑا تھا۔ جب یہ دونوں رسمیں پوری ہوگئیں تو فوٹو گرافر نے شایان اور ثانیہ کو کھڑا کروا دیا اور اسٹیج پر سے دوسرے تمام لوگوں کو جانے کی درخواست کی کیونکہ اب ان دونوں کی اسٹیج پر فوٹو گرافی سیشن تھا۔ پھر گھر والوں کے ساتھ گروپ فوٹو کا سیشن الگ تھا۔

زین اسٹیج سے ہٹ کر اب لال قالین کی طرف چلا گیا تھا جہاں سے اسے ثانیہ اور شایان آسانی سے دِکھ رہے تھے۔ یہاں ویسے کئی لوگ کھڑے تھے پر زین تھوڑا دور تھا اور کیمرے کو زوم ان کر دیا تھا تاکہ فوکس صحیح سے بن جائے۔ فوٹو گرافر مختلف اندازوں میں دونوں دلہا اور دلہن کی تصاویر لے رہا تھا ساتھ ہی کئی لوگ جو پاس میں تھے وہ بھی تصاویر لے رہے تھے۔ جب کوئی اچھا یا نیچرل پوز یہ دونوں دیتے تو اسی وقت زین تصویر کھینچ لیتا۔ ویسے ہی وہ دونوں بے حد ہنسے جا رہے تھے اور ہر پل کو انجوائے کر رہے تھے تو ان کی اس طرح کی تصاویر لینا آسان ہوگیا تھا۔ ثانیہ نے مستی میں آ کر شایان کے گال کھینچ لیے جس کی فوراً تصویر زین نے لے لی تھی۔ وہ مسلسل ان دونوں کو دیکھ کر مسکرائے جا رہا تھا۔ بلاشبہ دونوں بہترین جوڑے کی مثال تھے۔ فوٹو گرافر جوان کی وڈیو اور تصاویر بنانے میں مصروف تھا تبدیلی کے لیے اس نے ساتھ رکھے ہوئے لائٹ کے شیڈز کی جگہ بدل دی جس سے زین کا فوکس خراب ہوگیا اور اب اسے اپنی جگہ بدلنی تھی۔ ورنہ تصاویر کھینچنے میں دقت محسوس ہو رہی تھی۔ وہ موبائل کی اسکرین پر

دیکھتے ہوئے دو قدم پیچھے ہوا پر بے سود۔ بنا بنایا اینگل خراب ہو گیا تھا۔

''اچھا خاصا کھڑا تھا میں، چلو دوسری طرف چلتے ہیں۔'' خود کلامی کرتا ہوا وہ موبائل پر کیمرا فنکشن سیٹ کرتے ہوئے جوں ہی پیچھے مڑا تو ایک لڑکی سے بری طرح ٹکرا گیا۔

''اوہ۔'' زین کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔ اس کا موبائل تو زمین بوس ہوا تھا جس لڑکی سے وہ ٹکرایا تھا اس کا پرس نیچے گر کر کھل گیا تھا۔ اتفاق سے دونوں ہی اپنی اپنی چیزوں پر نظر رکھتے ہوئے نیچے جھکے تھے۔ زین نے اپنا موبائل تو اٹھا کر شیروانی کی جیب میں ڈال دیا پر اب لڑکی کی مدد کرنے لگا تھا جس کے پرس سے موبائل، دو تین قسم کی چابیاں اور کارڈ ہولڈر باہر نکل گئے تھے۔

''سوری، مجھے معاف کر دیں۔ نظر نہیں آئیں آپ۔'' زین نے چابی اٹھاتے ہوئے کہا اور صنفِ مخالف موبائل پرس میں ڈال رہی تھی۔

''کوئی بات نہیں۔'' پر جیسے ہی یہ تین لفظ زین کی سماعت سے ٹکرائے وہ پل بھر کو رکا اور جھٹکے سے نگاہ اٹھا کر اس لڑکی کی جانب دیکھ کر مزید ٹھٹک گیا۔ اس کا چلتا ہاتھ ساکت ہوا تھا۔ وہ بے یقینی کا مجسمہ بنے یک ٹک اسے دیکھتا رہا تھا۔ خود پر زین کی نظریں محسوس کرتی ہوئی اس لڑکی نے اچٹتی نگاہ سے زین کو جوں ہی دیکھا تو دوسری نظر زین پر حیرت سے ٹھہر گئی۔

عالمِ بے یقینی تھی۔ اطراف میں موجود لوگوں کی آوازوں میں مخلوط ہوتی ہوئی موسیقی کی آوازیں معدوم ہو گئی تھیں۔ فسوں خیز ماحول نے ان دونوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ یوں محسوس ہوتا جیسے کسی جادوگر نے انہیں اپنے حصار میں کر لیا ہو۔ وہ سانس روکے، ساکت بیٹھے ایک دوسرے کو دیکھتے ہوئے مجسمے کی مانند لگ رہے تھے جن میں ذرا جو ارتعاش ہوتا۔ پھر لڑکی کے جسم میں حرکت پیدا ہوئی پر نظریں تھیں کہ زین کی نگاہوں کی گرفت میں اس قدر مضبوطی

سے بندھی تھیں کہ وہ چاہتے ہوئے بھی ہٹا نہیں سکی تھی۔ وہ دونوں ایک ساتھ جب اٹھے تو زین کی دھڑکن بے ترتیب ہو چلی تھی۔

"سارہ۔"

بے ساختہ نکلے ہوئے زین کے لبوں سے الفاظ مقابل کے اندر تک سرایت کر گئے تھے۔ زین کی حالت بے قابو ہو رہی تھی۔ دل اس قدر زور سے دھڑک رہا تھا مانو سینے سے نکل کر آ جائے گا۔ وہ سکتے کی کیفیت میں اسے دیکھے جا رہا تھا۔ کچھ پل اسے لگا جیسے سامنے کھڑی اپسرا محض اس کے دماغ کا فتور ہے۔ پر اس کے خیالوں میں بھی سارہ ایسی نہیں دکھائی دی تھی جیسے اس وقت سامنے کھڑی تھی۔ وہ اپسرا بے تحاشا حسن لیے اسے بے خود کر رہی تھی۔ زین نے تفصیلی نگاہ سے اسے دیکھا۔ تھی تو وہ آج بھی بالکل ویسی ہی۔ کامنی دبلی پتلی سی۔ پر اس نے کھلتے گلابی رنگ کی ساڑھی ملبوس کی ہوئی تھی جس پر ایک انچ جتنے بارڈر پر سنہرے دھاگے سے کام کیا ہوا تھا۔ بلاؤز کی پوری گلابی آستینیں تھیں اور اس نے مکمل ساڑھی کو بے حد نفاست اور قرینے سے لپیٹا ہوا تھا۔ بالکل ایسے جیسے وہ ہمیشہ سے رہی تھی۔ سادگی میں حسن کا پیکر۔ اس پر یہ رنگ اس قدر جچ رہا تھا کہ زین کو وہ پر کشش سی لڑکی اپنا اسیر کر رہی تھی۔ گہری بھوری آنکھوں میں سیاہ کاجل اور باریک آئے لائنر لگا کر مزید واضح کیا ہوا تھا۔ گلابی مائل بھورے رنگ کی لپ اسٹک ہونٹوں پر سجی تھی۔ آنکھوں پر کوئی چشمہ نہیں تھا۔ بال پورے کھلے تھے۔ جو پہلے کے مقابلے اب لمبائی میں تھوڑے کم تھے۔ نصف پشت تک آتے ہوئے گھنیرے بالوں کا کچھ حصہ آگے تھا تو کچھ پیچھے۔ کانوں میں چھوٹے آویزے پہنے ہوئے تھے۔ زین نے اس کے چہرے پر ایک نئی چیز نوٹ کی تھی۔ زرقون کی ننھی سی کیل ستواں ناک پر سجی ہوئی ہال میں موجود زرد لائٹ سے دمک رہی تھی۔ جو لڑکی نظروں کے سامنے تھی وہ تو خیالوں میں بھی ایسی نہ

تھی۔اس نے چہرے پر چھائی بے رونقی جانچتی نظروں سے جو دیکھی تو وہ سراپا گلاب کی مانند تو لگ رہی تھی پر آج بھی مرجھائی ہوئی تھی۔

مقابل کھڑی سارہ بھی دم بخود اور متحیر سی تھی۔زین کو سامنے دیکھ کر اسے اپنی آنکھوں پر یقین کرنا محال تھا۔دماغ جیسے ماضی میں چلا گیا تھا۔مکمل فلم کی طرح یکے بعد دیگرے واقعات یاد کرتی ہوئی ہر غم، ملال، تکلیف جو کچھ تھا سب اس کے اندر تیر کی مانند پیوست ہو رہا تھا۔وہ جتنا ماضی سے جان چھڑا کر بھاگتی تھی وہ پیچھے پیچھے اس کی تاک میں لگا رہتا تھا۔وہ اس کی نظروں سے فوراً اوجھل ہونا چاہتی تھی۔پر زین کی نظروں کا حصار اس قدر مضبوط تھا کہ وہ چاہ کر بھی نگاہ ہٹا نہیں سکی تھی۔وہ یاسیت کے سمندر میں غوطہ زن تھی۔اسے اس دائرے سے آزاد ہونا تھا جو ہر بار ہیبت ناک شکل اختیار کیے اس کے سامنے آجاتا تھا۔

”سارہ...... سارہ...... سارہ۔“ ایک لڑکا سارہ سے عمر میں کچھ بڑا اسے بلاتا آرہا تھا۔ آخری بار اس نے جب سارہ کو قریب سے آواز دی تو سارہ نے جھٹکے سے اس کی جانب دیکھا۔فسوں سازی کا اثر زائل ہوا تھا۔آس پاس موجود مہمانوں کی گہما گہمی منظرِ عام ہوئی تھی۔موسیقی اور باتوں کی آوازیں پھر سے کانوں کو چھونے لگی تھیں۔زین کی نگاہ سارہ سے ہوتے ہوئے اس لڑکے پر جا رکی۔اسے وہ لڑکا سارہ کے بے حد قریب لگا جیسے شوہر معلوم ہوتا ہو۔اس کی برداشت سے یہ سب باہر ہو رہا تھا۔اس نے نگاہ جھکا کر امڈتے جذبات کو لگام لگا دی اور سیدھا وہاں سے پلٹ گیا۔

(قسط نمبر: 4)

''یار سارہ! ثانیہ تمہیں کب سے بلا رہی ہے۔'' سارہ کی نگاہیں پہلے سے ہی اس لڑکے پر تھیں لہٰذا وہ زین کی ابتر ہوتی حالت سے بے خبر تھی۔

''ہاں میں آ رہی ہوں۔'' سارہ نے بمشکل لفظ ادا کیے تھے اور پھر نگاہیں اسی جانب گھمائیں پر اب وہاں زین موجود نہیں تھا۔ ثانیہ نے سارہ کو اسٹیج پر سے ہی دیکھ لیا تھا تب ہی اسے وہاں آنے کا کہا تھا۔

دوسری طرف زین ہال کے کونے میں جا کر کھڑا ہو گیا۔ مسلسل سارہ کا چہرا آنکھوں کے سامنے گھوم رہا تھا۔ یہ منظر جو چند لمحے کے لئے انتہائی دلکش لگا تھا، دل کو ضرب دے گیا تھا۔ اس کا درد اتنا زیادہ تھا کہ اس کی آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے تھے۔ وہ کونے کی میز کے پاس کھڑا کرسی پر دونوں ہاتھ جمائے اپنی تمام شدت کو ہاتھ کی گرفت کی مضبوطی پر اتار رہا تھا۔

''میں نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ اسے کسی اور کے ساتھ دیکھوں گا۔ قدرت کون سا کھیل کھیل رہی ہے؟ میں نے تنہا رہنا سیکھ تو لیا تھا پر یوں سامنے ایسے آ جائے گی۔ یہ میں نے کبھی خوابوں میں بھی نہیں سوچا تھا۔ یا اللہ! میں یہ برداشت نہیں کر پاؤں گا۔ یہ میری جان سے بڑھ کر آزمائش ہے مالک، یہ میں نہیں برداشت کر پاؤں گا۔'' زین کی سانسیں تیز ہونے لگی تھیں۔ اس نے اپنا چہرا پونچھا اور مزید آنسو نکلنے سے روک دیئے۔ اس کی جیب میں رکھا موبائل بجنا شروع ہو گیا تھا۔ جب دیکھا تو شایان فون کر رہا تھا۔

''ہیلو۔ ہاں شایان؟'' جیسے تیسے خود کو بمشکل سنبھالا اور بات کی۔

”زین کہاں ہو؟ کہیں نظر نہیں آ رہے ہو؟ اسٹیج پر آؤ نا۔“ شایان نے کہا۔

”ٹھیک ہے آتا ہوں۔“ زین نے کہا اور فون بند کر کے جیب میں ڈال دیا۔ اس نے خود کا دھیان ہٹایا اور اپنے آپ کو ڈھیلا چھوڑ دیا پھر خود کو کمپوز کرتا ہوا نگاہیں نیچے کیے اسٹیج کی طرف چلا گیا۔ اسٹیج کے قریب سیڑھیوں سے چڑھ کر وہ شایان کے پاس کھڑا ہو گیا تھا۔ مشکل سے چہرے پر مسکراہٹ لیے وہ شایان سے بات تو کرنے لگا تھا پر اس کا دماغ جیسے ماؤف ہو گیا تھا۔ وہ بالکل بھی حاضر نہیں تھا۔ اس ہی دوران شایان کے بائیں جانب جہاں ثانیہ کھڑی تھی اس کے پاس کی سیڑھیوں سے سارہ اور ہیلن چڑھیں اور ثانیہ کے پاس آ گئیں۔ سارہ ثانیہ کی اوٹ میں کھڑی تھی کچھ اس طرح کہ مقابل کھڑے لوگوں کو واضح نہ ہو۔

”السلام علیکم ثانیہ، مبارک ہو تمہیں بہت اچھی لگ رہی ہو۔“ سارہ کے الفاظ بھی لرزش لیے ہوئے تھے۔ اس کی خود کی حالت اس وقت ٹھیک نہیں تھی۔

”شکریہ اور زہے نصیب آخر آپ آج آ ہی گئیں، یہ شرف آپ نے مجھے بخش ہی دیا آخر! ویسے بہت پیاری لگ رہی ہو تم۔“ ثانیہ نے اسے سر تا پیر دیکھ کر کہا۔

”شکریہ، میں ویسے آنے نہیں والی تھی۔ پر تم ایلکس کو جانتی ہو نا، اس کے اصرار پر میں آ ہی گئی اور یہ تمام تیاری اس کی فرمائش پر ہی کی گئی ہے۔ وہ مان ہی کہاں رہا تھا۔“ سارہ نے اسے گوش گزار کیا۔

”جانتی ہوں، بھلا ہو ایلکس کا۔ اس کی طبیعت ٹھیک ہوتی تو وہ بھی آج یہاں ہوتا۔ اور ہیلن تم کیسی ہو؟“ ثانیہ کی بات پر سارہ نے تاسف سے سر کو جنبش دی اور ثانیہ اس کے ساتھ کھڑی اب ہیلن سے مخاطب ہوئی۔

”میں ٹھیک ہوں، ثانیہ بہت پیاری لگ رہی ہو، بہت مبارک ہو تمہیں۔“ ہیلن نے

توصیفی نگاہ سے اسے دیکھ کر کہا۔

''شکریہ، اچھا تم دونوں رکو۔'' ثانیہ نے شایان کو اپنی طرف متوجہ کیا اور اسے ان دونوں کا تعارف کروایا۔ ثانیہ پہلے بھی کئی بار اپنے کولیگز کا ذکر شایان سے کر چکی تھی لہٰذا سارہ کا غائبانہ تعارف تو تھا ہی پر آج پہلی بار شایان سارہ سے مل رہا تھا۔ پھر جب ثانیہ نے زین کو بھی وہیں شایان کے برابر موجود پایا تو موقع ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ وہ کب سے نیچے نظریں کیے کھڑا تھا اور شایان سے بات کر رہا تھا۔

''زین! میری دو اور دوستوں سے ملو، یہ ہیلن ہے اور یہ سارہ۔'' ثانیہ کا یہ کہنا تھا کہ ایک بار پھر زین کی نظریں حیرت سے اٹھیں اور اس کی طرف ہو گئیں لیکن زین کا نام سنتے ہی سارہ نے اب کی بار زین کی طرف نہیں دیکھا۔ وہ اضطرابی حالت میں نیچے ہی نظریں کیے کھڑی رہی۔ اس کے چہرے پر تناؤ صاف ظاہر تھا۔ اس افتاد میں ہیلن زین کی طرف چلی گئی اور ایسے کھڑی ہو گئی کہ سارہ چھپ گئی۔

''ہیلو، میں ہیلن، آپ سے مل کر اچھا لگا۔'' جاذبیت لیے وہ مرد ہیلن کو اپنا تسخیر کر رہا تھا پر زین کے کانوں نے جیسے اس کی آواز کو ان سنا کیا تھا۔ زین اپنے ہوش و حواس میں نہیں تھا۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اس کے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ وہ ثانیہ کو آٹھ سال سے جانتا تھا پر خود ثانیہ نے پہلے کبھی اس سے سارہ کا ذکر نہیں کیا تھا۔ اس ہی دوران سارہ نے ثانیہ کے کان میں یہ بات کہہ دی کہ وہ نیچے اتر رہی ہے۔ ثانیہ نے روکا بھی پر سارہ چلی گئی۔ جیسے تیسے زین نے الفاظ ادا کیے۔

''میں آپ سے بعد میں بات کرتا ہوں۔'' اور ہیلن کے عقب میں دیکھا تو سارہ اسے نہیں دکھی۔ وہ چلتا ہوا ثانیہ کے پاس آ گیا اور ارد گرد نظریں گھما کر دیکھنے لگا پر سارہ نہیں تھی۔

''ثانیہ! تم سارہ کو کیسے جانتی ہو؟'' زین نے فوراً پوچھا۔

''کیا مطلب؟ کولیگ تھی میری، میرے ساتھ کام کرتی ہے اور اب تو فائنانس منیجر کی پوسٹ پر پروموٹ ہو گئی ہے۔'' ثانیہ کا بس یہ کہنا تھا اور زین پر جیسے دھماکا سا ہوا تھا۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ سارہ ثانیہ کے ساتھ کام کرتی تھی؟ پر وہ یہاں آئی کیسے تھی اور کیوں آئی تھی؟

''ثانیہ! تم سارہ کو کب سے جانتی ہو؟'' زین نے اگلا سوال پوچھ ڈالا۔

''یہی کوئی دو سال سے، کیوں تمہیں اچھی لگی؟ بولو تو بات کروں۔'' ثانیہ نے متجسس ہو کر مسکرا کر پوچھا۔ شایان بھی کبھی ان کی باتیں سن رہا تھا تو کبھی آتے ہوئے مہمانوں سے ہاتھ ملا رہا تھا۔ ان دونوں کی تصویریں کھنچ گئی تھیں اور اب گروپ میں تصویریں ہو رہی تھیں اور زین کو اس وقت اس سے کوئی سروکار نہیں تھا کہ کون آ کر ان کے ساتھ تصویر کھنچوانا چاہ رہا ہے بلکہ خود فوٹوگرافر انتظار میں تھا کہ زین ایک طرف ہو اور اس نے آواز بھی لگائی پر شایان نے دو منٹ کا اشارہ کر دیا تھا۔

''ثانیہ! یہ تم کیسی بات کر رہی ہو؟ سارہ شادی شدہ ہے۔'' زین اس کے الفاظ سن کر بے بسی کے عالم میں مشتعل سے کہہ اٹھا۔

''کیا...... زین! میں اسے دو سال سے جانتی ہوں، وہ میری دوست ہے، اور مجھے معلوم ہے کہ وہ سنگل ہے۔'' ثانیہ آج جھٹکوں پر جھٹکے دیئے جا رہی تھی۔ وہ دم بخود سا ثانیہ کو دیکھے گیا تھا۔ ''تب ہی تو تمہیں اس سے ملوایا پر وہ بھی ٹکی نہیں اور یہ جا وہ جا۔ مجھے لگا یہاں کی لڑکیاں تو سمجھ آتی نہیں ہیں تمہیں، تو چلو اس سے ملوا دیتی ہوں اور یہ آئی بھی وہیں سے ہے جہاں سے تم آئے ہو، کراچی۔'' ثانیہ نے کہا اور زین خود کو تتر بتر ہوتا محسوس کرنے لگا۔ وہ ان دونوں سے ہٹ کر ایک طرف ہو گیا تا کہ ان کی تصویریں لی جا سکیں۔ اس نے وہیں ایک طرف کھڑے

ہو کر ہال کے چاروں طرف نظر دوڑائی پر اسے کوئی بھی گلابی ساڑھی پہنے ہوئے لڑکی نہیں دکھی۔ وہ تیزی سے اسٹیج سے اترا اور ہال کے چاروں کونوں میں بھاگتا اِدھر اُدھر دیکھتا ہوا گیا، پر سارہ کہیں نہیں تھی۔ اسے فوراً پارکنگ لاٹ کا خیال آیا اور وہ مین گیٹ سے نکل کر پارکنگ لاٹ کی طرف چلا گیا۔ ہوش وخرد سے بیگانہ وہ دیوانہ وار بھاگ رہا تھا پر یہاں پہنچ کر بھی کوئی نہیں تھا۔ یہ سب کیا تھا؟ کیا کوئی خواب تھا جو وہ دیکھ رہا تھا؟ یا سب حقیقت تھی جسے وہ قبول نہیں کر رہا تھا۔ کیا وہ واقعی سارہ ہی تھی جسے وہ جانتا تھا یا کوئی اور تھی جو سارہ جیسی دکھتی تھی۔ وہ یہاں کیسے آئی تھی؟ اس کی تو شادی نہیں ہوگئی تھی؟ پھر اس کے گھر والے؟ زین کو کچھ بھی سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ وہ ذہنی طور پر منتشر وہیں کھڑا کا کھڑا رہ گیا تھا۔

☆......☆......☆

زین کے پارکنگ لاٹ میں آنے سے تھوڑی دیر پہلے ہی وہ اپنی گاڑی میں بیٹھ گئی تھی۔ عجلت میں لرزتے ہاتھوں سے چابی اگنیشن میں ڈال کر گاڑی کو ریس دیتی ہوئی اپنے گھر کی طرف لے گئی۔ اس کی آنکھوں سے مسلسل آنسو بہہ رہے تھے۔ جیسے تیسے وہ گاڑی چلاتی ہوئی اپنے گھر پہنچی تھی۔ اپارٹمنٹ کا دروازہ کھولا تو ہر سو اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ وہ اندر داخل ہوگئی اور دروازہ بند کر دیا۔ ٹینشن کی وجہ سے اس کا تنفس تیز ہو رہا تھا۔ وہ چلتی ہوئی اپنے کمرے میں داخل ہوگئی اور بستر کے سرہانے جو سائیڈ میز تھی اس کی دراز کو کپکپاتے ہاتھوں سے کھولا۔ وہ افتاں وخیزاں کی حالت میں اندر سے دوائی کی شیشی نکالنے لگی تھی۔

''اس کی عادت نہیں ڈالنی۔ جب لگے کہ بہت ضرورت ہے پھر میں مشورہ دوں گا کہ ایک ٹیبلٹ سونے سے پہلے لینا تاکہ آرام آجائے۔'' ایک آواز بازگشت ہوئی اور سارہ نے دوائی کی بوتل کھول کر ایک ٹیبلٹ نکال کر منہ میں ڈال لی۔ سائیڈ میز پر رکھی پانی کی بوتل سے دوائی

حلق میں اتار کر اس نے اگلا کام یہ کیا کہ کان میں پہنے آویزے کھینچ کر اتار پھینکے۔ وہ چیخ کرنا چاہتی تھی پر اس کی بگڑتی ہوئی حالت اسے ایسا کرنے سے روک رہی تھی۔ ضبط کا پیمانہ لبریز تھا۔ وہ چیخنا چاہتی تھی پر آواز گلے میں گھٹتی چلی گئی تھی۔ اس نے خود کو بمشکل قابو کیا اور بستر پر جیسے بیٹھی تھی ویسے ہی لیٹ گئی۔

بیپ بیپ...... موبائل پر میسج موصول ہوا تھا۔ اس نے اسکرین پر موبائل کھول کر دیکھا تو وائس نوٹ تھا۔ دبانے پر ایلکس کی آواز کمرے میں گونج اٹھی تھی۔

''تم بہت پیاری لگ رہی ہو سارہ۔ دیکھا میں نے کہا تھا نا تیار ہو گی تو اچھا لگے گا۔ کاش میں تمہارے پاس ہوتا تو تمہیں دیکھ سکتا۔'' ایلکس کی آواز آہستہ آہستہ معدوم ہوگئی۔ وہ نیند کی وادی میں چلی گئی۔

☆......☆......☆

''میں سارہ کو دو سال سے جانتی ہوں اور مجھے یہ معلوم ہے کہ وہ شادی شدہ تو نہیں ہے۔ اکیلی رہتی ہے۔''

وہ گاڑی کو تیز رفتاری سے ہائی وے پر بھگاتا ہوا منتخب مقام پر لے جا رہا تھا۔ اس کی نگاہیں تو گمبھیر سنجیدگی میں ڈوبی ہوئی سڑک پر ٹکی تھیں پر اس کا ذہن مستقل ثانیہ سے صبح ہوئی فون پر گفتگو میں الجھا ہوا تھا۔

''وہ میرے آفس میں ہی کام کرتی ہے۔ اکاؤنٹنٹ کی پوسٹ پر آئی تھی پر فقط دو سال میں اپنی قابلیت کے ایسے جھنڈے گاڑے کہ حال ہی میں اس کو فائنانس مینجر کے عہدے پر پروموٹ کیا گیا ہے۔ بے حد ذہین ہے پر اُف اس سے بات کرنا آسان نہیں۔ دو ٹوک جواب دے کر چپ کروا دیتی ہے۔ رعب ہے بھئی اس کا۔ اور یقین جانو سب ڈرتے بھی ہیں۔'' وہ

ثانیہ کے کہے ایک ایک لفظ کو یاد کر رہا تھا۔ نظریں سڑک پر فوکس تھیں پر وہ شدید تناؤ کا شکار تھا۔

''میں نے اکثر شایان سے تو ذکر کیا تھا اس کا۔ پر اس قدر ملنسار نہیں ہے نا ورنہ پہلے ہی تم سب سے ملاقات کروا دیتی۔ انٹروورٹ ہے۔ حد درجے تنہائی پسند۔ کہیں لے کر بھی اسے جانا ہو تو منتیں سماجتیں کرنی پڑتی ہیں محترمہ کی۔ کل بھی اتفاق سے وہ شادی میں آئی تھی ورنہ اس کا پورا پلان تھا نہ آنے کا۔''

''ارے زین! یہ حال ہی میں تمہارے علاقے کے بہت پاس شفٹ ہوئی ہے رائٹ وڈ نیبرز۔'' یہ وہ علاقہ تھا جو زین کے گھر سے بمشکل دس منٹ کے فاصلے پر تھا۔

''اس سے رابطے کے لیے اس کے دو نمبر ہیں آفیشیل اور پرسنل۔ میں تمہیں دونوں بھیج دیتی ہوں پر تم کہہ رہے ہو کہ تمہاری اس سے جان پہچان ہے تو میرا نام مت لینا کہ میں نے آسانی سے پرسنل نمبر بھی دے دیا۔ بلکہ یہ کہنا کہ تم نے زبردستی مجھ سے نکلوایا ہے ورنہ میری خیر نہیں۔ اس کو بالکل نہیں پسند جب کوئی اس کی بغیر اجازت کے نمبر دے۔ ویسے تو میں بھی نہیں دیتی پر نیک کام میں دیر کس بات کی۔ شاید اسی بہانے تمہیں یہ لڑکی سمجھ آ جائے اور تم بھی شادی کے بارے میں سوچ لو۔''

''ارے ایک منٹ رکو۔ آج اتوار ہے نا۔ تم آج اس سے مل بھی سکتے ہو۔ وہ اکثر کینسر کیئر ہسپتال جاتی ہے ایک بجے ایلکس کو دیکھنے۔ اور آج بھی جائے گی کیونکہ ایلکس اس وقت ایڈمٹ ہے۔ ویسے تو آج رات بھی اسے پارٹی میں مدعو کیا ہے پر اس نے منع کر دیا۔ وجہ یہی بتائی کہ وہ وہاں جائے گی۔ تم اس سے ہسپتال جا کر مل سکتے ہو۔'' وہ تمام گفتگو سوچتا ہوا ایکسی لیٹر پر پیر رکھے ہوئے تیز رفتار سے گاڑی چلاتا اس ہسپتال پہنچ رہا تھا۔ ثانیہ کی باتوں نے اس کی الجھنوں کو سلجھایا نہیں تھا۔ اگر یہی ساری باتیں تھیں تو پھر اس شادی کا کیا ہوا تھا جس کے

بارے میں سارہ نے اپنے خط میں لکھا تھا۔ پھر اس کے ماموں مامی؟ زین کے پاس بس صرف ایک راستہ تھا۔ خود جا کر سارہ سے ملے اور حقیقت جانے۔

وہ آٹھ سال سے یہ سوچ کر خود کو تسلی دیئے ہوئے تھا کہ سارہ جہاں کہیں بھی تھی، کسی اور کی تھی پر آج وہ سنگل تھی، تو کیا اس نے جو خط میں بات کی تھی وہ غلط تھی؟ کتنی سوچوں میں گم وہ آخر کار اس ہسپتال پہنچ ہی گیا۔ ایک پارکنگ ایریا گاڑیوں سے پورا بھرا ہوا تھا تو اس نے دوسری طرف کے پارکنگ ایریا میں اپنی گاڑی پارک کی اور گاڑی سے نکلا۔ اس نے کالے رنگ کی پینٹ پر گہرے نیلے رنگ کی ڈریس شرٹ پہنی تھی۔ وہ پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑا اس ہسپتال کے مین گیٹ کو دیکھ رہا تھا۔ چہرے پر متانت ٹپک رہی تھی۔ دل کی دھڑکن بے ترتیب تھی۔ وہ نہیں جانتا تھا حقیقت کیا تھی اور اب جاننے کے لیے اسے خوب ہمت درکار تھی۔ اس نے سرد سانس اندر کھینچ کر خود کو تیار کیا اور ہسپتال میں داخل ہو گیا۔

ثانیہ کے مطابق وہ کینسر کیئر یونٹ میں ایک بچے کو دیکھنے آتی تھی۔ زین نے ریسپشن پر اس کمرے کا پتہ کیا جہاں نوعمر بچے کینسر امراض کے لئے داخل ہوتے تھے اور ریسپشنسٹ نے بتا دیا۔ وہ سیدھا ایک کوری ڈور سے ہوتا ہوا سامنے لفٹ میں چلا گیا۔ پانچواں فلور تھا جس کا اس نے بٹن دبایا اور تھوڑی دیر میں ہی وہ اس مالے پر پہنچ گیا تھا۔ لفٹ سے نکل کر طویل راہ داری تھی جس کے ساتھ اطراف میں کئی کمرے ملحقہ تھے۔ وہ دھیرے دھیرے آگے بڑھتا اور ہر کمرے کے باہر پڑھتا ہوا چلا گیا۔ ایک وارڈ میں تقریباً دس بستر تھے اور یہاں کئی سارے وارڈز تھے۔ ہر کمرے کا دروازہ بند تھا اور اس پر ایک شیشہ لگا ہوا تھا جس سے آر پار دیکھا جا سکتا تھا۔ پہلے تو بڑوں کے کچھ وارڈز گزرے پھر بچوں کے شروع ہو گئے۔ ایک دو وارڈ چھوڑ کر جب اس نے تیسرے وارڈ میں شیشے سے دیکھا تو یکلخت اس کی نظر ایک لڑکی کی

پشت پر جا ٹھہری۔ اسے یقین تھا کہ وہ اور کوئی نہیں سارہ تھی۔ یہ وزیٹنگ آورز تھے جس میں اور بھی کئی لوگ اس کمرے میں موجود تھے۔ اس نے دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گیا۔ یہاں کئی بچے جو کینسر کے امراض کا شکار تھے بستر پر لیٹے تھے اور ان کے گھر والے ان سے ملنے آئے ہوئے تھے۔

وہ جیسے جیسے آگے بڑھتا رہا تھا بے یقینی سی کیفیت میں چلتا چلا گیا۔ کیسے ممکن تھا۔ آٹھ سال جس کی راہ بھی نہ تکی تھی کیونکہ وہ ہر امید کھو بیٹھا تھا۔ آج اس کے سامنے موجود تھی۔ وہ لڑکی اسے لاحاصل لگتی تھی۔ ایک سراب کی مانند جس کے پیچھے اس نے بھاگنا چھوڑ دیا تھا۔ اگر وہ وقت پر نہ سنبھلتا تو دیوانہ ہو جاتا۔ آٹھ سال پہلے اس نے خود کو بمشکل قابو کیا تھا۔ جب منفی خیالات نے اسے اپنی لپیٹ میں لے کر زندگی سے دور کرنا چاہا تھا تو اس نے اپنی جان چھڑا کر ہوش سنبھالا۔ وہ اس کی آرزو میں زندگی نہیں گزار رہا تھا۔ وہ تو اس کی خوشی میں خوش تھا اور ہمیشہ اس کے لیے دعا گو تھا۔ پر آج اس کی حالت عجیب تھی۔ کیا اس طرح ناممکن ممکن ہو جاتا ہے؟ پر اس وقت بھی وہ کسی نتیجے پر نہیں پہنچا تھا کیونکہ سارہ کی آپ بیتی سے واقف جو نہیں تھا۔ اور آج اپنی تمام الجھنوں کو سلجھانے کے لیے وہ اس کے پاس آ پہنچا تھا۔

جس بستر کے پاس وہ زین سے پشت کیے بیٹھی تھی اس کے مقابل دوسرا بستر خالی تھا۔ وہ پردے کی اوٹ میں جا بیٹھا تاکہ سارہ کی اس بچے سے گفتگو سن سکے۔ زیادہ فاصلہ نہیں تھا۔ وہ پردے کے کنارے سے اسے با آسانی دیکھ سکتا تھا۔

کل کے مقابلے اسے سارہ آج پھر بدلی بدلی سی لگی تھی۔ پر اس کے انداز و اطوار سے معلوم ہوتا تھا کہ اب وہ اسی طرح کے لباس ملبوس کرتی تھی۔ زین کی نگاہیں اس پر جو ٹکیں تو ہٹانا محال ہو گیا۔ اس نے جینز پہنی ہوئی تھی۔ جس پر گھٹنے تک آتی ہوئی سیاہ رنگ کی قمیض تھی۔

سفید اور سیاہ امتزاج میں سٹول اس نے مفلر کی طرح اپنے شانوں پر پھیلایا ہوا تھا۔ بالوں کی آج گس کر اونچی پونی بنائی ہوئی تھی۔ چہرا آج ہر سنگھار سے عاری تھا۔ یعنی وہ آج بھی سادہ طبیعت رکھتی تھی۔ البتہ پہلے کے مقابلے اب اس کے کانوں میں سونے کی چھوٹی چھوٹی بالیاں تھیں۔ ناک میں پہنی ہوئی زرقون کی کیل سے اس کا چہرا دلکش لگ رہا تھا۔ مسلسل ایک لٹ پھسل کر اس کے گالوں پر آجاتی جسے وہ باتوں میں محو کان کے پیچھے کرتی جارہی تھی۔ زین نے اس میں مزید تبدیلیاں نوٹ کی تھیں۔ آج بھی آنکھوں پر چشمہ نہیں تھا۔ ہاتھ میں پہنی ہوئی گھڑی کوئی عام نہیں تھی بلکہ نفیس معلوم ہوتی تھی۔ پیروں میں سیاہ چھوٹی ہیل نما سینڈل بھی اپنی قیمت بتارہی تھی۔ فرش پر رکھا سیاہ رنگ کا پرس برانڈڈ تھا۔ وہ آج بھی تھی سادگی کا پیکر لیکن اس میں ان چند تبدیلیوں سے اس کی پرسنالٹی پر مزید مثبت اثر آیا تھا۔ وہ زین کو مزید شائستہ، پختہ اور عاقل لگی تھی۔ زین نے دیکھا کہ وہ ہوش وخرد سے بیگانہ اس بچے سے محو گفتگو تھی۔ زین ایک قدم آگے بڑھا تاکہ ان کی گفتگو مزید صاف سنائی دے سکے۔

''آنٹ گریس لائی تھیں صبح میں۔ تم بھی کھاؤ بہت اچھا ہے۔'' ایلکس کے ہاتھ میں ایک ڈبہ تھا جس میں کیک کے چھوٹے چھوٹے پیس موجود تھے جسے وہ سارہ کی طرف بڑھا کر کہہ رہا تھا۔

''اچھا ویسے گریس کے کیک تو مزے کے ہوتے ہیں پر اس وقت یہ تمہارے لیے ہیں، اسے رکھو اور بھوک لگے تو کھانا۔ اچھا یہ بتاؤ اب طبیعت کیسی ہے؟'' سارہ نے پوچھا۔ زین نے نوٹ کیا وہ بے حد پیار سے بات کر رہی تھی۔

''کیسا لگ رہا ہوں؟'' ایلکس نے پوچھا۔

''بہت ہینڈسم۔'' سارہ نے تبسم بکھیرے اس بچے سے کہا۔

''لیکن تم کل بہت پیاری لگی تھیں۔ میری بدقسمتی کہ تمہیں ذاتی طور پر نہیں دیکھ سکا۔ دیکھا

میں نے کہا تھا نا اپنا خیال رکھو گی، اچھا اچھا تیار رہو گی تو خود کو بھی نہیں پہچان پاؤ گی۔"

زین ہمہ تن گوش ان دونوں کو سن رہا تھا۔ اسے ایلکس بڑا دلچسپ لگا۔

"وہ تو ہے۔ ثانیہ نے تمہیں بھی مدعو کیا تھا۔"

"ہاں پر میں کیسے آتا۔ خیر وہ چھوڑو تم نے جو تصویریں آج صبح بھیجی تھیں نا، میں نے سب دیکھیں۔ ہماری بھی شادی ایسی ہی ہو گی۔ ٹھیک ہے؟" اس کے کہتے ہی جہاں سارہ مسکراتی ہوئی متعجب سی ایلکس کو دیکھے گئی وہیں زین نے بھی اپنے کانوں پر یقین نہ کیا۔

"سارہ! میں نے پہلے بھی کہا تھا کہ تم کسی سے شادی کا سوچنا بھی مت۔ تم سے شادی میں کروں گا۔" وہ جس قدر سارہ کا تاثر دیکھ کر سنجیدگی سے گویا ہوا سارہ کے لبوں سے کھلتی ہوئی ہنسی پھولوں کی مانند بکھر گئی۔ زین نے سارہ کے چہرے کو بغور دیکھا تھا جو اس بچے سے بات کرتے ہوئے شادابی لیے ہوئے تھا۔ شاید یہ بچہ سارہ کے بے حد قریب تھا۔

"اچھا جی تو آپ مجھ سے شادی کریں گے؟" سارہ نے ہنسی کو بمشکل بریک لگایا کیونکہ ایلکس ابرو اچکا کر اسے دیکھ رہا تھا۔

"وہ تمہاری گرل فرینڈ جینی کا کیا ہوا؟" سارہ نے استفسار کیا۔

"وہ تو بہت پہلے ہی بریک اپ ہو گیا تھا۔ میرے ٹائپ کی نہیں تھی۔ دیکھو تمہیں نا میرا صرف آٹھ سال انتظار کرنا ہے۔" ایلکس نے انگلیوں سے آٹھ کی گنتی دکھا کر معصومیت سے سارہ سے کہا جو اس کی باتوں سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔

"اچھا وہ کیوں؟" سارہ نے فرضی استفسار کیا۔

"میں اٹھارہ کا ہو جاؤں گا نا۔ پھر یہاں کا لاء اور آرڈر مجھے نہیں روک سکتا۔" ایلکس نے کہا اور سارہ نے بھنویں اچکا کر گردن کو خم کیا جبکہ زین اس بچے کی معصومانہ باتیں سن کر فرحت

محسوس کر رہا تھا۔

''آٹھ سال؟ پر ایلکس تب تک تو میں بہت بوڑھی ہو جاؤں گی۔'' سارہ نے تاسف سے ایلکس سے کہا۔

''کوئی بات نہیں، تم مجھے بوڑھی بھی اچھی لگو گی۔'' ایلکس نے مسکرا کر شانے اچکائے اور سارہ نے اس کے کان کھینچ لیے۔

''شرارتی! کبھی سدھرنا نہیں تم۔'' وہ اس کی کھچائی کر رہی تھی اور ایلکس ہنس رہا تھا۔

''ا......ا...... پتہ نہیں کیا کیا دوائی میں ملا کر لگا رہے ہیں مجھے۔ آنٹ گریس نے بھی مجھے ناٹی کا لقب دے دیا۔'' وہ کہہ اٹھا اور سارہ کی مسکراہٹ کم ہوتی رہی۔

''میرا سر مت دیکھو۔ یہاں ایک نرس نے کہا تھا کہ جب ریکوری ہو گی تو پہلے کے مقابلے اور بھی اچھے بال آ جائیں گے پھر دیکھنا تم۔ مجھ سے شادی کے لیے خود ہی تیار ہو جاؤ گی۔ اور جیسے تم پہلے میرا ہیئر اسٹائل خراب کرتی تھیں اب بھی کرو گی۔'' سارہ کی نگاہیں افسردگی لیے اس کے سر تک جو گئیں تو ایلکس نے فوراً اسے روکا۔ وہ سارہ کو کبھی اداس دیکھ ہی نہیں سکتا تھا۔

''ضرور پر تب تم مجھے کرنے دینا۔'' سارہ نے کہا تو اس نے فرحت سے سر کو جنبش دی۔

''ایک بات بتاؤں۔'' ایلکس نے موضوع بدل دیا۔ تاکہ سارہ کا دھیان ہٹ جائے۔

''دو دن پہلے یہاں تحائف بانٹے گئے تھے پر میری بدقسمتی دیکھو میں ٹیسٹ کے لیے گیا ہوا تھا اور مجھے نہیں ملا! برابر والے بستر پر جیولی تھی نا، اتنا ستا رہی تھی مجھے اپنا گفٹ دکھا دکھا کر۔'' اس نے کہتے کہتے ہاتھ باندھ لیے اور غصے سے نظریں نیچے کر لیں۔

''ہاں مجھے گریس نے بتایا تھا۔ تب ہی میں تمہارے لیے یہ لائی ہوں۔'' وہ کہتے کہتے نیچے جھکی اور پیروں کے پاس چھپایا ہوا تحفہ جیسے ہی ایلکس کی نظروں کے سامنے لائی اس کی

آنکھیں حیرت سے چمک اٹھیں۔

''سارہ! اتنا بڑا گفٹ۔'' وہ پھٹی پھٹی آنکھوں میں بے تحاشا خوشی سموئے سارہ سے کہہ رہا تھا۔

''ہاں اتنا بڑا۔'' سارہ نے اسی کے انداز میں ہر لفظ پر زور دے کر کہا۔ یہ سب منظر پردے کی اوٹ میں دیکھتے ہوئے زین کے لبوں پر مسلسل تبسم سجی تھی۔ وہ سارہ کو ایسے کتنے سال بعد دیکھ رہا تھا۔ وہ لڑکی جو ہر کسی کے سامنے فوراً کھلتی نہیں تھی ایلکس سے خوب مزے لے کر باتیں کر رہی تھی۔ بالکل ایسے جیسے وہ زین سے کیا کرتی تھی۔

''کیا ہے اس میں؟'' وہ خوشی سے پھولے نہیں سما رہا تھا۔

''لو میں بتا دوں گی تو سرپرائز رہے گا؟'' سارہ نے کہا۔

''چلو پھر میں کھولتا ہوں۔'' وہ پرجوشی کے عالم میں تیزی سے گفٹ کھولنے لگا تھا۔

''سارہ! کیا یہ وہی ہے جو مجھے کب سے چاہیے تھا؟'' تحفہ کھل کر جب نظروں کے سامنے عیاں ہوا تو ایلکس پل بھر کو شاک میں سارہ سے پوچھنے لگا جس پر سارہ نے مسکرا کر فقط سر کو جنبش دی۔

''یہ تو...... یہ تو...... یہ تو ریموٹ کنٹرول ہیلی کاپٹر ہے۔'' وہ خوشی حیرت اور شاک کے ملے جلے تاثر میں گویا ہوا۔

''تمہیں کیسے معلوم تھا کہ مجھے یہ چاہیے؟'' وہ اب متحیر سا انبساط لیے سارہ سے پوچھ رہا تھا۔

''بس دیکھ لو، دور ہوں پر سب معلوم ہے مجھے۔'' سارہ نے کہا اور وہ بیٹھا ہاتھ ہلا کر ناچنے لگا۔

''یہ ہم کب کھیل سکتے ہیں؟'' ایلکس سے صبر نہیں ہو رہا تھا۔

''یہ ہم جب تمہیں چھٹی مل جائے گی تو گھر پر کھیلیں گے۔ میں گریس سے کانٹیکٹ میں

ہوں پر تم بھی مجھے اطلاع کر دینا، جیسے ہی تم گھر جاؤ گے میں ایک دو دن میں تمہارے پاس آ جاؤں گی۔ پھر مل کر کھیلیں گے اور وہ برابر والی نک چڑھی ربیکا نہیں ہے اس کو تنگ کریں گے۔" اس نے باقی کی بات ہاتھ لبوں پر رکھ کر سرگوشی میں کی پر زین کو آرام سے سنائی دے گئی جس کی مسکراہٹ سارہ کی شرارت سنتے ہوئے مزید پھیلی تھی۔ تو محترمہ اس بچے کے ساتھ مل کر ہمسائیوں کو بھی پریشان کرتی تھیں۔

"اس کی رینج اتنی زیادہ ہے؟" ایلکس نے استفسار کیا؟

"ہاں! اس کی رینج آرام سے برابر والے گھروں تک جا سکتی ہے۔ تو پھر ڈن؟" سارہ نے ہاتھ آگے بڑھایا جسے ایلکس نے فوراً تھاما۔

"بالکل ڈن، پر تم آؤ گی نا! پہلے کی طرح تو نہیں کرو گی؟" وہ ہاتھ کی گرفت کو مضبوط کر گیا جیسے سارہ کو روکنا چاہتا ہو۔

"میں آؤں گی ایلکس۔ اب تم اپنا خیال رکھو۔ میٹنگ ٹائم آف ہو رہا ہے۔ گریس تھوڑی دیر میں آجائے گی۔" سارہ کہہ کر اٹھی تھی۔

"تمہارا انتظار کروں گا میں سارہ۔ مجھے اس بار اداس مت کر دینا۔" ایلکس امید لیے گویا ہوا۔

"ایلکس! میں پکا آؤں گی۔ بس تم جلدی ٹھیک ہو جاؤ۔" اس نے رسان سے ایلکس کے گال پر اپنا ہاتھ رکھا اور وہ بچہ محبت لیے سارہ کو دیکھنے لگا۔ زین کو جب اندازہ ہوا کہ وہ باہر نکلنے کے لیے قدم اٹھا رہی ہے۔ اس نے بغیر تاخیر کیے پہلے ہی وہاں سے جانا مناسب سمجھا۔

ایلکس کو الوداع کہہ کر وہ جب نکلی تھی تو لبوں پر مسرت تھی پر جوں ہی وارڈ سے باہر آئی سوز و یاس سے مرجھا گئی۔ اسے اپنا دل ڈوبتا ہوا محسوس ہوا تھا جیسے کوئی اندر ہی اندر جان کھینچ رہا ہو۔ آنکھوں میں نمی بے اختیار تھی جسے وہ گھنیری پلکیں جھپک کر اندر پینے لگی تھی۔ پر

کاندھے پر سنبھالتی ہوئی اس نے قدم آگے بڑھا لیے۔ نظریں نیچے کیے وہ دھیرے دھیرے لفٹ کی جانب بڑھ رہی تھی۔ چہرا سپاٹ، ہر جذبات سے عاری تھا۔ نصف راہ داری عبور کی تھی کہ نگاہ جوں ہی لفٹ کی جانب گئی قدم خود بخود جامد ہو گئے۔ وہ لفٹ کے برابر دیوار سے ٹیک لگائے ٹکٹکی باندھے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کے انداز سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ یہاں اس کا انتظار کر رہا تھا۔ سارہ دم بخودسی وہیں کی وہیں کھڑی رہ گئی تھی۔ زین نے ٹیک ہٹا کر اس کی طرف قدم جیسے جیسے بڑھانا شروع کیے سارہ کے دل کی دھڑکن ویسے ویسے تیز ہوتی چلی گئی۔ وہ چلتا ہوا اس سے چار قدم کے فاصلے پر رک گیا۔

نظروں کا تبادلہ زور آور تھا۔ سارہ کے پیروں سے جان نکلتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے خود کو بمشکل کمپوز کیے ہوئے رکھا تھا جبکہ زین انتہا سے زیادہ ریلیکس اور آرام دہ حالت میں تھا۔

''السلام علیکم مس سارہ احمد۔'' اور زین کے لبوں سے جیسے ہی یہ الفاظ ادا ہوئے جھرجھری نے سارہ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ پورا ماضی اس کے سامنے کھڑا تھا۔ وہ چاہ کر بھی کچھ نہیں کر سکتی تھی۔

''کیا حال ہیں؟'' زین نے پوچھا۔ وہ اسے بغور دیکھے جا رہا تھا۔

''و...... وعلیکم السلام، ٹھیک ہوں۔ اچھی ہوں، اور تم؟'' تتر بتر حالت کو قابو کیے ہوئے اس نے زین کے سوال کا جواب دیا تھا۔ پر گھبراہٹ پھر بھی اس کے چہرے پر واضح تھی جو زین کی آنکھوں سے اوجھل نہیں تھی۔ اس کی آنکھوں میں آج بھی کھنچاؤ دیکھتے ہوئے سارہ نے نگاہیں چرا لی تھیں، یا شاید وہ ان نظروں کو دیکھنے کی سکت نہیں رکھتی تھی۔

''مرجھایا ہوا چہرا، پھر پریشانیاں بھی صاف عیاں ہیں۔ اور تم کہتی ہو تمہارا حال اچھا ہے؟'' وہ ایک قدم آگے بڑھتا ہوا گویا تو نارمل انداز میں ہوا تھا پر سارہ کو حواس باختہ کر گیا تھا۔

زین وہ واحد شخص تھا جو اس کے چہرے کو با آسانی پڑھ سکتا تھا اور اس سے کوئی بھی بات چھپانا سارہ کے لئے سب سے مشکل کام تھا۔ پر اب وہ یہ سب نہیں چاہتی تھی۔ اس نے برسوں پہلے ہر دروازہ بند کر لیا تھا۔ ہر جگہ سے راستہ ممنوع کر دیا تھا۔ اسے فوری طور پر سنبھلنا تھا۔ لہٰذا ازلی اکڑ مزاجی کا سہارا لیا۔

''ضروری تو نہیں جو دکھتا ہے، وہ ہی ہو۔ غلط فہمی بھی ہو سکتی ہے۔'' سارہ نے کہا پر زین پر کہاں فرق پڑنا تھا۔ وہ معنی خیزی سے مسکراتا ہوا ایک قدم مزید آگے بڑھا اور سارہ نے سراسیمہ ہو کر اس کی جانب دیکھا۔

''تمہاری رگ رگ سے واقف ہوں سارہ۔ کسی اور کے لئے تو ہو سکتی ہے پر تمہارے حوالے سے غلط فہمی۔ کبھی نہیں۔'' اس کی سنجیدگی میں جتاتا انداز سارہ کے لب پیوست کر گیا۔ کئی اندیشوں نے سارہ کو اپنی لپیٹ میں لیا تھا۔ وہ کچھ سوچتی ہوئی زین کی جانب دیکھ رہی تھی کہ برابر سے چلتے ہوئے دو بچے اس سے جب مخاطب ہوئے تو زین کا اس پر چھاتا تسلط کا اثر زائل ہوا۔

''ہیلو سسٹر سارہ۔'' دونوں بچوں نے بیک وقت سارہ سے کہا تھا۔ سارہ سمیت زین دونوں کی نظریں ان بچوں کی سمت ہوئی تھیں۔ سارہ نے سرسری سی نگاہ سے زین کو دیکھا اور ان بچوں کی طرف رخ کر لیا۔

''کیا ہوا ان دونوں کو؟ کیوں لے کر جا رہی ہیں؟'' سارہ نے پریشان کن لہجے میں پوچھا۔

''کچھ سکرین ٹیسٹ کرنے ہیں سارہ۔'' نرس نے کہا اور سارہ نے تفکر آمیز انداز سے ان بچوں کو دیکھا۔

''اوہ سسٹر سارہ، نارمل چیک اپ ہے، آپ اگلی بار آئیں گی نا پھر سے ڈھیروں چاکلیٹس

لے کر؟" دونوں بچوں میں سے ایک بچی نے چمکتی ہوئی آنکھوں سے پوچھا۔ زین کو محسوس ہوا جیسے وہ یہاں کینسر میں مبتلا بچوں سے ملنے آتی تھی کیونکہ جس طرح وہ دونوں بچے سارہ سے بات کر رہے تھے لگ رہا تھا کہ کافی پہلے سے متعارف تھے۔

"میں یہ نہیں چاہتی کہ میں بار بار ملنے تم لوگوں سے ہسپتال آؤں۔ جلدی جلدی ٹھیک ہو جاؤ۔" سارہ نے دونوں سے پیار سے کہا اور وہ مسکراتے ہوئے چلے گئے۔ وہ مدھم سا تبسم لیے اس لڑکی کو دیکھ رہا تھا جس میں بدلاؤ نے اسے مزید بردبار اور دلکش بنا دیا تھا۔

"لگتا ہے تمہیں یہاں سب جانتے ہیں۔" وہ انہیں جاتا دیکھ رہی تھی جب عقب میں کھڑے زین نے کہا تھا۔

"سب کا تو معلوم نہیں پر چند لوگ ہیں۔ غالباً یہاں کا تمہیں ثانیہ نے ہی بتایا ہوگا۔" وہ اب جو پلٹی تو پُر اعتمادی کے ساتھ گویا ہوئی۔ اسے گھبرانا نہیں تھا۔ تو کیا ہوا وہ ماضی کا ایک اہم حصہ تھا پر اب ماضی ہی تھا۔ اسے ڈرنا نہیں تھا۔ اسے ڈٹ جانا تھا۔ اپنی حدود ظاہر کر دینی تھی۔ اپنی سوچوں اور خیالوں تک رسائی کے دروازے بند دکھانے تھے۔ اور اس کے لیے اسے ہمت سے کام لینا تھا۔

"ہمم، اس نے تو مجھے تمہارا پرسنل نمبر بھی دے دیا ہے۔" زین نے آگے بڑھ کر سرگوشی میں کہا تو سارہ کے تیور چڑھ گئے۔

"یہ لڑکی بھی حد کرتی ہے۔" سارہ نے دبے دبے غصے سے کہا اور یہ سن کر زین کا منہ بن گیا۔

"ویسے مجھے یہ سن کر تھوڑا برا لگا، تم مجھے بھی اپنا پرسنل نمبر نہیں دیتیں؟" زین نے پوچھا۔

"ایسی بات نہیں ہے، پرسنل نمبر میں خود کسی کو دوں یا کوئی مجھ سے اجازت مانگ کر دے۔ اگر تم مجھ سے مانگتے تو میں دے دیتی پر اور کسی کو یہ حق نہیں۔" سارہ نے برجستہ کہا۔ زین نے

دیکھا کہ آج بھی غصہ ناک پر ہی تھا۔

''چلو میں یہ سوچ کر ہی تسلی کر لیتا ہوں۔'' زین نے کہا۔ اتنے عرصے بعد ان دونوں کے درمیان گفتگو ہوئی تھی۔ ایک طمانیت زین کے دل میں محسوس ہوئی تھی۔ زین نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ زندگی میں ایسا وقت بھی آئے گا جب وہ سارہ سے یوں ملے گا۔ وہ تو ہر لحاظ سے امیدیں کھو بیٹھا تھا۔

''اب مدعے کی بات پر آتے ہیں۔ میں تم سے آج سلام دعا کرنے تو نہیں آیا ہوں، یہ تم جانتی ہو، جب سے تمہیں کل ثانیہ کی شادی میں دیکھا ہے، میرے ذہن میں کئی سوال ہیں جنہیں صرف اور صرف تم حل کر سکتی ہو۔ مجھے آج تمہارا وقت چاہیے۔ میں یہاں قریب ہی ایک بہت اچھی کافی شاپ جانتا ہوں جہاں ہم سکون سے بیٹھ کر بات کر سکتے ہیں اور کچھ کھا پی سکتے ہیں۔ ویسے بھی لنچ کا وقت ہو گیا ہے اور تمہارا نہیں معلوم پر مجھے اب بھوک لگنے لگی ہے۔'' زین نے معصومیت سے کہا اور سارہ کا انداز تردید کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس کے چہرے سے لگ رہا تھا کہ وہ یہ نہیں کرنا چاہتی تھی۔

''اور تمہارا چہرا اس وقت یہی بتا رہا ہے کہ تم کیسے بھی کر کے مجھے منع کر دو اور کل کی طرح غائب ہو جاؤ۔ پر آج نہیں، جب تک میرے سوالوں کے جواب مجھے نہیں مل جاتے، مجھے چین نہیں آئے گا، آج تم منع نہیں کر سکتیں۔''

زین اتنا سنجیدہ تھا کہ سارہ خاموشی سے اسے دیکھتی رہ گئی۔ وہ جتنا رعب، جتنی اکڑ دکھا دیتی، زین کے اس سخت لہجے کے آگے کمزور پڑ ہی جاتی تھی۔

''تو پھر چلیں؟'' زین نے پوچھا۔ اور بھاگنے کو آج کوئی راستہ تھا بھی نہیں۔ زین نے اسے گھیر جو لیا تھا۔ اس نے ہتھیار ڈال دیئے اور سر کو جنبش دیتی ہوئی زین کے ساتھ لفٹ تک

چلتی چلی گئی۔ لفٹ کا بٹن دبایا جو چند لمحہ میں موجود تھی۔ دونوں اندر داخل ہوئے اور سارہ نے گراؤنڈ فلور کا بٹن دبا دیا۔

''ویسے اچھا بہانا کیا تم نے ثانیہ سے۔ آج پارٹی میں نہ آنے کا۔'' زین نے اس بار معمولی شوخ انداز سے کہا اور سارہ اسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔

''کیا مطلب؟'' سارہ نے پوچھا۔

''پارٹی شام کو ہے سارہ اور ابھی دوپہر کے دو بھی نہیں بجے۔ وہ تو اگر میں نہیں آتا تو تم شاید گھر چلی جاتیں۔'' زین نے کہا اور سارہ پھر لاجواب ہو گئی۔ گراؤنڈ فلور پر پہنچ کر دروازہ کھلا تو وہ دونوں لفٹ سے نکل کر ہسپتال کے مرکزی دروازے سے باہر چلے گئے۔

''تھوڑی ہی دور ہے، پیدل چل سکتے ہیں، تمہیں کوئی مسئلہ تو نہیں؟'' زین نے قدرے فکر لیے پوچھا اور سارہ نے بس خاموشی سے گردن ہلا دی۔ وہ دونوں آہستہ آہستہ اس کافی شاپ تک چلے گئے جو سڑک کراس کر کے کچھ قدم کے فاصلے پر ہی تھی۔ زین نے کوفی شاپ کا دروازہ کھولا اور سارہ کو اندر جانے کا اشارہ دیا۔ وہ خاموشی سے اندر داخل ہو گئی۔ اس وقت زیادہ رش نہ تھا۔ چند لوگ لائن میں لگے تھے کوفی کے لئے اور ساتھ رکھی ہوئی میزیں اور کرسیاں بھی خالی تھیں۔ اس کوفی شاپ کے باہر بھی چند دو تین میزیں تھیں جس کے ساتھ دو دو کرسیاں رکھی تھیں۔ وہ دونوں ساتھ لائن میں لگ گئے۔

''تمہیں اس طرح پہلی بار دیکھ رہا ہوں، تمہارا انداز بہت بدل گیا ہے۔'' وہ کوشش کر کے بھی اپنی نگاہیں ہٹا نہیں پا رہا تھا۔ وقتاً فوقتاً سرسری سی نگاہ سارہ پر چلی ہی جاتی تھی۔

''وقت اور حالات ایک جیسے تو نہیں رہتے، سب بدل ہی جاتا ہے۔'' سارہ نے متانت لیے کہا۔

''ہم، صحیح کہہ رہی ہو، پر مجھے تمہیں یوں دیکھ کر بہت اچھا لگا۔'' زین نے ستائشی نظر اس پر ڈالی اور سارہ نے سن کر نظریں نیچے کرلیں۔ آگے موجود دو تین افراد کے بعد ان کی باری آگئی تھی۔

''تم کچھ اور نہیں لوگی؟'' زین نے سارہ سے پوچھا جس نے فقط کوفی کا کپ آرڈر کیا تھا جبکہ زین نے اپنے لیے کوفی کے ساتھ ایک کیک کا پیس لے لیا تھا۔ سارہ نے نفی میں گردن ہلائی تو کیش رجسٹر کے پاس کھڑی لڑکی نے بل کی قیمت ان کے گوش گزار کی۔ زین نے جیب میں والٹ نکالنے کے لیے جوں ہی ہاتھ ڈالا سارہ جو اس کے ساتھ کھڑی تھی اس نے فوراً دماغ میں کچھ حساب کتاب کیا اور زین کو روکا۔

''ایک منٹ۔'' سارہ نے کہا جس سے زین وہیں متعجب سا رک گیا۔ سارہ نے اپنے پرس سے کارڈ نکال کر اس لڑکی کو دے دیا اور زین کے ماتھے پر شکن طاری ہوگئی۔

''تم نے پیسے کیوں ادا کیے، میں دے تو رہا تھا؟'' اسے سارہ کی طرف سے ادائیگی منظور نہیں تھی اور اچانک اس افتاد سے وہ کچھ طیش میں بھی آیا تھا۔

''تمہارے بل کا حساب کریں تو اس وقت پاکستان کرنسی کے مطابق لگ بھگ پندرہ سو ہوئے۔ پرانا ادھار اتارا ہے۔'' سارہ کا کہنا تھا اور زین کا غصہ حیرت میں تبدیل ہوگیا۔ وہ مدھر تبسم لیے سارہ کو بغور دیکھ رہا تھا۔

''یعنی تم کوئی بھی بات بھولی نہیں ہو۔'' زین نے دھیمے لہجے میں کہا۔

''یہی تو مسئلہ ہے۔ میں کبھی کچھ بھول ہی نہیں پاتی۔'' اور اس کے لہجے میں درد کی آمیزش تھی پر زین اس وقت صرف اس میں کھویا ہوا تھا۔ سارہ نے اپنا کارڈ واپس اندر رکھا۔ تھوڑی دیر میں ان کو اپنا آرڈر مل گیا جسے وہ دونوں لے کر باہر آگئے تھے۔ یہاں سب میزیں خالی تھیں تو یہاں بیٹھنا انہیں زیادہ مناسب لگا۔ وہ دونوں آمنے سامنے بیٹھے تھے۔ سارہ کی نظریں نیچے

تھیں پر زین مستقل اسے سنجیدگی سے دیکھے جا رہا تھا۔

''میں نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا کہ تمہارے ساتھ بیٹھ کر کوفی بھی پیوں گا۔'' زین نے متحیر سی مسکراہٹ لیے کہا۔

''سوچا تو میں نے بھی نہیں تھا۔ خیر تم نے جس بات کے لئے مجھے روکا ہے، اس پر آ جاتے ہیں، کیا پوچھنا ہے تمہیں؟'' سارہ نے کہا۔

''ہمم۔ سارہ! مجھے ثانیہ نے تمہارے بارے میں بہت کچھ بتایا ہے، پر میں اب سب تمہارے منہ سے سننا چاہتا ہوں۔'' زین نے لہجے میں سنجیدگی کا عنصر لیے کہا۔

''کیا بتایا ہے اس نے تمہیں؟'' سارہ نے پوچھا۔

''یہی کہ تم یہاں اکیلی رہتی ہو۔ دو سال سے شکاگو میں ہو اور سنگل ہو۔ اگر یہ سچ ہے تو...... خط میں کی گئی بات جھوٹ تھی؟'' لفظ خط پر نہ جانے کیوں اس کی زبان میں لرزش سی ہوئی تھی۔ اس نے سانس اندر کھینچتے ہوئے اپنے جذبات کو کنٹرول کیا۔ البتہ سارہ اسے بغور دیکھ رہی تھی۔ اس موضوع کو وہ پھر کبھی چھیڑنا نہیں چاہتی تھی۔ پھر سے زخم تازہ ہونے لگے تھے۔ پھر سے پل پل کی اداسیاں، گھبراہٹ اور قنوطیت اسے چاروں طرف سے گھیر رہی تھی۔

''ثانیہ نے تمہیں وہی بتایا جو اسے معلوم ہے۔ ہاں...... میں دو سال سے شکاگو میں ہوں اور اکیلی رہتی ہوں۔'' سارہ نے کہا۔ وہ بمشکل خود کو سنبھالے ہوئے تھی۔ اسے کسی صورت بھی زین کے سامنے نہیں ٹوٹنا تھا۔

''تو پھر میں وہ جاننا چاہتا ہوں جو ثانیہ نہیں جانتی۔'' زین نے سنجیدگی سے کہا اور سارہ نے ضبط سے لب کاٹ لیے۔ پرانی یادوں کو کریدا جو جا رہا تھا۔ پر زین کی غلط فہمی دور کرنی تھی۔ وہ اس بات سے ناآشنا تھا کہ سارہ کس قدر اندر ہی اندر مضطرب ہو رہی تھی۔

''آسیب کے سائے کی طرح پیچھے پڑھا ہے ماضی، جتنا دور بھاگو جان نہیں چھوڑتا۔'' وہ زین کو بغور دیکھتی ہوئی کہہ رہی تھی۔

''میں آج سب سننا چاہتا ہوں سارہ۔ تم نہیں جانتی کل سے لے کر اب تک میں کتنی کشمکش میں مبتلا رہا ہوں۔'' اور زین نے مستحکم انداز لیے اس سے کہا تھا۔ سارہ نے سرد سانس کھینچ کر خود کو کمپوز کیا۔ جب مقابل کسی صورت پیچھے نہیں ہٹ رہا تھا تو اسے بھی اب ہمت کر کے بتانا تھا پر اس نے خود سے کیا گیا فیصلہ ختم نہیں کیا تھا۔ چند سال قبل جو اس نے عہد کیا تھا کہ پھر کسی کے سامنے نہیں کھلے گی تو آج بھی زین کو مکمل بات بتا کر کھلی کتاب کی مانند نہیں ہونا چاہتی تھی۔ اس نے سوچا کہ پہلے کی بات اور تھی تب معاملات الگ تھے پر اب وقت گزر گیا تھا۔ بہت کچھ تبدیل ہو گیا تھا۔ مقابل بیٹھا شخص آگے بڑھ گیا تھا اور وہ بھی اپنی زندگی میں مصروف ہو گئی تھی۔

''زین! میں نے خط میں کچھ بھی جھوٹ نہیں کہا تھا۔'' سارہ نے ہمت جمع کر کے کہنا شروع کیا۔

''یعنی...... تم شادی شدہ ہو۔'' اور سارہ کا جواب سن کر جو معمولی سی امید کی کرن جاگی تھی وہ بھی معدوم ہوئی۔ زین کی آواز خود بخود مدھم ہو گئی تھی۔

''ام...... طلاق یافتہ درست ہوگا کہنا۔'' اور سارہ کے لبوں سے نکلے الفاظ دھماکے کی طرح زین کے اوسان پر گرے تھے۔

''طلاق؟ کیا مطلب ہے تمہارا؟'' وہ حواس باختہ سا سوال کر گیا تھا۔ کانوں پر یقین کرنا ناممکن تھا۔

''ہمم! میری شادی چند دن میں ہو گئی تھی۔ سلمان سے۔ لگ بھگ ایک سال بمشکل چل

سکی تھی۔" وہ جس قدر نارمل انداز میں کہہ رہی تھی زین اتنا ہی حیرت سے گنگ اسے سن رہا تھا۔

"طلاق کیوں ہوئی؟" زین نے پوچھا۔

"معلوم نہیں قصور کس کا تھا۔ ایسا نہیں ہے زین کہ میں نے کوشش نہیں کی تھی۔ سلمان کے لیے میں نے خود کو بدل دیا تھا پر ناجائز تعلقات مجھ سے برداشت نہیں ہوئے۔" اس کے لہجے میں درد کی شدت زین بخوبی محسوس کر سکتا تھا۔

"میں کیسے رہ سکتی تھی۔ جب اپنا آپ کسی کے لیے بدل دو، اس کے باوجود بھی وہ نہ سدھر سکے تو میں کیا کرتی۔ خیر! جھگڑے ہوئے، بات خراب ہوئی۔ اس کے والدین کو وہ کہیں سے بھی غلط نہیں لگا تھا اور بالآخر اس نے مجھ پر اولاد نہ دینے کی تہمت لگا کر مجھے کھلے آسمان تلے تنہا چھوڑ دیا۔" کس قدر تکلیف دہ تھا یہ سب سننا پر سارہ کے لہجے میں اب کہیں بھی لرزش نہ تھی۔ زین اندازہ نہیں کر سکتا تھا کہ وہ کتنی پریشانیوں میں مبتلا رہی تھی کہ حالات نے اسے بے حس کر دیا تھا۔

"کھلے آسمان تلے؟ تمہارے گھر والے کہاں تھے؟ تم نے پہلے ہی ان سے رجوع کیوں نہیں کیا؟" وہ دبے دبے غصے اور شدتِ جذبات کی کیفیت میں مبتلا سارہ سے کہہ رہا تھا۔

"میرے ماموں، مامی؟" اور سارہ کہتی ہوئی پل بھر کو رکی تھی۔

"وہ دونوں تو میری شادی کے اگلے دن ہی مجھے چھوڑ کر اس دنیا سے چلے گئے تھے۔"

"کیا؟" اور یہاں آ کر وہ مکمل شاک میں چلا گیا۔ سارہ کی آنکھوں میں معمولی سی نمی اسے بے چین کر رہی تھی۔ وہ اس کے کسی بھی لفظ پر یقین کرنے سے قاصر تھا۔ پل بھر میں کیا سے کیا ہو گیا تھا اور وہ اتنے سالوں سے اپنے معمولی نقصان پر نوحے پڑھ رہا تھا۔

"ہمم۔ اگلے دن جس بس میں وہ کراچی روانگی کے لیے چڑھے تھے حادثے میں آگ کی

نذر ہوگئی تھی۔ کئی لوگ جاں بحق ہوئے تھے جس میں میرے ماموں مامی بھی تھے۔'' اس کی آواز میں کپکپی زین کی آنکھیں بھی نم کر گئی تھیں۔

''دوسری بار والدین کے سائے سے محروم ہوئی۔ مامی تو تھیں ہی ماں جیسی پر ماموں...... جب لگا تھا کہ والد جیسا سایہ اب نصیب ہوا تو سب کچھ ختم ہو گیا۔ میں بھول جاتی ہوں نا۔ خوشیاں مجھے راس نہیں آتیں۔'' اس کی ستواں ناک شدتِ غم سے گلابی ہو رہی تھی پر وہ ہمت نہ ہاری۔ جو سارہ پھوٹ کر رو پڑتی تھی آج کمالِ مہارت سے کمپوز تھی پر مقابل بیٹھا زین منتشر ہو رہا تھا۔

''تم نے پھر کیا کیا؟ اگلا قدم کیا رکھا؟'' وہ بمشکل گویا ہوا۔ میز پر رکھی کوفی کے دونوں کپ ٹھنڈے ہو رہے تھے۔ سارہ کی آپ بیتی زین کی بھوک تک مار گئی تھی۔

''راہ میں ایک ماں جی فرشتے کی مانند مل گئی تھیں جنہوں نے کچھ عرصہ مجھے اپنے گھر میں پناہ دی۔ عدت کی مدت پوری کی اور آگے کا سوچتے ہوئے کراچی آ پہنچی۔''

''سارہ! تم نے ایک سال اس گھٹیا انسان کے ساتھ گزار دیا۔ اگر طلاق نہ دیتا تو آج تک اسی چنگل میں پھنسی ہوتیں۔ تمہیں خلع کا خیال کیوں نہیں آیا؟'' زین نے غصے کی شدت لیے اس سے کہا تھا۔ وہ بے بس ہو رہا تھا۔

''کیونکہ میرے معاشرے میں عورت سے یہ حق بھی چھین لیا گیا ہے۔ مرد تو تین لفظ کہہ کر آزاد ہو جاتا ہے پر عورت کو پیشیاں اور سنوائی سے گزرنا پڑتا ہے۔ پھر ان سب کے لیے پیسے کی اہمیت تم جانتے ہو۔ میں کہاں جاتی؟ کہاں سے رقم لاتی۔ کہنا آسان ہے، کرنا نہیں۔ کیا ہمارے ملک کے قانون کا نظام ایسا ہے کہ ایک سنوائی میں ہی معاملہ طے ہو جائے؟ اللہ نے تو عورت اور مرد، دونوں کو یہ حق دیا ہے پر ہمارے معاشرے نے جتنی آسانیاں ایک مرد کو

دی ہیں اتنی مشکلات عورت کے لئے کھڑی کر دی ہیں۔'' اور سارہ نے لہجے میں سختی لیے کہا۔ پر زین کی حالت ابتر ہو رہی تھی۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کسی طرح اس وقت کو یہیں روکے، واپس پیچھے لے جائے، خود سارہ کے پاس پہنچے اور اسے اس پُر خطر ماحول سے آزاد کرے۔

''عورت کے لیے آسان نہیں زین۔ بہت مشکل ہے۔ کیا تم نہیں جانتے ہمارے معاشرے میں طلاق دے کر مرد کو کیا حاصل ہوتا ہے؟ آزادی۔ اور عورت کو صرف اور صرف بدنامی! میں حق پر ہو کر بھی بدنام ہوئی۔''

''تم نے مجھ سے یا کسی اور سے رابطہ کیوں نہیں کیا؟ اس وقت تمہیں اپنے اس دوست کی یاد کیوں نہیں آئی؟ میں پاکستان سے باہر ضرور تھا پر میرا نمبر ایکٹو تھا۔'' اور زین شدتِ جذبات سے پھٹ پڑا۔

''مجھے کسی سے بھی رابطہ نہیں کرنا تھا۔ مشکل وقت میری زندگی میں آیا تھا۔ کیسے کسی کو پریشان کر دیتی۔ ویسے بھی......'' اس نے کچھ دیر کا وقفہ کیا۔

''ڈیڑھ سال آگے بڑھنے کے لئے بہت ہے، میں تمہیں یا کسی کو بھی اس کی اچھی خاصی بنی ہوئی زندگی میں پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی۔'' اور سارہ کے الفاظ تیر کی مانند دل میں پیوست ہوئے تھے۔ اس کا غصہ یکلخت ہی غم میں تبدیل ہوا تھا۔ وہ کیسے سمجھ گئی تھی کہ زین آگے بڑھ گیا تھا؟ یعنی سارہ نے کبھی زین کی محبت کی سچائی پر غور ہی نہیں کیا تھا۔ وہ حیرت زدہ اس لڑکی کو دیکھ رہا تھا جو ہر احساس سے عاری سپاٹ انداز لیے کہہ رہی تھی۔

''اور اکیلے درد سہنا تمہیں زیادہ صحیح لگا۔ پھر کراچی آ کر کیا کیا تم نے؟'' اس کا لہجہ شاکی تھا۔ بس تو چل رہا تھا سارہ سے خوب شکایتیں کرے پر اب رہا کیا تھا۔ جب مقابل ہی سب ختم کر کے بیٹھا ہوا تھا۔

''مختصر یہ کہ یونیورسٹی دوبارہ جوائن کی۔ بچی ہوئی پڑھائی مکمل کی۔ پھر ایم بی پروگرام میں داخلہ لیا۔ تمہیں سر قاسم یاد ہیں؟'' اس نے رک کر زین سے پوچھا جس نے فقط سر کو جنبش دی۔ اندر کی توڑ پھوڑ سے صرف وہی باخبر تھا۔

''انہوں نے میری بہت مدد کی۔ ماسٹرز کے ساتھ کمپنی جوائن کی پھر کچھ معاملات ایسے ہوئے کہ مجھے بیرون ملک یعنی شکاگو میں جاب آفر ہوگئی۔ اور اب تمہارے سامنے ہوں۔'' وہ کہہ کر طنزیہ سا مسکرائی۔ زندگی کی بازی پر ہنسے نہیں تو کیا کرے۔ گھوم پھر کر اسے وہیں لا کھڑا کیا تھا۔ زین چپ رہا۔ ملال اور رنج اپنی جگہ پر سارہ نے جو کچھ جھیلا تھا سننا بھی آسان نہیں تھا۔ اس کا دور مشکل ترین دور تھا جسے وہ کبھی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ وہ جن حالات سے گزری تھی کسی انسان کو بھی اندر تک توڑ سکتا تھا۔ پر وہ کھڑی تھی۔ باہمت اور خود مختار! سارہ آج جو کچھ بھی تھی اپنے بل بوتے پر تھی۔ زین سے مزید کچھ نہ بولا گیا۔ وہ دونوں ہی خاموش ہو گئے اور اپنی ٹھنڈی کوفی پینے لگے۔ تھوڑی دیر بعد دونوں اٹھ گئے اور سامان سمیٹ کر سیدھے وہیں پارکنگ لاٹ کی طرف آنے لگے۔ دونوں کی رفتار بہت دھیمی تھی اور ہم قدم تھے۔ زین اس کی باتیں سن کر جسم میں تکان محسوس کر رہا تھا اور سارہ، وہ بھی محویت میں ہلکی رفتار سے چلتی جا رہی تھی۔

''ایک بات اور پوچھ سکتا ہوں؟'' کئی لمحے خاموشی کی نذر ہوئے تھے اور زین کی طرف سے بات میں پہل نے خاموشی میں ارتعاش پیدا کیا تھا۔ زین کی آواز سن کر سارہ کی جھکی نظریں زین کی طرف ہو گئیں۔

''ہمم۔'' سارہ نے ہنکار بھرا۔

''تمہارا چشمہ کہاں گیا؟'' اور زین کا کہنا تھا کہ سارہ کے چہرے پر مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

زین کا سوال اس قدر برجستہ تھا کہ ماضی سے جڑی کئی خوش رنگ یادیں تازہ ہوئی تھیں۔اس کے لبوں پر بکھری تبسم زین کے دل کو مٹھی میں کر گئی تھی۔

''بہت طویل کہانی ہے پھر کبھی بتاؤں گی۔فی الحال یہ سمجھ لو کہ علاج کروالیا۔اب چھ بائے چھ نظر آتا ہے۔'' سارہ کی بات پر وہ مسکرانے لگا۔

''پر میں دیکھ رہی ہوں تم نے چشمہ پہنا ہوا ہے؟'' سارہ نے پوچھا۔

''ہاں تم نے چھوڑ دیا نا...... کسی کو تو کمی پوری کرنی تھی۔'' اور سارہ کھل کھلا کر ہنس پڑی۔

زین نے رک کر اس لڑکی کو نظروں میں قید کیا تھا۔دل بوجھل تھا بے حد بوجھل۔

''ویسے...... میرے بارے میں تم سب جان گئے، اب اپنے بارے میں بتاؤ، کیا کام کر رہے ہو؟'' دونوں نے پھر قدم بڑھانا شروع کیے تھے۔

''فی الحال جس کمپنی میں، میں کام کرتا ہوں وہ مجھ سے اپنا شیمپو بکوا رہی ہے۔'' زین نے کہا۔

''ہمم۔اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ تم کسی برانڈ کے مینیجر ہو۔'' سارہ نے سوچتے ہوئے کہا۔

''سمارٹ۔'' زین داد دیے بنا نہ رہا۔

''ایسی بات نہیں ہے۔تمہارے انٹرسٹ کو مدنظر رکھتے ہوئے بس قیاس لگایا۔'' سارہ نے خفیف سے شانے اچکائے۔

''جو آن پوائنٹ تھا۔میں فی الحال اسنز برینڈ کا مینیجر ہوں۔میری کمپنی کو لگتا ہے کہ ان کے شیمپو برانڈ جو کہ اس وقت وینٹیلیٹر پر لیٹا ہے اسے بستر مرگ سے صرف میں بچا سکتا ہوں۔ میرے ایگزیکٹیو نے مجھ سے مشورہ کیا اور میں نے ہامی بھر لی۔یہ تجربہ بھی کر ہی لیتے ہیں۔اس لیے اللہ توکل چل رہا ہوں۔'' زین نے کہا۔

''ہمم۔یعنی تم آج بھی چیلنج لیتے ہو۔'' سارہ نے کہا۔

''فطرت تو کبھی ختم نہیں ہوتی۔'' وہ مسکرا کر گویا ہوا۔

''صحیح بات ہے۔'' سارہ نے اثبات میں سر ہلایا۔

''ویسے میں تمہیں لے کر بے حد حیران ہوا ہوں۔ جتنی جلدی تم منیجر کے عہدے پر فائز ہوئی ہو نا ممکن ہے۔ پر تمہاری قابلیت کا اندازہ تھا مجھے۔ کارپوریٹ کی دنیا میں اتنا تو یقین تھا مجھے کہ اپنی ذہانت سے میدان فتح کر وگی۔ پر اتنی جلدی...... واہ بھئی۔'' وہ تفاخر سے اسے دیکھ رہا تھا جو تعریف سنتے ہی جھینپ سی گئی تھی

''میں جس کمپنی میں کام کرتی ہوں اسی کی برانچ میں کراچی میں تقریباً ساڑھے تین سال کام کیا تھا۔ پھر کچھ وجوہات کی بنا پر میں نے ملک چھوڑنے کا فیصلہ کرلیا۔ نصیب تھا کہ یہاں میری درخواست قبول ہوگئی اور مجھے اکاؤنٹنٹ کے طور پر رکھ لیا گیا۔ حالیہ پروموشن کی خود میں نے بھی کسی قسم کی توقع نہیں کی تھی پر پروموٹ ہوگئی۔'' سارہ نے کہا۔

''آفرین۔'' اور زین عش عش کرتا رہ گیا جو سارہ کو سراسیمہ تو کر گیا ساتھ ہی مدھری مسکراہٹ لبوں پر دے گیا۔

''زندگی کس قدر غیر متوقع ہے۔ ہم سوچتے کچھ اور ہیں اور ہوتا کچھ اور ہے نہیں؟'' اس نے سارہ سے پوچھا۔

''بالکل۔ میں نے کبھی ایسا نہیں سوچا تھا۔'' وہ پل بھر کو رکی اور زین سے مخاطب ہوئی۔

''میرے تو وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ میں کسی دن بیرون ملک میں منیجر کی پوسٹ پر کام کروں گی۔ اتنے بڑے بڑے خواب نہیں دیکھے تھے۔'' سارہ نے حیرت سے کہا۔

''اور اب......اب کیا سوچتی ہو؟'' زین نے انبساط لیے پوچھا۔

''میں نے بہت کچھ کھو کر یہ سب پایا ہے۔ خوشی مناؤں یا روؤں یہ فیصلہ میں آج تک نہیں

کرسکی لیکن بیرون ملک کو لے کر کم از کم ہم لوگوں کی سوچ سرے سے غلط تھی۔'' وہ سارہ کی بات سے سنجیدہ ہوا تھا۔

''اچھا وہ کیوں؟'' زین نے پوچھا۔

''دور کے ڈھول سہانے! وہاں سے دیکھو تو لگتا ہے یہاں لوگوں کی زندگیاں خوب عیش و عشرت میں گزرتی ہیں۔ پر یہاں آکر لگ پتہ گیا کہ عیش کی زندگی کے لیے خوب سارا کیش ضروری ہے۔'' وہ کہتے کہتے ایک دم ہنس پڑی تھی اور زین کا قہقہہ بھی بلند ہوا تھا۔

''قسم سے بیرون ملک میں رہنا آسان نہیں۔ پیر جمانے کے لیے خوب محنت درکار ہے بھئی۔'' سارہ نے ہنستے ہوئے کہا۔

''یہ تم نے بالکل صحیح کہا۔'' زین تائید میں گردن ہلانے لگا تھا۔ وہ دونوں پھر چل پڑے تھے۔ پارکنگ لاٹ چند فاصلے کی دوری پر تھا۔

''اچھا سارہ! تم وہاں ہسپتال میں ایک بچے سے ملنے گئی تھیں۔ وہ کون ہے؟'' اچانک یاد آنے پر زین نے پوچھا۔

''ہاں۔ اس کا نام ایلکس ہے۔ میں جب یہاں شفٹ ہوئی تھی تو جن کے توسط سے آئی تھی انہوں نے مجھے پینگ گیسٹ کے طور پر آنٹ گریس کا بتایا تھا۔ ظاہر ہے میرے پاس اتنی رقم نہیں تھی کہ اپنا گھر لے پاتی۔ لہٰذا ان کے پاس میں چھ مہینے رکی تھی۔ ایلکس ان کا بھانجا ہے جو کینسر کے مرض سے لڑ رہا ہے۔ نومولود عمر میں اس کے والدین کی وفات ہوگئی تھی۔ اس کے بعد سے وہ اپنی خالہ کے پاس رہتا ہے۔ بس وہیں سے میری اس کے ساتھ پکی دوستی ہوگئی۔''

''بہت خوب۔ ویسے بڑا دلچسپ بچہ ہے۔ معذرت کے ساتھ میں نے تمہاری اس سے باتیں سن لی تھیں۔'' وہ معنی خیزی سے گویا ہوا اور سارہ نے اسے فرضی گھوری سے نوازا۔

''اس کی باتوں کو معصوم ہی سمجھو۔ وہ ہر وقت مجھے ہنسانے کے چکر میں لگا رہتا ہے۔ اسی لیے اوٹ پٹانگ باتیں کرتا ہے۔'' سارہ نے کہا۔

''ویسے کوئی مضائقہ نہیں اگر تم آٹھ سال اس کا انتظار کرلو۔ جس کے ارادے پختہ ہوں منزل صاف دکھائی دیتی ہے اور راستے بھی بن ہی جاتے ہیں۔'' وہ شرارت سے گویا ہوا اور سارہ نے رک کر اسے ملامتی نگاہ سے دیکھا۔

''ایسی معصومیت پر قربان جاؤں ویسے۔'' زین نے اس کی نظروں کو بالائے طاق رکھ کر کہا۔ وہ تیوری چڑھاتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔ اور وہ مسکراتا ہوا اس کی تقلید میں چل پڑا۔

''خیر اب تم بتاؤ تمہارے گھر والے کیسے ہیں؟ تمہاری امی اور تمہاری بہن؟'' سارہ نے پوچھا۔

''الحمدللہ دونوں ٹھیک ہیں، کنزا کی دو سال پہلے شادی ہوگئی تھی۔ ماشاءاللہ خوش ہے۔'' زین نے کہا۔

''اچھی بات ہے یہ تو اور تمہاری اپنی فیملی؟'' وہ جس قدر عام انداز میں گویا ہوئی زین کے قدم ساکت ہوگئے۔ سارہ نے محسوس کیا کہ وہ رک گیا ہے تو وہ بھی ٹھہر گئی اور اسے متجسس سی دیکھنے لگی۔ ایسے معلوم ہوتا تھا جیسے سارہ کے الفاظ کسی کھائی سے سنائی دیئے ہوں۔ وہ نالاں نگاہوں سے سارہ کو دیکھ رہا تھا پر سارہ اس کی نظروں کی معنی اخذ کرنے سے قاصر تھی۔

''تمہاری فیملی یہیں ہوگی نا؟ کیا نام تھا۔'' سارہ سوچ میں پڑ گئی۔

''ش......شازیہ؟'' اچانک یاد آنے پر اس نے چٹکی بجا کر زین سے کہا جو لب پیوست کیے اس نادان لڑکی کو دیکھ رہا تھا۔ وہ آٹھ سال اس کی یاد میں گزار گیا تھا اور وہ تھی کہ اس کے جذبات کو معمولی سمجھ بیٹھی تھی۔

''اتنا وقت ہوگیا۔ نام بھول گئی تھی، وہ کیسی ہے؟'' سارہ نے پوچھا۔

''شازیہ اچھی ہے، چھ سال کا بیٹا بھی ہے۔'' زین نے دھیمے پر سنجیدہ لہجے میں کہا پر یہ سنتے کے ساتھ ہی وہ خوش گوار حیرانگی میں زین کو دیکھنے لگی۔ یکا یک انبساط نے اس کے لبوں کو چھوا تھا اور اندرونی طمانیت کے احساس نے اسے مزید پرسکون کر دیا تھا۔ وہ زین کا سامنا کرنے سے پریشان ضرور ہوئی تھی پر اب زین کی بات سن کر تمام وسوسوں اور خوفناک خیالات اس کے دماغ سے اڑن چھو ہوئے تھے۔

''یہ تو بہت خوشی کی بات ہے۔ اللہ خوش رکھے۔'' سارہ نے کہا۔ پھر دونوں کے قدم پارکنگ لاٹ کی طرف چل پڑے جہاں سارہ نے اپنی گاڑی پارک کی تھی۔ سارہ کی مسکراہٹ تھی کہ ختم ہونے کا نام نہیں لے رہی تھی پر زین شدید تکلیف کا شکار تھا۔ سارہ نا جانتے ہوئے بھی اسے ٹھیس پہنچا رہی تھی جو اس کی برداشت سے باہر ہو رہا تھا۔

''یہ لو میری گاڑی آ گئی۔ تمہاری کہاں ہے؟'' سارہ نے پوچھا۔

''میری دوسری طرف پارک ہے۔'' وہ بمشکل تکلیف کی شدت کو قابو کرتا ہوا گویا ہوا۔

''چلو۔ پھر ملاقات ہوگی۔ تمہیں جب وقت ملے تو مجھے اپنے بیٹے سے ملوانا۔ مجھے بہت خوشی ہوگی۔'' وہ تیر پر تیر پیوست کر رہی تھی اور زین اسے زخمی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔

''اپنا خیال رکھنا میں چلتی ہوں، تمہیں ویسے بھی شام میں ثانیہ کی پارٹی میں جانا ہے۔'' وہ کہہ کر جوں ہی پلٹ کر ہینڈل پر ہاتھ رکھنے لگی زین نے ہنکار بھرا اور سارہ سے مخاطب ہوا۔ کیونکہ اب برداشت کی انتہا ہو گئی تھی۔

''سارہ!'' کتنا کٹھن تھا اپنے محبوب کو اپنی محبت کی سچائی بتانا۔ پر اگر وہ آج نہ کرتا تو بے چین اور بے سکون رہتا۔ اس کے پکارنے پر سارہ نے پلٹ کر اس کی طرف دیکھا تھا۔

''تمہیں ملوا دیتا پر وہ یہاں نہیں ہے۔ لندن میں ہے۔'' زین نے متانت خیزی سے کہا

اور سارہ جو اس کے کسی بھی تاثر سے بے خبر تھی متعجب سے اسے دیکھنے لگی۔

''اچھا؟ خیریت۔'' سارہ نے پوچھا۔

''ہاں۔ وہ وہیں رہتی ہے اپنے چھ سالہ بیٹے اور شوہر دانش کے ساتھ۔'' سارہ کے لبوں سے مسکراہٹ آہستہ آہستہ غائب ہوتی دکھائی دی تھی۔ اب وہ تعجب اور مستفسرانہ انداز سے زین کو دیکھے گئی تھی جس کی حالت ہنوز ویسی ہی تھی زخمی اور شکستہ خوردہ سی۔

''یقیناً تمہارا اگلا سوال یہ ہی ہوگا کہ پھر میں نے کس سے شادی کی؟'' وہ پل بھر کو رکا اور سارہ کو دیکھنے لگا۔ جس نے الجھ کر زین کی جانب دیکھا اور بمشکل سر کو خم کیا۔ زین دو قدم کا فاصلہ عبور کر کے اس سے ایک قدم کی دوری پر کھڑا آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر گویا ہوا۔

''رہی میری بات...... تو میں نے شادی نہیں کی۔'' اور اس کے الفاظ سارہ کو دھچکا دلا گئے۔ اس کی مزید شاک سے آنکھیں وا ہوتی ہوئی زین کو دکھائی دی تھیں۔ وہ اڑتی اڑتی حالت سے زین کو دیکھے گئی تھی جس کی آنکھوں میں آج بھی بھرپور محبت چھلکتی ہوئی اسے اب محسوس ہوئی تھی۔ وہ کیسے ان نگاہوں کو بھول سکتی تھی۔ یکلخت ہی اس کی دلی حالت بے ترتیب ہوئی تھی۔

''میں نے اپنی زندگی میں سوائے ایک لڑکی کے، کبھی کسی سے محبت نہیں کی اور نہ ہی کسی سے شادی کا کوئی وعدہ۔ میں یہاں اکیلا رہتا ہوں۔ آٹھ سال سے۔'' آخری کے تین لفظوں پر زور دیتا ہوا وہ سارہ کو جھرجھری دلا گیا۔ زین نے جذب کے عالم میں لمبا سانس لیا اور نظریں سارہ کی آنکھوں پر سے ہٹا لیں۔ کیونکہ اپنے غم جو تازہ ہوتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔ آنکھوں میں پانی بھر رہا تھا۔ سارہ سکتے کی حالت میں اسے دیکھے گئی تھی۔ اس کی دھڑکن تو تھی ہی پر اب تنفس بھی تیز ہونے لگا تھا۔

”خیر، گاڑی اچھی ہے تمہاری، میں چلتا ہوں اللہ حافظ۔“ زین رکا نہیں۔ اگر مزید ٹھہر جاتا تو جذبات کی بارش اس لڑکی پر کر دیتا۔ جس کا اندازہ سارہ کو سرے سے ہی کہاں تھا۔ وہ اسے دم بخودسی جاتا دیکھتی رہی تھی۔ اب جان میں ہمت کہاں باقی تھی۔ طمانیت اندر سے جاتی رہی تھی سکون بے سکونی میں تبدیل ہو چلا تھا۔ سارہ سے قدم نہیں اٹھائے جا رہے تھے۔ کتنی دیر سے یہ آنکھیں خشک تھیں پر زین کی باتیں سن کر پل میں ہی آنسو نکل کر گال پر بہنے لگے تھے۔ اس کا سانس بڑھنا شروع ہو گیا تھا۔ پورے جسم پر کپکپاہٹ محسوس ہونے لگی تھی۔ گھبراہٹ سے پیشانی بھی عرق آلود ہوئی تھی۔ اس کی جسمانی حالت خراب ہوتی جا رہی تھی۔ وہ اپنے سر میں شدید دباؤ محسوس کرنے لگی تھی۔ جیسے تیسے اس نے گاڑی کا دروازہ کھولا اور اندر بیٹھ گئی۔ دوسری سیٹ پر پانی کی بوتل موجود تھی جسے فوراً اٹھا کر کھولا اور تیز تیز پانی پینے لگی۔ زین آٹھ سال سے اکیلا تھا اور اس کی آنکھوں میں موجود درد سارہ پر واضح ہو گیا تھا پر آج اس میں یہ سب سہنے کی طاقت نہ تھی۔ اس نے اپنا سر اسٹیئرنگ ویل سے ٹکا دیا اور لمبی لمبی سانسیں لینے لگی۔

”یا اللہ! تو پھر مجھے کس موڑ پر لے آیا ہے، مجھ میں اب مزید کچھ بھی برداشت کرنے کی سکت نہیں۔ مزید کوئی آزمائش نہیں سہہ پاؤں گی۔ کیا اس بار بھی میرا فیصلہ غلط ثابت ہو گیا۔ کیا میں نے شکاگو آ کر پھر کوئی غلطی کر دی؟“ سارہ کتنی دیر وہیں بیٹھی رہی۔ جب لگا کہ طبیعت میں تھوڑی بہتری محسوس ہو رہی ہے تو اس نے ہمت کی اور گاڑی سٹارٹ کر کے اپنے گھر کی طرف ڈال دی۔

☆......☆......☆

ٹھیک چار بجے وہ شایان کے گھر پر تھا۔ تمام قریبی رشتے دار، دوست واحباب کو مدعو کیا گیا

تھا۔ ثانیہ اور شایان نے پارٹی ہوسٹ کی تھی لہٰذا وہ دونوں میزبانی میں جتے ہوئے تھے۔ مصروفیت کے باعث شایان زین کو وقت نہیں دے پا رہا تھا پر وہ اتنا ضرور اخذ کر گیا تھا کہ زین کی حالت ٹھیک نہیں تھی۔ وہ ہو کر بھی وہاں موجود نہیں تھا۔ اس کے چہرے پر تناؤ اور اضطرابی کیفیت نے شایان کو ٹھیک ٹھاک پریشان کر دیا تھا۔ وہ زین سے بات کرنے کے لیے موقع کی تلاش میں تھا اور جب پارٹی اختتام کو پہنچی اور چند قریبی رشتے دار ہی رہ گئے تھے جو آرام دہ حالت میں صوفے پر بیٹھے باتوں میں مگن تھے، شایان نے موقع دیکھ کر زین کی جانب قدم بڑھا دیے جو تنہائی میں ان کے گھر کے پیشیو میں بیٹھا تھا۔

زندگی نے ایک موقع اسے پھر دیا تھا پر آج بے بسی عروج پر تھی۔ سارہ وہاں پاس کھڑے ہو کر بھی اس کے ساتھ نہ تھی۔ وہ چاہتا تو اسے اپنا لیتا، پر آج دل میں اتنا درد، اتنا قلق تھا کہ وہ مزید کچھ نہ کر سکا۔ آٹھ سال سے وہ جب جب قنوطیت میں مبتلا رہا تھا جیسے تیسے خود کو اس کیفیت سے آزاد کر پاتا تھا پر آج راحت کا کوئی راستہ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ وہ کتنی سوچوں میں گم مکمل طور پر بکھر رہا تھا۔ بے اختیاری میں اس کی آنکھوں سے آنسو نکل کر اس کے گال پر بہہ گئے تھے۔ سارہ کی مسکراہٹ، اس کی دوستی، اس کی اپنائیت، اس کا احساس، پھر ان لوگوں کا یونیورسٹی میں ساتھ گزارا ہوا وقت۔ سب فلم کی طرح آنکھوں کے سامنے چل رہا تھا۔ یہ لڑکی ایسے حال پر اس کو لے آئی تھی جس سے وہ خود نہیں نکل پاتا تھا۔ پر آج، وہ جیسے مزید پھنس گیا تھا۔

شایان خاموشی سے اس کے پاس آ بیٹھا تھا اور زین کے کاندھے پر اپنا ہاتھ رکھ کر اسے اپنی جانب متوجہ کرایا۔ زین نے آنکھوں میں بھرے ہوئے آنسوؤں کو صاف کیا۔ وہ خود بھی اس وقت شایان کا ساتھ چاہتا تھا۔ کوئی ایسا شخص جو اسے سنے جو اس کی لٹی لٹی زندگی کی کہانی پر غور کرے۔ کیسی قسمت پائی تھی اس نے۔ محبوب جب پاس نہ تھا تو خود دلاسہ دیے بیٹھا تھا اور

اب جب وہ ہاتھ کے فاصلے پر موجود تھا تب بھی لاحاصل سا لگتا تھا۔

''کیا ہوا یار! بہت پریشان لگ رہا ہے۔ سب خیریت ہے؟'' شایان نے نرمی سے پوچھا۔

''یاد ہے، تُو نے ایک بار مجھ سے مذاق میں کہا تھا۔ اگر وہ اچانک سامنے آجائے گی تو میں کیا کروں گا۔ جس پر میں نے تجھے خوب ملامت کی تھی۔ مجھے کیا معلوم تھا وہ وقت ہی قبولیت کا تھا۔'' شایان زین کی بات سن کر گتھی میں اُلجھ گیا۔

''کیا مطلب؟'' زین نے اس کی جانب دیکھا۔

''وہ اچانک سامنے آگئی شایان اور میں کچھ نہیں کرسکا۔''

شایان حیرت سے گنگ اسے دیکھے گیا۔ زین نے کل سے لے کر اب تک تمام واقعات جب اس کے گوش گزار کیے تو وہ شاک کے عالم میں زین کو دیکھتا رہ گیا۔

''اوہ گاڈ! سارہ احمد۔ ثانیہ نے کئی بار اس کا ذکر مجھ سے کیا تھا پر میرے وہم وگمان میں بھی کہاں تھا کہ یہ وہی لڑکی ہے۔'' وہ بے یقینی سے کہہ رہا تھا جب کہ زین لب پیوست کیے بیٹھا اسے دیکھ رہا تھا۔

''کس قدر عجیب اتفاق ہے زین! پوری دنیا میں اس لڑکی کو وہی جگہ کیوں ملی جہاں تُو پہلے سے موجود تھا؟'' وہ متحیر سا کہہ رہا تھا۔

''میں مانتا ہوں کہ جو کچھ بھی اس کے ساتھ ہوا وہ بہت تکلیف دہ اور مشکل وقت تھا لیکن زین اب وہ تیرے سامنے ہے۔ اس حال میں کہ تُو اسے اپنا سکتا ہے۔ تُو نے اس سے کچھ کیوں نہیں کہا؟'' شایان نے پوچھا۔

''کیا کہتا میں شایان! وہ پاس ہو کر بھی ساتھ نہ تھی۔ یہ وہ سارہ ہی نہیں تھی جسے میں جانتا

ہوں۔ ایسا لگتا ہے جیسے وہ لڑکی کھوگئی ہے۔ وہ سارہ تو روتے ہوئے تمام غم مجھے دے دیا کرتی تھی۔ مجھ سے رائے مانگا کرتی تھی۔ اپنی رنجشوں میں مجھے اپنا ساتھی سمجھتی تھی پر آج میں جس لڑکی سے ملا ہوں۔ اس کی آنکھوں میں اپنی آپ بیتی پر ایک آنسو تک نہ نکلا۔ بلکہ مجھے یقین ہے کہ جو کچھ اس نے مجھے بتایا وہ تو اوپری سطح کی مانند ہے۔ تمام تر حقیقت تو گہرائی میں موجود ہے جو وہ مہارت سے چھپا گئی۔'' وہ دبے دبے غصے اور بے بسی سے کہہ اٹھا۔

''یار زین! یہ بتا اس کا واپس زندگی میں آنا ممکن لگتا تھا؟'' شایان نے رسان سے پوچھا جس پر زین نے تردید میں چہرا ہلایا۔

''جب اتنی بڑی بات ممکن ہو سکتی ہے تو کھوئی ہوئی سارہ بھی واپس آسکتی ہے۔ یار، وقت اور حالات نے اسے پختہ بنا دیا ہے۔ وہ نڈر ہو گئی ہے۔ اس نے زندگی کی تمام تر تلخیوں کو کم عمری میں فیس کیا ہے زین۔ اب تُو کیا چاہتا ہے وہ چہکتی ہوئی تجھے نظر آئے۔ ایسا شخص تو مزاجاً خاموش اور بردبار ہو جاتا ہے۔ معذرت کے ساتھ پر اگر میں تم دونوں کا موازنہ کروں تو وہ مضبوط نکلی اور تو کمزور۔''

زین نے متعجب سا اسے دیکھا۔

''ہاں زین، میں صحیح کہہ رہا ہوں۔ اگر حال وہاں بھی ایسا ہی ہوتا تو وہ بھی تجھ سے ملنا چاہتی پر اس نے کوئی ایسا قدم نہیں اٹھایا۔ مرد مشکل حالات میں ٹوٹ جاتا ہے جبکہ عورت وقت کے ساتھ ساتھ مضبوط اور بہادر ہو جاتی ہے۔ پھر سارہ نے تو جو کچھ جھیلا اس کے بعد اگر وہ اپنے پیروں پر کھڑی ہے تو یہ فخر کی بات ہے۔''

''شایان! کیا میں اتنا گناہ گار ہوں کہ میری ساری دعاؤں کو اللہ نے اَن سنا کر دیا۔ میں نے ہر نماز میں اس کے لئے دعا کی تھی کہ وہ جہاں کہیں بھی ہو خوش ہو پر ایسا کچھ بھی نہیں ہوا۔''

اس کے آنسو تو خشک ہوئے تھے پر وہ کشمکش میں مبتلا اب شایان سے کہہ رہا تھا۔ منفی خیالات اسے پھر اپنی لپیٹ میں لے رہے تھے۔

’’اپنی سوچ کا دائرہ وسیع کر دوست۔ یاد ہے ایک بار تُو نے مجھ سے کہا تھا کہ سارہ بہت خوددار لڑکی ہے۔ اگر تم دونوں کا اس وقت ان حالات میں ملنا ہوتا تو تجھے کیا لگتا ہے وہ خوش ہوتی؟ اسے ہر وقت یہی خیال ستاتا کہ تُو اس کے لئے سب کچھ کر رہا ہے۔ ان حالات میں تم دونوں کا ملنا آسان نہیں تھا۔ زین، وہ تب بھی لوگوں کی نظروں میں آتی اور کتنی باتیں اس حوالے سے ہو جاتیں جو اسے شرمندہ کر دیتیں۔ پر آج وہ ہی لڑکی اپنے پیروں پر کھڑی ہے۔ اپنی زندگی کے فیصلے خود لے رہی ہے۔ اتنی دور اپنے ملک سے وہ یہاں اکیلی رہ رہی ہے۔ زین! She is a self made women (اپنے بل بوتے پر مستقبل بنانے والی خاتون) اپنے نظریئے کو وسیع کر۔ اللہ صحیح وقت پر دعا قبول کرتا ہے۔ ہوسکتا ہے اللہ نے تیری ان سب دعاؤں سے پہلے کی گئی فریاد سن لی ہو، کہ وہ تیری ہو جائے۔‘‘ شایان نے سمجھایا پر وہ افسردگی سے گردن تردید میں ہلانے لگا۔

’’اتنا آسان نہیں ہے۔ تجھے معلوم نہیں۔ وہ اتنی آسانی سے یہ سمجھ بیٹھی تھی کہ میں زندگی میں آگے بڑھ گیا۔ مجھے یقین نہیں آرہا کہ اس نے میری محبت کو کبھی سمجھا ہی نہیں۔‘‘ زین نے شاکی انداز سے کہا۔

’’کیا تُو نے اظہارِ محبت سے آگے اسے اپنی الفت کا رنگ دکھایا ہے؟‘‘ شایان نے پوچھا۔

’’اظہارِ محبت! وہ بھی کہاں ہوئی تھی۔ کچھ وہ سمجھ گئی تھی اور کچھ میں پھر حالات نے ایک دم ہی بازی پلٹ دی تھی۔‘‘ وہ طنزیہ ہنسا جس میں درد کی آمیزش جھلک رہی تھی۔

’’زین! اگر اس نے تجربہ ہی نہیں کیا تو پھر تُو کیا چاہتا ہے وہ تیری راہ تکتی رہے؟ ظاہر ہے

اسے یہی لگے گا کہ تُو نے اپنی زندگی کسی اور کے ساتھ بسالی ہے۔"

"تو اب میں کیا کروں؟" زین نے پوچھا۔

"تُو نے صرف پہلا قدم بمشکل اٹھایا تھا۔ اب اسے اپنی محبت کا یقین دلا۔ اسے بتا کہ تیرے جذبات میں کھوٹ نہیں ہے۔ تیری محبت میں صداقت ہے۔ تیرا اکیلے زندگی گزارنے کا فیصلہ کیوں تھا۔ تجھے اب لفظی نہیں بلکہ اپنے عمل سے بھی اسے یقین دلانا ہوگا۔ زین! وہ شادی کے بہت بڑے ٹراما سے گزری ہے۔ مانا کہ بات سات سال پہلے کی تھی پر پھر بھی اس کے لیے یہ سب قبول کرنا آسان نہیں ہوگا۔ زندگی نے تم دونوں کو تب وقت نہیں دیا تھا۔ پر اب ہر لمحہ تیری گرفت میں ہے۔ سوچ سمجھ کر قدم اٹھا اور اسے پانے کی جستجو میں جت جا۔" شایان تحمل سے اسے سمجھا رہا تھا اور وہ شایان کی باتوں سے کافی حد تک بہتر محسوس کرنے لگا تھا۔

"اور اگر وہ پھر بھی نہ سمجھی تو؟" زین نے پوچھا۔

"یار! پھر میں کہوں گا تو نے کوشش صحیح نہیں کی۔" شایان نے کہا اور زین کے منہ کے زاویے بگڑ گئے۔ وہ درد بانٹ کر ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا۔

"یہ تُو کب سے میرا دوست ہو کر اس کی سائیڈ لینے لگا ہے۔" زین نے ابرو اچکا کر اسے کہا۔

"سچ پوچھ تو کل اسے دیکھنے کے بعد جب ابھی معلوم ہوا کہ یہ وہی لڑکی ہے۔ خود بخود دلی انسیت ہونے لگی ہے اس سے۔ بھابھی جیسی فیلنگ سے دوچار ہو رہا ہوں۔" شایان نے شوخی انداز اپنایا اور زین کے چہرے پر فرضی غصہ نمودار ہوا۔

"تُو نے کبھی کھایا ہے۔" وہ اپنے ہاتھ کی مٹھی بنا کر اسے دوسرے ہاتھ کی ہتھیلی سے مسل رہا تھا۔

"کیا کھایا ہے؟" وہ چونک کر بولا پھر زین نے سنجیدگی سے مکا دکھایا تو وہ دبک کر پیچھے ہٹا۔

"ابے مارے گا۔ شادی شدہ مرد کو تو ویسے بھی ترحم بھری نگاہ سے دیکھنا چاہیے دوست۔

شادی کے بعد مرد آدھا جنتی تو ہو ہی جاتا ہے۔" وہ جس طرح بیچارگی سے بولا زین نے اسے تنبیہہ نگاہ سے دیکھا۔

"اچھا بیٹا، ثانیہ۔" اس نے آواز لگائی تو شایان نے اس کے منہ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

"ابے تو جب دیکھ، اسے بلا کر میری کھچائی کرواتا ہے۔" شایان تپ گیا۔

"شادی کا لڈو تجھے ہی کھانا تھا۔" زین نے جتایا۔

"بھئی جو کھائے وہ پچھتائے جو نہ کھائے وہ بھی پچھتائے۔ اب دونوں صورتوں میں ڈوبنا ہی ہے تو کھا کے پچھتانا زیادہ قابل قبول ہے۔ تُو اپنی خیر کر بس۔ تیرے دن بھی دور نہیں۔" وہ گردن گھما گھما کر اس کی پشت پر تھپک کر متنبہ کر رہا تھا۔

"مجھے تو اپنے ستارے گردش میں لگ رہے ہیں۔" زین شایان کی باتیں سن کر بے بسی سے گویا ہوا۔

"سچ پوچھ تو مجھے بھی۔" شایان نے اسے ترحم بھری نگاہ سے دیکھا اور زین نے ملامتی نظروں سے اسے فوکس کیا۔

"اگر آپ دونوں موصوف کی سیکرٹ باتیں ہو گئی ہوں تو اندر تشریف لے آئیں گے۔" ثانیہ پیچھے سے آتے ہوئے ان دونوں کو آواز لگا رہی تھی۔

"آ رہے ہیں بیگم۔" شایان نے بھی زور سے کہا اور دونوں ساتھ اندر جانے کے لیے اٹھ گئے۔

"یار! بات سن، دلی استدعا ہے کہ ابھی ثانیہ کو کچھ مت بتانا۔" شایان آگے بڑھا تو زین نے اسے بازو سے تھام کر اپنی جانب کھینچا اور سرگوشی میں کہا۔ پر یہ سن کر شایان دبے دبے قہقہے مارنے لگا تھا۔

”کیوں ہنس رہا ہے۔“ زین نے سوالیہ انداز سے اسے دیکھا۔

”مجھے کیا پاگل کتے نے کاٹا ہے۔ اگر ابھی خدانخواستہ ثانیہ کو پتہ چل گیا تو وہ سارہ کا جینا حرام کردے گی۔ پھر جو مشکل سے ویسے ہی ملی ہے ایسی انڈر گراؤنڈ ہوگی کہ ملنا ناممکن ہو جائے گا۔“ زین نے ہنستے ہوئے نفی میں گردن ہلائی اور اسے بغل گیر کرتا ہوا اندر چلا گیا۔

☆......☆......☆

”مے آئے کم ان سر۔“

”ارے سارہ بیٹا اندر آؤ۔ آؤ بیٹھو۔“

”کیا ہوا، کچھ پریشان لگ رہی ہو؟“

”سر! ہر بار کچھ مدت کے بعد یہ کمپنی اپنے ملازمین کو دوسری برانچ میں کام کرنے کا موقع فراہم کرتی ہے اور اسی سال ریکروٹمنٹ ہوگی۔ میری درخواست ہے کہ اگر آپ مجھے اس قابل سمجھتے ہیں تو مجھے بھی اس میں موقع دیں۔“

”پر کیوں؟ تم اچھا خاصا تو کام کر رہی ہو یہاں۔ اور تم جیسی قابل ملازمہ کا میں کیسے دوسری برانچ میں ٹرانسفر کرسکتا ہوں۔“

”سر! میں یہاں مزید نہیں رہ سکتی۔“

”کچھ ہوا ہے؟“

”آپ نہیں جانتے؟“

”حرج ہی کیا ہے۔“

”یہ آپ کہہ رہے ہیں؟ آپ کو پہلے ہی یہ سب ہونے سے روک لینا چاہیے تھا۔“

”پر میں نہیں روکنا چاہتا تھا بیٹا، تم بیٹی جیسی ہو اور تمہیں بہو کے طور پر اپنے پاس رکھنا چاہتا

ہوں میں۔"

"پر میں کسی بھی ریلیشن کے لیے تیار نہیں۔"

"سارہ، اسے مسئلہ نہیں ہے۔"

"پر مجھے ہے۔ میں یہ سب برداشت نہیں کر سکتی سر۔ میری آپ سے درخواست ہے پلیز مجھے اس پروگرام کے لیے سلیکٹ کریں۔ میں جگہ بدلنا چاہتی ہوں۔ یہاں سے دور چلی جانا چاہتی ہوں۔ یہاں ہر چہرا اور ہر آنکھیں مجھے خود پر محسوس ہوتی ہوئی لگتی ہیں۔ اگر آپ کے دل میرے لیے سافٹ کارنر ہے تو پلیز اس استدعا پر غور کیجیے گا۔"

جس وجہ سے وہ شکاگو آئی تھی۔ وہ آج بھی اس کا پیچھا کیے ہوئے تھی۔ زین کو دیکھ کر وہ چونک ضرور گئی تھی پر دلی اطمینان تھا کہ وہ اپنی زندگی میں مصروف ہو گیا ہوگا پر آج جب حقیقت پر سے پردہ اٹھا تو اسے از سر نو اپنا فیصلہ غلط لگا۔ وہ شدتِ ضبط سے لب کاٹ رہی تھی۔ چہرا الگ آنسوؤں سے تر تھا۔ زین کی درد بھری نگاہیں اس کا پیچھا نہیں چھوڑ رہی تھیں۔ وہ کہاں جائے؟ کدھر بھاگے؟ کہاں چھپے؟ راہ راست کیا تھی؟ اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ بے دست و پا محسوس کرتی ہوئی اس نے سائیڈ میز پر جلا ہوا لیمپ بند کیا۔ رات کے دس بج رہے تھے۔ وہ جو بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی سرک کر بستر پر اب لیٹ گئی تھی۔ ڈاکٹر کے مشورہ کے مطابق دوائی کی عادت نہیں کرنی تھی پر آج رات پھر اسے ٹیبلٹ لینی پڑی۔ وہ روتی روتی کب نیند میں چلی گئی معلوم نہ ہوا۔

☆......☆......☆

وہ اپنے کیوبکل میں انہماک سے کام میں مصروف تھی جب ثانیہ زچ ہوتی ہوئی داخل ہوئی اور دو تین موٹی موٹی فائیلوں کو اس کی میز پر پٹخ دیا۔ وہ جو لیپ ٹاپ کی اسکرین پر نگاہیں

جمائے ہوئے تھی۔ ثانیہ کی سمت ہوئیں جس کے چہرے کے زاویے بگڑے ہوئے تھے۔

''تمہیں معلوم ہے نا میری شادی ہوئی ہے اور ایک ویک اینڈ کو چھوڑ کر میں نے صرف پانچ دن چھٹی کے گزارے ہیں۔ پھر اتنا اوور لوڈ کیوں۔'' وہ کرسی کھینچ کر بیٹھی۔ سارہ اس کی حالت سے محظوظ ہوتی ہوئی ہتھیلی پر اپنی تھوڑی جما کر اسے بغور دیکھ رہی تھی۔

''بندہ تھوڑا رحم ہی کر لیتا ہے۔ شادی کرنا کوئی حلوہ مانڈا ہے۔ تمہیں معلوم ہے شایان کا خاندان اتنا بڑا ہے۔'' اس نے دونوں ہاتھوں کو پھیلا کر کہا۔

''ایک ایک کو جواب دینا محال ہو گیا۔ میں نے سوچا تھا آج چھٹیوں کے بعد پہلا دن تھا۔ آرام سے باتوں میں گزاروں گی پر نہیں تمہیں میرے سر پر یہ سب کام جولادنے کا شوق ہے۔'' وہ دوست تھی تب ہی ایسے بات کر رہی تھی البتہ کسی کی بھی مجال نہیں تھی کہ سارہ سے اس لہجے میں بات کرے۔

''شادی تم نے کی ہے۔ اس کی ذمہ داری تمہیں اٹھانی ہو گی۔ اور جاب پر ملازمت کے بھی کچھ اصول ہیں محترمہ۔ یہ وہ کام ہے جو آپ کی غیر موجودگی میں پینڈنگ پر چلتا رہا لہٰذا بغیر تاخیر کے شروع ہو جائیں۔'' ثانیہ نے جس قدر چڑچڑے انداز میں کہا تھا سارہ نے اتنا ہی عام لہجہ رکھ کر کہا۔ البتہ لبوں پر مدھم تبسم جھلک رہا تھا۔

''ہیلو سارہ، ہیلو ثانیہ۔ کیسی ہو ثانیہ ویلکم بیک۔'' سٹیو سارہ کے کیوبکل میں داخل ہوا تھا۔ سارہ جانی مانی فارما کمپنی میں اکاؤنٹنٹ کے طور پر لگی تھی اور حالیہ پروموشن سے اب جس ٹیم کے ساتھ وہ کام کر رہی تھی وہ تمام اسسٹنٹ اب اسے رپورٹ کرنے لگے تھے۔ البتہ اس کا اپنا کوئی ذاتی کمرہ نہیں تھا۔ اس فلور پر کئی کیوبکل تھے جس میں فائنانس اور اکاؤنٹس ڈیپارٹمنٹ کے ملازمین موجود تھے۔ تمام اسسٹنٹ کو چھوٹے چھوٹے کیوبکل دیے گئے تھے البتہ ان سے

اوپر پوسٹ پر مینیجرز کو قدرے بڑے کیوبکل کی سہولت فراہم تھی۔ وہ یونیورسٹی کی طرح آفس میں بھی وقت سے پہلے موجود ہوا کرتی تھی۔ اپنا تمام کام وقت پر سنجیدگی سے نپٹا کر ہائر منجمنٹ کی نظروں میں مقبول ہوتی رہی تھی۔ مختلف میٹنگ کے دوران بھی اس کی مشاورت کو خوب ترجیح دی جاتی تھی۔ اس کا انداز شائستہ اور تراشا ہوا تھا جو اپنی ساکھ اس آفس میں بٹھا گیا تھا۔ اس کی حدود سے آگے کسی کی ہمت نہیں تھی بڑھنے کی۔ تمام اسسٹنٹ اس کے حکم کے مطابق اپنے کام بخوبی سرانجام دے رہے تھے۔

''یہ لو تمہارا شادی کا تحفہ۔'' وہ مزید ایک بھاری بھرکم فائل اس کی تین فائلوں کے اوپر رکھتے ہوئے کہنے لگا اور ثانیہ ہکابکا سی پہلے فائل اور پھر سٹیو سے ہوتے ہوئے سارہ کو دیکھنے لگی تھی جس نے بمشکل ہنسی کو روکا ہوا تھا۔

''اب یہ کیا ہے! سب کر کے تو گئی تھی میں۔'' ثانیہ نے متحیر ہو کر کہا اور سارہ سمیت سٹیو بھی مسکرا رہا تھا۔ وہ دبلا پتلا سا لڑکا تھا جس کے سنہرے بال تھے اور گورا چٹا تھا۔

''ثانیہ! یہ مت بھولو ہم اکاؤنٹنٹس ہیں، اور ہمیں روزمرہ کی ٹرانزیکشنز اپ ڈیٹ کرنی پڑتی ہیں۔'' سارہ نے ہنسی کو روکتے ہوئے اس سے کہا۔

''جی ہاں، آپ نے تو کام سارا کیا تھا پر یہ وہ کام ہے جو ان دنوں میں ہوا ہے۔'' سٹیو نے کہا۔

''پانچ دنوں میں کمپنی نے اتنا کتنا کام کر لیا؟ حد ہے یار مطلب۔'' وہ ٹھیک ٹھاک چڑ گئی تھی۔

''تمہاری ابھی شادی ہوئی ہے اور کر لیتی چھٹیاں، کہیں گھومنے چلے جاتے۔ تم ایک چھٹی کرو کے دس، کام تو پینڈنگ پر جائے گا۔'' سٹیو کیوبکل سے چلا گیا تھا اور سارہ مہارت سے ہاتھ کی بورڈ پر چلاتی ہوئی ثانیہ سے گویا ہوئی۔

”نہیں یار، سوچا تھا ہنی مون پر جائیں گے لیکن ابھی شایان اور میں نے مل کر نیا گھر لیا ہے۔ نئی گاڑی لی ہے پھر شادی کے کتنے اخراجات ہو گئے ہیں۔ اب تو بس سیونگ کریں گے پھر اگلے سال ہی کچھ سوچیں گے۔“ ثانیہ نے تھک ہار کر کرسی سے ٹیک لگالی۔

”ہمم، یہ بھی اچھا آئیڈیا ہے۔“ سارہ نے کہا۔

”ارے سارہ! تمہاری پھر زین سے ملاقات ہوئی؟ اس نے مجھے فون کر کے تمہارا پوچھا تھا۔ مجھے معلوم نہیں تھا تم دونوں دوست ہو۔“ اچانک یاد آنے پر ثانیہ نے سارہ سے پوچھا جس کا ذکر سنتے ہی اس کا موڈ ٹھیک ٹھاک خراب ہوا تھا۔

”ہاں ہوئی تھی، یہ تمہیں اس نے بتایا ہے کہ ہم دوست تھے؟“ سارہ نے پوچھا۔ وہ ہنوز اسکرین پر نگاہیں رکھے ہوئے بات کر رہی تھی۔

”ہاں کہہ رہا تھا یونیورسٹی میں تم دونوں ساتھ پڑھتے تھے۔“ ثانیہ نے کہا۔

”ہمم۔“ سارہ نے ہنکار بھرا۔

”ارے! اب تم میرے ساتھ آنے کا منع نہیں کر سکتیں، پہلے تمہیں پرابلم ہوتی تھی کہ میرے اور شایان کے بیچ میں آ کر کیا کرو گی پر اب زین بھی ہو گا۔ ہم چاروں کا ایک بہت اچھا گروپ بن جائے گا، کتنا مزا آئے گا نا؟“ ثانیہ نے ٹیک چھوڑ کر آگے بڑھ کر چہک کر سارہ سے کہا۔

”تم دونوں کے ساتھ زین بھی ہوتا ہے؟ تم نے کبھی پہلے اس کا مجھ سے ذکر نہیں کیا۔“ سارہ نے ثانیہ کی طرف دیکھا۔

”ذکر کر کے کرتی بھی کیا۔ تم یہاں سب سے دوٹوک بات کرتی ہو، زین سے تمہارا تعارف کرواتی تو تم اسے بھی اگنور کر دیتیں اس لیے۔ وہ بھی ویسے تمہاری طرح ہی ہے، جب

سے میرے اور شایان کے بیچ میں تعلقات شروع ہوئے تھے۔ وہ بھی نہیں آتا تھا۔ منع کر دیتا تھا پر اب اتفاق سے تم دونوں ایک دوسرے کو جانتے ہو تو اب تو تم منع نہیں کرو گی نا؟'' ثانیہ نے پوچھا۔

''ثانیہ صاحبہ! میں آج بھی منع کروں گی، کیونکہ مجھے ان سب آؤٹنگز کا کوئی شوق نہیں۔ ویسے بھی اس سے کافی پہلے دوستی رہی ہے اور اب بہت کچھ بدل گیا ہے۔'' سارہ واپس لیپ ٹاپ پر مصروف ہوگئی۔

''یار! زندگی صرف کام کا تو نام نہیں۔'' ثانیہ نے کہا۔

''میرے لیے تو فقط کام ہے چلو اب تم بھی اٹھو اور کام کرلو۔'' سارہ نے کہا اور بات ختم کر دی۔ وہ منہ بناتی ہوئی اس کے کیوبکل سے نکلی اور مقابل اپنے کیوبکل میں جا بیٹھی۔ جیسے ہی امینڈا اور صوفیہ داخل ہوئیں سارہ نے دیکھا کہ ثانیہ نے اپنی کرسی ان کی طرف گھما کر ان سے باتوں میں مصروف ہوگئی۔ کام شروع کرنے سے پہلے آفس کی پالیٹکس پر اپ ڈیٹ بھی ضروری تھی۔ سارہ نے سر جھٹک دیا اور دھیان اسکرین کی طرف کرلیا۔

☆......☆......☆

''ساری پراڈکٹس ہٹالی گئی ہیں، پراڈکشن ڈپارٹمنٹ سے بھی بات ہوگئی ہے۔'' ڈیوڈ نے کہا۔ وہ اور وکٹر زین کے کمرے میں بیٹھے تھے اور زین ان سے کام کی اپ ڈیٹ لے رہا تھا۔

''ویسے زین! میں سوچ رہا تھا کہ لوگوں کو قائل کرنا مشکل ہو جائے گا۔ وہ کیسے مانیں گے کہ پراڈکٹ کے اندر کی تمام اجزاء بدل دی گئی ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کیوں نا اسے دوسرا ہی نام دے دیں، دوسری شکل دکھا کر پیش کریں؟'' وکٹر نے مشورہ دیا۔

''نہیں نہیں، یہ کرنا صحیح نہیں رہے گا۔'' ڈیوڈ نے کہا۔

''ہاں میں ڈیوڈ سے متفق ہوں، مجھے لگتا ہے کہ کسٹمرز کو معلوم ہونا چاہیے کہ کمپنی نے صرف ان کی ضروریات کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ قدم اٹھایا ہے تب ہی وہ ہم پر بھروسہ کریں گے۔ پراڈکٹ کی شکل بدل دینا میرے نزدیک حل نہیں۔'' زین نے کہا۔

وہ اپنا لیپ ٹاپ کھول کر ان کے سامنے بیٹھا تھا۔ ان لوگوں کے درمیان مختلف باتوں پر بحث مباحثے ہوئے اور پھر یہ میٹنگ ختم ہوگئی۔ آفس کا وقت تقریباً پورا ہونے والا تھا کہ شایان زین کے کمرے میں داخل ہو گیا تھا۔

''ہیلو گائز۔'' شایان نے ڈیوڈ اور وکٹر سے کہا۔

''اوہ ہیلو شایان! بھئی تمہاری شادی میں تو خوب مزہ آیا۔'' وکٹر نے کہا اور ڈیوڈ نے ہامی بھری۔

''چلو شکر ہے۔'' شایان نے کہا اور وہ دونوں اس سے مل کر کمرے سے چلے گئے۔ زین اپنی کرسی سے اٹھ کر سامان سمیٹنے لگا تھا۔

''السلام علیکم! کیا ہوا پراڈکٹ میں ہی پھنسا ہے؟'' شایان اس کے ساتھ آ کر کھڑا ہو گیا۔

''وعلیکم السلام! ہاں یار، اچھا شایان تُو نے جن لوگوں سے میٹنگ کی تھی ایڈ کے لئے مجھے بھی ان کا نمبر دینا۔ میں ان کا کام دیکھنا چاہتا ہوں۔'' زین نے کہا۔

''ہاں کیوں نہیں، ابھی بھیج دیتا ہوں۔'' شایان نے فون نکالا اور نمبر ڈھونڈنے لگا۔

''اور کیسی رہی تیری چھٹیاں؟ ویسے تم دونوں عجیب ہو۔ کچھ دن اور چھٹیاں کر لیتے یار۔'' زین نے لیپ ٹاپ کیس میں رکھ کر کہا۔

''نہیں یار، ویسے ہی یہاں مجھے اتنے کام تھے میں مزید آف نہیں کر سکتا تھا اور ہم دونوں کو ابھی کہیں جانا ہی نہیں تھا۔ ثانیہ کا بھی فون آیا تھا۔ بتا رہی تھی بہت اوورلوڈ ہو گیا ہے۔'' شایان

اور زین دونوں ہنس پڑے۔

''اچھا اب یہ بتا، اس دن کے بعد تیری سارہ سے کوئی بات ہوئی۔'' شایان نے پوچھا۔

''اوں ہوں! کوئی بات نہیں ہوئی۔'' زین نے سرد ہنکار بھر کر کہا۔

''یار! تُو حد کرتا ہے! کیوں نہیں کی بات؟ ارے حال احوال ہی پوچھ لیتا۔'' شایان نے کہا۔

''شایان! مجھ سے نہ ہو پائے گا۔'' اس نے جس قدر بے چارگی سے کہا شایان کو شدید طیش آیا۔

''زین! کوئی پہاڑ چڑھنے کی بات تھوڑی کر رہا ہوں، اتنا سر پر سوار کیوں کر رہا ہے۔ تیری دوست ہے یہ تو مت بھول۔ دوستوں کی طرح ہی بات کر اس سے۔'' شایان نے کہا۔

''تُو مجھے پہاڑ چڑھنے کا کہتا تو میں با آسانی کر لیتا پر مجھے سمجھ نہیں آتا اس سے فون پر بات کیا کروں۔'' زین کی حالت دیکھتے ہوئے شایان نے اپنا ماتھا پیٹ لیا۔

''زین! ابھی فون نکال اور اسے کال کر۔'' وہ شدید تپ گیا تھا۔

''پر میں اس سے بات کیا کروں گا؟'' وہ جھنجھلا گیا تھا۔

''ارے کچھ بھی کہنا۔'' شایان نے ایک دم چٹکی بجائی جیسے کوئی آئیڈیا آیا ہو۔

''ارے تُو اس کو کہیں باہر چلنے کا کہہ۔ ا...... ہاں اسے کہہ کہ تیرا دوستوں کے ساتھ پلان تھا جو کینسل ہو گیا تو اگر وہ چلے تیرے ساتھ۔'' شایان نے کہا اور زین نے تیور چڑھا لئے۔

''تُو اسے جانتا نہیں ہے۔'' زین نے کہا۔

''ابے یار! پوچھنے میں کیا حرج ہے۔ چل فون نکال اور میرے سامنے کال کر۔'' شایان نے کہا۔

''تُو مروائے گا مجھے۔'' زین نے ہتھیار ڈالے اور فون نکال کر سارہ کا نمبر تلاش کرنے لگا۔

''ایک منٹ۔'' شایان نے موبائل پر ہاتھ رکھ دیا اور زین کے ماتھے پر شکن آگئی۔

''یہ سوچ کر بات کرنا کہ وہ ویسے ہی منع کرے گی۔'' شایان نے کہا۔

''تو پھر میں پوچھوں ہی کیوں۔'' زین نے اب کی بار چڑ کر کہا۔

''ارے یار دکھ کم ہوگا۔'' شایان نے سمجھایا اور زین نے واپس تیور چڑھا لیے جیسے اس کے فلاپ آئیڈیا کو شاباشی دے رہا ہو۔ زین نے سارہ کا نمبر موبائل پر نکالا اور کال ملا دی۔

دوسری طرف سارہ کے آفس کا وقت بھی ختم ہونے والا تھا۔ ثانیہ ایک کام سے آفس میں ہی کہیں اور گئی ہوئی تھی اور سارہ اپنا سامان سمیٹ کر لیپ ٹاپ بند کر کے کیس میں ڈال رہی تھی۔ جوں ہی اسے اپنے پرس سے فون بجنے کی آواز آئی اس نے پرس کھولا اور نکال کر دیکھا تو انجان نمبر تھا۔ اس نے کال اٹینڈ کر لی۔

''ہیلو کون؟'' سارہ نے انگریزی میں کہا کیونکہ نمبر امریکہ کا ہی تھا۔

''ہیلو...... ام سارہ؟'' یہ آواز کافی تھی پہچاننے کے لیے۔ اتنے دنوں بعد زین کی آواز سن کر پھر سے جھرجھری محسوس ہوئی تھی۔ وہ ایک دم سہم گئی۔

''السلام علیکم سارہ، میں زین بات کر رہا ہوں، کیسی ہو تم؟'' زین نے پوچھا۔ سارہ سے بات کرتے ہوئے نہ جانے کیوں اس کی ٹھیک ٹھاک حالت بری ہو رہی تھی۔

''وعلیکم السلام۔ میں ٹھیک ہوں۔ تم کیسے ہو؟'' سارہ نے پوچھا۔ آواز دھیمی ہو گئی تھی۔

''می...... میں بھی ٹھیک ہوں۔'' زین کو سمجھ نہ آیا کہ آگے کیا کہے اور شایان نے آگے بات کرنے کا اشارہ دیا۔

''ام...... آفس میں ہو؟'' زین نے بے ساختہ پوچھا اور شایان نے پھر سے ماتھا پیٹ لیا۔

''اب آفس میں ہی ہو گی نا۔'' شایان نے آہستہ سے کہا۔

"ہاں آفس میں ہی ہوں پر اب نکلنے والی ہوں، کوئی کام ہے تمہیں؟" سارہ نے پوچھا۔

"ا...... ہاں...... یار! وہ دراصل آج رات آفس کے بعد کچھ دوستوں کے ساتھ پلان تھا میرا...... باہر کھانے کا۔" زین رک کر شایان کو دیکھنے لگا۔ شایان نے مزید آگے بات کرنے کا اشارہ دیا۔

"پر وہ کینسل ہو گیا، تو میں سوچ رہا تھا کہ تمہیں پوچھ لوں۔ اگر تم چلنا چاہتی ہو تو۔ ویسے تو زیادہ تر اکیلے ہی کھاتا ہوں پر آج بنا بنایا موڈ خراب ہو گیا۔ تو تم چلو گی؟" زین کی آواز میں گھبراہٹ کا عنصر تھا۔

سارہ یہ سن کر ایک دم خاموش ہو گئی۔ جس چیز کا ڈر تھا آخر وہی ہونے لگا تھا۔ اب کی بار زین کا سامنا کرنا اس کے لئے آسان نہ تھا۔ اس کی آواز میں معصومیت اور دوستوں کے ساتھ آؤٹنگ کے پلان کا بہانا بتا کر سارہ کو باہر چلنے کے لئے پوچھنا، پھر سے اس کے اندر وہی کیفیت کو ہوا دے رہا تھا جسے وہ کب سے دفنا چکی تھی اور اب سب واپس کرنا ناممکن تھا۔

"سارہ! تمہیں آواز آ رہی ہے میری؟" جب کوئی جواب موصول نہیں ہوا تو زین نے متفکر انداز سے پوچھا۔

"ہمم۔ میں سن سکتی ہوں تمہیں۔" سارہ نے قدرے سنجیدگی سے کہا۔

"تھینک گاڈ! تم جب یوں فون پر خاموش ہو جاتی ہو تو مجھے ڈر لگنے لگتا ہے۔ تو...... تم نے بتایا نہیں؟" وہ بے اختیاری میں اپنے خوف کی ایک جھلک اسے دکھا گیا تھا جو ماضی سے جڑی ہوئی تھی۔ پر سارہ نے غور نہیں کیا تھا۔ دماغ کے گھوڑے کسی دوسری سمت جو بھاگ رہے تھے۔

"زین! شکریہ تمہارا پوچھنے کے لئے۔ پر سوری۔ مجھے کچھ کام کرنے ہیں، مصروف ہوں۔ پھر کبھی۔ اللہ حافظ۔" سارہ نے فوراً کال کاٹ دی۔ اس کے جسم میں لرزش ہو رہی تھی۔ بمشکل

خود کو قابو کرتی ہوئی اس نے تمام سامان سمیٹا اور آفس سے نکل گئی۔

''کیا ہوا؟'' شایان نے پوچھا۔

''منع کر دیا۔'' زین لٹکے ہوئے منہ سے موبائل کی سکرین کو دیکھ رہا تھا۔ آواز غمگین تھی۔

شایان نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھا اور اسے حوصلہ دیا۔

''چل کوئی بات نہیں، غم تھوڑا کم ہوا ہوگا ویسے۔'' شایان نے کہا اور زین کے افسردہ چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

''ویسے اس نے کہا کیا؟'' شایان نے پوچھا۔

''کہہ رہی ہے مصروف ہے۔'' زین نے کہا اور موبائل جیب میں ڈال دیا۔

''کوئی بات نہیں آج مصروف ہے کل تو نہیں۔ اب تو دن ہی دن ہیں اور کچھ نہیں بگڑا۔'' شایان نے کہا اور زین شکست محسوس کرتا ہوا خاموشی سے سامان سمیٹتا رہا۔

''چل ہم دونوں کہیں چلتے ہیں، آج میں تجھے کچھ کھلاتا ہوں۔'' شایان نے کہا جیسے اس کے موڈ کو ٹھیک کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔

''نہیں یار، کچھ کام کر کے گھر جاؤں گا۔'' سارہ کی سپاٹ آواز نے اس کے موڈ کا بیڑا غرق کر دیا تھا، دل الگ ڈوبتا جا رہا تھا۔

''کیا کام؟'' شایان نے پوچھا۔

''گھر سے تھوڑا دور ایک سٹور ہے، وہاں سے کچھ چیزیں لینی ہیں، پھر گھر چلا جاؤں گا۔'' زین نے کہا۔

''چل ٹھیک ہے، جیسی تیری مرضی، کل ملتے ہیں۔'' شایان نے کہا۔

☆......☆......☆

وہ ہاتھ میں باسکٹ لیے ہوئے ضروری اشیاء کو تلاش کرتا ہوا ایک سیکشن سے دوسرے سیکشن کی طرف بڑھ رہا تھا۔ یہ اسٹور اس کے گھر سے بے حد قریب تھا اور اکثر یہاں شاپنگ کی غرض سے وہ آتا رہا تھا۔ جب شیمپو کے سیکشن میں داخل ہوا تو اپنے برانڈ کی سیٹنگ پر غور کرنے لگا تھا۔ ایسنز شیمپو ریک سے ہٹا دیا گیا تھا پر اس کے دوسرے پراڈکٹس یہاں موجود تھے۔

''فی الحال جس کمپنی میں میں کام کرتا ہوں وہ مجھ سے اپنا شیمپو بکوا رہی ہے۔''

''ہمم۔اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ تم کسی برانڈ کے مینیجر ہو۔''

''سمارٹ۔''

''ایسی بات نہیں ہے۔تمہارے انٹرسٹ کو مدنظر رکھتے ہوئے بس قیاس لگایا۔''

''جو آن پوائنٹ تھا۔''

یکایک دماغ میں سابقہ واقعے سے متعلق گفتگو بازگشت ہوئی اور اس کے لب کروٹ لے گئے۔

''ہیلو ایلکس۔کیسے ہو؟'' پر اس بار جو آواز پڑی تو وہ جو جھک کر ریک پر سیٹنگ دیکھ رہا تھا اچانک سیدھا ہوا۔

''اوہ...... گھر آ گئے...... ارے واہ...... چلو اب میں تم سے ملنے ضرور آؤں گی۔اوکے۔''

زین کو اس بات کا یقین تھا کہ یہ سارہ کی ہی آواز تھی پر کہاں سے آ رہی تھی یہ سمجھ نہیں آیا تھا۔وہ اچانک گول گھوما۔

''ہاں ہم دونوں مل کر ہیلی کاپٹر سے کھیلیں گے اوکے، اپنا خیال رکھنا بائے۔'' آواز کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔اسے اپنے کانوں پر یقین نہ آیا۔

''کیا میں نے واقعی آواز سنی ہے یا میرے کان بج رہے ہیں؟'' وہ سوچ میں پڑ گیا اور اس

سیکشن سے تیزی سے نکل کر دوسرے سیکشن میں داخل ہوا، پر وہاں ایک دو لوگ ہی تھے جس میں وہ نہیں تھی۔ سٹور اس وقت خالی تھا لہٰذا جو چند لوگ تھے ان کی آوازیں ماحول میں پھیلی ہوئی تھیں۔ اس سے اگلا سیکشن کھلونوں کا تھا۔ زین کو پہلے تو شک ہوا کہ وہ وہاں کیوں ہوگی لیکن شبہ دور کرتا ہوا وہ آگے بڑھا اور جوں ہی داخل ہوا تو ٹھٹک کر وہیں رک گیا۔ سارہ کی پشت اس کی طرف تھی اور وہ مکمل منہمک سی کھلونے ڈھونڈنے میں مگن اس کی موجودگی سے بے خبر تھی۔

اس نے گھٹنوں تک آتی ہوئی جامنی رنگ کی لنن میٹریل کی کُرتی پہنی ہوئی تھی اور نیچے سفید رنگ کا سٹریٹ پاجاما۔ گلے میں سفید رنگ کا کرنکل دوپٹہ مفلر کی طرح پھیلایا ہوا تھا اور سیدھے کندھے پر پرس لٹک رہا تھا۔ گھنیرے بال بڑے سے سیاہ کلپ میں آدھے بندھے ہوئے تھے اور باقی آزادی سے اِدھر اُدھر جھول رہے تھے۔ اس کی لٹ اسے بہت تنگ کیا کرتی تھی۔ وہ جتنی بار اسے کان کے پیچھے کرتی زین بے خود سا ہو جاتا تھا۔ وہ ان کپڑوں میں بہت جچ رہی تھی۔ اس کا ہر روپ زین کو بھایا کرتا تھا۔ وہ جس طرح خود کو کیری کرتی، بہت پرکشش لگتی تھی۔ آج بھی ویسی ہی سادہ اور دلکش سی۔ زین نے آہستہ آہستہ اس کی طرف قدم بڑھائے اور اس کے عقب میں آکر کھڑا ہو گیا۔ اس کا ایک ہاتھ ٹرالی کے ہینڈل پر تھا۔ انگشت نر میں پہنی ہوئی نازک سی انگوٹھی اس کے ہاتھ پر خوبصورت لگ رہی تھی۔ اس کا رخ ریک کی طرف تھا جہاں اس وقت وہ انہماک سے ایک کھلونے کو ٹٹول رہی تھی۔ ناقابلِ یقین تھا زین کے لیے کہ وہ ایک بار پھر اچانک اس کے سامنے تھی۔

”شاید ہم دونوں کا آج ملنا لکھا ہی تھا۔“ اور عقب سے زین کی آواز کانوں میں پڑی تو وہ پہلے تو ساکت ہوئی پھر جب پیچھے مڑ کر دیکھا تو حیرت سے گنگ ہو گئی۔

''السلام علیکم مس سارہ احمد۔'' اس کا ازلی انداز آج بھی نہیں بدلا تھا۔ یا شاید وہ ہمیشہ صرف سارہ ہی کو ایسے مخاطب کرتا تھا۔ پر وہ اس بات سے ناآشنا تھا کہ اب یہ انداز سارہ کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ پیدا کر دیتا تھا۔ جھرجھری سی پورے وجود میں سرایت کر جاتی تھی۔

''ت...... تم یہاں کیا کر رہے ہو؟'' وہ متحیر سی بمشکل پوچھ رہی تھی۔

''ریجیکٹ ہونے کے بعد سوچا گھر کا تھوڑا سامان لے لوں۔'' اور جتنے عام انداز میں زین نے کہا سارہ یکلخت جھینپ سی گئی اور نگاہیں زمین بوس کر دیں البتہ زین کی بات سن کر معمولی سے تبسم نے لبوں کو ضرور چھوا تھا۔ اس کی ادا پر زین مسکرا اٹھا۔ وہ ٹھیک ٹھاک اسے نروس کر رہا تھا۔

''ویسے تمہیں نہیں لگتا کہ تمہاری کھلونوں سے کھیلنے کی عمر اب گزر گئی ہے؟'' زین کے برجستہ کہنے پر سارہ کھل کھلا اٹھی۔

''یہ میرے نہیں ہیں۔'' سارہ نے کہا۔

''چلو اس بہانے تمہیں ہنستا تو دیکھا۔ ویسے کس کے لئے لے رہی ہو اتنے سارے کھلونے؟'' زین نے اس کی ٹرالی پر نگاہ ڈالی جو صرف کھلونوں سے بھری ہوئی تھی۔

''ڈونیشن کی غرض سے لے رہی ہوں۔'' سارہ نے کہا اور زین نے ابرو اچکا کر فخریہ انداز سے دیکھا۔

''اوہ...... زبردست بھئی۔ یہ تو بہت نیک کام ہے۔ ویسے تمہیں یہاں پہلے کبھی نہیں دیکھا۔'' وہ اس اتفاق پر الجھا ضرور تھا۔

''کیونکہ میں یہاں آئی ہی پہلی بار ہوں۔ دراصل یہیں پاس میں ہی گھر ہے میرا۔ حالیہ شفٹ ہوئی ہوں میں۔'' سارہ نے بتایا۔

"جانتا ہوں ثانیہ سے معلوم ہوا تھا مجھے۔ اور تمہاری معلومات میں تھوڑا اور اضافہ کردوں کہ میں تم سے صرف دس منٹ کی دوری پر رہتا ہوں۔" وہ گویا ہوا اور سارہ کو پھر شاک لگا۔

"یعنی اب ایسے اتفاق ہوتے رہیں گے۔ لگتا ہے قدرت بھی ہم پر مہربان ہو رہی ہے۔" یہ بات زین نے دل میں سوچی تھی جبکہ سارہ کے چہرے پر ٹینشن در آئی تھی۔ اس کی دلی کیفیت صرف یہ کہہ رہی تھی کہ اگر اسے معلوم ہوتا کہ وہ شکاگو میں ہے تو وہ یہاں آتی ہی نہیں اور اب تو صرف دس منٹ کی دوری پر تھی۔ وہ سوچتی ہوئی پلٹ گئی اور پھر سے ریکس میں مزید کھلونے دیکھنے لگی پر ذہن مکمل طور پر منتشر ہو گیا تھا۔ اسے ایک دو کھلونے اور سمجھ آئے اور انہیں بھی ٹرالی میں ڈال دیا۔ زین کی نظریں مسلسل سارہ پر ہی تھیں۔ جوں ہی سارہ نے ٹرالی پر سے سر اٹھا کر زین کو دیکھا تو اس کی پیشانی شکن آلود ہوئی۔

"تم ایسے کیوں دیکھ رہے ہو۔" سارہ نے پوچھا۔

"سمجھنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ تم واقعی مصروف تھیں یا بہانا بنا دیا تھا۔" زین نے کہا اور سارہ سراسیمہ سی ہو گئی۔

"سوچا تھا ایک پرانا دوست مل گیا ہے تو اس کے ساتھ ہی کچھ کھا لوں گا۔ پر اب سب اکیلے کرنا پڑے گا۔" زین نے فرضی نالاں انداز میں منہ بسورتے ہوئے کہا اور سارہ اس کی جانب دیکھتے ہوئے پھر نگاہیں چرا گئی۔ وہ آج بھی ویسا ہی تھا۔ جب ناراض ہوتا تھا تو سارہ کا دل مٹھی میں بند کر دیتا تھا اور آج بھی اس کی دلی کیفیت غیر ہو رہی تھی۔ وہ زین کو ٹال کر دو راستوں میں بٹ گئی تھی۔

"سوچ رہا ہوں ایک مرتبہ پھر پوچھ لوں۔ شاید قسمت چمک جائے۔" اس نے ہاتھ اپنی پینٹ کی جیب میں ڈالے ہوئے تھے اور معصومانہ انداز میں الفاظ ادا کر رہا تھا۔ وہ خاموش تھی

اور چہرے پر کوئی تاثر نہ تھا پر اندر ہی اندر اتنی سی دیر میں کتنی جنگیں لڑ گئی تھی جو چہرے پر ظاہر نہ ہو رہی تھیں۔ دل زین کی بات مان جانے پر اکسا رہا تھا جبکہ دماغ دور جانے کا کہہ رہا تھا۔ وہ کس کی سنتی اور کس کی نہیں؟

''تم آج چاہو تو منع کر سکتی ہو، تمہیں فورس نہیں کروں گا۔'' سارہ کے پاس سے مستقل خاموشی اور گھبراہٹ محسوس کرتا ہوا اس نے قدرے نرم لہجے میں کہا تا کہ وہ بے ڈھب نہ محسوس کرے۔ پر اس کی آنکھوں میں اصرار کی جھلک سارہ نے دیکھ لی تھی۔

''ٹھیک ہے۔ چلتے ہیں۔'' بالآخر دماغ کو مات کرتا ہوا دل جیت تو گیا تھا پر وہ فیصلہ کر کے پھر بھی کشمکش میں مبتلا تھی۔ زین کو لے کر اس کے دل میں ہمیشہ سے سافٹ کارنر رہا تھا پھر وہ انسان دل سے خوبصورت تھا۔ انکار کرنا محال ہو گیا تھا۔ اس نے تذبذب ہوتی کیفیت کو ایک طرف کیا اور خود کو دلاسہ دیا۔ اس کے برعکس زین کے دل میں لڈو پھوٹ رہے تھے۔ اس کا بس چلتا تو جھوم اٹھتا پر سارہ کو دیکھتے ہوئے اس نے تاثر نارمل اور عام سا رکھا البتہ آنکھوں میں تشکر کی آمیزش تھی۔

''میں ان سامان کا بل بنوالوں پھر کھانے چلتے ہیں۔'' سارہ نے کہا۔

''محترمہ! یہ آپ کا مجھ پر احسان رہے گا۔'' وہ تو پل پل کے لیے ترس گیا تھا۔ ایسے میں سارہ کے ساتھ ڈنر کرنا سمجھو گوہر غلطان مل گیا ہو۔ وہ دونوں آگے پیچھے لائن میں کھڑے ہو گئے اور سامان خرید کر سٹور سے باہر نکل گئے۔ دونوں نے اپنی اپنی گاڑیوں میں سامان رکھا اور ایک جگہ آ کر اکٹھے ہو گئے۔

''تو کہاں چلنا ہے؟ مجھے ابھی اس علاقے کے بارے میں زیادہ معلومات نہیں۔'' سارہ نے پوچھا۔

"یہاں سے تھوڑی دور کچھ ریسٹورنٹس ہیں، وہاں چل کر دیکھیں؟" زین نے پوچھا۔

"ٹھیک ہے۔" سارہ نے سر کو جنبش دی۔ وہ دونوں اس سٹور سے پیدل چلتے چلے جا رہے تھے۔ تقریباً دس منٹ کا راستہ تھا جسے دونوں نے خاموشی سے طے کیا تھا۔ پر اندر ہی اندر خود سے باتوں میں لگے ہوئے تھے۔ ایک طرف زین اس کشمکش میں تھا کہ سارہ سے کیا بات کرے؟ کیسے بات کرے؟ اس سے پہلے کبھی اسے یہ مرحلہ مشکل نہیں لگتا تھا۔ پر آج وہ جھجک رہا تھا۔ سارہ کی پرسنیلٹی بہت بدل گئی تھی۔ وہ ویسی نہیں رہی تھی جیسے پہلے تھی۔ اس کا ہر انداز و اطوار، طبیعت کا ٹھہراؤ، چہرے کی سنجیدگی اور اس کے کردار کی پختگی اس کی شخصیت کی مضبوطی کو ظاہر کرتا تھا۔

سارہ کا چہرا سپاٹ تھا پر دل مستقل اسے الجھائے جا رہا تھا۔ ساتھ چلتا ہوا شخص اس کی زندگی کا کافی اہم کردار تھا۔ وہ چاہتی تو اسے منع کر سکتی تھی پر اس کے بعد زین کے چہرے پر آئی افسردگی اسے مزید بے چین رکھتی۔

زین اسے لے کر ایک چھوٹے سے ریسٹورنٹ میں چلا گیا تھا جو تھا تو مختصر پر بے حد خوبصورت بنا ہوا تھا۔ ریسٹورنٹ کی آرائش و زیبائش سے معلوم ہوتا تھا جیسے اس کا مالک اینٹیک اور قدیم اشیاء کا ذوق رکھتا ہو۔ خوبصورت اور اینٹیک طرز پر بنی ہوئی گہری بھوری چوکور میزیں تھیں جن کے اوپری سطح پر کارونگ کی ہوئی تھی۔ کرسیاں بھی اسی طرز پر بنائی گئی تھیں۔ چھت سے قطار کی مانند قندیل نما فانوس آویزاں تھے جن کی زرد روشنی کونے کونے تک پھیلی ہوئی تھی۔ گہرے بھورے رنگ کا استعمال بے دریغ کیا گیا تھا۔ دیواروں کو اینٹوں کی شکل میں بنایا گیا تھا۔ جگہ جگہ خوبصورت پینٹنگ دیوار پر آویزاں تھیں۔ وہ جب زین کی تقلید میں داخل ہوئی تو اسے طمانیت کا احساس ہوا۔ دونوں نے کونے کی ٹیبل پر بیٹھنے کا اکتفا کیا تھا

جس کے ساتھ ایل شکل کی لکڑی کی بنی ہوئی بینچ موجود تھی۔

ویٹر نے آرڈر کا پوچھا تو زین نے سارہ سے مشاورت کر کے لکھوا تو لیا پر وہ اس بات پر نالاں تھا کہ سارہ نے صرف ایک سینڈوچ اور جوس کا کہا تھا۔

''کچھ اور تو لو تم۔'' اس نے اصرار کیا۔

''نہیں یہ بالکل ٹھیک ہے۔'' زین نے ویٹر کو جانے کا کہا اور سارہ کی جانب دیکھنے لگا جو ہاتھ باندھے بیٹھی ہوئی اس وقت کے جلدی گزر جانے کی دعاؤں میں مگن تھی۔

''اتنی سی خوراک ہے تمہاری لڑکی! اتنی بڑی ٹیم کو لے کر چل رہی ہو۔ اس کے لیے صرف ذہنی نہیں بلکہ جسمانی طاقت کی بھی ضرورت ہے۔ مختصری خوراک سے کمزور ہی رہوگی۔ خیال رکھا کرو اپنا۔'' وہ اسے ڈپٹ رہا تھا پر سارہ اسے بغور دیکھتی ہوئی یکلخت حیران ہوئی تھی۔

''دونوں میں اتنی مزاجاً مشابہت کیسے ہو سکتی ہے؟'' وہ سوچتی ہوئی یک ٹک زین کو دیکھ رہی تھی جو چٹکی بجا کر سارہ کو محو خیال سے واپس لایا۔

''کہاں کھو گئیں؟'' سارہ چونکی۔

''نہیں کچھ نہیں اور بس میرے لیے اتنا کافی ہے۔'' سارہ نے کہا اور نظریں دوسری طرف کر لیں۔

''خیر ٹھیک ہے محترمہ۔ ویسے تم یہاں پہلے آئی ہو؟'' زین نے پوچھا تو سارہ نے سر نفی میں ہلا دیا۔

''تم نے اچھا کیا اس علاقے میں شفٹ ہو گئیں۔ یہاں سہولت کے لیے ہر چیز قریب ہی موجود ہے۔ بلکہ جس اسٹور پر ہم دونوں ملے تھے۔ میں وہیں سے اکثر گھر کا سامان خرید لیتا ہوں۔'' زین کہہ رہا تھا اور وہ فقط سن رہی تھی۔ اس کے تاثر صاف بتا رہے تھے کہ وہ بادل

نخواستہ زین کے ساتھ چلتی بنی تھی۔ اب بات کا سلسلہ زین کو ہی رکھنا تھا کیونکہ مقابل بالکل چپ سادھ لیے بیٹھا تھا۔

''امم، ایلکس کیسا ہے؟'' زین نے پوچھا۔

''ٹھیک ہے، اب گھر آ گیا ہے۔'' سارہ نے کہا۔

''اچھی بات ہے یہ تو، یعنی اب ٹھیک ہو رہا ہے؟'' زین نے پوچھا اور سارہ یہ سن کر اندر ہی اندر مایوس ہونے لگی۔

''زین۔ ایلکس کو کرانیک لیوکیمیا ہے، یعنی بلڈ کینسر۔'' سارہ نے کہا اور زین یہ سن کر تاسف سے اس بچے کے بارے میں سوچنے لگا۔

''ویسے تو لیوکیمیا قابل شفا ہے پر کرونیک میں چانسز تھوڑے کم ہو جاتے ہیں اور پھر یہ کہ اس کا آخری سٹیج ہے۔'' اس کی آواز آشفتہ ہوئی تھی۔

''اللہ رحم کرے۔ ایسی ایسی بیماریاں ہیں اس دنیا میں۔ پھر جب چھوٹے بچوں کو یہ بیماریاں لگ جائیں تو اور دکھ ہوتا ہے۔'' وہ سارہ کے درد کو محسوس کر سکتا تھا۔

''ہمم۔ پر ایلکس بہت ہمت والا بچہ ہے، ڈیڑھ سال سے تکلیف جھیل رہا ہے پھر بھی مسکراتا رہتا ہے۔'' سارہ نے کہا۔

''اس کے ساتھ صرف اس کی آنٹ ہی ہیں؟'' زین نے مزید پوچھا۔

''ہاں۔ آنٹ گریس۔ بہت اچھی اور ملنسار خاتون ہیں۔ ایلکس کے والدین کی وفات کے بعد وہ ان کے پاس ہی رہا ہے اور پھر گریس نے شادی کا نہیں سوچا۔ جیسے تیسے تھوڑی بہت انویسٹمنٹس ہیں جس سے ان کا گزر بسر ہو جاتا ہے۔ تب ہی وہ پینگ گیسٹ رکھتی ہیں تاکہ کوئی اور انکم کا ذریعہ بن سکے۔'' سارہ نے کہا۔

''اور یقیناً تم ایلکس کا علاج کروا رہی ہوں گی؟'' زین نے پوچھا۔

''علاج کافی مہنگا ہے۔ میں مکمل افورڈ نہیں کر سکتی پر جتنا ہو سکتا ہے اتنی سپورٹ ضرور کرتی ہوں۔'' سارہ نے کہا اور زین نے سارہ کو فخریہ انداز سے دیکھا۔ وہ آج بھی پیسے کی اہمیت نہیں بھولی تھی اور فراخ دل تھی۔ سابقہ حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے اب وہ مالی حیثیت سے بہت بہتر تھی لیکن تکبر چھو کر نہ گزرا تھا بلکہ وہ وقت کے ساتھ ساتھ سخی اور عاجزی وانکساری سے کام لے رہی تھی۔

''تم ڈونیشن وغیرہ کہیں دیتے ہو؟'' اچانک سارہ کو زین کا خیال آیا۔ اگر وہ بھی ساتھ شامل ہو جائے تو ایلکس کے لیے مزید ڈونیشن اکٹھی کی جا سکتی تھیں۔

''ہاں۔'' زین نے معنی خیز مسکراہٹ چہرے پر سجالی۔

''میری تنخواہ کا کچھ حصہ میں ہوپ فنڈ ریزنگ میں دیتا ہوں، پاکستان میں۔'' زین نے کہا۔ سارہ نے پہلے تو سن کر غور نہ کیا پر جس طرح زین اسے مسکرا کر دیکھ رہا تھا، سارہ کو کچھ کچھ یاد آنے لگا۔ وہ متحیر اور الجھی ہوئی سی بینچ سے آگے ہو کر بیٹھ گئی اور حواس باختہ زین کو دیکھنے لگی۔ زین کے چہرے کی مسکراہٹ میں مزید اضافہ ہوا۔

''ک......کیا مطلب؟'' سارہ نے جیسے تیسے الفاظ ادا کیے۔

''وہی جو تم نے سنا۔ تمہارا آئیڈیا تھا نا۔ ہوپ فنڈ ریزنگ۔ ایسا ادارہ جہاں ٹیمز ایسے لوگوں تک پہنچتی ہیں جو ذہنی دباؤ میں آ کر پہلے تو اپنے گھر والوں کو پھر خود کو ختم کرنے کی کوشش کر لیتی ہیں۔ یہ ادارہ انہیں مکمل ضروریات فراہم کرتا ہے۔ ان کے لئے روزی کے راستے ڈھونڈتا ہے۔ پھر ایک اور ٹیم ان لوگوں کی ذہنی اور روحانی رہنمائی کرتی ہے اور انہیں مثبت سوچ کی طرف لے جاتی ہے۔ ظاہر ہے ڈپریشن صرف امیروں کو نہیں بلکہ غریبوں کو بھی تو ہوتا

ہے۔" زین کا کہنا تھا اور سارہ کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئی تھیں۔ اسے زین کی کسی بھی بات پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ اس کا بتایا ہوا آئیڈیا آج حقیقت بن کر سامنے کھڑا تھا۔

"تم جھوٹ کہہ رہے ہو۔" سارہ نے برجستہ کہا۔

"بالکل نہیں میں سچ کہہ رہا ہوں۔" زین نے اپنی پینٹ کی جیب سے موبائل نکالا اور کچھ ڈھونڈنا شروع کر دیا۔

"یہ دیکھو۔" زین نے ایک دو تصویریں موبائل پر نکال کر سارہ کو دکھائیں۔ یہ پوسٹرز کی تصویریں تھیں جس پر اس ادارے کا نام لکھا تھا اور باقی سب تفصیلات موجود تھیں۔ زین نے پوسٹر کو زوم ان کیا اور ایک طرف اشارہ کیا۔ وہاں سب کے نام موجود تھے جنہوں نے مل کر اس ادارے پر کام کیا تھا۔ اور سارہ کا نام تجویز کردہ خیال کے اندر روشن تھا۔

"یہ تم نے بتایا تھا تو پھر تمہارا نام اس پر کیوں نہیں لکھتے۔ تمہیں معلوم ہے ہر سال کتنے لوگ اس ادارے پر ڈونیشنز دیتے ہیں اور اس طرح کتنے لوگ فیض یاب ہو رہے ہیں۔ کتنی لڑکیوں کی شادیاں ممکن ہو گئی ہیں جن کے والدین بیٹیوں کو بوجھ سمجھ کر بیٹھے ہوتے ہیں۔ صرف یہ ہی نہیں بلکہ بچوں کی تعلیم پر بھی کام ہو رہا ہے۔" زین نے ایک لمبا سانس لیا۔

"ایک مکمل ادارہ جہاں مالی اور ذہنی دونوں مقام پر کام کیا جاتا ہے۔" زین سارہ کو مسکرا کر دیکھنے لگا جواب تک بھی ہکا بکا تھی۔

"مجھے یقین نہیں آ رہا۔" وہ اس کے تاثر سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ ویٹر ان کا آرڈر لے کر آ گیا تھا اور کھانا میز پر سجا کر چلا گیا تھا۔ پھر دونوں خاموشی سے کھانا کھانے لگے تھے۔ سارہ کی حیرانی ختم ہونے کا نام نہیں لے رہی تھی اور زین اسے مزید ڈسٹرب نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ دکھانا چاہتا تھا کہ سارہ اس کے لئے کتنی اہمیت رکھتی تھی۔ سارہ کو اندر ہی اندر خوشی بھی محسوس ہو

رہی تھی کہ اس کا دیا گیا آئیڈیا کتنے لوگوں کا سہارا بنا تھا، ساتھ ہی اپنے ہونے کا احساس دلا رہا تھا۔ کیا وہ اس قدر اہم تھی کہ اس کے آئیڈیا کو اتنی قدر دی گئی تھی۔ بہت سے خیالات میں الجھی ہوئی اور زین فقط اسے گاہے بگاہے دیکھتے ہوئے کھانا تناول کرتے رہے تھے۔ جب دونوں فارغ ہوئے تو زین نے بل ادا کر دیا۔

''اب یہ احسان مت اتارنا۔ سمجھ لو میں نے تمہیں دعوت دی تھی اور ویسے بھی پہلے کی بات اور تھی اب پلیز کوئی حساب نہیں۔'' وہ سارہ کی نگاہوں سے مفہوم اخذ کر کے فوراً کہنے لگا اور سارہ نے خاموشی سے اثبات میں سر ہلا دیا۔ وہ دونوں اس ریسٹورنٹ سے نکلے اور پارکنگ لاٹ کی طرف جانے لگے تھے۔

شام کا جھٹ پٹا ہر سو پھیلا ہوا تھا۔ بلند آسمان پر ٹکڑوں میں بکھرے ہوئے روئی مائل بادل پورے فلک پر پھیلے ہوئے تھے اور شفق کی نارنجی شعاعیں ان کے اطراف سے پھوٹتی ہوئی آج کے دن کو خیر باد کہتی ہوئی جا رہی تھیں۔ ہوا میں خنکی کا اضافہ ہوا تھا۔ مارچ کے مہینے کے آخری دن تھے پر رات میں ٹھنڈ کا احساس بڑھ جاتا تھا۔

وہ پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے چل رہا تھا اور بار بار نگاہ سارہ پر چلی جاتی جو اپنی تخیل میں ہاتھ باندھے، نظریں نیچے کیے چل رہی تھی۔ اس کا دماغ اب بھی ہوپ فنڈ ریزنگ کی طرف اٹکا ہوا تھا۔ زین لفظوں کی تمہید میں الجھا ہوا آج اس سے بات کرنا چاہتا تھا۔ اسے معلوم نہیں تھا کہ وقت مناسب ہے یا نہیں پر دل کو کون سمجھاتا۔

''سارہ! میں تم سے کچھ کہنا چاہتا تھا۔'' زین کی آواز سماعت سے گزری تو وہ جو اپنے خیالوں میں کب سے گم چلے جا رہی تھی فوراً حاضر دماغ ہوئی اور اس کی طرف دیکھا۔

''ہمم؟'' سارہ نے ہنکار بھرا۔

”سارہ! میں تم سے معافی مانگنا چاہتا ہوں۔“ وہ سوچتے ہوئے لفظوں کو ناپ تول کر استعمال کر رہا تھا اور یہ سن کر سارہ نے اسے تعجب سے دیکھا۔

”معافی۔کیسی معافی؟“ سارہ نے پوچھا اور زین کچھ دیر خاموش رہا جیسے مناسب الفاظ سوچ رہا ہو۔

”اگر میں تمہیں اس شام فون نہیں کرتا تو تمہارے چہرے پر وہ گہرا زخم نہیں پڑتا۔اور نہ ہی اُن تمام تکلیفوں سے گزرنا پڑتا۔“ زین کے لہجے میں جھجھک تھی پر یہ سن کر سارہ ہر احساس سے عاری نگاہیں نیچے کر گئی۔

”اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں تھا۔ویسے بھی نصیب میں یہ ہی لکھا تھا۔کیوں ماضی کو یاد کر کے دکھی ہو رہے ہو۔اسے جتنا چھیڑو گے اتنے زخم تازہ ہوں گے۔“ اور اس نے عام انداز اپنا کر ناک پر سے مکھی اڑائی تھی جسے دیکھ کر زین کے قدم جامد ہو گئے تھے۔

”پر میں ماضی سے متعلق تم سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔جو ہوا سو ہوا۔اس پر ہمارا کوئی زور نہیں تھا۔لیکن کچھ ایسی ادھوری باتیں ابھی بھی ہیں ہمارے درمیان سارہ۔“ اس نے زین کو ساکن پایا تو خود بھی رک گئی۔

”زین! مجھے نہیں لگتا ہمارے درمیان کوئی بھی بات ادھوری رہی تھی۔جتنی باتیں تھیں وہ میں نے مکمل کر دی تھیں۔“ سارہ نے سپاٹ لہجہ اپنا کر بات کو ختم کرنا چاہا اور زین یہ سب دیکھ کر گمبھیر سنجیدگی میں چلا گیا تھا۔وہ ایک قدم اس کی جانب بڑھا اور آنکھوں میں رنجش لیے اسے دیکھنے لگا۔

”یہ کیسا انصاف ہے؟ تم نے اپنی رائے دے کر گفتگو کا سلسلہ ختم کر دیا اور میری کسی بات کو اہمیت ہی نہیں دے رہی ہو۔سارہ، میں نے تم سے تمہارے آٹھ سال پوچھے اور جان بھی

گیا ہوں کہ کیسے گزرے ہیں۔ پر کیا تم مجھ سے نہیں پوچھوگی کہ میں نے یہ آٹھ سال کیسے گزارے؟" زین کی آواز میں درد تھا جسے سارہ باآسانی محسوس کرسکتی تھی لیکن وہ ہمت سے کام لے رہی تھی۔ اسے ہر حال میں زین کو روکنا تھا۔

"بہت مشکل سے اپنے آٹھ سال سہنے کی طاقت رکھی ہے زین۔ تمہارا ماضی سننے کی ہمت کہاں سے لاؤں؟" سارہ نے سوالیہ نظروں سے زین کو دیکھا۔

"ٹھیک ہے مت سنو۔ پر یہ تو جان لو کہ...... میں آج بھی وہ ہی ہوں جو پہلے تھا۔ میرے اندر جذبات آج بھی ویسے ہی ہیں۔ جیسے پہلے تھے۔ میں نہیں بدلا۔" زین کی آنکھوں میں سرخ ڈورے نمودار ہوئے اور سارہ کی حالت اندر ہی اندر ٹوٹتی جارہی تھی۔

"پر میں بدل گئی ہوں۔" سارہ نے آواز قدرے اونچی کرکے اسے اٹل لہجے میں کہا۔

"آٹھ سال بہت ہوتے ہیں زین۔ وقت بدل جاتا ہے، حالات بدل جاتے ہیں، لوگ بدل جاتے ہیں اور جذبات بھی بدل ہی جاتے ہیں۔ میں وہ نہیں رہی جسے تم جانتے تھے۔" اس کے اندر ویکیوم بنتا جارہا تھا جو اس کی جان کھینچنے کے درپے تھا پر وہ چہرے پر دبا دبا غصہ لیے ہوئے تھی۔ زین کی بھی سمجھ سے بالاتر تھا کہ وہ کس کیفیت سے دوچار ہو رہی تھی۔

"جانتا ہوں تم بدل گئی ہو، پر اصل سارہ کبھی نہیں جاسکتی۔" زین نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

"مر گئی ہے۔" اور سارہ کا سفاک لہجہ زین کو سلگا گیا۔ "جس سارہ کی تلاش تم کررہے ہو وہ مرگئی ہے۔" سارہ کا پارا ایک دم چڑھنے لگا۔ وہ خاموشی سے یہ پل گزار کر آج کی ملاقات ختم کرنا چاہتی تھی پر حالات اس کے حق میں نہ تھے۔

"وہ کبھی مر نہیں سکتی۔" اور زین کے لہجے میں قطعیت سارہ کے لب پیوست کرگئی۔ "تم

صرف اس کا دوسرا رخ ہو جس نے اسے مجھ سے چھپا دیا ہے۔ جیسے پہلے چھپایا تھا۔ اور میں یہ بھی نہیں مانتا کہ تمہارے جذبات بدل گئے ہیں۔ آج بھی تم وہی کر رہی ہو جو پہلے کر رہی تھیں سارہ۔'' نم آنکھیں اور سخت لہجے میں وہ ایسے گویا ہوا کہ سارہ کو اندر تک ہلا گیا۔ پر اب نہیں۔ وہ اب اس پر تسلط نہیں ہو سکتا۔ اسے نہیں پرکھ سکتا۔ اسے سارہ سے دور رہنا ہوگا۔ وہ مزید ان نالاں ہوتی نگاہوں کو نہیں دیکھ سکی۔ اگر ٹھہر جاتی تو ٹوٹ کر بکھر جاتی۔ اس نے نگاہیں ہٹا دیں اور دل کو سخت کر لیا۔

''مجھے اب ان سب باتوں سے کوئی غرض نہیں ہے۔ تمہیں یہ ہی مشورہ دوں گی اپنی دنیا میں واپس چلے جاؤ مجھے دیر ہو رہی ہے۔'' سارہ کہہ کر ایک دم جانے ہی لگی۔

''سارہ!'' اور آج بھی حتیٰ کہ آٹھ سال کا سفر طے کرنے کے بعد بھی وہ زین کی آواز پر بے اختیار رکی تھی۔ وہ چلتا ہوا اس کے راستے میں حائل ہوا۔

''کیسے چلا جاؤں؟ وہ بھی تب جب مجھے معلوم ہے کہ تم اس طرح میرے سامنے کھڑی ہو کہ اب کوئی رکاوٹ نہیں۔''

''رکاوٹیں آج بھی ہیں، ہمیشہ رہیں گی اور سب سے بڑی رکاوٹ یہی ہے کہ اب میں ایسا کچھ نہیں چاہتی۔ تم جس سارہ کو ڈھونڈ رہے ہو وہ کبھی نہیں آ سکتی اور میں تم سے یہی چاہتی ہوں کہ جو رہی سہی دوستی ہے وہ ہی رہنے دو تو بہتر ہے۔ ڈنر کا شکریہ، اللہ حافظ۔'' اور اس کی سفاکی سے کہے گئے الفاظ زین کے قدم جامد کر گئے۔

وہ اسے بے بس اور لاچار چھوڑتی ہوئی اپنی گاڑی کی طرف بھاگی تھی۔ تنفس تیز تھا۔ جان جا رہی تھی۔ اس نے متزلزل ہوتے وجود سے دروازہ کھولا اور اندر بیٹھ کر خود کو بند کر لیا۔ آنکھوں سے تواتر آنسو چھلک پڑے تھے۔ دلی حالت بے بس تھی۔ اسے چیخنا تھا بہت زور سے کہ اس کی

آواز ہر شخص تک پہنچے پر وہ لب نہیں کھول سکتی تھی۔ پل بھر میں چہرا عرق آلود ہوا تھا۔ یہ کیسی آزمائش تھی۔ ایک بار بھی جو کبھی سکون نصیب ہوا ہو۔ جب جب لگتا کہ اب زندگی بہتر ہونے لگی ہے، کچھ نہ کچھ سامنے آجاتا۔ وہ اب ہر طرح سے تھک چکی تھی۔ اس کا موبائل بجنے لگا تھا۔ سارہ نے بمشکل پرس سے موبائل نکال کر دیکھا تو شکاگو ہسپتال سے ریکارڈ کال تھی۔

”آپ کا اگلے ہفتے بارہ بجے ڈاکٹر جیکب کے ساتھ اپاؤنمنٹ ہے، کنفرم کے لئے ایک دبائیں، کینسل کے لئے صفر دبائیں۔“ سارہ نے ایک دبا دیا اور کال ختم ہوگئی۔ دوسری سیٹ پر موبائل پھینکتے ہوئے اس نے خود کو قابو کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ اسے ابھی گاڑی چلا کر گھر تک جو جانا تھا۔

☆......☆......☆

”بہت مشکل ہے زین۔“ شایان نے لمبا سانس لیا۔ وہ اور زین جم میں مختلف ورزش کرنے آئے تھے اور فی الحال دونوں آمنے سامنے پیک ڈیک مشین پر بیٹھے چیسٹ سٹریتھ کی ورزش کر رہے تھے۔

”پوچھ رہا ہے یا بتا رہا ہے؟“ زین نے پوچھا۔

”بتا رہا ہوں۔“ زین نے اسے تمام بات گوش گزار کی تھی جس پر وہ خاصا پریشان ہوا تھا۔

”تیرا شکریہ! تُو نہ بتاتا تو مجھے کیسے پتہ چلتا۔“ زین نے کہا۔ وہ ذہنی طور پر تھکا ہوا محسوس کر رہا تھا اس لیے موڈ کی بحالی کے لئے جم کا رخ کرلیا تھا اور شایان اس کے ساتھ ہولیا تھا۔

”مجھے سمجھ نہیں آرہا کہ وہ ایسا کیوں کر رہی ہے۔“ شایان نے کہا۔

”معلوم نہیں۔ پر مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے وہ مجھ سے کچھ چھپا رہی ہے یا کوئی ایسی بات ہے جو بتا نہیں پا رہی ہے۔“ زین نے کہا۔

”یار زین! دیکھ، میں صرف کہہ رہا ہوں تُو برا مت ماننا۔“ زین نے شایان کی طرف دیکھا۔ وہ دونوں تھوڑی دیر کے لئے رکے تھے۔ ورزش سے سانس پھول رہا تھا۔

”یار! یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ نہ چاہتے ہوئے بھی اسے اپنے سابقہ شوہر سے محبت ہوگئی ہو۔ شاید وہ اس سے طلاق کی توقع نہ کر رہی ہو۔ اور جب سلمان نے طلاق دی تو اسے ایک شاک لگا ہو اور اب مزید ایسے کسی رشتے میں بندھنا نہیں چاہ رہی ہو؟“ شایان کی بات سے اس کے چہرے پر ٹھیک ٹھاک تناؤ آیا تھا۔

”ایسا نہیں ہے۔ میں نہیں مان سکتا۔“ زین کے چہرے پر بدلتے تاثر شایان کو خاموش کرنے کے لیے کافی تھے۔

”ایک بیوی سب برداشت کرسکتی ہے پر اپنے شوہر کے ناجائز تعلقات نہیں۔ یہ ناقابل معافی جرم ہے جو شوہر کو سر سے اتار کر زمین پر پٹختا ہے۔ اور تُو میری پریشانی کم کرنے آیا ہے یا مزید بڑھانے؟“ زین نے طیش سے اسے گھوری دکھائی۔

”یار! میں صرف کہہ رہا ہوں، تو اتنا سنجیدہ مت ہو۔“ شایان نے کہا اور دونوں نے واپس ورزش شروع کردی۔

”کچھ دن پہلے میں نے باتوں باتوں میں ثانیہ سے سارہ کے حوالے سے پوچھا تھا۔“ شایان نے کہا۔

”اچھا، کیا کہہ رہی تھی؟“ زین نے پوچھا۔

”زیادہ کچھ نہیں بس بتا رہی تھی کہ کمپنی میں کافی مضبوط مقام ہے اس کا۔ وہاں ایک دو کولیگ نے اسے اپروچ کرنا چاہا تھا پر اس کے انداز و اطوار نے آگے بڑھنے کی اجازت نہیں دی۔“ وہ کہتے ہوئے مسکرایا تھا پر زین یہ سن کر شاک کے عالم میں مشین پر سے ہاتھ ہٹا گیا۔

”کیا؟ پر ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟“ اسے ٹھیک ٹھاک جھٹکا لگا تھا۔

”زین! کیوں نہیں ہو سکتا۔ سنگل ہے، اکیلی رہتی ہے، تیرے برابر اس کی تنخواہ ہے۔ ایک دو سال میں تجھ سے بھی بڑا گھر لنکن پارک میں لے سکتی ہے۔ ایسی لڑکی کے ساتھ کون رہنا نہیں چاہے گا جو خود مختار اور پُر اعتماد ہو۔“ شایان نے کہا اور زین کا چہرا صرف سوچ کر ہی شعلہ بار ہونے لگا۔

”زین! اس نے ہاں نہیں کہا ہے کسی کو بھی۔ کہہ تو رہا ہوں وہ کسی کو موقع ہی نہیں دیتی۔ فاصلہ رکھتی ہے سب سے۔“ شایان نے اسے سمجھایا۔

”وہ میرے بارے میں بھی یہ ہی نہ سوچتی ہو یار۔ اسے میں بھی ان ہی لڑکوں جیسا نہ لگا ہوں۔“ وہ یکلخت ہی پشیمان سا ہو گیا۔

”ایسا کیوں ہو گا زین! تجھ میں اور ان لڑکوں میں بہت فرق ہے۔ تُو بھی کم نہیں۔ اور ویسے بھی تم دونوں کی کہانی آٹھ سال پہلے سے ہے، کیا وہ یہ نہیں جانتی۔“ شایان نے تحمل سے کہا۔

”مجھے پہلی بار اتنا ڈر لگ رہا ہے۔“ زین نے دھیمے لہجے میں شکستہ ہو کر کہا۔

”سب ٹھیک ہو جائے گا یار، اسے تھوڑا وقت دے۔ ہو سکتا ہے اچانک تجھ سے سامنا کرنے پر وہ خود کچھ ذہنی الجھنوں میں ہو۔“ شایان نے کہا۔

”ہمم۔“ زین نے کہا۔

☆......☆......☆

”ارے سارہ۔“ دروازہ کھلتے ہی سارہ کو سامنے دیکھا تو گریس خوشگوار حیرت سے اس سے گلے ملی تھیں۔

”بتا کر آتیں۔ کچھ بنا لیتی میں تمہارے لئے۔“ گریس نے معانقہ کر کے کہا اور بے حد

گرم جوشی سے اس کا استقبال کیا۔ وہ لگ بھگ پچپن سال کی فربہ مائل خاتون تھیں۔ جن کے ہلکے بھورے رنگ کے بال تھے جو شانوں سے اوپر تھے۔ رنگ عمر کے باعث سرخ ہوگیا تھا۔ ناک پر چشمہ اٹکا رہتا تھا۔ چہرے پر نرم تاثرات تھے اور وہ زیادہ تر ڈھیلی ڈھالی فراکیں زیب تن کیا کرتی تھیں۔

''مجھے ایلکس کو سرپرائز دینا تھا۔'' سارہ نے مسکرا کر کہا۔ وہ گریس کے پاس آ کر سکون محسوس کرتی تھی۔ گریس اسے لے کر کامن ایریا میں آئی تھیں جس کے ساتھ ان کا چھوٹا سا اور بے حد خوبصورت طرز پر بنا ہوا انگلش اسٹائل کا کچن تھا۔

''ہاں! وہ تمہاری توقع کیے بیٹھا ہے۔ یہ سب کیا لے آئی ہو؟'' سارہ کے ہاتھ میں بیگ دیکھ کر گریس نے تعجب سے کہا۔

''ایسے ہی راستے میں اسٹور مل گیا تو گھر کے لیے کچھ سامان لے لیا آپ اور ایلکس کے لیے۔'' سارہ نے کچن میں سفید رنگ کی تختوں سے بنی ہوئی گول میز پر سامان رکھ دیا۔

''تم جب آتی ہو کچھ نہ کچھ لاتی ہو۔ ویسے بھی تو کتنی مدد کر رہی ہو سارہ پھر اب یہ سب؟'' گریس نے نالاں ہو کر کہا تو سارہ نے نرمی سے ان کا ہاتھ تھاما۔

''محبت سمجھ کر قبول کرلیں۔ میرا یہاں اور ہے ہی کون۔'' گریس سن کر خاموش ہوگئیں۔ سارہ کے بعد انہوں نے کوئی پینگ گیسٹ نہیں رکھا تھا۔ ایلکس کی طبیعت کے باعث وہ یہ ذمہ داری نہیں اٹھا سکتی تھیں پھر سارہ نے مالی اعتبار سے ان کی زندگی کافی آسان کردی تھی۔

''سارہ! کیا ہوا ہے؟ تھکی تھکی لگ رہی ہو؟'' سارہ میز کے ساتھ لگی کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی تھی جبکہ گریس کچن میں ایپل پائے بنانے کے لیے اجزاء اکٹھی کر رہی تھیں۔ سارہ کو گریس کے ہاتھ کے بنے ہوئے پائے اور کیکس بے حد پسند تھے اور وہ جب آتی تھی گریس مستعدی

سے پوری خوشی کے ساتھ اس کے لیے بنایا کرتی تھیں۔
"بس کچھ نہیں رات میں تھوڑی کم نیند آئی ہے۔ ایلکس کہاں ہے؟" سارہ نے پوچھا۔
"اسے کل ساری رات بدن میں درد رہا ہے، صبح سویا ہے۔" گریس نے کہا اور سارہ یہ سن کر فکر میں آگئی۔

"آپ نے مجھے کیوں نہیں بتایا؟ میں آجاتی۔" سارہ نے پوچھا۔
"سارہ! دوائی کے سائڈ ایفیکٹس ہیں، یہ تو ہوں گے نا۔" گریس نے تحمل سے کہا۔ انہوں نے ایک پیالے میں میدا اور نمک ڈال کر ملایا اور مکھن ڈال کر مکس کرنے لگیں۔
"ڈاکٹر نے کوئی اہم بات تو نہیں بتائی؟" وہ سارہ کے سوال پر پل بھر کو رکیں پھر عام انداز میں کہنے لگیں۔
"نہیں بس احتیاط بتائی ہے اور دوائیاں سمجھا دیں۔"
"لائیں مجھے دیں آپ فلنگ تیار کرلیں۔" سارہ سر کو جنبش دیتی ہوئی ان کے پاس آگئی اور پیالہ لے لیا۔ اس نے کچھ مہینے ان کے ساتھ رہ کر یہ سب کھانے پکانے سیکھ لیے تھے۔ سارہ نے ہاتھ کی مدد سے مکھن کو میدے میں مکس کیا اور پھر تھوڑا تھوڑا کر کے ٹھنڈا پانی ڈالنے لگی اور آٹا گوندھنے لگی۔
"یہاں آکر تو آرام کرلیتیں۔ اب مجھے بھی کام نہیں کرنے دے رہی ہو۔" گریس نے کہا۔
"آرام کا کیا ہے ہوتا رہتا ہے۔ آپ پر ویسے بھی ایلکس کی ذمہ داری ہے۔" سارہ نے کہا۔ وہ پانی ڈال کر آٹا گوندھے جا رہی تھی جب تک کہ وہ صحیح سے تیار نہیں ہو گیا پھر اسے پلاسٹک کی شیٹ سے ڈھک کر فریج میں رکھ دیا۔
"تم ڈاکٹر جیکب کے پاس جا تو رہی ہونا؟" گریس نے پوچھا۔ انہوں نے دو سیب لے

کر اس کا چھلکا چھیلنا شروع کر دیا۔

"ہاں اس ہفتے جاؤں گی، اپاؤنمنٹ ہے میرا۔" سارہ نے کہا۔

"تمہاری بھی مجھے سمجھ نہیں آتی سارہ۔ میں نے تو کہا تھا تمہیں میرے پاس ہی رک جاؤ پر تمہیں اکیلے رہنا تھا اور اب دیکھو اپنا کیا حال کر لیا ہے تم نے۔ کم از کم اپنا علاج ہی صحیح سے کر لو۔" وہ سارہ کو مزید نحیف سا دیکھ کر تاسف سے کہہ رہی تھیں۔ انہوں نے سیب کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر کے ایک پیالے میں ڈالے اور چینی، میدہ، جائفل اور دار چینی کا پاؤڈر ڈالا۔ پھر لیموں کا رس ڈال کر مکس کیا اور اسے بھی فریج میں رکھ دیا۔

"کر تو رہی ہوں۔" سارہ نے کہا۔ وہ کرسی پر جا بیٹھی تھی۔

"سیشنز تو نہیں لے رہی نا! بس دوائی کھا رہی ہو، اس کا علاج دوائی میں نہیں ہے۔" گریس نے سمجھایا۔

"آپ یہ سب چھوڑیں نا، اور یہاں اور کیا کیا ہو رہا ہے؟" سارہ نے فوراً بات بدل دی اور انہیں دوسری باتوں میں لگا دیا۔ آدھے گھنٹے بعد سارہ نے گوندھا ہوا آٹا فریج سے نکالا اور اس کے دو حصے کر کے روٹی کی شکل دے دی۔ ایک روٹی کو ایک سانچے میں پھیلایا پھر آنٹ گریس نے اس میں سیب کی بنائی ہوئی فِلنگ ڈال دی اور اوپر سے دوسری روٹی رکھ کر سارے کنارے دبا دیے۔ انڈے کی زردی روٹی کے اوپر لگا دی اور کانٹے سے چھید کر کے اوون میں کچھ وقت کے لئے رکھ دیا۔ جیسے جیسے وقت گزرتا گیا پورے کچن میں دار چینی اور ایپل پائے کی خوشبو مہکنے لگی۔

"مجھے بہت مزے کی ایپل پائے کی خوشبو آ رہی ہے، اور ساتھ ہی سارہ کی آواز بھی۔" ایلکس نے کمرے کے اندر سے آواز لگائی۔

”اٹھ گیا۔ چلو تم جاؤ اس کے پاس میں پائے لے کر آتی ہوں۔“ گریس نے مسکرا کر کہا اور سارہ ایلکس کے کمرے میں چلی گئی۔ تھوڑی دیر میں پائے تیار ہو گیا تھا۔ گریس نے گرما گرم سانچا اوون سے نکالا اور اس کے حصے کرنے لگیں۔ پھر دو پلیٹوں میں رکھ کر ایلکس کے کمرے میں لے گئیں اور دونوں کو ایک ایک پلیٹ دے دی۔

”گریس! یہ بہت زیادہ ہے میں اتنا کہاں سے کھاؤں گی؟“ اپنی پلیٹ میں بڑا پیس دیکھ کر سارہ نے کہا۔

”آنٹ گریس! مت کم کیجیے گا۔ سارہ کو کہنے دیں۔ اپنا خیال ہی کہاں رکھتی ہے یہ۔“ ایلکس نے فوراً ٹوکا تو سارہ نے اسے گھوری دکھائی۔

”مجھے ایسے مت دیکھو۔ کھاؤ گی پیو گی تو ہی تو طاقت آئے گی۔“ ایلکس نے کہا اور سارہ ٹکٹکی باندھے اسے دیکھنے لگی۔ کس قدر مماثلت تھی دونوں میں۔ کیا وہ اس لیے ایلکس کی طرف جھکاؤ رکھتی تھی کیونکہ وہ اسے زین کی یاد دلاتا تھا؟ گریس ایلکس سے متفق ہوئیں اور کمرے سے باہر آ گئیں۔ ایلکس بستر پر بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا کر بیٹھا تھا اور سارہ اس کے برابر میں ایک کرسی پر بیٹھی تھی۔ کینسر کے علاج کی وجہ سے ایلکس کے سر کے بال ختم ہو گئے تھے اور وہ وقت کے ساتھ ساتھ بہت کمزور لگتا تھا۔ اس کا چہرے کا دودھیا رنگ پھیکا پڑ گیا تھا اور آنکھوں کے نیچے حلقے نظر آتے تھے۔ پر چہرے پر ہر وقت مسکراہٹ رہتی تھی جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

”اور تمہاری جاب کیسی جا رہی ہے؟“ ایلکس نے پوچھا۔

”اچھی جا رہی ہے۔“ سارہ نے کہا۔

”کیا ہوا تم کو؟ باس پریشان کر رہا ہے؟“ ایلکس نے اس کے چہرے پر تناؤ محسوس کیا تو پوچھ ڈالا۔

”ہاہاہا نہیں، باس پریشان نہیں کررہا، تم نے ہیلی کاپٹر سے کھیلا؟“ سارہ نے پوچھا۔
”ہاں، بہت زیادہ، ہم دونوں کھا کر ساتھ کھیلیں گے۔“ ایلکس نے چمکتی ہوئی آنکھوں سے کہا۔
”ضرور۔ تکلیف بہت ہورہی ہے ناتمہیں؟“ سارہ نے تفکر آمیز انداز میں استفسار کیا۔
”ہاں۔ اب بیماری ایسی ہے تو تکلیف تو ہوگی نا، پرکوئی بات نہیں سب صحیح ہو جائے گا۔“ اس نے عام انداز سے کہہ دیا اور سارہ اس کی ہمت کو داد دیئے بنا نہ رہ سکی۔
”ایسے ہی رہنا ایلکس۔ بیماری سے لڑنے کے لیے پازیٹو ہونا ضروری ہے۔“ سارہ نے کہا۔
”تم بھی کروگی تو تمہارے لیے بھی بہتر ثابت ہوگا۔“ ایلکس نے کہا۔ دونوں باتوں کے ساتھ ساتھ گریس کے بنے ایپل پائے سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔
”اتنا تو آسان نہیں ہے ایلکس، کچھ ایسی چیزیں ہوتی ہیں جن پر ہمارا بس نہیں ہوتا۔“ سارہ نے کہا۔
”تم کو کیا بات تنگ کر رہی ہے۔ پہلے یہ بتاؤ؟“ اس کے برجستہ کہنے پر ایلکس نے اس کی پریشانی اخذ کر کے پوچھا۔
”اگر تمہیں تمہارا کوئی پرانا دوست مل جائے تو تم کیا کروگے۔“ کچھ توقف کے بعد وہ گویا ہوئی۔
”میں جا کر اس سے ملوں گا، پرانی یادیں تازہ کروں گا۔ یہ تو میرے لئے بہت خوشی کی بات ہوگی۔“ ایلکس نے کہا۔
”اور اگر اس دوست سے جڑی ہر یاد تکلیف دے ہو تو؟“ سارہ نے پوچھا۔
”اھم...... تو میں پھر بھی اس سے ملوں گا اور جو کچھ ہمارے بیچ ہوا ہوگا اس کے بارے میں

بات کروں گا تا کہ آگے کوئی ایسی بات رہے ہی نہیں۔ کیوں تم کو کوئی ملا ہے جس سے تمہاری لڑائی ہوئی تھی؟'' ایلکس نے پوچھا اور سارہ نے نظریں نیچے کرلیں۔

''ہم۔ کچھ ایسا ہی سمجھو۔ پر میری اس سے کبھی لڑائی نہیں ہوئی لیکن کچھ ایسے واقعات ہیں جو مجھے تکلیف دیتے ہیں۔'' سارہ نے زیرِ لب کہا۔

''اتنا مت سوچو سارہ! اس دوست سے جا کر ملو اور کچھ ایسے پل بنالو جو پرانے واقعات کو ختم کردیں۔'' ایلکس نے کہا۔ دونوں نے اپنی اپنی خالی پلیٹیں سائڈ میز پر رکھ دیں۔

''مشکل ہے ایلکس۔ نہیں ہو سکے گا ایسا۔'' سارہ کی آواز میں درد کی آمیزش تھی۔

''سارہ۔۔۔ کچھ بھی مشکل نہیں۔۔۔۔ تم کوشش کرو۔۔۔ سب تمہارا دیکھنے کا نظریہ ہے۔ تم جتنا تنگ سوچو گی اتنا ہی خود کو قید محسوس کرو گی۔ مجھے تو خوشی ہوئی سن کر کہ تمہارا کوئی دوست تمہیں مل گیا ہے! بغیر تاخیر کیے تمہیں اس سے ملنا چاہیے اور تمام معاملات حل کر لینے چاہئیں۔'' ایلکس نے کہا۔

''کہنا آسان ہے ایلکس کرنا مشکل۔'' وہ اسے بے حد الجھی ہوئی لگی تھی۔

''سارہ! اگر مشکل کو کہو گی تم نے مجھے ڈرا دیا تو وہ ہر وقت کوئی مانسٹر بن کر تمہیں ڈرائے گی۔ تمہیں تو اس سے کہنا چاہیے کہ تم نے مجھے نہیں ڈرایا۔ اب مجھے ہی دیکھ لو۔ کتنی خطرناک بیماری ہے پر میں ڈرا؟ بالکل نہیں۔ روز صبح اٹھ کر میں اپنی بیماری سے کہتا ہوں تم نے مجھے نہیں ڈرایا۔'' وہ جتنی بہادری سے کہہ رہا تھا، سارہ نے زیرِ لب مسکرا کر اسے دیکھا پر مزید کچھ کہہ نہ پائی۔

''تم پھر چپ ہو گئیں! ایک تو بات کرتے کرتے تم چپ بہت ہو جاتی ہو۔'' ایلکس نے اسے ٹوکا۔

''تمہاری مثبت سوچ کو دیکھتی ہوں۔ کاش میں بھی تمہارے جیسی ہوتی۔ خیر یہ باتیں

چھوڑو۔ آؤ تمہاری کھڑکی سے ہیلی کاپٹر اڑاتے ہیں۔" سارہ نے موضوع بدل دیا اور سائیڈ میز پر رکھا ہیلی کاپٹر لیے اس کے بستر پر دوزانو بیٹھتی ہوئی کھڑکی تک چلی گئی۔ ایلکس بھی اس کے ساتھ ساتھ تھا۔

"میں نے کل اس کی رینج دیکھی تھی۔ کافی زیادہ تھی۔" ایلکس نے پرجوشی سے بتایا۔

"زبردست۔ آؤ تمہاری وہ نک چڑھی پڑوسن کو تنگ کریں۔" سارہ نے مستی سے کہا۔

"کوئی فائدہ نہیں ہے۔" ایلکس نے کہا۔

"کیوں؟" سارہ نے لفظ پر زور دے کر پوچھا۔

"ربیکا کل سے گئی ہوئی ہے اپنی گرینڈ ماں کے ہاں۔ آج رات آئے گی۔ ہم کل تنگ کر سکتے ہیں اسے۔" ایلکس نے کہا۔

"کل؟" سارہ کشمکش میں مبتلا ہوئی۔

"ہاں کل۔ کیوں تم کل نہیں آؤ گی؟" ایلکس نے فوراً پوچھا۔

"پیر کو میٹنگ ہے میری۔" سارہ نے اس کی آنکھوں میں یکلخت اداسی دیکھی تھی۔ بالکل ویسی اداسی اور ناراضگی جو وہ زین کی آنکھوں میں دیکھا کرتی تھی جس کے بعد اس کے پاس پیچھے ہٹنے کا آپشن بچتا ہی نہیں تھا۔

"میں کل صبح سارا کام جلدی کر کے آجاؤں گی۔" سارہ نے رسان سے ایلکس سے کہا۔

"تم نہیں آؤ گی۔" وہ بے تحاشا اداس ہوا تھا۔

"میں وعدہ کرتی ہوں آؤں گی ایلکس۔" سارہ نے قطعیت بھرے لہجے میں کہا۔

"تم نے وعدہ کیا ہے۔ اب توڑ نہیں سکتیں۔ معلوم ہے نا۔" ایلکس نے ہلکی ہلکی چمک آنکھوں میں لیے کہا۔

”ہاں! مجھے معلوم ہے۔“ اور سارہ کی بات سن کر وہ کھلکھلا اٹھا تھا۔

☆......☆......☆

”اور تمہارا پروجیکٹ کیسا جا رہا ہے؟“ ارم نے پوچھا۔ زین نے ایک کان میں بلوٹوتھ لگایا ہوا تھا اور گھر سے نکل کر دروازہ لاک کر رہا تھا۔ یہاں آج اتوار کی صبح کے دس بج رہے تھے تو پاکستان میں اتوار کی رات کے نو بج رہے تھے۔

”جی اچھا جا رہا ہے۔ جیسے ہی اجزاء سے متعلق کام ہو جائے گا۔ ہم کیمپین شروع کر دیں گے۔“ زین نے کہا۔ وہ سیڑھیاں اتر کر پاتھ پر پیدل چلتا ہوا جا رہا تھا۔

”چلو اچھی بات ہے، اللہ تمہیں کامیاب کرے۔“ ارم نے کہا۔

”آمین! بس آپ دعا کریں، تھوڑا مشکل ہے لیکن اس کام میں بھی مزہ ہے۔ آپ کا کام کیسا جا رہا ہے؟“ زین نے پوچھا۔

”شکر ہے اللہ کا۔ بس بیٹا تم تو جانتے ہو میرے کام کی نوعیت۔ تم نے وہ کیس پڑھا تھا جو فیس بک گروپ پر شیئر ہوا تھا۔ میرا تو پڑھ کر دل ہی دہل گیا۔“ ارم نے کہا۔

”ہاں وہ ایک لڑکی کی والدہ نے جو مدد کی اپیل کی تھی؟“ زین نے پوچھا۔

”ہاں بیٹا۔ ان کا کیس میں خود دیکھ رہی ہوں۔ لڑکی یہی کوئی چوبیس پچیس سال کی ہے پر سسرال کی اور شوہر کی گھریلو زیادتی کی وجہ سے اس کے دماغ پر بہت گہرا اثر ہوا ہے۔ ڈاکٹر مقصود اس بچی کا علاج کر رہے ہیں اور مجھے انہوں نے خود اس کے پرسنل سیشنز لینے کو کہا ہے۔“ ارم نے کہا۔ آواز میں مایوسی تھی۔

”ہمم۔ اچھی بات ہے آپ کر رہی ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ انشاء اللہ وہ لڑکی بھی جلد ٹھیک ہو جائے گی۔“ زین نے کہا۔

”ہم۔ کیا زمانہ آ گیا ہے، نہ مرد عورت کو جینے دیتا ہے اور نہ عورت مرد کو۔ ایک دوسرے کی زندگیاں مشکل بنانے میں لگے ہوئے ہیں۔“ ارم نے کہا۔

”واقعی مام صحیح کہہ رہی ہیں، آپ ریلیکس رہیں اور زیادہ ٹینشن نہیں لیں، سب ٹھیک ہو جائے گا۔“ زین نے کہا۔ وہ چلتا چلتا اپنے علاقے سے نکل گیا تھا اور پاس ہی دکانوں سے گزر رہا تھا۔

”خیر تم سناؤ شایان اور ثانیہ کیسے ہیں؟“ ارم نے پوچھا۔

”ٹھیک ہیں دونوں، شام میں ملنے جاؤں گا، ابھی تھوڑے کام ہیں وہ نپٹا لوں۔“ زین نے کہا۔

”اچھا؟ اتوار کو بھی کام ہیں۔ ابھی جا کہاں رہے ہو تم ویسے؟“ ارم نے پوچھا۔

”ابھی تو بس ایک کوفی شاپ جاؤں گا وہاں سے کوفی اور سینڈوچ لے کر پاس ہی سٹور میں ایک دو کام ہیں۔“ زین نے کہا۔ اس کے آس پاس رش مناسب تھا۔ وہ پھولوں کی دکان، چھوٹے ریسٹورنٹ سب سے گزرتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔

”ناشتہ گھر پر کرو، یہ کیا باہر کر رہے ہو۔“ ارم نے ٹوکا۔

”مام! یہاں سب کا یہ ہی معمول ہوتا ہے، اور ویسے بھی روز خود بناتا ہوں آج باہر کرنے کو دل چاہ رہا ہے، ٹائم بھی کم تھا۔“ زین نے کہا۔

”تب ہی تو کہتی ہوں شادی کر لو! پر تمہیں سمجھ ہی کہاں آتا ہے۔“ اور ارم نے موقع دیکھ کر پھر آڑے ہاتھوں لیا۔ آواز میں کہیں نہ کہیں شکوہ تھا۔

”یعنی شادی میں اس لیے کروں کہ صبح صبح گرم گرم ناشتہ مل جائے؟ آپ بھی حد کرتی ہیں۔“

”اور نہیں تو کیا۔ محترم زین سرور صاحب! آپ میرے سپوت ہیں اور آپ کی والدہ

ماجدہ اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ آپ کو اپنے کام کرنے میں کس قدر دستی ہوتی ہے۔ وہ تو بیرون ملک میں رہ کر مجبوری کے تحت آپ کرتے ہیں ورنہ یہاں میرا اور عبدل کا دماغ کھایا ہوتا تھا۔" ارم کے انداز پر وہ ہنسنے لگا۔

"کیوں کیا میں کچھ غلط کہہ رہی ہوں؟" زین کے قہقہے سن کر ارم نے پوچھا۔

"بالکل نہیں مام، آپ کیسے غلط ہو سکتی ہیں۔ پر فی الحال گزارش ہے پھر سے یہ ٹاپک مت چھیڑیں اور خدارا پلیز کسی لڑکی کی تصویر مت بھیجئے گا، شادی ہو جائے گی جب ہونی ہوگی۔" زین نے کہا اور ارم وہاں دوسری طرف اپنے بیٹے کی باتوں پر حیرت سے مسکرانے لگیں۔

"واہ بھئی۔ زین! میں نے آج بدلاؤ دیکھا، کل تک تو کہہ رہے تھے کرنی ہی نہیں ہے اور آج فیصلے میں لچک ہے۔" ارم نے کہا اور زین چلتا چلتا رک گیا۔ ہونٹوں پر تبسم بکھری ہوئی تھی۔

"جی۔ آپ بس دعا کریں کہ جیسا میں چاہ رہا ہوں ویسا ہو جائے۔" زین نے کہا۔ آواز میں سنجیدگی جھلکنے لگی تھی اور آنکھوں میں امید کی کرن جاگی تھی۔ ارم یہ سن کر تھوڑا حیران ہوئیں۔

"زین؟ یہ کیا کہہ رہے ہو، تم واقعی اس حوالے سے کچھ سوچ رہے ہو؟ اچھا یہ تو بتاؤ کون ہے؟" ارم کو تجسس ہوا۔

"سب بتا دوں گا مام، پہلے مجھے تو کچھ کرنے دیں۔" زین نے کہا۔

"زین پلیز نا بتاؤ تو۔ کہیں کوئی انگریز تو نہیں؟" ارم نے پوچھا۔

"کیوں آپ کو انگریز سے مسئلہ ہے؟" زین نے شرارت کی۔

"مسئلہ تو نہیں ہے پر تمہارے بچے مجھے گرینڈ ماں بولیں گے وہ بہت بڑا لگے گا مجھے زین۔" ارم نے کہا اور زین ہنس پڑا۔

"مام! عمر ہوگئی ہے آپ کی۔" زین نے کہا۔

''اچھا اب بتا رہے ہو یا میں غصے میں آ کر فون بند کر دوں۔'' ارم کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوا اور زین تھوڑی دیر کے لئے خاموش ہو گیا۔

''بس یوں سمجھ لیں مام۔ ایک پرانی کہانی تھی جو ختم نہیں ہوئی۔ صرف تھوڑے وقت کے لئے رک گئی تھی۔'' گمبھیر سنجیدگی میں نکلے گئے الفاظ ارم کو متحیر کر گئے۔

''کیا مطلب ہے تمہارا؟'' ارم نے پوچھا۔

''مام! میں اپنی زندگی کا سب سے بڑا چیلنج نہیں ہارا۔ دراصل ابھی اس کا فیصلہ ہونا باقی ہے۔ ایک موقع اور ملا ہے۔ دعا کریں کہ حق میں بہترین ہو۔'' زین نے کہا۔

''تم یہ کیا کہہ رہے ہو؟'' ارم ایک دم شاک میں آ گئی تھیں۔

''سب بتاؤں گا آپ کو مام۔ مجھے تھوڑا وقت دیں۔ چلیں کیفے آ گیا ہے میں رکھتا ہوں اپنا خیال رکھیئے گا۔ اللہ حافظ۔'' زین نے بلوٹوتھ بند کر دیا اور موبائل پر کچھ کام کرتا ہوا اندر داخل ہو گیا۔ دوسری طرف ارم نے موبائل ایک طرف رکھا اور وہیں بستر پر محویت میں بیٹھی رہیں۔

یہ چھوٹا سا کیفے تھا جس میں داخل ہوتے ہی دائیں جانب پر کاؤنٹر بنا تھا جہاں کوفی اور جوسز کے ساتھ ساتھ کھانے پینے کی اشیاء بھی فروخت ہو رہی تھیں۔ خاصا رش لگا ہوا تھا۔ پلیٹوں کی ٹر ٹر، چمچوں کی ٹن ٹن، کوفی کی مہک اور لوگوں کی آواز سب کچھ فضا میں مخلوط ہو رہی تھی۔ اور مستقل کیشئر مشین کی آواز بھی ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔ چھوٹی سی لائن کاؤنٹر کے ساتھ لگی ہوئی تھی جس میں زین بھی آ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ وہ مستقل اپنے موبائل پر لگا ہوا اپنی جاب کے حوالے سے کام کر رہا تھا۔ تھوڑی دیر میں ہی اس کی باری آ گئی تھی۔ اس نے جیب میں موبائل ڈالا اور سامنے مینیو دیکھنے لگا۔ پھر کوفی کا ایک بڑا کپ اور ویجی ٹیبل ایگ سینڈوچ آرڈر دے دیا۔ کیشئر مشین کے پاس کھڑی لڑکی نے آرڈر نوٹ کر کے مستعدی سے کوفی مشین

کا بٹن دبایا اور پلیٹ نکال کر سینڈوچ مائیکرو ویو میں گرم کرنے لگی۔ جب تک وہ زین کا آرڈر تیار کرتی رہی، وہ آس پاس دیکھنے لگا۔ کیفے میں اس وقت تمام سیٹیں بھری تھیں۔ بیٹھنے کی جگہ موجود نہیں تھی۔ اس نے دیوار سے لگی کھڑکی کے شیشے سے آر پار دیکھا شاید کوئی میز خالی مل جائے۔ پر اچانک نظر پڑنے پر وہ ٹھٹک گیا۔ یہ کیفے سڑک کے کونے پر تھا۔ جہاں سے زین داخل ہوا تھا اس کی دوسری طرف موجود میزوں پر سے ایک پر اسے سارہ دکھائی دی۔ اسے اپنی نظر پر پہلے تو شبہ ہوا پر آنکھیں جب رگڑ کر واپس دیکھا تو تصدیق ہو گئی۔

''ایک کام کریں دو کوفی کر دیں پلیز۔'' زین نے کہا اور دوسری بار اتفاق پر مسکرا اٹھا۔ قدرت بھی اس پر مہربان تھی۔ سارہ جب سے اس کے علاقے میں شفٹ ہوئی تھی اسے ہر جگہ مل جایا کرتی تھی۔

''جی سر۔'' لڑکی نے کہا اور زین کا آرڈر اسے لا کر دے دیا۔ زین نے بل ادا کر دیا اور سارہ کی جانب بڑھ گیا۔ وہ مستقل اپنے لیپ ٹاپ پر نظریں جمائے کام میں مصروف تھی۔ آج پھر سے وہی اونچی پونی بنی ہوئی تھی اور لباس بھی ویسا ہی تھا جیسے اب وہ روز پہنتی تھی یا تو پینٹس، سٹریٹ پاجاما یا جینز جس پر گھٹنے تک آتی ہوئی مختلف رنگوں کی شرٹس یا پھر کرتیاں اور دوپٹہ ہر بار مفلر کی طرح شانوں پر پھیلایا ہوتا تھا۔ زین نے دیکھا اس کے لیپ ٹاپ کے ساتھ ایک مگ موجود تھا جو کہ خالی تھا۔ اس نے پرس اپنے پیروں کے پاس رکھا ہوا تھا اور ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر وہ منہمک سی کام کر رہی تھی۔

''السلام علیکم مس سارہ احمد، کیسی ہیں آپ؟'' زین اس کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔ سارہ نے فوراً چہرا اس کی جانب کیا اور دیکھ کر ایک بار پھر حیران ہو گئی۔ زین نے دونوں کوفی کے کپ رکھے اور اس کے برعکس جو کرسی تھی اس پر بیٹھ گیا۔

''یا تو تم مجھے دو سال تک ملی نہیں۔ یا پھر اب ہر دوسرے تیسرے دن نظر آ جاتی ہو۔ خوش قسمتی ہے میری۔'' زین نے کہا اور وہ حواس باختہ اسے دیکھتی رہی۔

''اور میری بدقسمتی کہ اس علاقے میں آ گئی۔'' سارہ نے دل ہی دل میں خود کو کوسا۔

''وعلیکم السلام۔'' فقط سلام کا جواب دیتی ہوئی وہ پھر لیپ ٹاپ پر کام کرنے لگ گئی تھی۔

''یہ لو کوفی لایا ہوں تمہارے لیئے۔'' زین نے کوفی کا کپ اس کی طرف کیا۔

''شکریہ! میں ویسے بھی دوسرا کپ پینے کے لئے اٹھ ہی رہی تھی۔'' سارہ نے کہا۔ اس کی نگاہیں سکرین پر ہی ٹکی ہوئی تھیں۔

''کیا کر رہی ہو؟ کافی مصروف معلوم ہوتی ہو۔'' زین نے پوچھا۔ اس نے سینڈوچ کھولا اور کھانا شروع کر دیا۔

''مارچ کا مہینہ ختم ہو گیا ہے زین اور ماہانہ فائنینشل اپ ڈیٹ کے لیے میٹنگ منعقد ہوتی ہے۔ جو کل ہے۔ اس کی ہی تیاری کر رہی ہوں۔'' سارہ نے سنجیدگی سے جواب دے دیا اور گرما گرم کوفی پینا شروع کر دی۔ حالانکہ کافی کی حدت اس کی برداشت سے باہر تھی پھر بھی زبان جلانا اسے بہتر آپشن لگ رہا تھا۔

''ہمم...... صحیح۔'' زین نے کہا اور خاموش ہو گیا۔ آگے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کیا کہے۔ سارہ نے ایک بار بھی زین کی طرف نہیں دیکھا تھا۔ وہ تیزی سے ہاتھ چلاتی ہوئی کام کرنے لگی اور کوفی پیتی گئی۔ زین کا بھانپ اڑاتا ہوا مگ تو ابھی تک ویسا کا ویسا تھا۔ پر سارہ کی جیسے ہی کافی ختم ہوئی وہیں اس نے لیپ ٹاپ کی سکرین بند کی اور کرسی سے اٹھ کر کیس میں لیپ ٹاپ ڈالنے لگی۔

''کہاں جا رہی ہو؟'' اس کی عجلت کو دیکھتا ہوا زین نے پوچھا۔

”میں کام کرنے آئی تھی جواب ختم ہو گیا ہے۔“ سارہ نے کہا۔

”ہاں ٹھیک ہے پر میں ابھی بیٹھا ہوں، اور میرا خیال ہے کہ یہ محفل کے آداب کے خلاف ہے کہ آپ ایسے ہی اٹھ کر چلی جائیں۔“ زین نے کہا۔

”زین! میں نے تمہیں یہاں بیٹھنے کو نہیں کہا تھا۔ تم خود بیٹھے تھے، میرا مقصد یہاں صرف کام مکمل کرنا تھا جو ہو گیا ہے اور اب مجھے جانا ہے۔“ سارہ نے سنجیدگی سے سخت لہجے میں دو ٹوک بات کر دی جسے سن کر زین خود بھی گرم ہونے لگا اور اٹھ کر اس کے مقابل آ گیا۔

”اب تم مجھ سے بھی اس ہی لہجے میں بات کرو گی جیسے سب سے کرتی ہو۔ مجھے لگا تھا کہ شاید میں تمہارے لئے دوسروں سے الگ ہوں گا۔“ زین نے کہا۔ لہجہ سرد تھا۔ سارہ نے بھرپور ہمت کے ساتھ اسے دیکھا۔

”زین! میرا ایک ہی لہجہ ہے۔ پھر چاہے وہ تم ہو یا کوئی اور میں ایسے ہی بات کرتی ہوں، اگر تمہیں پسند نہیں تو بہتر یہ ہی ہے کہ ہم دونوں نہ ملیں۔“ وہ بھاگنے کو پَر تول رہی تھی پر راستے میں کھڑے زین نے اسے شاکی نظروں سے دیکھا۔

”سارہ! تمہیں ہماری دوستی کا کوئی پل یاد نہیں؟ کیا تم سب بھول گئی ہو؟“ وہ شکایت کر رہا تھا۔

”سب یاد ہے زین۔ پر اگر تم دوستی کی حد تک رہ کر بات کرتے تو مجھے ویسا ہی پاتے۔ پر تم بار بار مجھے اسی نہج پر لا کر کھڑا کرتے ہو جو میرے لیے برے خواب کے علاوہ کچھ نہیں! ایلکس سے وعدہ کیا تھا جلدی آؤں گی لہٰذا وقت نہیں۔ اللہ حافظ۔“ سارہ نے سرد و سپاٹ انداز میں بات ختم کی اور تیزی سے چلتی ہوئی کیفے سے باہر نکل گئی۔

”جن حسین پلوں کو یاد کر کے میں نے آٹھ سال گزار دیئے وہ تمہارے لیے خوفناک خواب بن چکے ہیں۔ خوب سارہ بہت خوب۔“ وہ اس کی پشت کو گھور کر خود کلام ہوا اور شدید

اشتعال محسوس کرنے لگا۔

اس کی گاڑی سامنے ہی سڑک پر پارک تھی جس میں وہ فوراً بیٹھی اور گاڑی سٹارٹ کر کے چلی گئی۔ اتنی مشکل سے جو آنسو روکے ہوئے تھے اب تیزی سے گال پر بہنا شروع ہو گئے۔ اس نے کبھی نہ سوچا تھا کہ زندگی میں ایسا وقت بھی آئے گا جب اسے اپنے سب سے اچھے دوست سے ایسا برتاؤ رکھنا تھا۔ پر وہ مجبور تھی، اپنے حالات پر اور دوری کرنے کے لیے اس سے بہتر راستہ اور کوئی نہ تھا کہ وہ اپنے اور زین کے درمیان ایسی کڑواہٹ ڈال دے جو کبھی نہ ٹھیک ہو سکے۔

☆......☆......☆

''آنٹ ریچل بار بار بلاتی ہیں۔ میں نے آنٹ گریس سے کہا کہ مجھے نہیں جانا ان کا بیٹا میرا دماغ خراب کر دیتا ہے تو بھی مجھے زبردستی لے کر جا رہی ہیں۔ کہتی ہیں کہ وہ تمہارے لیے فکر مند ہیں اس لیے تمہارا موڈ بحال کرنے کے لیے تمہیں اپنے پاس بلا رہی ہیں۔ پر میں کیوں جاؤں۔ فون پر بات کر تو لی تھی میں نے۔ سارہ! تم آنٹ گریس سے بات کرو۔ مجھے نہیں جانا۔ اب جو نہیں پسند تو نہیں پسند، کیوں کیا میں کچھ غلط کہہ رہا ہوں؟'' وہ جھیل کی طرف نگاہیں کیے ہوئے ہتھیلی میں کچھ کنکر جو اس نے اکٹھے کیے تھے ایک ایک کر کے مار رہا تھا اور کہے جا رہا تھا۔ کنکر ٹھہرے ہوئے پانی کی سطح پر جوں ہی لگتا تو ہلکی سی لہر پیدا ہو جاتی۔ ایلکس نے کہتے ہوئے سارہ کی جانب دیکھا جو اس کے پاس بیٹھی ہوئی تو تھی پر دماغی طور پر مکمل غائب تھی۔ اس کی نگاہیں جھیل کی طرف ٹھہری ہوئی تھیں اور چہرا پُر الم تھا۔

''سارہ؟''

''ہ......ہاں......ت......تم کچھ کہہ رہے تھے؟''

ایلکس اس کے پاس چلتا ہوا آیا۔ اس کے چہرے کے سامنے ہاتھ لہرا کر اپنی جانب جب متوجہ کیا تو وہ پل بھر کو چونک گئی تھی۔

''میں تو کب سے بہت کچھ کہہ رہا ہوں۔ پر تم نے لگتا ہے کچھ سنا نہیں۔'' وہ لبوں پر تبسم سجائے کہہ رہا تھا۔ سارہ کی غائب دماغی سے خوب واقف تھا۔

''سوری۔ میں نے دھیان نہیں دیا۔'' سارہ اپنی حالت پر غور کرتی ہوئی سراسیمہ ہوگئی۔ زین سے کیفے کے باہر ملنے کے بعد اب اوسان بھی بند ہو گئے تھے اور حواس الگ مختل تھے۔

''کوئی بات نہیں۔ ویسے میں سوری کرتا ہوں۔ تمہاری مصروفیت سے تمہیں زبردستی کہہ دیا آنے کو۔'' ایلکس اس کے پاس بیٹھ گیا۔

''ایسی بات نہیں ہے۔ کام تو میں نے صبح کر لیا تھا۔'' وہ مرجھائی ہوئی تھکی سی لگ رہی تھی۔ ایلکس نے کچھ دیر اسے بغور دیکھا۔ وہ انتہا سے زیادہ پریشان لگ رہی تھی۔ جیسے اسے کوئی چیز بہت تنگ کر رہی ہو۔ جس نے اس کا سکون برباد کر دیا ہو۔

''تمہارے اس دوست کا کیا ہوا؟'' ایلکس نے پوچھا۔

''کچھ نہیں۔'' سارہ نے نظریں چرا کر دوسری طرف دیکھنے پر اکتفا کیا۔

''لگتا ہے تمہارا بہت قریبی دوست ہے۔''

''ایسا کیوں کہہ رہے ہو؟'' سارہ نے اسے تعجب سے دیکھا۔

''تم بے چین رہنے لگی ہو جو پہلے کم از کم اتنا نہیں تھیں۔ تم اس سے بات کرو۔ سب معاملات ٹھیک کر و نا۔ لے کر بیٹھو گی تو بات بگڑ جائے گی سارہ۔'' ایلکس نے کہا۔

''کیا بات کروں؟ وہ نہیں مانے گا۔ انتہائی درجے کا ضدی انسان ہے۔ بالکل تمہاری طرح۔'' سارہ کی بات سن کر ایلکس ہنسنے لگا۔

”اچھا؟ تب ہی کہوں اتنا اہم کیوں ہے۔ اب میرے جیسا ہوگا تو تمہارا سچا اور اچھا دوست ہوگا۔“ ایلکس نے کہا پر سارہ نے کوئی جواب نہ دیا بس اسے خاموشی سے دیکھتی رہی۔

”اچھے دوست قسمت والوں کو ملتے ہیں۔ تمہیں بھی قدر کرنی چاہیے۔ کچھ اس کی سنو کچھ اپنی کہو۔ اکیلے خود ہی فیصلے لینے سے بات خراب ہوتی ہے۔“ ایلکس نے بردباری سے کہا اور سارہ اسے حیرت سے آنکھیں واکیے دیکھنے لگی تھی۔

”کبھی کبھی میں سوچتی ہوں...... کہ تمہاری عمر کو لے کر گریس کو دھوکا ہوا ہے۔ یا تمہارے اندر ایک بزرگ کی روح بسی ہے جو تمہاری عمر سے بھی اتنی بڑی بڑی باتیں کرتا ہے۔“ سارہ نے اس کے گال کھینچ ڈالے۔

”ہاہاہا! وہ صحیح کہتے ہیں ناشکل پر مت جاؤ۔“ ایلکس کی بات پر وہ مسکرا اٹھی تھی۔

کچھ دیر پارک میں مزید بیٹھ کر وہ دونوں اس ارادے سے اٹھے کہ آئس کریم کھا کر گھر کی طرف لوٹیں گے۔

☆......☆......☆

پراسرار سا اندھیرا اس کے وجود کو اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے تھا۔ چاند کی نیلگوں روشنی سے کمرہ کچھ کچھ واضح ہو رہا تھا۔ وہ اکثر رات کو سوتے وقت کھڑکی سے بلائنڈ نصف ہٹا دیا کرتی تھی۔ ہیبت ناک خاموشی میں اس کا تیز چلتا تنفس ارتعاش پیدا کر رہا تھا۔ اے سی کی خنکی سے کمرا تو ٹھنڈا تھا پر اس کا چہرا عرق آلود ہو گیا تھا۔ وہ چت لیٹی ہوئی بے سدھ تھی گویا بستر مرگ پر سوئی ہوئی ہو۔

فرق صرف اتنا تھا کہ اس کا سانس چل رہا تھا اور بند پپوٹوں میں آنکھوں کی پتلیاں تیز تیز حرکت کر رہی تھیں۔ ماضی سے جڑے واقعات کی خوفناک شکل اس کے خواب پر چھائی ہوئی

تھی۔ وہ دم سادھے کھڑی دو پرُ شفیق چہروں کو دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھیں تو نم تھیں پر وہ یک ٹک ایک ہی انداز سے دونوں چہروں کو یکے بعد دیگرے دیکھ رہی تھی۔ اس کے ساکن وجود میں حرکت تب ہوئی جب اسے روبینہ اور جہانگیر دور جاتے دکھائی دینے لگے تھے۔

''مجھے...... مجھے بھی اپنے ساتھ لے چلیں۔'' ان کی جھلک ہوا میں تحلیل ہوتی دکھائی دی اور سارہ دیوانہ واران کے پیچھے بھاگنے لگی۔

''مت جائیں۔ میں کیا کروں گی یہاں۔ کیسے رہوں گی۔ مجھے بھی ساتھ لے جائیں۔ مت جائیں۔'' وہ چیختی ہوئی ان کی جانب بھاگ رہی تھی جو مکمل طور پر غائب ہو گئے تھے۔

''نہیں...... نہیں مت جائیں پلیز! مجھے ساتھ لے جائیں۔'' جب منظر بالکل صاف ہوا تو اس کے قدم رک گئے۔ ہاتھ بڑھا کر وہ انہیں تھامنے کی کوشش کر رہی تھی جو سامنے تھے ہی نہیں۔ خالی ہاتھ واپس لوٹے اور اسے اچانک اپنا وجود کھنچتا ہوا محسوس ہوا۔ کوئی انجان طاقت اسے وحشی درندے کی طرح جھاڑیوں میں گھسیٹ رہی تھی۔

''چھوڑو میرا ہاتھ، چھوڑو۔'' شکل صاف نہیں تھی پر اسے اپنا آپ کھنچتا ہوا لگ رہا تھا۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ اس کی حالت ابتر تھی۔ کپڑے ملگجے سے ہو گئے تھے۔ چہرا مٹی سے میلا ہو گیا تھا۔

''آجاؤ...... آجاؤ سب بس چلنے لگی ہے۔'' یکا یک اس نے آواز سنی۔

''جلدی سب آجاؤ بس جا رہی ہے۔'' کنڈکٹر کی آواز اس کے کانوں میں پڑ رہی تھی۔

''منزل...... منزل چھوٹ جائے گی۔ میری منزل چھوٹ جائے گی۔'' وہ جہاں تھی وہیں رک گئی تھی۔ اب کوئی درندہ اسے لے کر نہیں جا رہا تھا۔ سارہ کا دھیان یہاں سے ہٹ کر بس کی طرف ہو گیا تھا۔ وہ جیسے تیسے خود کو سنبھالتی ہوئی اٹھی تھی کہ سلمان کو سامنے پا کر اس کی

سانس تک اٹک گئی۔ کانوں میں کھناکھن کرتی چوڑیوں نے خوف اس کے اندر تک سرایت کیا تھا۔ سلمان اسے ٹکٹکی باندھے دیکھ رہا تھا۔

''تم نے مجھے دھوکا دیا۔ میں نے اپنا آپ بدل ڈالا تھا سلمان۔'' سارہ اس کے سینے پر ہاتھ مار کر دہائی دے رہی تھی پر وہ خباثت سے اسے دیکھے جا رہا تھا۔

''تم عاشی جیسی کبھی ہو ہی نہیں سکتیں۔'' اس کے الفاظ تیر کی مانند دل میں پیوست ہوئے تھے۔ ایک چنچل سی لڑکی کھنکھناتی چوڑیوں اور ہنسی کے جلترنگ کی آواز کے ساتھ سلمان کے پاس جا رکی۔ سارہ شعلہ بار آنکھوں سے اس لڑکی کو دیکھتی رہی پھر یکایک اس نے پوری قوت سے عاشی کے منہ پر تھپڑ دے مارا۔ پر اس جسارت پر سلمان نے اسے زوردار دھکا دیا اور وہ زمین پر جا گری۔

''تمہاری یہ جرأت...... میں تمہیں طلاق دیتا ہوں۔''

''سلمان میں کہاں جاؤں گی۔ مت کریں ایسا۔ سلمان! ماموں مامی...... مجھے بچائیں۔ میں کہاں جاؤں گی۔ ماموں......'' وہ حلق کے بل چیخ رہی تھی۔ اس کا وجود زخموں سے بھر گیا تھا۔ حواس شل تھے۔ اوسان خطا ہو رہے تھے۔ دل آپے سے باہر تھا۔

''ہاہاہا۔'' وہ چیخ رہی تھی کہ اسے ہنسنے کی آواز سنائی دی۔

''ماموں...... مامی۔'' اس نے ہنسنے کی آواز کو نظر انداز کیا اور پھر چلانا شروع کر دیا۔ یکایک منظر تبدیل ہو گیا۔ اس نے خود کو ایک آئینے کے سامنے پایا تھا۔ پر جس سارہ کا عکس وہ دیکھ رہی تھی۔ یہ وہ سارہ نہیں تھی۔

''ہاہاہا۔ کیوں بلا رہی ہو انہیں۔ تم نے تو دونوں کو مار دیا۔'' اور جو سفاکی سے وہ گویا ہوئی سارہ کی آنکھوں میں وحشت اترنے لگی۔

”ن……نہیں، میں نے نہیں مارا۔ ان دونوں کا بس سے ایکسیڈنٹ ہوا تھا۔“ وہ ڈری ہوئی کپکپاتی آواز میں اپنے عکس سے مخاطب تھی جس کے چہرے پر ذرا جو رحم ہوتا۔

”کیوں دھوکہ دے رہی ہو خود کو سارہ۔ تم نے اپنے مما بابا کو بھی مار دیا اور ماموں مامی کو بھی۔“ عکس نے پھر اسے بھٹکانا شروع کیا۔

”ن……نہیں، میں نے کسی کو نہیں مارا۔ میں ایسا کر ہی نہیں سکتی۔“ وہ زور زور سے گردن نفی میں ہلا رہی تھی۔ اس کے اردگرد کئی ہنسنے کی آوازیں گونجنے لگی تھیں۔ کئی چہرے جنہوں نے زندگی میں اس کا تمسخر بنایا تھا یکے بعد دیگرے اس کے آس پاس گردش کر رہے تھے۔ وہ سہمی ہوئی ادھر ادھر ان ہیبت ناک شکلوں کو دیکھ رہی تھی جنہوں نے اس کی زندگی کو بری طرح متاثر کیا تھا۔ اس کی حالت ناساز ہو رہی تھی۔ اس کا اپنا عکس شاطرانہ مسکراہٹ لیے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ ان گردش کرتی ہوئی تضحیک آمیز آوازوں کو روکنا چاہتی تھی۔ چکر کاٹتی ہوئی آوازیں سنتی اس نے اپنے کان زور سے بند کر دیئے اور آنکھیں بھینچ لیں تاکہ سب بند ہو جائے۔ سب کچھ غائب ہو جائے۔

”سارہ؟“ اس شائستہ لہجے میں محبت کی چاشنی سے بھری ہوئی آواز نے سارہ کے خوف کو کچھ حد تک دور کیا تھا۔ جوں ہی اس نے آنکھیں کھولیں تو آئینے میں زین کے عکس کو پایا۔ وہ بغور اس لڑکی کو مسکرا کر دیکھ رہا تھا۔ سارہ بے یقینی کے عالم میں اس کے عکس پر ہاتھ پھیرنے لگی تھی۔ وہ ماضی کا سب سے انمول قصہ تھا جسے دفنا کر بھی آج تک غم زدہ تھی۔

”یہ کیا کر رہی ہو۔“ یکایک اس آواز پر دبک کر وہ پیچھے ہوئی۔

”اسے بھی مار دو گی؟“ آئینے میں بسا عکس اسے ملامت کر رہا تھا۔

”ن……نہیں……میں نے کسی کو نہیں مارا۔“ اس کا پورا وجود متزلزل تھا۔

"اچھا......اور ایلکس کا کیا؟ اس کی بیماری بھی تمہاری وجہ سے ہوئی۔"

"نہیں، ایسا نہیں ہے۔ وہ پہلے سے بیمار تھا۔ میں نے اسے اس مرض میں مبتلا نہیں کیا۔"

"تم کیوں نہیں سمجھتی سارہ کہ ہر تباہی کی وجہ تم ہو۔ ماما، بابا چل بسے۔ ماموں، مامی تمہاری وجہ سے گزر گئے۔ شاہ زیب کو تم نے بھٹکا دیا۔ سلمان کو طلاق پر اکسایا۔ ایلکس کی زندگی اجیرن کر دی اور اب زین کو بھی ختم کرنا چاہتی ہو۔"

"نہیں یہ سب جھوٹ ہے میں نے کچھ نہیں کیا۔" وہ چیخ چیخ کر اپنی صفائی پیش کر رہی تھی پر بے رحم عکس کسی بات پر قائل نہ ہوا۔

"سارہ! آجاؤ میرا ہاتھ پکڑو۔ اسے مت سنو۔" اسے ایلکس کی آواز سنائی دی۔ وہ وحشت سے ادھر ادھر پلٹ کر دیکھنے لگی۔ پر وہاں کوئی نہیں تھا۔ صرف امید دلاتی ہوئی ایک آواز تھی پر کہاں سے آرہی تھی۔

"گھبراؤ نہیں سب ٹھیک ہو جائے گا۔ آجاؤ میرے ساتھ۔ میرے ساتھ چلو۔"

"ایلکس! تم کہاں ہو؟ میں کہاں جاؤں۔" وہ ہذیانی حالت میں یہاں وہاں دیکھ رہی تھی۔ پر ایلکس کہیں نہیں تھا۔

"سارہ۔" اس پُر اسراری آواز نے سارہ کے اندر پھر ٹھہراؤ پیدا کیا۔ وہ سانس روکے اس آواز کو سننے لگی۔

"سارہ! تمہارے علاوہ میں نے کبھی کسی سے اظہار محبت نہیں کیا۔" اسے زین کہیں نہیں دکھا تھا۔ یہ آواز اس کے دل سے آرہی تھی اور انجانے خوف میں مبتلا کر رہی تھی۔ کھو جانے کا خوف۔

"کیا کر رہی ہو تم؟" پر سب پر اس کا پُر خطر عکس حاوی ہوا اور اپنے تسلط میں تمام آوازیں بند کر گیا۔

”میں نے کچھ نہیں کیا۔“ سارہ گھبرائی ہوئی کہہ رہی تھی۔

”اپنی حالت دیکھو سارہ، کیوں زندگی برباد کر رہی ہو اس کی۔ تم اس کے لائق ہی نہیں ہو۔“ اس کا عکس چیخ رہا تھا جب کہ وہ خود حال سے بے حال تھی۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔

”تمہیں خوشیاں راس نہیں آتیں۔ تم کسی کا ساتھ نہیں دے سکتیں۔ تمہارے لیے صرف اور صرف تنہائی ہے۔“

”میں کیا کروں مجھے بتاؤ؟“ اس نے سہم کر پوچھا۔

”بھاگ جاؤں یہاں سے، دور چلی جاؤ اس سے، تم اس کے قابل نہیں ہو۔ تم اسے بھی مار دو گی۔“

”میں چلی جاؤں گی، میں چلی جاؤں گی۔ میں اسے کھونا نہیں چاہتی۔ میں اسے نقصان نہیں پہنچانا چاہتی۔“ سارہ کا سر چکرانے لگا۔

”دیکھ لیا تم نے، تمہارے لئے محبت نہیں ہے سارہ، ہر فرد تم سے دور بھاگا ہے، تم کیا کسی کو خوشی دو گی۔ میری بات مانو تو ابھی خود کو ختم کر دو۔“ اس کا عکس چلا اٹھا۔

”کیا...... ختم کر دوں؟“ سارہ حواس باختہ اپنے عکس کو دیکھ رہی تھی۔

”ہاں! جب تم ہی نہیں رہو گی تو سب اچھا ہو جائے گا۔ کوئی بھی تمہاری وجہ سے مصیبت کا شکار نہ ہوگا۔ ختم کر دو خود کو سارہ۔“

”ختم کر دوں؟“ اسے اپنی آواز کھائی سے آتی ہوئی لگی۔ وہ دم بخودسی بے اختیاری میں چلتی چلی گئی۔ اور خود کو ایک گہرے اندھیرے میں پایا۔ یکا یک دروازہ بند ہونے کی آواز آئی اور وہ اپنا وجود گرتا ہوا دیکھنے لگی۔ اندھیرے تلے اندھیرا۔

"مجھے مت مارو۔ مجھے مت مار......" وہ بڑبڑا رہی تھی پر سکت ختم ہوتی جا رہی تھی اس کے جسم میں تمام طاقت ختم ہو رہی تھی۔ ایک سایہ سا اسے ویکیوم کی طرف لے جا رہا تھا جہاں اسے موت دکھائی دے رہی تھی۔

کھٹ کھٹ کرتی دروازے پر دستک اس کے کانوں پر پڑی تھی۔ پر وہ بے ہوشی کی حالت میں اٹھنے سے قاصر تھی۔ آسیب جیسا سایہ اسے اپنی لپیٹ میں لے رہا تھا۔ وہ مستقل بڑبڑا رہی تھی پر ساکت، بے حرکت پڑی تھی۔ اسے اٹھنا تھا۔ اس نیند کے زور کو توڑنا تھا جو اسے موت کی طرف لے جا رہا تھا۔ یہ خطرناک خواب اسے بار بار مرنے پر مجبور کر دیتا تھا۔ بستر پر لیٹے ہوئے اس کے بے سدھ وجود میں جنبش ہونے لگی تھی۔ وہ تمام تکالیف خود پر محسوس کرتی ہوئی کمفرٹر کو مٹھی میں جکڑنے لگی تھی۔ پر اس کی آنکھیں بند تھیں۔ جیسے قفل لگ گیا ہو۔ اسے کمرے میں موجود ٹک ٹک کرتی گھڑی کی سوئیوں کی آواز آ رہی تھی۔ پر وہ گردن نہیں گھما سکتی تھی۔

"یا اللہ!" یکایک اس کے اندر سرایت کرتی ہوئی قوت نے نیند کا زور توڑا۔ وہ چیختی ہوئی ایک دم سے اٹھی تھی۔ دل حلق سے باہر آنے کو تھا۔ وہ مکمل پسینے میں شرابور تھی۔ اس نے معمول کے مطابق بائیں طرف رکھا ہوا تکیہ اٹھا کر منہ پر رکھ دیا اور زور زور سے چیخنے لگی تھی۔ اس تکلیف کو کیسے کم کرتی؟ اپنی فلک شگاف چیخوں کو وہ تکیے میں جذب کر رہی تھی۔ خوف اور وحشت سے اس کا حال برا تھا۔ وہ زاروقطار رو رہی تھی۔

"وہ مجھے مار ڈالے گی۔" اس نے کپکپاتے لفظوں سے وحشت زدہ آنکھیں لیے کہا۔

"وہ مار دے گی مجھے...... وہ مار دے گی...... وہ مار دے گی۔" اس نے لرزش ہوتے ہوئے بیڈ کراؤن سے جیسے تیسے ٹیک لگائی۔ کمفرٹر جو اس کے اوپر تھا۔ اس نے پورا سمیٹ کر اپنے اردگرد لپیٹ لیا۔ وہ ٹھٹھر رہی تھی ڈر سے۔ خوف سے کانپ رہی تھی۔ اس کی سونی

آنکھوں میں اس قدر درد تھا کہ صرف رات کے اس پہر اگر کوئی موجود ہوتا تو اصل سارہ کی حالت کا اندازہ لگا سکتا تھا۔ وہ کتنی دیر وہیں بیٹھی ہوئی بڑبڑائے جا رہی تھی۔

☆......☆......☆

پیر کے دن فائینینس ڈیپارٹمنٹ میں میٹنگ کا آغاز ہو گیا تھا۔ سب میٹنگ روم میں بیٹھے سابقہ مہینے کے جو جو ٹارگٹ تھے اس کے حوالے سے چیف فائنانس مینجر ڈیرک سب سے اپ ڈیٹ لے رہے تھے۔ پے رولز، دو مہینے کی بیلنس شیٹس، انکم سٹیٹمنٹ اور دیگر دوسرے ضروری موضوع پر بحث مباحثہ ہو رہے تھے۔ وہ بھرپور اعتمادی سے میٹنگ لے کر چل رہی تھی اور ڈیرک کے ساتھ ساتھ باقی مینجر اور اسسٹنٹ جو اس میٹنگ روم میں موجود تھے انہماک سے اسے سن رہے تھے۔ تقریباً آدھا گھنٹہ میٹنگ چلی تھی جس کے بعد لنچ بریک شروع ہو گیا۔ سب باری باری کر کے لنچ روم چلے گئے تھے۔ چند لمحہ گزرے تھے جب سارہ کیفے سے نکل آئی اور اپنے ڈیپارٹمنٹ میں جا کر اپنی نشست سنبھال کر لیپ ٹاپ پر کام کرنے لگی پر آج دماغ کسی چیز پر توجہ نہیں دے پا رہا تھا۔ وہ ذہن کو حاضر رکھ کر اگلے ٹاسک پر کام کرنا چاہتی تھی پر آج طبیعت ساتھ نہیں دے رہی تھی۔ وہ دیکھ تو اسکرین کو رہی تھی پر تحت لاشعور اسے حاضر سے غافل کر رہا تھا۔

دوسری طرف......

”ارے شایان! تم نے اپنی نئی گاڑی مجھے نہیں دکھائی یار۔“ بریٹ نے کہا۔ ان کے آفس میں بھی لنچ ٹائم تھا اور ویک، شایان اور بریٹ کھانا تناول کر کے اب ایک ساتھ بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔

”چلو آفس کے بعد دکھاتا ہوں، نیا موڈل لیا ہے۔“ شایان نے کہا۔

''اپنی بیوی کو چلانے دیتے ہو نیا موڈل؟'' ویویک نے پوچھا۔

''ہاں ثانیہ چلا لیتی ہے، کیوں تمہاری بیوی کیا کرتی ہے۔'' شایان نے شوخ لہجے سے کہا۔

''مت پوچھ! ابھی دو دن پہلے ٹکٹ مل گیا ہے۔ پچھلے مہینے بھی ملا تھا اور تو اور ایک دو بار سکریچ بھی پڑ گیا گاڑی پر۔ اس چکر میں نئی گاڑی نہیں لیتا میں اس کے لئے۔'' ویویک نے جیسے اپنا غم رویا تھا۔

''یار! ایسی بات کر رہے ہو تو یہاں بھی حال وہی ہے۔ ابھی دو دن پہلے گیراج کا دروازہ پورا کھلا نہیں تھا اور میڈم نے گاڑی پیچھے کر دی۔ سارا بمپر پیچھے سے خراب ہو گیا۔'' بریٹ نے اپنا رونا رویا۔

''یار! ثانیہ کا بھی یہی حال ہے ویسے اچھی گاڑی چلا لیتی ہے پر پھر بھی میں اس سے گڑبڑ کی توقع رکھتا ہوں۔ اس کا مطلب یہ بات ثابت ہو گئی بیوی جہاں کہیں کی بھی ہو، ہوتی ایک ہی جیسی ہے ہاہاہا۔'' شایان نے کہا اور تینوں ہنس پڑے۔

''یار زین! نہیں آیا نا آج لنچ روم میں؟'' ویویک نے متلاشی نگاہ سے دیکھا۔

''ہاں، صحیح کہہ رہے ہو، پتہ نہیں کیوں نہیں آیا۔'' شایان کو ایک دم دھیان میں آیا۔

''پروجیکٹ میں مصروف ہوگا، بات ہوئی تھی صبح اس سے میری، ریسرچ ڈیپارٹمنٹ نے اجزاء کے متعلق کافی کام کر لیا ہے۔ وہ شاید بیٹھا ہوا اس کی مارکیٹنگ سوچ رہا ہوگا۔'' بریٹ نے کہا۔

''پھر بھی لنچ نہیں چھوڑ سکتا۔ چلو میں دیکھتا ہوں جا کر، بعد میں ملتے ہیں۔'' شایان نے کہا اور لنچ روم سے باہر چلا گیا۔

''زین میرا ایک ہی لہجہ ہے۔ پھر چاہے وہ تم ہو یا کوئی اور میں ایسے ہی بات کرتی ہوں،

اگر تمہیں پسند نہیں تو بہتر یہی ہے کہ ہم دونوں نہ ملیں۔‘‘

وہ اپنے کمرے میں کرسی سے ٹیک لگائے، آنکھیں موندے کل ہونے والے واقعے کو سوچ رہا تھا۔ چہرے پر سنجیدگی طاری تھی۔

’’اگر تم دوستی کی حد تک رہ کر بات کرتے تو مجھے ویسا ہی پاتے۔ پر تم بار بار مجھے اسی نہج پر لا کر کھڑا کرتے ہو جو میرے لیے برے خواب کے علاوہ کچھ نہیں۔‘‘ سارہ کے الفاظ اس قدر تکلیف دہ تھے کہ اس کی طیش سے کن پٹی کی رگ پھڑک رہی تھی۔ وہ اسے سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ آخر سارہ ایسا کیوں کر رہی تھی۔ جیسے ہی شایان نے دروازہ کھولا اس نے اپنی آنکھیں وا کیں۔ شایان اسے یوں دیکھ کر پریشان ہو گیا۔

’’کیا ہوا تجھے، لنچ پر بھی نہیں آیا؟‘‘ شایان نے کہا۔ وہ اس کے پاس آ کر میز کے ساتھ رکھی کرسی پر بیٹھ گیا۔

’’کچھ نہیں۔‘‘ زین نے چڑے ہوئے تیوروں سے کہا۔ وہ اب ٹیک ہٹا کر سیدھے ہو کر بیٹھ گیا تھا۔

’’کیا بات ہے زین؟ یقیناً تو پروجیکٹ کو لے کر تو پریشان نہیں ہے پھر اور کیا وجہ ہے؟‘‘ شایان نے کہا اور زین نے شایان کی طرف معنی خیزی سے دیکھ کر سرد سانس کھینچی۔

’’سارہ؟‘‘ شایان نے پوچھا اور زین نے نگاہیں نیچے میز پر پلینر کی طرف کر لیں۔ آج وہ شدید اشتعال میں تھا اور بمشکل اپنا غصہ روکے ہوئے تھا۔

’’کیا ہو گیا ہے زین، کچھ تو بول؟‘‘ شایان نے اصرار کیا۔

’’میں نے فیصلہ کر لیا ہے۔‘‘ زین نے کہا۔

’’کیسا فیصلہ؟‘‘ شایان نے استفسار کیا۔

’’میں سارہ کے آفس جا رہا ہوں۔‘‘ زین نے کہا۔

’’پر کیوں؟‘‘ شایان نے پوچھا۔

’’اس سے پوچھنے۔ شایان مجھے سمجھ نہیں آ رہا وہ ایسا کیوں کر رہی ہے۔ پوری رات گزر گئی یہ ہی سوچتے سوچتے کہ مجھ سے ایسی کیا خطا ہو گئی کہ وہ اتنی بے رخی دکھا رہی ہے مجھے۔‘‘ زین بھڑکنے لگا۔

’’کچھ ہوا ہے کیا تم دونوں کے بیچ؟‘‘ شایان نے پوچھا۔

’’اب تک کچھ ٹھیک سے ہوا ہی کہاں ہے۔ ڈھنگ سے بات نہیں کرتی، سامنے آتا ہوں تو ایسی ہو جاتی ہے جیسے میں اس کے لئے کوئی اجنبی ہوں۔ اسے کیسے سمجھاؤں کہ آٹھ سال میں نے کیسے گزارے۔ اگر یہی دن مجھے دیکھنا تھا تو کیا ہی اچھا ہوتا وہ واپس نہ آتی۔ کم از کم اچھا خاصا جی تو رہا تھا میں۔ اب مکمل بے چین کر دیا ہے اس نے مجھے۔‘‘ زین نے بے بسی سے کہا اور شایان اسے خاموشی سے دیکھتا رہا۔

’’یار! تُو کوئی ایسا ویسا قدم مت اٹھا لینا جو تیرے اور اس کے درمیان تناؤ کا سبب بن جائے۔‘‘ شایان نے سمجھایا۔

’’پہلے ہی اتنا تناؤ ہے۔ کتنی بار کوشش کر چکا ہوں میں پر وہ کسی صورت مجھ سے ٹھیک سے بات ہی نہیں کرنا چاہتی۔ تُو مجھے بتا اگر تُو میرے جگہ ہوتا تو کیا کرتا؟‘‘ زین نے پوچھا اور شایان نے لمبا سانس لیا۔

’’وہی کرتا جو تُو کر رہا ہے۔‘‘

سوچ کی کوئی انتہا نہیں اور جب اس پر ماضی سے جڑے واقعات حاوی ہو جائیں تو انسان یادوں کی ایسی گہرائی میں ڈوب جاتا ہے کہ اپنے ارد گرد سے بے گانہ ہو جاتا ہے۔ اس کی

آنکھوں کے سامنے روشن لیپ ٹاپ کی اسکرین اس کے چہرے کو منور کر رہی تھی۔ پر اس کا دماغ اسے آٹھ سال کے سفر پر لے گیا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے حاضر معدوم ہوا اور دماغ میں چلتی ہوئی فلم نے اپنا ڈیرا آنکھوں پر جما لیا۔

آٹھ سال پہلے:

حویلی نما گھر اندرون سندھ میں واقع تھا جہاں وہ فاروق اور زینت کے ہمراہ پہنچی تھی۔ بشیر اور ان کی زوجہ زمرد نے ان لوگوں کا پرتپاک استقبال کیا تھا۔ ان کے ساتھ چند قریبی رشتے دار بھی شامل تھے جو شادی میں مدعو کیے گئے تھے۔ وقت کی کمی کے باعث فاروق سب کو شریک نہیں کر سکتے تھے پر فون پر سب کو شادی کے حوالے سے مطلع ضرور کر دیا تھا۔ بشیر اپنے علاقے کے جانے مانے زمین دار تھے اور ان کا اکلوتا سپوت سلمان تھا جس کے ساتھ سارہ کی شادی طے پا گئی تھی۔ شادی سے دو دن قبل یہ لوگ پہنچے تھے۔ تمام تیاریوں کی ذمہ داری خود بشیر نے اٹھائی تھیں۔ بدلے میں فاروق سے صرف سارہ کا ہاتھ مانگا تھا جس سے فاروق کے وارے نیارے ہو گئے تھے۔ انہیں اپنی جیب سے کچھ خرچ کرنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ بقول بشیر کے فاروق کا احسان وہ کسی طرح تو اتارتے اور بشیر کی جانب سے اس قدر عزت افزائی پر وہ ساتویں آسمان پر پہنچ گئے تھے۔

خوب آؤ بھگت ہوئی تھی ان مہمانوں کی جو شادی میں شریک تھے۔ پر بشیر کی طرف سے بھی لوگوں کی گہما گہمی دیکھنے میں نہیں آئی تھی۔ حالانکہ زینت نے کافی مہمانوں کی توقع کی تھی پر یہ سوچ کر کہ شاید خاندان ہی مختصر ہو گا وہ خاموش رہی تھیں۔ شادی کے دن تک سارہ کو وقتاً فوقتاً سمجھاتی رہی تھیں جو چپ سادھے انہیں سنتی رہی پر بدلے میں کچھ نہ کہتی تھی۔ اس کا دل پتھر کی مانند ہو گیا تھا۔ سوچنا سمجھنا اس نے چھوڑ دیا تھا۔ سوال کرتی تھی نہ کسی شے کی خواہش۔

جس طرح چل رہا تھا وہ اسی طرح سب کرتی جارہی تھی۔ گویا سانس لیتا وجود جس میں جذبات واحساسات کو بے دردی سے ختم کر دیا گیا تھا۔ محبت کا ماتم البتہ اس کے جسم کا روم روم کرتا تھا۔ کبھی جو بھٹک کر خیال زین کی جانب جاتا تو آنکھیں بھر آتیں پر وہ ہر یاد کو بھلانے میں کوشاں تھی۔ کیونکہ اب سوچنا محض گناہ تھا۔

وہ سرخ جوڑے میں مناسب میک اپ کیے پیاری لگ رہی تھی۔ مہندی کا رنگ گہرا تھا جو شادی سے ایک دن قبل اس کے ہاتھوں پر لگائی تھی۔ سڈول کلائی سنہری اور لال رنگ کی چوڑیوں سے آراستہ تھی۔ اسے ایک کمرے میں بٹھا دیا گیا تھا جہاں چند خواتین اس کے اردگرد موجود تھیں۔ زینت برابر میں بیٹھی مسلسل دعائیں پڑھ پڑھ کر سارہ پر دم کر رہی تھیں۔ ان کے دل کا ایک بڑا حصہ ان سے الگ جو ہو رہا تھا۔ سرخ گھونگھٹ کے اندر اس کی ایک ہی جانب ٹکٹکی باندھے آنکھوں میں کئی خیالات گھوم رہے تھے۔ اسے روبینہ اور جہانگیر کی یاد ستائے جا رہی تھی۔ اگر آج وہ ہوتے تو ان کے کیا جذبات ہوتے؟ پر اگر وہ ہوتے تو کیا سارہ اس مقام پر ہوتی؟

''سارہ! اجازت لینے آرہے ہیں۔'' وہ محو خیال تھی جب زینت نے اسے اطلاع دی تھی کہ وہ تیار ہو جائے۔

فاروق دو گواہان سمیت داخل ہوئے تھے۔ ساتھ ہی چند اور مرد حضرات بھی ان کے ہمراہ تھے۔ سارہ صوفے پر موجود تھی اور اس کے ایک طرف فاروق بیٹھ گئے تھے۔ فرطِ محبت سے زینت نے سارہ کو بغل گیر کر لیا تھا۔ وہ اس کی دلی کیفیت سے واقف تھیں اور اسے اپنی موجودگی سے بتانا چاہتی تھیں کہ وہ اکیلی نہیں ہے۔

''جی بیٹا سارہ ولد جہانگیر احمد! کیا آپ کو جناب سلمان ولد شیخ محمد بشیر سے حق مہر میں

ہزار روپے سکہ رائج الوقت نکاح میں قبول ہیں؟'' اجازت کے لیے فاروق نے آواز بلند کر کے اس سے پوچھا تا کہ کمرے میں موجود تمام لوگ بھی با آسانی سن سکیں۔ البتہ دو گواہان کان لگائے بیٹھے سارہ کے جواب کے منتظر تھے۔

''ہاں، ہم دونوں میں شاید شروع سے ہی لڑائی ہوئی اس لیے تمہارا میرے بارے میں بھی وہی خیال ہے جو باقی سب کے بارے میں ہے۔ تو اب اس کو بدلنے کے لیے ایک نئی شروعات کرتے ہیں۔ السلام علیکم میرا نام زین سرور ہے، اور تمہارا؟''

''قبول ہے۔'' اور خیالات کا زور توڑتی ہوئی اس کی درد بھری آواز ابھری تھی۔

''بیٹا سارہ! کیا آپ کو یہ نکاح قبول ہے؟'' فاروق نے دہرایا۔

''یا تو تم واقف نہیں ہو اور اگر اب ہوگئی ہو تو چھپا رہی ہو پر تم جتنا چھپا لو سارہ، تمہاری آنکھوں سے مجھے تمہارے دل تک رسائی حاصل ہے۔''

''قبول ہے۔'' سارہ نے کہا۔ اس بار آواز روہانسی ہوئی تھی۔

''بیٹا سارہ! کیا آپ کو یہ نکاح قبول ہے؟'' فاروق نے تیسری بار پوچھا۔

''میں نے اپنی زندگی میں کبھی کسی سے اظہارِ محبت نہیں کیا ہے لیکن آج کرنا چاہتا ہوں۔ سارہ! میں......''

''قبول ہے۔'' اور عزیز کو دفنا کر تین دن کے سوگ کی اجازت تو خود اسلام دیتا ہے۔ آج اس کی محبت کے سوگ کے دن پورے ہوئے تھے۔ اس نے آنکھیں بند کرلیں اور کئی آنسو اس کے رخسار پر بہنے لگ گئے تھے۔ آج اس کا نام سلمان کے ساتھ جڑ رہا تھا۔ کبھی کبھی انسان اپنے جذبات کے آگے یوں بھی بے بس ہو جاتا ہے کہ تقدیر کے لکھے پر اسے بادلِ نخواستہ راضی ہونا پڑتا ہے۔ وہ بھی سر جھکائے گھونگھٹ میں سرِ تسلیم خم تھی۔

تمام افراد جو اجازت کی غرض سے آئے تھے اٹھے اور باہر سہرا پہنے سلمان کے پاس چلے گئے جہاں مولوی صاحب نے نکاح مکمل کروایا اور یوں آج سارہ کے نام کے ساتھ سلمان کا نام جڑ گیا۔ مہمانوں کو ولیمے کا کھانا بھی آج کی ہی تقریب میں پیش کر دیا گیا تھا۔ شادی سے متعلق معاملات کو فوری طور پر انجام دیا جا رہا تھا جو زینت کی چھٹی حس کو تو جھنجھوڑ رہا تھا ساتھ ہی فاروق کے دماغ میں بھی کئی سوالات پیدا کر رہا تھا۔ پر وہ آج بے حد خوش تھے۔ سارہ کے فرض سے سبکدوش جو ہوئے تھے۔ اپنے نصیب پر یکلخت ہی انہیں بے حد فرحت محسوس ہوئی تھی جس نے لڑکی کے فرائض پورے کرنے میں انہیں کنگال ہونے سے بچا لیا تھا۔ پر اب جب شادی ہو گئی تھی تو ان کے دل کے سطحی حصے میں سارہ کو لے کر محبت کی پھوار پیدا ہوئی تھی۔

وہ جہاں خوش تھے وہیں اداس ہونے لگے تھے اور اپنے جذبے سے خود بھی حیران تھے۔

کمرے میں زینت سارہ کو زبردستی کھانا کھلانے پر لگی ہوئی تھیں جس سے کوئی نوالہ حلق سے نہیں اتر رہا تھا۔ آنسوؤں کا گولا جو راستے میں حائل تھا جسے وہ پوری شدت سے روکے ہوئے خود کو اذیت دیے جا رہی تھی۔ سلمان سے معانقہ کر کے فاروق کے قدم خود بخود کمرے کی جانب بڑھنے لگے تھے۔ جب زینت کی نظر فاروق پر پڑی تو دیکھ کر حیرت میں مبتلا ہوئی تھیں۔ ان کے چہرے کے تاثر آج پہچانے نہیں جا رہے تھے۔ فاروق جن کی آنکھوں میں ہر وقت آگ سلگتی تھی اس وقت الفت کا عنصر جھلک رہا تھا۔ وہ بڑھتے ہوئے گھونگھٹ میں بیٹھی سارہ کے پاس آ گئے۔ گھونگھٹ کے باریک کپڑے سے وہ اندازہ لگا سکتی تھی کہ اس کے مقابل کون کھڑا تھا۔ اب اس میں مزید کچھ سننے کی طاقت نہیں تھی۔ وہ اپنے دامن پر لگے گند کو اپنے جذبات کی قربانی سے صاف کر گئی تھی۔ اب اس میں مزید کنٹیلے اور ضرب دیتے الفاظ کو سننے کی ہمت نہیں بچی تھی۔ اس نے اٹھی ہوئی نظریں ضبط سے اپنی جھولی میں رکھے مہندی سے

بھرے ہاتھوں کی طرف کرلیں۔ پر بے اختیاری میں اٹھا فاروق کا دائیاں ہاتھ جوں ہی اپنے سر پر محسوس ہوا اٹکے ہوئے آنسو بارش کی مانند برس پڑے۔ ان کا دستِ شفقت ایسا تھا گویا مردے میں جان ڈالنے کے مترادف ہو۔ وہ جو پتلے کی مانند ہر جذبے سے عاری بیٹھی ہوئی تھی یکلخت ہی اس کا دل زندہ ہوا تھا اور فاروق کی التفات پنہاں سے دل بھر گیا تھا۔

''خوش رہو بیٹا۔'' یہ الفاظ سننے کے لیے اس نے کتنی راتیں آنکھوں میں کاٹی تھیں۔ کتنے دن اس آرزو میں گزار دیئے تھے اور آج جب وہ تمام توقعات کا دامن چھوڑ کر بیٹھی ہوئی تھی تو اس پر یہ کرم عنایت کیا گیا تھا جس نے ہر غم، ہر زیادتی، ہر کٹیلا لفظ، ہر زہر خند لہجہ اور ظلم بھلا دیا تھا۔

اس کا جسم ہلکورے لے رہا تھا اور یہ منظر دیکھ کر زینت کی آنکھیں بھر آئی تھیں۔ فاروق نے ایک نگاہ زینت پر ڈالی اور وہاں سے تیز قدموں سے چلے گئے۔

''معاف کیا ماموں میں نے آپ کو۔ معاف کر دیا۔'' شادی کا فیصلہ جو زبردستی قبول کیا تھا اب دل سے سراہ رہی تھی۔ فاروق کے لیے اس کی اپنی جان بھی حاضر تھی۔ پھر یہ تو محض ان کی پسند سے شادی تھی جسے اب اس نے تسلیم کیا تھا۔

اس کا سانس رکا تھا جب سلمان دروازے کا پٹ کھول کر اندر داخل ہوا تھا۔ ہر سو گلابوں کی خوشبو سے کمرا مہک رہا تھا۔ وہ گھونگھٹ لیے بستر کے بیچوں بیچ قرینے سے بٹھا دی گئی تھی۔ سلمان چلتا ہوا اس تک آیا اور بغور دیکھنے لگا۔

''گھونگھٹ بھی اب میں ہی اٹھاؤں؟'' سلمان کے سوال پر وہ کچھ کچھ الجھی ضرور تھی۔ اب کیا جواب دیتی۔

''اچھا چلو اٹھا دیتا ہوں۔'' وہ بستر کے سرہانے بیٹھ گیا اور اس کا گھونگھٹ اتار دیا۔ سارہ

کی سرسری سی نگاہ سلمان پر پڑی تھی جو اس نے واپس نیچے کرلی تھی۔ وہ خوش شکل اور چوڑی جسامت لیے جاذب نظر شخصیت تھا۔ رنگ گورا اور ہلکی ہلکی داڑھی چہرے پر مردانگی کو مزید اجاگر کرتی تھی۔

''السلام علیکم۔'' سارہ نے زیرلب کہا تھا۔ وہ سلمان کی نگاہوں کو خود پر محسوس کرتی ہوئی جھجک رہی تھی۔

''تمہیں ایک بار سرسری سا دیکھا تھا۔ ابا کے موبائل میں تصویر تھی تمہاری۔ پر اب شکل اتنی یاد نہیں مجھے۔ یہ بتاؤ میک اپ میں جتنی پیاری لگ رہی ہو اتنی ہی اس کے بغیر بھی ہو؟'' سلمان کے سوال پر وہ چونکی تھی۔ پیشانی پر لٹکے ہوئے ٹیکے کے عقب میں شکنیں نمودار ہوئیں اور سلمان ہنس پڑا۔

''میں تو ایسے ہی کہہ رہا ہوں۔ ارے تمہاری منہ دکھائی دینی تھی۔ کہاں رکھ دی میں نے۔'' وہ یہاں وہاں تلاش کر رہا تھا۔ شیروانی کی جیبیں ٹٹولیں، پھر یکا یک یاد آنے پر سائیڈ میز کی دراز کھولی تو اس میں موجود تھی۔

''ہاں یہ رہی۔''

سارہ خاموشی سے اس کی حرکات دیکھ رہی تھی۔ سلمان نے مخملیں ڈبیا کھولی اور اس میں سے سونے کی انگوٹھی نکال کر اس کا سرد پڑتا ہاتھ تھام لیا۔ وہ اس افتاد پر تیار نہیں تھی۔ جھجک سے پھر نظر نیچے ہوگئیں۔

''یہ لو بھئی پہنادی۔'' سلمان نے کہا اور اس کی جانب دیکھا۔

''تم کیا عادتاً کم بولتی ہو یا موقع کے تقاضے کے باعث شرم کی وجہ سے الفاظ ادا نہیں ہو رہے؟'' سلمان نے پوچھا۔

”کیوں آپ کو باتونی لڑکیاں پسند ہیں؟“ سارہ نے اس کا مفہوم اخذ کر کے سوال پر سوال کیا۔

”ہاں بھئی۔ لڑکیاں تو باتونی اور شوخ و چنچل اچھی لگتی ہیں۔ سنجیدہ سادہ طبیعت نہیں۔“

اور وہ سلمان کی بات سن کر دل ہی دل میں افسردہ ہوئی تھی کیونکہ وہ ایسی نہیں تھی۔ اور اگر تھی بھی تو بھی فوراً سامنے آنا اس کے مزاج کے خلاف تھا۔ وہ تو تہہ در تہہ کھلتی تھی۔ اگر کھولنے والے میں صلاحیت ہو۔

”اب مجھے ہی دیکھ لو۔ اتنا خوبصورت مرد کبھی دیکھا ہوگا؟“ سلمان کے سوال پر سارہ نے اس کی جانب دیکھا۔ ہاں تھا وہ خوش شکل پر دل کو صورت کب سے بھانے لگی تھی۔ خاص طور پر شادی جیسے بندھن میں بندھ کر اب تو سیرت زیادہ معنی رکھتی تھی سارہ کے لیے۔

”تو خوبصورت شے کو خوبصورتی ہی بھاتی ہے۔ خیر! تمہاری خاموشی کو میں آج حیا سمجھ لیتا ہوں۔ ویسے اچھی لگ رہی ہو تم بھی۔“ اس نے پھر سارہ کا ہاتھ بے تکلفی سے تھاما تھا اور سارہ نے نظریں نیچے کر لیں پر دل میں کئی الجھنوں میں وہ مبتلا ہونے لگی تھی۔

☆......☆......☆

زینت متذبذب سی کمرے میں داخل ہوئی تھیں۔ فاروق کو بستر کے سرہانے بیٹھا دیکھ کر وہ بلا تاخیر کیے ان کے پاس برابر میں بیٹھ کر تمہید باندھ رہی تھیں۔ فاروق الگ انہیں گہری سوچ میں نظر آئے تھے۔ پر وہ جو مہمانوں کے درمیان چہ میگوئیاں سنتی ہوئی آئی تھیں تو اب فاروق کے گوش گزار کرنا ضروری تھا۔

”وہ...... میں کہہ رہی تھی۔ کل صبح ناشتے کے بعد روانگی ہے تو میں نے آپ کے کپڑے تیار کر دیے ہیں۔“

”وہ...... ہاں ہاں...... کل واپس جانا ہے۔“ فاروق کے سوچ کا غبارہ پھٹا تھا۔ وہ اس بات سے ناواقف تھے کہ زینت ان کے برابر آ بیٹھی تھیں۔

”سارہ خوش ہے ماشاء اللہ۔ سلمان بھی اچھا ہے۔“ جو کانوں نے سنا تھا تو اب یقین نہیں ہورہا تھا اور فاروق سے بات کرنا الگ مرحلہ تھا جو صَرف کرنا محال تھا۔

”ہمم۔۔“ فاروق نے ہنکار بھرا۔

”وہ میں کہہ رہی تھی کہ...... باہر عورتوں میں کچھ سنا ہے میں نے۔“ ان کی بات سنتے ہوئے فاروق نے اب کی بار زینت کی جانب دیکھا۔

”وہ...... مجھے نہیں معلوم بات میں کتنی صداقت ہے پر سلمان کی یہ دوسری شادی ہے؟“ زینت کے پوچھنے پر فاروق نے کوئی خاص ردعمل نہ دیا البتہ واپس اپنی نظریں سامنے کی سمت کرلیں۔ وہ فاروق کے تاثر کو نوٹ کرتی ہوئی ٹھٹک گئیں۔

”کیا آپ جانتے تھے؟“ زینت نے ڈرتے ہوئے پوچھا۔

”ارے فاروق مبارک ہو بھئی۔ آخرکار برسوں پرانی دوستی آج رشتے داری میں بدل ہی گئی۔“ بشیر نے انہیں گلے سے لگالیا پر فاروق کے چہرے پر ہوائیاں اڑی ہوئی تھیں۔ وہ بشیر کو آشفتہ لگے تھے۔

”کیا ہوا تجھے؟ اتنی خوشی کے موقع پر منہ لٹکالیا۔ ارے تیرا تو بوجھ بھی اتر گیا اب۔“ بشیر نے ان کے بازو پر گرم جوشی سے مار لگائی اور وہ سر کو جنبش دے کر رہ گئے۔

”یار بشیر! کیا یہ سچ ہے کہ سلمان کی تو پہلے شادی کروا چکا ہے؟“ بشیر جو چہک رہے تھے فاروق کی الجھن سنتے کے ساتھ ہی ان کی ہنسی کو تو بریک لگا ہی پر ساتھ ہی ساتھ انہوں نے نظریں اکڑا کر فاروق کو دیکھا۔

''یار! اب تُو ہی الجھن دور کر۔ وہاں مہمانوں میں باتوں باتوں میں یہ بات بھی نکل آئی۔ تُو نے تو مجھے کبھی سلمان کی شادی کا نہ بتایا؟'' فاروق نے استفسار کیا۔

''اوہ چھوڑ ان لوگوں کو۔ جتنے منہ اتنی باتیں۔ تیری پریشانی دور کرتا ہوں۔ ہاں سلمان کی یہ دوسری شادی ہے۔ پر پچھلی تو چند ماہ چل سکی تھی۔ لڑکی کے مزاج ہماری ضرورت کے مطابق نہیں چلے تھے۔ پھر سلمان خود خوش نہیں تھا۔ ان دنوں میری سلمان کی شادی کے ساتھ دوسری کئی مصروفیات تھیں تب ہی تجھے بتایا نہیں تھا۔ البتہ ذکر تجھ سے بھی کیا تھا میں نے۔''

''ہاں پر ہوئی ہے اس کا مجھے معلوم نہیں تھا۔''

''تو اب کیا فرق پڑتا ہے فاروق! لڑکا ہے غلطی ہو جاتی ہے۔ اپنی پسند کی لے آیا تھا کر کے۔ میں نے تو قبول نہ کیا پھر لڑکی کے تیوروں نے شادی چند ماہ میں ختم کر دی۔ تجھے اس بات کی فکر ہے کہ سلمان کی دوسری ہے۔ تُو یہ نہیں دیکھ رہا کہ بنا کسی پوچھ گچھ کے میں نے اپنے برخوردار کو تیری لڑکی سے بیاہ کے لیے تیار کیا۔ اور تو اور جہیز کا ایک جو بوجھ تجھ پر ڈالا ہو بلکہ الٹا تیرا بوجھ اپنے سر لے لیا۔ دیکھا جائے تو تیری لڑکی سلمان کے شایان شان نہیں پر میں نے تیری پریشانی سمجھ کر یہ قدم اٹھایا۔'' وہ کہتے کہتے ایک دم برا ماننے لگے تھے اور فاروق جو دل ہی دل میں متفکر تھے بشیر کی بات سن کر مجبور ہوئے اور انہیں تشکر آمیز انداز سے دیکھا۔

''اوہ نہیں یار، یہ بات نہیں۔ غلطی تو پھر انسان سے ہوتی ہے۔ اور تیرا سلمان شیر ہے۔ میری لڑکی کے نصیب کھلے ہیں۔ پر بس تجھے ذمہ داری دی ہے۔ خیال رکھنا یار اس کا۔''

''تُو فکر نہ کر۔ بس اس کو سمجھا کہ ہمارے مطابق ڈھل جائے۔'' بشیر نے انہیں جانچتی نظروں سے دیکھا تھا آیا فاروق ان کی بات سے قائل ہوئے۔

''بالکل وہ ایسا ہی کرے گی۔'' زینت کے سوال پوچھنے پر فاروق نے تمام روداد سنائی

تھی۔ وہ خود بشیر سے بات کر کے چند لمحے قبل کمرے میں آئے تھے۔

''تم سارہ کو سمجھانا۔ اور یہ کوئی فکر کی بات نہیں ہے۔ اکثر انتخاب غلط ثابت ہو جاتے ہیں اور شادیاں ٹوٹ جاتی ہیں۔'' وہ زینت سے زیادہ خود کو تسلی دے رہے تھے۔ طیش میں آ کر فیصلہ تو انہوں نے کر دیا تھا پر نکاح کے بعد ان کا سخت پڑتا دل نہ جانے کیسے نرم ہو رہا تھا اور وہ خود کو سارہ کا مجرم ٹھہرانے لگے تھے۔

فاروق، جو ایک خود پرست انسان تھے۔ جن کی نظر میں عورت صرف ایک محکوم کی حیثیت رکھتی تھی سارہ کی زین کے جانب پسندیدگی نے ان کی مردانگی کو جھنجھوڑ دیا تھا۔ فاروق عورت کو کمزور اور کمتر سمجھتے تھے۔ ان کے نزدیک عورت میں استطاعت اور صلاحیت ہو ہی نہیں سکتی کہ وہ اپنے لئے کوئی بہتر فیصلہ کر سکے۔ خاص طور پر جذباتی فیصلے۔ لیکن وہ یہ نظر انداز کر گئے کہ مرد بھی غصے اور جذبات میں آ کر بیوقوفی کر جاتا ہے۔ جیسے کہ انہوں نے غصے میں آ کر سارہ پر ہاتھ اٹھا لیا اور زینت کو طلاق کی دھمکی دے دی تھی۔ یہ مردانگی نہیں، کمزوری ہوتی ہے۔ ان کی نام و نہاد کی برتری نے یہ سمجھ لیا کہ سارہ نے پسندیدگی کا اقدام ان سے اجازت کے بغیر لے لیا۔ یہ بیجا احساس ان کی انا کو مجروح کر گیا۔ ان کی آنکھوں پر پردہ پڑ گیا کہ سارہ کے فرض سے سبک دوش ہونے کا ممکنہ حل بھی ان کی سمجھ میں نہیں آ سکا تھا۔ جذبات میں آ کر غلط فیصلہ کر لینا، اس میں نصف کسی کی قید نہیں ہوتی۔ مرد اور عورت، دونوں غلطی کر سکتے ہیں، بلا سوچے سمجھے کہ ان کے اس طرح کے رویے سے دوسروں کو کیا بھگتان بھگتنے پڑ جاتے ہیں۔

''سارہ کو نہیں معلوم۔ اسے پتہ چلے گا تو رنجیدہ ہو گی۔ آپ کہیں تو میں کل......''

''نہیں۔ اسے مت بتانا۔ جو ہوا سو ہوا اب وہ منکوحہ ہے سلمان کی۔ اور جیسا بھی ہے اسی کے ساتھ زندگی گزارنی ہے۔ تم کل جاتے جاتے بھی اسے سمجھا دینا۔'' فاروق کہہ کر بستر پر

لیٹ گئے اور زینت متفکر سی وہاں سے اٹھ گئیں۔

☆......☆......☆

وہ سنگھار میز کے پاس کھڑی بالوں میں برش پھیر رہی تھی۔ چہرے پر ہلکا سا میک اپ کیا ہوا تھا۔ آج بھی سرخ رنگ کا جوڑا ملبوس کیا تھا جس کے گلے پر کڑھائی ہوئی تھی اور دوپٹہ بھی کڑھائی سے بھرا تھا۔ اس نے آدھے بالوں کو خوبصورت سے کلپ میں مقید کیا اور صراحی دار گردن میں چین پہن لی۔ دونوں ہاتھوں میں دو دو کڑے سونے کے پہنے ہوئے تھے اور انگشت شہادت میں ایک انگوٹھی تھی جبکہ بائیں ہاتھ میں منہ دکھائی کی انگوٹھی پہنی ہوئی تھی جو رات قبل سلمان نے اسے پہنادی تھی۔ آخری تنقیدی نگاہ خود پر ڈال کر اس نے چشمہ آنکھوں پر لگایا اور جوں ہی پلٹی تو سلمان نے جو باتھ روم سے فریش ہو کر نکلا تھا استعجاب سے سارہ کو دیکھا۔ سارہ وہیں کھڑی اس کے تاثر کا جائزہ لے رہی تھی۔ وہ چلتا ہوا اس تک آیا اور اس کے چہرے کو بغور دیکھنے لگا۔

''کیا ہوا ایسے کیا دیکھ رہے ہیں؟'' سارہ نے کشمکش میں پوچھا۔

''تم چشمہ پہنتی ہو؟'' سلمان کو حیرت کا جھٹکا لگا تھا۔

''جی۔'' سارہ نے کہا۔

''اے یار۔'' وہ اس کی سر وپا تیاری کو بالائے طاق رکھتا ہوا اس کا چشمہ دیکھ کر ازسر نو پریشان ہوا تھا۔

''کیوں، کیا ہوا؟'' سارہ نے پوچھا۔

''مجھے چشمہ نہیں پسند لڑکیوں پر۔ اور تم یہ بتاؤ ہر وقت پہنتی ہو یا ضرورت کے تحت؟'' وہ چڑ کر گویا ہوا۔

''میں تو ہر وقت ہی پہنتی ہوں۔'' اور سارہ کے بتانے پر اس کا موڈ ٹھیک ٹھاک بگڑا تھا۔

''اس کا کچھ کرنا پڑے گا مجھے۔ ایسے نہیں چلے گا۔'' وہ خود کلامی کر رہا تھا اور سارہ سوچ میں پڑ گئی۔

''چشمے سے کیا ہو جاتا ہے۔ عمر کے کسی حصے میں آنکھیں کمزور ہو ہی جاتی ہیں۔'' سارہ نے تحمل سے کہا۔ وہ سلمان کے رویئے سے متحیر ہوئی تھی۔

''ہاں پر ابھی عمر ہی کیا ہے! خیر ابھی تو چھوڑو اسے۔ باہر چلو اماں ناشتے پر انتظار کر رہی ہوں گی۔'' اس نے سارہ کو وہیں تنہا چھوڑا اور چلا گیا۔ سارہ نے پلٹ کر اپنا عکس آئینے میں دیکھا تھا۔ اپنے مزاج کے خلاف وہ اس قدر تیار ہوئی تھی پر تمام بات ہی چشمے پر آ کر ختم ہو گئی تھی۔ کیا یہ اتنا اہم تھا سلمان کی نظر میں۔ پر زین نے تو کبھی ایسی بات نہیں کہی تھی۔ سوچ کے گھوڑے راستے سے بھٹک گئے تھے اور تحت لاشعور میں چھپی انمول یادیں سانس لینے لگی تھیں۔ اس نے یکا یک سر جھٹک کر سارے خیالات کو دماغ سے نکالا۔ دل تو آشفتہ ہوا تھا سلمان کے رویئے سے پر برداشت کے علاوہ کوئی حل نہیں تھا۔

☆......☆......☆

''السلام علیکم! اندر آ جاؤں؟'' وہ دروازے پر دستک سنتی ہوئی پلٹیں تو سارہ کو چوکھٹ پر دیکھ کر آنکھوں میں مسرت بھر گئی۔

''ہاں ہاں بیٹا۔'' زینت بانہیں وا کیے اس سے ملی تھیں۔

''ماشاءاللہ ماشاءاللہ! ویسے تو ناشتے کے وقت بھی میں نے اشارتاً تمہاری تعریف کی تھی پر اب لفظوں سے کر دیتی ہوں بہت خوبصورت لگ رہی ہو۔ تمہاری ساس نے عمدہ لباس بنوا کر دیا ہے اور جچ بھی رہا ہے۔'' انہوں نے یکسر سارہ کو ستائشی نگاہ سے دیکھا تھا۔

"شکریہ مامی۔ آپ کی حوصلہ افزائی پر کچھ سکون ملا مجھے ورنہ میں گھبرائی ہوئی تھی کہ سب ٹھیک لگ رہا ہے یا نہیں۔" سارہ نے کہا۔

"ارے گھبرانا کیسا؟ اچھا یہ بتاؤ۔" انہوں نے اسے شانوں سے تھام کر بستر پر بٹھایا اور خود برابر میں بیٹھ گئیں۔

"سلمان تو تمہارے ساتھ ٹھیک ہے نا؟" ان کا لہجہ فکر مند تھا۔

"جی مامی۔ بس شوقین مزاج ہیں۔" وہ کہہ کر کچھ جھجک سی گئی۔

"ارے مرد ہوتے ہی شوقین مزاج ہیں۔ پر تمہیں محنت کرنی ہوگی کیونکہ تم ٹھہریں سادہ طبیعت کی۔" زینت کے رسان سے سمجھانے پر سارہ گھبرا کر نظریں نیچے کر گئی۔

"سارہ! شادی کے شروع کے چند سال قربانیاں مانگتے ہیں خاص طور پر عورت سے۔ تم یہ مت توقع کرنا کہ تمہارا شوہر تمہارے حساب سے ڈھل جائے گا۔ بلکہ تمہیں اس کی خواہش کے مطابق خود کو سانچے میں ڈھالنا ہے۔ ویسے تو مجھے اب تمہیں سمجھانے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ تم خود بہت سمجھدار ہو۔ پر پھر بھی تم سے کہوں گی بیٹا۔ جھک جانا اسی میں بھلائی ہے۔" وہ زینت کی بات سن کر سر کو جنبش دے گئی۔

"جا رہی ہیں مجھے چھوڑ کر؟" اس نے بستر پر رکھے ہوئے بیگ کو دیکھ کر کہا۔ آواز الگ روہانسی تھی۔

"بیٹا! یہ تو ریت رواج ہے۔ لڑکیاں آخر کو اپنے گھر کی ہو جاتی ہیں اور والدین سے دور ہو جاتی ہیں۔ پر تمہیں ایک بات بتاؤں دور جا کر میں اس بار بہت خوش ہوں معلوم ہے کیوں؟" انہوں نے مسرت لیے سارہ سے پوچھا۔

"کل تمہارے ماموں کے دل میں پہلی بار میں نے تمہارے لیے محبت کی جھلک دیکھی

تھی۔ اللہ کا شکر ہے میری برسوں سے مانگی ہوئی دعا بالآخر پوری ہوئی۔ اب مجھے لگتا ہے تمہارے آنے کا انتظار ان کو بھی شدید ہو گا بلکہ میں تو اس دن کی منتظر ہوں جب وہ خود پوچھیں گے کہ سارہ کب آئے گی۔" ان کی آنکھیں خوشی اور امیدوں سے چمک اٹھی تھیں اور یہ سب سن کر سارہ بھی بے حد خوش ہوئی تھی۔

"پر مجھے معلوم نہیں ہے کہ کب کب آنے کی اجازت ہو گی۔" سارہ نے کہا۔

"اس کی فکر مت کرو۔ کچھ وقت گزرے گا تو میں تمہارے ماموں سے کہوں گی کہ سلمان سے بات کریں۔ انشاء اللہ اب سب اچھا ہو گا۔" زینت کی بات سن کر وہ مسکرا اٹھی تھی۔

آخری الوداعی کلمات کا تبادلہ ہو رہا تھا۔ زینت اور فاروق بشیر اور زمرد کے گھر والوں سے باری باری مل رہے تھے۔ فاروق اور زینت کے رشتے دار تو سابقہ رات روانہ ہو گئے تھے البتہ بشیر اور قریبی رشتے دار موجود تھے۔

"آج کھیر بنانے کی رسم ہے ورنہ میں آپ کو بس تک چھوڑنے ضرور آتی۔" زینت آخر میں سارہ سے ملی جب سارہ نے ان سے کہا تھا۔

"نہیں بیٹا، اب تمہاری کئی ذمہ داریاں ہیں۔ اپنا خیال رکھنا...... اور ہاں سارہ، وہ گھر تمہارا ہے۔ اس کے دروازے تمہارے لیے ہمیشہ کھلے ہیں۔" وہ کہہ رہی تھیں جب فاروق سلمان سے آخری بار ملتے ہوئے سارہ کے پاس آئے تھے۔ سارہ نے امید بھری آنکھوں سے فاروق کو دیکھا تھا۔

"آتی جاتی رہنا۔" انہوں نے پھر دستِ شفقت سر پر رکھا اور سارہ کا دل محبت سے بھر گیا۔ وہ مرکزی دروازے پر کھڑی انہیں جاتا دیکھ رہی تھی۔ آنکھیں بھر آنے پر رخسار آنسو سے بھیگ گئے تھے۔ سلمان اس کے برابر کھڑا اسے دیکھنے لگا تھا۔

”فکر مت کرو۔ کچھ وقت گزرے گا تو میں لے جاؤں گا تم کو۔“ اور سلمان کے کہنے پر سارہ نے تشکر بھری آنکھوں سے سلمان کو دیکھا تھا۔

☆......☆......☆

وہ کچن میں زمرد کے ساتھ کھیر بنانے میں مصروف تھی۔ سلمان کی تینوں پھوپھیاں اور چاچی ایک کمرے میں بیٹھیں باتوں میں مگن تھیں۔ سارہ نے کھیر بنا کر سانچوں میں بھر دی تھی اور اب بادام اور پستے کاٹ رہی تھی۔ زمرد نے کھیر کا ایک چمچ چکھا تو عش عش کرتی رہ گئیں۔

”آنٹ! کیسی پکی ہے؟“ سارہ نے پوچھا۔

”بھئی زینت نے تو بتایا تھا تمہیں گھر گرہستی خوب آتی ہے اور آج تمہارا سلیقہ بھی دیکھ لیا۔ کھیر عمدہ ہے۔“ زمرد کی بات پر اس نے شکر کا سانس لیا تھا۔ بادام پستے کاٹ کر اس نے کھیر کے سانچوں میں سجا دیے تھے۔

”اسے ابھی ٹھنڈا کرنے رکھتے ہیں۔ پھر تمہارے سسر آجائیں تو انہیں اور سلمان کو پیش کر کے باقی خواتین کو دینا۔“ زمرد نے اسے ترتیب سمجھائی جس پر اس نے سر کو جنبش دی تھی۔

”زمرد!“ یکا یک وہ دونوں بشیر کی اچانک زوردار آواز پر چونکی تھیں۔

”یا اللہ خیر۔ سب ٹھیک تو ہے؟“ زمرد شوہر کی پریشان کن آواز سن کر کچن سے نکلی تھیں۔ سارہ بھی ان کے پیچھے پیچھے تھی۔ صحن میں تمام خواتین بشیر کی آواز سن کر متفکر سی آ گئی تھیں۔ وہ یکے بعد دیگرے سلمان اور زمرد کو آواز لگا رہے تھے۔

”زمرد...... سلمان۔“

سلمان آواز سنتا ہوا فوراً پہنچا تھا اور زمرد بمعہ سب خواتین کے صحن میں موجود تھیں۔ بشیر کا تر بتر ہوتا چہرا ناگہانی آفت کی ترجمانی کر رہا تھا۔

"کیا ہوا ابا؟" سلمان نے پوچھا۔ سارہ بھی ان کے ساتھ کھڑی بشیر کو منتشر دیکھ کر گھبرا گئی تھی۔

"زمرد...... سلمان۔" ان کی نظر دونوں پر سے ہوتے ہوئے ساتھ کھڑی سارہ پر گئی تھی۔

"کیا ہوا ہے کچھ تو بتائیں؟" زمرد الگ ان کی حالت دیکھ کر گھبرا اٹھی تھیں۔

"وہ...... فاروق اور زینت بھابھی۔" ان کا کہنا تھا کہ سارہ دو قدم آگے بڑھ کر انہیں بغور دیکھنے لگی۔

"بس کا ایکسیڈنٹ ہوا ہے۔ اطلاع کے مطابق دونوں جائے وقوع پر جاں بحق ہو گئے ہیں۔" ان کے الفاظ تھے یا بم کا دھماکہ۔ سارہ کے پیروں تلے زمین سرکنے لگی تھی۔ ایسا لگا تھا جیسے پورا آسمان اس کے سر پر گرا ہو۔ صحن میں کھڑی خواتین اس خبر پر الگ شاک میں آئی تھیں۔ سلمان حیرت سے گنگ بشیر کو دیکھ رہا تھا۔ زمرد کو اپنے کانوں پر یقین نہ تھا اور ان سب میں وہ جسے پل بھر زندگی کے رنگ نصیب ہوئے تھے۔ سمجھو تمام رنگ یکلخت جذب ہو کر ختم ہوئے تھے۔

"ن...... نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔" وہ بڑبڑا اٹھی۔ اس کی آواز سنتے کے ساتھ سلمان اس کی طرف پلٹا۔ اس کا پورا جسم متزلزل ہو رہا تھا۔ حواس الگ مختل تھے۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے خبر کو رد کر رہی تھی۔

"ا...... ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔ غل...... غلط فہمی ہوئی ہے۔" اس نے بشیر کی جانب دیکھ کر انہیں کہا۔ چہرا پل بھر میں پُر آب ہوا تھا۔

"ابھی...... ابھی تو شروعات ہوئی تھی۔ ابھی تو باپ کا سایہ نصیب ہوا تھا۔ ابھی تو نگاہ التفات سے دیکھا تھا۔ ک...... کیسے ہو سکتا ہے۔" وہ ایک دم چیخ پڑی تھی۔ سلمان اس کی تشتت ہوتی حالت دیکھ کر اسے سنبھالنے لگا تھا۔ زمرد الگ اس کو قابو میں کرنے کی کوشش کر

رہی تھیں جو بے آب مچھلی کی مانند مچل رہی تھی۔

''یہ نہیں ہو سکتا۔ وہ نہیں جا سکتے...... وہ نہیں جا سکتے...... غلط فہمی ہوئی ہے...... سلمان! انہیں سمجھائیں انہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔ وہ زندہ ہیں۔ ماں نے کہا تھا کہ جاتے کے ساتھ ہی چند دن میں چکر لگانا۔ ایسے کیسے جا سکتے ہیں سلمان۔'' وہ ہیجانی کیفیت میں سلمان کو بازوؤں سے پکڑ کر جھنجوڑ رہی تھی۔ یکلخت ہی اس کی حالت تتر بتر ہوئی تھی۔ اسے غم کے دورے میں مبتلا دیکھ کر جو خواتین صحن میں موجود تھیں دل پکڑ کر رہ گئی تھیں۔

''سلمان! ہمیں جانا ہوگا ابھی۔'' بشیر نے سلمان سے کہا جو سارہ کو بمشکل قابو کر رہا تھا۔

''میں بھی جاؤں گی۔ انکل! مجھے بھی جانے دیں۔ پلیز مجھے بھی جانے دیں۔ سلمان! مجھے لے چلیں میں آپ سے منت کرتی ہوں۔'' وہ بلک بلک کر ہاتھ جوڑے رو رہی تھی۔

''وہاں عورتوں کا کام نہیں ہے سارہ سمجھو۔ میں دیکھ کر آتا ہوں۔ اماں! اسے سنبھالیں۔'' اس نے بے بسی سے زمرد کی طرف دیکھا جو پیچھے سے آئیں اور سارہ کو بازوؤں سے تھام کر پیچھے کرنے لگیں۔

''پلیز مجھے جانے دیں۔ مت کریں ایسا۔ وہ نہیں جا سکتے۔ مجھے چھوڑ کر کیسے جا سکتے ہیں۔'' تمام لوگ اس پاگل سی لڑکی کو دیکھ رہے تھے جو اپنے نقصان پر ماتم کر رہی تھی۔ زمرد نے اسے جیسے تیسے کر کے پیچھے ہٹایا تھا اور سلمان اور بشیر بلا تاخیر کیے گھر سے روانہ ہوئے تھے۔

''کیسی بدنصیب لڑکی ہے۔ دیکھو تو ذرا شادی کے دوسرے دن ہی گھر میں ماتم کا سماں ہے۔'' زمرد کی نند نے تبصرہ کیا جسے سن کر زمرد کا الگ منہ کڑوا ہوا تھا۔ دکھی تو وہ بھی تھیں پر سلمان کی خوشیوں پر پانی پھرنے پر انہیں بے حد افسوس ہوا تھا اور اب خواتین میں سارہ کی پھوٹی قسمت پر الگ چہ مگوئیاں شروع ہو گئے تھے۔ کمرے میں جاتے جاتے بھی سارہ کے کانوں

میں ان خواتین کی آوازیں ٹکرائی تھیں۔ جو اس کی بدنصیبی اور قسمت کی ستم ظریفی بار بار یاد دلاتی نہیں تھک رہی تھیں۔ زمرد نے اسے کمرے میں لے جا کر بٹھایا اور گھر کی ملازمہ صغراں کو اس کی نگرانی کے لیے بٹھا دیا۔ ابھی انہیں کئی طعنے اور طنزوں سے گزرنا تھا۔

☆......☆......☆

وہ کراچی اپنے گھر میں موجود تھی۔ تدفین کے بعد گنے چنے خاندان کے لوگ جن کو سارہ اطلاع کر سکی تھی تعزیت کے لیے موجود تھے۔ بشیر اور زمرد تدفین کے بعد روانہ ہو گئے تھے پر وہ یہیں تھی اور سلمان سے التجاء کی تھی کہ کم از کم تین چار دن اسے یہیں چھوڑ دیا جائے۔ ہوش و خرد سے بے گانہ وہ غیر مرئی نکتے کو تکتی رہا کرتی تھی۔ اگر کوئی بات کرے تو گردن ہلا کر جواب دے دیا کرتی تھی۔ نگین اس کی پڑوسن سارہ کے ساتھ ساتھ تھیں۔ زینت کی ان سے کافی اچھی بات چیت جو تھی۔ سارہ کی حالت کو دیکھ کر انہوں نے اپنے گھر کے دروازے وا کر دیئے تھے اور جہاں تک ہو سکتا تھا اس کی مدد کر رہی تھیں۔

ایک ہی دن میں اس کی دنیا اجڑ گئی تھی۔ جہاں خوشیوں نے قدم رکھا تھا وہیں غم کے سیلاب نے سب کچھ بہا کر ختم کر دیا تھا۔ اسے ہوش ہی کہاں تھا۔ ایک دن کی دلہن جو سرخ جوڑا پہنے ہوئے سجی سنوری تھی دیکھتے ہی دیکھتے پھیکے رنگوں میں ملبوس ہو گئی تھی۔ اس کا چہرا جو شادی کی صبح کھلتا ہوا شادابی لیے تھا۔ مرجھا گیا تھا۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کیا کرے۔ ایک بار باپ کا سایہ کھو چکی تھی۔ پھر کھونے کی سکت نہیں رکھتی تھی پر اسے اس کرب سے گزرنا ہی تھا۔ زینت اور فاروق کے چہرے رہ رہ کر اس کی نگاہوں سے گزر رہے تھے اور وہ ہر بار اشک بار ہو جایا کرتی۔ ان تین دنوں میں اس نے یہ ضرور کیا تھا کہ ان کا تمام سامان سمیٹ کر جو کپڑے صدقے کے طور پر دے سکتی تھی دے دیئے تھے تاکہ مرحوم کو اس کا ثواب پہنچتا رہے۔ وہ سلمان کی

ممنون تھی جس نے اس کے مشکل وقت میں اس کا خوب ساتھ دیا تھا۔

آج کراچی آئے تیسرا روز تھا۔ شام ڈھل رہی تھی اور وہ تنہا فاروق اور زینت کے بستر پر لیٹی ہوئی ہر پل یاد کرتی جا رہی تھی۔ حالانکہ کوئی ایسا وقت نہ تھا جب اسے خوشی نصیب ہوئی تھی پھر بھی یہ درد اس وقت کی تکلیف سے دو چند تھا۔ چند پل میں اس نے اور زینت نے کیا سے کیا سوچ لیا تھا اور وہ آنے والے دنوں کی منتظر تھی پر قسمت نے ایسی کایا پلٹی کہ سب تہس نہس ہو گیا۔ اب کون اس کا انتظار کرے گا؟ کون اس کی راہ تکے گا؟ کون اس سے کہے گا کب آؤ گی؟ سب کچھ ختم ہو گیا تھا۔ سلمان گھر میں داخل ہوا اور سارہ کو بے سدھ سی حالت میں بستر پر لیٹا دیکھ کر اس کے پاس آ بیٹھا تھا۔

''سو گئیں کیا؟'' سلمان نے اس سے پوچھا جو آنکھیں موندے لیٹی ہوئی تھی کہ اس کی آواز پر اچانک سے اٹھی تھی۔ اس کے بکھرے ہوئے بال اور آنسوؤں سے تر چہرے کو دیکھ کر سلمان کے منہ کے زاویے بگڑ گئے تھے۔ چہرا سیاہ گھٹا کی زد میں تھا اور وجود قنوطیت کے خول میں بند تھا۔

''آپ......آپ کب آئے؟'' اسے معلوم ہی نہیں ہوا کہ کب سلمان چابی سے دروازہ کھول کر آ گیا تھا۔

''ابھی آیا۔ یہ کیا حال بنا لیا ہے تم نے اپنا۔'' اس نے بیزار ہو کر سارہ سے کہا۔ وہ جس کی آنکھوں کو ہمیشہ خوبصورتی ہی بھاتی تھی کب تک برداشت کرتا۔ لہٰذا موقع محل کو ایک طرف کرتے ہوئے سارہ سے تیور بگاڑ کر کہا۔

''ہاں ٹھیک ہے تمہارے سگے ماموں مامی تھے۔ پر تم نے تو اپنے والدین کے کھونے کا غم سہا ہے اب اتنا بھی کیا سوگ منا رہی ہو۔ اپنی حالت دیکھو۔'' اس نے جس ناپسندیدگی کی نگاہ

سے سارہ کو دیکھا تھا سارہ کے دل پر چوٹ دے گیا تھا۔ وہ غم کے سمندر میں غوطہ زن تھی اور اس کے شوہر کو حسن کی پڑی ہوئی تھی۔ پھر بھی اس نے اپنا حلیہ درست کیا۔ بکھرے ہوئے بال جو شانوں پر اِدھر اُدھر پھیلے ہوئے تھے سمیٹ کر جوڑے میں باندھ لیے۔ بستر سے اتر کر وہ باتھ روم چلی گئی اور کچھ دیر بعد دھلے دھلائے چہرے کے ساتھ سلمان کے پاس کھڑی ہوگئی۔

''کھانا لگادوں؟'' اس نے سلمان سے پوچھا۔ جس نے سارہ پر نگاہ ڈالی اور سر کو جنبش دی۔

''ہم دو تین دن رک کر جائیں گے واپس۔'' وہ پلٹی جب سلمان نے اس سے کہا۔

''اچھا پر کیوں؟'' سارہ نے پوچھا۔

''بھئی چھوٹے شہر میں تمہارا علاج کرانا ناممکن تھا۔ میں نے معلومات لے لی ہیں۔ یہاں ایک بہت اچھا کلینک ہے جہاں لیزر سرجری سے تمہاری چشمے سے جان چھوٹ جائے گی۔'' وہ سلمان کی بات سن کر حیرت کے جھٹکے سے گزری تھی۔ پل بھر تو اسے لگا جیسے اس کے کان بج رہے ہیں۔ یہاں وہ اپنے پیاروں کے چلے جانے کا سوگ منا رہی تھی اور سلمان کی سوئی اب تک بھی اس کے چشمے پر اٹک گئی تھی۔

''ایک دن سرجری ہوگی دوسرے دن چیک کریں گے، احتیاط بتا دیں گے پھر ہم گھر کے لیے روانہ ہو جائیں گے۔'' وہ سارہ کے چہرے کے تاثرات کو بالائے طاق رکھتا ہوا اپنی ہی دھن میں مزے سے کہہ رہا تھا۔

''سرجری؟'' سارہ حیرت سے دنگ کہہ اٹھی۔

''ہاں نا......تو اور کیسے ہٹے گا یہ چشمہ۔'' سلمان نے ناگواری سے اس کے چشمے کی طرف اشارہ کیا تھا۔

''اگر چشمہ پہن لیا تو کون سی بڑی بات ہوگئی۔ آپ ایک بے ضرری چیز کو اتنا سر پر کیوں

سوار کر رہے ہیں۔" وہ شاک کے عالم میں سلمان سے گویا ہوئی۔

"بھئی مجھے نہیں پسند یہ۔ اگر مجھے بھی چشمہ لگتا تو کچھ بھی کرتا پر اپنے چہرے پر اسے برداشت نہیں کرتا۔ تم نے ویسے بھی پڑھ پڑھ کا اپنا ستیاناس کیا ہے۔ دیکھو کیا ملا؟ آخر کو گھر پر ہی بیٹھ کر ذمہ داری سنبھالنی پڑ رہی ہے۔ اور بدلے میں یہ ناک پر چڑھائے بیٹھی ہو جس سے مجھے وحشت ہے۔" ان تین دن میں پہلی بار اسے سلمان کی سوچ پر افسوس ہوا تھا۔

"اتنا بھی کیا سوچ رہی ہو؟ معمولی سی بات ہے میں سب معلومات لے چکا ہوں۔ آدھے گھنٹے کا پروسیس ہے اور بعد کی احتیاط تمہیں پتہ بھی نہیں چلے گا۔"

"پر سلمان میں کیسے یہ سب۔ اگر کوئی نقصان ہو گیا تو؟" وہ چاہ کر بھی پیچھے نہیں ہٹ سکتی تھی۔ سرجری کے نام سے الگ خوف اسے اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے تھا۔

"ارے کوئی نقصان نہیں ہے۔ پتہ بھی نہیں چلے گا۔ کل جائیں گے ہم، تم تیار رہنا۔ اب دیکھو منع مت کرنا اتنا مہنگا علاج کروا رہا ہوں میں تمہارا۔ دیکھنا بعد میں میرا شکریہ ادا ہی کرو گی۔" وہ کہہ کر فریش ہونے چلا گیا اور سارہ وہیں حیرت کدے میں ایستادہ رہی۔ لے دے کر اب واحد سہارا سلمان کا تھا۔ اور اسے ناراض کرنا سمجھو اپنے سر سے چھت ختم کرنے کے مترادف تھا۔ وہ خود کو لاچار محسوس کر رہی تھی۔ بادل نخواستہ اسے سلمان کی بات ماننی ہی تھی۔ جس کے دل میں اس کے لیے سارہ کو ذرہ برابر بھی جو رحم نظر آیا ہو۔

کامیاب سرجری کے بعد ایک دن مزید یہ لوگ رکے تھے۔ اگلے دن ڈاکٹر سے خوب تسلی کر کے وہ دونوں گھر کے لیے روانہ ہو گئے تھے۔ سلمان کی خاطر اس نے بالآخر یہ قدم اٹھا ہی لیا تھا۔ سرجری کے دوران تو محسوس نہیں ہوا تھا پر بعد کی احتیاط نے اسے چڑچڑا کر دیا تھا۔ پر وہ خاموش رہی تھی۔ جاتے جاتے نگین سے اس نے گھر کی دیکھ بھال کا کہہ دیا تھا۔ سلمان کا ارادہ

تھا کہ کچھ مہینوں بعد وہ پھر آ کر اس پراپرٹی کو بیچنے کی کوشش کرے گا جو سارہ کے نام تھی۔

دن معمول کے مطابق گزرنے لگے تھے۔ لگ بھگ ایک ہفتہ ہوا تھا انہیں آئے ہوئے۔ سلمان بشیر کے ساتھ صبح کام پر چلا جاتا اور شام ڈھلے گھر پہنچتا تھا۔ گھر میں زمرد اور سارہ موجود ہوتی تھیں۔ پھر ان کے ہاں رشتے داروں کی رونق لگی رہتی تھی۔ سارہ نے گھر گھرستی تو سنبھالنا شروع کر دی تھی پر اس کے اندر فاروق اور زینت کی وفات کے بعد جو تغیر برپا ہوا تو وہ کسی کی بھی سمجھ سے بالاتر تھا۔ اس کی ذہنی کیفیت کو کوئی جان نہیں پاتا تھا۔ اور جیسے جیسے وقت کے کانٹے سرک رہے تھے زمرد اور سلمان کی آنکھیں اسے دیکھ دیکھ کر کھٹکنے لگی تھیں۔

آج بھی دوپہر کو زمرد کے چند رشتے دار خواتین سارہ سے ملنے کی غرض سے موجود تھیں۔ زمرد نے سارہ کو بلانے کا حکم دیا جو اپنے کمرے میں موجود تھی۔ صغراں کے مطلع کرنے پر اسے ذرا خیال نہ آیا اور جس حلیے میں وہ بیٹھی تھی بس دوپٹہ سر پر ترتیب کر کے بیٹھک میں داخل ہو گئی تھی۔ وہ ملی تو خوش اسلوبی سے تھی پر اسے سر تا پیر خوب جانچتی نظروں سے دیکھا گیا تھا۔ کہیں سے نہیں لگ رہا تھا کہ وہ ایک ہفتے کی دلہن تھی۔ زمرد نے تنقیدی نگاہ سے سارہ کو دیکھا تھا اور خواتین کو اس کی طبیعت کا عذر بتا کر سارہ کو واپس جانے کا کہا تھا۔ جیسے تیسے مہمانوں کو فارغ کر کے وہ تنتناتی ہوئی سارہ سے بات کرنے جا پہنچی تھیں۔ آج لوگوں کی سن کر انہیں خوب اشتعال ہوا تھا۔

''اے بی بی! یہ غم کب تک منانے کا ارادہ ہے؟'' وہ کچن میں مصروف تھی جب زمرد پیچھے سے طیش میں کہتی ہوئی داخل ہوئی تھیں۔

''تمہیں تو ذرا جو اندازہ ہو یا عزت کا خیال۔ بھئی مانا تمہارے گھر والے چل بسے پر یہ مت بھولو تمہاری ابھی شادی ہوئی ہے۔ بھلا بتاؤ ذرا مہمانوں کے سامنے اس طرح آتے

ہیں؟'' وہ زمرد کے لہجے سے سہم گئی تھی۔ ایک تو ویسے ہی ذہنی اور جذباتی طور پر وہ حساس ہوگئی تھی پھر زمرد کا کڑوا لہجہ اسے شرمندہ کر رہا تھا۔

''دیکھ بہو! تجھے اب کی بار سمجھا رہی ہوں پھر نہ کہنا کہ یہ کیا ہوگیا۔ میرا بیٹا خوش شکل اور رنگین مزاج ہے۔ اسے حسن بھاتا ہے۔ اگر تُو اسی طرح سے رہے گی تو وہ تجھ پر سے توجہ ہٹائے گا ہی ساتھ ہی ہماری ناک الگ کٹے گی جیسے آج کٹی۔''

''پر یہ ٹھیک تو ہے؟'' اس نے دھانی رنگ کے کڑھائی سوٹ کی طرف اشارہ کیا جسے وہ اس وقت ملبوس کیے ہوئے تھی۔ وہ لباس اچھے پہنتی تھی پر اس کا چہرا مزاجاً ہر سنگھار سے عاری رہتا تھا۔ البتہ قنوطیت نے غم کے سائیوں سے چہرے کی رونق کو ماند کر دیا تھا۔

''اس رنگ میں معاف کرنا پر تیرا رنگ جو ویسے ہی دبا ہے مزید ملگجا ہوگیا ہے۔ کھلتے رنگ پہن۔ سلمان کو کھلتے رنگ پسند ہیں۔ چہرے پر سنگھار اچھا لگتا ہے۔ آج تو میں نے برداشت کرلیا پر آئندہ نہیں کروں گی۔ تجھے ایک لپ دوں گی وہ لگا۔ میرے سلمان کے سامنے تو کم از کم اس قابل بن۔'' وہ کہہ کر تو چلی گئیں پر سارہ کی پُر اعتمادی کی دھجیاں اڑا گئی تھیں۔ تو چشمہ ہٹ جانے سے بھی وہ اس معیار پر نہیں پہنچی تھی جس معیار پر سلمان اسے دیکھنا چاہتا تھا۔ وہ کمرے میں داخل ہوئی اور سنگھار میز کے پاس کھڑی خود کو آئینے میں دیکھتی رہی۔ ہاں اس کا چہرا کالی گھٹا کی زد میں مرجھا گیا تھا۔ اس کا دماغ ذہنی دباؤ سے الجھ گیا تھا۔ اس کا دل پیاروں کے کھو جانے سے ڈوب گیا تھا۔ اور اس وقت اسے جس شے کی ضرورت تھی وہ تھی توجہ۔ احساس و محبت کے بدلے میں اسے طعنے سننے کو مل رہے تھے۔ اس نے غور کیا تھا کہ سلمان کا بھی رویہ دو تین دن سے بدل گیا تھا۔ وہ پہلے تو سلمان کی بے توجہی کو کام کی مصروفیت کی وجہ سمجھی تھی پر اب زمرد کے انکشاف پر اسے سمجھ آنے لگا تھا۔ بلاشبہ مجبوری انسان کو کیا کیا نہیں

کرواتی۔ وہ سر پر چھت کی خاطر اپنے جذبات کا گلا گھونٹ رہی تھی۔ اپنے دماغ سے خیالات کو ختم کر رہی تھی۔ اس کی آنکھیں نم تھیں پر اب اس کا مقصدِ حیات بدل گیا تھا۔ اسے سلمان کی توجہ حاصل کرنے کے لیے اپنی ازلی طبیعت کو فنا کرنا تھا۔

وہ شام کو نہا دھو کر فریش ہو کر نکلی تھی۔ اس نے کھلتے ہرے رنگ کا جوڑا پہن لیا تھا۔ کپڑے تو وہ اچھے پہن لیا کرتی تھی پر آج اس نے سنگھار میز کے پاس کھڑے ہو کر ہلکا میک اپ کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ اس نے پریس پاؤڈر سے چہرے پر ایک تہہ لگائی تھی جس سے اس کا مرجھایا ہوا چہرا کچھ کچھ کھلتا ہوا لگ رہا تھا۔ پھر اس نے کاجل لے کر آنکھوں کو خوب گہرا کیا تھا۔ ہونٹوں پر گلابی رنگ کی لپ اسٹک لگائی تھی۔ پھر دونوں ہاتھوں میں چوڑیوں کے ساتھ ساتھ سونے کے کڑے پہن لیے جو اسے زمرد نے شادی پر دیئے تھے۔ گلے میں چین وہ شادی کے اگلے دن سے پہنے ہوئے تھی اور کانوں میں سونے کی بالیاں آویزاں تھیں۔ گھنیرے بالوں کو برش کر کے آدھا باندھ لیا تھا۔ بشیر اور سلمان کا آنے کا وقت ہونے لگا تو اس نے قرینے سے دوپٹہ سر پر لے لیا اور دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ اس کی تیاری زمرد کی آنکھوں سے اوجھل نہیں تھی۔ جنہوں نے شکر کا سانس لیا تھا۔ اس نے سرسری سی نگاہ زمرد پر ڈالی تھی پھر سلمان کی راہ تکتی نگاہیں دروازے پر ٹکٹکی باندھے دیکھ رہی تھیں۔ چند لحظہ گزرے تھے اور وہ دونوں گھر پہنچے تھے۔ بشیر کو سلام کرتی ہوئی وہ سلمان کے پاس چلی گئی تھی جو اپنے جوتے اتار کر ایک طرف رکھ رہا تھا جسے سارہ اٹھا کر جگہ پر رکھ دیا کرتی تھی۔ آج بھی معمول کی طرح یہی ہوا تھا پر سلمان نے اس کی طرف نہیں دیکھا تھا۔ وہ پانی سے بھرا گلاس کمرے میں لے گئی تھی اس امید سے کہ شاید وہ نوٹ کر لے اور اس کی توقع کے مطابق سلمان نے اسے دیکھا تھا اور کچھ کچھ حیرت میں مبتلا بھی ہوا تھا۔

"آج اتنی تیاری؟" سلمان نے گلاس تھامتے ہوئے اس سے پوچھا تھا۔

"جی۔ وہ آپ کو پسند ہے نا اس لیے۔" سارہ نے کہا۔

"چلو میرا خیال تو آیا تمہیں۔ ورنہ روز عجیب سی لگ رہی تھیں۔ میں بھی سوچ رہا تھا ماتم کب تک چلے گا۔" اور اس کا دل مٹھی میں جکڑ گیا تھا۔ یعنی اس کے جذبات اور احساسات کوئی معنی نہیں رکھتے تھے۔ پھر یہ سوچ کر کہ ویسے بھی سلمان اس کی زندگی سے ناآشنا تھا تو ایسی رائے قائم کرنا کون سی مشکل بات تھی۔ اس نے دکھتے دل کو تسلی دی تھی۔

"اب صحیح ہے سب؟" سارہ نے پوچھا۔

"ہاں ہے تو بہت اچھا۔ اور رنگ کے کپڑے ہیں نا تمہارے پاس؟ ہرا رنگ اتنا سوٹ نہیں کر رہا۔ اور یہ کیا ہر وقت دکھی روح کی طرح رہتی ہو۔ میں نے شروع میں بھی کہا تھا مجھے شوخ لڑکیاں پسند ہیں۔ تمہاری اتری ہوئی شکل دیکھ کر بدمزہ ہو جاتا ہوں میں۔ کل تھوڑا اور اچھا کرنا میک اپ پھر شاید بھلی لگو۔" سلمان نے تنقیدی انداز سے سارہ سے کہا تھا اور خالی گلاس تھما کر خود فریش ہونے چلا گیا۔ وہ وہیں کھڑی سوچتی رہ گئی آخر ایسا کیا کرے جو سلمان کی پسند کے مطابق ہو جائے۔

☆......☆......☆

وہ رات بہت گہری تھی اور اتفاق سے آج کئی دن بعد اس کی نیند زور آور تھی۔ پر جیسے جیسے وہ اس کھائی میں گرتی جا رہی تھی ویسے ویسے اس پر وحشت طاری ہونے لگی تھی۔ ٹھنڈے موسم کے باوجود بھی وہ عرق آلود ہونے لگی تھی۔ اس کی آنکھوں کی پتلیاں بند پپوٹوں میں ہلتی ہوئی نظر آ رہی تھیں۔ وہ خود کو ویکیوم میں کھنچتا محسوس کر رہی تھی۔ ایسا گہرا اندھیرا جہاں سے نکلنا آسان نہیں تھا۔ یکا یک اس کا تنفس تیز ہونے لگا تھا۔ جسم جو ساکت تھا اس میں خوف سے

ارتعاش پیدا ہو رہا تھا۔ وہ اٹھنا چاہتی تھی۔ اس خوفناک خواب کو توڑ دینا چاہتی تھی۔ اس کی حالت بگڑتی جا رہی تھی۔ اسے نیند کے قفل کو توڑنا تھا۔ خود کی جان اس اندھیرے سے چھڑانی تھی۔ آج خواب پہلے کی بہ نسبت زیادہ خطرناک تھا۔ وہ پوری قوت لگا رہی تھی کہ اچانک چیختی ہوئی بستر پر اٹھ بیٹھی۔ سلمان جو اس کے برابر سو رہا تھا ہڑبڑا کر اٹھ گیا۔ سارہ کی چیخوں سے اس کا ذہنی توازن خراب ہوا تھا۔ پہلے تو اسے لگا جیسے کوئی آسیب کے اثر میں وہ چلا رہی ہے پر جب اس کے آنسوؤں سے تر چہرے پر فوکس کیا تو دل سے خوف جاتا رہا البتہ وہ واقعی ڈر گیا تھا۔ اس نے سارہ کو جھنجھوڑ ڈالا جو ویسے ہی اس ٹراما سے نکلنے میں دقت محسوس کر رہی تھی۔

”مت جائیں...... مت جائیں...... مجھے چھوڑ کر مت جائیں۔“ وہ بڑبڑاتی ہوئی کہہ رہی تھی۔ سلمان کے ہلانے سے وہ جھٹکے سے جب حال میں واپس آئی تو سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔ سلمان الگ اسے بغور دیکھ کر شاک میں مبتلا تھا۔ ایک ہفتے میں پہلی بار ایسا ہوا تھا۔

”ت...... تم ٹھیک ہو؟“ وہ گھبراتا ہوا اس سے مخاطب تھا۔

”ہ...... ہاں...... سوری...... آپ کی نیند خراب کر دی میں نے۔“ وہ پشیمان سی سلمان کی طرف دیکھ رہی تھی۔

”یہ دورہ آج ہی پڑا ہے یا پڑتا رہتا ہے تمہیں؟“ سلمان کے نوکیلے لفظوں نے اسے زخمی کر ڈالا تھا۔ سارہ لب کاٹتی ہوئی اسے دیکھنے لگی تھی۔ حالانکہ ہوتا تو اس کے ساتھ رہا تھا پر آج پہلی بار تھا جب حقیقی طور پر اس کی چیخیں جو خواب میں ہوا کرتی تھیں اب واقعی حقیقت بن گئی تھیں۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا اس کے ساتھ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ سلمان نے اسے اپنے حال پر چھوڑا اور کروٹ لے کر لیٹ گیا۔

”اگر ایسا ہوتا رہا پھر؟“ کچھ سوچ کر سارہ نے گھبرا کر سلمان سے پوچھا۔

"پھر تو پاگل خانے جگہ بہتر ہے تمہارے لیے۔" اور سارہ نے شاکی آنکھوں سے سلمان کی طرف دیکھا جو تمسخر اڑاتا ہوا گویا ہوا تھا۔ اس کی پشت کو تکتی ہوئی سارہ کی آنکھیں پھر اشک آلود ہوئی تھیں۔ وہ کیا کرتی۔ اس کیفیت سے کیسے خود کو نجات دلاتی۔ اسے معلوم تھا وہ دماغی طور پر بیمار ہوتی جا رہی تھی۔ فاروق اور زینت کی وفات نے اس کے ذہن پر گہرا اثر کیا تھا۔

پھر ہوا کچھ یوں کہ معمول کی طرح دن گزرتے رہے۔ وہ روز سارا دن جب تھک ہار کر کام سے فارغ ہوتی تو سلمان کے آنے سے پہلے خود کو اس کے حساب سے تیار کرتی۔ پر ان تمام آرائشوں کے باوجود بھی اس کا چہرا اپنی رونق کھوتا جا رہا تھا۔ سلمان اس کی ضروریات تو پوری کرتا تھا پر کبھی اس کے جذبات کو اس نے سمجھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اس کی کیفیت پھر ایک کٹھ پتلی کی مانند ہو کر رہ گئی تھی۔ وہ سلمان اور زمرد کے اشارے پر چلتی تھی۔ گھر کے کام کاج اور ذمہ داریاں بڑھا کر زمرد نے اسے ٹھیک ٹھاک تگنی کا ناچ نچایا تھا ساتھ ساتھ اس کے دبے دبے رنگ پر اکثر کوئی تضحیک آمیز جملہ ضرور کس دیا کرتی تھیں جو اسے شرمندگی کی اتھاہ گہرائی تک لیتا جا رہا تھا۔ صرف یہ ہی نہیں حالانکہ وہ اپنی ازلی سادہ طبیعت کے خلاف جا کر خصوصاً سلمان کے لیے تیار ہوا کرتی تھی تو بدلے میں اس کی تعریف کی منتظر بھی رہا کرتی تھی۔ پر اس کی تعریف میں کوئی نہ کوئی ایسی بات ضرور شامل ہوتی تھی جو سارہ کے اعتماد کو توڑ دیا کرتی تھی۔ وہ روز خود کو جوڑتی اور سلمان روز اسے بکھیر دیتا تھا۔

☆......☆......☆

اکثر ماں بیٹے کے درمیان سارہ کے رنگ کو لے کر تبصرہ ہوتا۔ وہ باتوں میں اس قدر استہزائیہ الفاظ استعمال کرتے جو برداشت سے باہر ہوتے جا رہے تھے۔ صرف یہ ہی نہیں وہ وقت کے ساتھ ساتھ سلمان کے مزاج میں بدلاؤ دیکھتی جا رہی تھی۔ اس کی نظر اندازی میں

اضافہ ہوتا رہا تھا۔ سارہ اس کے لیے محض ایک نوکرانی کی مانند ہوگئی تھی جو اس کے کہنے سے پہلے اس کے تمام کام کردیا کرتی تھی۔ وہ جتنی کوشش کرتی کہ سلمان اس کی جانب توجہ دے۔ وہ اتنا ہی دور جانے لگا تھا۔ اس کشمکش میں مبتلا وہ ہر وقت الجھی رہا کرتی تھی۔ نیند میں دیکھے گئے خوابوں کا اثر بڑھتا جارہا تھا۔ کئی بار سلمان اپنی نیند کی خاطر دوسرے کمرے میں سوجایا کرتا تھا اور وہ ساری ساری رات جاگ کر منفی خیالات کی لپیٹ میں بند ہوتی چلی جاتی تھی۔ تنہائی اسے بھلی لگنے لگی تھی۔ کم از کم اس کا مذاق اڑانے والا کوئی نہ تھا۔ اسے اذیت دینے والا کوئی موجود نہیں تھا۔ اسے سلمان کے رویے پر شبہ ہونے لگا تھا۔ اور اس کا شک یقین میں تب بدلا جب وہ ایک دن کچن میں داخل ہورہی تھی تو دو ملازماؤں کے درمیان باتیں سن لی تھیں۔

''ہائے! کیا کہہ رہی ہو وہ پھر آگئی؟'' نرگس نے صغراں کی بات سن کر منہ پر ہاتھ رکھ کر کہا تھا۔

''اور نہیں تو کیا۔''

''بشیر صاحب تو اسے بہت دور چھوڑ آئے تھے۔ کتنی رقم دے کر منہ بند کردیا تھا۔ پھر واپس کیوں آئی؟'' نرگس نے پوچھا۔

''پیسے ختم ہوگئے ہوں گے۔ تم ان جیسی لڑکیوں کو نہیں جانتیں۔ اور تو اور وہ بھائی کی پسندیدگی کا پورا فائدہ بھی اٹھاتی ہے۔ جانتی ہے سلمان بھائی اس کے بنا نہیں رہ سکتے۔''

چوکھٹ پر کھڑی سارہ ٹھیک ٹھاک پراگندہ ہوئی تھی۔ آخر دونوں ملازماؤں میں کیا باتیں ہو رہی تھیں پھر سلمان کا تذکرہ سن کر وہ حیرت میں الگ مبتلا ہوئی تھی۔ اس نے اردگرد نظر دوڑائی تو راہ داری خالی تھی۔ اس وقت زمرد کمرے میں آرام کیا کرتی تھیں۔ وہ موقع دیکھ کر کچن میں داخل ہوئی تھی اور اسے اچانک پا کر صغراں اور نرگس کرنٹ کھا کر سیدھی ہوئی تھیں۔

''وہ باجی، میں صغراں کو بتانے آئی تھی آلو کاٹ لے مجھے زمرد بھابی بلارہی ہیں۔'' نرگس تو

موقع دیکھ کر فرار ہوئی جبکہ صغراں جو بھاگنے کو پَر تول رہی تھی تو سارہ کی آنکھوں سے مفہوم اخذ کر کے جامد ہوگئی۔ صغراں تھی بھی بھلی۔ اور خصوصاً سارہ کے زیادہ تر کام وہ کیا کرتی تھی۔ سارہ کے مزاج کا اسے اندازہ تھا اور اسے جب سے معلوم ہوا تھا اس کے لیے الگ فکر مند تھی۔

''تم دونوں کیا بات کر رہے تھے؟'' سارہ نے نرگس کے جاتے ہی صغراں سے پوچھا۔ صغراں اس سوال پر لرز اٹھی تھی۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ وہ کیا کیا سن چکی ہے۔

''وہ...... بتایا نا اس نے آلو کاٹنے تھے۔ سارہ بھابی میں ابھی کاٹ دیتی ہوں پھر آپ کو شام کا کھانا بھی تو تیار کرنا ہے۔'' صغراں جان چھڑانے کی غرض سے آگے بڑھی۔

''صغراں! ٹھہرو...... اور مجھے صاف صاف بتاؤ۔ میں سب سن چکی ہوں جو تم دونوں نے بات کی۔ تم یہ سلمان کے حوالے سے کیا کہہ رہی تھیں؟'' سارہ نے نرمی سے صغراں سے پوچھا۔ تھی تو وہ ملازمہ ہی اور ضرورت مند تھی۔ سارہ ہرگز نہیں چاہتی تھی کہ اس کی روزی پر کوئی رکاوٹ آتی۔

''تم گھبراؤ نہیں۔ مجھے سب جاننا ضروری ہے۔ پلیز تمہارا راز مجھ تک رہے گا بھروسہ رکھو'' وہ اسے سراسیمہ دیکھتی ہوئی لجاجت سے کہنے لگی تھی۔

''وہ سارہ بھابھی! دراصل ایک لڑکی ہے عاشی۔ یہاں محلے میں رہا کرتی تھی۔ بڑی شوخ اور چنچل سی تھی۔ پر اس کے حوالے سے کئی باتیں مشہور ہیں کہ وہ کردار کی بھلی نہیں۔ کئی غیر سرگرمیوں میں ملوث رہتی تھی۔ پھر خوش قسمتی سمجھو یا بدقسمتی وہ ہے بھی بہت حسین۔ علاقے کے کئی لڑکے اس کے پیچھے تھے اور......'' وہ کہہ کر جھجک گئی۔

''اور؟'' سارہ نے اسے آگے کہنے کا اشارہ کیا۔

''سلمان بھائی بھی ان میں سے ایک ہیں۔'' سارہ شاک کے عالم میں صغراں کو دیکھے گئی۔

''بھابھی! آپ سے بہت سی باتیں گھر والوں نے چھپادی ہیں۔ پر آپ مجھے بے حد اچھی لگیں۔ جو یہ آپ کے ساتھ بیگم صاحبہ کر رہی ہیں وہ ٹھیک نہیں۔ تب ہی آپ کو سب بتا رہی ہوں۔ سلمان بھائی سے آپ کی دوسری شادی ہے۔'' آسمان جیسا بوجھ تھا جو اس کے سر پر وزن دینے لگا تھا۔ وہ حیرت سے گنگ سانس روکے صغراں کو سن رہی تھی۔

''آپ سے پہلے جو شادی ہوئی تھی وہ بھی بشیر صاحب کی پسند سے ہوئی تھی۔ سلمان بھائی اس عاشی کے دیوانے ہیں اور بشیر صاحب کو یہ گوارا نہ تھا۔ ان کی عزت پورے محلے میں کی جاتی ہے۔ انہیں عاشی کسی صورت بہو کے طور پر قبول نہ تھی۔ تب ہی عاشی کو کافی رقم دے کر وہ اسے یہاں سے رفع دفع کر گئے تھے۔ سلمان بھائی کو الگ سمجھایا تھا پر عاشی نے تو جیسے ان پر جادو سا کر دیا تھا۔ شادی بمشکل چار مہینے چل سکی تھی۔ سابقہ بیوی کو معلوم پڑ گیا تھا کہ سلمان بھائی کے دل میں کوئی لڑکی بسی ہے۔ انہوں نے خوب واویلا مچایا تھا پر بشیر صاحب نے اپنے اثر ورسوخ سے ان کا منہ بند کر دیا تھا۔ سلمان بھائی نے انہیں طلاق دی اور محلے میں یہ مشہور کر دیا کہ لڑکی ذہنی طور پر بیمار تھی۔'' وہ سانس لینا بھول گئی تھی۔ پھٹی پھٹی آنکھوں سے صغراں کو سن رہی تھی۔ اسے لگا تھا جیسے اس کے کان سائیں سائیں کر رہے ہیں۔

''دو سال تک پھر شادی نہ کی۔ بڑے صاحب نے سلمان بھائی کو خوب سمجھایا اور عاشی کو کافی رقم دے کر یہاں سے بھگا دیا۔ جب معاملہ ٹھیک ہوا تو بشیر صاحب نے سلمان بھائی کی پھر شادی کے حوالے سے سوچا۔ اگرچہ خاندان میں کنواری لڑکیاں بہت تھیں پھر بھی وہ دیکھو دور شہر سے آپ کو پسند کر کے لائے تھے۔ وجہ یہی تھی کہ آپ کو سلمان بھائی کے رویے کا اندازہ نہ تھا اور اگر ہو بھی جاتا تو بھی خاندان میں کتنی بات پھیل جاتی۔ پر اب معلوم ہوا ہے کہ عاشی پھر محلے میں آگئی ہے۔ کافی وقت ہو گیا ہے۔ اب اللہ جانے کیا ہوگا۔ بھابھی! آپ کو

کہوں گی سلمان بھائی پر نظر رکھنا۔ اور تو اور ان کی توجہ خود سے مت ہٹانا۔ عاشی ڈائن ہے۔ معلوم نہیں کیسے جادو کر کے سلمان بھائی کو اپنے گرفت میں کر جاتی ہے۔'' وہ کہہ کر تو وہاں سے نکل گئی پر سارہ ساکت بے حرکت کھڑی رہ گئی۔ جن الجھنوں کا شکار وہ کئی دن سے تھی آج تمام تانے بانے بن کر اسے بات سمجھ آئی تھی کہ سلمان دراصل اسے روز بروز کس روپ میں بدلنا چاہ رہا تھا۔ صغراں کے مطابق وہ عاشی کا خاکہ دماغ میں بنا گئی تھی۔ وہ شوخ چنچل سی لڑکی تھی جسے اپنے حسن پر ناز تھا۔ اور اپنی اداؤں سے اس نے حسن پرست کو اپنا اسیر کر دیا تھا۔ تب ہی سلمان کو سارہ کسی آنکھ نہ بھائی تھی۔

وہ سلمان سے براہِ راست کچھ کہہ نہیں سکی تھی۔ فی الحال اسے صرف عقابی نظر رکھنی تھی حالانکہ اس کی چھٹی حس اشارہ کر گئی تھی کہ سلمان کسی نہ کسی غیر قانونی سرگرمی میں ملوث تھا۔ اس نے کچھ دن انتظار کر کے پہلے زمرد سے بات کرنی چاہی تھی۔ وہ اجازت لیتی ہوئی ان کے کمرے میں چلی گئی اور انہیں اپنے اندر اٹھتے اندیشوں سے آگاہ کیا تھا پر زمرد کی تو جیسے تلوؤں میں لگی سر میں بجھی تھی۔ سارہ کی جسارت پر وہ عش عش کرتی رہ گئیں۔

''تم میرے بیٹے پر الزام لگانے سے پہلے خود کو تو اس قابل کرو کہ وہ تمہاری جانب متوجہ ہو۔'' کرخت لہجے میں انہوں نے سارہ کو جانچتی نظروں سے دیکھا تھا۔

''تمہیں لیپ دیا تھا لگانے کو۔ دیکھو تو ذرا چہرا کیسا ہو گیا ہے۔ کہا بھی تھا بار بار لگا نا رنگ کھلے گا۔ پتہ نہیں تمہیں کس بات کا مسئلہ ہے۔ اچھا کھانا ہے۔ پہن اوڑھ کے لیے بہترین لباس موجود ہیں پھر شہزادے جیسا بیٹا۔ سب تو مل گیا۔ پھر بھی چہرے پر بارہ بجائے رکھتی ہو۔ بی بی! تم اگر اس کے مطابق نہیں ڈھلو گی تو وہ کیا کوئی بھی مرد گھر سے باہر ہی متوجہ ہو گا۔''

''آپ سے میں نے صرف وہ ہی کہا جو میں محسوس کر رہی ہوں۔ رہی میری بات تو میں ہر

لحاظ سے کوشش کرتی ہوں کہ سلمان کو کسی بھی شکایت کا موقع نہ ملے۔ پر وہ کبھی مجھ سے مطمئن نہیں ہوئے۔" اس کی بس ہوتی جارہی تھی۔ جب تک معلوم نہیں تھا تب تک تو خاموشی سے کڑوے گھونٹ پیتی رہی تھی پر اب جب حقیقت کا انکشاف ہوا تو اس نے پیچھے ہٹنے سے گریز کیا اور اپنے مقام کے لیے لڑنا بہتر سمجھا۔

"تیرا وہم ہے بس اور کچھ نہیں! تو اسے اولاد کی خوشی دے۔ ویسے بھی شادی کو کتنے مہینے گزر گئے میں تو یہ سوچ کر کہ شاید اب خوش خبری نصیب ہو گی دن کاٹ رہی ہوں۔ تُو اسے یہ خبر دے گی تو دیکھنا کیسا تیرا ہی اسیر ہو گا۔" زمرد کی بات پر وہ طنزیہ مسکرائی تھی۔

"یعنی اب بھی میں ہی قربانی دوں؟" سارہ نے پوچھا تو زمرد شکن آلود پیشانی سے دیکھنے لگیں۔

"ویسے تو یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ کسی انسان کی طاقت نہیں۔ پر آپ مجھے اس بات کی گارنٹی دیں گی کہ جب میں نو مہینے کی تکلیف برداشت کروں گی تو وہ کہیں اور اپنی توجہ مائل نہیں کریں گے۔" اس کے سفاکی سے کہے گئے لفظوں پر زمرد کو تاؤ آیا۔

"شرم کر، کیسی باتیں کرتی ہے اپنے شوہر کو لے کر! تجھے جو کہا ہے بس وہ کر۔ اور اپنے دماغ سے یہ فتنہ ہٹا دے۔" انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے سارہ کو جانے کا کہا اور سارہ چہرے پر تناؤ لیے وہاں سے چلی گئی۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کیا کرے۔ سلمان کی دن بہ دن بے رخی اور بے اعتنائی نے اس کا جینا حرام کر دیا تھا۔ وہ بے چین رہا کرتی تھی۔ وہ سلمان سے بات کرنا چاہتی تھی۔ اسے غلط اقدام اٹھانے سے روکنا چاہتی تھی۔ کبھی کبھی اسے اپنی سوچ پر شبہ ہوتا تھا۔ شاید صغراں کی باتیں محض قیاس ہوں گی۔ پر پھر پہلی شادی کا سوچ کر وہ بے چین ہو جایا کرتی تھی۔ سلمان جو دل میں کبھی بسا ہی نہیں تھا اب تو نظروں سے بھی گرنے لگا تھا اور

اس کے وجود سے کراہیت کا احساس سارہ کو تب ہوا جب وہ ایک روز باتھ روم فریش ہونے کے لیے گیا تو پیچھے سے اس کا موبائل بج اٹھا تھا۔ اشرف نامی لڑکے کا فون دیکھ کر پہلے تو سارہ نے نظرانداز کیا تھا پر جب اس کے پاس سے میسجز موصول ہوئے جو نوٹیفکیشن بار پر واضح تھے۔ سارہ کو کسی گڑبڑ کا اندیشہ معلوم ہوا۔ دوبارہ کال جب آئی سارہ نے خاموشی سے اسے اٹینڈ کر لیا اور کان سے لگالیا پھر جو سنا تو وہ دم بخود رہ گئی۔

''بالآخر فون اٹھا ہی لیا آپ نے سلمان صاحب۔'' چاشنی میں ڈوبی ہوئی میٹھی سریلی آواز نے سارہ کے اوسان خطا کیے تھے۔ چوڑیوں کی کھنکھناتی آواز اسے فون پر سنائی دے رہی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا وہ دونوں ہاتھوں میں کانچ کی بے تحاشا چوڑیاں پہنا کرتی تھی۔

''کچھ نہیں کہیں گے۔ اب تک ناراض ہیں؟'' جواب نہ پا کر پھر آواز آئی۔ وہ سانس روکے اس لڑکی کو سن رہی تھی جس کے لہجے سے بھی اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ وہ کس کردار کی مالک تھی۔

''اچھا مت کریں بات۔ وہ جو میرے جھمکے آپ نے اتار کر اپنی جیب میں ڈالے تھے۔ وہ لے آئیے گا دراصل بڑی چاہ سے لیے تھے میں نے۔'' سارہ کا سر چکرانے لگا تھا۔ اس کے کان سائیں سائیں کر رہے تھے۔ اسے کسی بات پر یقین نہیں آرہا تھا۔ اس کا بس چلتا کہ زمین پھٹ جائے اور وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دفن ہو جائے۔

''ہاہاہا۔ کیا سلمان صاحب آپ تو روٹھ ہی گئے چلیں ہمیں بھی منانا آتا ہے ایسی کیا بات۔'' ہنسی کا جلترنگ اس کے کانوں میں گونجا تھا۔ اس کی بس ہوگئی تھی۔ طیش کی سرحدوں کو پار کرتی ہوئی اس نے فون کان سے ہٹایا اور کال کاٹ دی۔ اس کا تنفس تیز ہو رہا تھا۔ چہرا شعلے کی مانند تپنے لگا تھا۔ موبائل پر پھر میسج موصول ہوا۔ اس نے اب کی بار ڈراپ ڈاؤن مینیو سے

میسج دیکھا تو عاشی کی تصویر جو اس نے لگائی ہوئی تھی کچھ کچھ نظر آئی۔ وہ بلا کی حسین لڑکی تھی اور سارہ کا بس نہیں چل رہا تھا کہ پہلے تو جا کر اسے زوردار تھپڑ سے نوازے پھر سلمان کی خبر لے۔ وہ حسن کا پجاری خوبصورتی کا اس قدر بھوکا تھا سارہ کو آج احساس ہوا تھا۔ یعنی اس نے سارہ کو کبھی اپنی بیوی کی حیثیت دی ہی نہیں تھی۔ اوّل روز سے اس کا مقصد رہا تھا کہ کسی طرح سارہ کو اپنے حساب سے بدل دے جو وہ ہونے کی پوری کوشش بھی کیا کرتی تھی۔ اگر بات یہاں تک ہوتی تو سارہ کو قبول تھا پر اپنے شوہر کے کسی لڑکی کے ساتھ تعلقات وہ کیسے برداشت کرتی۔ اس نے موبائل ایک طرف رکھا اور سلمان کی قمیص جو اس نے ابھی ہینگر میں ٹانگی تھی۔ اس کی جیبوں میں ٹٹولا تو ٹھٹک کر رک گئی۔ ہاتھ باہر نکالنے پر اس کی ہتھیلی میں سونے کے جھمکے نظر آئے تھے۔ اس نے جھمکوں کو ایک دراز میں ڈال دیا اور سلمان کے جانے کا انتظار کیا۔

زمرد سے بات کرنا فضول تھا۔ اس نے سلمان کے جاتے کے ساتھ سسر بشیر کا رخ کیا جو بیٹھک میں موجود تھے۔ کھانا تناول کر کے وہ حساب کتاب اکثر لیے بیٹھے نظر آتے تھے۔ سارہ نے پوری ہمت جمع کی اور اپنا مقام برقرار رکھنے کی خاطر ان کے پاس جا پہنچی۔ بشیر اسے آتا دیکھ کر اس کے آنے کی وجہ آنکھوں کے اشارے سے پوچھنے لگے تھے۔ سارہ کا ان سے سامنا کم سے کم ہوتا تھا۔ سارہ نے بغیر تمہید باندھے ہتھیلی آگے کی اور بشیر کو سونے کے جھمکے دکھائے۔

''یہ کیا ہے؟'' بشیر نے پوچھا۔

''آپ کے سپوت کی جیب سے یہ نکلے ہیں۔'' سارہ کا لہجہ سرد اور بغیر کسی لچک کے تھا۔ جو لڑکی اپنے حق کے لیے ہمیشہ اٹھی تھی آج بھی کیسے دب کر رہ جاتی۔

''تو اس سے پوچھو مجھے کیا دکھا رہی ہو۔ تمہارے لیے لایا ہوگا۔'' وہ دبی دبی مسکراہٹ

سے کہنے لگے تھے پر سارہ کا چہرا سپاٹ تھا۔

"یہ میرے نہیں ہیں۔ اور سلمان آٹھ نو مہینے ہو گئے شادی کو آج تک کچھ نہ لائے تو اب کیا لائیں گے۔" اس نے کہا۔

"تو تم کہنا کیا چاہتی ہو؟" وہ اب کی بار برہم ہوئے۔

"دیکھیں! میں سید حامد سے پر آؤں گی۔ آپ کے صاحب زادے پھر اس عاشی نامی لڑکی کے ساتھ ملوث ہیں۔ اور میرے پاس صرف یہ جھمکے ہی ثبوت کے طور پر نہیں بلکہ کچھ دیر قبل میں نے سلمان کے فون سے اس کی کال اٹینڈ کر کے تمام بات سنی ہے۔ اب آپ بتائیں میں کیا کروں؟ معذرت کہ آپ کے پاس یوں چلی آئی پر میں نے اپنے تمام اندیشے آنٹی سے ذکر کیے تھے جنہوں نے میری بات کو اہمیت نہ دی۔" بشیر کے چہرے پر اتار چڑھاؤ وہ بخوبی دیکھ سکتی تھی۔ ان کی آنکھوں میں سرخ ڈورے پھیلنے لگے تھے۔ وہ ہرگز بھی اس بات کی توقع نہیں کرتے تھے۔

"یہ مت پوچھئے گا کہ مجھے عاشی کے بارے میں پتہ کیسے چلا۔ بیوی ہوں سلمان کی۔ فہم ادراک رکھتی ہوں۔ مجھے جس قدر بے خبر اور بیوقوف سمجھا جاتا ہے وہ میں ہوں نہیں۔ آپ کے پاس یہ پرابلم لے کر آئی ہوں اب آپ بتائیں۔" وہ اس کی جرأت پر حیرت سے گنگ ہوئے تھے۔ فاروق کے مطابق انہیں یہ ہی لگا کرتا تھا کہ سارہ ایک دبی ہوئی لڑکی تھی جو یتیم ہونے کے باعث مجبور تھی۔ پھر شادی کے دوسرے دن فاروق اور زینت کے انتقال سے انہیں کہیں نہ کہیں اپنے کیے فیصلے پر فخر ہوا تھا۔ وہ مزید اپنے محلے میں ذلت و رسوائی نہیں چاہتے تھے۔ انہیں ایسی ہی لڑکی چاہیے تھی جو ان کی محتاج ہو کر رہ جائے۔ تا کہ سلمان کے کرتوت اس لڑکی کی وجہ سے چھپے رہیں اور عیاں نہ ہوں۔ پر سارہ پچھلی بہو سے زیادہ ہوشیار

اور باہمت ٹھہری تھی۔ جس کا میکے سے سہارا نہ ہو کر بھی اس قدر دلیری سے ان سے سوال کرنا انہیں حیرت کدے میں لے گیا تھا۔

''تم جانتی ہو نا کہ یہ چھت تمہارا واحد سہارا ہے؟ تمہارے آگے پیچھے کوئی نہیں؟'' وہ سوچتے ہوئے کہنے لگے پر ان کے انداز میں طنز کی آمیزش تھی۔ سارہ کی گلٹی تو ابھری تھی پر اس کی ہمت نہیں ٹوٹی تھی۔

''تمہیں اتنا ہی کہوں گا کہ سمجھاؤں گا میں سلمان کو۔ اب جب تم سب جان ہی گئی ہو تو صبر کرو۔ اس لڑکی کو دور کرنا میرا کام ہے۔''

''کتنے پیسے دے کر دور کریں گے آپ اسے اس بار۔'' اور سارہ کے منہ سے الفاظ سمجھو طمانچے کی مانند پڑے تھے انہیں۔ وہ طیش کو ضبط کرتے ہوئے اسے گھورنے لگے تھے۔

''اپنی حد میں رہو تو اچھا ہوگا۔ میں کہہ رہا ہوں اسے میں سمجھاؤں گا۔ ابھی جیسا چل رہا ہے چلنے دو۔ تمہیں اپنے رشتے پر توجہ دینی ہے۔ وہ کیا کرتا ہے کیا نہیں اس سے تمہیں کوئی غرض نہیں ہونا چاہیے۔ انسان سوچ سمجھ کر قدم اٹھائے وہ ہی اس کے لیے بہتر ہے۔ میں اپنے گھر میں فساد نہیں چاہتا۔''

''آج معلوم ہوا آپ نے کیوں جہیز کی ڈیمانڈ نہیں کی تھی۔ آپ کو ایسی لڑکی چاہیے تھی جو آپ کی عزت خراب ہونے سے بچالے۔ خواہ آپ کا سپوت کچھ بھی کرتا پھرے۔ اس سے پہلے پانی سر پر سے گزر جائے آپ کچھ کریں۔'' وہ کہہ کر پلٹی تو زمرد کو اپنے عقب میں پایا جو غصے سے اسے دیکھ رہی تھیں۔ پر سارہ انہیں بھی اکڑاتی نظروں سے دیکھتی ہوئی باہر چلی گئی۔

☆......☆......☆

سارہ کو سلمان میں کوئی تغیر برپا ہوتا نظر نہیں آیا۔ اگرچہ بشیر نے بذاتِ خود سلمان کو باز

رہنے کی تاکید کی تھی پر اس بار معاملہ ہاتھ سے نکلتا جا رہا تھا۔ محلے میں بات کا بتنگڑ نہ بنے اس لیے سارہ کو خاموشی اختیار کرنے کے لیے کہا تھا۔ وہ صبر کے گھونٹ پیتی رہی تھی اور سلمان کے دن بھر دن بدلتے تیوروں کو دیکھتی ہوئی کڑھتی رہتی تھی۔ جو شام ڈھلے تک آ جاتا تھا اب اکثر رات کو بھی غائب رہنے لگا تھا۔ صغراں کی بات اسے اکثر پریشان کرتی تھی۔ عاشی نے واقعی کوئی جادو سا کر دیا تھا کہ اسے بشیر کی عزت کا خیال تک نہ رہا تھا۔ سارہ کو اس کی موجودگی سے گھن محسوس ہونے لگی تھی۔ وہ قفس میں مقید تھی اور اسے سر خم کیے بیٹھنے کا حکم دیا گیا تھا۔ وہ لاوارث تھی۔ چھت کی خاطر انہیں گمان تھا کہ سارہ کسی صورت بھی ایسا قدم نہیں اٹھا سکے گی جو ان کی عزت مجروح کر دے۔ وہ وقتاً فوقتاً سلمان سے بات کرتے رہتے پر سلمان اس بار ٹس سے مس نہ ہوا تھا۔ اسے عاشی سے شادی رچانے کی ضد تھی۔ بشیر دو راستوں پر بٹ گئے تھے۔ زمرد بیٹے کی ضد سے تو پریشان تھیں ہی ساتھ ہی ساتھ انہیں سارہ کی طرف سے کی گئی جرأت سے خوف آنے لگا تھا۔ انہوں نے پہلے بھی مشکل سے خواتین کے منہ بند کیے تھے۔ اب کی بار اگر رشتہ ٹوٹا تو وہ کیا کہتیں سب کو۔ سارہ کو جب سلمان کی ضد کی بھنک پڑی تو اس سے رہا نہیں گیا۔ وہ محض ملازمہ کا کردار اس گھر میں نبھانے کی حد تک رہ گئی تھی۔ گویا سلمان کی کوئی ذاتی ملازمہ جو اس کے تمام ضروریات کا خیال رکھتی رہے اور بدلے میں چپ سادھ لے۔ بشیر کے سمجھانے کے باوجود بھی وہ سلمان سے بات کرتی تھی۔ جب جب وہ راتوں کو دیر سے گھر آتا سارہ اسے جاگی ہوئی ملتی۔ وہ اپنی انا کو بالائے طاق رکھتی اور سلمان سے رسان سے اور فہمائشی انداز سے بات کیا کرتی تھی کہ وہ جو کچھ کر رہا ہے غلط کر رہا ہے پر سلمان جھلا جاتا۔ وہ عاشی کے خلاف ایک بات سننے کو تیار نہ تھا حتیٰ کہ ایک دو بار وہ سارہ پر ہاتھ اٹھا گیا تھا۔ سارہ بے دست و پا ہونے لگی تھی۔ اسے بکھری ہوئی شادی شدہ زندگی کی سمت جانے

کی امید نہیں تھی۔ وہ اسے لتاڑتا، برے الفاظوں سے نوازتا، اس کی شکل کا موازنہ عاشی کی شکل سے کرتا۔ وہ کوئی کسر نہ چھوڑتا جس میں سارہ کو اپنا آپ مجرم لگتا۔ وہ ذہنی دباؤ میں دبتی جا رہی تھی اور اندرونی توڑ پھوڑ کے زیر اثر تباہ ہونے لگی تھی۔

وہ ایک دسمبر کی سرد رات تھی۔ رات کے دوسرے پہر کا آخری حصہ تھا جب اسے دروازے پر دستک سنائی دی تھی۔ وہ بیٹھک میں موجود سلمان کی راہ تک رہی تھی۔ سارہ نے دروازہ کھولا تو سلمان کو چوکھٹ سے سہارا لیتے دیکھا۔ وہ شراب پی کر آیا تھا اور باقی دن کی بہ نسبت آج ہوش میں زیادہ تھا۔

''اتنی دیر کر دی کھولنے میں۔'' وہ برہمی سے کہتا ہوا اندر داخل ہو گیا۔ سارہ نے دروازہ بند کیا اور اس کی تقلید میں چلتی ہوئی کمرے میں آ گئی۔ اس کے منہ کی بو سارہ کی طبیعت میں متلی سی کر رہی تھی۔ اس کا وجود سارہ کو کراہیت دلا رہا تھا۔ اگر وہ لاوارث نہ ہوتی تو کب کی اس قید سے آزاد ہونا چاہتی کیونکہ اس نے ہر لحاظ سے کوشش کر لی تھی پر تالی دونوں ہاتھ سے بجتی ہے۔ وہ اپنے ذمہ داری تو نبھا رہی تھی پر سلمان ہر فرض بھلا بیٹھا تھا۔

''پانی۔'' اس نے سائڈ میز سے گلاس جگ سے بھر کر سلمان کو دیا۔

''سلمان! یہ کب تک چلے گا؟'' اور آج پھر اس نے کوشش کی تھی۔ سلمان کو باقی دنوں کے مقابلے آج بہتر پایا تو اس سے بات کرنا مناسب سمجھا۔

''میں آپ سے کچھ نہیں مانگتی سلمان۔ لیکن التجا کرتی ہوں واپس آ جائیں۔ آپ ایک لڑکی کے چکر میں خود کو تباہ کر رہے ہیں۔ آپ یہ کیوں نہیں سمجھتے۔'' وہ اس کے برابر بیٹھی اس کا ہاتھ تھام کر فہمائشی انداز میں کہہ رہی تھی۔ پر اس کے تو کان پر جیسے جوں رینگ نہیں رہی تھی۔ اس نے طنزیہ انداز میں ہنس کر سارہ کو دیکھا۔

”وہ لڑکی ایسی ہے کہ اس کے لیے تباہ ہو یا جائے۔“

سارہ ضبط سے سلمان کو دیکھتی رہی۔

”تم اس کے دور دور تک بھی نہیں سارہ۔ وہ قیامت ہے قیامت اور تم۔ فقط میرے سر پر آفت۔ اور مزے کی بات بتاؤں اسے تمہاری طرح دورے نہیں پڑتے راتوں کو۔“ اب کی بار وہ خباثت سے ہنسا تو سارہ کا دل کٹ کر رہ گیا۔

”کیا یہ یوں ہی چلتا رہے گا؟“ کچھ توقف کے بعد وہ گویا ہوئی۔

”نہیں۔ شادی کروں گا اس سے۔ پر اس کی ضد ہے۔ تم بتاؤ گی تو نہیں ابا کو؟“ اس نے میسنی سی شکل بنا کر سرگوشی میں سارہ سے کہا تھا۔

”تمہیں طلاق دینی پڑے گی۔“ اور سارہ پر جیسے بجلی گری تھی۔ وہ کرنٹ کھا کر پیچھے ہٹی تھی۔

”آپ ایسا نہیں کر سکتے۔ سلمان! میں کہا جاؤں گی۔ آپ تو میری حالت جانتے ہیں۔ یہ ہی گھر ہے میرا۔“ سارہ نے اصرار کن لہجے میں سلمان سے کہا۔

”میں کچھ نہیں کر سکتا! اسے تم قبول نہیں۔“ سلمان نے کندھے اچکا کر سارہ کی لجاجت کو نظر انداز کیا۔

”وہ لڑکی نہیں آسیب ہے آپ پر۔ کیوں نہیں سمجھتے آپ! کیا خدا کا خوف نہیں آپ کو۔ پہلے تو ناجائز رشتہ رکھتے ہیں اور اب ناحق مجھے طلاق دینا چاہتے ہیں۔“ وہ چلا اٹھی تھی۔ اس کے جذبات کا ضبط پھٹ پڑا تھا۔

”میں کچھ نہیں کر سکتا۔“ وہ اسے بازوؤں سے پکڑ کر بیٹھک تک لے گیا تھا۔

”سلمان رحم کریں ایسا مت کریں۔ یہ واحد چھت ہے۔ مجھے وہ منظور ہے۔ آپ اس کے ساتھ رہیں اس سے شادی کر لیں پر مجھ سے یہ چھت مت چھینیں۔“ اسے بے چھت ہونے کا

خوف اندر ہی اندر مار رہا تھا۔ کہاں جائے گی؟ کیا کرے گی؟ اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ ان کی آواز سنتے ہوئے زمرد اور بشیر بھی اپنے کمرے سے نکل آئے تھے۔

"انکل! انہیں سمجھائیں یہ عاشی سے شادی کے چکر میں مجھے طلاق دینا چاہتے ہیں۔"

سارہ کی نظر بشیر پر پڑی تو وہ حیرت سے سلمان کو دیکھنے لگے تھے۔

"جھوٹ ہے ابا! ایسا کچھ نہیں ہے۔ اس سے پوچھیں اسے مجھ سے ہزاروں مسئلے ہیں۔ اماں! آپ ہی بتائیں کیا اس نے کہا نہیں تھا کہ اولاد نہیں چاہیے؟" سلمان معصومیت لیے زمرد سے کہہ رہا تھا اور سارہ شاک کے عالم میں سلمان کو تک رہی تھی۔

"ہاں۔ اس نے ایک بار کہا تھا کہ ایسی قربانی نہیں دے گی۔"

سارہ نے صدمے اور حیرت کی حالت میں زمرد کو دیکھا تھا۔ بشیر خاموش تماشائی بنے سب سن رہے تھے۔

"دیکھیں ابا! ایک سال ہونے کو آ گیا ہے اور اولاد بھی نہ دے سکی یہ۔ بلکہ یہ تو چھوڑیں ابا! ایک سال سے اس کا پاگل پن برداشت کر رہا ہوں۔ راتوں کو اٹھ کر چیخنے کی عادت ہے اسے۔ دماغی حالت اس کی ٹھیک نہیں۔"

وہ چیخ چیخ کر اس کی ذات پر تہمت لگا رہا تھا اور سارہ دنگ سی کھڑی دیکھے جا رہی تھی۔ کیسے کایا پلٹ رہی تھی۔ وہ کیا کرنے جا رہی تھی اور ہو کیا رہا تھا۔

"اور تو اور، اسے کہتا ہوں سجے سنورے میرے حساب سے چلے۔ پر مجال ہو جو یہ کچھ کرتی ہو۔"

"سنیں! یہ تو میں نے بھی اسے بہت بار سمجھایا تھا۔ پر یہ تو آج تک اپنے ماموں مامی کے ماتم سے نہ نکلی۔ کتنی خواتین کے سامنے اس نے میری ناک بھی کٹوائی ہے۔ پھر آپ کو اس کی

جرأت یاد ہے نا۔ کیسے آپ کے سامنے آگئی تھی۔ سلمان کے خلاف آپ سے کہہ رہی تھی۔"
سلمان یہ سن کر طیش میں مبتلا ہوا تھا۔ کیونکہ بشیر نے سلمان پر ظاہر نہیں کیا تھا کہ انہیں سارہ پہلے ہی سب باتوں سے آگاہ کر گئی تھی۔ اس نے سارہ کو دونوں بازوؤں سے پکڑ کر خود سے جارحانہ انداز سے قریب کیا۔

"تم کیا کیا کرتی پھر رہی ہو میرے پیچھے سے۔" وہ قہر آلود نگاہیں لیے اسے دیکھ رہا تھا جو ہوش کھونے کے آخری نہج پر تھی۔ اس نے رو رو کر نفی میں گردن ہلائی تھی۔ اس سے پہلے بشیر کچھ کہتے سلمان نے اسے غصے سے پکڑ کر تین بار طلاق دے دی۔ سارہ کے پیروں تلے زمین کھسکتی رہی۔ وہ شاک کے عالم میں سلمان کو تک رہی تھی۔ بشیر الگ اس افتاد پر تیار نہیں تھے۔ زمرد خود بھی سلمان کے اچانک فیصلے سے متحیر ہوئی تھیں۔ انہیں معلوم نہیں تھا کہ بات یہاں تک بڑھ جائے گی۔ وہ تو بیٹے کی وکالت کرنا چاہ رہی تھیں۔

"نہیں رکھنی اس سے شادی ابا مجھے۔ تب ہی دے دی۔ اسے اولاد نہیں چاہیے۔ اسے میرے موجودگی بری لگتی ہے۔ اس کی بیماری کی وجہ سے میں الگ کمرے میں سوتا رہا ہوں۔ آئے وقت سر درد کا بہانا بنا دیتی ہے۔ اور کیا کیا بتاؤں آپ کو۔ آپ کی خاطر چپ تھا میں پر اب میری برداشت سے باہر ہو گیا۔"

وہ سکتے کی حالت میں ایستادہ رہ گئی تھی۔ بشیر کے کہنے سے پہلے سلمان جان بچا کر کمرے میں چلا گیا تھا۔ سارہ کے پاس کوئی الفاظ نہ تھے۔ بشیر پریشان حال سے کمرے میں چلے گئے جبکہ زمرد کو سارہ پر خوب طیش آیا۔ وہ اسے بازو سے کھینچتی ہوئی دوسرے کمرے میں لے گئی تھیں۔

"جس دن تُو نے اس گھر کی دہلیز پر قدم رکھا تھا اور تیری خوشیاں تیرے ماموں مامی کو نگل گئی تھیں اسی دن سے مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ تو کتنی بدنصیب اور منحوس ہے۔ میرے بیٹے نے

تیرے لیے کیا کچھ نہیں کیا۔ عزت سے تیرے گھر والوں کی تدفین کی۔ ارے وہ چھوڑ تیرا کتنا مہنگا علاج کرایا تا کہ اس کے شانہ بشانہ تو کم از کم لگے۔ بہترین لباس تجھے دیئے۔ کتنے ہار سنگھار چڑھائے پر نہیں تیرے غم کہاں ختم ہوئے۔ ایسی شکل لیے ہر وقت اس کے آمنے سامنے رہا کرتی تھی۔ وہ کہاں گھاس ڈالے گا تجھے۔ اس پر تہمت لگاتی رہی تھیں۔ کہا بھی تھا چپ رہنا جیسا چل رہا چلنے دینا۔ خود پر توجہ دے پر نہیں، تجھ سے تیرا اپنا شوہر نہ سنبھل سکا۔" وہ دھتکارتی ہوئی اسے کمرے میں دھکیل کر لفظوں سے تیر چلا رہی تھیں۔ سارہ سٹپٹاتی ہوئی انہیں سنتی رہی۔ اس کی زبان تالو سے جا لگی تھی۔ دل بیٹھا جا رہا تھا۔ وہ اب تک بے یقینی کے کدے میں تھی۔ کیا وہ واقعی بے گھر ہو گئی تھی؟ جیسے ہی زمرد نے دروازہ زور سے بند کیا سارہ کے ساکت وجود میں حرکت پیدا ہوئی۔ پھر ایک ہی جست میں وہ آگے بڑھی اور کمرے میں ہوش وخرد سے بیگانہ کچھ ڈھونڈنے لگی۔ بس آج سب ختم ہوا۔ اسے خود کو ختم کرنا تھا۔ ان اذیتوں سے چھٹکارا پانا تھا۔ وہ بے گانی سی یہاں وہاں کچھ تلاش کر رہی تھی۔ اسے خود پر ہوش کہاں تھا۔ وہ ہار مان گئی تھی۔ اس زندگی کو ختم کر کے ہر درد مٹا دینا چاہتی تھی۔ وہ ڈھونڈتی ہوئی ایک جگہ سے دوسری جگہ بھاگ رہی تھی کہ اچانک فجر کی اذان کی صدائیں بلند ہو کر اس کے کانوں میں پڑیں اور وہ جہاں تھی وہیں ٹھہر گئی۔

سورج چڑھتے ہی اسے بشیر نے اپنے پاس بلایا تھا۔ وہ تھکان سے چور اٹھ کر بیٹھک میں چلی گئی تھی۔ بشیر پورے طمطراق سے صوفے پر براجمان تھے۔ سارہ جب داخل ہوئی تو اسے جانچتی نظروں سے دیکھنے لگے تھے۔ وہ سپاٹ چہرا لیے بشیر کو تک رہی تھی۔

"تمہیں سمجھایا تھا کہ چپ رہنے میں بھلائی ہے۔ پر تم نہیں مانیں۔ اسے اس نہج پر لے آئیں کہ وہ تم سے اچاٹ ہو کر تمہیں طلاق دے گیا۔ کیا اس بارے میں اب کچھ کہنا چاہو گی؟"

وہ نقاہت محسوس کر رہی تھی۔ جسم میں سے جان جا رہی تھی پر بشیر کے سامنے وہ ہمت جمع کیے کھڑی تھی۔

"مجھے کچھ نہیں کہنا۔" اس نے سرد لہجے میں کہا جس پر بشیر نے تاسف سے سانس کھینچی۔

"تم فاروق کی بھانجی ہو اسی لیے تمہیں عدت تک رہنے کی اجازت دے رہا ہوں۔ اب گڑھا تم نے خود کھودا اور اس میں کود بھی تم خود گئیں۔ اس کے باوجود بھی میں اتنا تمہارے لیے کر سکتا ہوں۔ پر زبان کو لگام رکھنا اور جو کمرا دیا جائے اس سے باہر آنے کی جرأت نہیں کرنی۔" وہ متنبہ کر رہے تھے۔

"اس چھت سے تو مجھے کھلا آسمان زیادہ قبول ہے۔" وہ حقارت سے گویا ہوئی تھی۔ "میں کچھ بھی کہوں گی آپ یقین نہیں کریں گے۔ میری خاموشی ہی سب سے بڑا ہتھیار ہوگی۔ عنقریب آپ کو آپ کے بیٹے کا مکروہ چہرا واضح ہو جائے گا۔" وہ انجانی قوت کے زیر اثر بشیر سے مخاطب تھی۔

"کیا ملا تمہیں یہ سب کر کے۔ تمہیں فرق تو نظر آ ہی گیا ہوگا۔ آج تم بے گھر ہو اور میں ابھی بھی اسی مقام پر موجود ہوں۔ سکون سے اپنے زندگی جیتیں۔ خوش رہتیں سلمان کتنے دن اس لڑکی کے ساتھ گزارتا۔ آنا تو اسے پلٹ کر گھر ہی تھا۔" بشیر نے رعونت سے طنزیہ مسکراہٹ لیے اسے کہا۔ سارہ کی باتیں انہیں خوب تاؤ دلا رہی تھیں۔

"خوب کہا آپ نے۔ اولاد کے ناجائز تعلقات کو چھپاتے وقت اللہ کا قہر لگتا ہے بھول گئے آپ۔ خیر! آپ اکڑائیں اپنی گردن اس دنیا میں۔ میں اپنا مقدمہ اللہ کی عدالت میں لڑوں گی۔ یاد رکھیے گا میری اب آپ سے ملاقات روزِ قیامت ہوگی۔"

☆......☆......☆

”اے اماں! چھوڑ نا۔ پھر کبھی دیکھ لیں گے شام ڈھل رہی ہے۔ تیری دوارہ جائے گی تو لڑھک ہی نہ جائے۔“

”ڈرفٹے منہ! نالائق ایسے کہے گا۔“ شاہ نواز پیچھے ہٹا تھا۔ اماں کے ہاتھ میں لاٹھی جو اٹھ گئی تھی۔

”مذاق تھا اماں مذاق۔ تو جب دیکھ مارنے لگتی ہے۔“ شاہ نواز ہنستا ہوا پیچھے ہٹ رہا تھا اور اماں کی لاٹھی سے بچنے کی کوشش کر رہا تھا۔

”اے اماں وہ کیا ہے؟“ سامنے کی سمت سڑک کے کنارے اسے کچھ ہیولہ سا دکھائی دیا۔

”کیا دیکھ لیا جو اتنا حیران ہو رہا ہے؟“ اماں کی نظر بھی شاہ نواز کی نگاہوں کی سمت مڑی تھیں۔

”ہائے یہ تو کوئی چھوکری معلوم ہوتی ہے۔“ ماں جی کہتی ہوئی اس کے قریب جانے لگی تھیں۔

”چھوڑ اماں۔ کیوں جا رہی ہے۔ معلوم نہیں زندہ ہے یا مرگئی۔ خواہ مخواہ پولیس ہمیں پکڑ کر لے جائے گی۔“ شاہ نواز نے بازو پکڑ کر ماں جی کو روکا تھا۔

”اے کیا باؤلا ہو گیا ہے۔ دیکھنے تو دے مجھے۔“ وہ بازو چھڑاتی ہوئی آگے بڑھیں۔

”زندہ ہے دیکھ سانس چل رہا ہے، پر یہ ہے کون؟“ ماں جی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھانا چاہا پر جسم کی حدت نے انہیں جھٹکا دیا تھا۔

”ہائے مولا اسے تو بہت تیز بخار ہے۔ بچی تپ رہی ہے شاہ نواز۔ لگتا ہے بے ہوش ہے یہاں کب سے۔“ وہ اطراف میں دیکھ رہی تھیں شاید کوئی جاننے والا نظر آ جائے۔ پر اس کچی سڑک پر آگے پیچھے کوئی نہ تھا۔

”مر جائے گی یہ۔ چل جا ہاتھ گاڑی لا اسے ڈال کر گھر لے چلتے ہیں۔ ورنہ یہ یہیں مر جائے گی۔“ ماں جی نے گھبرائے ہوئے کہا۔

''اماں! تم یہیں رکو میں بھاگ کر لاتا ہوں۔'' گھر پاس تھا۔ شاہ نواز اپنی ہاتھ گاڑی بھاگا ہوا لے کر آیا۔ ماں جی اور شاہ نواز نے مل کر جیسے تیسے بے سدھ پڑی لڑکی کو اٹھایا۔ اس کا بیگ اس کے برابر رکھا تھا جو شاہ نواز ہاتھ گاڑی میں رکھ کر اسے تیزی سے گھر کی طرف لے گیا تھا۔ بستر پر اسے لٹا کر ماں جی نے پانی کی پٹیاں رکھنا شروع کی تھیں اور شاہ نواز کو پاس ہی کلینک سے ڈاکٹر کو بلانے کا کہہ دیا جو تھوڑی دیر میں آ گئے تھے۔

''کیا ہوا ہے اسے ڈاکٹر صاحب؟'' ماں جی نے پوچھا۔

''گھبرانے کی بات نہیں ہے۔ تیز بخار کی وجہ سے بے ہوش ہو گئی ہیں۔ انجکشن لگا دیا ہے۔ جلد ہوش آ جائے گا۔'' ڈاکٹر صاحب نے دوائی کا پرچہ شاہ نواز کو دیا جو بھاگا بھاگا قریبی دکان سے لے آیا تھا۔ ماں جی تب تک اس کے آس پاس رہی تھیں۔ وہ بے ہوشی کے عالم میں بھی بے چین تھی۔ بار بار درد سے کراہ کی آواز نکال رہی تھی۔

''پتہ نہیں کون ہے۔ اللہ خیر کرے بس۔'' ماں جی اٹھ کر اس کے پاس آ بیٹھی تھیں۔ وہ نیند میں گردن ہلا رہی تھی۔ ان آنکھوں کے پیچھے اندھیرا تلے اندھیرا تھا اور ایک ویکیوم جس میں وہ کھنچی ہوئی محسوس کر رہی تھی۔ اس کی جان جاتی رہی تھی۔ یکلخت اس کا چہرا پسینے سے چُور ہوا تھا۔ ماں جی اسے بغور دیکھتی ہوئی آگے آئی تھیں اور اس کے پیر کے تلوے سہلانے لگی تھیں۔ وہ تکلیف میں تھی بے حد تکلیف میں۔ اس کی کراہتی ہوئی آواز میں اضافہ ہوا تھا۔

''نہ بچے نہ۔ کیسے درد میں ہے بیچاری۔'' ماں جی نے ترحم بھری نگاہ سے اسے دیکھا تھا۔ اس کی آنکھوں کی پتلیاں تیز تیز حرکت کر رہی تھیں۔ اس کے جسم میں ایک جھٹکا سا محسوس ہوا اور وہ چیختی ہوئی بستر سے اٹھی تھی۔ اس کی فلک شگاف چیخوں میں اس قدر درد تھا کہ بوڑھی اماں بھی بوکھلاتی ہوئی اس کے پاس لپکی تھیں۔

''ہائے مولا! شاہ نواز، او شاہ نواز۔'' ماں جی نے اس ڈری ہوئی لڑکی کو اپنے سینے سے لگا لیا۔ اس کا پورا جسم کپکپا رہا تھا۔ اس کی آنکھیں وحشت سے پھٹی ہوئی تھیں۔ شاہ نواز داخل ہوا تو ماں جی نے اسے پانی کا گلاس لانے کا کہا۔ وہ بھی لڑکی کو ایسی حالت میں دیکھ کر سہم گیا تھا۔

''مت کریں...... مت کریں...... نہیں جائیں۔ نہیں جائیں۔'' وہ بڑبڑا رہی تھی پر ماں کے الفت بھرے لمس سے اس کا ڈر جاتا رہا تھا۔ وہ بار بار اس کا سر سہلا رہی تھیں۔ اس کی پشت پر تھپک رہی تھیں۔ اپنے فہم و ادراک سے وہ اسے ہر لحاظ سے اس کی حالت میں سدھار لانا چاہ رہی تھیں اور دیکھتے ہی دیکھتے اس لڑکی میں ٹھہراؤ آتا گیا تھا۔ جوں ہی اسے اپنی جانب کسی اجنبی کا اندیشہ ہوا، وہ پیچھے ہٹی۔

''آ...... آپ کون ہیں؟ میں آپ کو نہیں جانتی۔'' ماں جی نے نرم نگاہوں سے اسے دیکھا جو خوف وہراس سی دور ہٹی تھی۔

''بچے! تُو ہمیں سڑک کے کنارے پر بے ہوش ملی تھی۔ تیرا جسم بخار سے تپ رہا تھا۔ تجھے علاج کے لیے میں اپنے گھر لے آئی۔ مت ڈر مجھے پہلے یہ بتا تیرے ساتھ کوئی جاننے والا تھا یا تو اکیلی تھی؟'' اس نے ماں جی کی بات سن کر ذہن پر زور لگایا تو کچھ کچھ یاد آنے لگا تھا۔

''ن...... نہیں اکیلی تھی۔'' اس کی آواز میں سوز و یاس کا عنصر تھا۔

''پھر ٹھیک ہے۔ ورنہ مجھے لگا کہ تیرا کوئی پیارا تجھے تلاش نہ کر رہا ہو۔'' ماں جی نے کہا اور وہ اداسی کی اتھاہ گہرائی میں چلی گئی۔

''میرے پیارے؟'' اس نے زیرِ لب کہا اور ماں جی نے اس کی طرف دیکھا۔

''میرے پیارے تو خود اللہ کو پیارے ہو گئے۔'' وہ کہتی ہوئی ماں جی کی طرف دیکھنے لگی۔

''تُو ابھی یہ مت سوچ۔ تیری طبیعت ٹھیک نہیں۔ تجھے آرام کی ضرورت ہے۔ ڈاکٹر کو بلوا

کر انجکشن لگا دیا ہے تجھے۔ تیری حالت سے لگتا ہے کافی وقت سے بھوکی ہے۔ ویسے بھی کھانے کا وقت ہے۔ میں تازہ پھلکا دیتی ہوں۔ تُو سیر ہو کر کھا پھر دوائی بھی دینی ہے۔'' ماں جی کہتی ہوئی اٹھی تھیں۔

''اس تکلف کی ضرورت نہیں۔ معاف کر دیں میں نے آپ کو پریشان کر دیا۔ مجھے کراچی جانا ہے۔ آپ نے اتنا کر دیا بہت ہے۔'' وہ کہتی ہوئی جوں ہی بستر سے اٹھی تو چکرا کر گرنے لگی۔ اگر ماں جی سہارا نہ دیتیں تو وہ توازن کھو بیٹھتی۔

''ایسی حالت سے کراچی جائے گی؟ بچے تجھے آرام کی ضرورت ہے۔ پہلے تو کچھ کھا پی۔ دوا لے۔ پھر بات کرتے ہیں...... اور کیسا تکلف؟ میرے رب نے موقع دیا ہے، نیکی نہ کماؤں؟'' وہ مسکراتی ہوئی آگے بڑھیں پھر واپس پلٹیں۔

''ویسے تیرا نام کیا ہے؟'' ماں جی نے پوچھا۔

''سارہ...... سارہ احمد۔'' اس نے نقاہت سے کہا۔

''بڑا پیارا نام ہے۔ میں گل بانو ہوں اور یہ میرا چھوکرا شاہ نواز۔ میرا اپنا تو نہیں ہے پر میری دیکھ بھال کرتا ہے۔'' وہ کہتی ہوئی پھر چولہے کے پاس بیٹھ گئیں اور تازہ روٹی بنا کر دسترخوان میں ڈالتی گئیں۔

وہ اچھے بچوں کی طرح ماں جی کا کہنا مانتی گئی۔ گرما گرم کھانا کھا کر اس کی طبیعت میں بحالی آئی تھی۔ پھر شاہ نواز نے اسے دوائی اور پانی کا گلاس دے دیا تھا۔ کڑک سی چائے بنا کر ماں جی نے تین کپ بھر کر تینوں میں تقسیم کیے اور ساتھ بیٹھ گئے۔ شاہ نواز جو بارہ سال کا لڑکا تھا ماں جی کے ساتھ بیٹھ گیا۔ ان کا مختصر سا کچا مکان تھا۔ دو کمرے تھے۔ جس میں یہ لوگ تھے۔ وہاں چارپائی تھی اور دوسری طرف چھوٹا سا باورچی خانہ تھا۔ زرد بلب چھت پر جلتا ہوا زردی

مائل روشنی پھیلائے ہوئے تھا۔ ماں جی نے سارہ کو رضائی اوڑھا دی تھی۔ وہ ٹھنڈ سے ٹھٹھر رہی تھی اور گرم چائے کا کپ کسی رحمت سے کم نہیں تھا۔

''اب بتا...... کون ہے تُو؟'' ماں جی چارپائی کے دوسرے سرے پر بیٹھی تھیں جبکہ شاہ نواز ایک سٹول قریب کیے ان کے ساتھ تھا۔

''بشیر صاحب۔ آپ جانتی ہیں انہیں؟'' اس کے لہجے میں توازن برقرار ہوا تھا۔

''بشیر...... وہ زمین دار؟'' ماں جی نے سوچتے ہوئے پوچھا۔

''جی...... میں ان کی بہو ہوں۔ پر ان کے بیٹے سلمان نے کل رات مجھے طلاق دے دی۔'' اور یہ کہتے کے ساتھ ہی اس کی آواز گلوگیر ہوئی تھی۔

''بیڑا غرق ہو۔ ارے شاہ نواز ان کا تو وہ ہی بیٹا ہے نا جس کے بارے میں بہت کچھ مشہور ہے؟''

''ہاں جی اماں...... ہیں تو وہی، پر باجی جو مشہور ہے کیا سب سچ ہے؟'' وہ تھا بارہ سال کا پر باتوں کا انداز اور اطوار سے بے حد بردبار لگتا تھا۔ سارہ نے فقط سر کو جنبش دی اور ماں جی انہیں تصور میں لعنت دیتی نہ تھکیں۔

''اپنے بارے میں بتا۔ تجھے کراچی کیوں جانا ہے؟'' بھاپ اڑاتا مگ تھامی ہوئی وہ غیر مرئی نقطے کو تکتی رہی۔ ماں جی اور شاہ نواز اسے بغور دیکھ رہے تھے۔ اس نے ضبط کے عالم میں تمام روداد ان لوگوں کو سنائی کہ کس طرح وہ یہاں آئی تھی پھر یہ ایک سال کیسے گزرا اور کس طرح اسے طلاق ہوئی۔ ماں جی سنتے سنتے اسے تاسف اور ترحم بھری نگاہ سے دیکھتی گئیں۔ انہیں والہانہ پیار سارہ کے لیے جاگا تھا۔ اتنی سی عمر میں اس لڑکی نے کیا کیا جھیل لیا تھا۔

''مولا سائیں! دنیا میں کتنے مسائل ہیں! اب تیری کہانی سنی تو اپنی تو کچھ نہ لگے۔'' وہ

سینے پر ہاتھ رکھتی ہوئی غم سے کہہ رہی تھیں۔

''دیکھ بچے! اب تُو عدت میں ہے۔ میری مان تو کچھ وقت یہیں رک جا۔ ایسی حالت میں کہاں جائے گی۔ یہاں کوئی نہیں آتا۔ فقط میں اور یہ شاہ نواز ہیں۔ میں دوپہر کو محلے کے بچوں کو قرآن پڑھاتی ہوں اور یہ ٹیوشن۔ ہمارا گزر بسر یوں ہی ہو جاتا ہے۔ مولا برکت دے دیتا ہے۔ اب تُو آرام کر۔ بڑی مسافت طے کر کے آئی ہے۔'' وہ کچھ نہیں کہہ پائی۔ آج کمزوری کا حقیقی طور پر احساس ہو رہا تھا اور وہ جانتی تھی کہ ایسی حالت میں کراچی جانا ناممکن تھا۔

☆......☆......☆

دوپہر کی دھوپ دسمبر کے موسم میں بھلی لگ رہی تھی۔ ماں جی صحن کی جھاڑو لگا رہی تھیں۔ کچھ دیر میں بچے قرآن پڑھنے کے لیے آ رہے تھے جبکہ شاہ نواز اسکول سے گھر آ گیا تھا اور کاپی پنسل لیے ایک طرف بیٹھا پڑھ رہا تھا۔ وہ سراسیمہ سی بیگ میں پیسے تلاش کر رہی تھی۔ پر جو رقم اس کے پاس تھی وہ خرچ ہو گئی تھی۔ پشیمان ہو کر اس نے بیگ ایک طرف رکھا اور صحن میں ماں جی کے پاس چلی گئی۔

''وہ میں کہہ رہی تھی کہ...... مجھے اب کراچی جانا ہے۔ تین چار دن رک گئی ہوں۔ اب مزید وقت ضائع نہیں کرنا چاہتی۔'' اس کی طبیعت میں پہلے دن کی بہ نسبت بہتری تھی پر اس کی حالت ہرگز بھی چاق و چوبند نہیں تھی۔ اس کا چہرا اس کے اندرونی کمزوری کی عکاسی کرتا تھا۔ آنکھوں کے گرد حلقے، زرد مائل چہرا، کمزور سا وجود۔ ماں جی نے جھاڑو روک کر اس کی طرف جانچتی نظروں سے دیکھا۔

''اور تُو وہاں جا کر کیا کرے گی یہ سوچا ہے؟'' ماں جی نے تنقیدی انداز میں پوچھا۔

''کچھ نہ کچھ تو کروں گی۔'' اس نے گھبرا کر جواب دیا۔

’’جب تجھے اگلے لائحہ عمل کا نہیں پتہ تو تُو وہاں اکیلی کیا کرے گی؟ بچے۔ جب پہاڑ سے راستہ نکالنا ہوتا تو ایک طرف بیٹھ کر سوچنا پڑتا ہے کہ پہاڑ کتنا بڑا ہے؟ مضبوطی کتنی ہے؟ کیا کیا اوزاروں کی ضرورت ہوگی؟ کتنا وقت درکار ہوگا؟ کیا بیچ راستے میں پہاڑ تو سر پر نہیں گرے گا؟ تیری پریشانیاں اسی پہاڑ کی طرح ہیں۔ اور تیری عدت کا وقت اللہ کی طرف سے تیرے لیے ٹھہر جانے کا حکم ہے۔ میری مان تو رک جا۔ مستقبل کا بیٹھ کر سوچ۔ کیا کرے گی؟ کیسے کرے گی؟ کس طرح شروعات ہوگی؟ تاکہ جب تُو کراچی پہنچے تب کام کرتی چلی جائے۔ اس وقت تیرا دماغ بکھرا پڑا ہے۔ تُو کرے گی کچھ اور ہوگا کچھ اور۔‘‘ وہ ماں جی کی بات سن کر متفق تو ہوئی تھی پر اسے سراسیمہ دیکھ کر ماں جی اس کے پاس آ گئیں اور تنقیدی نگاہ سے اس کے چہرے کا جائزہ لینے لگیں۔

’’اگر تُو یہ سمجھ رہی ہے کہ مجھ پر بوجھ ہے تو بچے نہ سوچ۔ اللہ ہر انسان کا رزق اس کے ساتھ لکھتا ہے۔ تجھے بھی وہ ہی ملے گا۔‘‘

’’میرے پاس رقم نہیں۔ البتہ زیور...... وہ میں۔‘‘

’’بس کر دے۔ رکھ اسے۔ تجھے ابھی کئی خرچے اٹھانے ہیں اور یہ زیور تیرے کام آئے گا۔ اور میں تجھ سے اتنی عمر میں بڑی ہو کر پیسے لیتے ہوئے اچھی لگوں گی؟ نہ بابا نہ۔ مجھے تو موقع دیا میرے رب نے نیکی کا۔ تجھ سے پیسے لے کر سب ختم کر دوں۔ میں اس کا صلہ اس سے جنت میں لوں گی۔ یہاں مجھے کچھ نہیں چاہیے۔‘‘ ماں جی نے نرمی سے کہہ کر اس کی پشیمانی کو کچھ تو کم کیا تھا پر وہ مکمل مطمئن نہیں ہوئی تھی۔

’’اچھا ٹھیک ہے ایک کام کرتے ہیں۔ تُو بھی جب تک یہاں ہے۔ میرے ساتھ بچوں کو پڑھا۔ میں بات کرتی ہوں ابھی بھی کئی بچے قرآن کی تعلیم اور قاعدے سے محروم ہیں۔ تُو انہیں

پڑھا جو چند پیسے آئیں وہ کما۔ اس طرح تیرا دن گزرے گا اور دل بھی بہلا رہے گا۔ کیا کہتی ہے؟" وہ اس مشورے سے خوش ہوئی تھی اور بلا تاخیر کیے اس نے گردن تائید میں ہلا دی تھی۔

"یہ ہوئی نا بات۔ چل میں جا کر بات کر کے آتی ہوں۔ تو جب تک بچے آئیں تو انہیں بٹھا کر پڑھائی شروع کروا دینا۔"

"جی ماں جی۔" تسکین سا احساس اسے اپنی لپیٹ میں لے گیا تھا۔ وہ خود کو مصروف رکھنا چاہتی تھی تاکہ منفی خیالات سے خود کو چھٹکارا دے سکے۔ اس نے شاہ نواز کو دیوار سے ٹیک لگائے تخت پر بیٹھے پڑھتے دیکھا تو اس کے پاس چلی آئی۔ وہ کاپی میں کچھ لکھ رہا تھا اور انگلیوں پر گنتا نظر آ رہا تھا۔

"کیا پڑھ رہے ہو؟" سارہ نے پوچھا۔

"باجی! ریاضی کا مضمون پڑھ رہا ہوں۔" شاہ نواز نے کہا۔

"اچھا۔" وہ اپنے من پسند مضمون کا سن کر ویسے ہی مسکرا اٹھی تھی۔ اس نے کچھ دیر شاہ نواز کو حساب کتاب کرتے دیکھا پھر وہ کچھ الجھا ہوا سا سر کھجانے لگا تھا۔

"کیا ہوا سمجھ نہیں آیا؟" سارہ نے پوچھا۔

"مشکل ہے بہت۔ کل استاد سے پوچھوں گا۔" وہ ہار مانتا ہوا کتاب بند کرنے لگا جب سارہ نے اپنا ہاتھ بڑھایا۔

"مجھے دینا ایک منٹ۔"

"آپ کو آتا ہے؟" شاہ نواز سن کر حیران ہوا۔ سارہ بغیر جواب دیے اس کے برابر بیٹھی اور سوال پڑھنے لگی۔

"یہ تو بہت آسان ہے، لاؤ تمہیں ابھی کر کے دکھاتی ہوں۔" وہ تیزی سے سوال حل کرتی

گئی اور آخر میں جواب لکھ دیا جو کہ کتاب سے تصدیق کرنے پر ٹھیک تھا۔

''واہ باجی۔ آپ کو تو بہت اچھا آتا ہے۔ آپ کے ساتھ اگر کوئی ریس لگائے تو یقیناً آپ ہی جیت جائیں۔'' وہ شاہ نواز کی بات پر پہلے تو کھلکھلا کر ہنسی تھی پھر یکلخت ہی دھندلا ہوا ماضی سے جڑا ایک چہرا آنکھوں کے سامنے واضح ہوا تو اس کی ہنسی معدوم پڑ گئی اور چہرا غمگین ہو گیا۔

''کچھ غلط کہہ دیا میں نے؟'' شاہ نواز نے اس کے اترے ہوئے چہرے کو دیکھ کر پوچھا۔

''ن......نہیں ایسا کچھ نہیں ہے۔ لاؤ میں تمہیں سمجھاتی ہوں۔'' اس کے سہل انداز نے شاہ نواز کے دماغ کے بند دروازے کھول دیئے تھے۔ وہ حیران تھا کہ جو سوال اسے پیچیدہ لگ رہا تھا اتنا ہی آسان تھا۔

''اور بھی کوئی سوال ہو تو پوچھ لینا۔'' سارہ نے رسان سے کہا۔

''بہت سوال ہیں باجی، آپ یہیں بیٹھو، قسم سے بڑا عمدہ سمجھایا آپ نے۔'' وہ کتاب کھولے سارہ کے پاس پڑھتا رہا۔ تھوڑی دیر میں قائدہ پڑھنے کے لیے بچے آتے رہے اور اس نے سب کو باری باری ترتیب سے بٹھا کر پڑھانا شروع کر دیا تھا۔

وہ چار مہینوں میں ماں جی اور شاہ نواز سے بے حد قریب ہو گئی تھی۔ محبت کی بھوکی جب اپنائیت کے الفاظ سنتی تو ان کی اسیر ہو جایا کرتی۔ ماں جی نے بھی اس کی دیکھ بھال میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔ پر جیسے جیسے دن قریب آتے جاتے اس کا دل خوف سے ڈوبتا جاتا۔ وہ مستقبل کو لے کر گھبرا جایا کرتی تھی۔ فاروق اگرچہ بہت سخت مزاج تھے پر سر پر سایہ تو تھا۔ وہ اکیلے قدم اٹھانے کا سوچ سوچ کر بھی بے بس اور لاچار ہو جایا کرتی تھی۔ کبھی کبھی وہ تمام خیالات کو ختم کر کے ماں جی کے پاس رک جانے کا فیصلہ لے لیا کرتی تھی۔ دن ٹائم پیس کی

ریت کی طرح گرتے گرتے ختم ہو رہا تھا اور آگے چٹان کی مانند زندگی اسے وحشت زدہ کرنے لگی تھی۔

''ماں جی! کیا ہوا آج فجر کی نماز پڑھ کر واپس لیٹ گئیں؟'' سارہ نے سلام پھیر کر ماں جی کو چارپائی پر لیٹا دیکھا تو ان کے پاس آ کر قدموں کی طرف بیٹھ گئی۔

''ہاں بس آج اٹھنے کی ہمت نہیں۔ ٹانگوں میں بہت درد ہے۔'' ماں جی ایک کروٹ پر لیٹی ہوئی جیسے تیسے ایک ہاتھ سے ٹانگ سہلا رہی تھیں۔

''لائیں میں دبا دوں۔'' جوں ہی سارہ نے ہاتھ آگے بڑھائے، ماں جی نے ٹانگیں دور کر دیں۔ سارہ نے سوالیہ نظروں سے اچھنبے سے انہیں دیکھا۔

''میں دبا دیتی ہوں نا۔'' سارہ نے اصرار کیا پر ماں جی نے گردن تردید میں ہلا دی اور جیسے تیسے چارپائی پر اٹھ کر بیٹھیں پھر اسے بغور دیکھنے لگیں جو معصومیت سے انہیں منع کرنے کی وجہ جاننا چاہ رہی تھی۔

''تجھ سے دبوا تو دوں پر اگر اس طرح مجھے تیری عادت ہو گئی پھر؟ ویسے بھی ان چار مہینوں میں تُو نے میرے کافی کاموں میں مدد کی۔ میں چاہتی تو تجھے ان کے لئے بھی منع کر دیتی پر یوں ہی بیٹھے بیٹھے تیری خود کی حالت خراب ہو رہی تھی تب ہی تجھے کسی کام سے نہیں روکا۔ پر اپنی ذات سے متعلق میں تجھ سے کوئی کام نہیں کروا سکتی۔'' ماں جی نے کہا اور سارہ مسکرانے لگی۔

''تو کیا ہوا کر لیں عادت میری، مجھے ویسے بھی آپ کی خدمت کرنا اچھا لگتا ہے۔'' سارہ نے کہا۔

''سوچ لے۔ پھر روک لوں گی میں تجھے۔'' ماں جی نے معنی خیزی سے کہا۔

''تو روک لیں۔ ویسے بھی واپس جا کر میں کروں گی کیا؟ ہر طرح سے ناامید ہو گئی ہوں۔

نہ کوئی گھر کا فرد باقی ہے۔ اب تو بس تنہا ہی ہوں۔ یہ تو آپ نے بھلا کیا تھا مجھ پر کہ ایک پناہ گاہ دے دی ورنہ میں تو در بدر بھٹک رہی تھی۔“ سارہ نے کہا۔

”نہیں چھوکری، میں نے تجھے ان چار مہینوں میں بہت غور سے پرکھا ہے۔ تجھ جیسی پڑھی لکھی اور قابل کے لئے یہ جگہ مناسب نہیں۔ اپنی قابلیت اور ہنر کو ضائع مت ہونے دے۔ تیری منزل یہ کچا مکان نہیں ہے۔ تجھے بہت آگے جانا ہے۔ اگر میں نے تجھے اپنے مفاد کے لئے روک لیا تو مرنے کے بعد اسے کیا منہ دکھاؤں گی۔“ ماں جی نے انگشتِ شہادت سے آسمان پر اشارہ کیا۔

”ایسی قابلیت کا میں کیا کروں۔ مجھے اب کسی چیز کی خواہش نہیں۔ صرف کراچی جانے اور اکیلے گھر میں رہنے کا بھی سوچتی ہوں تو اندر ہی اندر خوف محسوس ہوتا ہے۔ میری بد نصیبی نے مجھے کہیں کا نہ چھوڑا۔ یہ کیا آگے لے جائے گی۔ میری قسمت نے صرف اٹھا کر پٹخ دیا ہے مجھے۔“ سارہ نے کہا۔ اس کی آواز روہانسی ہونے لگی تھی۔

”خود سے مایوس نہ ہو۔ ہر کسی کی زندگی میں ایسا وقت آتا ہے جب سب دروازے بند لگتے ہیں۔ پر ایسا واقعی ہوتا نہیں ہے۔ تُو نے اپنی قدر کبھی جانی ہی کہاں۔ جس دن تجھے یہ احساس ہو جائے گا اس دن سب کچھ آسان لگے گا۔ تُو کوئی عام لڑکی نہیں ہے۔ بلکہ بہت خاص ہے۔“ ماں جی نے اس کے گرتے آنسو پونچھے اور اس کے چہرے کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔

”تُو تو سونا ہے بچے سونا۔ بالکل کھرا سونا۔ جس کے دل میں کوئی عیب نہیں۔ ارے تجھے ابھی تک کسی نے پرکھا ہی کہاں ہے۔ یہاں بیٹھنے سے کچھ نہیں ہوگا۔ یہ دس دن گزار اور پھر واپس جا۔ میری بات یاد رکھنا تیری منزل کہیں اور لکھی ہے۔“ ماں جی نے کہا۔

”جب قسمت ہی کھوٹے سکے جیسی ہو تو یہ خالص سونا بھی کسی کام کا؟“ ماں جی اسے

خاموشی سے دیکھتی رہیں اور وہ نظریں نیچے کر کے بیٹھی رہی۔

''سارہ باجی! سارہ باجی!'' پیچھے سے شاہ نواز آواز لگاتا اندر داخل ہوا تھا۔

''ارے کیوں چلا رہا ہے، کون مر گیا کم بخت۔'' ماں جی نے اسے زور سے لتاڑا۔

''کیا کروں اماں خبر ہی ایسی ہے۔ ارے سارہ باجی۔'' وہ بھاگتا ہوا ایک سٹول لے کر آیا اور ان کے پاس بیٹھ گیا۔

''ارے کیا خبر لے آیا جو اتنا اتاؤلا ہو رہا ہے؟'' ماں جی نے تشویشناک انداز سے پوچھا۔

''فجر کی جماعت کے بعد مردوں میں سنتا آیا ہوں۔ سارہ باجی! وہ آپ کے شوہر نہیں تھے سلمان؟ معلوم پڑا ہے کہ اس لڑکی کو گھر ہی بیاہ کر لے آئے اور یہ دیکھ کر بشیر صاحب نے انہیں گھر سے تو نکالا ہی جائیداد سے عاق بھی کر دیا ہے۔ صرف یہ ہی نہیں محلے میں انہیں لے کر کئی باتیں ہو رہی ہیں۔ جوان کی ساکھ کو ٹھیک ٹھاک خراب کر رہی ہیں۔'' وہ جتنی پر جوشی سے بتا رہا تھا ماں جی تو سن کر واری واری ہو گئیں۔

''یہ ہوئی نا بات! واہ مولا سائیں، تیرے گھر میں دیر ہے پر اندھیر نہیں۔ دیکھا تُو نے میں نہ کہتی تھی ہر انسان کو اپنے اعمال کا حساب چکھنا ہے۔ بچے، یہ دنیا مکافاتِ عمل ہے۔ جو کرتا ہے وہ بھرتا بھی ہے۔ اب تُو خوش ہو جا۔'' وہ سارہ کا مرجھایا ہوا چہرا دیکھ کر اسے کہہ رہی تھیں پر سارہ نے بدلے میں کچھ نہ کہا۔

''اب کیا سوچ رہی ہے؟'' ماں جی نے پوچھا۔

''یہ ہی کہ میں نے کس کے ساتھ غلط کر دیا جو اب تک سزا کاٹ رہی ہوں۔'' وہ کچھ توقف کے بعد گویا ہوئی اور ماں جی کو حیران کر گئی۔

''نہ بچے ایسا نہ کہہ۔ یہ دنیا آزمائش کا گڑھ ہے۔ ایسا نہ کہہ۔'' وہ روہانسی ہوئی تو ماں جی

نے اسے پچکارا اور ترحم بھری نگاہ سے دیکھا۔

بالآخر وہ شاہ نواز کے ساتھ کراچی پہنچ گئی تھی۔ بس سٹیشن پر اس نے شاہ نواز کو واپسی کی سواری پکڑنے پر اصرار کیا تھا۔ تھا وہ ہوشیار پر پھر بھی تھا تو فقط بارہ سال کا بچہ ہی۔ سارہ اسے مزید اپنی وجہ سے خوار کرنا نہیں چاہتی تھی۔

اپنے محلے اور پھر اپنے گھر کی سیڑھیوں پر قدم رکھتے وقت اس کے پیر بھاری پڑ رہے تھے۔ کتنی یادیں یکے بعد دیگرے اس کے ذہن میں آ رہی تھیں۔ وہ روہانسی ہو کر گھر کے مرکزی دروازے پر کھڑی چابی سے تالا کھول رہی تھی کہ اس کے عقب میں نگین نے حیرت سے دروازہ کھولا اور سارہ کو پایا۔

''سارہ! تم؟'' نگین کی آواز پر وہ پلٹی تھی۔

''خیریت۔'' انہوں نے سیڑھی کی طرف دیکھا۔ غالباً وہ اس کے شوہر سلمان کو تلاش کر رہی تھیں۔ پر وہاں سناٹا چھایا تھا۔ سارہ کے قدموں میں ایک بیگ موجود تھا۔ انہوں نے تشویشناک انداز سے سارہ کو دیکھا۔

''تمہارے شوہر نہیں آئے؟'' نگین نے پوچھا۔

''نگین بھابھی! معذرت میں جو گئی تو پیچھے سے پوچھا تک نہیں۔'' سارہ نے سوال ان سنا کر کے اس سے مخاطب ہوئی۔

''ارے کوئی بات نہیں سارہ۔ میں سمجھ سکتی ہوں۔'' سارہ نے تالا کھولا اور دروازے کا پٹ کھولتی ہوئی جوں ہی اندر داخل ہوئی تو دل بیٹھتا چلا گیا۔ ہر چیز وہیں تھی جہاں وہ چھوڑ کر گئی تھی۔ فرنیچر پر چادریں چڑھی ہوئی تھیں۔ ہر شے اپنی جگہ پر تھی۔ پر یہاں رہنے والے دو نفوس موجود نہیں تھے۔ تھیں تو صرف ان کی یادیں۔ اس نے جذب کے عالم میں سامنے کمرے کو

دیکھا جہاں اسے فاروق بستر پر بیٹھے ہوئے نظر آئے۔ گردن دائیں طرف گھمائی تو کچن میں زینت کام کرتی ہوئی دکھائی دیں۔ وہ باری باری دونوں کو دیکھتی ہوئی اشک بار ہوئی۔

''زندگی موت کا کچھ پتہ نہیں۔ ڈیڑھ سال ہوگیا پر روز لگتا ہے جیسے ابھی زینت بھابھی دروازہ کھولیں گی اور حال پوچھیں گی۔'' نگین اس کے ساتھ کھڑی کہہ رہی تھی۔ سارہ نے بہتے آنسو صاف کیے۔

''نگین بھابھی! بجلی گیس اور پانی کی سہولت تو حسن بھائی سے کہہ کر میں نے بند کروادی تھی۔ کیا آپ ان سے کہہ کر پھر سے بحال کرواسکتی ہیں؟'' سارہ نے کہا۔

''ہاں کیوں نہیں، حسن شام میں آتے ہیں تو انہیں کہہ دیتی ہوں۔ پر سارہ تمہارے شوہر؟ وہ نہیں آئے؟'' نگین نے پھر پوچھا اور سارہ کی نظریں نیچے ہوگئیں۔

''چھوڑ دیا انہوں نے۔''

''کیا؟'' وہ حیرت کدے میں سارہ کو تکتی رہیں۔

''پر۔ پر کیوں؟'' نگین نے پوچھا۔

''وجہ مت پوچھیں۔ جان کر کیا حاصل ہوگا۔ نگین بھابھی! مجھے ابھی کئی کام کرنے ہیں۔ ظاہر ہے بیٹھے رہنے سے پیسے چل کر تو نہیں آئیں گے۔ آپ حسن بھائی سے یہ سروسز کھلوا کر بحال کروادیں۔ میں شاید ایک دو کام کے لیے پھر تنگ کروں آپ کو۔'' اس کے لہجے میں جھجھک تھی۔ مدد مانگنا اس کے مزاج کے خلاف تھا۔

''کیسی باتیں کررہی ہو۔ بلکہ ابھی یہ سب چھوڑو۔ یہاں رہوگی کیسے؟ میں ابھی حسن کو فون کر دیتی ہوں۔ تم میرے ساتھ چلو میں نے پلاؤ بنایا ہے۔ فریش ہوجاؤ۔ پھر کھانا کھا کر مل کر اس گھر کی صفائی کرتے ہیں۔ کافی مٹی ہوگئی ہے۔'' نگین کے اپنائیت لیے لہجے نے اسے ڈھارس دی

تھی۔ وہ اس وقت کچھ سہارا چاہتی بھی تھی۔ نگین کے کہنے کے مطابق اس نے ایسا ہی کیا۔ اسے وقت سکڑتا ہوا محسوس ہوتا تھا۔ کام کی فہرست طویل تھی اور اکیلے کرنا آسان نہیں تھا۔

گھر اپنی پرانی شکل پر آیا تو اس نے سب سے پہلے زینت کا زیور جو وہ ساتھ لائی تھی اسے نگین کے ساتھ سونے کی دکان پر جا کر بیچ دیا۔ جو رقم موصول ہوئی اس سے اس نے گھر کا راشن اور دوسرے اخراجات کا حساب کتاب کیا تھا۔ نگین کے پُر زور اصرار کے باوجود بھی وہ ان کے پاس رکی اور نہ ہی ان سے مالی مدد لی تھی۔ البتہ جو کام وہ اکیلے کر نہیں پاتی تھی ان کے لیے نگین سے مدد مانگتی تھی۔

اس کا اگلا قدم اپنی ادھوری پڑھائی مکمل کرنا تھا۔ پر یہ آسان نہیں تھا۔ یونیورسٹی وہ میرٹ اسکالرشپ پر گئی تھی۔ اسے معلوم نہیں تھا کہ یونیورسٹی اب اسے یہ موقع فراہم کرے گی۔ کیونکہ اس نے پڑھائی بیچ میں چھوڑ کر ان کی دی گئی سہولت سے مکمل فائدہ نہیں اٹھایا تھا۔ ہر سیمسٹر کی فیس ادا کرنا اس کے بس کی بات نہیں تھی۔ پھر زیور کے نام پر اب صرف روبینہ اس کی ماں کا ایک سیٹ موجود تھا۔ البتہ وہ سونے کی بالیاں کانوں میں پہنے رکھتی تھی۔ اسے اپنی ماں کی قربت کا احساس ہوتا تھا۔

یونیورسٹی واپس جوائن کرنے پر اسے الگ ڈر یہ بھی تھا کہ اگر کوئی جان پہچان نکل گئی تو وہ کیسے فیس کرے گی۔ اسے یہ تو اندازہ تھا کہ اس کا بیج اب تک بی بی اے کر کے پاس آؤٹ ہو گیا تھا۔ پر پھر بھی دماغ میں کئی خیالات اسے کشمکش میں مبتلا کر رہے تھے۔ لے دے کر زین کا خیال الگ آ جاتا تھا کیونکہ اب اس میں زین کو تو کیا ماضی سے جڑے کسی بھی شخص کو فیس کرنے کی سکت نہیں تھی۔ لوگوں کی نظریں، سوالات پھر تبصرے وغیرہ وہ سب سے بھاگ جانا چاہتی تھی۔ کہیں کھو جانا چاہتی تھی۔ خود کو چھپا دینا چاہتی تھی۔ یہ ہی وجہ اسے یونیورسٹی واپس جانے

سے روک رہی تھی۔ پر اس کے علاوہ اس کے پاس حل نہیں تھا۔ یونیورسٹی میں سمرز کے کورسز کا آغاز تھا اور مزید وقت اس کے پاس ضائع کرنے کے لیے تھا نہیں۔ لہٰذا اس نے ہمت جمع کر کے یونیورسٹی جانے کا فیصلہ کر لیا۔

☆......☆......☆

یونیورسٹی کے گیٹ پر کھڑی اسے کتنی یادوں نے اپنی لپیٹ میں لیا تھا۔ اسے پہلا دن یاد آ گیا تھا جب وہ پہلی بار یونیورسٹی آئی تھی۔ اس دن اس کے دل میں گھبراہٹ اور بے چینی کس قدر تھی۔ پر آج ڈر کا رخ کسی اور جانب تھا۔ اندر قدم رکھتے ہوئے حدِ نگاہ جہاں تک گئی یادِ صبا نے آنکھوں کو پُرنم کیا۔ زنیرہ کے ساتھ بتائے ہوئے لمحات پھر زین کے ساتھ ہونے والی آخری ملاقات۔ وہ چاہ کر بھی کچھ نہیں بھول پائی تھی لیکن اب ترجیحات بدل گئی تھیں۔ حالات پلٹ گئے تھے۔ اس نے امڈتے ہوئے آنسوؤں کو باڑ لگائی اور چہرے کا توازن برقرار رکھتی ہوئی ایڈمن بلڈنگ کی طرف چلی گئی۔ وہ سیڑھیاں چڑھتی ہوئی ایڈمنسٹریشن ڈپارٹمنٹ جا رہی تھی۔ چپڑاسی نے اسے رکنے کا کہا تھا وہ وہیں کچھ دیر کھڑی رہی۔ نوٹس بورڈ پر کئی پیغامات چسپاں تھے۔ اس کی نظر ہر نوٹس سے ہوتے ہوئے میرٹ طلباء کے نوٹس پر جا پہنچی اور نگاہ ایک نام پر آ کر ٹھہر گئی۔ بیچلرز میں کئی طلباء کے نام درج تھے پر سرفہرست اسے زین سرور نام نظر آیا جس کا مسلسل ڈیڑھ سال سے ٹریک ریکارڈ کوئی نہیں توڑ سکا تھا۔ اس کا مطلب تو یہ واضح تھا کہ اس کا بیچلر مکمل ہو گیا تھا۔ پھر ماسٹرز؟ سارہ نے ذہن پر زور دیا تو اچانک اسے یاد آیا تھا جب زین نے اسے ماسٹرز بیرونِ ملک سے کرنے کے ارادے سے آگاہ کیا تھا۔ پر اگر وہ یہاں سے بھی کرتا تو بھی اب تک پاس آؤٹ ہو جاتا۔ اس نے نگاہیں ہٹا کر سوچوں کو جھٹک کر دوسرے نوٹس پر توجہ مائل کر لی۔

”سارہ؟“ اس کے عقب سے صنفِ مخالف کی آواز آئی اور اپنا نام سنتے کے ساتھ ہی وہ پیچھے پلٹی۔ سر قاسم جو اپنے کمرے سے نکلے تھے سارہ کو دیکھ کر کشمکش میں مبتلا ہوئے تھے۔

”السلام علیکم سر۔“ سارہ نے زیر لب مسکرا کر انہیں سلام کیا۔ وہ حیران تھی کہ سر اسے نہیں بھولے تھے۔

”وعلیکم السلام بیٹا! سارہ احمد، ٹھیک نام لے رہا ہوں نا میں؟“ سر قاسم نے پوچھا۔

”جی سر بالکل ٹھیک۔“ سارہ نے کہا۔

”آپ نے غالباً پڑھائی روک دی تھی۔ آپ کی ای میل مجھے موصول ہوئی تھی۔“ وہ سر کے مضبوط حافظے پر حیرت سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

”جی سر۔ کچھ وجوہات کی بنا پر مجھے پڑھائی روکنی پڑی۔“ سارہ نے کہا۔

”ہاں۔ دراصل میں کافی حیران ہوا تھا۔ آپ کا ٹریک ریکارڈ بہترین تھا۔ پھر میرٹ اسکالرشپ پر پڑھنا ہر بچے کی نصیب میں کہاں، ایسے میں اچانک پڑھائی چھوڑ دینے کا فیصلہ حیران کن تھا۔“ سر قاسم نے کہا اور وہ فقط سر کو جنبش دے گئی۔ یہ سب سن کر کافی پشیمان جو ہو رہی تھی۔

”خیر۔ اب یہاں واپس کیسے؟“ سارہ کے تاثر نوٹ کرتے ہوئے انہوں نے اس کے آنے کی وجہ پوچھی۔ پر سارہ کی زبان تالو سے جا لگی تھی۔ اس کا چہرا گھبراہٹ کی عکاسی کر رہا تھا۔ سر قاسم کو انجان اندیشوں نے اشارہ کیا تھا۔

”ایک کام کریں بیٹا، آپ میرے ساتھ آفس آئیں، وہاں بیٹھ کر تسلی سے بات کرتے ہیں۔“ سر قاسم اسے اپنے کمرے کی طرف لے گئے۔ وہ ادھیڑ عمر تھے لگ بھگ پچاس پچپن کے قریب۔ نرم طبیعت کے مالک اور بے حد شائستہ لہجہ تھا۔ سارہ کو ایک طرف بٹھا کر وہ میز

کے دوسری طرف جا بیٹھے اور پہلے اسے آرام دہ محسوس کرنے کے لیے چپڑاسی سے دو چائے کے کپ منگوا لیے۔

''جی بیٹا۔ اب بتائیں آپ کے آنے کا مقصد؟'' سر قاسم کے پوچھنے پر اسے اندازہ ہوا تھا کہ اصل بات بتانے کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا۔ اس نے سرسری طور پر اپنی شادی، فاروق اور زینت کی وفات اور پھر اپنی علیحدگی کا مختصر سا قصہ سنا دیا تھا۔ جسے سن کر وہ بے حد افسوس کا اظہار کرنے لگے تھے۔ سارہ نے انہیں پڑھائی مکمل کرنے کے ارادے سے آگاہ کیا تھا اور اپنی فی الوقت مالی حیثیت کی اصل حقیقت ان کے سامنے پیش کر دی تھی جسے سن کر وہ کافی پریشان ہوئے تھے۔

''ٹھیک ہے سارہ۔ یونیورسٹی آپ جیسے قابل بچوں کی قدر کرتی ہے اور آپ لوگ ہی ہیں جن کی بدولت ہماری یونیورسٹی کا نام سرفہرست رہتا ہے۔ آپ مجھے کچھ دن کا وقت دیں۔ میں کوئی نہ کوئی ایڈمن ڈیپارٹمنٹ کے ساتھ مل کر اس کا حل نکالتا ہوں۔'' سارہ کو امید دلا کر انہوں نے بہت بڑا کام آسان کر دیا تھا۔ سارہ نے اپنا نمبر ان کے پاس لکھوا دیا تھا۔ چند دن گزرے تھے جب اسے یونیورسٹی سے کال موصول ہوئی تھی کہ اسے پھر میرٹ اسکالرشپ پر قبول کر لیا گیا تھا اور آخری سمسٹر کے فائنل امتحانات وہ نہیں دے سکی تھی پر اس کا ٹریک اس قدر قابل تعریف تھا کہ مناسب نمبروں سے اسے ان تمام مضمونوں میں پاس کر کے اگلے سمسٹر کے لیے داخلہ دلوا دیا تھا۔ وہ سر قاسم کی بے حد ممنون تھی جو فرشتے کی مانند اس کی زندگی میں آ کر کئی مسائل حل کر رہے تھے۔

زندگی معمول کے مطابق شروع ہو گئی تھی۔ حالانکہ اب کی بار اس کے لیے کئی پیچیدگیاں تھیں پر وہ ہمت و حوصلے سے کام لے رہی تھی۔ نگین اور حسن سے اسے خوب سہارا ملا تھا جو

پڑوسی ہونے کا فرض بخوبی ادا کر رہے تھے۔ چونکہ سارہ اکیلی رہ رہی تھی تب ہی دونوں میاں بیوی کا دھیان ہر وقت اس کی جانب رہتا تھا۔ پندرہ سال ہو گئے تھے ان کی شادی کو، پر کوئی اولاد نہ تھی۔ سارہ حسن کے لیے چھوٹی بہنوں جیسی تھی۔ وہ جہاں تک ہو سکتا تھا اس کا دور سے ہی سہی پر خیال رکھ رہے تھے۔

دن تو مصروفیت میں کٹ جاتا تھا مگر راتیں مشکل سے سرک سرک کر گزرتی تھیں۔ وہ خلوت میں اتنی ڈوبی تھی کہ اس کا ذہن اسے کنٹرول کرنے لگا تھا۔ یوں سب کے سامنے وہ باہمت اور پر اعتماد نظر آتی تھی پر اندر ہی اندر تنہائی اسے کھوکھلا کر رہی تھی۔ نیندوں میں آتا ہوا وہ بھیانک خواب عجیب شکل اختیار کر گیا تھا۔ وہ منفی سوچوں کے سمندر میں بہتی جا رہی تھی۔ پھر سونے پر سہاگا یہ ہوا کہ بلڈنگ میں پرانے پڑوسیوں کی نظروں میں خوب آنے لگی تھی۔ کوئی اسے یتیم ہونے کا فقرہ کس دیتا تو کوئی اس کے جاتے ہوئے اس کے گھر والوں کے چلے جانے پر افسوس کرتا سنائی دیتا۔ کئی خواتین اس کے اکیلے رہنے پر اعتراض کرتیں تو کئی اس کی طلاق کی وجہ پر کئی کئی قصے کہانیاں گھڑ دیتیں۔ معاملات نے جب زور پکڑا تو سارہ کی بس ہو گئی تھی۔ اس کا رہنا یہاں ہر گزرتے دن کے ساتھ مشکل ہوتا جا رہا تھا۔ زیادہ تر لوگوں کو اس کے تنہا رہنے سے پرابلم تھی۔ وہ جتنا چاہتی تھی کہ لوگوں کی نظروں سے معدوم ہو جائے اور پہچانی نہ جا سکے اتنا ہی ہاٹ ٹاپک بنتی جا رہی تھی۔ اس نے بالآخر جگہ بدلنے کا فیصلہ کر لیا۔ ویسے بھی اکیلی لڑکی کے لیے یہ گھر بہت بڑا تھا۔ پھر راتوں کو تنگ کرتے ہوئے خیالات اور یادوں نے اس کی آنکھوں سے نیندیں چرا لی تھیں۔ بہت سوچ بچار کے بعد سارہ نے حسن سے گھر فروخت کی بات رکھی۔ اسے پیسوں کی اشد ضرورت بھی تھی۔ اس نے حسن اور نگین سے کسی گیسٹ روم کا پتہ کروایا اور خود بھی چھان بین میں لگی رہی تھی۔ اگرچہ گھر کی خرید و فروخت کوئی

معمولی کام نہیں تھا پر اب اس کے پاس اس کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا۔

''لوگ تو باتیں بنائیں گے سارہ، ایسے میں تم اچھا بھلا گھر کیوں بیچ رہی ہو؟'' نگین کو اس کے فیصلے پر اعتراض تھا۔

''میں مزید برداشت نہیں کر سکتی۔ میں کم از کم گھر آؤں تو مجھے دو گھڑی سکون کے چاہئیں پر ہماری بلڈنگ میں لوگوں کے سوالات نے میرا جینا حرام کر دیا ہے۔'' سارہ نے زچ ہو کر کہا۔

''تم کتنے منہ بند کرو گی سارہ؟ کہیں بھی جاؤ گی یہ ہی ہو گا۔ ہمارا معاشرہ تنہا لڑکی کو قبول نہیں کرتا۔'' نگین نے رسان سے سمجھایا۔

''آپ میری کیفیت کو سمجھیں نگین بھابھی۔ مجھے ان نظروں سے اب وحشت ہوتی ہے۔ میں وضاحت نہیں دینا چاہتی کسی کو بھی۔ بنا کچھ جانے کچھ کہے اپنے قیاس لگا کر میری زندگی مزید مشکل بنا رہے ہیں کہ آخر کار میرا سلمان سے ڈیورس کیوں ہوا۔ پلیز آپ حسن بھائی سے کہیں جلدی کوئی پارٹی تلاش کریں۔ میں مناسب قیمت میں گھر بیچ دوں گی۔'' وہ بے تحاشا منتشر اور پریشان لگ رہی تھی۔ نگین نے پھر کچھ نہیں کہا۔

☆......☆......☆

اسے دو ہفتے ہوئے تھے یونیورسٹی جوائن کیے ہوئے۔ وہ خاموشی سے کلاس لیتی اور باقی اوقات لائبریری میں جا کر پڑھائی میں مصروف رہا کرتی تھی۔ کئی اشکال اسے جانی پہچانی نظر آتی تھیں۔ جن کا کسی وجہ سے ماسٹرز مکمل نہیں ہوا تھا۔ پر ان کا سارہ سے کوئی رابطہ پہلے بھی کہاں تھا تو وہ اب بھی سب کو نظر انداز کرتی ہوئی اپنی پڑھائی میں مشغول رہتی تھی۔ اسے ایک بار ایک لڑکی نے پہچان کر خیریت معلوم کی تھی۔ یہ لڑکی زنیرہ کی دوست تھی اور اسی کے توسط سے سارہ کو بھی جانتی تھی۔ سارہ کے پوچھنے پر اس لڑکی نے بتایا تھا کہ زنیرہ بیچلر مکمل کر کے

دوسرے شہر منتقل ہوگئی تھی۔ پھر وہیں ماسٹرز کا پروگرام کر رہی تھی۔ اسے زنیرہ شدت سے یاد آئی تھی۔ بہن جیسی دوست کو کیسے بھول سکتی تھی۔

سمرز مکمل ہو رہے تھے اور سارہ اپنے گھر کو خیر باد کہتی ہوئی ایک گیسٹ روم میں شفٹ ہوگئی تھی۔ یہ نگین کے جاننے والے کا گھر تھا جہاں ایک خاتون گھر کی مالکن تھیں اور انہوں نے کئی کمرے سارہ جیسی لڑکیوں اور خواتین کے لیے رکھے تھے۔ آخری بار گھر کو دیکھ کر جب وہ پلٹی تو واپس اس میں مڑ کر دیکھنے کی سکت نہیں تھی۔ وہ کتنی یادیں یہاں دفنا کر زندگی کے نئے باب پر قدم رکھ رہی تھی۔ اگلا سمسٹر شروع ہوگیا تھا۔ سر قاسم وقتاً فوقتاً اس کی خیریت معلوم کرتے رہتے تھے۔ سارہ نے انہیں جاب کے حوالے سے درخواست کی تھی کہ اگر انہیں کوئی بھی مناسب پوسٹ ملے تو وہ ضرور اس سے رابطہ کریں۔ سر قاسم سارہ کی حالت سے بخوبی واقف تھے۔ البتہ گھر کی فروخت پر اس کی مالی حیثیت پہلے سے بہتر ہوئی تھی پر کب تک؟ اسے کچھ تو کرنا تھا۔ سر قاسم جو فرشتہ صفت بن کر سارہ کی زندگی میں آئے تھے اس کی مجبوری جان کر اپنی سی پوری کوشش کرنے لگے تھے۔ پر چونکہ وہ پیر سے جمعہ یونیورسٹی میں ہوتی تھی لہٰذا اس وقت کوئی بھی جاب ملنا آسان نہیں تھا۔

یہ سمسٹر شروع ہوتے کے ساتھ ہی کئی طلباء میں اضافہ ہوا تھا۔ نئے چہروں کے ساتھ ساتھ کئی پرانے چہرے اسے دکھائی دیتے تھے پر وہ اپنے کام سے کام رکھا کرتی تھی۔ البتہ کچھ دنوں سے اسے خود پر کسی کی نظریں محسوس ہوا کرتی تھیں۔ اگر وہ لائبریری میں ہو یا کبھی راہداری سے جا رہی ہو اسے لگتا تھا جیسے کسی کی نگاہیں اس کا پیچھا کر رہی ہیں۔ وہ اکیلی رہ کر کافی محتاط رہنے لگی تھی۔ یہ ہی وجہ تھی کہ پہلے کی بہ نسبت اب اسے خود پر کسی کی نگاہوں کا مرکوز ہونے کا احساس ہو رہا تھا۔ یہ مسئلہ بھی ایک دن سلجھ گیا تھا۔ جب وہ کلاس لے کر کوری ڈور سے ہوتی ہوئی اکیڈمک

بلڈنگ سے نکل رہی تھی تب اس کے موبائل پر میسج موصول ہوا جو بینک کی جانب سے تھا جہاں اس نے اپنا اکاؤنٹ کھلوایا تھا۔ وہ رک کر میسج پڑھ رہی تھی کہ اس کے کاندھے پر نرمی سے کسی نے ہاتھ رکھ کر اپنی جانب متوجہ کروایا۔ وہ جوں ہی پلٹی تو ٹھٹک کر رہ گئی۔

''انوشہ؟'' اس کے لبوں سے یکلخت نکلا تھا۔ اس کے سامنے کھڑی انوشہ جس کا چہرا ندامت سے چُور تھا سارہ کے کہنے پر وہ زیرلب مسکرائی تھی۔

''ہیلو سارہ۔ کیسی ہو؟'' کچھ پل لگے تھے سارہ کو اسے پہچاننے میں۔ وہ بہت بدل گئی تھی۔ عیاری اور چالاکی جو اس کے چہرے کی زینت رہا کرتی تھی اس بار مکمل طور پر معدوم تھی بلکہ یہ وہ انوشہ تھی ہی نہیں جس کا سامنا سارہ سے ہوا کرتا تھا۔

''میں ٹھیک ہوں۔'' سارہ نے کہا۔

''تمہیں تین چار دن سے دیکھ رہی ہوں۔ آج موقع بھی نکال لیا اور بات کرنے کی ہمت بھی اکٹھی کرلی۔'' انوشہ نے کہا۔ سارہ جو ہمیشہ اس لڑکی کے آگے خوف کے گھیرے میں پھنستی تھی آج پُراعتمادی لیے اس کے سامنے کھڑی تھی۔ وقت اور حالات نے اسے پختہ جو بنا دیا تھا۔

''تم یہاں کیسے؟ تمہارا بیچ تو پاس آؤٹ ہوگیا ہے۔'' سارہ نے پوچھا۔

''ہاں۔ دراصل بیچلر مکمل کر کے میں نے ماسٹرز کے لیے بیرون ملک کا ارادہ کیا تھا۔ پر میری مما کی طبیعت ناساز ہوگئی تھی اس لیے انہیں چھوڑ کر جانا مناسب نہیں لگا مجھے۔''

''اوہ۔ صحیح۔'' سارہ نے کہا۔

''تمہارا کیا سین ہے؟ یہ تو سنا تھا میں نے تم نے پڑھائی چھوڑ دی تھی۔ پھر اب واپس جوائن کیا؟'' انوشہ نے پوچھا۔

''ہاں کچھ وجوہات کی بنا پر چھوڑنی پڑی۔ خیر مجھے دیر ہو رہی ہے۔ پھر بات کریں گے۔''

سارہ کہتی ہوئی جانے کو پر تولنے لگی تھی۔

''ایک منٹ سارہ۔'' انوشہ کے روکنے پر وہ رک کر اسے دیکھنے لگی تھی۔

''تم سے کچھ کہنا تھا۔ جب سے تمہیں یونیورسٹی میں دیکھا۔ تم اندازہ نہیں کرسکتیں کہ روز تم سے بات کرنے کی ہمت کر رہی ہوں۔'' انوشہ نے کہا۔

''کیسی بات؟'' اور سارہ نے متعجب ہو کر کہا۔ انوشہ لب کاٹتی ہوئی نادم سی سارہ کو دیکھنے لگی تھی۔

''وقت تو کافی گزر گیا ہے پر سارہ۔ آئے ایم سوری فار ایوری تھنگ۔'' اور سارہ اسے تحیر سے دیکھنے لگی تھی۔

''میں نے تمہارے لیے کئی مشکلات کھڑی کی تھیں۔ بنا سوچے کہ جو میں کر رہی ہوں وہ کل کو مجھ پر ہی پلٹ دیا جائے گا۔'' سارہ خاموشی سے اسے دیکھ رہی تھی جس کی زبان اور آنکھوں میں صداقت تھی۔

''میں رقابت کی آگ میں یہ بھول گئی تھی کہ جلنے کی اصل تکلیف تو مجھے ہی ہوگی۔ میں نے تمہیں کئی بار پریشان کیا۔ نہیں کرنا چاہیے تھا۔ اپنی ضد اور انا کے آگے میں اپنا ہی نقصان کرتی رہی۔'' وہ لب کاٹ رہی تھی اور سارہ اسے بغور دیکھ رہی تھی۔

''تم جانتی ہو سارہ۔ زندگی میں پہلی بار میری چھٹی حس غلط ثابت ہوئی تھی۔''

''وہ کیسے۔'' سارہ نے پوچھا۔ اور انوشہ افسردگی سے ہنس پڑی۔

''مجھے لگتا تھا کہ تم اور زین ایک دوسرے سے محبت کرتے ہو۔'' اور سارہ کا سانس پل بھر کو رکا تھا۔

''میں نے دیکھا تھا۔ اس کی آنکھوں میں صاف واضح تھا۔ پر ایسا کچھ ہوا ہی نہیں۔ میں

نے تو خیر باقی کی پڑھائی پرائیویٹ پڑھ لی پر اکثر و بیشتر کسی نہ کسی سے خبر مل جاتی تھی۔ معلوم ہوا تھا تمہارا کہ تم چلی گئیں۔ شازیہ اور زین بیرون ملک منتقل ہو گئے۔ ایک دوست کے ذریعے شادی کی بھی خبر معلوم ہوئی تھی پر صاف واضح نہیں تھا۔ خیر......'' وہ تو پل بھر کو رکی تھی پر سارہ کا دل زلزلے کی مانند ہل رہا تھا تو زین نے بالآخر شازیہ سے شادی کر لی تھی۔ وہ جہاں خوش تھی وہیں ایک لمحہ اداسی بھی محسوس کی تھی پر زیادہ تر مطمئن تھی کہ ہر شے اپنی درست مقام پر موجود تھی اور کوئی توازن نہیں بگڑا تھا۔

''مجھے معاف کر سکتی ہو؟'' انوشہ نے لجاجت سے سارہ کو دیکھا جو اس کی بات سن کر نرمی سے مسکرائی تھی۔

''انوشہ! سچ پوچھو تو جو تم نے کیا وہ کچھ بھی نہیں۔ ایسے ایسے دھوکے کھائے ہیں کہ تمہارا تو ان سب کے آگے بچپنا لگتا ہے پر اگر میرے کہنے سے تم ریلیکس ہوتی ہو تو ہاں میں نے تمہیں معاف کیا۔'' وہ سارہ کی بات سن کر تسکین محسوس کرنے لگی تھی۔

''تھینکس سارہ! امید کرتی ہوں زندگی میں پھر کبھی زین یا شازیہ سے موقع ملا تو معافی مانگوں گی۔ دراصل میں نے ہر قسم کا سوشل میڈیا بھی چھوڑ دیا ہے اس لیے کسی سے بھی رابطے میں نہیں۔ کبھی کبھی تنہائی آپ کو درست راستے پر لے جاتی ہے۔'' انوشہ نے کہا۔

''صحیح کہہ رہی ہو۔ تنہائی ہمیں بہت کچھ سوچنے پر مجبور کرتی ہے۔ خیر تم سے مل کر اچھا لگا۔ پھر ملاقات ہو گی۔ فی الوقت دیر ہو رہی ہے۔'' وہ الوداعی کلمات کہتی ہوئی وہاں سے چلی گئی اور انوشہ اسے مسکراتی ہوئی جاتا دیکھتی رہی۔

☆......☆......☆

ہر سال مختلف کمپنیاں یونیورسٹی میں پروگرام منعقد کرتی تھیں جن کے ذریعے وہ قابل طلباء

کو اپنی کمپنی کے لیے ٹریننگ پروگرام میں سلیکٹ کیا کرتے تھے۔ سر قاسم سے سارہ کو ان میں سے ایک مشہور اور معروف فارما کمپنی کے بارے میں معلوم ہوا جن کے چیف فائنانس آفیسر ان کے اپنے بڑے بھائی جعفر صاحب تھے۔ وہ سارہ کے بارے میں انہیں آگاہ کر چکے تھے پر جعفر صاحب اصول پسند آدمی تھے۔ تمام معلومات تو سر قاسم نے اسے دے دی تھی پر اسے اپنے بل بوتے اور اپنی قابلیت سے یہ پوزیشن حاصل کرنی تھی۔ سارہ نے ان کا شکریہ ادا کیا تھا اور کسی بھی سفارش کی توقع وہ بھی نہیں چاہتی تھی۔ اسے صرف راستہ چاہیے تھا باقی وہ خود ہر مقام پر اپنی محنت سے قدم بڑھانا چاہتی تھی اور اس کے جواب میں سر قاسم خوش ہوئے تھے۔ بیچلر کا پروگرام تقریباً اختتام پر تھا اور اسے ماسٹرز میں جوائن کرنے کے لیے ویک اینڈ کورسز کا آپشن بہتر لگا تھا تاکہ پیر سے جمعہ وہ جاب کر سکے۔

کئی طلباء نے اس فارما کمپنی میں اپنا نام درج کرایا تھا اور دو ہفتے کی انتہائی مشکل ٹیسٹ اور پھر انٹرویو سلیکشن کے بعد جو فہرست نکلی تھی اس میں سارہ کا نام بھی شامل تھا۔ وہ یہ دیکھ کر بے حد خوش ہوئی تھی اور خود پر فخر محسوس کر رہی تھی۔ ٹریننگ پروگرام کے ذریعے اس کی آمدنی میں کچھ شروعات ہوئی تھیں پر جب دو مہینے کی ٹریننگ اور مستقل جعفر صاحب کی جہاں دیدہ نگاہوں سے پرکھی گئی تو اسے بلا تاخیر کیے فائنانس اسسٹنٹ کی جاب آفر ہوگئی۔ وہ خوش گوار حیرانی سے رو پڑی تھی۔ آخر کار اس کا ذریعے معاش کا راستہ جو کھل گیا تھا۔

اپنی خوشی وہ سلیبریٹ کرنا چاہتی تھی اور اسی وجہ سے اس نے چند مٹھائی کے ڈبے بنوائے اور سب سے پہلے وہ سر قاسم کے دفتر پہنچی تھی۔ انہیں اس خبر سے آگاہ کرنے کے لیے۔ سر قاسم بے حد خوش ہوئے تھے اور اسے شاباشی بھی دی تھی۔

"مجھے جعفر نے بتایا تھا۔ دراصل اسے آپ کہیں سے بھی ٹریننگ کی طالبہ لگی ہی نہیں

تھیں۔ آپ کو سیدھا جاب آفر آپ کی ذہانت کے بل بوتے پر ملی ہے۔" سر قاسم نے فخر سے سارہ سے کہا تھا۔

"بہت شکریہ سر۔ آپ نے میری کافی مدد کی۔ اور سر جعفر خود بہت اچھے انسان ہیں۔" سارہ نے کہا۔ وہ بے حد مطمئن تھی۔ اگلا مٹھائی کا ڈبہ لیے وہ اپنے پرانے محلے جا پہنچی تھی۔ اس کی زندگی میں آسانیاں لانے والے یہ دو فرد نگین بھابی اور حسن بھائی بھی تو شامل تھے۔ نگین اسے دیکھ کر خوش ہوئی تھیں اور پرتپاک انداز سے اس کا استقبال کیا تھا۔ سارہ کی جاب کے حوالے سے جان کر وہ خوشی سے اس کی پشت تھپتھپانے لگی تھیں۔

"بہت اچھی خبر ہے سارہ! اللہ کامیابی دے تمہیں۔ اچھا یہ بتاؤ ساجدہ آنٹی کے ساتھ رہ کر تو کوئی مسئلہ نہیں؟" نگیں نے اس کی مالکن کے حوالے سے پوچھا۔

"بالکل نہیں وہ تو بہت نرم دل خاتون ہیں بلکہ مجھے ملا کر ہم تین چار لڑکیاں ہیں جو ان کے پاس رہتی ہیں۔ اکثر ہفتے کی رات کو اکٹھے بیٹھ کر ہم ساتھ وقت گزارتے ہیں اور ساجدہ آنٹی بھی شامل ہوتی ہیں بلکہ اپنے ہاتھ کی بنی ہوئی کوفی بھی پلاتی ہیں۔" سارہ نے زیر لب مسکرا کر کہا۔

"چلو اچھی بات ہے۔ دیکھو اللہ نے تمہارے سارے کام کتنے آسان کر دیے سارہ۔ کہاں سب مشکل لگ رہا تھا۔" وہ نگین کی بات پر سر کو جنبش دے کر سامنے رکھی ہوئی چائے کا کپ اٹھا کر پینے لگی تھی۔

"اچھا سارہ تمہاری عمر بہت لمبی ہے۔ میں تمہیں ایک دو دن میں فون کرنے لگی تھی۔" نگین نے کہا۔

"اچھا خیریت؟" سارہ نے پوچھا۔

"سارہ! اب تو ماسٹرز کر رہی ہو تم، پھر اب جاب بھی لگ گئی ہے۔ اب تم نے پھر شادی

کے حوالے سے کچھ سوچا ہے؟'' نگین کے سوال پر وہ ٹھٹک کر اسے دیکھنے لگی تھی۔

''کیا ساری زندگی تنہا گزارنے کا ارادہ ہے؟'' وہ اس کے شاک میں ڈوبے چہرے کو دیکھتی ہوئی کہہ رہی تھیں۔

''اس میں برائی کیا ہے؟'' سارہ نے بلاتاخیر کیے برجستہ کہا۔

''سارہ کہنا آسان ہے کرنا بہت مشکل۔ خاص طور پر تمہاری جیسی لڑکی کے لیے جس کا آگے پیچھے کوئی سربراہ نہیں۔'' نگین نے کہا۔

''سربراہی کے بغیر دن کاٹ رہی ہوں۔ جیسے ابھی رہ رہی ہوں آگے بھی رہ لوں گی۔ اس کا حل صرف شادی تو نہیں۔'' سارہ کے لہجے میں دبی دبی برہمی تھی۔

''پر بہترین حل شادی ہی ہے۔ جو تم سوچ کر بیٹھی ہو وہ کہنا آسان ہے۔ سارہ! ہم سب کو کسی ساتھی کی ضرورت ہوتی ہے جس کے ساتھ ہم اپنے دکھ درد بانٹیں۔ تکلیفیں شیئر کریں۔''

''اور آپ کو لگتا ہے کہ ایسا ساتھی ملنا آسان ہے؟ معذرت کے ساتھ نگین بھابھی، میں پھر اس جوئے کے کھیل میں خود کو پھنسانا نہیں چاہتی۔'' اس نے کہہ کر دوسری سمت نظریں کر لیں۔

''سارہ! ہر بار کوئی غلط تجربہ تھوڑی ہوتا ہے۔ مانا کہ سابقہ شادی کا تجربہ بہت خراب رہا پر اب تم اپنے حساب سے اپنی پسند سے پرکھ کر بھی تو شادی کر سکتی ہو۔ دیکھو، میرا تم سے یہ سب کہنے کا مقصد اسی لیے ہے کہ میری چاچی کا بیٹا ہے۔ حالیہ وہ بھی ماسٹرز کر کے فارغ ہوا ہے اور اچھی جاب کر رہا ہے۔ تم دونوں کی عمر میں بھی زیادہ فرق نہیں اور وہ تمہاری اور تم اس کی مشکلات کا اندازہ لگا سکتی ہو۔ میری چاچی اس کے لیے رشتہ ڈھونڈ رہی ہیں اور مجھے تمہارا خیال آیا۔ بلاشبہ تم ایک بہترین انتخاب ہو۔ ٹھہری ہوئی، سلجھاؤ اور سادھے نیچر کی مالک۔ تم بتاؤ تمہارا کیا ارادہ ہے؟'' نگین نے پوچھا پر وہ خاموشی سے دنگ ہوئی انہیں دیکھتی رہی۔

”سارہ! زندگی اکیلے کاٹنا آسان نہیں۔ کب تک ساجدہ آنٹی کے پاس رہو گی؟“

”یہ معاشرہ مجھے سکون سے رہنے کیوں نہیں دے رہا؟“ اس نے لب کھولے تو شاکی لہجے میں بس اتنا کہا۔

”سارہ! تمہاری بھلائی کے لیے کہہ رہی ہوں۔“ نگین نے رسان سے کہا۔

”نگین بھابھی! آپ نے جو کچھ کیا اس کے لیے میں آپ کی شکر گزار ہوں پر مجھے پلیز مجبور نہ کریں۔ شادی کے نام سے بھی خوف آتا ہے۔ اس سے بہتر تو یہ ہے انسان تنہا زندگی گزار دے کم از کم جو دکھ درد ہوں گے وہ اپنے ہی ہوں گے کسی سے ملیں گے تو نہیں۔ میں اس حوالے سے مزید بات کرنا نہیں چاہتی۔“ اس نے کہہ کر بات کو منقطع کر دیا اور نگین بھی خاموش ہوگئی۔ سارہ کے مزاج میں کہیں سے بھی لچک نظر نہیں آرہی تھی۔

آج رات بھی معمول کی طرح جینفر نے سارہ کو کمرے سے بلایا۔ ساجدہ آنٹی نے کوفی بنائی تھی اور سارہ کو ملا کر چار لڑکیاں جس میں جینفر، امبرین، راشدہ اور سکینہ گھر کی چھت پر موجود تھیں۔ شروع شروع میں سارہ شامل ہونے سے کترایا کرتی تھی پر جیسے جیسے سب سے بات چیت کا آغاز ہوا۔ پھر وہ بھی اکثر ان کے ساتھ موجود ہوتی تھی۔ البتہ ان کے چھوٹے سے گروہ میں سارہ کو خاموش طبع سمجھا جاتا۔ زیادہ تر باتیں جینفر کیا کرتی تھی اور اکثر قصے کہانیاں سناتی ساجدہ آنٹی بھی ہوا کرتی تھیں۔ سب کسی نہ کسی وجہ سے پینگ گیسٹ کے طور پر ان کے ہاں رکی ہوئی تھیں۔ چاروں لڑکیوں میں سکینہ عمر میں سب سے بڑی تھیں جو گھریلو تشدد کے باعث اپنی جان بچا کر کراچی شفٹ ہوگئی تھیں اور اب یہیں نوکری کر کے اپنا گزر بسر کر رہی تھیں۔

”آج کوفی کے ساتھ سارہ کی جاب کی خوشی میں مٹھائی کا مزہ دوبالا ہوگیا، کیوں آنٹی؟“

جینفر نے پر جوشی سے کہا۔
''ہاں واقعی۔ مبارک ہو بیٹا تمہیں۔'' ساجدہ آنٹی نے کہا۔ ان کا شفیق چہرا سارہ کو اکثر زینت کی یاد دلایا کرتا تھا۔
''اب پہلی تنخوا آنے پر ٹریٹ بھی پکی۔'' راشدہ نے سارہ سے کہا۔
''ہاں کیوں نہیں۔ انشاء اللہ۔'' سارہ کہہ کر کوفی کے گھونٹ بھرنے لگی تھی۔
''ویسے ٹریٹ تو امبرین کی بھی بنتی ہے۔ محترمہ کی بات جو طے ہو گئی ہے۔'' جینفر نے کہا۔
''لو جی۔ اب میری ٹریٹ کیوں۔ ایک تو مجھ سے بغیر پوچھے میرے اماں ابا نے بات طے کر دی۔''
''تو تمہارے خالہ زاد سے کی ہے، کون سے کسی اجنبی سے کر لی۔'' جینفر نے لقمہ دیا۔
''جو بھی ہے۔ بھئی پسند ناپسند بھی پوچھنی ہوتی ہے۔'' امبرین نے احتجاج کیا۔
''رہنے دے تُو! جب اپنی اماں سے بات کر رہی تھی تو چہرا انار ہو گیا تھا۔'' راشدہ نے کہا اور وہ سب کو تردید میں گردن ہلاتی رہی جو اس کی بات سن کر ہنس رہی تھیں۔
''اچھا جو بھی ہے۔ بھئی بات تو طے ہوئی نا۔ اب ٹریٹ تو دینی پڑے گی۔'' جینفر نے کہا۔
''اچھا ٹھیک ہے پہلی تاریخ آئے گی تو دے دوں گی۔ جب دیکھو بھوکی بیٹھی ہوتی ہو تم۔'' امبرین نے منہ چڑا کر کہا اور بدلے میں جینفر نے اسے پھنسا کر سب کو آنکھ مار دی۔
''ویسے تو تم سب کو شادی کے بارے میں سوچنا چاہیے۔'' یہ کہنے والی آنٹی ساجدہ تھیں۔
''کیوں جی بھلا ہمیں کیوں پھنسا رہی ہیں آپ؟'' جینفر نے پوچھا۔
''بیٹا! یہ زندگی بھی کوئی زندگی ہوئی۔''
''سوچ لیں پھر شادی ہو گئی تو یہاں سے چلے جائیں گے پھر آپ کی آمدنی کہاں سے

برآمد ہوگی؟" جینفر نے کہا۔

"وہ تو اللہ دے رہا ہے۔ تم لوگ جاؤ گے تو دوسرے آجائیں گے۔" ان کی اولادیں بیرون ملک میں تھیں اور ان کے شوہر کی چند سال قبل ڈیتھ ہوئی تھی۔ وہ اپنا گھر چھوڑ کر کہیں نہیں جاتی تھیں کیونکہ یہ گھر انہوں نے اپنے شوہر کے ساتھ مل کر محبت سے بنایا تھا۔

"آنٹی! اب آپ کا تجربہ اچھا رہا تو آپ سب کو شادی پر اکسا رہی ہیں۔ یہاں سارہ اور سکینہ کو ہی دیکھ لیں۔" جینفر نے دونوں کی طرف اشارہ کیا۔

"ہاں سارہ، سکینہ باجی کا تو معلوم ہے تمہارا کیا ہوا تھا جو طلاق دے دی؟" امبرین نے متجسس ہو کر پوچھا۔

"ارے کیوں اس بیوقوف کا ذکر کر کے سارہ کا دل خراب کر رہی ہو۔ آج کل قسم سے ایسے ایسے لڑکے مارکیٹ میں آگئے ہیں سمجھ نہیں آتا پرابلم کہاں سے ہو رہی ہے۔" جینفر نے کہا۔ سارہ خاموشی سے ان کے ساتھ بیٹھی سب کی باتیں سن رہی تھی۔

"بیٹا تربیت! جو جو کرتے ہیں وہ اپنے والدین سے سیکھ کر آتے ہیں۔" ساجدہ آنٹی نے کہا۔

"ہاں یہ بات صحیح کہہ رہی ہیں آپ ساجدہ آنٹی۔" سکینہ نے آہ بھر کر کہا تھا۔

"خیر چھوڑو یہ سب دکھ بھری باتیں۔ بھئی جسے کرنی ہے کرے اور جسے اکیلے رہنا ہے رہے۔" اس نے پہلے اشارہ امبرین کی طرف کیا اور پھر وہ سارہ اور سکینہ کی طرف اشارے کرنے لگی تھی۔ وہ ان کے ساتھ بیٹھ کر بہتر محسوس کیا کرتی تھی۔ اکیلے رہنا واقعی آسان نہیں تھا پر سارہ کی زندگی میں خوشیوں نے جب جب قدم رکھا تھا وہ اس سے زیادہ دکھ دے گئی تھیں۔ یہ ہی خیالات اسے ہر وقت ڈرائے رکھتے تھے۔ وہ اکثر سوچ کر وحشت زدہ ہو جاتی تھی پھر سب معاملات رب کائنات کے حوالے کر کے دھیان کہیں اور بٹانے کی کوشش میں لگ جاتی تھی۔

اسے پہلی تنخواہ ملی تو سب سے پہلے اس نے دو کام جن کا وہ کب سے انتظار کر رہی تھی وہ کیے۔ پہلے تو اپنی تنخواہ سے کچھ رقم لے کر بینک میں جمع کرائی، گھر کی کچھ رقم ملا کر اس نے صدقہ کر دی تھی تاکہ اس کا ثواب اس کے والدین اور ماموں مامی کو جاتا رہے۔ اگلا کام اس نے یہ کیا تھا کہ شاہ نواز سے رابطہ کر کے مٹھائی کا ایک ڈبہ اور لفافے میں کچھ رقم بھیجی تھی۔

''سارہ باجی! یہ کیوں کیا آپ نے؟'' وہ فون پر سارہ سے بات کر رہا تھا جب اسے سارہ کی طرف سے پارسل موصول ہوا تھا۔

''ماں جی کو بتانا میری پہلی تنخواہ ہے۔ اسی خوشی میں دی ہے۔'' سارہ نے دو تین اور باتیں کر کے کال منقطع کر دی۔ دلی طور پر اب جا کر اس کی پریشانی دور ہوئی تھی۔ جو لڑکی مہینوں جوڑ جوڑ کر بمشکل ایک دو ہزار بچا لیا کرتی تھی اب ہر مہینے اچھی خاصی تنخواہ اس کے اکاؤنٹ میں منتقل ہو جایا کرتی تھی۔ گویا رزق اور روزی دروازے توڑ کر اس کے پاس پہنچے تھے۔ وہ کبھی کبھی یہ سوچ کر ہی حیران ہو جایا کرتی تھی کہ آخر یہ سب کیا ہو رہا تھا۔ جب مالی حیثیت میں مضبوطی آئی تو اس کا رہن سہن بھی بہتر ہونے لگا۔ اس نے خود پر توجہ دینا شروع کر دی۔ بہترین کپڑے اور اچھے لباس کا انتخاب کیا کرتی۔ خود پر خرچ کرنا سمجھ میں آنے لگا تھا۔ پر وہ پٹڑی سے کبھی ہٹی نہیں تھی۔ اگر پیسے کی ریل پیل تھی تو بھی اس کے لباس ہمیشہ مہذب و معقول ہوتے تھے۔ صرف یہ ہی نہیں وہ اکثر و بیشتر ساجدہ آنٹی کے کتنے کام کروا دیا کرتی۔ جب جب موقع ملتا شاہ نواز کو پیسے بھیج دیا کرتی۔ جہاں تک ہو سکتا تھا اور جتنی اس کی استطاعت تھی ضرورت مندوں کی مدد کر دیا کرتی تھی۔

وقت کے ساتھ ساتھ اس میں پختگی بڑھتی گئی تھی۔ کانفیڈینس میں اضافہ ہوتا رہا تھا۔ اسے لوگوں میں اٹھنے بیٹھنے میں جھجک محسوس نہیں ہوتی تھی۔ اس کا ظاہری حسن آج بھی ماند تھا۔

چہرے پر سے کالی گھٹائیں تو چھٹ گئی تھیں پر چہرا شادابی سے عاری تھا۔ وہ آفس میں بھی قابل ستائش نگاہ سے دیکھی جاتی تھی۔ اس کی بات کا انداز، شائستہ لہجہ اور سنجیدہ طبیعت ہر کسی کو اس کا تسخیر کر دیا کرتی تھی۔ اس کا بھرم اسے لوگوں سے فاصلہ رکھواتا تھا۔ سرتا پیر اس میں وقت کے ساتھ ساتھ تبدیلیاں رونما ہو رہی تھیں جو مثبت احساس دلاتی تھیں پر دل نے ہمیشہ منفی ہی سوچا تھا۔ جہاں دن بھر وہ سب کو باہمت اور حوصلہ مند دکھائی دیتی تھی۔ راتوں میں اکثر اپنے خوف ناک خواب سے ڈر کر سہم جایا کرتی تھی۔ خلوت نے اسے ایک خول میں بند کر کے رکھ دیا تھا۔ جہاں ضروریاتِ زندگی و خواہشات پوری ہو رہی تھیں وہیں دل ہر وقت بے چین رہا کرتا تھا۔

''سر! میں اندر آ جاوں؟'' اس نے دروازے پر ناک کر کے سر جعفر سے اجازت طلب کی تھی۔ سارہ کو دیکھتے ہی جعفر صاحب کے چہرے پر مسکراہٹ رونما ہوئی تھی۔ انہوں نے خوش دلی سے اسے اندر آنے کا کہا تھا۔ سارہ ان کے کہنے پر میز کے دوسری طرف کرسی سنبھال گئی تھی۔

''آج کی میٹنگ بہت اچھی رہی تھی سارہ! مجھے تم سے اسی محنت اور لگن کی توقع تھی۔ یقین جانو جب قاسم نے مجھے تمہارا بتایا تب میں سمجھا تھا وہ مبالغہ کر رہا ہے پر اب خود بھی تجربہ کر کے آئے مسٹ سے! آپ کی ذہانت اور قابلیت آپ کو بہت دور تک لے کر جائے گی۔'' جعفر صاحب اسے توصیفی نگاہ سے دیکھتے ہوئے کہہ رہے تھے۔ وہ ساٹھ پینسٹھ کے بریکٹ میں تھے۔ قریباً پانچ سال پہلے اپنی جوان بیٹی کو کھو چکے تھے۔ اب ان کا صرف ایک بیٹا تھا جو لاہور کی برانچ میں فائنانس ڈیپارٹمنٹ کا منیجر تھا۔ بیوی کی وفات بھی کافی پہلے ہو گئی تھی۔ جوان بیٹی کی وفات نے ان کی کمر میں خم دے دیا تھا۔ وہ دلی اعتبار سے غمگین رہا کرتے تھے۔ بیٹی لاڈلی جو تھی۔ انہیں سارہ کی سادہ طبیعت اور ٹھہراؤ انداز میں اپنی بیٹی کا عکس دکھائی دیتا تھا۔

حالانکہ انہوں نے کبھی بھی سارہ کو فیور نہیں دیا تھا۔ وہ اصول پسند آدمی تھے اور جو کچھ سارہ نے حاصل کیا تھا اپنے بل بوتے پر کیا تھا پر انہیں دلی طور پر سارہ سے انسیت ہوگئی تھی۔ اور اکثر اسے پیار سے طرزِ تخاطب میں بیٹا استعمال کر کے بات کیا کرتے تھے۔

''جی سر! کمپنی کو یہ پراجیکٹ حاصل ہو جائے گا تو کافی فائدہ پہنچے گا۔ میں اگلی میٹنگ کی تیاری شروع کر رہی ہوں۔ اس کے حوالے سے آپ سے کچھ اہم نکات پر بات کرنی تھی۔'' سارہ نے کہا۔

''ہاں مجھے آصف بتا رہا تھا۔'' انہوں نے مسکراتی آنکھوں سے سارہ سے کہا۔

''تمہارا ماسٹر پروگرام بھی ختم ہوئے کچھ مہینے ہو گئے ہیں اور میں دیکھ رہا ہوں کہ کارکردگی میں مزید اضافہ ہوا ہے۔''

''جی سر۔ توجہ دونوں جانب بٹی ہوئی تھی پر شکر ہے اللہ کا اب ایک طرف مکمل دھیان دے رہی ہوں۔'' سارہ نے کہا۔

''بہت خوب۔''

زندگی کی گاڑی یوں ہی چلتی رہی تھی۔ کب اسے دو سال مزید اس کمپنی میں کام کرتے ہوئے ہونے والے تھے معلوم نہیں چلا تھا۔ پیئنگ گیسٹ میں امبرین چلی گئی تھی اور اب اس کی جگہ ایک اور لڑکی نے لے لی تھی۔ ساجدہ آنٹی اکثر سارہ اور جینفر کو کہا کرتی تھیں کہ سب بدل جائیں گے پر تم دونوں وہیں کی وہیں رہ جاؤ گی۔ وہ بعض اوقات سارہ کو بھی شادی کا مشورہ دیا کرتی تھیں پر سارہ خاموشی سے سن لیا کرتی تھی۔ اس نے قبول کر لیا تھا کہ معاشرہ کبھی بھی تنہا لڑکی کو جینے نہیں دے گا۔ پھر یہاں اس کے ماضی سے کوئی واقف نہیں تھا۔ تو وقتاً فوقتاً ساجدہ آنٹی کا کہنا برا بھی نہیں لگتا تھا۔ وہ ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے نکال دیا کرتی

تھی اور اس طرف ذہن بھٹکنے بھی نہ دیتی تھی لیکن وقت کبھی ایک جیسا نہیں رہتا اور پھر وہ ہوا جس کی وہ توقع نہیں کرتی تھی۔

''یہ گلابی والا دیکھو کیسا ہے؟'' جینفر نے گلابی رنگ کا لباس سارہ کو دکھایا جس نے دیکھتے کے ساتھ ہی گردن تردید میں ہلا دی۔

''آفس کی پارٹی کے لیے یہ رنگ کہاں مناسب ہے۔'' اس نے منہ کے زاویے بگاڑ کر کہا تھا۔ وہ دونوں ایک بوتیک میں آئی ہوئی تھیں۔ سارہ جس کمپنی میں کام کرتی تھی وہاں سالانہ آفس پارٹی منعقد کی گئی تھی۔ پارٹی میں جانے کے لیے اس کے پاس مناسب لباس نہیں تھا۔ جب اسے معلوم ہوا کہ جینفر بھی شاپنگ پر جانے کا ارادہ رکھتی ہے تو اس نے جینفر کے ساتھ جانے کا فیصلہ کر لیا کیونکہ سارہ کے بہ نسبت جینفر شاپنگ مال اور بوتیک وغیرہ کی معلومات خوب رکھتی تھی۔

''اچھا پھر کچھ اور دیکھتے ہیں۔'' جینفر نے کہا۔ اس کے ہاتھ میں دو شاپنگ بیگ تھے جو بتا رہے تھے کہ وہ اپنی شاپنگ تو کر چکی تھی اب سارہ کو لباس ڈھونڈنے میں مدد کر رہی تھی۔ سارہ ریک پر ٹنگے ہوئے مختلف رنگوں کے کپڑوں کو باری باری دیکھ رہی تھی پر اسے کوئی بھی لباس ایسا نہ ملا جو ایک آفیشل پارٹی میں پہنا جاتا۔

''سارہ! یہ والا؟'' جینفر نے ایک سفید شلوار قمیض پر اشارہ کیا جو سارہ کے عقب میں تھا۔

''نہیں بہت ہیوی ہے یہ تو۔ شادی کی تقریب میں تھوڑی جانا ہے مجھے۔'' اس نے کہا کہ یکایک اس کی جینفر کے عقب میں رکھے ہوئے ریک پر ایک سیاہ لباس پر نظر ٹھہری تھی۔

''ایک منٹ یہ کیسا ہے؟'' اس کی نظروں کا تعاقب کرتی جینفر کی نظریں بھی وہیں پلٹی تھیں۔ یہ ایک نفیس سیاہ رنگ کی میکسی تھی۔ جس کے نیچے سٹریٹ پاجاما تھا۔ آستینیں فل تھیں۔

گلے اور آستین پر مناسب سیاہ رنگ کے نگوں سے کام تھا۔ دوپٹہ بھی پلین تھا بس کناریوں پر نگ لگے ہوئے تھے۔

''بہت ڈیسنٹ اور ایلیگنٹ۔ تمہیں سمجھ آیا؟'' جینفر نے تبصرہ کیا۔

''ہاں یہ پرفیکٹ ہے۔'' سارہ نے کہا۔

''اوکے میں یہ ڈن کروا لیتی ہوں۔'' جینفر نے ایک سیلز مین کی طرف اشارہ کیا تھا جوان کے پاس چلا آیا تھا۔

''پلیز! یہ ڈن کر دیں۔'' جینفر نے کہا۔

''سوری میڈم! یہ پہلے سے بک ہو گیا ہے ڈریس۔'' سیلز مین کے کہنے پر دونوں نے سیلز مین کو چونک کر دیکھا تھا۔ سارہ تو سن کر ہار مان گئی تھی۔ شاپنگ کرنا محاذ کا کام تھا پر جینفر کی تو جو تلووں میں لگی سر میں بجھی تھی۔

''کیا مطلب بک ہو گیا ہے۔'' جینفر نے تڑخ کر بولا۔

''میڈم! یہ پہلے ہی ایک کسٹمر بک کروا چکے ہیں۔'' سیلز مین نے تعظیم سے کہا۔

''تو آپ ہمیں دوسرا پیس دے دیں۔'' سارہ نے کہا۔

''سوری میڈم! یہ ایک ہی پیس تھا۔'' سیلز مین نے کہا اور جینفر جو جذباتی قسم کی لڑکی تھی فوراً طیش میں آ گئی۔

''بھائی صاحب! اگر یہ بک ہی تھا تو یہاں ریک پر ٹنگے رہنے کا مقصد! آپ کو چاہیے تھا کہ اسے ہٹا دیتے۔ ایک تو ویسے ہی میری دوست کو اتنی مشکل سے ایک ڈریس پسند آیا اور آپ کہتے ہیں یہ بک ہو گیا ہے۔'' اس نے لفظ اتنی پر زور دے کر کہا تھا۔

''میڈم! اگر اور پیس ہوتا تو میں آپ کو دے دیتا۔ آپ کچھ اور پسند کر لیں۔'' سیلز مین

نے تحمل سے کہا۔

”نہیں ہمیں اور کچھ نہیں دیکھنا۔ ہمیں تو یہ ہی چاہیے! غلطی آپ کی ہے اگر یہ بک تھا تو یہاں سے ہٹا دینا چاہیے نا! خواہ مخواہ ہمارا وقت بھی برباد کر رہے ہیں آپ لوگ۔“ جینفر کا غصہ دیدنی تھا۔

”جینفر! چھوڑ دو کچھ اور دیکھ لیتے ہیں مسئلہ نہیں ہے۔“ سارہ نے اس کا بازو پکڑ کر کول ڈاؤن کروایا۔

”سارہ! کم از کم غلطی تو مانیں یہ لوگ۔ جب بک تھا تو ریک سے ہٹائیں۔ اب تو ہمیں یہ ہی پسند آیا ہے آپ ہمیں یہ ہی دیں۔“ جینفر کی ضد نے سارہ کو تذبذب میں مبتلا کر دیا تھا۔

”جینفر! رہنے دو چھوڑ دو۔“ سارہ نے نظروں سے اسے فہمائشی انداز میں کہا تھا۔ وہ وقت کے ساتھ ساتھ مزاج میں انتہائی ٹھہراؤ اور سنجیدگی لے آئی تھی۔

”میڈم! میں یہ کیسے دے سکتا ہوں۔“ سیلز مین نے مجبوری سے کہا۔

”ایکس کیوز می، یہ والا بھی کر دیں۔“ ایک شائستہ لہجہ لیے نوجوان سیلز مین کے پاس آیا اور دوسرے ڈریس پر اشارہ کر کے کہنے لگا۔

”جی سر۔“ سیلز مین نے سنتے کے ساتھ سر کو جنبش دی۔

”ایک منٹ۔ یہ ہمیں ڈیل کر رہے ہیں۔ آپ ہمارا مسئلہ تو سلجھائیں پہلے۔“ جینفر نے نوجوان کو ٹھہرنے کا کہہ کر سیلز مین کو ڈپٹ دیا۔

”میڈم! وہ ڈریس بھی انہوں نے ہی بک کروایا ہے۔“ سیلز مین نے معلومات میں اضافہ کیا تو جینفر سمیت سارہ جو انتہائی بیزار ہو رہی تھی اس کی طرف دیکھا۔

”کوئی پرابلم ہو گئی ہے؟“ نوجوان نے سیلز مین سے ہوتے ہوئے جینفر اور سارہ کو دیکھ کر

پوچھا تھا۔
''جی بالکل ہوگئی ہے۔'' سارہ جونفی میں گردن ہلاتی ہوئی معاملے کو رفع دفع کرنا چاہتی تھی اس کے کہنے سے پہلے ہی جینفر بول پڑی۔
''میری دوست کو بہت مشکل سے یہ ڈریس پسند آیا ہے۔ اب اگر آپ نے اسے بک کروا دیا تھا تو الگ رکھواتے۔ غلطی آپ دونوں کی ہے۔ جب ہمیں کوئی چیز پسند آتی ہے تو ہم سیلز مین سے کہتے ہیں اسے الگ کر دیں۔ وہیں چھوڑ کر دوسری چیزیں نہیں دیکھنے لگتے۔ اب آپ نے الگ رکھوایا اور نہ ہی ان سیلز مین نے الگ رکھا۔''
''جینفر! رہنے دو۔'' سارہ کی بس ہوگئی۔ نوجوان زیرلب مسکراتا ہوا جینفر سے سارہ کو دیکھنے لگا تھا۔ جو خاموشی سے کھڑی اپنی دوست کی حرکتوں پر اچھا خاصا زچ ہو رہی تھی۔
''ہم کچھ اور لے لیں گے۔ پلیز معذرت۔'' سارہ نے اشارے سے سیلز مین اور نوجوان سے کہا۔
''تو ظاہر ہے کچھ اور ہی لیں گے! لیکن انہیں غلطی معلوم ہونی چاہیے۔'' جینفر پھر میدان میں آئی جس کو سارہ بازو سے پکڑ کر لے جا رہی تھی۔
''ایک منٹ رکیں۔'' نوجوان دونوں لڑکیوں سے مخاطب ہوا۔
''میں ویسے بھی شبے میں تھا۔ اگر آپ کو پسند آگیا ہے تو آپ خرید لیں۔'' سیلز مین خاموش تماشائی بنا وہیں کھڑا ان کے مذاکرات طے ہونے کا انتظار کر رہا تھا۔
''احسان نہیں چاہیے ہمیں۔ آپ نے لیا ہوگا اپنی گرل فرینڈ کے لیے اب آپ ہی خریدیں پر اگلی بار شاپنگ پر آئیں تو دھیان رکھا کریں۔''
''آئے ایم سوری۔ آپ یہ ڈریس لے لیں مجھے نہیں چاہیے۔'' وہ جو بات کا بتنگڑ بن

جانے پر ٹھیک ٹھاک پریشان ہو رہی تھی۔ نوجوان سے کہہ کر پوری طاقت سے جینفر کا بازو کھینچتی ہوئی اسے بوتیک کے دوسری طرف لے گئی تھی۔ جینفر کرسچن مذہب سے تعلق رکھتی تھی۔ سیاہ بال اور سانولی رنگت تھی۔ قد میں سارہ سے لمبی خوب چاق و چوبند تھی اس کے برعکس سارہ دھان پان سی جیسے تیسے اسے وہاں سے گھسیٹ کر لے گئی تھی۔

''حد کرتی ہو تم جینفر۔ اتنی سی بات کا تماشا بنا دیا اور یہ کیا تم اس کی ذاتی زندگی پر تبصرہ کرنے لگی تھیں۔ اس نے تو نہیں کہا تھا کہ وہ گرل فرینڈ کے لیے لے رہا ہے۔'' سارہ نے ٹھیک ٹھاک سنائی تھی اسے۔ غصے کا پیمانہ تو یہ بھی لے کر پھرتی تھی۔

''تو اور نہیں تو کیا۔ دیکھا نہیں تھا کتنا ہینڈسم سا تھا گرل فرینڈ بیوی کچھ تو ہوگی اس کی خود تو پہننے سے رہا ہاں۔'' اس نے چڑ کر آخر میں ہنکار بھرا اور سر جھٹک دیا۔

''ایکس کیوز می؟'' ان دونوں کے عقب سے آواز آئی تھی۔ وہ ہی نوجوان پیچھے کھڑا تاثر سے لگ رہا تھا کہ بات سن چکا تھا اور ہنوز زیر لب مسکرائے جا رہا تھا۔

''جی فرمائیے؟'' جینفر نے تنک کر کہا۔

''وہ آرڈر میں کینسل کر چکا ہوں۔ آپ وہ ڈریس لے لیں۔'' نوجوان کی نظریں صرف سارہ پر مرکوز تھیں جو سن کر چپ سی ہو گئی تھی۔ وہ کہہ کر چلا گیا اور سارہ نے طیش سے جینفر کو دیکھا۔

بوتیک سے ڈریس خریدتی ہوئی وہ دونوں باہر نکلی تھیں۔

''میری توبہ جو تمہارے ساتھ شاپنگ پر چل پڑی۔'' وہ فٹ پاتھ پر چل رہی تھیں جب سارہ نے جینفر سے کہا تھا۔

''لو جی ایک تو تمہارا بھلا کیا میں نے۔ دیکھو اگر وہ لباس کہیں الگ رکھا ہوتا اور پھر تم پسند کرتیں تو میں ہی منع کر دیتی پر یہاں سراسر اس کی اور سیلز مین کی غلطی تھی۔ لیکن مجھے صرف نہیں

کہو تم انتہائی چوزی لڑکی ہو۔ جتنی دیر تم نے ایک لباس پسند کرنے میں لگایا ہے اتنے میں تو میں شاپنگ مکمل کر لوں۔"

"اپنی صفائی میں میں یہ ہی کہہ سکتی ہوں کہ اپنی ذات پر خرچ کرنا میں نے اب شروع کیا ہے۔ اس سے پہلے گھر کے بڑے جو لاتے تھے وہ ہی استعمال کر لیا کرتی تھی۔" سارہ نے کہا۔

"اوہ یعنی تم تیار بھی پھر دوسروں کے مطابق ہوتی ہوں گی۔" اس نے پوچھا نہیں تھا قیاس لگایا تھا اور بدلے میں سارہ نے سر کو فقط جنبش دی تھی۔

"تو پھر اب تمہیں خود پر توجہ دینی چاہیے۔ ایک کام کرتے ہیں اس ڈریس کے ساتھ تمہارے لیے کوئی اچھی سی جیولری لیتے ہیں۔" جینفر نے مشورہ دیا۔

"کیا ضرورت ہے۔ میرے پاس رکھی ہے ان میں سے ہی کچھ پہن لوں گی۔" سارہ نے کہا۔

"بالکل نہیں۔ تم نے ڈریس پسند کیا ہے اب اس کی جیولری بھی اپنی پسند کی لو۔ تم کل آفس کی پارٹی میں ایسا تیار ہو جیسا سارہ احمد تیار ہونا چاہتی ہے۔" جینفر کے الفاظ تھے یا ماضی کے ایک دروازے پر دیتی ہوئی دستک۔ وہ ٹرانس سی کیفیت میں جینفر کو دیکھے گئی تھی۔ ہو بہو ایسے ہی آگے پیچھے الفاظ اس نے بھی تو کہے تھے۔

"کہاں کھو گئیں؟" سارہ کے چہرے کے سامنے چٹکی بجا کر جینفر نے اسے خیالوں سے واپس بلایا تھا۔

"ن...... نہیں کچھ نہیں۔" وہ پل بھر کے لیے جذب کے عالم میں ساکت ہوئی تھی۔

"چلو یہ اچھی دکان ہے ہم یہاں سے کچھ لیتے ہیں۔" وہ اسے لے کر ایک جیولری شاپ پر لے گئی جہاں سارہ نے نفیس سے کانوں میں پہننے کے لیے ننھے ننھے آویزے لیے تھے اور ہاتھ میں پہننے کے لیے بریسلٹ۔

ہفتے کی رات اسے آفس کی طرف سے پارٹی میں مدعو کیا گیا تھا۔ اس نے سیاہ میکسی پہن کر قد آور آئینے میں اپنا جائزہ لیا تھا جو بالکل پرفیکٹ سائز کی تھی۔ پھر بائیں ہاتھ میں گھڑی پہن کر دائیں ہاتھ میں اس نے بریسلٹ پہن لی تھی۔ خود کو آئینے میں دیکھ کر وہ پل بھر کو رکی تھی۔

''ایسا تیار ہو جیسا سارہ احمد تیار ہونا چاہتی ہے۔'' جینفر کے لفظ دماغ میں گونج رہے تھے۔ اس نے گھنیرے بالوں کو کلپ سے آزاد کیا اور انہیں برش کی مدد سے سلجھانے لگی پھر سارے بال لے کر ایک جوڑے کی شکل میں پنوں سے مقید کر دیا۔ چہرے پر آتی ہوئی لٹیں بھی اس نے پیچھے کی طرف پن کر دی تھیں۔ آنکھوں میں ہلکا سا کاجل لگایا تھا۔ میک اپ اسے پہلے بھی کرنا سمجھ نہیں آتا تھا اور سلمان کی خواہش کو پورا کرتے کرتے وہ اب ان چیزوں سے عاجز ہو گئی تھی۔ چہرا ہر قسم کی آرائش سے عاری تھا البتہ ہونٹوں پر اس نے مردن رنگ کی لپ اسٹک کا انتخاب کیا تھا جسے لگا کر پھر ٹشو سے مزید ہلکا کر دیا تھا۔ صراحی دار گردن میں اس نے چاندی کی چین پہنی تھی جس میں نفیس سا پینڈنٹ موجود تھا۔ پھر دوپٹے کو قرینے سے شانوں پر پھیلا کر اوڑھ لیا تھا۔ اس کے موبائل پر مسڈ کال آئی تھی جو اس کی کولیگ کی تھی۔ جس نے سارہ کو پک اور ڈراپ کی سہولت آج کے دن دی تھی۔

بینکوئٹ کھچا کھچ آفس کے لوگوں سے بھر گیا تھا۔ پارٹی عروج پر تھی۔ دھیمی دھیمی موسیقی کی دھن پورے ہال میں گونج رہی تھی۔ کھانے پینے کے لیے بوفے سسٹم موجود تھا اور ہر شخص اپنی من پسند کھانے کی چیز سے لطف اندوز ہوتا دکھائی دے رہا تھا۔ اس کے پاس ایک ویٹر جوس کی ٹرے لے آیا تھا۔ اس نے اورنج جوس کا گلاس لے لیا اور اپنے کولیگ کے ساتھ باتوں میں مصروف ہو گئی جب سر جعفر اس کے عقب سے اس کو آواز دیتے ہوئے آئے۔ وہ پیچھے پلٹی اور تعظیم سے سر سے ملی تھی۔

"کیسی ہو بیٹا۔" جعفر صاحب نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر شفقت کا اظہار کیا تھا۔

"بالکل ٹھیک سر۔آنے میں دیر ہوگئی آپ کو؟" سارہ نے پوچھا۔

"میں تو کچھ دیر پہلے ہی داخل ہوا تھا پھر چیف اکبر سے باتوں میں مصروف تھا۔اور آپ لوگ سب کیسے ہیں خوب انجوائے کر رہے ہیں؟" وہ اس کے ساتھ کھڑے کولیگ سے مخاطب ہوئے تھے تو سب نے انہیں سلام کیا تھا اور پارٹی پر توصیفی جملوں سے وضاحت کی تھی۔

"اچھا سارہ! میں تمہیں اپنے برخوردار سے ملانا چاہتا ہوں۔دانیال۔" وہ پہلے بھی کئی بار سارہ کے سامنے اپنے بیٹے کا ذکر کرتے رہے تھے۔سارہ نے مسکرا کر سر کو خم کیا تھا۔دانیال اپنا نام سنتے کے ساتھ ہی جوں ہی پلٹا تو دونوں کی نظروں کا تبادلہ تو ہوا تھا پر شاک کا جھٹکا الگ لگا تھا۔

"سارہ! یہ دانیال جعفر۔لاہور کی برانچ میں ہوتے ہیں۔فائنس مینجر۔اور دانیال، یہ ہیں مس سارہ احمد۔"

دانیال نے آنکھیں وا کر کے سر کو متاثر انداز سے ہلایا تھا جبکہ سارہ الجھن اور شاک سے اسے دیکھے گئی تھی۔

"جعفر۔"

"اچھا، تم لوگ بات کرو میں آتا ہوں۔" جعفر صاحب اپنا نام سنتے کے ساتھ ہی ایکسکیوز کرتے ہوئے وہاں سے چلے گئے تھے جب کہ دانیال مسکراتا ہوا سارہ کو دیکھ رہا تھا۔

"دنیا واقعی بہت چھوٹی ہے آج یہ فقرہ سمجھ آیا۔" دانیال نے کہا۔

"اب دیکھیں کل ہی آپ سے ملاقات ہوگئی تھی بوتیک میں اور آج یہاں معلوم ہوا کہ آپ تو اسی کمپنی میں کام کرتی ہیں۔" وہ شائستہ انداز لیے کہہ رہا تھا۔خوب جاذب نظر، چوڑی جسامت اور پروقار شخصیت کا مالک تھا۔رنگ انتہائی گورا اور بال سیاہ ریشم جیسے تھے۔اس کی

مسکراہٹ بھی جاذبیت لیے ہوئے تھی۔

''جی بالکل۔ آپ سے مل کر اچھا لگا دانیال صاحب۔'' سارہ نے فقط یہ کہہ کر جوس پینے پر اکتفا کیا۔ صورت حال کافی بے ڈھب سی ہوگئی تھی کیونکہ یہ وہ ہی نوجوان جو تھا جس سے کل جینفر نے ٹھیک ٹھاک بحث کرلی تھی۔

''ویسے میں شکر کرتا ہوں کہ میں نے آرڈر کینسل کردیا اور ڈریس آپ نے لے لیا۔'' وہ گویا ہوا۔

''وہ کیوں؟'' سارہ نے استعجابی آنکھوں سے دیکھا۔

''کیونکہ یہ ڈریس آپ پر سوٹ کر رہا ہے اور بلاشبہ آپ اچھی لگ رہی ہیں۔'' وہ ستائشی نگاہ اس پر ڈال کر نظروں میں فوکس کر کے کہہ رہا تھا اور یہ سنتے کے ساتھ ہی سارہ کے چہرے کے زاویے کچھ ناگوار ہوئے تھے۔

''شکریہ۔'' اس نے زیر لب کہہ کر اپنا رخ بدل دیا۔ اور اس کے انداز پر دانیال اندر ہی اندر مسکرایا تھا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ سارہ بے حد ریزورڈ نیچر کی مالک تھی۔

''میں ویسے لاہور میں ہوتا ہوں پر اب جلد کراچی کی کمپنی ہی جوائن کروں گا۔ تو میرا خیال ہے ملاقات ہوتی رہے گی۔'' اس نے موضوع گفتگو بدل دیا۔

''جی مجھے سر جعفر نے بتایا تھا۔'' سارہ نے کہا۔ وہ جس طرح خود کو سمیٹ کر کھڑی تھی دانیال کو خوب بھلی لگی تھی۔ اس کے مہذب سلیقے لیے ہوئے انداز سے وہ کافی متاثر ہوا تھا۔

''آپ جانتی نہیں ہیں کہ آپ کا کتنا ذکر ہوتا رہتا ہے۔ ڈیڈ کے ذریعے آپ کا غائبانہ تعارف تو ہوگیا تھا بس ملنے کی دیر تھی جو آج ہوگئی۔ ڈیڈ آپ کے کام کی بہت تعریف کرتے ہیں۔ بلکہ کئی بار تو مجھے ڈانٹ بھی سننے کو مل چکی ہے جب میں نے ایک دو بار غلطیاں کردی

تھیں۔" وہ کہتا کہتا جھینپ سا گیا اور سارہ نے مسکرا کر اسے دیکھا۔

"سر جعفر خود بہت نرم دل اور اچھے انسان ہیں۔ اپنے ملازموں کا خیال رکھنا جانتے ہیں۔ اپنی محبت میں آ کر یہ سب کہہ جاتے ہیں ورنہ میں اور سب برابر ہی ہیں۔" اس نے خوب مہارت سے اپنی سراسیمگی کو چھپایا اور کہا۔ ان کی باتوں کا سلسلہ منقطع ہوا تھا جب جعفر صاحب نے دانیال کو دوسروں سے ملانے کے لیے اسے اپنے پاس بلایا تھا۔ پھر سارہ کی دانیال سے بات نہیں ہوئی تھی۔ وہ اپنی کولیگ کے ساتھ وقت بتاتی ہوئی گھر کے لیے روانہ ہوگئی تھی۔

پیر کے دن آفس کے بعد اس نے شاپنگ مال کا رخ کیا تھا۔ آفس میں پہننے کے لیے کچھ کپڑوں کی ضرورت تھی جو وہ اسی دن جینفر کے ساتھ لیتی پر کچھ اس کی وجہ سے بھی دیر ہوئی اور پھر جعفر کی جذباتیت نے مزید شاپنگ کرنے کا ارادہ ترک کروا دیا تھا۔

وہ ریکس میں ٹنگے ہوئے مختلف کپڑوں کو دیکھ رہی تھی۔ ایک دو پسند کر کے بازو میں لٹکائے ہوئے تھے۔

"لگتا ہے ہمارا مال میں ملنا اتفاقاً لکھا ہی ہے۔" اسے مزید ایک دو اور سوٹ لینے تھے۔ انہیں ہی دیکھنے کی غرض سے وہ ریکس چھان رہی تھی جب دانیال کی عقب سے آواز نے اسے چونکایا تھا۔ وہ بھی ڈریس پینٹ اور شرٹ پہنے لگ رہا تھا آفس سے سیدھا مال پہنچا تھا۔ آج اس نے کمپنی وزٹ کی تھی پر مصروفیت کے باعث اس کی سارہ سے ملاقات نہیں ہوئی تھی البتہ سارہ جانتی تھی کہ دانیال جعفر کمپنی میں موجود تھا۔

"بے فکر رہیں آج میں نے ابھی تک کچھ بھی بک نہیں کروایا۔" وہ شاک کے عالم میں تھی جب دانیال نے کہا اور وہ زیر لب مسکرا گئی۔

''ویسے آپ کی وہ دوست آج نظر نہیں آ رہی؟'' دانیال نے متلاشی نظروں سے دیکھا۔
''نہیں آج اکیلی ہوں میں۔'' سارہ نے کہا اور پلٹ کر پھر اپنا کام کرنے لگی تھی۔
''ویسے میں بھی آج ڈریس پسند کرنے آیا تھا۔'' سارہ نے سن کر سر کو خم کیا۔
''دراصل اس دن لینا رہ ہی گیا تھا۔'' سارہ نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔
''وہ میری ایک دوست ہے اس کے لیے گفٹ لینا چاہ رہا ہوں کئی دن سے۔'' دانیال نے بتایا تو اس نے سر کو جنبش دی۔
''آپ کچھ مدد کر سکتی ہیں اس میں؟'' دانیال نے پوچھا۔
''میں؟'' سارہ کو اچھنبا ہوا۔
''ہاں بالکل۔ میں ویسے بھی اس معاملے میں خاصا صفر ہوں۔ اور مجھے کوئی دوسری چیز تحفے کے طور پر دینی سمجھ نہیں آ رہی۔'' دانیال نے کہا۔
''صفر تو میں بھی ہوں۔'' سارہ نے بتایا تو وہ ہنسنے لگا۔
''مجھ سے زیادہ نہیں ہوں گی۔ اگر آپ مدد کر دیں گی تو کام آسان ہو جائے گا۔'' دانیال نے لجاجت سے کہا۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی سوچ میں پڑ گئی۔
''آپ کی دوست کا من پسند رنگ کیا ہے؟'' سارہ نے اپنی طرف سے کوشش شروع کی۔
''امم...... معلوم نہیں گلابی شلابی ہوگا۔ آپ کو کیسے پسند ہیں؟'' دانیال نے پوچھا۔
''مجھے تو ہلکے رنگ بھلے لگتے ہیں۔'' سارہ نے کہا۔
''ہاں تو بس آپ ان ہی میں دیکھیں۔ وہ بھی ہلکے رنگ ہی پہنتی ہے۔'' دانیال نے بتایا تو وہ ریکس میں لٹکے ہوئے مختلف لباس دیکھنے لگی۔
''انہیں ہیوی پسند ہیں یا سادہ طبیعت رکھتی ہیں؟'' سارہ نے اگلا سوال پوچھا۔

''ا......دونوں ہی۔آپ کیسا پسند کرتی ہیں؟'' دانیال نے پوچھا۔

''میں نے ہمیشہ ہلکے کام کے جوڑے پہنے ہیں لہٰذا ہیوی لباس کی عادت نہیں۔'' سارہ نے معلومات میں اس کے اضافہ کرتے ہوئے ریکس میں دیکھتے ہوئے کہا۔

''تو بس وہ ہی دیکھیں۔وہ بھی وہ ہی کرتی ہیں۔'' اس نے جان چھوٹنے پر سانس خارج کی تھی۔

''دانیال صاحب۔'' کچھ توقف کے بعد وہ پھر بولی۔

''پلیز اب اور سوال مت کیجیے گا۔میں نے پی ایچ ڈی نہیں کی اس کی پسند پر۔'' وہ جس طرح بے چارگی سے کہنے لگا سارہ کی بے اختیاری میں مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔

''دراصل میں تو صرف یہ پوچھ رہی تھی کہ آپ نے کتنی قیمت سوچ رکھی ہے کیونکہ یہاں مختلف لباسوں کی مختلف قیمتیں ہیں۔'' سارہ نے کہا۔

''اوہ اچھا۔سارہ صاحبہ! آپ کچھ بھی دیکھ لیں جو آپ کو سمجھ آئے پیسوں کی قید نہیں۔ دراصل دوست بہت اہم ہے اور میں چاہ رہا ہوں اسے اچھے سے اچھا تحفہ دوں۔'' اس کے بتانے پر سارہ نے منتشر دماغ سے یہاں وہاں دیکھنا شروع کیا۔وہ جہاں جہاں بڑھتی دانیال اس کے ساتھ ساتھ چلتا۔وہ کوئی لباس نکال کر تنقیدی نگاہ ڈالتی پھر سوچ کر واپس رکھ دیتی۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔اس طرح پہلے کبھی کوئی ذمہ داری نبھائی جو نہیں تھی۔بالآخر اسے ایک سوٹ سمجھ آ گیا۔یہ گلابی اور سفید کے امتزاج میں تھا۔گلے اور آستینوں پر ہرے رنگ سے کڑھائی ہوئی تھی جبکہ پاجاما سفید رنگ کا تھا جس کے پائینچوں پر بھی ہرے رنگ کا مولف تھا۔دوپٹہ گلابی،سفید اور ہرے رنگ میں ٹائے ڈائے ہوا تھا۔دانیال کو اس کا انتخاب خوب بھایا۔

''دانیال صاحب! مجھے یہ پسند آیا ہے باقی آپ زیادہ بہتر سمجھتے ہیں۔'' اس نے نکال کر دانیال کو دکھایا

''زبردست۔'' وہ تعریف کیے بنا نہ رہ سکا۔

''واقعی؟'' سارہ نے تصدیق مانگی۔

''بالکل۔ میں ایک کام کرتا ہوں اس کی پیمنٹ کروا دیتا ہوں۔'' وہ رکا نہیں فوراً کاؤنٹر کی طرف بڑھا اور سارہ اس کی عجلت کو حیرت سے دیکھتی ہوئی دنگ رہ گئی۔ خود اس نے بھی جو تین سوٹ منتخب کیے تھے ان کی پیمنٹ کر دی تھی۔

''یہ لو جی، یہ بھی ہو گیا۔ مس سارہ! آپ کا بے حد شکریہ۔ اگر آج آپ نہ ہوتیں تو یہ کام آج بھی انجام کو نہ پہنچتا۔'' دانیال نے کہا۔

''ایسی کوئی بات نہیں، امید کرتی ہوں آپ کی دوست کو پسند آ جائے بس۔'' سارہ نے کہا۔

''بالکل، کیوں پسند نہیں آئے گا۔ اچھا، آپ نے میرا اتنا بڑا مسئلہ حل کیا ہے اس کے بدلے آپ کو کچھ تو دینا بنتا ہے۔ تو بتائیں جوس لیں گی یا کوفی؟'' وہ دانیال کی بات پر جھجکتی ہوئی گردن نفی میں ہلانے لگی۔

''تھینک یو دانیال صاحب! پر اس تکلف کی ضرورت نہیں۔ مجھے ویسے بھی بہت دیر ہو رہی ہے۔ کچھ دیر میں اندھیرا ہو جائے گا۔'' اس نے ہاتھ میں پہنی گھڑی میں وقت دیکھ کر کہا تھا۔

''پر ابھی تو سورج ڈھلنے میں پورا پونا گھنٹہ باقی ہے۔ اچھا ایک جوس تو چل سکتا ہے؟'' دانیال بضد تھا اور وہ اتنا ہی منع کر رہی تھی۔

''پلیز نہیں۔'' اس نے لجاجت سے کہا پر وہ کہاں مان رہا تھا۔

''یعنی مروت میں ہی رہ جائیں گی محترمہ! یہ بیگ پکڑیں۔'' اس نے فوراً سارہ کو شاپنگ

بیگ تھمایا جو اس نے الجھ کر پکڑ تو لیا پھر جب وہ جوس لینے چلا گیا تو وہ پیچ و تاب کھاتی رہ گئی۔ وہ چند منٹ میں ہی دو ڈسپوزیبل گلاس میں تازہ جوس لے آیا تھا۔

"یہ لیں۔ مجھے معلوم نہیں تھا آپ کا پسندیدہ فلیور کون سا ہے پر اس دن پارٹی میں آپ کو کینو کا جوس پیتے دیکھا تھا تو وہ لے آیا۔"

سارہ نے حیرت سے اس کی بات سنتے نہ چاہتے ہوئے بھی گلاس تھام لیا۔ وہ لوگ ایک بینچ پر بیٹھ گئے تھے۔ دانیال تو جوس مزے لے کر پی رہا تھا پر سارہ بے چین سی یہاں سے جانا چاہتی تھی۔

"آپ کی شاپنگ بھی پوری ہوگئی؟" دانیال نے پوچھا۔

"نہیں، اگلی بار آ کر مکمل کرلوں گی۔" اس نے سیدھے سے کہا۔

"اوہ لگتا ہے میری وجہ سے آپ کا وقت خراب ہوگیا۔" دانیال نے خود کو ملامت کر کے کہا۔

"ایسی بات نہیں ہے پھر آجاؤں گی۔" سارہ نے کہا اور دو سانس میں جوس کو ختم کر کے وہ ایک دم اٹھ گئی۔ اس کو دیکھتے ہی دیکھتے دانیال بھی حیرت سے اٹھا تھا۔

"تھینکس دانیال صاحب، جوس کے لیے، مجھے لیٹ ہو رہا ہے۔ آپ سے پھر آفس میں ملاقات ہوگی۔" سارہ نے عجلت میں کہا۔

"یار! آپ نے تو جوس کو ایک سانس میں پی ڈالا۔ صاف ظاہر ہے یہاں سے بھاگنے کو پَر تول رہی ہیں پر سارہ، مجھے آپ سے کچھ کہنا ہے۔ اگر آپ کا تھوڑا وقت درکار ہو تو۔" دانیال کے پوچھنے پر اس نے مستفسرانہ انداز میں دیکھا۔

"جی کہیں؟" سارہ نے پوچھا۔

"دراصل سارہ! مجھے کچھ اعتراف کرنا تھا آپ سے۔" دانیال نے کہا۔ اس کے چہرے پر

عجیب سی جھجک تھی۔

''کیسا اعتراف؟'' سارہ نے پوچھا۔

''وہ......دراصل......ہماری دونوں ملاقاتیں تو اتفاقاً تھیں پر آج کی ملاقات اتفاق سے نہیں ہوئی تھی۔'' دانیال کی بات پر وہ ٹھیک ٹھاک کنفیوز سی ہوگئی تھی۔

''میں نے دراصل آپ کو آفس میں ایک کولیگ سے کہتے سن لیا تھا کہ آپ کا ارادہ شاپنگ کا ہے آفس کے بعد تو بس اپنی قسمت آزما کر میں نے آپ کا پیچھا کیا اور یہاں آگیا۔'' وہ اس انکشاف پر بے حد الجھ کر دانیال کو دیکھ رہی تھی جو مجرم سا محسوس کر رہا تھا۔

''اور میرا تعاقب کرنے کی وجہ؟'' سارہ نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''دیکھیں۔ میں ہمیشہ سے دو فقروں پر الجھا رہا ہوں۔ وہ کہتے ہیں نا کہ جلدی کا کام شیطان کا پھر یہ بھی کہتے ہیں کہ نیک کام میں دیر کس بات کی۔ تو سمجھ نہیں آتا بندہ کس کی سنے۔'' سارہ نے بگڑے ہوئے زاویوں سے اسے دیکھا تھا۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ آخر دانیال کہنا کیا چاہ رہا تھا۔

''پر خیر میں اس کو نیک نیتی سمجھ کر دیر کس بات کی پر عمل کرتا ہوا کہتا ہوں۔ حالانکہ ڈیڈ تو ہمیشہ کہتے ہیں کہ انسان کو موقع محل اور دستور دیکھ کر بات کرنی چاہیے اور اس وقت موقع محل اور دستور بھی نہیں لیکن اگر میں نے نہیں کہا تو مزید دن کاٹنا مشکل ہوجائے گا۔''

''دانیال صاحب! آپ سیدھے سیدھے کہیں، کیا بات ہے اور اگر ایسی کوئی بات ڈسکس کرنی ہے تو کل ہم آفس میں مل کر ڈسکس کر لیتے ہیں۔'' وہ اس کی بات پر مکمل ناسمجھی سے دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

''سارہ! میں آپ سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔'' اور اس کی فوراً شادی کی پیش کش پر سارہ

حیرت کدے میں اسے دیکھتی رہ گئی۔

''جانتا ہوں سیدھا مدعے پر آیا۔ پر گھما پھرا کر بھی یہ ہی کہنا تھا تو سیدھے سیدھے کیوں نہیں؟'' وہ سارہ کی شاک ہوتی شکل کو دیکھتا ہوا گویا ہوا۔

''اب آپ سوچ رہی ہوں گی کہ اچانک مجھے کیا ہوا؟'' سارہ کے دنگ ہوتے تاثرات ہنوز قائم تھے۔ لہٰذا دانیال نے اس کے چہرے کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

''میرے پاس صرف جواب یہ ہی ہے سارہ کہ آپ کو اس دن بتایا تھا کہ آپ کا غائبانہ تعارف تو پہلے ہو گیا تھا پھر اس دن اتفاق سے بوتیک میں جب ملے تو آپ کی سلجھی ہوئی نیچر مجھے بہت اچھی لگی۔ اس وقت تو دل کی بات سمجھنا آسان نہیں تھا پر جب آپ سے پارٹی میں اتفاقاً سامنا ہوا تو دل نے اس کیفیت کی تصدیق کر دی کہ جو بھی ہے غلط نہیں ہے۔ لہٰذا آج میں نے تمام معاملات ترتیب دے کر آپ کے سامنے کھڑا آپ سے پوچھنا چاہ رہا ہوں۔ کیا آپ مجھ سے شادی کریں گی؟'' وہ دل و دماغ شل ہوتے محسوس کر رہی تھی۔ اس کے لیے یقین کرنا مشکل تھا۔ اس کی آنکھیں تحیر سی دانیال کو دیکھے جا رہی تھیں۔

''آپ کچھ تو کہیں سارہ؟'' دانیال نے جب سارہ کے پاس سے کوئی جواب نہ ملا تو کہا۔ پر وہ بے حد شاک کے عالم میں تھی۔

''اوہ ہاں یہ تو بتانا بھول گیا۔ یہ جو لباس خریدا تھا میں نے آپ کی پسند سے یہ بھی دراصل آپ کے لیے تھا۔ جانتا تھا آپ لیں گی نہیں تب ہی جوس کے بہانے آپ کو تھما دیا۔'' دانیال نے زیرِ لب مسکرا کر کہا پر اب سارہ کی بس ہو گئی تھی۔

''شادی؟'' اس نے شاک کے عالم میں برہمی سے کہا۔

''دو دن کی ملاقات سے آپ شادی جیسا اتنا بڑا فیصلہ اتنے آرام سے کیسے لے سکتے

ہیں؟'' سارہ نے گمبھیر سنجیدگی سے پوچھا تھا۔

''سچ پوچھیں تو ڈیڈ ایک زمانے سے پیچھے پڑے ہیں پر میں نہیں مانتا تھا۔ پھر آپ سے مڈبھیڑ ہونے پر دل کو یہ دو ملاقات ہی کافی لگیں۔'' وہ صدق دل سے گویا ہوا تھا پر سارہ کا چہرا برہم ہونے لگا تھا۔

''اور اب آپ یہ کہیں گے کہ دو دن کی ملاقات سے آپ کو محبت جیسے جذبے سے آشنائی حاصل ہوئی؟'' سارہ نے سوال سے اسے گھیرا۔

''معلوم نہیں پر آپ اس جذبے کو یہ نام دے سکتی ہیں۔'' دانیال نے رسان سے اسے نظروں میں فوکس کر کے کہا۔

''دو دن میں آپ کو میرے بارے میں کیا معلوم ہو گیا دانیال صاحب؟ آپ مجھے جانتے ہی کتنا ہیں؟'' سارہ نے پوچھا۔

''اس کے لیے تو ساری زندگی نہیں پڑی؟ شادی کے بعد ایک دوسرے کو جانتے ہوئے زندگی گزر جاتی ہے۔'' اس نے سیدھے سیدھے کہا۔

''ضروری نہیں جو آپ دیکھ رہے ہیں وہ ہی سچ ہو۔ انسان گہرائی میں تہہ در تہہ مختلف ہوتا ہے۔ آپ کو شادی اتنی آسان لگتی ہے؟'' سارہ نے طنزیہ مسکراہٹ لیے پوچھا۔

''سارہ! میں اتنی گہرائی میں نہیں جاتا۔ دل نے دل سے آپ کو قبول کیا تو میں اپنی پیش کش آپ کے پاس لے آیا۔''

''آپ محبت جانتے بھی ہیں کیا ہوتی ہے؟'' سارہ نے اس کی بات کاٹ کر کہا پر وہ اس بار لاجواب تھا۔

''قربانی! محبت جسے آپ سمجھتے ہیں خوبصورت جذبہ ہے۔ یہ قربانی مانگتا ہے۔ انسان کو

زندہ درگور کر دیتا ہے۔ ایسے نہج پر لا کر چھوڑتا ہے جب وہ بے بس ہو جاتا ہے۔ زندگی اور سانسوں کی تقسیم کر دیتا ہے۔ محبت وہ نہیں جو کتابی باتیں ہیں۔ محبت جذبہ بہت خطرناک ہے۔ آپ سمجھتے ہیں یہ اتنا آسان ہے؟" وہ خاموشی سے سارہ کو سنتا ہوا کچھ بھی کہنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔

"محبت قربانی مانگتی ہے اور آپ کہتے ہیں آپ کے دل نے دو ہی ملاقات میں قبول کر لیا۔"

"سارہ! محبت کی کوئی قید تو نہیں۔ یہ تو ایک نظر میں بھی ہو جاتی ہے۔"

"ایک نظر میں محبت ہو جانا؟" وہ طنزیہ مسکرائی تھی جس میں غم کی آمیزش تھی۔ دھندلا سا ایک چہرا تحت لاشعور میں گردش کرتا نظر آیا تھا۔ اس نے ضبط سے آنکھیں بند کی تھیں۔ وہ رو نہیں رہی تھی پر یہ تکلیف ناقابل برداشت تھی۔

"معاف کیجیے دانیال صاحب! میرا جواب نہیں ہے۔" وہ پلٹنے سے پہلے شاپنگ بیگ جو دانیال نے اسے تھمایا تھا زمین پر رکھ دیا۔

"سارہ! وجہ جان سکتا ہوں؟" پر اس کے سوال پر سارہ نے بمشکل اس کی جانب دیکھا تھا۔ اس کی پیش کش کو رد کرنے پر دانیال کا چہرا یکلخت مرجھایا تھا۔

"میں نہیں بتاتی پر آپ پوچھ رہے ہیں تو اتنا کہوں گی کہ مجھے شادی جیسے کسی بھی رشتے میں نہیں بندھنا۔ کیا سر جعفر یہ سب جانتے ہیں؟" اسے اچانک یاد آیا۔

"نہیں، ڈیڈ کو تو میں آپ سے پوچھ کر پھر بتاتا۔" دانیال کا لہجہ شکستہ خوردہ تھا۔ گوہر نایاب ہاتھ سے جا رہا تھا۔

"تھنکس فور دا جوس مسٹر دانیال۔" وہ کہتی ہوئی پلٹ کر چلتی چلی گئی اور دانیال اس کی پشت کو تکتا ہوا آشفتہ حال وہیں کھڑا رہ گیا۔

”ایک سال سلمان کے ساتھ رہ کر بھی میں دل میں اس کے لیے محبت نہیں پیدا کرسکی اور یہاں دو دن کی ملاقات میں شادی کا اتنا بڑا فیصلہ کرلیا! کیا اتنا آسان ہے یہ سب۔“ اس کا ضبط کا پیمانہ لبریز تھا۔ بستر کے سرہانے بیٹھی ہوئی وہ زارو قطار رو رہی تھی۔ دانیال نے اس کے اندر باہر کی دنیا ہلا کر رکھ دی تھی۔

”کیا اتنا آسان ہے یہ سب؟ کیا اتنا آسان ہے کسی کو اپنانا؟ کیا اتنا آسان ہے محبت کرنا؟“ وہ حیرت سے خود کلامی کر رہی تھی۔ تحت لاشعور میں دھندلا پڑتا چہرا دھیرے دھیرے واضح ہونے لگا تھا۔ اس کا دل ڈوب کر ابھر رہا تھا۔ سانس اکھڑتی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ سامنے نہ ہو کر بھی خیالوں پر چھا رہا تھا۔ زندگی اس قدر مشکل سے گزری تھی کہ اس کا دھیان کبھی اس جذبے کی جانب پھر گیا ہی کہاں تھا۔ یا وہ خود کو مصروف رکھتی ہی اس بنا پر تھی کہ دل کبھی بھی اس خیال کی طرف نہ بھٹکے۔

”میں دفنا چکی تھی۔ سب کچھ ختم کر چکی تھی۔ پھر آخر یہ سب کیوں ہو رہا ہے۔“ سینے میں اٹھتا درد اسے بے حال کر رہا تھا۔ وہ بستر سے سرکتی ہوئی زمین پر آ گئی تھی۔ چہرا ہاتھوں میں لیے اس کے آنسوؤں کی باڑ جو توڑ کر برس رہی تھی سیلاب کی صورت اختیار کر گئی تھی۔

”سارہ! میں نے کبھی کسی سے محبت کا اعتراف نہیں کیا۔ پر آج کرنا چاہتا ہوں۔ سارہ! میں تم سے......“ وہ جارہانہ انداز سے اٹھی اور سائڈ میز پر جتنی بھی اشیاء موجود تھیں سب پھینک دیں۔

”بس......بس بس بس۔“ وہ طیش سے چلا اٹھی۔ زین کا چہرا نظروں سے معدوم ہوا۔ ماضی سے آتی ہوئی آواز کا اثر زائل ہوا۔ وہ اپنی حالت سے لاچار زمین پر بیٹھتی چلی گئی تھی۔

☆......☆......☆

”مے آئے کم اِن سر۔“ اس نے دروازے پر دستک دیتے ہوئے کہا۔

''ارے سارہ بیٹا! اندر آؤ۔ آؤ بیٹھو۔'' سر جعفر نے سارہ کو دیکھا تو رسانیت سے کہا۔

''کیا ہوا کچھ پریشان لگ رہی ہو؟'' وہ اس کے چہرے پر تاثر اخذ کرتے ہوئے کہنے لگے تھے۔ بہر حال وجہ تو وہ بھی جانتے تھے پر وہ خود سارہ کے منہ سے سب سننا چاہتے تھے۔

''سر! ہر بار کچھ مدت کے بعد یہ کمپنی اپنے ملازمین کو دوسری برانچوں میں کام کرنے کا موقع فراہم کرتی ہے اور اسی سال ریکروٹمنٹ ہوگی۔ میری درخواست ہے کہ اگر آپ مجھے اس قابل سمجھتے ہیں تو مجھے بھی اس میں موقع دیں۔'' وہ جو سوچ کر آئی تھی بغیر تمہید باندھے کہنے لگی تھی۔

''پر کیوں؟ تم اچھا خاصا تو کام کر رہی ہو یہاں۔ اور تم جیسی قابل ملازمہ کو میں کیسے دوسری برانچ میں ٹرانسفر کر سکتا ہوں۔'' سر جعفر کو اس کی درخواست پر حیرت کا جھٹکا لگا تھا۔

''سر! میں یہاں مزید نہیں رہ سکتی۔'' اور سارہ کے انکشاف پر وہ پل بھر کو خاموش ہوئے تھے۔

''کچھ ہوا ہے؟'' جعفر صاحب نے توقف کے بعد اس سے پوچھا۔

''آپ نہیں جانتے؟'' وہ طنزیہ لہجے میں سوال کر رہی تھی۔ آنکھوں میں شکوہ الگ تھا۔

''حرج ہی کیا ہے۔'' سر جعفر نے نرم آنکھوں سے کہا۔

''یہ آپ کہہ رہے ہیں؟ آپ کو پہلے ہی یہ سب ہونے سے روک لینا چاہیے تھا۔'' سارہ نے غصے پر ضبط کر کے کہا۔

''پر میں نہیں روکنا چاہتا تھا بیٹا۔ تم بیٹی جیسی ہو اور تمہیں بہو کے طور پر اپنے پاس رکھنا چاہتا ہوں میں۔'' وہ ان کی خواہش سن کر ٹھٹک گئی تھی۔

''پر میں کسی بھی ریلیشن کے لیے تیار نہیں۔'' اس نے فوراً بات کو رد کیا۔ ''کیا آپ نے دانیال صاحب کو اکسایا ہے؟''

''باخدا میں نے اسے مشورہ نہیں دیا۔ اس نے خود مجھ سے یہ بات کی تھی۔'' سر جعفر نے کہا۔

''سب کچھ جان کر بھی۔'' سارہ نے تعجب سے انہیں دیکھا۔

''سارہ! اسے مسئلہ نہیں ہے۔'' وہ جانتے تھے سارہ اپنے طلاق یافتہ ہونے کی طرف اشارہ کر رہی تھی۔

''پر مجھے ہے۔ میں یہ سب برداشت نہیں کر سکتی سر۔ میری آپ سے درخواست ہے پلیز مجھے اس پروگرام کے لیے سلیکٹ کریں۔ میں جگہ بدلنا چاہتی ہوں۔ یہاں سے دور چلی جانا چاہتی ہوں۔ یہاں ہر چہرا ہر آنکھ مجھے خود پر محسوس ہوتی ہوئی لگتی ہے۔ اگر آپ کے دل میں میرے لیے سافٹ کارنر ہے تو پلیز اس استدعا پر غور کیجیے۔'' سارہ نے لجاجت سے انہیں کہا تھا جو خاموشی سے سارہ کو تک رہے تھے۔

''کس سے بھاگ رہی ہو۔'' سر جعفر نے اس بار گمبھیر سنجیدگی سے پوچھا اور وہ لاجواب ہوگئی۔ اس کی حالت دیکھ کر جعفر صاحب نے اس کا نام لسٹ کے لیے بادل نخواستہ درج کر دیا تھا۔ حالانکہ وہ دانیال کی سارہ کی طرف پسندیدگی جان کر بے حد خوش ہوئے تھے۔ سارہ جیسی سلجھی ہوئی لڑکی ہی انہیں اپنی بہو کے طور پر قبول تھی جوان کے مرجھائے ہوئے گھر میں رونق لے آتی۔ اس میں اپنی بیٹی کی شبیہہ دیکھ کر الگ ان کے دل میں اشتیاق ہوا تھا پر سارہ کی طرف سے صاف انکار نے انہیں اس کی بات ماننے پر مجبور کر دیا تھا۔ سارہ قابل ملازمہ تھی اور با آسانی اس کا بیرون ملک کی برانچ میں ٹرانسفر ہو سکتا تھا۔ وہ جہاں اپنے بیٹے کا دل ٹوٹتا ہوا دیکھ رہے تھے وہیں اپنی دلی خواہش کا خاتمہ انہیں غم دے رہا تھا اور صرف یہ ہی نہیں ان کی کمپنی سے ایک قابل ملازمہ جانے کا نقصان الگ انہیں اٹھانا پڑ رہا تھا پر نہ جانے سارہ کی کیفیت میں انہیں اس قدر لاچارگی محسوس ہوئی تھی کہ انہوں نے ویسا ہی کیا جیسا وہ چاہ رہی تھی۔

وہ اپنے کیوبکل میں کام کر رہی تھی جب پیون نے اسے مطلع کیا کہ سر جعفر اسے کمرے

میں بلا رہے تھے۔ اس نے دروازے پر دستک دیتے ہوئے اندر آنے کی اجازت لی اور سر جعفر کو سنجیدگی سے میز کی دوسری طرف بیٹھا دیکھا۔

''آپ نے بلایا سر؟'' سارہ کہتی ہوئی اندر آئی۔

''ہاں ادھر آؤ۔'' سر جعفر نے اسے میز کی طرف اشارہ کیا پھر خاکی رنگ کا لفافہ میز پر رکھ کر اس کی طرف سرکا دیا۔ سارہ نے وحشت سے لفافے کو دیکھا پھر سر جعفر کو۔

''ی...... یہ کیا ہے؟'' اسے کئی انجان اندیشے اپنی لپیٹ میں لے رہے تھے۔ اسے اس بات کا خوف تھا کہ اپنے ہی چیف کے بیٹے کا پروپوزل ریجیکٹ کر کے کہیں وہ اچھی خاصی نوکری سے ہاتھ دھونہ بیٹھے اور اس وقت اسے یہ خاکی لفافہ اپنے کیے کا خمیازہ لگ رہا تھا۔

''کھول کر دیکھو۔'' جعفر صاحب نے سپاٹ انداز سے کہا تھا۔ سارہ نے جیسے تیسے لفافہ اٹھایا اور اندر موجود کاغذات نظروں کے سامنے کیے۔ اس نے ایک بار پڑھا پھر دوسری بار۔ جب پھر بھی یقین نہیں آیا تو سر جعفر کو حیرت سے دیکھا۔

''تم نے پہلی بار کچھ مانگا تھا۔ رد کرنا میرے اختیار میں نہیں تھا۔ یقین جانو اس کمپنی کے لیے تم بے حد اہم ہو پر تمہاری خواہش کو مدنظر رکھتے ہوئے میں نے لسٹ میں تمہارا نام بھی درج کروا دیا ہے۔ اور تمہاری صلاحیتوں اور کام کو دیکھتے ہوئے تم مزید شارٹ لسٹ ہو چکی ہو۔ البتہ آگے کے اقدام تم نے مزید کلیئر کرنے ہیں۔ کمپنی کی یہ برانچ شکاگو میں ہے۔ سلیکشن ہو جائے گا تو کمپنی تمہیں ورکنگ ویزا پر وہاں خود بھیجے گی۔ رہنے کا انتظام اور دیگر ضروریات سے آگاہ کر دیا جائے گا۔'' وہ سر جعفر کو حیرت سے سن رہی تھی۔ اس نے تو امید چھوڑ دی تھی کیونکہ کئی خیالات نے اسے خوف کے احاطے میں جو بند کر دیا تھا۔ پر سر جعفر سے بذات خود سب سن کر اس نے تشکر بھری آنکھوں سے انہیں دیکھا تھا۔

''تھینک یو سر۔'' وہ بہت کچھ کہنا چاہتی تھی پر کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جذبات کی وضاحت لفظوں سے بھی نہیں ہو پاتی۔

''نو پرابلم سارہ۔''

وہ آفس سے نکل رہی تھی جب اس کا سامنا دانیال سے ہوا تھا۔ آج سارہ کا سلیکشن شکاگو کی فرم میں ہو گیا تھا۔ وہ جہاں خوش تھی وہیں آنے والے دنوں کو لے کر گھبرائی ہوئی بھی تھی۔ پر اس کے پاس اب کوئی چارہ نہیں تھا۔ اس نے دیکھ لیا تھا کہ معاشرہ ایک مشرقی لڑکی کو سکون سے جینے نہیں دے گا۔ اور کسی رشتے میں بندھ جانا اب اس کے اختیار سے باہر تھا۔ دانیال کو اپنے سامنے دیکھ کر وہ پل بھر کو چونکی ضرور تھی۔ آج دانیال کا چہرا بھی سنجیدگی میں ڈوبا ہوا تھا۔

''کیسی ہیں آپ سارہ؟'' دانیال نے بات میں پہل کی۔

''جی ٹھیک ہوں اور آپ؟'' سارہ نے پوچھا۔

''وہ مت پوچھیں۔'' اس نے ضبط سے مسکرا کر کہا تھا اور سارہ نے نظریں چرالی تھیں۔

''خیر معلوم ہوا مجھے آج کہ آپ شکاگو کی فرم میں سلیکٹ ہو گئی ہیں۔ لگتا ہے آپ کی منزل کہیں اور ہی ہے۔ جو یہاں نہیں۔ مجھے پوچھنا تھا کہ میرا پروپوزل اس قدر بھیانک تھا کہ آپ کو ملک چھوڑنے پر مجبور کر گیا؟'' دانیال نے زیرِ لب مسکرا کر کچھ پشیمان ہو کر کہا تھا۔ اب جب کوئی بات ہی نہیں بچی تھی تو بلاوجہ تناؤ درمیان میں کیوں لایا جاتا۔

''ایسی بات نہیں ہے دانیال صاحب۔ آپ کی تربیت سر جعفر کے زیرِ سایہ ہوئی ہے اور آپ کے انداز و اطوار مہذبانہ ہیں۔ میرا دور جانے کا مقصد آپ سے ہرگز نہیں ہے۔'' وہ کہہ کر پل بھر کو رک گئی تھی۔

''آپ سے دور نہیں میں خود سے دور جانا چاہتی ہوں۔ میں کسی سے نہیں خود سے بھاگ

رہی ہوں۔'' وہ سوچ کی گہرائی میں ڈوبنے لگی تھی۔

''کہاں کھو گئیں؟'' دانیال نے چٹکی بجا کر اسے اپنی جانب متوجہ کیا۔

''نہیں کچھ نہیں۔'' سارہ نے کہا اور دانیال کو دیکھتی ہوئی اپنی تخیل میں اس کے پاس سے گزرنے لگی۔

''کیا آپ کسی سے محبت کرتی ہیں؟'' اس کے عقب میں آتا دانیال کے لبوں سے نکلا یہ سوال سارہ کے قدم جامد کر گیا۔ وہ پلٹی نہیں تھی بلکہ ساکت رہ گئی تھی۔

''اس دن آپ نے جس کیفیت سے تمام بات کی تھی اس سے تو یہی اشارہ جا رہا تھا۔ تو کیا آپ نے دل میں کسی کو بسایا ہے جو ملا نہیں؟'' اور دانیال کی بات نے اسے اندر تک جھنکا دیا تھا۔ وہ بغیر جواب دیئے وہاں سے تو چلی گئی پر گھر پہنچتے پہنچتے اس کی حالت ناساز تھی۔ کمرے میں جوں ہی داخل ہوئی اس نے پرس ایک طرف پھینکا اور ادھر ادھر بے چین سی ٹہلنے لگی تھی۔

''کیوں نہیں کہا میں نے کہ محبت نہیں ہے۔ کیوں نہیں کچھ کہا میں نے۔'' وہ خود پر شدید مشتعل ہو رہی تھی۔ اس نے غصے میں آ کر اپنے سر کے بال نوچ ڈالے۔ بے کلی اس کے اندر تک سرایت کر رہی تھی۔ وہ اپنے جسم میں جھرجھری سی محسوس کرنے لگی تھی۔

''میں سب کچھ ختم کر چکی ہوں۔ نہیں رہتا وہ دل میں۔ میں کیوں اس کی خواہش کروں جسے پا کر مجھے کھونے کی طاقت نہیں۔ وہ اپنی زندگی میں مصروف ہے۔ وہ آگے بڑھ گیا ہے۔ اور میں نے تو عزت کی خاطر محبت کا گلا گھونٹ دیا تھا پھر آج یہ سب کیوں میرے دل میں جاگ رہا ہے۔ یا اللہ! یہ کیسی طاقت ہے جو مجھے بار بار اس کے خیال کی طرف کھینچتی ہے۔ میں بھاگ جاؤں گی یہاں سے۔ دور چلی جاؤں گی۔ انجان لوگوں میں گم ہو جاؤں گی۔ یوں ہی زندگی ختم ہو جائے گی۔ نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسری۔'' وہ ہیجانی کیفیت میں آپے سے

باہر ہو رہی تھی۔

”میں سب ختم کر دوں گی۔ ہر یاد مٹا دوں گی۔ اس کا نام و نشان اپنی زندگی سے ہٹا دوں گی۔“ وہ اپنے بس میں کہاں تھی۔ دماغی طور پر مکمل آپے سے باہر تھی۔ اس کی آنکھوں میں وحشت ہی وحشت تھی اور اس کا وجود کسی خوف کی لپیٹ میں لرز رہا تھا۔ وہ چاہ کر بھی زین کو بھلا نہیں سکی تھی۔ وہ جو برسوں پہلے دل میں بسا تھا تو آج تک نکلا ہی کہاں تھا۔ محبت دفن ہو ہی نہیں سکتی۔ یہ محض دھوکا ہوتا ہے جو انسان خود کو دیتا ہے۔ محبت تو وہیں ہوتی ہے جہاں اس نے ٹھکانا بنایا ہوتا ہے۔

☆......☆......☆

جس لڑکی نے کبھی خوابوں میں نہیں سوچا تھا کہ وہ کبھی بیرونِ ملک کا چکر لگائے گی آج وہاں شفٹ ہو گئی تھی۔ شکاگو اپنے آپ میں ایک گنجان آباد شہر ہے۔ خیر ہے تو کراچی بھی گچ پچ پر یہاں انداز و اطوار بہت مختلف تھے۔ اسے جیسا ماحول چاہیے تھا ویسا ہی ملا۔ یہاں آدم زاد اپنے حد تک محدود تھی اور کوئی کسی کے معاملے میں مداخلت تک نہیں کرتا تھا۔ صبح سے لے کر شام تک مصروفِ زندگی نے سب کو اپنے کام سے کام رکھنے پر مجبور رکھا ہوا تھا۔ پھر انجان لوگ اور سوچوں میں فرق نے اس کی زندگی کو متاثر ہونے سے بچا لیا تھا۔ تیز رفتار بھری زندگی میں ذمہ داریاں اور ضروریاتِ زندگی پوری کرتے ہوئے وقت کب گزر جاتا پتہ ہی نہیں چلتا۔

اسے بھی سب کچھ سمجھنے میں کل ایک ہفتہ لگا تھا اور جب معمولاتِ زندگی اپنی پٹڑی پر چلنا شروع ہوئی تو اس کی سوچ کے برخلاف وہ ہوا جو اس کا گمان بھی نہیں تھا۔ یہاں آ کر اندرونی کیفیت مزید بے چین رہنے لگی تھی۔ حالانکہ اس کے پیارے تو اس سے دور ہو گئے تھے اور وہ اکثر انہیں یاد کر کے غمگین ہو جایا کرتی تھی پر یہاں آ کر شدت میں اضافہ ہوا تھا۔ ایسا معلوم

ہوتا تھا جیسے وہ کسی گڑھے میں دفن ہوتی جا رہی تھی۔ خود سے بھاگنے والی سارہ قنوطیت کے خول میں بند ہو کر رہ گئی تھی۔

''میں اندر آ سکتا ہوں؟'' وہ غیر مرئی نقطے کو تک رہی تھی جب دروازے پر ہوتی دستک نے اس کی نگاہوں کا ارتکاز توڑا۔ اس گھر میں مقیم ایک ادھیڑ عمر خاتون تھیں جن کا نام گریس تھا اور ان کا بھانجا ایلکس۔ اس وقت وہ ہی دروازے پر موجود تھا۔ سارہ نے سر کو جنبش دیتے ہوئے اسے اندر آنے کا کہا تھا۔ وہ مسکراتا ہوا اس کے پاس آیا اور ہاتھ ملانے کے لیے آگے بڑھا دیا۔

''ہیلو میرا نام ایلکس ہے۔ پر تم مجھے ایل یا ایکس بلا سکتی ہو۔'' سارہ نے اس کا بڑھا ہوا ہاتھ تھام کر ہلایا۔ وہ ایک ہفتے سے یہاں موجود تھی پر اس کا صحیح سے ان دونوں نفوس سے کوئی تعلق قائم نہیں ہوا تھا۔ آج ایلکس نے موقع دیکھ کر کمرے کی طرف رخ کر لیا تھا۔

''اتنے مختصر نام کا بھی نِک نیم رکھا ہے؟'' سارہ نے کہا۔

''تو کیا نک نیم صرف بڑے ناموں کا ہو سکتا ہے؟ کول لگتا ہے۔'' اس نے مسکرا کر سارہ سے کہا اور بستر کے پاس رکھی ہوئی میز کے ساتھ کرسی کھینچ کر اس کے پاس بیٹھ گیا۔

''اور تم سارہ ہو نا؟'' ایلکس نے پوچھا جس پر سارہ نے سر کو خم کر دیا۔

''تم پہلی ہو جسے دیکھ کر میں حیران ہوا۔'' ایلکس کی بات پر سارہ نے اچھنبے سے اسے دیکھا۔

''کیا مطلب؟''

''یہ ہی یہاں جو باہر سے آتا ہے۔ شہر کی رنگینیوں کو انجوائے کرتا ہے پر تم جب سے آئی ہو کمرے اور اپنی جاب تک مقید ہو۔''

ایلکس نے کہا اور سارہ کو اس کے مشاہدے پر خوب حیرت ہوئی تھی۔

''شاید میرا آنا اچانک ہوا۔ اس لیے اتنا سوچا نہیں تھا میں نے کیا کروں گی۔ میرا فوکس فی

الحال سیٹل ہونا تھا۔" سارہ نے کہا تو ایلکس نے خوب سوچتے ہوئے انداز لیے سر کو جنبش دی تھی۔

"پر تم خاموش بھی بہت رہتی ہو۔ اگر تمہیں اپنے مما بابا یاد آ رہے ہیں تو انہیں فون کر لو نا! اتنی بھی کیا اداسی؟" اب وہ اس کے چہرے کا خوب جائزہ لے رہا تھا اور سارہ اس کی آنکھوں کو ادھر ادھر ہلتے دیکھ کر اندر ہی اندر لطف اندوز ہوئی تھی۔

"کر لیتی اگر رابطہ یہاں سے دوسری دنیا کا ہو جاتا تو۔" اس نے بھی ابرو اچکا کر اسے کہا۔

"اوہ تمہارے بھی مما بابا نہیں ہیں۔ میرے بھی نہیں ہیں۔ میں بہت چھوٹا تھا جب ان کی ڈیتھ ہو گئی تھی۔" اس نے تبسم بکھیرے کہا۔

"ہاں میں جانتی ہوں۔"

"پھر تو یاد ستائے گی۔ اس کا تو کوئی حل نہیں سوائے ایک کے۔" ایلکس کہہ کر اٹھا اور اس کے پاس آیا۔

"اچھا وہ کیا؟" سارہ نے پوچھا۔

"تمہیں ایک اچھے دوست کی ضرورت ہے اور میری سروسز کمال کی ہیں۔ میں پیٹ کا بہت ہلکا ہوں۔" آخری کے الفاظ اس نے سرگوشی میں کہے تھے جنہیں سن کر سارہ نے پھر ابرو اچکا کر اسے آفرین کہا تھا۔

"ویسے بھی آنٹ گریس کہتی ہیں میں خوشیاں بکھیرتا ہوں تو میری دوستی سے تمہیں بہت فائدہ ہوگا تم دیکھو کیسی اداس اداس ہو۔ لگتا ہے کسی سپنج نے ساری خوشی چوس لی ہو۔" وہ ایلکس کی بات پر ہنسی تھی۔

"دیکھا! مسکرائی تم۔ دیکھ لیا ایلکس کا کمال۔ ابھی تو صرف شروعات ہے۔ اور ہاں تم مجھ سے اپنے سیکرٹ شیئر کر سکتی ہو میں کسی کو کچھ نہیں بتاتا۔ میرا دوست مائیکل ہے نا، اسے میں نے ایک

راز بتا دیا تو اس نے سارے محلے کے بچوں کو بتا دیا۔ اب بتاؤ بھلا پھر سیکرٹ کہاں سے ہوا؟ میں ایسا بالکل نہیں تم اپنے پرابلم مجھ سے شیئر کر سکتی ہو۔" وہ اس بچے کی باتیں پورے انہماک سے سن رہی تھی۔ بلاشبہ ان چند لمحوں میں اس نے قنوطیت کو اپنے اندر سے جاتا محسوس کیا تھا۔

"پر میرے ایسے کوئی راز ہی نہیں۔" سارہ نے کہا۔

"ہم۔ چلو ٹھیک ہے تم نہ بتاؤ۔ پر جب تمہیں لگے تب بتانا۔ تم ٹرسٹ کر سکتی ہو مجھ پر اور اس کے بدلے میں تمہیں اپنے راز بتاؤں گا۔ کیونکہ تمہاری شکل بتا رہی ہے تم بھی پیٹ کی پکی ہو۔" وہ سوچ کر ایک دم چٹکی بجا کر بولا تھا۔ سارہ نے اسے بغور دیکھا تھا۔ وہ بچہ بے حد پیارا تھا۔ بھورے رنگ کے گھنے بال تھے۔ گوری چٹی جلد تھی جس میں گلابی رنگ مخلوط ہو رہا تھا۔ ناک کے اردگرد فریکلز تھے جو اس کی معصومیت میں چار چاند لگا رہے تھے۔

"اچھا؟" سارہ نے کہا۔ وہ اسے اور سننا چاہتی تھی۔

"بالکل جیسے ابھی ابھی میرے پاس بہت تازہ تازہ سیکرٹ ہے۔ وہ میری کلاس میں ایک لڑکی ہے جینی۔" اس نے راز داری سے بتایا اور لڑکی کا نام خاصا سنجیدگی سے لیا۔ "اسے ناں مجھ پر کرش ہے۔"

"تم کتنے سال کے ہو ایلکس۔" سارہ نے پوچھا۔

"آٹھ سال کا۔"

"یقیناً وہ بھی اتنی ہی ہو گی۔ اور آٹھ سال کی عمر میں اسے تم پر کرش ہے؟" سارہ نے فرضی تعجب لیے کہا۔

"اور نہیں تو کیا۔ محبت میں عمر کی قید نہیں ہوتی۔" اس نے جیسے ہی کہا سارہ کھلکھلا کر ہنسنے لگی تھی اور بدلے میں اس کی ناک نرمی سے دبا دی تھی۔

''تم اپنی عمر سے بہت بڑی باتیں کرتے ہو۔'' سارہ نے کہا۔

''اچھا؟ پر میں تو ایسی ہی باتیں کرتا ہوں خیر میری پرابلم تو سنو۔'' ایلکس نے کہا تو وہ واپس خاموش ہوگئی اور اس کی طرف آگے بولنے کا اشارہ کرنے لگی۔ ''مجھے مسئلہ یہ ہے اگر اس نے مجھے کہہ دیا کہ وہ مجھے پسند کرتی ہے تو میں کیا کروں گا؟'' ایلکس نے پھر رازداری سے سارہ سے کہا تھا۔

''کیوں تم بھی اسے پسند کرتے ہو؟'' سارہ نے پوچھا۔

''معلوم نہیں۔ پر آنٹ گریس کو میں نہیں بتا سکتا وہ تو زور کا تھپڑ ہی ماردیں گی اور کہیں گی پڑھائی پر دھیان دو ایلکس۔'' اس نے گریس کی ایکٹنگ کرتے ہوئے کہا اور سارہ مسکرا کر اسے دیکھنے لگی۔

''وہ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں۔''

''تو میں پڑھائی میں بہت اچھا ہوں۔ تمہیں معلوم ہے میرے ابھی سائنس کے ٹیسٹ میں فل مارکس آئے تھے۔'' ایلکس نے فخر سے کہا۔

''براوُ ایلکس یہ تو اچھی بات ہے خیر تم اپنا مسئلہ بتاؤ۔'' سارہ نے کہا۔

''بتایا تو اگر وہ کہے گی تو میں کیا کہوں؟'' ایلکس نے کہا تو سارہ سوچنے لگی۔

''تم اس سے یہ کہنا کہ فی الحال انتظار کرے۔'' سارہ کے جواب پر ایلکس نے چہرے کے زاویے بگاڑ کر اسے دیکھا تھا۔

''پر وہ کیوں؟''

''کیونکہ تم دونوں کو اس وقت انتظار کی ضرورت ہے۔'' سارہ نے اس کے بنے بنائے بال خراب کر دیئے پر وہ اس پر فرحت سے سارہ کو دیکھنے لگا تھا۔

''جب آنٹ ریچل یہ کرتی ہیں تو مجھے بہت برا لگتا ہے۔ پر تمہارا کرنا مجھے بے حد اچھا

لگا۔‘‘ ایلکس نے کہا اور سارہ نے پھر اس کا ہیئر اسٹائل خراب کر دیا۔ ’’اب تو تم ریلیکس ہو نا؟‘‘ ایلکس نے پوچھا جس پر اس نے شکن آلود پیشانی سے اسے دیکھا تھا۔

’’تم پریشان لگ رہی تھیں۔‘‘

’’پریشان نہیں ہوں بس زندگی مشکل لگتی ہے اس لیے اسی کے بارے میں سوچ رہی تھی۔‘‘ وہ کیسے اس کے سامنے کھلنے لگی تھی اسے خود معلوم نہیں تھا۔

’’اوہ! یہ مسئلہ ہے۔ ویسے ایک بات کہوں؟‘‘

’’ہمم؟‘‘

’’مشکل کچھ بھی نہیں سب دماغ کا کھیل ہے۔ اگر تم کہو گی آسان ہے تو سب آسان ہے ٹرائے کرنا۔‘‘

’’تم سب خود سوچ کر کہتے ہو یا کچھ کچھ آنٹ گریس کا بھی کمال ہے؟‘‘ سارہ نے پوچھا۔

’’میں پورا کریڈٹ نہیں لوں گا۔ ظاہر ہے بہت سی باتیں وہ مجھے سکھاتی ہیں۔‘‘ وہ سوچتی نظروں سے ایلکس کو دیکھ رہی تھی۔

’’کیا دیکھ رہی ہو؟‘‘ ایلکس نے چٹکی بجا کر اسے خیالوں سے واپس بلایا۔

’’کچھ نہیں۔ تم ایک دوست کی یاد دلاتے ہو۔ وہ بھی تمہاری طرح ہی تھا۔ زندگی کی رنگینیوں میں خوش، چاق و چوبند اور مثبت سوچ رکھنے والا تھا۔ خیر میرے دوست بنو گے؟‘‘ سارہ نے پوچھا۔

’’تو کیا ہم اب تک دوست نہیں بنیں؟‘‘

(آخری قسط)

وہ کروٹیں بدل رہا تھا پر نیند کا آج کہیں سے بھی اتا پتا نہ تھا۔ سینٹرل اے سی تو چل رہا تھا پر اسے گھبراہٹ سی محسوس ہو رہی تھی۔ اور جب ایسی طبیعت ہو جاتی تو وہ بستر سے اتر کر بالکنی کا رخ کرتا تھا۔ آج بھی ایسے ہی کیا۔ اپنے کمرے سے نکل کر وہ لکڑی نما راہ داری پر قدم جب رکھ رہا تھا تو چرچر کرتی آواز خاموشی میں ارتعاش پیدا کر رہی تھی۔ آنٹ گریس خوب گہری نیند سونے کی عادی تھیں اسی لیے انہیں معلوم نہیں ہوتا تھا کہ ایلکس اکثر راتوں کو اٹھ کر گھر میں گھومتا رہتا تھا۔ اس نے جوں ہی بالکنی کا رخ کیا تو عقب کے کمرے سے چیخنے کی آواز نے اس کے پیر جامد کیے تھے۔ وہ فوراً پلٹا اور گھبرا گیا۔ یہ کمرا سارہ کا تھا۔ انجان اندیشوں نے اسے یکایک اپنی لپیٹ میں لیا تھا۔ اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ اور فوراً دروازے کا ناب گھمایا جو اس کی توقع کے خلاف کھلتا چلا گیا۔ وہ اندھیرے میں وحشت زدہ سی بستر پر بیٹھی ہوئی تھی۔ ایلکس فوراً اس کی جانب لپکا تھا۔ سارہ کا تنفس بہت تیز تھا۔ آنکھیں خوف سے پھٹی پھٹی تھیں۔ وہ ٹکٹکی باندھے ایک ہی سمت میں دیکھ رہی تھی۔

"نہیں......مت جائیں...... مت جائیں۔" وہ ہاتھ بڑھا کر ہوا میں ہلا رہی تھی اور ایلکس اسے دیکھ کر دنگ سا رہ گیا تھا۔

"سارہ تم ٹھیک ہو؟" ایلکس نے قدرے نرمی سے اسے کہا تھا۔ پر وہ سن کہاں رہی تھی۔

"مت کریں ایسا میرے ساتھ......مت جائیں...... پلیز مت جائیں۔" وہ اردو میں

کہتی ہوئی بلک بلک کر رو رہی تھی۔ ایلکس کو یہ تو سمجھ نہیں آیا تھا کہ وہ کیا کہہ رہی تھی پر اسے معلوم تھا کہ وہ کسی چیز کو پکڑنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس کی بکھرتی کیفیت پھر وحشت سے ہاتھ کو ہوا میں ہلا کر کسی کو پکڑنا۔ ایلکس پل بھر کے لیے متذبذب ہوا تھا کہ کیا کرے۔

''سارہ کیا ہوا ہے؟'' اس نے اب کی بار اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھا تھا۔ سارہ نے وحشت سے اس کی جانب دیکھا۔

''چھوڑ گئے مجھے۔ چھوڑ گئے مجھے۔ میں نے کیا بگاڑا تھا۔ مت جائیں۔'' وہ پھر چیخ رہی تھی اور ایلکس نے بے اختیاری میں اس کا چہرا اپنے ہاتھوں کے پیالے میں لے لیا۔

''کچھ نہیں ہوا۔ سارہ ریلیکس ہو جاؤ کچھ نہیں ہوا۔ برا خواب تھا بس۔'' وہ بے تحاشا رسانیت اور محبت لیے معصوم آنکھوں سے سارہ کو پچکار رہا تھا۔

''کچھ نہیں ہوا۔ تم ریلیکس ہو جاؤ۔'' وہ دھیرے دھیرے ظاہر سے واقف ہو رہی تھی۔ ایلکس کی چمکتی آنکھوں میں اسے نرمی دکھائی دی تھی پھر اس کے ننھے ہاتھوں نے سارہ کو راحت بخشنا شروع کی تھی۔ ایلکس رسان سے اس کے بال سہلا رہا تھا اسے ریلیکس رہنے کی نصیحت کر رہا تھا۔ وہ بالکل چپ ہو گئی تھی اور سانس بھی ترتیب سے لینے لگی تھی پر وہ سوچ رہی تھی کہ کیسے ایلکس نے اسے پل بھر میں کنٹرول کر لیا تھا۔ سارہ کے آنسو نکلنا بند ہو گئے تھے اور وہ خود کو ایلکس کے سامنے بے ڈھب سا محسوس کر رہی تھی۔ اس کے دماغ میں کئی خیالات گردش کرنے لگے تھے کہ وہ ننھا بچہ کیا کیا سوچ رہا ہو گا اس کے بارے میں۔

''رکو میں تمہیں پانی دیتا ہوں۔'' وہ فوراً سائڈ میز کے پاس رکھے ہوئے گلاس میں بوتل سے پانی بھر کر لے آیا۔

''یہ لو پیو پانی۔'' سارہ نے خاموشی سے گلاس تھاما اور دو تین گھونٹ پی کر گلاس واپس سائیڈ

میز پر رکھ دیا۔ اگرچہ وہ ظاہر سے واقف ہوگئی تھی پر خواب کے اثر میں اب تک الجھی ہوئی تھی۔ ایلکس وہیں کھڑا اسے دیکھتا رہا تھا۔

''تم جاؤ ایلکس۔ میں ٹھیک ہوں۔'' اس نے سپاٹ لہجے میں ایلکس کو جانے کا کہا پر وہ نہیں ہلا۔ سارہ نے چہرے کا رخ دوسری طرف کیا ہوا تھا۔ جب اسے لگا کہ ایلکس ہنوز وہیں موجود ہے تو اس نے گردن اس کی جانب گھما کر دبے دبے غصے سے اسے دیکھا۔

''میں نے کہا نا جاؤ، کیوں نہیں جا رہے؟''

''ڈرا دیتی ہو تم۔'' سارہ نے اچنبھے سے ایلکس کو دیکھا تھا۔ ان نظروں میں اپنے لیے فکر وہ پہلے بھی کسی اور کی آنکھوں میں دیکھ چکی تھی پھر یہ جملہ؟ آخر اتنی مشابہت کیسے ہو سکتی تھی۔

''سارہ...... سارہ...... سارہ۔'' وہ سٹیو کی تیسری آواز پر اپنے سابقہ منظر سے لوٹ آئی تھی۔ آس پاس دیکھا تو وہ اپنے آفس میں بیٹھی تھی۔ لنچ کا وقت تقریباً ختم ہو گیا تھا۔ لیپ ٹاپ کی اسکرین بند ہوگئی تھی۔ آٹھ سال کا سفر مانو کل کی ہی بات لگتی تھی۔

''ہ...... ہاں بولو سٹیو؟'' سارہ نے کہا۔ ابھی بھی دماغ پوری طرح حاضر نہ تھا۔

''یار! وہ تم سے کچھ اینٹریس کے حوالے سے پوچھنا تھا۔ یہ دیکھو اس کا ڈیٹا تمہارے پاس ہے نا، وہ کھولو کچھ چیک کرنا ہے۔'' سٹیو ایک کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا تھا اور سارہ کو کچھ وقت لگا تھا کام پر فوکس کرنے میں۔ آٹھ سال کی مسافت تھی۔ اثر آہستہ آہستہ زائل ہونا تھا۔ اس نے الجھے ہوئے دماغ سے لیپ ٹاپ پر فائل کھولی اور اینٹریس دیکھنے لگی۔

''ہمم۔ ویسے تو سب صحیح ہے لیکن یہ اینٹری صحیح نہیں لگ رہی، اس کے متعلق ڈیٹا دیکھو۔'' سارہ نے سکرین پر اشارہ کرتے ہوئے سٹیو سے کہا۔

''ٹھیک ہے میں یہ چیک کر لیتا ہوں۔ تھنکس سارہ۔'' سٹیو وہاں سے اٹھ کر اپنی سیٹ پر

چلا گیا اور سارہ خود کو نارمل کرتی ہوئی کاموں میں مصروف ہو گئی۔

☆......☆......☆

''یار صوفیہ! وہ ایسا ہی ہے۔ تم بے فکر رہو میں تمہاری ایک بار پھر ملاقات کروا دوں گی زین سے۔'' ثانیہ اور صوفیہ باتیں کرتی ہوئی اپنے اپنے کیوبکل میں آ کر بیٹھی تھیں جو سارہ کے کیوبکل سے بے حد قریب تھا۔ ویسے تو سارہ کبھی ان کی بے جا باتوں پر دھیان نہیں دیتی تھی پر زین کا نام سنتے ہی بے اختیاری میں اس کے کان کھڑے ہو گئے تھے البتہ نظریں وہ اسکرین پر ہی ٹکائے ہوئے تھی۔

''رابطے کا اور کوئی طریقہ سمجھ نہیں آیا تو تمہاری فرینڈ لسٹ سے میں اس کے اکاؤنٹ پر گئی تھی۔ ایڈ کرنے کی ریکویسٹ بھیجی حتیٰ کہ پرسنل میسج بھی کر دیا تھا تاکہ وہ تمہارے توسط سے مجھے پہچان جائے پر نو رسپانس۔'' صوفیہ نے مایوسی سے کہا۔ وہ بھی امریکن مسلم تھی اور ثانیہ کی شادی پر زین سے مل کر اس کی ٹھیک ٹھاک اسیر ہوئی تھی۔

''اوہ صوفیہ، تمہارے لئے یہ عام سی بات نہیں ہو گی پر اس کے لئے ہے۔ وہ اتنا انٹریکٹ نہیں کرتا ہر لڑکی سے۔ اب اس ہیلن کو ہی دیکھ لو۔ کیوں ہیلن تمہارا پھر کوئی رابطہ ہوا تھا زین سے؟'' ان کے برعکس کیوبکل میں بیٹھی ہیلن ریوالونگ چیئر گھما کر ثانیہ کو دیکھنے لگی اور سنتے کے ساتھ ہی بسورتی شکل سے اس نے سر نفی میں ہلا دیا۔

''نو چانس! سب تمہارا قصور ہے ویسے جب معلوم تھا کہ موصوف انتہائی ریزرو نیچر کے ہیں تو کیوں ملوایا؟'' اس نے ثانیہ سے گلہ کیا اور سارہ جو اُن سب کی باتوں کو بغور سن رہی تھی اس کا دھیان کام پر سے مکمل ہٹ گیا تھا۔

''لڑکیوں نے اسے یہاں بھی نہیں چھوڑا۔'' اس کے تن من میں آگ سلگنے لگی تھی۔ زین

موضوع زیرِ بحث تھا جو برداشت سے باہر ہو رہا تھا۔
"بھئی وہ کچھ کم آمیز طبیعت کا حامل ہے۔ اسی لیے دور رہتا ہے۔ یونیورسٹی میں بھی ایسا ہی تھا۔ اور اس کی یہی پرسنالٹی نے کئی لڑکیوں کو اپنا اسیر بنا دیا تھا۔ ارے سارہ نے بھی تو زین کے ساتھ پڑھا ہے بلکہ مجھ سے پہلے تو اس کا سامنا ہوا تھا زین سے۔ کیوں سارہ؟" ثانیہ اس بار سارہ سے مخاطب ہوئی۔

"کیا ہوا؟" سارہ نے چڑے ہوئے انداز میں اسے جواب دیا۔

"زین اور تم ساتھ تھے نا یونیورسٹی میں تو اس وقت بھی کیا آگے پیچھے اس کے لڑکیاں گھومتی تھیں؟" ثانیہ نے پوچھا۔

"مجھے کیسے معلوم ہو گا ثانیہ، میری زین سے صرف سلام دعا تھی۔" وہ ٹھیک ٹھاک زچ ہو رہی تھی۔

"اچھا؟ پر زین کے مطابق، تم دونوں بہت اچھے دوست رہے ہو۔" ثانیہ نے کہا۔

"ثانیہ! ہم دونوں صرف ایک سبجیکٹ میں ساتھ تھے، حد سے حد اگر بات ہوتی بھی تھی تو پڑھائی کے سلسلے میں۔" سارہ نے چڑے ہوئے لہجے میں کہا۔

"ہمم۔ خیر میں بتاؤں مجھے لگتا ہے تب بھی اس کے پیچھے ہوتی ہوں گی لڑکیاں۔" ثانیہ نے کہا اور سارہ کی بس ہو گئی۔

"ثانیہ! تم یہ سب مجھے کیوں بتا رہی ہو۔" ثانیہ کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی سارہ بول پڑی۔

"میں تو ایسے ہی کہہ رہی ہوں۔ یہ صوفیہ ہے نا، اسے جب سے زین سے ملوایا ہے، مجھے آج بتا رہی ہے کہ وہ اس سے پھر سے ملنا چاہتی ہے۔" ثانیہ نے کہا اور سارہ کی تپش لیتی نگاہ

صوفیہ کی جانب ہوئی۔ جو بلش کر رہی تھی۔ وہ ان دونوں سے تین چار سال چھوٹی تھی اور کچھ وقت ہی ہوا تھا اسے آفس جوائن کیے ہوئے۔ سارہ عجیب سی کیفیت سے دوچار ہونے لگی تھی۔ مزاج میں چڑچڑاپن اور غصہ بڑھنا شروع ہوگیا تھا۔ وہ زین سے فاصلہ رکھنا چاہتی تھی پر یہ سب باتیں بھی برداشت نہیں کر پا رہی تھی۔ ذاتی جنگ میں پھنس کر جو رہ گئی تھی۔ دل و دماغ دو حصوں میں بٹ گیا تھا۔

''تھوڑا وقت لگے گا، میں تمہیں اس سے ملوا دوں گی لیکن اس بات کی گیرنٹی نہیں دے سکتی کہ وہ تم سے رابطہ رکھے۔ بلکہ میں اس سے پوچھ کر تمہیں اس کا نمبر دے دوں گی۔'' ثانیہ نے کہا اور سارہ مشتعل سی کرسی سے اٹھی تھی بھنویں تنی ہوئیں، چہرے پر شدید تناؤ پھر دل الگ رقابت کی آگ میں جلنے لگا تھا۔ یہ سب بے اختیاری میں تھا۔ وہ لاشعوری طور پر یہ سب کر رہی تھی۔ لیپ ٹاپ کی اسکرین کو زور سے بند کر دیا۔ پین کو اٹھا کر پین ہولڈر میں پھینکا پھر فائلیں الٹ پلٹ کرتی ہوئی منتخب فائل نکالی اور باقی فائلوں کو ایک طرف پٹخ دیا۔ ثانیہ سمیت صوفیہ اور ہیلن اس کی حرکتوں کو نوٹس کرتے ہوئے استعجابیہ نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔

''تمہیں کیا ہوا؟'' ثانیہ نے حیرانی سے سارہ کی طرف دیکھا جو منہ پھلائے کھڑی تھی۔

''کچھ نہیں تم لوگوں کی باتیں میری سمجھ سے باہر ہیں۔'' سارہ فائل لے کر سر مارٹن کے کمرے کی طرف چلی گئی۔

''اسے کیا ہوا؟'' صوفیہ نے بھی حیرت سے پوچھا۔

''مجھے خود نہیں معلوم۔ آج تو میٹنگ اچھی ہوئی تھی۔ پھر کس بات کی ٹینشن لے رہی ہے؟'' ثانیہ نے شانے اچکا کر کہا تھا۔

☆......☆......☆

آف ٹائم ہو گیا تھا اور سارہ لفٹ کے آنے کا انتظار کرنے لگی تھی جب سٹیو بھی اس کے ساتھ کھڑا ہو گیا تھا۔

''گھر جا رہی ہو؟'' سٹیو نے پوچھا۔

''ہمم۔ گھر جانے کا وقت ہے۔'' سارہ نے کہا اور جیسے ہی لفٹ کا دروازہ کھلا وہ اور سٹیو اندر داخل ہو گئے اور سٹیو نے گراؤنڈ فلور کا بٹن دبا دیا۔ اس وقت بھی اس کے چہرے کے تاثر ناگوار تھے۔

''اچھا سارہ! وہ مارٹن نے جس نئے پراجیکٹ کی بات کی تھی اس کے حوالے سے کب ڈسکس کرنا ہے؟'' سٹیو نے پوچھا۔

''آج ہی تو بات کی ہے، کل سے شروع کرتے ہیں۔'' سارہ نے سپاٹ انداز سے کہا۔

''ہمم۔ وہ میں سوچ رہا تھا اگر تم کہو تو ہم دونوں کہیں جا کر بھی بات کر سکتے ہیں، جیسے کہیں باہر۔'' سارہ نے سنجیدگی سے اس کی طرف دیکھا۔ اس کے مفہوم کو وہ اخذ کر گئی تھی۔ سٹیو رنگین مزاج کا حامل تھا۔

''میرا خیال ہے کہ آفس کا کام آفس میں ہی بہتر طریقے سے ڈسکس ہو سکتا ہے۔'' سارہ نے بغیر کسی تاثر کے کہا۔ لفٹ کچھ سیکنڈ میں گراؤنڈ فلور پر آ گئی اور وہ دونوں ساتھ لفٹ سے نکلے تھے۔ سارہ کی طرف سے سرد جواب سن کر سٹیو کی بولتی بند ہوئی تھی۔

''چلو کل ملتے ہیں بائے۔'' سارہ نے کہا اور لفٹ سے نکلتی ہوئی پارکنگ لاٹ کی طرف بڑھنے لگی تھی۔ سٹیو نے مسکرا کر اسے جاتا دیکھا تھا۔ باقیوں کی طرح وہ بھی سارہ کے مزاج سے واقف تھا۔ پھر بھی ڈھیٹ بن کر پوچھ لیا کرتا تھا۔ وہ آفس کے مرکزی دروازے سے نکلی تھی اور اپنی گاڑی کی طرف جا رہی تھی۔ ثانیہ کی باتیں ہنوز دماغ میں گردش کر رہی تھیں۔ پھر

صوفیہ کا اتار ہوتا چہرا اور ہیلن کا زین کو اپروچ کرنا سب کچھ سن کر اس کا خون کھول رہا تھا پر کیوں؟ وہ تو آگے بڑھنے کا فیصلہ کر چکی تھی۔ پھر بار بار یہ باتیں اذیت کیوں دے رہی تھیں۔ اپنی حالت پر غور کرتی ہوئی اس نے جوں ہی اپنی گاڑی کی سمت دیکھا تو آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ زین سارہ کی گاڑی سے ٹیک لگائے کھڑا اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ پل بھر تو سارہ کو اپنا وہم لگا تھا پر جب اسے یقین ہو گیا تو مزاج مزید کڑوا ہوا۔ اس نے اطراف میں طائرانہ نظر دوڑائی تھی یہ دیکھنے کے لیے کہ اس کے آفس کی کوئی کولیگ تو موجود نہیں تھی۔ جب خوب تسلی ہو گئی تو وہ جارحانہ انداز میں آگے بڑھی اور اس کے مقابل کھڑی ہوئی۔

''تم یہاں کیا کر رہے ہو؟'' سارہ نے ترش روئی سے پوچھا۔ اس کے چہرے پر سنجیدگی کے تاثر تھے پر اس سے کہیں زیادہ زین چہرے پر متانت لیے کھڑا تھا۔

''تمہاری گاڑی کے ساتھ کھڑا ہوں، ظاہر ہے کہ تم سے ہی ملنے آیا ہوں۔'' زین نے کہا۔ سارہ نے بمشکل غصے پر ضبط کیا اور گاڑی کا دروازے کھول کر لیپ ٹاپ کیس رکھ کر زور سے بند کر دیا۔

''تمہیں یہاں نہیں آنا چاہئے تھا زین۔'' سارہ نے کہا۔

''کیا میں اس بات کی وجہ جان سکتا ہوں؟'' زین نے پوچھا۔

''ہاں! میرا یہاں کوئی رتبہ، کوئی معیار ہے جو میں نے اپنے بل بوتے پر بنایا ہے۔ میں نہیں چاہتی کہ میری کوئی بھی کولیگ مجھے تمہارے ساتھ دیکھے اور باتیں بنائے۔'' سارہ نے تنک کر کہا اور زین یہ سنتے ہی تنی ہوئی ابرو سے اسے دیکھنے لگا۔

''میرے یہاں آنے سے تمہارے کولیگز کیوں باتیں بنائیں گے؟'' اس نے پھر بھی تحمل کا مظاہرہ کر کے کہا تھا پر مقابل کھڑی سارہ جو دل و دماغ کی جنگ میں زخمی ہو رہی تھی ایک دم

پھٹ پڑی۔

”کیونکہ تم میرا پیچھا چھوڑتے ہی نہیں ہو، جہاں میں جاتی ہوں وہاں تمہارے ہی گن گائے جاتے ہیں۔ آج بھی تمہارے حوالے سے ہی باتیں کر رہے تھے سب اور اگر ان میں سے کسی نے بھی مجھے تمہارے ساتھ دیکھ لیا تو کیا سوچیں گے۔“ سارہ نے کہا۔ ظاہر سی بات تھی، وہ جو اتنے ایٹیٹیوڈ سے کہہ بیٹھی تھی کہ زین سے صرف سلام دعا تھی، وہیں پکڑی جاتی پھر صوفیہ کا بلش کرتا ہوا چہرا بھی کافی تھا اسے اندر ہی اندر رنگ کرنے کے لیے۔

”کون باتیں کر رہا تھا؟“ اس نے حیرت سے استفسار کیا۔

”میرے کولیگز۔ صوفیہ، ہیلن اور معلوم نہیں کتنی تمہارے پیچھے پڑی ہوئی ہیں۔“ وہ طیش سے ہاتھ باندھ کر رخ پھیر کر کھڑی ہو گئی اور پہلی بار سارہ کو اس طرح دیکھ کر زین تحیر سا زیر لب مسکرایا تھا۔

”اوہ! تو یہ معاملہ ہے۔ ہاں ہیلن کی ریکوئسٹ تو آئی تھی میرے پاس، میں بھی کہوں یہ لڑکیاں کیوں ایڈ کر رہی ہیں مجھے۔“ اس نے بھی خوب محظوظ ہو کر تاثرات کو ضبط کیے سارہ کو مزید زچ کیا جو وہ ہوئی۔ سارہ نے سرد سانس اندر کو کھینچی تھی جیسے یہ بات برداشت کرنا محال تھا۔ وہ ہونٹ دانتوں تلے دبائے اس کے ایک قدم قریب ہوا۔

”مجھے کیوں جلنے کی بو آ رہی ہے؟“ اس نے خلا میں دیکھتے ہوئے سارہ کے کان میں سرگوشی کی جس پر سارہ نے اچنبھے سے اسے دیکھا۔

”جلیں میرے دشمن۔“ اس نے تنک کر کہا اور زین ہنسنے لگا تھا۔ اس نے سارہ کی دکھتی رگ کو چھیڑ دیا تھا اور اب وہ منتشر سی زین کو ہنستا دیکھ رہی تھی اور مزید طیش کا شکار ہو رہی تھی۔

”فار گاڈ سیک سارہ، یہ شکاگو ہے، پاکستان نہیں اور...... تم اب تک وہ ہی پرانی باتیں

سوچتی ہو۔'' ہنسی کو ایک طرف کرتا ہوا اس نے قدرے سنجیدگی سے سارہ سے کہا تھا۔

''تمہارے لئے یہ سب اہم نہیں ہوگا پر میرے لئے ہے۔ اب تک کی زندگی اسی میں گزار دی اور اب مزید میں اس طرح کی کسی بات کو برداشت نہیں کرسکتی۔'' سارہ کو اس کی ہنسی نے خوب مشتعل کیا تھا۔

''سارہ! اگر کوئی میرے حوالے سے بات کرتا ہے تو اس میں ہم دونوں کو کیوں پھنسا رہی ہو، ہمارے رشتے کو داؤ پر کیوں لا رہی ہو؟'' اس نے رسان سے سمجھایا۔

''کون سا رشتہ کیسا رشتہ؟ جب کچھ ہے ہی نہیں تو تم بار بار وہی بات اٹھا کر میرے سامنے کیوں لے آتے ہو زین؟ کیا میں نے تمہیں نہیں کہا تھا کہ آگے بڑھ جاؤ۔ تمہیں تو ہزاروں ریکوئسٹ آتی ہیں نا۔ لاکھوں لڑکیاں تمہاری گرویدا ہیں۔ ان گنت تعلقات ہیں تمہارے۔ کسی کا بھی انتخاب کرتے اور اس کے ساتھ زندگی گزارنے کا فیصلہ کرلیتے بلکہ کر سکتے ہو۔ پلیز مجھے ان سب میں گھسیٹ کر میری انسلٹ مت کرو۔'' سارہ نے کرخت لہجہ لیے کہا تھا۔ ذہنی دباؤ آہستہ آہستہ شدت اختیار کرنے لگا تھا۔ وہ اپنے جذبات کو سمجھ پا رہی تھی اور نہ ہی یہ جان پا رہی تھی کہ وہ کیا کہے جا رہی ہے۔ اس وقت اس کا مقصد صرف یہ تھا کہ کسی نہ کسی طرح سے وہ یہ بے نام رشتہ جو ان دونوں کے درمیان تھا، ختم کردے۔ وہ کہتے ہوئے ڈرائیونگ سیٹ کی طرف بڑھی اور غصے سے گاڑی کا دروازہ کھولا پر زین جو اس کے عقب میں ڈگ بھرتا ہوا آیا تھا طیش سے دروازہ بند کردیا۔

''سارہ! کیا تم اب میرے جذبات کا امتحان لوگی؟ کیا آٹھ سال کافی نہیں؟ اگر مجھے کچھ کرنا ہی ہوتا تو میں ان سالوں میں نہ کر گزرتا۔'' اسے سارہ کے الفاظ ٹھیک ٹھاک غصہ دلا گئے تھے۔ پر وہ سارہ کی حالت سے مکمل طور پر بے خبر تھا۔ وہ اس کے مقابل جو کھڑا ہوا تو سارہ کا

نگاہیں ملانا دشوار ہونے لگا۔ زین کی موجودگی پھر اوپر سے اپنے جذبات کا سارہ کو بار بار احساس دلانا مزید سارہ کی حالت بگاڑنے لگا تھا۔ وہ بے چین ہو رہی تھی۔ یہاں سے بھاگ جانا چاہتی تھی۔ اسے محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کے اندر سے کوئی آوازیں دے رہا ہے، جیسے کوئی باہر آنا چاہ رہا ہے جسے زبردستی بند کر دیا گیا ہو۔ ذہنی دباؤ جیسے جیسے بڑھ رہا تھا ویسے ویسے ہلکا ہلکا سینے میں درد محسوس ہو رہا تھا اور دھیرے دھیرے سانس کم ہونے لگی تھی۔

''تم کتنی آرام سے بار بار مجھے یہ کہہ دیتی ہو، صرف اتنا بتاؤ سارہ، مانا سلمان سے شادی عزت کا سودا تھا پر اس کے بعد سات سال تم نے اکیلے گزارے۔ ظاہر ہے معقول پرپوزل تو آئے ہوں گے پھر کیوں تم نے شادی کا فیصلہ نہیں لیا؟'' وہ دانت پیستا ہوا دھیمے پر غصے سے سارہ سے پوچھ رہا تھا جس کی حالت مزید بگڑتی جا رہی تھی۔

''وہ میری مرضی ہے۔ تمہارا اس سے کوئی لینا دینا نہیں۔ میں نہ ہی تمہارا کوئی امتحان لے رہی ہوں اور نہ ہی تمہیں کبھی روکا ہے۔ اب خدارا میرا پیچھا چھوڑ دو۔'' سارہ کی آنکھوں میں نمی آنے لگی تھی پر چونکہ وہ نظریں نیچے کر کے کھڑی تھی تو زین اس سے واقف نہ تھا پر اس کی ابتر حالت کو دیکھ کر زین یکلخت فکر مند ہونے لگا تھا۔

''سارہ! تمہیں کیا ہو رہا ہے؟'' زین ایک قدم آگے بڑھا اور وہ فوراً پیچھے ہٹی۔

''زین پلیز، ابھی مجھ سے کچھ مت کہو اور مجھے جانے دو۔'' سارہ نے فوراً گاڑی کا دروازہ کھولا، اندر بیٹھی اور تیزی سے گاڑی بھگاتی ہوئی لے گئی۔

اس لمحے کیا ہوا تھا، زین سمجھنے سے قاصر تھا۔ وہ بے بسی سے تیزی سے اپنی گاڑی کی طرف بڑھا اور بیٹھتے کے ساتھ ہی زور سے ہاتھ اسٹیئرنگ ویل پر دے مارا۔ سارہ کا برتاؤ اس کی سمجھ سے باہر تھا۔ وہ کیوں دوریاں کرنا چاہتی تھی؟ آج جب حالات ایسے تھے کہ انہیں روکنے والا

کوئی نہ تھا پھر وہ کیوں خود کو روک رہی تھی؟ وہ کیا چھپا رہی تھی؟ زین کا پارہ یہ سب سوچ کر چڑھنے لگا تھا۔ وہ اتنا شدید غصے میں تھا کہ کہیں گاڑی ہی دے مارتا پر اچانک ذہن کے پچھلے حصے سے کچھ کھٹکا تھا۔ جس طرح اس وقت سارہ کی حالت تھی، وہ پہلے بھی اس کیفیت کو دیکھ چکا تھا۔ پر وہ تھا کون، اور کیوں اس حالت میں ہوتا تھا؟

☆......☆......☆

سارہ بمشکل گاڑی چلاتی ہوئی گھر پہنچی تھی۔ وہ اپنے لونگ ایریا میں رکھے ہوئے صوفے کے ایک کونے میں خود کو سکیڑ کر بیٹھی تھی۔ پورا جسم زلزلے کی مانند کانپ رہا تھا۔ سانس اب تک بحال نہ ہوا تھا۔ وہ شارٹ بریتھ سے دوچار ہو رہی تھی اور سینے میں درد بڑھتا جا رہا تھا۔ زین کی ہر بات دماغ میں گونج رہی تھی۔ آنکھوں سے مسلسل آنسو نکل رہے تھے۔ اس نے سامنے رکھی ہوئی ایک اونی چادر اٹھائی اور خود کو اس میں لپیٹ لیا۔ سر کا درد اتنی شدت پر تھا کہ برداشت سے باہر تھا اور جسم پوری طرح سے ٹوٹ رہا تھا۔ اس کا پاس رکھا موبائل ایک دم سے بجنا شروع ہوا۔ جب دیکھا تو ایلکس کال کر رہا تھا۔ سارہ ایک سیکنڈ نہ رکی اور موبائل کو جھپٹ کر کال اٹھالی۔

''ہیلو سارہ، کیسی ہو؟'' اس کی چہکتی آواز کسی دوا سے کم نہ تھی۔ سارہ بے اختیار زار و قطار رو پڑی تھی۔

''سارہ؟ کیا ہوا ہے؟'' اس کی روہانسی آواز سن کر ایلکس فکرمند ہو گیا۔

''سارہ تم مجھے سن سکتی ہو؟ مجھے بتاؤ کیا ہوا؟'' ریسیور پر سے صرف سارہ کی ہچکیوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ ایلکس نے فکرمندی سے پوچھا۔

''سر درد سے پھٹ رہا ہے۔ بہت مشکل ہے ایلکس۔ مجھے بتاؤ میں کیا کروں۔'' سارہ

نے کراہتی ہوئی گلوگیر لہجے میں کہا تھا۔
"سارہ! تم رکو میں فوراً آنٹ گریس کو بلاتا ہوں۔" ایلکس نے کہا۔
"نہیں ایلکس! گریس کو کچھ مت بتانا۔" سارہ نے سخت لہجے میں کہا اور ایلکس وہیں رک گیا۔
"پر تمہاری حالت صحیح نہیں لگتی۔ سارہ! تم نے انگزائٹی کی دوالی؟" اچانک یاد آنے پر ایلکس نے پوچھا۔
"نہیں مجھے کوئی دوائی نہیں لینی۔" سارہ نے کہا۔ اس کی آواز میں کپکپاہٹ وہ بخوبی سن سکتا تھا۔
"سارہ پلیز لو۔ ڈاکٹر نے کہا بھی تھا کہ جب بھی ایسی کیفیت سے گزرو فوراً دوائی لینا تمہیں سکون ملے گا۔" ایلکس نے سمجھایا۔
"مجھے کوئی سکون نہیں چاہیے۔ میرا سکون آرام سب ختم ہوگیا ہے۔ میں نہ چاہتے ہوئے بھی پھنستی جارہی ہوں۔ مجھے مت فورس کرو۔" سارہ نے صاف انکار کیا تھا اور ایلکس کچھ دیر خاموش ہوگیا۔ سارہ کی حالت سے باخبر صرف دو ہی نفوس تھے ایک ایلکس دوسری آنٹ گریس۔ اور ایلکس اس کے ماضی سے ناواقف ہو کر بھی اس کی حالیہ طبیعت کے بارے میں جانتا تھا۔ خود اسی کے کہنے بلکہ زبردستی کرنے پر سارہ نے علاج شروع کیا تھا۔ وہ حساس طبیعت کی مالک تھی اور ایلکس جانتا تھا کہ اس کا ہر بار ردعمل کیسا ہوتا تھا۔ پر جو اس بار تھا وہ تمام تر شدت لیے ہوئے تھا۔ اس نے فیصلہ کرلیا تھا کہ سارہ کو دوائی لینے پر قائل کرے یا یوں ہی اسے باتوں باتوں میں ریلیکس کرے اور اگر ان سب سے کچھ نہ ہوا تو وہ 911 پر ایمرجنسی رپورٹ کروا دے گا کیونکہ اسے یقین تھا کہ خود سارہ ہسپتال نہیں جائے گی اور صورتِ حال

مزید خراب ہوتی چلی جائے گی۔

"سارہ! یہ سوسائیڈ ہوگی جو تم کر رہی ہو کہ اس وقت تمہیں معلوم ہے کیسے اپنی حالت بہتر کرنی ہے تو بھی نہیں کر رہیں۔ میں بچہ ضرور ہوں پر نادان نہیں ہوں۔" ایلکس نے کہا اور سارہ شاک میں آگئی۔ وہ واقعی غلط فیصلہ لے کر خود کو مزید اذیت دے رہی تھی۔

"ایسا مت کرو سارہ، سب ٹھیک ہو جائے گا۔ مجھے یقین ہے کہ اچھا وقت آتا ہے۔ آنٹ گریس یہ ہی کہتی ہیں۔ تمہارا خوف ختم ہو جائے گا تم اس پر غالب ہو جاؤ گی۔" ایلکس نے کہا۔

"سب کے لئے آتا ہوگا پر میرے لئے نہیں آتا۔ خوشی میرے لیے حرام ہے۔ میں ایک بدنصیب لڑکی ہوں جو جس کو چھوئے وہ مٹی ہو جاتا ہے۔" سارہ نے کہا۔

"اتنا منفی نہ سوچو، اپنی زندگی کو قدرت کی طرف سے ایک نعمت سمجھو سارہ۔ تم کیوں موت کی خواہش کرتی ہو؟" ایلکس نے کہا اور سارہ بے بس ہونے لگی۔

"تو میں اور کیا کروں۔ میرے خیالات میرا پیچھا نہیں چھوڑتے۔ ٹھیک ہو رہی تھی میں۔ پر اب مزید گڑھے میں پھنستی جا رہی ہوں۔ مجھے کوئی راہ نہیں دکھتی۔"

"سارہ ایسا نہیں ہے کہ ہر راستے پر دی اینڈ لکھا ہوتا ہے۔ آنٹ گریس کہتی ہیں برا وقت آتا ہے، پر اس کے پیچھے پیچھے اچھا وقت بھی انتظار میں ہوتا ہے۔ دروازے سب بند تو نہیں ہوتے کوئی نہ کوئی ایک دروازہ کھلا ہوتا ہے۔" ایلکس نے کہا اور سارہ خاموشی سے سنتی رہی۔

"میں جانتا ہوں تمہیں تکلیف ہو رہی ہے، پلیز اٹھو اور دوا لو۔ تمہیں اس وقت سکون کی نیند چاہیے۔ مثبت سوچ رکھو۔ تم خود اتنی اچھی ہو تو تمہارے ساتھ کیوں کچھ برا ہوگا۔ اچھا تمہارے وہ دوست کا کیا ہوا؟ تم نے بات کی اس سے؟" ایلکس نے کہا۔ سارہ کے آنسو

آہستہ آہستہ رونے لگے۔

"نہیں۔" سارہ نے کہا۔

"تو کرو نا۔ یہ کوئی بہت خاص دوست ہے تمہارا جس نے آتے ہی تمہاری دنیا ہلا کر رکھ دی ہے۔ تم اس سے بات کرو سارہ۔ اپنا مسئلہ شیئر کرو۔ حل نکالو۔ چپ رہنے سے اسے کیسے معلوم ہوگا تمہارا پرابلم کیا ہے؟ دوستی ہموار کرو پھر دیکھنا طبیعت کیسے ٹھیک ہوتی ہے۔ میں تو چاہتا ہوں تم اس سے جلد ملو۔" ایلکس نے کہا۔

"بہت مشکل ہے ایلکس۔ تم نہیں سمجھو گے۔" سارہ نے کہا۔

"مشکل کچھ بھی نہیں ہوتا سب تمہاری سوچیں ہیں۔ اندھیروں سے نکلو اور روشنی میں آؤ۔ چلو اب فی الحال اپنے اس دوست کی خاطر اٹھو اور ٹیبلٹ لو۔" ایلکس اسے چھوٹے بچے کی طرح ٹریٹ کر رہا تھا اور وہ اس کی بات مانتے ہوئے بالآخر کھڑی ہوگئی اور دوا نکال کر کھانے کا ارادہ کر لیا۔ جب ایلکس کو تسلی ہوگئی تھی کہ وہ اپنی دوا لے چکی ہے تو وہ تب تک اس سے باتیں کرتا رہا جب تک اسے تسلی نہ ہوگئی کہ سارہ ٹھیک تھی اور سارہ نے بھی کال بند نہ کی بلکہ بات کرتے کرتے کب اس کی آنکھ لگی اسے معلوم نہ ہوا البتہ ایلکس جان گیا تھا اور ریلکس ہو کر خوب تسلی کر کے کال منقطع کر دی۔

☆......☆......☆

"پہلے تو مجھے یقین ہی نہیں آیا تھا کہ تمہاری ملاقات سارہ سے ہوئی۔ اور اب اس کے رویوں پر بھی یقین نہیں آ رہا۔" شازیہ نے کہا۔ زین اپنے بیڈ روم میں بیٹھا شازیہ سے بات کر رہا تھا۔ آج پارکنگ لاٹ میں جو ہوا تھا اس سے وہ خاصا پریشان تھا۔

"مجھے خود سمجھ نہیں آ رہا وہ چاہتی کیا ہے۔" آواز بے تحاشا ڈسٹرب تھی۔

’’ویسے زین یہ تو ماننا پڑے گا، پوری دنیا میں تم نے بھی ایسی ہی لڑکی چنی جو انتہا سے زیادہ پیچیدہ مزاج ہے۔‘‘ شازیہ نے ہنس کر کہا۔

’’اس میں میری کوئی غلطی نہیں ہے، مجھے کیا معلوم تھا کہ یہ دل اس پر ہی آجائے گا۔‘‘ وہ بھی اکتفا کر رہا تھا۔

’’تمہیں بہت شوق تھا نا چیلنجز لینے کا، اب لو یہ چیلنج بھی، کر کے دکھاؤ پورا۔‘‘ شازیہ نے کہا۔

’’میں تو آرام سے پورا کر لوں شازیہ پر وہ کچھ تو پہل کرے۔ اسی کشمکش میں مبتلا ہوں کہ وہ ایسا کیوں کر رہی ہے۔‘‘ زین کی آواز تھکی تھکی سی تھی۔

’’زین! اتنا مت سوچو۔ اسے تھوڑا وقت دو۔ ہو سکتا ہے کہ جیسے تمہارے لئے اس سے اتنے سال بعد ملنا شاک تھا ویسے ہی اس کے لئے بھی ہو۔ اور ویسے بھی جو شخص ماضی میں اتنی تکلیفیں جھیل کر آیا ہو اس کے لئے آسانی سے آگے بڑھنا مشکل ہے۔ وہ لڑکی ہے، اسے سمجھنے کی کوشش کرو۔ لڑکیاں ایسی ہی ہوتی ہیں۔‘‘ شازیہ نے سمجھایا۔

’’ہمم۔‘‘ زین نے لمبا سانس خارج کیا۔ صبر تو وہ کر رہا تھا پر کب تک؟

’’ویسے مجھے یاد ہے اس کی شخصیت کافی مختلف تھی۔ لگتا تھا جیسے ڈری سہمی سی رہتی ہے۔ سمجھنا آسان نہیں ہوتا تھا اسے۔‘‘ شازیہ نے کہا۔

’’ہاں پر تب میں سمجھ جاتا تھا۔ اور تمہیں سچ بتاؤں تو وہ اب بہت بدل گئی ہے۔ تم خود اس کو دیکھو گی تو حیران رہ جاؤ گی۔ کبھی کبھی تو میں کامپلیکس کا شکار ہو جاتا ہوں اس کے سامنے۔‘‘ زین نے کہا اور شازیہ یہ سن کر دنگ رہ گئی۔

’’مسٹر زین کو بھی کامپلیکس ہو سکتا ہے؟ آئی سیریسلی ڈاؤٹ۔‘‘ شازیہ نے کہا۔

’’شازیہ! سونا آگ میں تپ کر ہی کندن بنتا ہے۔ جن مشکلات سے وہ گزر کر آئی ہے

اس مشقت نے اس کی شخصیت کو مکمل تراشا ہے۔ مزاجاً فاصلہ برقرار رکھنا اس کی فطرت ہے جو وہ ہمیشہ سے کرتی آئی ہے پر اب اس کی ذات مقبولیت حاصل کر رہی ہے۔ اگرچہ میری اور اس کی جاب پوزیشن ایک ہی ہے پھر بھی اس نے مجھ سے کم وقت میں یہ عہدہ حاصل کیا ہے۔ وہ اب ویسی نہیں رہی جیسا تم سوچ رہی ہو۔ البتہ مجھے تو تب ہی پسند آ گئی تھی اور اب اس میں مزید پختگی اور بردباری دیکھ کر میں اکثر گومگو میں پڑ جاتا ہوں۔ بلکہ کئی بار تو سوچتا ہوں آیا میں کمپیٹبل ہوں اس کے یا نہیں؟" اس کے لہجے میں سارہ کے لیے تفاخر تھا۔ وہ سارہ کی پوزیشن، اس کے سٹیٹس، اس کے معیار پر فخر محسوس کرتا تھا۔ وہ اسے یہ سب بتانا چاہتا تھا۔ اس کی کامیابی کا اس کے ساتھ مل کر جشن منانا چاہتا تھا۔ وہ اسے بہت کچھ بتانا چاہتا تھا پر وہ ہر موقع پر دوٹوک بات کر کے چلی جاتی تھی۔

"سچ بولوں تو میرا دل تو بہت چاہتا ہے اس سے ملنے کا۔ ظاہر ہے میری اپنی کچھ کوتاہیوں کی وجہ سے ہمارے بیچ کڑواہٹ پیدا ہو گئی تھی۔ پر زین، میں یہ ہی مشورہ دوں گی کہ تم اسے تھوڑا وقت دو۔ اس کی خاموشی کو سمجھو۔ ہو سکتا ہے وہ کوئی بھی ایسا رشتہ رکھنے سے فی الحال جھجھک محسوس کر رہی ہو۔" شازیہ نے کہا اور وہ بس خاموش رہا۔

☆......☆......☆

زین نے کوفی مشین کا بٹن دبایا اور آن کی آن میں مگ کھولتی ہوئی بلیک کافی سے بھرنا شروع ہو گیا۔ وہ آفس میں کوفی سٹیشن پر موجود تھا جہاں ہر وقت کوفی کی مہک ہوا میں مخلوط ہوتی تھی۔ وہ خاموشی سے مگ کو بھرتا ہوا دیکھتا رہا اور اتنی ہی دیر میں ایلن دوسری مشین کی طرف آ کر اپنا کپ بھرنے لگی تھی۔ زین محو خیال اس بات سے ناواقف تھا کہ ایلن برابر میں موجود تھی۔

”زین! کوفی کا مگ بھر گیا۔“ ایلین کی آواز سن کر زین اپنے خیالوں سے تو واپس آیا ہی پر ایلین کے اشارہ کرتی ہوئی آنکھوں سے اپنے مگ کی طرف متوجہ ہوا۔

”تھینکس بتانے کے لیے۔“ وہ تذبذب ہونے کے باعث بار بار غائب دماغ ہو رہا تھا۔ اس نے گرما گرم کوفی کا سپ لیا اور ایلین کی طرف دیکھا جس نے زین کو مسکرا سر کو جنبش دی تھی۔

”کیسی ہو تم ایلین؟“ زین نے خیالات کا غبارہ اپنے ہاتھوں سے چھوڑا اور اس سے مخاطب ہوا۔

”اچھی ہوں۔“ ایلین کا کپ بھی بھر گیا تھا اور وہ تھام کر سپ لینے لگی تھی جب زین کی نظروں کو خود پر محسوس کیا۔

”ایلین! کام میں اتنا مصروف رہا کہ تم سے پوچھنا ہی بھول گیا۔ تمہارے گھر کے حالات اب کیسے ہیں؟“ زین نے پوچھا۔

”ہم دونوں نے ڈیورس کا فیصلہ کر لیا ہے۔“ ایلین نے مایوسی سے کہا اور زین یہ سن کر افسوس کرنے لگا۔

”کوشش بہت کی زین پر ہم دونوں ایک دوسرے کے لئے کمپیٹبل نہیں ہیں۔“ ایلین نے کہا۔

”اور بیٹی۔ وہ کیا چاہتی ہے؟“ زین نے پوچھا۔

”وہ فی الحال میرے ساتھ رہے گی اور جب چاہے باپ بیٹی ایک دوسرے سے مل سکتے ہیں۔“ ایلین نے شانے اچکا کر کہا۔

”ہمم۔ خیر یہ تم دونوں کا ذاتی فیصلہ ہے۔ میں اس میں کوئی مداخلت کر سکتا ہوں نہ ہی کوئی رائے دے سکتا ہوں۔“ زین نے کہا۔

’’کبھی کبھی ایسے فیصلے لینے پڑ جاتے ہیں تا کہ ذہن کو بھی سکون ملے اور پھر بچے بھی بہت بھگتتے ہیں۔‘‘ ایلین نے کہا۔

’’ہاں صحیح کہہ رہی ہو۔ زیادہ تر والدین کے جھگڑوں میں بچے ہی پس جاتے ہیں۔ اچھا ایلین۔ کئی دن سے تم سے کچھ پوچھنا چاہ رہا تھا پر شاید موقع نہیں مل سکا یا احساس اب ہوا۔‘‘ وہ کافی الجھا ہوا لگ رہا تھا۔

’’ہاں پوچھو؟‘‘ ایلین نے کہا۔

’’تمہاری تکلیف دہ دنوں میں میں نے اپنی طرف سے سپورٹ کی پوری کوشش کی تھی۔ میں جاننا چاہتا ہوں کہ کیا میں نے اپنا فرض پورا ادا کیا تھا؟‘‘ زین نے پوچھا۔

’’بالکل! کہنے کو تو کئی دوست اور کئی رشتہ دار ہیں پر کبھی کبھی ہمیں ایک ایسے شخص کی ضرورت پڑ جاتی ہے جو ہمارے مسئلے سنے پھر چاہے دوست بن کر یا اجنبی بن کر۔ میں جب بہت زیادہ ڈسٹرب رہی تھی تو تم نے ہی مجھے سمجھا تھا۔‘‘ ایلین نے مسکرا کر کہا۔

’’پر میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکا۔ مجھے لگا تھا کہ میں تمہارا مسئلہ سلجھا سکوں گا۔‘‘ زین نے تاسف سے کہا۔

’’تم نے سن لیا یہ ہی کافی تھا۔ تم ایک ہیلپنگ ہینڈ تھے اور اس چھوٹے سے عمل نے ہی مجھے کافی سہارا دیا تھا۔ ویسے آج یہ سوال کیوں کر رہے ہو؟‘‘ ایلین کو تعجب ہوا۔

’’دراصل یہ ہی ایک خوبی تھی میرے اندر۔ اور کچھ دن سے ایسا لگ رہا ہے جیسے سب ختم ہو گیا ہے۔ تمہارے الگ ہونے کی خبر سے مجھے مزید ایسا محسوس ہوا کہ میں ناکام ہو گیا لیکن تمہاری بات سے اب مجھے تھوڑا دلاسہ ہوا ہے۔‘‘ زین نے کہا۔

’’زین! تم گڈ لسنر ہو۔ اور تمہارے اندر یہ خوبی ابھی بھی ختم نہیں ہوئی۔ رہی بات مسئلہ

حل کرنے کی۔ تو اگر اس میں کوئی راستہ نکلتا تو مجھے یقین ہے کہ تم اس حوالے سے میری مدد کرتے۔" ایلن نے مسکرا کر زین کو تسلی دی۔

"شکریہ۔" زین کو دل ہی دل میں سکون ہوا۔

"اچھا تم اور ڈیوڈ روم میں آجاؤ اور جو ایڈ ایجنسی کے ساتھ کنٹریکٹ تھا اس کی فائل بھی لے آؤ پھر مل کر ایڈ پر ڈسکس کر لیتے ہیں۔" زین نے کہا۔

"شیور زین۔"

دوسری طرف......

"ہاہاہا! صحیح کہہ رہی ہو ہیلن، ویسے اگر مارٹن کو پانی بھی پینا ہوتا تو بھی وہ سارہ سے ہی رائے مانگے کہ ابھی پیوں یا نہیں۔" ثانیہ نے کہا۔ لنچ ٹائم تھا اور یہ لوگ اپنے گروپ میں بیٹھے کھانے کے ساتھ ساتھ باتوں میں بھی مصروف تھے۔

"شکر ہے مارٹن یہاں پر نہیں ہے۔ اگر ہوتا تو تمہاری خیر نہیں تھی ثانیہ۔" سارہ نے سنجیدگی سے کہا۔ وہ ان سب کی باتوں کو سن کر اندر ہی اندر انجوائے کر رہی تھی پر چہرے کے تاثر سنجیدہ تھے۔

"ارے وہ صحیح کہہ رہی ہے۔ آج میٹنگ میں نہیں دیکھا۔ یار ان کو کچھ پوچھنا ہو تو تم سے رجوع کرتے ہیں۔ فیصلہ لینا ہو تو سارہ ہی آگے ہو گی۔ کوئی رائے چاہئے۔ سارہ کہاں ہے۔ ہر بار یہ ہی ہوتا ہے۔ ایسا لگتا ہے وہ تم سے گھبرا گئے ہیں۔" امینڈا نے کہا جو ایک سیاہ فام تھی۔

"تم لوگ سب مل کر ان کی بینڈ بجا رہے ہو۔ وہ عمر میں بڑے ہیں اور اب کرنٹ فیکٹر کو مدنظر رکھتے ہوئے وہ کچھ باتوں سے ناواقف ہیں۔ ایسے میں یوں کہنا صحیح نہیں۔" سارہ نے کہا۔

”پر سارہ، یہ تو تم مانو کہ تم میں صبر بہت ہے۔ اگر میں تمہاری جگہ ہوتی تو ہیومین ریسورس ڈیپارٹمنٹ چلی جاتی اور اپنی پروموشن کی بات کرتی۔ جب چیف ہی بننا ہے تو اس کی پوسٹ میں ہی سنبھال لوں۔“ ثانیہ نے ہنس کر کہا۔

”مجھے حالیہ پروموٹ کیا ہے! اب پروموشن کی بات کروں گی تو نوکری سے ہی جاؤں گی۔“ سارہ نے ہنس کر کہا۔

”میرا خیال ہے مارٹن کا تمہیں اہمیت دینا اسی لیے تو نہیں کہ اسے ڈر ہے کہیں کمپنی اس کی جگہ تمہیں نہ دیدے۔“ ہیلن نے قیاس لگایا۔

”فارگاڈ سیک ہیلن! چیف کیوں اپنی پوزیشن کے لیے فکرمند ہوگا۔“ سارہ نے کہا۔

”ویسے کچھ کہہ نہیں سکتے وہ بھی حالیہ پروموٹ ہوئے ہیں اور کمپنی صلاحیت دیکھتی ہے پھر۔“ ثانیہ نے ہیلن کی بات سے کچھ کچھ اکتفا کیا۔

”ہمم۔ میں ویسے بھی سی ایف اے کا سوچ رہی ہوں۔“ سارہ نے سوچ کر کہا۔

”لو بھئی! مجھے تو آنے والے وقتوں میں سارہ چیف کی پوزیشن پر بیٹھی نظر آتی ہیں۔“ ثانیہ نے کہا اور سارہ زیرِ لب مسکرانے لگی تھی۔

☆......☆......☆

”کیا ہے باس آفس ٹائم ختم ہوگیا ہے۔“ شایان زین کے کمرے میں آکر کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔

”آج اوور ٹائم کر رہا ہوں۔ پراڈکٹ تقریباً تیار ہے۔ اسی سلسلے میں کل کی میٹنگ کے لئے کام مکمل کرنے ہیں۔“ زین نے کہا۔ وہ مصروف تھا۔ لیپ ٹاپ ایک طرف رکھا تھا اور تین فائلیں کھلی پڑی ہوئی تھیں جن پر وہ وقتاً فوقتاً نظر ڈال رہا تھا۔

''آرام سے گھر پر کر لے یار، یہاں کیوں بیٹھا ہے؟'' شایان نے کہا۔

''آج کل گھر میں دل نہیں لگ رہا شایان، اس لیے۔'' زین فائل میں ہی سر دیے شایان سے بات کر رہا تھا۔

''کیا یار زین۔ تُو پورا بدل گیا ہے۔ ایسا تو مت کر یار۔'' اس کی سنجیدہ طبیعت کو دیکھتے ہوئے شایان نے کہا۔

''بدل گیا ہوں؟ نہیں یار۔'' زین نے لمبا سانس لیا۔

''مجھے ایسا لگتا ہے کہ کام کی وجہ سے مصروفیت ہے بس۔'' زین نے کہا۔ اس نے لیپ ٹاپ آگے کیا اور کچھ ٹائپ کرنا شروع ہو گیا۔

''ہاں اور میں وہ ہوں جو روٹی کو چوچی بلاتا ہوں۔'' اس کے طنزیہ جملے پر زین ہنسنے لگا۔

میز پر رکھا اس کا فون وائبریشن پر بجنے لگا تھا۔ اس نے اسکرین پر سرسری سی نگاہ ڈالی اور کام میں مشغول ہو گیا۔

''اٹھانا فون۔ کس کا ہے؟ شایان نے پوچھا۔

''تیری بیگم نے میرے پیچھے اپنی ایک کولیگ لگائی ہوئی ہے۔ اسی سلسلے میں وہ رابطہ کر رہی ہے۔'' زین نے مسکرا کر کہا اور شایان ہنس پڑا۔

''میں اس کو سمجھا دوں گا کہ تجھے آج کل تنگ نہ کرے۔ ویسے ہی ستارے گردش میں ہیں۔'' شایان ہنس پڑا۔

''نہیں کچھ مت کہنا! ویسے بھی میرے کچھ بھی کرنے سے اسے کیا فرق پڑتا ہے۔ میں جیوں یا مروں۔ کچھ بھی کروں اسے کچھ محسوس نہیں ہوگا۔'' زین کی مسکراہٹ ایک دم غائب ہو گئی اور چہرے پر متانت چھا گئی۔ لہجہ شاکی تھا۔

”کیوں کہہ رہا ہے ایسے یار؟“اس کے اچانک مزاج بدلنے پر شایان کو اچنبھا ہوا۔
”سچ کہہ رہا ہوں۔اسے فرق نہیں پڑتا۔میں کسی بھی لڑکی سے شادی کر لوں، اسے کچھ نہیں ہوگا بلکہ اسے اپروچ کرنا اسے اپنی انسلٹ لگتی ہے۔تو جب وہ یہ ہی چاہتی ہے تو میں یہ ہی کروں گا۔“وہ بے حد ناراض لگ رہا تھا۔
”تجھے آئے دن موڈ سوئنگز ہو رہے ہیں۔کبھی کہتا ہے اس سے ملنا ہے بات کرنی ہے تو کبھی اسے ایک طرف کر کے یہ ساری بے تکی باتیں کرنے لگتا ہے۔“شایان نے کہا اور زین نے سرد چہرے سے شایان کو دیکھا۔
”مجھے اس وقت اس موضوع پر کوئی بات نہیں کرنی شایان۔کام بہت ہے اور میں فوکس رہ کر یہ سب ختم کرنا چاہتا ہوں۔“زین نے چڑ کر کہا اور شایان خاموش ہو گیا۔

☆......☆......☆

ڈاکٹر جیکب کبھی سارہ کی رپورٹس دیکھتی تو کبھی سارہ کو جو میز کے دوسری طرف انہیں معصومیت سے دیکھ رہی تھی۔ساتھ ہی جو انہوں نے خود اتنی دیر تک بیٹھ کر اس کی پورے ایک ڈیڑھ مہینے میں ہونے والی کیفیات پوچھی تھیں اسے بھی تشخیص کر رہے تھے۔ڈاکٹر جیکب اچھی خاصی عمر کے تھے۔سفید رنگ کی داڑھی تھی اور جلد گلابی سی تھی۔اس کمرے میں وہ ہی دونوں موجود تھے۔سارہ ان سے کافی عرصے سے علاج کروا رہی تھی۔اور یوں انہوں نے اپنے کام کی نوعیت کو مدنظر رکھتے ہوئے سارہ سے دوستی کا تعلق بنا لیا تھا۔
”یہ سب کیا ہے سارہ؟“ڈاکٹر جیکب نے تاسف سے رپورٹس کو دیکھا اور سرد سانس کھینچتے ہوئے اس سے مخاطب ہوئے۔
”کچھ بھی نہیں سب ٹھیک تو ہے۔“سارہ نے لاپروائی سے کہا۔وہ خود بھی اپنی طبیعت سے

واقف تھی لیکن اب سب نظر انداز کر دینا چاہتی تھی۔

''یہ سب ٹھیک ہے؟ سر درد میں مزید اضافہ۔تمہارا تنفس بے ترتیب ہے۔بلڈ پریشر مہینے کے شروع سے لے کر اب تک لو رہا ہے۔اس کے علاوہ تم نے شارٹ بریتھنگ کے حوالے سے بتایا ہے جو اس مہینے کافی بڑھ گئی ہے۔پھر صرف یہ ہی نہیں۔تم پھر اپنی نیند میں بے چین ہونے لگی ہو۔اور جو دوا میں نے کہا تھا صرف ضرورت کے تحت لینی ہے وہ تم نے تقریباً اس مہینے ہر دوسرے دن لے لی؟ مجھے یہ بتاؤ کہ تمہاری طبیعت میں بہتری آرہی تھی۔پھر ایلکس کے کینسر کے بارے میں معلوم ہوا تو تم پھر ڈھلنے لگیں پر اب جو یہ ایک مہینے سے انقلاب آگیا ہے میں پوچھنا چاہتا ہوں کیا ہوا ہے ایسا جس نے تمہیں اس قدر ڈسٹرب کر دیا ہے؟'' وہ جانچتی نظروں سے سارہ کو دیکھ رہے تھے جو زیر لب تو مسکرا رہی تھی پر دل اداسی میں ڈوبا ہوا تھا۔انہیں معلوم تھا کہ سارہ ہر بار کی طرح اس بار بھی سب ٹال دے گی اور ان کے مشوروں پر عمل نہیں کرے گی۔

''ایسا تو کچھ نہیں ہوا۔لگتا ہے آپ کی دی گئی دوائیاں کرامت ثابت نہیں ہوئیں۔'' سارہ نے کاندھے اچکا کر لاپروائی سے کہا اور جیکب کو دیکھا جو سارہ کو بغور دیکھ اور سن رہے تھے۔

''اب میں آپ کو کیا بتاؤں بہت لمبی کہانی ہے۔لیکن ٹھیک ہو جائے گا میں نے حل ڈھونڈ لیا ہے۔'' جب جیکب کے پاس سے کوئی جواب نہیں ملا تو سارہ نے بات کو ٹال دیا۔

''تمہارے حل سے میں واقف ہوں سارہ۔'' ڈاکٹر جیکب نے لمبا سانس لیا اور آگے ہو کر بیٹھ گئے۔''سارہ! تمہارا جیسا کیس بہت آرام سے سیشنز کے ذریعے صحیح ہو سکتا ہے۔میں کب تک تمہیں دوائی دوں گا؟ اب تو حال یہاں تک پہنچ گیا ہے کہ تمہارا جسم اس کا عادی ہو گیا ہے اور تو اور میں نے کم ڈوز دیئے تھے۔تم نے خود ہی زیادہ اینگزائٹی میں آکر ڈوز بڑھا دیئے۔تم

جانتی ہو یہ کتنا نقصان دہ ہے! میری بات ڈاکٹر جان سے بھی ہوئی تھی اور انہوں نے مجھے یہ ہی کہا کہ تم کوئی بھی سیشن لینے نہیں آ رہی ہو۔ میں تب تک تمہارا آگے علاج نہیں کر سکتا جب تک تم خود نہیں چاہتیں سارہ۔'' سارہ کی حساس طبیعت کو مدنظر رکھتے ہوئے انہوں نے رسانیت سے اسے سمجھایا تھا اور وہ خاموشی سے نظریں نیچے کیے ان کی باتیں سن رہی تھی۔

''تمہارا اپائنٹمنٹ بھی ڈیڑھ مہینے پہلے کا تھا۔ پھر تم اسے آگے بڑھوا کر اب آ رہی ہو۔ کم از کم میں تمہاری طبیعت میں اتنی ڈیکلائین ہونے سے پہلے روک تو لیتا۔ کیا پریشانی ہے جو تم پہلے سے زیادہ اپنی صحت سے لاپروا ہو گئی ہو۔ دوائی بھی ایک حد تک دی جا سکتی ہے۔ تم جتنا سٹریس یا ذہنی دباؤ میں آؤ گی آہستہ آہستہ کر کے تمہارا جسم کا ہر حصہ جواب دے گا۔ میں پہلے بھی تمہیں سب سمجھا چکا ہوں۔ مت کرو ایسا۔'' ڈاکٹر جیکب کی آواز میں ہمدردی اور دوستی نمایاں تھی پر سارہ زندگی کے ہر امتحان سے اتنا تھک گئی تھی کہ اب ہار رہی تھی۔ اس کا انداز و اطوار پھر رہن سہن سے یہ معلوم ہونا مشکل تھا کہ وہ کسی ذہنی دباؤ سے گزرا کرتی تھی۔ زندگی کی دوڑ نے اسے اس مقام پر تو پہنچا دیا تھا جس کا وہ شاید ہی کبھی خواب دیکھا کرتی تھی پر آج سب کچھ پا کر بھی وہ قنوطیت کا شکار ہوتی۔

اتنے سالوں بعد اپنی زندگی میں پھر سے زین کو پا کر اس کی حالت مزید بگڑنے لگی تھی۔ وہ کسی صورت زین کو نہیں بتانا چاہتی تھی کہ وہ کس درد سے گزر رہی تھی۔ وہ کیونکر اسے کوئی دکھ یا تکلیف دیتی۔ اسے اپنانا کسی بھی شخص کے لئے ایک بوجھ سے کم نہ تھا اور وہ خود اکیلے یہ سب سہنا چاہتی تھی۔ زین کے مسلسل اس سے ملنے، رابطہ کرنے پر وہ ڈر گئی تھی کہ کہیں اسے اس بات کا شک نہ ہو جائے لہٰذا اس نے اپنا رخ بدل ڈالا اور زین سے دور ہونے کا یہ ہی ذریعہ سوچا کہ اسے وہ باتیں کر دے جو دل توڑنے کے لئے کافی تھیں۔

''مجھ سے سیشنز نہیں لیے جاتے۔ میں خود کو سکون کیوں دوں جب کہ مجھے اس بات کا یقین ہے کہ دوسرے ہی موڑ پر میرے لئے پھر کوئی خبر یا کوئی مصیبت کھڑی ہے۔ کیا فائدہ ان سب کا۔ جو ہونا ہے وہ تو ویسے بھی ہو جائے گا۔ اور کیا گارنٹی ہے کہ سیشنز کے بعد مجھ پر کوئی آفت نہیں آئے گی یا میں اسے اکیلے ہی سہنے کی طاقت رکھ لوں گی؟ میں تھک گئی ہوں اس زندگی کی بھاگم بھاگ سے۔'' سارہ نے سر مزید نیچے کر لیا اور خاموش ہو گئی۔

''تمہاری سوچ کو بدلنے کے لیے ہی سیشنز کا مشورہ دیا تھا میں نے۔ ہم سائیکٹرسٹ کو اس بات کی اجازت نہیں ہوتی کہ مریض کے خلاف جا کر اسے کوئی ایسی دوائی یا کوئی ایسے سیشن میں زبردستی بٹھا دیں۔ ورنہ واقعی سارہ میں تمہارے ساتھ یہ ہی کرتا۔ تم اچھی ہو، خوبصورت ہو، پرکشش ہو۔ ینگ لیڈی ہو۔ کیا کیا نہیں کر سکتیں۔ کیا ماضی سے متعلق کوئی ایسی بات ہوئی ہے جو تمہارے حال کو متاثر کرنے لگی ہے؟'' ڈاکٹر جیکب نے پوچھا اور سارہ انہیں دیکھنے لگی۔ یوں تو سارہ نے اپنے گھر والوں اور سابقہ شادی کے بارے میں سب کچھ ڈاکٹر جیکب اور ڈاکٹر جان جو کہ ایک ماہرِ نفسیات تھے، بتایا ہوا تھا لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہونے والے جتنے بھی واقعے زین سے جڑتے تھے، چھپا دیئے تھے۔ ڈاکٹر جیکب کی نظر میں وہ ایک ایسی لڑکی تھی جس نے اپنے پیاروں کو کھو کر ایسا دھچکا کھایا تھا کہ پھر خود کو سمیٹ نہ سکی اور سابقہ شوہر کے ظلم وستم نے اس کی بچی ہوئی امید ختم کر دی تھی۔ پر کہانی اس کے علاوہ بھی بہت تھی۔ وہ نظریں نیچے کر گئی اور پچھلے دنوں میں ہونے والا ہر وہ واقعہ سوچنے لگی جو زین سے جڑا ہوا تھا۔ وہ ایسی جنگ لڑ رہی تھی جس میں خود کو تباہ کر رہی تھی۔ دماغ اور دل کی جنگ میں وہ خود پستی چلی جا رہی تھی۔

''نہیں اور کوئی بات نہیں ہے۔ میں سوچ رہی تھی کہ مصروفیت کے لیے سی اے کر

لوں۔'' سارہ نے کہا۔

''یہ تمہارا ذاتی فیصلہ ہے جس میں مداخلت نہیں کروں گا پر میرا مشورہ ہے تھوڑا زندگی کو رنگین بناؤ۔'' ڈاکٹر جیکب نے کہا اور وہ سونی آنکھوں سے انہیں دیکھ کر مسکرانے لگی۔

''تاکہ پھر سے وائٹ واش ہو جائے؟'' اور اس کا شکستہ لہجہ ابھر گیا۔

''کیا فائدہ یہ سب کرنے کا۔ ایسا نہیں ہے کہ میں کوشش نہیں کرتی۔ خود کو بدل ڈالا۔ اپنی ذات پر خرچ کیا۔ رہن سہن تبدیل کر دیا۔ خود پر توجہ بھی دی۔ پر آج بھی بے چین ہی ہوں۔ کچھ نہیں رکھا ان سب میں۔ میں نے جب جب زندگی سے امید لگائی ہے تب تب میری قسمت نے اٹھا کر پٹخا ہے۔ اب تو امید لگانے سے بھی ڈر لگتا ہے۔ میں جانتی ہوں کہ زندگی ایک تحفہ ہے۔ اگر نہیں جانتی تو کیا اب تک خود اسے ختم نہ کر گئی ہوتی؟'' سارہ نے سوالیہ نظروں سے ڈاکٹر جیکب کو دیکھا۔

''یہ سب کیا ہے؟ یہ دوائیں جو تم اتنے وقت سے لے رہی ہو۔ سب سلو پوائزن ہی تو ہے۔'' ڈاکٹر جیکب نے کہا۔

''اپنے حال پر کسی طرح تو قابو پاؤں گی۔ خوشیاں مجھے راس نہیں آتیں۔ یہ میں سمجھ گئی ہوں۔ اور میں صرف غم دے سکتی ہوں اس کے علاوہ کچھ نہیں۔ تو پھر میں ان رنگینیوں سے کیوں جڑ جاؤں۔ مجھے سیشنز نہیں لینے۔ وہ ہر بار مجھے ان امیدوں کی طرف لے جاتے ہیں جہاں سے مجھے بار بار رو کر واپس آنا پڑتا ہے۔ آپ بس مجھے پرسکرپشن لکھ دیں میں وہ ہی لے لوں گی اور کوشش کروں گی کہ سٹریس وغیرہ سے دور رہوں۔'' سارہ نے کہا اور ڈاکٹر جیکب نے ہار مان لی۔ وہ تب تک سارہ کو قائل نہیں کر سکتے تھے جب تک کہ وہ خود اجازت نہ دے دیتی۔

انہوں نے ایک پرچے پر دو تین دوائیوں کے نام لکھ کر اسے دے دیے۔

”میں پھر کہوں گا۔ دوائی اصل حل نہیں۔ باقی تم اپنے حوالے سے بہتر فیصلے لینا جانتی ہو۔“ ڈاکٹر جیکب نے کہا اور وہ اٹھ گئی۔

”سارہ؟“ ان کی آواز سن کر وہ پلٹی۔

”اب یہاں سے سیدھی گھر مت چلی جانا۔ تھوڑا نکلو گھومو پھرو۔ دوست بناؤ۔ اور اگر یہ مشکل لگتا ہے تو خود ہی طبیعت اچھی کرنے کے لیے سیر سپاٹے کرلو۔ کوئی پرابلم ہو تو مجھے تم کانٹیکٹ کرسکتی ہو یہ تمہیں معلوم ہے۔“ ڈاکٹر جیکب نے کہا اور وہ اثبات میں سر ہلا کر وہاں سے نکل گئی۔

”میری زندگی میں دوستی کی جگہ ہے نہ ہی کسی یاری کی۔ سب بیکار باتیں ہیں میرے لئے۔ میں کسی سے کیوں کوئی امید لگاؤں۔ جی رہی ہوں بس یہ کافی نہیں۔“ وہ یہ سب اور بہت کچھ سوچتی ہوئی ہسپتال سے نکلی اور گاڑی میں جا کر بیٹھ گئی۔ پرس دوسری سیٹ پر رکھا ہی تھا کہ اس میں موبائل بجنے کی آواز آنے لگی۔ اس نے نکال کر دیکھا تو ثانیہ فون کر رہی تھی۔

”یہ کیوں فون کر رہی ہے اس وقت؟“ سارہ نے سوچا اور فون کان سے لگالیا۔

”ہاں ثانیہ بولو؟“ سارہ نے پوچھا۔

”ارے شکر تم نے اٹھالیا۔ یار سارہ تم کہاں ہو؟“ ثانیہ نے پوچھا اور سارہ ہسپتال کی طرف دیکھنے لگی۔

”شکاگو ہسپتال کے پاس ہوں۔ کیوں؟“ سارہ نے پوچھا۔

”اوہ کیا ہوا؟“ ثانیہ نے پوچھا۔

”کچھ نہیں بس وہ ایسے ہی ریگولر چیک اپ تھا۔“

”اوہ ہاں سمجھ گئی یعنی تم مجھ سے کافی قریب ہو! یار سارہ میں پاس ہی دس منٹ کی دوری پر

مال آئی ہوئی ہوں۔ کیا تم آسکتی ہو؟'' ثانیہ نے کہا۔

''کیوں؟'' سارہ نے پوچھا۔

''یار لاسٹ منٹ پر میری دوست نے پلان کینسل کر دیا۔ میں تو مال پہنچ گئی تھی پر اس کی کوئی ایسی مصروفیت نکل آئی کہ وہ پہنچ نہیں سکے گی۔ تو تم آجاؤ نا۔'' ثانیہ کے لہجے میں بے چارگی جھلک رہی تھی۔

''شایان کو بول دو وہ آجائے گا، میں کیا کروں گی آ کر؟'' سارہ نے بیزاری سے کہا۔ اسے اس طرح کے پلانز اور سیر و تفریح بہت بری لگتی تھی۔

''شایان تو خود مصروف ہے پتہ نہیں کسی کام سے زین کے ساتھ گیا ہوا ہے کچھ بتایا بھی نہیں اور وہ پتہ نہیں ابھی کہاں ہوگا! سارہ پلیز تم آجاؤ۔ شاپنگ ایک واحد کام ہے جو میں اکیلے نہیں کر سکتی۔'' ثانیہ نے لجاجت سے کہا۔

''ثانیہ! تم کسی اور کو کہہ دو۔ میں ابھی نہیں آسکتی۔'' سارہ ایک دم فون بند کرنے والی تھی کہ اس کے پُر زور اصرار پر واپس فون کان سے لگا لیا۔

''یار پلیز سارہ۔ کتنی بار تمہیں پوچھتی ہوں اور تم ہر بار منع کر دیتی ہو۔ آج پلیز میرے لیے، پلیز؟'' ثانیہ نے کہا۔ وہ واقعی اس وقت سارہ کو بے چاری ہی لگ رہی تھی۔

''اب یہاں سے سیدھی گھر مت چلی جانا۔ تھوڑا نکلو گھومو پھرو۔'' ڈاکٹر جیکب کی آواز کہیں قریب سے سنائی دی اور وہ سوچ میں پڑ گئی۔

''تم پکا کہہ رہی ہو کہ تم اکیلی ہو اور کوئی نہیں ہے؟ نہ ہی کوئی آئے گا؟'' سارہ نے جیسے مزید تصدیق کی۔

''ہاں سارہ، بالکل پکا۔ اگر کسی کو آنا ہوتا تو میں تمہیں خود نہیں بلاتی۔ مجھے معلوم ہے تمہیں

گیدرنگز نہیں پسند۔" ثانیہ نے کہا۔ سارہ نے لمبا سانس خارج کیا۔

"چلو میں آرہی ہوں۔" سارہ نے کہا اور ثانیہ ایک دم خوش ہوگئی۔

"تھینک یو یار! میں دروازے سے داخل ہوتے ہی جو ایک آؤٹ لیٹ ہے نا وہاں ہوں تم وہیں آجانا۔" ثانیہ نے کہا اور سارہ نے فون بند کر دیا۔

☆......☆......☆

وہ چڑچڑا مزاج لیے ہوئے تھری سیٹر صوفے پر پسرا ہوا تھا۔ آرم ریسٹ پر سر ٹکا کر ہاتھ میں روبکس کیوب پکڑے ہوئے وہ اسے حل تو کر رہا تھا پر دماغ کی الجھنوں سے روبکس کیوب کی ترتیب مزید خراب ہوتی دکھائی دے رہی تھی جبکہ شایان منہ پھلایا ہوا اِدھر اُدھر ٹہل رہا تھا۔

"کیا ضروری کام تھا بھئی اس لئے بلایا تھا مجھے کہ میں یہاں تیری بسورتی شکل دیکھوں؟" شایان نے زچ ہو کر کہا پر زین نے اس کی بات کا کوئی ردعمل نہ دکھاتے ہوئے روبکس کیوب میں لگا رہنا مناسب سمجھا۔ اس کے چہرے پر سنجیدگی ہی سنجیدگی اور بیزاری طاری تھی۔

"جتنا ضروری کام کہہ کر تو نے مجھے یہاں بلایا ہے، تیری سوچ ہے میں گاڑی بھگا کر لایا ہوں اور یہاں دیکھتا ہوں تو موصوف پسرے پڑے ہیں۔" شایان نے لتاڑا پر زین ڈھیٹ بنا رہا۔

"زین! کیا ہے یار کچھ بول نا۔" شایان کی بس ہوئی تو چیخ کر زین سے کہا جس پر ہوا یہ کہ اس کی بسورتی ہوئی شکل شایان کی سمت گھومی۔

"کیا بولوں؟" زین نے سرد لہجے میں کہا اور واپس کیوب میں لگ گیا۔ شایان اس کے موڈ سوئنگز دیکھ کر اتنا تپ گیا تھا کہ اب چڑچڑا ہونے لگا۔

"چل تو چپ سادھ لے اور ہٹا یہ اپنی عالم چنا جتنی ٹانگیں۔" شایان نے اس کے پیر

صوفے کے اندر کی طرف کیے اور بیٹھنے کی کوشش کی پر زین نے مزید پیر پھیلا دیئے۔ مانو ستایا ہوا کسی اور نے تھا اور ردعمل کسی اور پر تھا۔

''کیا ہے زین۔'' شایان زور سے اس کے پیروں پر ہی بیٹھ گیا۔ وہ جو اس افتاد کے لیے بالکل بھی تیار نہیں تھا۔ چیخ پڑا تھا پھر شایان کو پرے کر کے اس نے ٹانگیں سمیٹ لیں۔

''بچوں کی طرح رویہ رکھا ہوا ہے تُو نے۔ کیا ہو گیا ہے؟'' شایان نے کہا اور زین واپس روبکس کیوب پر لگ گیا۔ شایان کو اس پر اتنا غصہ آیا کہ اس نے فوراً روبکس کیوب اس کے ہاتھ سے چھینا اور دوسری طرف پھینک دیا۔

''کیا چاہتا ہے تُو؟ بتا نا یار۔'' شایان نے اب کی بار نرمی سے کہا اور وہ اسے دیکھنے لگا۔ چہرا اب بھی بیزار ہی تھا۔

''میں بہت بدل گیا ہوں نا؟'' زین نے پوچھا۔

''مجھے کیا معلوم۔ میرے لئے تو تُو پہلے بھی ایسا ہی تھا۔'' شایان نے کہا۔

''اگر پہلے جیسا ہی ہوں تو وہ میرے ساتھ ایسا کیوں کر رہی ہے۔'' زین نے کہا اور شایان نے یہ سن کر ہار مان لی۔ زین کو ملامتی نظروں سے گھورتا ہوا وہ صوفے سے ٹیک لگا گیا۔

''ابھی کل تک تو تُو کہہ رہا تھا کہ جیوں مروں، کچھ بھی کروں اسے کیا فرق پڑے گا۔ اور آج پھر وہی بات لے کر بیٹھ گیا ہے۔'' شایان نے کہا۔ اب اس پر بیزاری طاری ہونے لگی تھی۔

''چھوڑ یار، مجھے بات ہی نہیں کرنی۔'' زین نے چڑ کر کروٹ لے لی۔ شایان نے تاسف سے زین کو دیکھ کر موبائل نکالا اور استعمال کرنا شروع کر دیا۔ اسے اندازہ تھا زین ابھی کچھ وقت تک ایسے ہی کرتا رہے گا۔

''ارے زین! یہ دیکھ۔'' شایان ایک دم حیران ہوا۔ ''ثانیہ سارہ کے ساتھ مال گئی ہوئی

ہے۔" شایان نے کہا اور زین نے اس کی طرف دیکھا۔
"مال؟ کوئی اور سارہ ہوگی۔" سارہ کی ازلی فطرت سے واقف ہو کر اس نے قیاس لگایا۔
"ارے نہیں یار، میں ثانیہ کی ساری دوستوں کے نام جانتا ہوں اور سارہ ایک ہی ہے، دیکھ لکھا ہے سارہ احمد۔" شایان نے کہا اور زین کے ماتھے پر بل آ گئے۔
"سارہ فیس بک پر ہے؟" زین نے پوچھا۔
"سارہ فیس بک پر نہیں ہے پر ثانیہ نے سٹیٹس اپڈیٹ کیا ہے ابھی کچھ دیر قبل کہ وہ سارہ احمد کے ساتھ مال میں ہے۔" شایان نے اب کی بار سکرین اس کی طرف کی۔
"تو میں کیا کروں۔ میری زندگی اجیرن کر کے موصوفہ گھو میں مال شال۔" وہ نئے سرے سے زچ ہوا تھا اور شایان اسے حیرت سے تک رہا تھا۔
"عجیب بات کرتا ہے یار۔ اتنا اچھا موقع ہے، ہم دونوں بھی وہیں چلتے ہیں۔" شایان نے کہا اور زین نے اس کی طرف متاسف نگاہوں سے دیکھا۔
"یار زین! میں اور ثانیہ ساتھ ہوں گے تو وہ کسی بھی طرح سے بات ختم کر کے نہیں بھاگے گی اور جب لگے گا وہ پوری طرح سے جال میں ہے میں ثانیہ کو لے کر اِدھر اُدھر ہو جاؤں گا تو تجھے اس سے اکیلے بات کرنے کا موقع مل جائے گا۔" شایان نے کہا اور زین صرف اسے تکتا رہا۔
"شایان! تُو سارہ کو کب سے جانتا ہے؟" زین نے پوچھا۔
"کیا مطلب؟" شایان نے پوچھا۔
"مطلب یہ کہ جناب آپ کا پلان فلاپ ہے۔" زین اٹھ کر بیٹھ گیا۔
"میں جتنا جانتا ہوں اسے اتنا تُو نہیں جانتا۔ وہ اس میں بھی موقع دیکھ کر نکل جائے گی۔" زین نے کہا۔

''یار! تم دونوں فون پر بات نہیں کرتے ہو۔ ایک دوسرے سے ملتے نہیں ہو۔ کچھ تو کرنا ہوگا نا زین۔ اچھا چل اگر وہ بھاگی تو کل کا کھانا میری طرف سے۔'' شایان نے کہا اور زین طنزیہ مسکرا گیا۔

''میں جا ہی نہیں رہا۔'' زین واپس صوفے پر لیٹ گیا۔

''یار زین، بس کردے! جب سے آیا ہوں تُو صوفہ چھوڑ ہی نہیں رہا۔ بس میں نے سوچ لیا ہے مال چلتے ہیں ثانیہ اور سارہ سے اچانک ملنے کا ناٹک کرتے ہیں، مجھے لگتا ہے وہ منع نہیں کرے گی۔'' شایان نے پُر امید ہو کر کہا۔

''شایان صاحب پلان فلاپ ہے آپ کا۔'' زین نے کہا اور مزید کچھ ردعمل نہ دیتے ہوئے اپنا موبائل نکال کر استعمال کرنے لگ گیا۔ شایان کو شدید غصہ آیا۔ اس نے زین کا موبائل چھین لیا اور اسے اٹھنے کا اشارہ کیا۔ زین جیسے تیسے اٹھا اور اس کی طرف دیکھنے لگا۔

''پیسے زیادہ رکھنا کل، پورا لوٹوں گا تجھے۔'' زین نے کہا۔

''ابھی پلان فلاپ نہیں ہوا ہے۔'' شایان نے تسلی دی۔ زین اس کے پاس آکر کھڑا ہو گیا اور ٹکٹکی باندھے دیکھتا رہا۔

''فلاپ پلان ہے، انتظار کرنا ہی بیکار ہے۔'' زین نے وثوق سے کہا پر شایان نے اسے اوپر جانے کا اشارہ کیا۔

''جا، جا کر تیار ہو فوراً۔'' وہ شایان کی بات پھر بھی مان کر چپ چاپ چلا گیا۔

☆......☆......☆

''یہ پیلے رنگ کا ٹاپ اچھا لگ رہا ہے نا؟'' ثانیہ نے ایک ٹاپ نکال کر خود پر لگا کر دیکھا۔

”ہم۔ اچھا ہے۔“ سارہ نے کہا۔ وہ ساتھ ساتھ ریکس پر لگے اور ٹاپس بھی دیکھ رہی تھی۔

”اس پر بلیک بیل باٹم اچھا لگے گا۔“ ثانیہ نے کہا اور سارہ تصور کرنے لگی۔

”ہم۔ سٹریٹ پینٹ بھی اچھی لگے گی۔ وہ وہاں اس ریک پر بلیک پینٹس ہیں وہاں دیکھ لو۔“ ثانیہ نے اس سمت دیکھا جہاں سارہ اشارہ کر کے بتا رہی تھی۔

”ہاں۔ تم بھی کچھ لے لو نا؟“ ثانیہ نے سارہ سے کہا۔

”نہیں مجھے فی الحال کچھ نہیں چاہئے۔“ سارہ نے کہا۔ وہ دونوں تھوڑی دیر اس آؤٹ لیٹ پر رکیں جہاں ثانیہ نے ایک دو ٹاپ اور پینٹ خریدیں پھر وہ دونوں وہاں سے ساتھ نکل گئیں۔

”تھینک یو سارہ، تم ساتھ ہو، شاپنگ مجھ سے واقعی اکیلے نہیں ہوتی۔ ویسے کہنا پڑے گا تمہاری کپڑوں کی چوئیس بہت اچھی ہے۔ ایک دو اور چیزیں دیکھ لیتے ہیں پھر کیا کہتی ہو کچھ کھا لیں؟“ ثانیہ نے پوچھا۔

”ہاں ضرور کیوں نہیں۔“ سارہ نے کہا اور وہ دونوں ونڈو شاپنگ کرنے لگیں۔ پرس، جوتے، کپڑے ہر برینڈڈ آؤٹ لیٹ کو دونوں دیکھتی ہوئے جا رہی تھیں۔

وہ دونوں جیولری کی شاپ میں چلی گئیں جہاں ثانیہ نے خوب صورت بالیاں لیں۔

دوسری طرف زین اور شایان اس مال میں پہنچ گئے تھے۔ شایان جانتا تھا کہ ثانیہ کون کون سی جگہوں پر جاتی تھی۔ وہ ویسے ویسے ہی دیکھتا ہوا چلتا رہا اور زین بھی اس کے ساتھ ساتھ تھا، پر اسے ان دونوں کو ڈھونڈنے میں ذرا دلچسپی نہ تھی کیونکہ وہ اس پلان کا ردعمل جانتا تھا۔ ثانیہ اور سارہ شاپ سے نکل کر باتیں کرتی ہوئی آگے بڑھ گئیں اور شایان کی ان پر نظر پڑ گئی تھی۔ اس نے زین کو دیکھا اور ان کی جانب اشارہ کیا۔ زین جو لاپروائی اور بیزاری سے اس کی تقلید میں

چل رہا تھا اسی سمت دیکھا۔ پھر کیا تھا وہ جو کب سے بیزار اس پلان میں گھسٹ کر آگے بڑھ رہا تھا، سارہ کو دیکھ کر اندر ہی اندر پھر نئی امید جگا بیٹھا۔ شاید آج وہ بدلی ہوئی ہو، شاید آج وہ اس کی بات سن لے۔ یہ امید بھی ذرا سی ہی تھی پر جاگی ضرور تھی۔ زین سارہ کی کہی ہوئی کوئی بات نہیں بھولا تھا۔ اس نے شایان کو آگے بڑھنے دیا اور خود پیچھے پیچھے آنے لگا۔

''ثانیہ۔'' شایان نے پیچھے سے آواز لگائی اور ایک دم ثانیہ تیزی سی پیچھے مڑی۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ سارہ بھی پلٹی تھی۔ اسے شایان چلتا ہوا ان کے پاس نظر آیا۔ جیسے ہی وہ منظر سے تھوڑا ہٹا تو اس کے عقب میں زین بھی واضح ہو گیا اور یہ دیکھ کر سارہ کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ ثانیہ تو چلتی ہوئی شایان کے پاس پہنچ گئی پر سارہ کے قدم وہیں رک گئے۔ یہاں ثانیہ اور شایان ایک دوسرے کو دیکھ کر سرپرائز ہو رہے تھے تو وہاں وہ دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کھڑے رہ گئے تھے۔ چند لمحوں کی بات تھی جس میں وہ دونوں گم ہوئے تھے لیکن سارہ نے ناگواری سے اپنی نظریں کہیں اور کر لیں اور بنتا بنتا سحر وہیں ٹوٹ گیا۔

''شایان، زین! تم دونوں یہاں کیا کر رہے ہو؟ تم نے تو کہا تھا زین کو کوئی بہت ضروری کام ہے؟'' ثانیہ حیران تو تھی پر پر جوش ہو گئی تھی۔

''ہاں۔ وہ کام ہو گیا تھا پھر سوچا کے مال جا کر تھوڑا گھوم لیتے ہیں۔ السلام علیکم سارہ، کیسی ہیں آپ؟'' شایان پہلے ثانیہ سے مخاطب ہوا پھر سارہ سے جو ان سے دو قدم دور ہی کھڑی تھی۔

''وعلیکم السلام میں ٹھیک ہوں۔'' سارہ نے سرد انداز میں جواب دیا اور زین کی دل میں ذرا سی بنی ہوئی امید وہیں ختم ہو گئی۔ سارہ نے زین کو سلام کیا اور نہ ہی زین نے سارہ کو۔

دونوں نظریں چرانے میں مگن تھے۔

''یہ تو اتفاق ہو گیا، پر کتنا اچھا ہو گیا نا۔ میں تو کب سے چاہتی تھی ہم چاروں ایک ساتھ کہیں چلیں، سارہ اور زین بھی تو ایک دوسرے کو جانتے ہیں، زین، تم آج منع نہیں کر سکتے۔ تمہارے لئے بھی کمپنی کا انتظام خود بخود ہو گیا۔'' ثانیہ کے چہرے پر بڑی سی مسکراہٹ آ گئی اور یہ سب سن کر سارہ کا اندر ہی اندر پارہ چڑھنا شروع ہو گیا۔

''واقعی۔ ویسے بھی سارہ آپ کے بارے میں ثانیہ سے سنا بہت ہے، پر ہم دونوں بھی صحیح سے کبھی ملے نہیں، آج موقع واقعی اچھا ہے۔ کیوں زین؟'' شایان نے معنی خیزی سے مسکراہٹ جمائے جب زین کی جانب دیکھا تو وہ ایک لمحے میں ہی ختم ہو گئی۔ زین اتنا سنجیدہ کھڑا اسے تک رہا تھا کہ خود شایان بھی تھوڑی دیر کے لئے گھبرا گیا۔

''ثانیہ، ایک منٹ۔'' سارہ نے ثانیہ کا ہاتھ پکڑ کر اسے خود سے قریب کیا۔

''تم نے مجھے کہا تھا کوئی نہیں آئے گا، پھر یہ دونوں یہاں کیا کر رہے ہیں؟'' شایان تو شایان سارہ کا پھولا ہوا چہرا دیکھ کر ثانیہ بھی ہڑبڑا اٹھی۔

''سارہ! مجھے واقعی نہیں معلوم، یہ اتفاق ہی ہوا ہے۔۔۔ اگر ان لوگوں کو آنا ہی ہوتا تو میں تمہیں کبھی آنے کا نہ کہتی۔'' ثانیہ نے اپنی صفائی پیش کی اور یہ سب سن کر سارہ کی ابرو تن گئیں۔

''تو ایسا چہرا لے کر کھڑا ہو گا تو وہ کہاں سے آئے گی۔'' یہاں شایان نے بھی زین کے کان میں سرزنش کی تو زین کا غصہ مزید بڑھ گیا۔

''اس کا چہرا نہیں دیکھ رہا تو؟ صاف عکاسی کر رہا ہے کہ اسے میرا آنا ناگوار گزرا ہے۔'' زین نے کہا اور شایان نے اسے ریلیکس ہونے کا اشارہ کیا۔

''اب جو بھی ہے، تم تینوں کو جو کرنا ہے کرو۔ مجھے ان سب میں نہیں گھسیٹو ثانیہ۔'' سارہ نے سرد لہجے میں کہا۔

''ارے سارہ، کیا ہو گیا ہے، تمہیں ان سب سے مسئلہ کیا ہے تھوڑی ہی تو دیر کی بات ہے پھر سب اپنے اپنے گھر چلے جائیں گے، تھوڑا انجوائے کر و یار، کیوں شایان؟'' ثانیہ نے تھوڑا زور سے شایان کو دیکھ کر کہا۔

''میں کہہ رہی ہوں ایک دو شاپس دیکھ لیتے ہیں پھر چاروں مل کر کچھ کھاتے ہیں اچھا وقت گزرے گا۔'' ثانیہ نے کہا۔

''اچھا پلان ہے، کیوں زین؟'' شایان نے مسکرا کر پوچھا پر زین نے کوئی جواب نہ دیا۔ ان لوگوں کے اٹھتے ہوئے قدموں سے لگ رہا تھا کہ تینوں ساتھ ساتھ چلنے لگے ہیں پر سارہ سے مزید برداشت نہ ہوا۔ اس سے پہلے کہ پلان پکا ہوتا وہ فوراً بول پڑی۔

''آپ لوگ چلے جائیں مجھے کچھ ضروری کام آ گیا ہے۔'' سارہ نے کہا اور یہ سن کر زین نے بمشکل اپنا غصہ اندر ہی اندر ضبط کیا۔

''کیوں سارہ ابھی تو تم میرے ساتھ بھی گھوم ہی رہی تھیں پھر اچانک کیا کام؟'' ثانیہ نے پوچھا۔

''اب تم ان لوگوں کے ساتھ گھوم لو۔ میرا جانا ضروری ہے، شکریہ پوچھنے کے لئے۔ اللہ حافظ۔'' سارہ نے کہا اور آگے بڑھ گئی۔

''سارہ......ارے سنو تو! زین کیا یہ شروع سے ہی ایسی ہے؟'' ثانیہ اسے جاتا دیکھنے لگی۔

''اب زیادہ ہو گئی ہے۔'' زین نے کہا اور شایان کی طرف جتاتی نظروں سے دیکھا جو خود حیران وہیں کھڑا رہ گیا۔

”پتہ نہیں اسے کیا مسئلہ ہے! خیر ہم تینوں چلتے ہیں۔“ ثانیہ نے رخ ان دونوں کی طرف کرلیا۔

”تم دونوں جاؤ میرا آج موڈ نہیں ہے۔“ زین نے کہا۔

”اب تمہیں کیا ہوگیا؟“ ثانیہ نے پوچھا۔

”کچھ نہیں۔“ زین نے کہا اور شایان اسے ندامت سے گھورنے لگا تھا۔

”کل یاد رکھنا لوٹوں گا تجھ کو۔“ زین پیچھے نہ ہٹا اور اس کے کان میں سرگوشی کی پھر دوسری طرف چلا گیا۔

سارہ کی حرکت نے آج پھر اس کا دل دکھا دیا تھا۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ آہستہ آہستہ اس کے دل کو سخت گرفت میں لے کر دبا رہی تھی۔ اس کا ہر بار ایسا ردعمل زین کے جذبات کو ٹھیس پہنچا رہا تھا۔ وہ خاموشی سے مال کے گیٹ کی طرف بڑھتا گیا۔ وہ کیوں ایسی ہوگئی تھی؟ اگر کوئی اور لڑکی ہوتی تو زین کبھی اپنا دھیان اس طرف نہ کرتا پر یہ تو سارہ تھی، وہ ہی سارہ جس کے ساتھ اس نے کچھ حسین پل یونیورسٹی میں بتائے تھے۔ یہ وہی تھی جو سب لوگوں کو چھوڑ کر زین پر بھروسہ کرتی تھی۔ جہاں انوشہ نے ہر چال چل کر زین کا کریکٹر خراب کرنے کی کوشش کی تھی وہیں سارہ کو اس پر پورا بھروسہ تھا۔ یہ وہی تھی جو زین کی ایک آواز سے رک جاتی تھی۔ جسے زین اپنی باتوں سے لاجواب کر دیا کرتا تھا۔ یہ وہ تھی جو اپنے دوست کی قدر کرنا جانتی تھی۔ یہ وہ تھی جو اس کے دل میں گھر کر گئی تھی، جس کے بغیر وہ پوری زندگی اکیلے رہنے کو تیار تھا۔ پر نہ جانے اب اسے کیا ہوگیا تھا۔ وہ یہ سب اور بہت کچھ سوچتے ہوئے مال سے نکلا اور گاڑی کی طرف بڑھنے لگا۔ جوں ہی اس کی نظریں جو کب سے نیچے تھیں، اوپر اٹھیں، تو مال کے ساتھ ملحقہ باغ میں وہ درخت سے ٹیک لگائے کھڑی ہوئی ملی۔ پہلے تو زین

کو شدید غصہ آیا۔ اس نے سارہ کو نظر انداز کر کے گاڑی کی طرف بڑھنا چاہا پر قدم تھے کہ اٹھے ہی نہیں۔ وہ جانتا تھا کہ اس کے پاس جا کر بھی اس کا کیا برتاؤ ہوگا پر اس بے چین دل کو کون سمجھاتا؟ قدم گاڑی کے بجائے اس کی جانب بڑھ گئے۔

رنجش ہی سہی دل ہی دکھانے کے لیے آ
آ پھر سے مجھے چھوڑ کے جانے کے لیے آ
پہلے سے مراسم نہ سہی پھر بھی کبھی تو
رسم و رہ دنیا ہی نبھانے کے لیے آ
کچھ تو مرے پندار محبت کا بھرم رکھ
تو بھی تو کبھی مجھ کو منانے کے لیے آ
کس کس کو بتائیں گے جدائی کا سبب ہم
تو مجھ سے خفا ہے تو زمانے کے لیے آ
اک عمر سے ہوں لذت گریہ سے بھی محروم
اے راحت جاں مجھ کو رلانے کے لیے آ
اب تک دل خوش فہم کو تجھ سے ہیں امیدیں
یہ آخری شمعیں بھی بجھانے کے لیے آ

وہ اپسرا جب سے دیوانہ کر گئی تھی پھر وہ خود بھی ہوش و خرد سے بیگانہ ہو گیا تھا۔ اتنی دور سے بھی زین سارہ کی سونی آنکھیں، اس کے چہرے پر تناؤ اور ویرانی دیکھ سکتا تھا۔ وہ ہاتھ باندھے کھڑی ایک ہی جگہ پر نظریں لگائے کھڑی تھی جیسے کوئی گھٹن ہو جس سے نکل نہیں پا رہی تھی یا کوئی ایسا صدمہ جو اسے اندر ہی اندر ختم کر رہا تھا۔ زین اس سے بہت کچھ پوچھنا چاہتا تھا

پر آج وہ خود اتنا اس کے رویے سے ٹوٹ گیا تھا کہ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اس سے کیا کہے۔ وہ چلتا ہوا اس کے برابر میں آ کر کھڑا ہو گیا پر سارہ محویت میں اتنی کھوئی ہوئی تھی کہ اس کی موجودگی محسوس نہ کر سکی۔

''مجھے اس بات کا تو یقین ہے کہ تم مجھ سے بھاگ رہی ہو، کیوں؟ وجہ مجھے نہیں معلوم۔''

زین کی آواز سن کر وہ ایک دم چونکی۔ وہ تناور درخت کے تنے سے ٹیک لگائے ہوئے تھے۔

''ایسا نہیں ہے جیسا تم سمجھ رہے ہو۔'' سارہ نے زین کی طرف بنا دیکھے کہا۔ وہ اتنے قریب کھڑی اس کی آنکھوں میں دیکھنے سے گھبرا رہی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ یا تو وہ ٹوٹ جائے گی یا زین حقیقت جان جائے گا جیسے وہ پہلے جان گیا تھا۔

''مجھے بیوقوف سمجھتی ہو؟ تمہارا لہجہ پھر اس پر یہ ردعمل، اسی بات کی طرف تو اشارہ کر رہے ہیں۔'' زین نے نالاں ہو کر کہا۔ دونوں کی نظریں مختلف سمت پر تھیں اور انداز دونوں کا سنجیدہ اور سخت تھا۔

''اگر تمہیں برا لگتا ہے تو پھر پیچھے کیوں آتے ہو۔ سب ختم کیوں نہیں کر دیتے؟'' سارہ نے کہا۔

''اتنا آسان ہوتا تو بہت پہلے کر گزرتا۔ لیکن تم نے کبھی میرے جذبات کو جانا ہی نہیں۔'' زین نے کہا اور سارہ کے دل میں درد کی ٹیس اٹھی۔ وہ شخص بہت پیارا اور بے حد عزیز تھا۔ اسے تکلیف دینا خود کو چوٹ دینے کے برابر تھا۔

''تکلیف ہوتی ہے مجھے سارہ۔ بہت تکلیف۔ میری اپنی ہی دوست جب میرے ساتھ ایسا سلوک کرے۔ کون سی غلطی کی سزا دی جا رہی ہے۔ کم از کم یہ تو پتہ چلے؟'' زین نے کہا۔

''تمہیں جو ٹھیک لگے سمجھ لو۔ میرے پاس ان سوالوں کا جواب نہیں۔'' سارہ نے کہا۔

"ہر سوال کا جواب ہوتا ہے سارہ۔ وہ الگ بات ہے کہ تم مجھے اس قابل نہیں سمجھتیں کہ مجھ سے اپنا مسئلہ شیئر کرو۔" زین نے کہا اور سارہ کا چہرا نصف زین کی جانب مڑا جیسے وہ ایک دم حیران ہوگئی تھی۔

"ہاں سارہ۔ یہ بات تو میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ تم مجھ سے کچھ چھپا رہی ہو، بتانا نہ بتانا تمہاری اپنی مرضی ہے۔ پر مجھے تمہیں اس بات کا احساس دلانا ہے کہ تم مجھے اس رویے سے اذیت دے رہی ہو۔" زین نے کہا۔

"تم چاہتے کیا ہو مجھ سے؟" سارہ نے پوچھا

"جاننا چاہتا ہوں کہ تم یہ سب کیوں کر رہی ہو۔" زین نے کہا اور سارہ کے تیور بدلنا شروع ہو گئے۔

"تم سچ سننا چاہتے ہو؟" سارہ نے پھولتے ہوئے چہرے سے پوچھا۔

"ہاں اگر سچ واقعی ہے تو۔" زین نے کہا۔ سارہ نے لمبا سانس لے کر پھر خود کو تیار کیا۔ بس آج سب ختم ہوا۔ جدا ہوئے راستے، بھاڑ میں گئی محبت اور دل۔ اس نے اسے بھی کچل دیا اور پوری ہمت جمع کر کے گویا ہوئی۔

"تو پھر سنو! ہاں۔ مجھے تمہارے آنے سے تکلیف ہوتی ہے، تمہاری باتیں مجھے اندر ہی اندر درد دیتی ہیں۔ جن جذبات کو تم میرے اندر کرید رہے ہو وہ ایک زمانے پہلے مر گئے تھے۔ تم مجھ سے کس بات کی امید رکھتے ہو؟" سارہ کا پارہ چڑھنے لگا۔ بڑی مشکل سے وہ آنکھوں میں آنسو روکے زین سے وہ سب کچھ کہہ رہی تھی جو اس نے کبھی تصور ہی نہیں کیا تھا۔ جہاں زبان سے ایک کے بعد ایک جھوٹ نکل رہا تھا وہیں دل اندر سے چیخ رہا تھا اور چلا چلا کر اسے سب سچ بتانے پر اکسا رہا تھا۔ پر آج آر یا پار۔ اس نے ایک بار بھی زین کی طرف نہیں

دیکھا۔اس کی نظریں اب بھی سامنے ہی تھیں لیکن لہجہ اتنا سخت تھا کہ ایک ایک لفظ جیسے تیر کی طرح زین کے دل میں پیوست ہو رہا تھا۔

''میں کسی کو کچھ نہیں دے سکتی۔ دوستی نہ یاری۔ یہ رشتے ناتے میرے لئے سب بے معنی ہیں۔ ان سب میں کچھ نہیں رکھا۔ ہم دونوں کے درمیان یہ بے نام رشتہ میں آج ہی ختم کرنا چاہتی ہوں۔ مجھے نہیں رہنا اب گھٹ گھٹ کر۔ تمہارے چاہنے والے بہت ہیں۔ جو تمہاری حمایت کرتے ہیں۔ تم اکیلے نہیں ہو۔ میں نے پہلے بھی تمہیں کہا تھا کہ آٹھ سال بہت ہیں ایک انسان کو بدلنے میں اور میں پوری طرح تبدیل ہو گئی ہوں۔ اگر مجھے معلوم ہوتا تم شکا گو میں ہو تو میں یہاں کیا امریکہ کا رخ ہی نہیں کرتی۔ زین سرور! میں تم سے ہر رشتہ حتیٰ کہ دوستی کا رشتہ بھی ختم کرتی ہوں، کیونکہ ہمارے درمیان اب وہ بات ہی نہیں رہی جو پہلے تھی۔ میرے بس میں اس وقت نہیں ورنہ میں اپنی جگہ تبدیل کر لوں۔ لہٰذا مجھ پر رحم کرو اور اب میرے راستے میں مت آنا۔ یہ ہی میرا آخری فیصلہ ہے۔ اور میں اس کے آگے کچھ سننا نہیں چاہتی۔ اللہ حافظ۔''

سارہ ایک سیکنڈ نہ رکی اور بھاگتی ہوئی گاڑی کی طرف چلی گئی۔ دل گرفتہ اور اضطرابی حالت طاری ہونے لگی تھی۔ پورا جسم آہستہ آہستہ کانپنا شروع ہو گیا تھا اور سانس پھولنے لگا تھا۔ کبھی زندگی میں بھی نہیں سوچا تھا اس نے کہ ایسا دن بھی دیکھنا پڑے گا جب اسے اپنے سب سے اچھے دوست سے اتنی بے رخی دکھانی تھی۔ زین کے سامنے تو مضبوط کھڑی رہی پر جوں ہی گاڑی میں بیٹھی آنکھوں سے آنسو رواں ہونے لگے۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی پر اپنے حواس قابو میں رکھے ہوئے تھے۔ اسے معلوم تھا کہ ذرا بھی سٹریس اس کی طبیعت برے طریقے سے بگاڑ سکتی تھی اور ابھی اسے اکیلے گھر تک کا سفر طے کرنا تھا۔

"تو تمہیں اب تک جھوٹ بولنے کا فن نہیں آیا۔ مجھے پہلے تو واقعی لگتا تھا کہ تم بدل گئی ہو پر آج احساس ہو رہا ہے تم اب بھی ویسی ہی ہو۔" زین نے بے بسی سے لمبا سانس لیا اور آنسو اندر ہی اندر پیے۔

"ٹھیک ہے سارہ۔ ایک بار پھر تمہاری یہ بات مان لیتا ہوں۔ پہلے عزت کی خاطر دور کیا تھا اور اب نہ جانے کس کی خاطر۔ پھر دو زندگیاں داؤ پر لگا رہی ہو۔ جیسا تم چاہو گی ویسا ہی کروں گا۔ کر دیا میں نے ہر راستہ الگ تم سے۔" زین نے کہا۔

☆......☆......☆

"میں نے کہا نا جاؤ۔ کیوں نہیں جا رہے۔"

"ڈرا دیتی ہو تم۔" سارہ نے اچھنبے سے ایلکس کو دیکھا تھا۔ ان نظروں میں اپنے لیے فکر وہ پہلے بھی کسی اور کی آنکھوں میں دیکھ چکی تھی پھر یہ جملہ؟ آخر اتنی مشابہت کیسے ہو سکتی تھی۔ وہ اس ننھے بچے کو بغور دیکھتی رہی اور ایلکس بھی پٹ پٹائی آنکھوں سے اسے گھورتا رہا۔

"ت......تم کمرے میں کیسے آئے؟" وہ حیرت کدے میں پوچھنے لگی تھی۔ خواب کا اثر مکمل زائل ہو گیا تھا۔

"میں نے ناب گھمایا تو لاک کھلا ہوا تھا۔ اس لیے فوراً اندر آ گیا۔" ایلکس نے کہا۔

"لگتا ہے میں لاک کرنا بھول گئی تھی۔" سارہ سوچنے لگی۔

"تمہیں کیا ایسے برے خواب آتے رہتے ہیں؟" ایلکس نے پوچھا اور وہ سرافگندہ ہو گئی۔ اس کے جھکے ہوئے سر کو ایلکس نے نرم آنکھوں سے دیکھا تھا۔

"کچھ دن پہلے بھی مجھے چیخنے کی آواز آئی تھی پر تب مجھے لگا تھا کہ وہم ہے۔ پر اب یقین آ گیا وہ تم تھیں۔ سارہ اب سے دروازے کو لاک مت کرنا۔ تمہاری حالت ٹھیک نہیں تھی۔

مجھے جب بھی تمہاری آواز آئے گی میں دوڑا چلا آؤں گا۔‘‘ سارہ نے جھٹ سے چہرا اٹھا کر اسے دیکھا تھا جو معصومیت اور سارہ کے لیے فکر لیے ہوئے تھا۔

’’مجھے اندازہ ہے برے خواب بہت ڈراؤنے ہوتے ہیں۔ میں بھی اکثر روتا ہوا اٹھا ہوں۔ پر اب میں بگ بوائے بن گیا ہوں نا تو آنٹ گریس کے پاس نہیں سوتا۔ یہ مسئلہ جب میں چھوٹا تھا تب رہا تھا۔‘‘ سارہ نے زیرِ لب اسے مسکرا کر دیکھا تھا جو فقط آٹھ سال کا بچہ تھا۔

’’تم سوئے کیوں نہیں؟‘‘ سارہ نے پوچھا۔

’’اکثر رات کو طبیعت عجیب سی ہو جاتی ہے۔ ایک دم پسینے آنے لگتے ہیں۔ جسم میں درد ہوتا ہے تو پھر نیند نہیں آتی۔ چاہے جتنی بھی کوشش کر لو تو موڈ اچھا کرنے کے لیے میں ڈیک پر چلا جاتا ہوں۔ آج بھی وہیں جا رہا تھا کہ تمہاری آواز سنی۔‘‘ ایلکس نے بتایا تو سارہ تشویشناک انداز سے اسے دیکھنے لگی تھی۔

’’ایک کام کرتے ہیں تمہیں بھی اب نیند کہاں آئے گی ہم دونوں ڈیک پر چلتے ہیں۔ چلو چلیں۔‘‘ وہ یکلخت پرجوش ہوا اور سارہ کو سوچنے کا موقع دیئے بغیر اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتا ہوا اسے ڈیک پر لے گیا۔ کانچ کی سلائڈنگ بند کر کے وہ دونوں اس سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے تھے۔ مدھم نیلگوں روشنی ہر سو پھیلی ہوئی تھی۔ نصف چاند اپنی کرنوں سے اطراف کا ماحول واضح کر رہا تھا۔ بہار کا موسم تھا اور اس وقت ہوا میں خنکی محسوس ہو سکتی تھی پر دونوں نفوس جو بے چین تھے ان کے لیے یہ ہوا کسی رحمت سے کم نہ تھی۔

’’سارہ! ایک بات پوچھوں۔ تمہیں کیا ایسے خواب آتے رہتے ہیں؟‘‘ ایلکس نے پوچھا۔

’’ہمم۔ مجھے لگا تھا کہ جگہ بدل دینے سے یہ آنا بند ہو جائیں گے پر ایسا ہوا نہیں۔‘‘ سارہ

نے کہا۔

''برے خواب تو اندرونی کیفیت ہے جسے ہم روز سوچ کر پریشان ہوتے ہیں۔ تم چاند پر بھی چلی جاتیں تو بھی یہ نہیں جان چھوڑتا تمہاری۔ میری آنٹ ریچل نہیں ہیں۔ ان کے ہسبنڈ کو بھی ایسا ہی کچھ مسئلہ تھا۔ پھر انہیں سائیکیٹرسٹ کو دکھایا۔ لمبا علاج چلا ان کا اور اب وہ بالکل ٹھیک ہیں۔ تمہارا مسئلہ بھی ڈیپریشن لگتا ہے مجھے۔ تم ہر وقت تو اداس رہتی ہو میں نے کبھی تمہیں انجوائے کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ میری مانو تو تم انہیں فوراً دکھاؤ سارہ۔ انکل بھی بہت عجیب عجیب حرکتیں کرتے تھے۔'' ایلکس نے متفکر انداز میں کہا اور سارہ ہنسنے لگی۔

''خیر میرا مسئلہ صرف برے خوابوں کا ہے۔ اس کے علاوہ عجیب حرکتیں نہیں کرتی میں۔'' سارہ نے جتایا۔

''کوئی نہیں تم بیٹھے بیٹھے کھو جاتی ہو۔ کیا تمہیں یہ نہیں معلوم؟'' وہ اس کے مشاہدے پر اکثر حیران ہو جایا کرتی تھی۔ بے حد تیز دماغ تھا اس کا۔

''تم میری چھوڑو۔ اپنی طبیعت کے بارے میں کبھی گریس کو بتایا ہے؟'' سارہ نے پوچھا۔

''ایک دو بار بتایا تھا۔ پھر ڈاکٹر سے چیک اپ کروا کر دوا بھی لی تھی۔ کچھ وقت صحیح رہا اب واپس ہو گیا ہے۔ چھوڑو نا کیا کرنا ہے۔ اپنے آپ صحیح ہو جائے گا۔'' اس نے لاپروائی سے کہا اور سارہ کی ابرو چڑھ گئیں۔

''اچھا جی؟ بالکل نہیں تمہیں اپنا علاج کروانا چاہیے۔ یہ کوئی عمر ہے گھبراہٹ ہونے کی یا جسم ٹوٹنے کی۔ تم کل ہی گریس سے بات کرنا۔'' سارہ نے ڈپٹا۔

''اور اپنے بارے میں کیا ارادہ ہے؟'' ایلکس نے تیوری چڑھا کر پوچھا۔

''میرا اتنا بڑا مسئلہ نہیں ہے۔'' سارہ نے ناک پر سے مکھی اڑائی۔

”واہ واہ۔ اپنی بات آئی تو دھیان ہی نہیں رکھ رہی ہو۔ ٹھیک ہے پھر میں بھی نہیں دکھاتا۔“ وہ روٹھ کر ہاتھ باندھے رخ موڑ گیا اور سارہ کو اس کی معصومیت پر بے حد پیار آیا۔

”اب یہ کیا بات ہوئی؟“ سارہ نے پوچھا۔

”یہ ہی بات ہوئی میں کل ہی آنٹ گریس سے پوچھ کر نمبر پتہ کرتا ہوں۔ تم ان ڈاکٹر کو دکھاؤ۔ تم علاج شروع کرو گی تو میں بھی ڈاکٹر کو دکھاؤں گا۔ تم خود کو لکی سمجھو سارہ۔ میں ہر کسی کا اتنا خیال نہیں رکھتا۔ یہ تو تم مجھے بہت اچھی لگتی ہو اس لیے اتنی ضد کر رہا ہوں۔“ وہ اس کی پشت کو فرحت سے دیکھتی ہوئی اس کی بات سن کر مزید خوش ہوئی تھی۔

”او کے بابا ڈن، اب تو ادھر دیکھو۔“ ایلکس ایک دم مسکرا کر پلٹا اور ساری کو تحیر سے دیکھتا رہا۔

”تم مجھے اتنا گھور گھور کر کیوں دیکھ رہے ہو ایلکس؟“ سارہ نے سوال کیا۔

”تمہیں معلوم ہے تم بہت پیاری ہو۔“ وہ اس کے اچانک کہنے پر الجھ گئی۔

”اس وقت چاند کی روشنی میں پری جیسی دکھتی ہو۔“ ایلکس کی بات پر وہ ایک دم ہنس پڑی تھی۔ اس کی بھوری آنکھیں اور سلکی بال چاند کی روشنی سے منور ہو رہے تھے جو ایلکس کی نظروں سے اوجھل نہیں تھے۔

”کیا اوٹ پٹانگ باتیں کر رہے ہو ایلکس۔“ سارہ کی ہنسی رک نہیں رہی تھی۔

”کیوں تمہیں کبھی کسی نے بتایا نہیں کہ تم کیسی ہو؟“ ایلکس نے پوچھا۔

”میرا نہیں خیال۔ تم شاید پہلے ہو جس نے تعریف کی ورنہ میری زندگی میں اب تک کسی نے بھی اس طرح بات......“ وہ کہتے کہتے ایک دم رکی تھی۔ کیا واقعی ایلکس وہ پہلا شخص تھا؟ تو پھر تب جب اس کے پاس پیسے کی ریل پیل نہیں تھی۔ جب پہننے اوڑھنے کے لیے بہترین لباس میسر نہیں تھے۔ جب حال سے بے حال چہرا لیے وہ یونیورسٹی جایا کرتی تھی۔ ایسی حالت

میں بھی اس ایک شخص نے اسے پرکھا تھا۔وہ سوچ کی گہرائی میں اترتی چلی گئی تھی۔

''کیا ہوا۔'' ایلکس نے چٹکی بجا کر اسے واپس بلایا۔تو وہ کنفیوز ہو کر ایلکس کو دیکھنے لگی۔

''دیکھا میں نے کہا تھا نا تم بیٹھے بیٹھے کھو جاتی ہو! کیا سوچ رہی تھیں؟''

''تمہیں معلوم ہے میں ایک بہت بڑا سا چشمہ لگایا کرتی تھی کافی زمانے پہلے۔'' سارہ نے کیفیت کو قابو کرتے ہوئے بات کا رخ پھیر دیا۔

''آئے ہائے پھر تو تم بہت ہی عجیب دکھتی ہوں گی۔ شکر اب نہیں لگاتیں۔ جینی بھی تمہارے آگے اچھی نہیں لگ رہی مجھے۔ میں جینی سے بریک اپ کرلوں گا۔'' سارہ نے اچھنبے سے اسے دیکھا اور وہ زبان دانتوں تلے لے آیا۔

''ایلکس کے بچے تم کیا کرتے پھر رہے ہو۔'' وہ ہنس پڑا اور سارہ نے اس کے کان کھینچ لیے تھے۔دونوں اپنی تکلیفیں بھلائے بیٹھے مختلف باتوں میں مشغول تھے۔

سوچ کے گھوڑوں نے رفتار پکڑ لی تھی۔اور ذہن میں گردش کرتا ہوا واقعہ چھ مہینے بعد اسی دن پر لے آیا تھا جسے وہ کوشش کر کے بھی نہیں بھول پاتی تھی۔

وہ آفس سے گھر پہنچی تو گریس کو گہری سوچ میں متفکر سا بیٹھا دیکھا۔سارہ اپنا پرس رکھتی ہوئی پہلے فریج سے پانی نکال کر پینے لگی تھی پھر گریس کو خاموش دیکھا تو اسے کچھ کچھ حیرت ہوئی۔ کیونکہ گریس معمول کی طرح روز سارہ سے اس کے دن کا حال احوال پوچھا کرتی تھیں۔

''گریس! کیا سب ٹھیک ہے؟'' گریس جو محو خیال تھی سارہ کی آواز سے سوچوں کا زور ٹوٹ گیا۔

''ہ......ہاں......تمہارا دن کیسا گزرا؟'' گریس نے پوچھا۔

’’ٹھیک گزرا۔ کیا ہوا ایلکس کے ٹیسٹ ہوئے تھے پھر۔ ڈاکٹر نے کیا کہا؟‘‘ گریس کے ہاتھوں میں کاغذات دیکھتی ہوئی اس نے گریس سے پوچھا۔ جیسے جیسے دن گزرتے جا رہے تھے ایلکس کی طبیعت میں کوئی بہتری نہیں تھی۔ اسے اچانک کچھ نا کچھ ہوتا رہا تھا۔ معمولی مرض سمجھتے ہوئے عام دوائیں یا گھریلو علاج سے کام چلا رہے تھے۔ ڈاکٹر کو دکھانے پر بھی معاملہ سامنے نہ آیا تھا۔ جب طبیعت خراب ہونے میں اضافہ ہوتا رہا تو مختلف ٹیسٹ وغیرہ اور چیک اپ ڈاکٹر نے تجویز کیے تھے۔

’’ہاں آج مل کر آئی ہوں ڈاکٹر سے۔‘‘ گریس نے کہا۔ چہرا مکمل مرجھایا ہوا تھا۔

’’تو پھر کیا ہوا؟ کیا کہا ڈاکٹر نے؟ رپورٹس کیا آئی ہیں؟ بار بار اسے پرابلم ہو جاتی ہے تو کوئی تو حل ہوگا نا؟‘‘ سارہ نے گریس کے ہاتھ سے رپورٹ لی اور پڑھنا شروع کیا۔

’’سارہ! ایلکس کو کینسر ہے۔‘‘ اور گریس کے کہتے کے ساتھ ہی وہ شاک کے جھٹکے سے دو چار ہوئی تھی۔ ہاتھ میں پکڑی رپورٹ پر سے گرفت ڈھیلی پڑی جو اڑ کر میز پر جا گری۔

’’اس کی بار بار طبیعت خراب ہونے کی وجہ یہ تھی کہ اسے بلڈ کینسر ہے۔ جواب جا کر ڈائگنوز ہوا ہے۔‘‘ وہ دم سادھے کھڑی پھٹی پھٹی آنکھوں سے گریس کو دیکھ رہی تھی۔ کانوں پر یقین کرنا محال تھا۔ کینسر؟ ایلکس کو کینسر؟ وہ بچہ جو ان چھ ماہ میں اس سے اتنا قریب ہو گیا تھا اور وہ خود اس سے بے حد پیار کیا کرتی تھی۔ گریس کرسی پر بیٹھی ہوئی میز پر نظریں ٹکائے ہوئے تھیں۔ انہیں اندازہ نہیں تھا کہ سارہ کس قیامت سے گزر رہی تھی۔ آن کی آن میں سارہ کا تنفس بگڑا، آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا۔ وہ توازن کھو بیٹھی اور جوں ہی زمین پر گری گریس جھٹکے سے اس کی طرف پلٹیں۔

’’سارہ...... سارہ...... سارہ......‘‘ سارہ کو بے سدھ زمین پر لیٹے ہوئے ان کے ہاتھ پیر

ٹھنڈے پڑنے لگے تھے۔ ایلکس جو سیڑھیاں اتر کر آرہا تھا سارہ کو دیکھ کر اس نے دوڑ لگا دی تھی۔

"سارہ......سارہ......" وہ بھی پاگلوں کی طرح سارہ کو جھنجھوڑ رہا تھا۔

"آنٹ گریس! کیا ہوا ہے؟" ایلکس نے پریشانی سے پوچھا تھا۔ پر آنٹ گریس دم بخود تھیں۔

"آپ نے سارہ کو سب بتا دیا ہے؟ آنٹ میں نے منع کیا تھا۔ مت بتانا۔ وہ حساس طبیعت رکھتی ہے برداشت نہیں کر سکتی۔ ڈاکٹر جیکب نے ہر قسم کی نیوز سے اسے دور رہنے کو کہا ہے۔" وہ چیخ پڑا تھا۔

"میں کیا کرتی۔ خود اتنی پریشان تھی۔ مجھے بھی تو فی الوقت سہارا چاہیے تھا۔ پر مجھے نہیں معلوم تھا وہ برداشت نہیں کر پائے گی۔" وہ بے بسی سے گھبراہٹ میں گویا ہوئی تھیں۔ ایلکس ایک ہی جست میں اٹھا اور شکاگو ہسپتال کا نمبر ڈائل کر دیا۔ ایلکس اور گریس کی آواز معدوم پڑی تھی اور وہ مکمل ہوش کھو بیٹھی تھی۔

☆......☆......☆

وہ لب کاٹتی ہوئی تحت لاشعور سے واپس آئی تھی۔ ان تمام ماہ وسال میں وہ کوئی بات نہیں بھول پائی تھی۔ اپنے بچپن سے لے کر جوانی تک ایک ایک منظر فلم کی طرح اس کے دماغ میں گردش کر کے اسے ڈرا دیا کرتے تھے۔ خوشیوں نے جب جب اس کی زندگی میں قدم رکھا، کایا ہر بار پلٹ گئی اور وہ مزید غم کے سمندر میں بہتی ہوئی دکھائی دی تھی۔

ان سوکھی روکھی آنکھوں میں دور دور تک نیند کے کوئی آثار نہ تھے۔ وہ بستر پر سیدھے ہاتھ کی کروٹ لیے ماضی کے کئی واقعات یاد کر رہی تھی۔ دور دور تک ان آنکھوں میں آنسو تھے اور نہ ہی کوئی چمک۔ پتلیاں جیسے ایک ہی جگہ اٹکی تھیں۔ وہ تو چاہتی بھی یہ ہی تھی کہ کب ان

آنکھوں کا پانی ختم ہو اور کب پتلیاں ہمیشہ کے لئے ایک جگہ ہی ٹھہر جائیں اور وہ اس دنیا کو خیر باد کہہ کر چلی جائے۔

"مجھے معاف کر دینا زین۔ مجھے معاف کر دینا۔ میں مجبور ہوں۔ تم میری کیفیت نہیں جانتے۔ میں تمہیں دکھ اور غم کے علاوہ کچھ نہیں دے سکتی۔ میں نے جس جس کو محبت سے دیکھا وہ مٹی ہو گیا۔ میں اس قدر بدنصیب اور بدقسمت لڑکی ہوں جو کسی کے لیے نہیں بنی۔ تف ہے مجھ پر اگر میں تمہارے ساتھ چل پڑوں۔ میری خوشیوں نے کسی کو نہیں چھوڑا۔ کاش تم سمجھ سکتے کہ تم میرے لیے کتنے اہم ہو۔ تمہیں ہر بار دھتکار کر میں نے خود کو ٹھیس پہنچائی ہے۔ تمہارا دل توڑ کر میں نے خود کو اذیت دی ہے۔ پر میں اور کیا کروں؟ مجھے معلوم ہے کہ میری موجودگی تمہارے لیے محض اندھیرا ہو جائے گی۔ میرا ساتھ تمہیں برباد کر دے گا۔ میں محبت کے لائق نہیں زین۔ یہ فاصلہ ہم دونوں کے لیے بہتر ہے۔ کچھ وقت کی تکلیف زندگی بھر کے غم سے بہتر ہے۔"

باہر سناٹا چھایا ہوا تھا۔ سب نیند کی آغوش میں تھے اور وہ پوری طرح جاگی تھی۔ جیسے تیسے بستر سے اٹھ کر وہیں بیٹھ گئی۔ بدن ٹوٹ رہا تھا۔ سر درد کی شدت میں مبتلا تھا۔ آج اس نے خود سے جنگ لڑی تھی جس میں وہ خود ہی ہار گئی تھی۔ خود کو سنبھالتے ہوئے اس نے باتھ روم کا رخ کیا تھا۔ بیسن کا نل کھول کر ہاتھوں کے پیالے میں پانی بھرا اور منہ دھو ڈالا۔ آگ جیسے جذبات پر پانی کی ٹھنڈک نے اسے سکون دیا تھا۔ پر دل جب آپے سے باہر ہوا تو آنسوؤں کا سیلاب آنکھوں سے پھوٹ پڑا۔ جسم ہلکورے لے رہا تھا۔ ہچکیاں بند ہونے کا نام نہیں لے رہی تھیں۔ وہ زار و قطار رو پڑی تھی۔ اس نے چہرا اٹھا کر آئینے میں اپنا عکس دیکھا۔ یکے بعد دیگرے اسے ہر وہ شخص نظر آیا جو اس کی زندگی میں کہیں نہ کہیں اہمیت رکھتا تھا اور پھر اس کی

زندگی سے چلا گیا تھا۔ وہ تنہا تھی۔ بالکل اکیلی۔ بغیر کسی سربراہ کے۔

"ایلکس جانتا نہیں کسے پری کہہ گیا۔ پریاں تو ہر جگہ خوشیاں بکھیرتی ہیں۔ کہانیاں تو یہ ہی بتلاتی ہیں نا۔ میں پری نہیں۔ ڈائن ہوں۔ صحیح لقب سے نوازا تھا مجھے چشمش چڑیل۔ ایک چڑیل ہی سب کی خوشیاں چوس لیتی ہے۔ انہیں ختم کر دیتی ہے۔ اور تنہا رہتی ہے۔ اسے صرف اندھیرا پسند ہوتا ہے۔ میں کیسے پری ہو سکتی ہوں۔ ایلکس حد کرتا ہے۔" وہ جذب کے عالم میں اپنے عکس سے گویا ہو رہی تھی۔

"پریاں تو خوبصورت ہوتی ہیں۔ پر ڈائن بدصورت۔ محض عمدہ اشیاء کا لبادہ اوڑھ کر میں بدل تو نہیں گئی۔ آج بھی ویسی ہی ہوں۔ جس کا تمسخر بنایا جائے۔ جس کا مذاق اڑایا جائے۔ جسے اس کی اوقات یاد دلائی جائے۔ سارہ احمد آج مالی اعتبار سے مضبوط ہے پر ہے تو پھر بھی یتیم۔ بوسیدہ علاقے کی رہنے والی۔ وہ ہی عجیب سی لڑکی ......اور جیسے تب کوئی شہزادہ اس کے لیے نہیں تھا ویسے ہی اب بھی اس کے لیے کوئی نہیں۔ سلمان جیسا وحشی انسان ہی اس کے لیے بنا تھا۔" وہ آنکھوں میں آگ لیے بغور خود کو دیکھ رہی تھی کہ یکا یک دماغ میں بنتی ہوئی تصویر اس کے عکس کے برابر رونما ہوئی۔ جوں ہی اس کی نگاہ کے سامنے خاکہ نمایاں ہوا آگ پانی بن گئی۔ اس شخص کی آنکھوں میں محبت، عزت و اپنائیت وہ اپنے لیے محسوس کر سکتی تھی۔ اس کا روم روم کہہ رہا تھا کہ سارہ نایاب تھی۔ اس کے تاثر بتا رہے تھے کہ وہ اس کے لیے کیا اہمیت رکھتی تھی۔ اچانک سارہ کا تنفس تیز ہونے لگا۔ ہوا کا دباؤ محسوس ہونے لگا۔ وہ منہ کھول کر کھینچ کھینچ کر سانس لینے لگی تھی اس عکس کو ہٹانا تھا۔ اس نے ہذیانی کیفیت میں نل کھولا اور پانی بھر بھر کر شیشے پر مارتی چلی گئی۔

"چلے جاؤ یہاں سے۔ کہا نا میں نے چلے جاؤ! مت آؤ یہاں۔ تم کیوں نہیں سمجھتے۔" وہ

چیخ کر کہہ رہی تھی۔ جب تکلیف دو چند ہوئی اس نے کمرے کا رخ کر لیا۔ بستر پر بیٹھتے ہوئے اس نے سر جھٹکنا شروع کر دیا۔ ذہن میں بسی ہوئی اس کی تصویر غائب ہی نہ ہو کر دے۔

''میں پاگل ہو جاؤں گی۔ میں پاگل ہو جاؤں گی۔'' دل کی دھڑکن بے ترتیب تھی۔ آنکھوں میں وحشت ہی وحشت پھیل رہی تھی۔ کمرے میں اندھیرا اسے ویکیوم کی طرف لے جا رہا تھا۔ اس کا دم گھٹنے لگا تھا۔

''میں جاب چھوڑ دیتی ہوں۔ ہاں...... ہاں یہ...... یہ ٹھیک ہے میں جاب چھوڑ دوں گی۔ کہیں روپوش ہو جاتی ہوں۔ وہ نہیں ڈھونڈ پائے گا۔ وہ نہیں ڈھونڈ پائے گا۔ تم کیوں نہیں سمجھتے چلے جاؤ میں دماغی مریضہ بن گئی ہوں۔ یا اللہ! اسے سمجھا اپنا راستہ جدا کر دے۔ مجھ سے دور ہو جائے۔ میں اس کے لیے بری خبر کے علاوہ کچھ نہیں۔'' وہ ہوش و خرد سے بیگانہ بڑبڑائے جا رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں بے تحاشا خوف تھا۔

''بلا لے میرے رب! نہیں رہنا مجھے یہاں۔ نہیں رہنا مجھے۔ بلا لے۔ اس زندگی کو ختم کر دے۔ میں مزید کسی کو تکلیف نہیں دینا چاہتی۔ ایک بدنصیب لڑکی کو زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں۔ میں پاگل ہو جاؤں گی یا خدا'' ہذیانی حالت میں اس کی آواز بلند ہونے لگی تھی۔ متزلزل ہوتے ہاتھوں سے اس نے دراز کھول کر ٹیبلٹ نکالی۔

''ن...... نہیں لوں گی تو سکون کیسے آئے گا؟ ڈاکٹر حبیب دوائی لینا ضروری ہو گیا ہے۔'' وہ نہیں جانتی تھی کہ کیا کر رہی ہے۔ بس اس درد سے اسے جلد آزاد ہونا تھا۔ ہاتھوں کی کپکپی نے ایک ٹیبلٹ نکالنا دشوار کر دیا تھا۔ جیسے تیسے ہتھیلی میں نکال کر اس نے دوالی اور پانی سے نگل کر خود کو سکیڑ کر بستر پر کروٹ لیے لیٹ گئی۔

''وہ مار دے گی مجھے...... وہ نہیں چھوڑے گی مجھے...... سب چلے جاؤ میری زندگی سے۔

وہ مار دے گی مجھے۔" خواب کا اثر اب حقیقی طور پر اس پر غالب ہونے لگا تھا۔ وہ بڑبڑاتی ہوئی کب نیند کی وادی میں چلی گئی اسے معلوم نہ ہوا۔

الارم کی آواز سے اس کی آنکھ کھلی تھی۔ اسے ایسا لگا تھا جیسے ساری رات کی جاگی ہوئی تھی۔ قبل رات جس حالت سے دوچار تھی کچھ نہیں بھولی تھی۔ اور اس وقت بھی سر ہلکے ہلکے چکر کاٹ رہا تھا۔ اس نے بستر سے اٹھ کر باتھ روم کا رخ کیا تو یہ چند قدم نے اندرونی نقاہت کی نشان دہی کر دی۔ وہ فریش ہو کر وضو کر کے نکل آئی اور مصلا بچھا کر فجر کی نماز ادا کرنے لگی تھی۔ کمرے میں گھپ اندھیرا تھا۔ حتیٰ کہ پورا گھر ہی گہری سیاہی میں ڈوبا ہوا تھا۔ سڑک پر جلتی ہوئی لائٹ پول کی مدھم روشنی نے برائے نام کمرے کو واضح کیا تھا۔ وہ نماز پڑھ کر اٹھی۔ مصلا جگہ پر رکھا۔ پھر واک ان کلازٹ میں جا کر آفس کے لیے تیار ہونے لگی تھی۔ دروازہ کھلتے کے ساتھ ہی پُر اعتماد اور اکھڑ مزاج سارہ نے کمرے میں قدم رکھا تھا۔ وہ پوری شان سے گردن اٹھا کر ڈریسنگ کے سامنے کھڑی ہوئی۔ تو آج پھر اس نے خود کو تہہ در تہہ چھپا دیا تھا۔ آئینے کے سامنے کھڑی ہوئی اس سارہ کو دیکھ کر کوئی گمان نہیں کر سکتا تھا کہ وہ اور قبل رات والی سارہ ایک ہیں۔ البتہ دل کا حال تو صرف اللہ ہی جانتا تھا۔

تازہ تازہ پھوٹتی ہوئی شفق کی نارنجی کرنوں نے صبح کی نوید سنائی تھی۔ پر بے رنگ سی حیات لی ہوئی سارہ نے ان رنگوں پر غور کرنا چھوڑ دیا تھا۔ وہ خاموشی سے کئی سوچوں میں گم کچن میں آئی اور اپنے لئے ناشتہ بنانے لگی۔ کوفی میکر سے کوفی تیار کر کے اور ایک دو سلائس پر مکھن لگا کر وہ ڈائننگ ٹیبل کی کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی اور مناسب رفتار سے ناشتہ کرنے لگی۔ خوراک پہلے سے کم ہوگئی تھی جس وجہ سے وہ مزید کمزور دکھتی تھی پر پہناوا ایسا تھا کہ سوائے ہتھیلیوں اور پیوروں کے سب لباس میں چھپا ہوتا اور ڈھیلے لباس سے کوئی بھی اس کی کمزوری کا اندازہ نہ لگا سکتا تھا۔

اس نے ناشتہ کر کے برتن دھو دیئے تھے اور آفس جانے کے لیے ادھوری تیاری مکمل کرنے لگی۔ نیچے بلیک ڈریس پینٹ اور گھٹنوں تک آتی ہوئی کاٹن کی ہلکے نیلے رنگ کا ٹاپ۔ آستینیں معمول کی طرح کلائی تک تھیں۔ اس نے کالے رنگ کا بڑا اسٹرول لیا اور پہلے اسے عام دوپٹے کی طرح اوڑھا پھر آخری کے دونوں سرے پیچھے سے آگے لے کر آئی۔ بال سمٹے ہوئے اونچی پونی میں مقید تھے۔ ایک ہاتھ میں نفیس گھڑی پہنی ہوئی تھی اور دوسرے ہاتھ میں ایک عدد شائکش بریسلٹ۔ چہرا سپاٹ اور سنجیدہ تھا۔ خود بخود جیسے اس میں ہمت آگئی تھی۔ جسم کا درد محسوس ہوا اور نہ ہی کوئی تھکاوٹ۔ وہ گھر کے مین دروازے کی طرف آئی۔ دو تین جوتوں میں سے آج اس نے سیاہ سینڈل کا انتخاب کیا۔ کندھے پر پرس لٹکایا پھر گاڑی کی چابی ہاتھ میں لیتی ہوئی گھر سے نکل گئی۔ گھر کا دروازہ لاک کیا اور معمولات زندگی کی طرف بڑھ گئی۔

☆......☆......☆

موسم بہار بازو وا کرتا ہوا موسم گرما کو خیر مقدم کر رہا تھا۔ حدِ نگاہ تک ہریالی ہی ہریالی پھیلی ہوئی تھی۔ اونچے تناور درختوں پر ہرے بھرے پتے بیل بوٹے ہوا کی لے میں لہراتے نظر آتے تھے۔ شکاگو جہاں ایک مصروف زندگی لیے ہوئے تھا وہیں لوگوں کو اپنی خوبصورتی سے لطف اندوز اور مبہوت کرنا نہیں بھولتا تھا۔ یہ اپنے باغات اور ہریالی کی وجہ سے مقبولیت رکھتا تھا۔ ہرے بھرے درختوں میں رنگ برنگے پھولوں نے ڈیرا جما لیا تھا۔ قدم قدم پر چھوٹے بڑے باغات نظر آتے تھے۔ اور یہ شادابی لیا ہوا موسم ہر چہرے پر مسکراہٹ لے آتا تھا۔

کئی دن گزر گئے تھے۔ سارہ اور زین کی ملاقات ہوئی تھی نہ ہی فون پر رابطہ ہوا تھا۔ شایان نے بھی زین سے پھر کوئی ذکر نہ کیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ سارہ کا نام ہی اس کے زخم کو تازہ کر دیا کرتا تھا۔ زین کا پراجیکٹ بھی زور و شور کے ساتھ چل رہا تھا۔ پراڈکٹ مکمل ہو گیا تھا اور

ٹرائل کے لیے چلا گیا تھا۔ اب اس کی ایڈ کی تیاریاں عروج پر تھیں۔ کام کے باعث اور شاید سارہ سے پھر مڈ بھیڑ سے بچنے کے لیے وہ گھر اور آفس تک مقید ہو گیا تھا۔ اس کے علاوہ اس نے کہیں بھی فی الوقت جانے سے گریز کیا تھا۔ پر اس سے ہوا یہ کہ اس کی طبیعت پر گہرا اثر پڑنے لگا تھا جو شایان کی نظروں سے اوجھل نہیں تھا۔ وہ کام سے کام رکھنے لگا تھا اور دوٹوک بات کر کے گفتگو ختم کر دیتا تھا جو شایان کی برداشت سے باہر ہو رہا تھا۔ لہٰذا ہفتے کے دن جب آفس سے آف تھا تو شایان بلا تاخیر کیے اسے زبردستی اپنے اور ثانیہ کے ساتھ باہر لے گیا۔ وہ کتنے دن سے گھر سے نکلا نہیں تھا۔ بس آفس سے گھر تو گھر سے آفس۔ کام میں اتنا الجھ گیا تھا کہ اس کے علاوہ اور کچھ نہ کرتا تھا۔

"یار! مجھے ابھی ڈھیروں کام ہیں شایان۔ مجھے ویک انڈ پر کئی ٹارگٹ مکمل کرنے ہیں۔"

وہ گاڑی میں بیٹھتا ہوا کہنے لگا پر شایان نے ایک نہ سنی۔

"کچھ دور ہی جائیں گے یار۔ تیرا موڈ بحال ہوگا۔ کام کر لینا بعد میں۔" شایان نے ایک نہ سنی۔ پروگرام ثانیہ اور شایان نے بنایا تھا جو یہ تھا کہ بس کسی قریبی ہوٹل سے لنچ کر کے پھر یا تو کوئی اچھی سی مووی دیکھتے یا کہیں ٹورسٹ سپاٹ پر چلے جاتے۔ وہ تینوں پہلے بھی ان گنت بار ایسا کر گزرے تھے پر جب سے شایان اور ثانیہ کی شادی ہوئی تھی زین ان کے بیچ آنے سے ہچکچاتا تھا جبکہ شایان اور ثانیہ کو فرق نہیں پڑتا تھا۔ وہ لوگ زین کے گھر سے قریب ایک ہوٹل کی طرف چلے گئے جہاں مختلف قسم کے تازہ سلاد اور سینڈوچز ملتے تھے۔ ہوٹل کے اندر باہر دونوں طرف بیٹھنے کا انتظام تھا۔ چونکہ یہ جگہ خاصی مشہور تھی تو آج ہفتے کے دن یہاں ٹھیک ٹھاک رش لگا تھا۔

وہ تینوں مختلف باتیں کرتے ہوئے ایک میز کی طرف چلے گئے۔ ویٹر نے آرڈر لیا اور

چلا گیا۔ شایان اور ثانیہ تو باتوں میں لگے رہے پر وہ کام کی وجہ سے تھکا تھکا لگ رہا تھا لہٰذا صرف ان کی باتیں سنتا رہا اور موبائل استعمال کرتا رہا۔

''اور زین تمہارا پراڈکٹ پھر کب لانچ ہو رہا ہے؟'' ثانیہ نے پوچھا۔ وہ اور شایان ایک طرف کرسی کر کے بیٹھے تھے جبکہ زین ان کے مقابل تھا۔

''بس مارکیٹ میں جا رہا ہے ایک دو دن میں ایڈ بھی نشر ہو جائے گا پھر دیکھتے ہیں۔ اگر تم لوگ مجھے یہاں زبردستی نہیں لاتے تو میں اپنے ایک دو کام ہی نپٹا لیتا۔ چند سٹور میں جا کر اس کی ڈسٹری بیوشن دیکھنی تھی مجھے پر تم لوگوں کو کون سمجھائے۔'' زین نے کہا اور ثانیہ کا منہ پھول گیا۔

''دیکھو ذرا اس احسان فراموش کو۔ ایک تو تمہیں ہم نے کاموں کے کنویں سے نکالا تا کہ تمہاری طبیعت فریش ہو جائے اور تم الٹا ہمیں ہی دوشی ٹھہرا رہے ہو۔'' ثانیہ نے تنگ کر کہا۔

''واقعی زین۔ اپنی حالت تو دیکھ۔ تجھے ضرورت بھی تھی باہر نکل کر فریش ہونے کی۔'' شایان نے کہا۔ ان دونوں کی بات پر وہ نصف سر اٹھا کر انہیں دیکھ کر مسکرا دیا پر یہ اٹھی ہوئی آنکھیں واپس نہ جھکیں۔ وہ ثانیہ کے عقب میں دوسری ٹیبل پر آنکھیں جمائے ہوئے تھا جہاں وہ ابھی ابھی کرسی پر بیٹھنے لگی تھی۔ میز پر چند کاغذات نظر آ رہے تھے اور ساتھ ہی ایک پلیٹ موجود تھی جس میں ویجی ٹیبل سینڈوچ رکھا تھا۔ یوں لگ رہا تھا کہ وہ کافی پہلے سے یہاں آئی ہوئی تھی اور کسی کام سے باہر گئی تھی تب ہی شایان اور ثانیہ کی نظر نہ پڑی۔ رہی زین کی بات تو وہ مسلسل موبائل کی اسکرین پر سر جھکائے ہوئے تھا۔ نگاہ تو اب اٹھی تھی۔

سارہ کی نظریں فی الوقت تو نیچے ہی تھیں پر جیسے ہی وہ کرسی پر بیٹھی خود بخود اس کی اپنے اطراف نظریں گھومیں اور زین سے جا ٹکرائیں جو اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ چند دن بعد وہ پھر ایک

دوسرے کو مل گئے تھے پر زین نے شا کی نظریں اس پر ڈال کر واپس اپنے موبائل کی اسکرین پر نگاہیں جھکالیں۔ خیر وہ اسی ردعمل کی توقع کر رہی تھی کیونکہ اگر یہ کام وہ نہ کرتا تو سارہ کر دیتی۔ فوری طور پر جگہ بدل دینا مناسب نہیں تھا اور جو اپارٹمنٹ حالیہ اس نے لیا تھا وہاں سے پھر جگہ بدلنا بھی ناممکن تھا لہٰذا اسے اب ایسے ہی یہ وقت گزارنا تھا۔ وہ کہیں مل بھی جائے تو محض ایک اجنبی سے کم نہ لگے۔ وہ اسی کے ساتھ خود کو نارمل کرنا چاہتی تھی اور اس معاملے کو سر پر سوار کرنے سے گریز کر رہی تھی ورنہ اس کی حساس طبیعت بگڑتے دیر نہیں لگتی۔ سارہ نے تمام دھیان کام کی جانب مرکوز کرلیا۔ اب زین دور ہو یا پاس اسے فرق نہیں پڑتا تھا۔

یہ ہی فیصلہ تو زین نے بھی کیا تھا پر بے چین پڑتے دل کو کون سمجھائے۔ وہ بظاہر تو موبائل اسکرین کو دیکھ رہا تھا پر سارہ کی ایک ایک حرکت کو دزدیدہ نگاہوں سے نوٹ کرتا جا رہا تھا۔ ٹھیک ہے فاصلے کرنے پر وہ مجبوراً آمادہ ہوا تھا پر دل و دماغ سے کبھی قبول تو نہیں کیا تھا۔ اب اگر بے اختیاری میں نگاہ کا بار بار اٹھنا تھا تو وہ اس حوالے سے کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ پھر یہ بھی کہ محبوب کو آنکھوں میں بسانے سے تو منع نہیں کیا تھا نا۔ لہٰذا آج کئی دن بعد جب اسے سارہ دکھی تو وہ کن انکھیوں سے ہی سہی پر اسے نگاہِ التفات سے دل میں اتار رہا تھا۔ سارہ نے اسے دور رہنے کا کہا تھا جو وہ کر رہا تھا پر عادت سے مجبور وہ اس سے کیسے ناواقف ہو کر اپنے کام سے کام رکھتا؟

"یار! آرڈر آنے میں دیر ہے میں ابھی آتی ہوں۔" ثانیہ واش روم کا ایکسکیوز کہہ کر چلی گئی جبکہ وہ اور شایان بیٹھے رہے۔ شایان نے زین سے کچھ بات نہ کی۔ اس کے سخت ہوتے ہوئے تیور وہ دیکھ تو رہا تھا پر وجہ کیا تھی یہ نہیں جانتا تھا۔ اچانک سے اس کا فون بجنا شروع ہوا۔ شایان نے کال ریسیو کی اور وہیں بات کرنی چاہی پر دوسری طرف آواز صاف نہ تھی۔

''یار! پاکستان سے فون ہے میں باہر جا کر بات کرتا ہوں۔'' شایان نے کہا اور زین نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اب ان کے درمیان سوائے دو میز اور کرسیوں کے کوئی نہ تھا۔ سارہ اپنے کام میں مصروف رہی۔ وہ سنجیدہ سپاٹ سا تاثر لیے یوں ظاہر کر رہی تھی کہ اب جیسے اس کے ہونے یا نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں تھا۔ وہ بھی دوسروں کے جیسے اس کے لئے اجنبی بن گیا تھا۔ تھوڑی دیر ہوئی کہ ثانیہ واپس آگئی اور شایان کو غیر حاضر پا کر اس نے زین سے پوچھا۔ زین کے بتانے پر ثانیہ یہ سوچ کر کہ پاکستان سے کس کا فون ہوگا، باہر شایان کو دیکھنے چلی گئی۔ اسے اندازہ نہ تھا کہ سارہ اس کے پیچھے ایک میز چھوڑ کر بیٹھی ہوئی تھی۔ دوسری طرف شایان کے پاس پاکستان سے اس کی خالہ کا فون تھا جو خیر خیریت معلوم کر رہی تھیں۔ انہیں شایان کے ساتھ ساتھ ثانیہ سے بھی بات کرنی تھی۔ ثانیہ شایان کے پاس آئی تو اس نے موبائل ثانیہ کو دے دیا اور بات کرنے کو کہا پھر خود بھی وہیں کھڑا رہا۔

یہاں اندران دونوں نے سر اٹھا کر ایک دوسرے کو نہ دیکھا۔ سارہ کا موبائل بجنا شروع ہوا جس کی آواز زین با آسانی سن سکتا تھا۔ وہ یوں تو نظریں نیچے کیے ہوئے تھا پر کان اس کی طرف متوجہ تھے۔ چاہے خود جا کر بات نہ کرے پر آج اس کی آواز بھی سن لے گا تو دل کو تسکین مل جائے گی۔

''ہیلو! لیس گریس کیسی ہیں آپ؟'' سارہ نے کہا۔ دوسری طرف سے ایسی خبر اس کی سماعت سے ٹکرائی کہ سارہ ایک دم کرسی سے اٹھی۔ زین کے ساتھ آس پاس بیٹھے ہوئے ایک دو اور لوگوں نے اس کو نوٹس کیا تھا۔

''آپ یہ کیا کہہ رہی ہیں؟'' سارہ کے چہرے پر بدلتے ہوئے تاثر نے زین کو بھی الجھایا۔ وہ بھی بے اختیاری میں اپنی کرسی سے اٹھ گیا۔ بات چونکہ انگریزی میں ہو رہی تھی تو

آس پاس ایک دو انگریز بھی اسے سن رہے تھے اور سمجھ رہے تھے۔

''ہاں سارہ۔ جلدی ہسپتال پہنچو، ایلکس کی طبیعت بہت خراب ہے اور وہ مستقل تمہارا نام پکار رہا ہے۔'' سارہ کے ہاتھ سے موبائل میز پر جا گرا۔ وہ پل بھر میں شاک کے عالم میں لب کاٹنے لگی تھی۔ پھر آؤ دیکھا نہ تاؤ اور فوراً تمام کاغذات پرس میں ٹھوستی ہوئی موبائل کو پرس میں ٹھونسا۔ والٹ سے چند نوٹ نکال کر میز پر پھینکے اور پرس سنبھالتی ہوئی پریشان حال سی گیٹ کی طرف بھاگی۔ زین جو اس کے لئے فکر مند ہو گیا تھا فوراً اس سے تیز رفتاری سے گیٹ کے باہر نکلا اور سارہ کے راستے میں حائل ہوا۔ وہ زین کو سامنے اچانک دیکھ کر رک گئی تھی۔ یہ چند لمحے تھے جب اس کا چہرا آنسوؤں سے تر ہو گیا تھا۔ شکل پر ہوائیاں ہی ہوائیاں اڑی ہوئی تھیں۔

''سارہ! کیا ہوا ہے تمہیں، سب ٹھیک تو ہے؟'' زین نے متفکر انداز میں پوچھا۔

''زین! ایلکس......اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے، مجھے فوراً ہسپتال پہنچنا ہے۔'' اس وقت کیا اکڑ اور ناراضی۔ اس نے فوراً زین کے سوال کا جواب دیا اور آگے بڑھی۔ یہ خبر زین کو بھی شاک میں لے آئی تھی پر اس کے حواس قابو میں تھے۔ وہ پھر سارہ کا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔

''سارہ! ریلیکس ہو جاؤ۔ تمہاری حالت بگڑ رہی ہے۔'' اس کا متزلزل ہوتا وجود زین کی نظروں سے اوجھل نہ تھا۔ پر سارہ کی کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔

کئی اندیشے اسے اپنی لپیٹ میں لیتے ہوئے اس کی حالت خراب کرنے لگے تھے۔

''مجھے جانے دو زین۔'' وہ ایک دم چیخی پر زین کو شدید غصہ آیا اور اس نے کڑک لہجے میں آواز بلند کی۔

''سارہ! تم ڈرائیو نہیں کر پاؤ گی، اپنی حالت دیکھو۔'' یہ سن کر سارہ ایک دم سہم گئی۔ آج بھی اس کے اشتعال سے خوف آجاتا تھا۔ وہ جب غصے کی حالت میں ہوتا تو شیر کی مانند

دھاڑتا تھا۔ زین کی آنکھوں میں اتنی سختی تھی کہ وہ ایک قدم آگے نہ بڑھی۔ ایلکس کے پاس پہنچنے سے زیادہ سارہ کو سنبھالنا ضروری تھا۔ زین نے تھوڑی ہی دور کھڑے شایان کو آواز لگائی جو سن کر پیچھے مڑا تھا۔ ثانیہ نے بھی اس طرف رخ کیا تھا کیونکہ زین کی آواز بلند تھی۔ شایان نے جب زین اور سارہ کو ساتھ دیکھا تو بھاگتا ہوا ان کے پاس آگیا۔

''کیا ہوا زین۔'' وہ دونوں کو ساتھ دیکھ کر گھبرا گیا تھا۔ ثانیہ بھی سارہ کو دیکھتی ہوئی آگے آئی۔

''شایان! ہمیں فوراً کینسر ہسپتال جانا ہے، میں سارہ کو لے کر اس کی گاڑی میں جا رہا ہوں پر ثانیہ مجھے تمہاری ضرورت ہے۔'' زین نے برجستہ کہا۔

''ہسپتال؟'' ثانیہ سارہ کو یوں دیکھ کر پریشان ہونے لگی۔

''سارہ کیا ہوا ہے، سب ٹھیک تو ہے؟'' ثانیہ نے ایک دم پوچھا۔

''ثانیہ! ایلکس۔ اسے میری ضرورت ہے، اس کی طبیعت ٹھیک نہیں پلیز مجھے جانا ہے۔'' سارہ کہتی ہوئی آگے بڑھنے لگی تھی کہ زین نے طیش میں آکر اسے بازو سے تھام کر گرفت کو مضبوط کرلیا۔ اس وقت لحاظ و مروت ایک طرف۔ وہ سارہ کو کسی نقصان میں نہیں دیکھ سکتا تھا۔

''رکو، میں نے کہا نا۔'' وہ مشتعل سا شعلہ بار آنکھوں سے کہہ اٹھا اور سارہ جو تر بتر ہو رہی تھی لب کاٹتی رہ گئی۔

''ابھی سب چھوڑو زین، میں گاڑی لے کر آتا ہوں سب ساتھ اسی میں جاتے ہیں۔'' شایان گاڑی کی طرف تیز رفتاری سے بھاگتا ہوا گیا۔ اسے معلوم تھا کہ سارہ کی یہ حالت دیکھ کر زین بھی پریشان ہو رہا تھا۔ جیسے ہی گاڑی ان کے سامنے رکی سارہ اور ثانیہ پیچھے بیٹھ گئے جبکہ زین آگے بیٹھ کر مسلسل اسے پیچھے دیکھ رہا تھا۔ وہ سارہ جو ہر وقت ایک سپاٹ اور سنجیدہ چہرا

لیے رہا کرتی تھی آج اچانک اسے اتنی بدلی بدلی سی لگی کہ وہ خود بھی کچھ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ شایان نے تیز گاڑی بھگاتے ہوئے ہائی وے پر ڈال دی۔ سارہ کا ٹینشن کے مارے ہلکا ہلکا سانس پھولنے لگا تھا۔ اس کے ہاتھ مسلسل کانپ رہے تھے جنہیں ثانیہ نے تھاما اور اسے تسلی دی کہ سب ٹھیک ہوگا۔

شایان جہاں سارہ کو دیکھ کر فکر مند تھا تو وہیں زین کو لے کر بھی وہ مزید پریشان ہونے لگا تھا۔ ان تینوں کے لئے سارہ کی یوں حالت دیکھنا نیا تھا۔ جیسے ہی وہ لوگ ہسپتال کے گیٹ پر پہنچے گاڑی رکنے سے پہلے ہی سارہ نے دروازہ کھولا اور اندھا دھند بھاگتی ہوئی اندر چلی گئی۔ شایان جو اس افتاد کے لیے تیار نہیں تھا چیخ پڑا کیونکہ گاڑی کی رفتار ایسی نہیں تھی جس سے اترا جا سکے۔ یہ دیکھتے ہی دیکھتے زین بھی ایک پل نہ رکا اور دروازہ وا کرتا ہوا سارہ کے پیچھے بھاگا تھا۔ وہ جہاں شدید مشتعل تھا وہیں اسے خوف تھا کہ سارہ کہیں انجانے میں اپنا نقصان نہ کر بیٹھے۔ سارہ بھاگتی ہوئی لفٹ کی طرف گئی تھی اور ایک بٹن دبا دیا تھا۔ زین جو اس کے پاس ابھی ابھی پہنچا تھا طیش سے سارہ کو گھورنے لگا تھا۔ اسے سارہ کی ان حرکتوں پر شدید غصہ آ رہا تھا۔

''تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے۔ اپنی حالت دیکھو سارہ۔ گاڑی سے کوئی ایسے اتر کر بھاگتا ہے۔'' زین نے سخت لہجے میں کہا پر سارہ کو اس وقت کچھ سنائی نہ دے رہا تھا۔ جیسے ہی لفٹ آئی وہ دونوں اندر داخل ہوئے اور سارہ نے بٹن دبا دیا۔

''سارہ! ریلیکس ہو کچھ نہیں ہوا ہوگا اسے۔ تمہاری خود کی حالت بگڑ رہی ہے۔'' زین نے تھوڑی رسانیت ظاہر کی پھر بھی کوئی فائدہ نہ ہوا۔ وہ وہاں موجود تو تھی پر دماغ مکمل طور پر الجھا ہوا تھا۔ لفٹ کا دروازہ کھلا اور وہ دونوں بھاگتے ہوئے ایمرجنسی وارڈ کی طرف بڑھ گئے۔ وہ دروازے سے داخل ہونے ہی لگی تھی کہ گریس باہر نکلیں اور سارہ کو سامنے دیکھ کر پھوٹ

پھوٹ کر رونے لگیں۔

''گریس کہاں ہے وہ؟ لے کر چلیں مجھے اس کے پاس۔'' سارہ نے ان کے کندھے پکڑ کر زور سے جھٹکے پر وہ اتنی نڈھال تھیں کہ سارہ کو ڈر لگنے لگا۔ وہ انہیں چھوڑ کر آگے بڑھنے ہی لگی تھی کہ گریس نے اسے بازو سے تھام کر روکا۔

"He is gone... he is no more."

پھر کیسا محسوس ہوتا ہے جب پیروں تلے زمین کھسک جائے اور سر پر آسمان گر پڑے۔ وہ شاک کے عالم میں گریس کو دیکھتی ہوئی پیچھے ہٹی تھی۔ یہ سن کر زین بھی ہکا بکا رہ گیا تھا۔ ثانیہ اور شایان بھی اس فلور پر پہنچ گئے تھے۔

''وہ تمہیں بہت بلا رہا تھا۔ صرف تمہارا نام لے رہا تھا۔ سارہ! ہم نے ایلکس کو کھو دیا۔'' گریس سارہ کی حالت سے بے خبر گلوگیر لہجے میں کہہ رہی تھیں اور سارہ یہ سنتے کے ساتھ ہی دم بخود رہ گئی۔ یقین کرنا ناممکن تھا۔ وہ بیمار تھا پر ایسا کہ چھوڑ کر چلا جائے گا؟ سارہ کی کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ وہ ناقابل یقین حالت میں چند قدم پیچھے ہوئی تھی۔ یکلخت اس کے دماغ میں کئی مناظر نمایاں ہونے لگے تھے۔

''امی! انکل! امی کو اٹھائیں نا۔'' ایک ننھی بچی کی چیختی ہوئی دل خراش چیخیں اس کے کانوں میں گونج رہی تھیں۔

''فاروق اور زینت بھابھی جائے وقوع پر فوت ہو گئے۔'' وہ آنکھوں میں منوں وحشت لیے گردن نفی میں ہلاتی ہوئی پیچھے قدم بڑھا رہی تھی۔

''ہیلو! میرا نام ایلکس ہے پر تم مجھے ایل یا ایکس بلا سکتی ہو۔''

''سارہ! تم نہیں آ ؤ گی۔ تم وعدہ کرتی ہو پر نہیں آتیں۔'' وہ پل بھر کے لیے اطراف میں

دیکھنے لگی تھی۔

”میں آ گئی ایلکس۔ میں آ گئی۔“ اسے خود پر قابو نہ رہا تھا۔ توازن بگڑا اور وہ چکرانے لگی تھی کہ پیچھے دیوار پر ہاتھ رکھ کر سنبھل گئی۔ یہ دیکھتے ہی زین نے اس کے پاس قدم بڑھائے۔ گریس خود حواس باختہ ایلکس کے غم سے نڈھال کھڑی تھیں۔ انہیں اندازہ نہیں ہو رہا تھا کہ سارہ کس کیفیت سے گزر رہی تھی۔

”سارہ! تم ٹھیک ہو؟“ زین نے فکرمندی میں سارہ سے پوچھا اور وہ جو ہزاروں خیالات میں مکمل گم تھی زین کو اپنے پاس پا کر خوف سے اس کی آنکھیں وا ہوئیں۔

”دیکھ لیا تم نے۔ تمہارے لئے محبت نہیں ہے سارہ۔ ہر فرد تم سے دور ہوا ہے۔ اب کیا اس کی بھی جان لو گی۔ تم کیا کسی کو خوشی دو گی۔ میری بات مانو تو ابھی خود کو ختم کر دو۔“ اور منفی خیالات کی بھیانک شکل لیے ہوئے لڑکی نے سارہ کے اندر سے اسے جھنجھوڑ ڈالا تھا۔ اسے سامنے کھڑے زین کے لیے آن کی آن میں خوف محسوس ہوا۔ زین کو اپنے پاس پا کر وہ اسے پھٹی پھٹی نگاہوں سے دیکھنے لگی تھی۔ اسے احساس ہو رہا تھا جیسے وہ کسی نقصان میں آ جائے گا۔ جیسے وہ اس کے قریب آ کر اس سے ہی دور ہو جائے گا۔ یہ کیفیت برداشت سے باہر تھی۔ سارہ نے پوری قوت سے زین کو پیچھے کی طرف دھکیلا جو شاک کے عالم میں دو تین قدم پیچھے ہوا تھا۔ وہ اس افتاد کے لیے بالکل تیار نہ تھا۔ یہ دیکھ کر شایان اور ثانیہ بھی تحیر سے آگے بڑھے تھے۔ سارہ کے برتاؤ سے سب دنگ رہ گئے تھے۔

”چلے کیوں نہیں جاتے یہاں سے! تم سمجھتے کیوں نہیں ہو۔“ سارہ روہانسی آواز میں اتنے زور سے چلائی کہ پورے کوریڈور میں اس کی آواز گونجی تھی۔ زین اسے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہا تھا۔ شایان اور ثانیہ بھی گھبرا اٹھے تھے۔ گریس بھی سارہ کی آواز سن کر اپنا غم بھلا بیٹھی

تھیں۔ وہ اس کے پاس بڑھیں اور اس کا ہاتھ تھاما۔

”وہ کیسے جا سکتا ہے مجھے چھوڑ کر۔ اس نے کہا تھا وہ ٹھیک ہو رہا ہے۔“ وہ بلک بلک کر رو پڑی تھی۔ پورا جسم بری طرح کانپ رہا تھا۔

”سارہ! ڈاکٹر نے پہلے ہی آگاہ کر دیا تھا کہ ایلکس کے پاس چند دن ہیں۔ میں نے اس سے کہا تھا کہ میں تمہیں اس بات سے مطلع کر دوں پر ایلکس نے تمہارا سوچ کر مجھے سختی سے لب پیوست رکھنے کی تاکید کی تھی۔ دن بہ دن اس کی طبیعت بگڑ رہی تھی۔ اسے جانا تھا۔“ اس انکشاف پر وہ ایک دم دہل گئی۔ وہ ننھا بچہ اس کے خیال میں اپنی زندگی کا آخری صفحہ اس سے چھپا گیا۔ سارہ بے دست و پا سی پیچھے ہٹی۔ اچانک سر میں ایسا درد شروع ہوا جو برداشت سے باہر تھا۔ اس نے دونوں ہاتوں سے اپنا سر پکڑا اور یہ دیکھ کر زین بنا کچھ سوچے اس کے پاس پھر آگے بڑھا۔ وہ اسے سہارا دینا چاہتا تھا پر زین کو قریب آتا دیکھ کر سارہ کا خوف دو چند ہوا۔ اس نے فوراً دو قدم پیچھے کیے اور زین پھر اس کے ردعمل کو سمجھ نہیں پایا۔ آخر وہ اس سے دور کیوں بھاگ رہی تھی؟ سارہ ناسمجھی سی کیفیت میں کوریڈور کی طرف بڑھ گئی۔ زین سمیت سب نے اسے جاتے دیکھا تھا۔ پر وہ چند قدم ہی اٹھا سکی تھی کہ اس کی آنکھوں کے آگے گہرا اندھیرا چھایا اور وہ زمین پر جا گری۔

”سارہ!“ وہ بھاگتا ہوا اس کے پاس آیا۔ پیچھے پیچھے ثانیہ اور گریس بھی بھاگتے ہوئے آئے۔

”سارہ!“ زین نے اسے بازوؤں سے پکڑ کر جھنجھوڑ ڈالا پر وہ دم سادھے تھی۔ وہ زور زور سے اسے چیخ چیخ کر پکار رہا تھا پر سارہ کے پاس سے کوئی حرکت نہ ہوئی۔

”شایان! فوراً ڈاکٹر کو بلاؤ۔“ زین نے شایان سے کہا جو خود شاک میں تھا اور زین کی

آواز سن کر وہ امرجنسی وارڈ میں چلا گیا۔
''ثانیہ! یہ اٹھ نہیں رہی۔'' ثانیہ جو مسلسل سارہ کی ہتھیلی سہلا رہی تھی خود بھی حواس باختہ ہو رہی تھی۔ زین کی پراگندہ آواز سے اس کے اوسان بھی مختل ہو رہے تھے۔ ثانیہ کبھی اس کا ہاتھ پکڑے تو کبھی اس کے چہرے پر تھپتھپائے۔ زین حواس باختہ سا بے ہوش سارہ کو بغور دیکھے جا رہا تھا۔
''سارہ! تم میرے ساتھ ایسا نہیں کر سکتی ہو۔'' وہ جذبات سے پھٹ پڑا تھا اور یہ سنتے کے ساتھ ہی ثانیہ نے تذبذب سے زین کو دیکھا۔
''اوہ نو۔ یہ میں نے کیا کر دیا۔'' گریس کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔ وہ بھی ثانیہ کے ساتھ سارہ کو اٹھانے کی کوشش میں تھیں۔
''سارہ کو ڈاکٹر نے ہر قسم کی ٹینشن سے دور رہنے کا کہا تھا اور میں نے اچانک اسے یوں خبر بتا کر اس کی صحت پر برا اثر ڈال دیا۔'' گریس اپنی بے ساختگی پر سر پیٹ کر رہ گئی تھیں اور زین انہیں تحیر سا سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا تھا۔ میل اسٹاف اسٹریچر لے آیا اور سارہ کو لٹا کر اسے فوری طور پر ایمرجنسی میں لے گئے تھے۔ زین وہیں دروازے کے باہر ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔ شایان بھی اس کے ساتھ کھڑا رہا اور ثانیہ ان سے ایک فاصلے پر موجود اس پورے واقعے کو سوچ سوچ کر پریشان ہو رہی تھی۔
''شایان! میں یہ دن دیکھنے کے لیے تو اس سے کبھی ملنا نہیں چاہتا تھا۔ اگر اسے کچھ ہو گیا تو میرا کیا ہو گا؟'' زین نے درد بھری آواز سے کہا۔
''کچھ نہیں ہو گا زین۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ ہمت رکھ یار۔'' شایان الگ پریشان تھا۔
''ہاں زین، وہ بے ہوش ہوئی ہے میں نے اس کی سانسیں محسوس کی تھیں، تم اتنا پریشان

کیوں ہو رہے ہو؟'' ثانیہ زین کی حالت دیکھ کر حیران ہو گئی تھی۔ وہ حال سے بے حال ٹیک لگائے کھڑا تھا۔

''کیونکہ زندگی ہے وہ میری۔'' زین نے بلند آواز میں بے بسی سے کہا تھا۔ ''اسے کچھ ہو گیا تو میں کیسے جی سکوں گا۔''

ثانیہ سن کر حیرت و شاک سے شایان کو دیکھنے لگی تھی جس نے ہلکا سا سر اثبات میں ہلایا تھا۔ گریس بھی سارہ کو دیکھ کر ڈر گئی تھیں۔ انہوں نے شایان، زین اور ثانیہ کو پہلے کبھی نہ دیکھا تھا پر زین کی حالت دیکھ کر انہیں اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ سارہ سے کافی قریب تھا۔ باتیں تو اردو میں تھیں پر وہ اس کی گھبراہٹ اور بے چین ہوتی چال سے شک میں آ رہی تھیں۔ نرس نے ان چاروں کو باہر رکنے کا کہا تھا۔

''او مائے گاڈ۔ یہ میری غلطی ہے۔ سب میری غلطی ہے۔ مجھے معلوم تھا سارہ کے بارے میں۔ پھر بھی میں نے یہ کر دیا۔'' گریس ان کے پاس کھڑی ان سے کہنے لگی تھیں۔ ثانیہ نے جا کر گریس کو دلاسہ دیا۔

''کیا ہوا ہے اسے؟'' زین نے بالآخر ان سے پوچھا۔ پر گریس کے جواب دینے سے پہلے نرس باہر آ گئی۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کس سے مخاطب ہو پر زین بالکل اس کے قریب آ کر کھڑا اسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا تو اس نے زین کو بتانا بہتر سمجھا۔

''بلڈ پریشر بہت لو ہے۔ شارٹ بریتھنگ کی وجہ سے وہ پاس آؤٹ ہو گئی ہیں ان کی کوئی پاسٹ ہسٹری؟'' نرس نے پوچھا تو گریس ایک دم سامنے آ گئیں۔

''ہاں وہ شکاگو ہسپتال سے اپنا علاج کرواتی ہے، ڈاکٹر جیکب، سائیکٹرسٹ ہیں اس کے۔ اسے زیادہ ٹینشن یا سٹریس لینے سے منع کیا ہے۔'' گریس نے تیزی سے بتانا شروع کیا

اور وہ یہ سب سن کر دنگ رہ گیا۔
''ان کا تنفس ٹھیک نہیں۔ میجر شاک لگا ہے۔ ہوا کیا تھا ان کے ساتھ؟'' نرس نے پوچھا۔
''بری خبر سنی تھی اس نے ایلکس کی جو ابھی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھا ہے۔ اس کے بعد سے اس کی حالت بگڑنے لگی۔ جسم کانپ رہا تھا اور سر پر بہت وزن لگ رہا تھا۔'' گریس بتاتی جا رہی تھیں جو انہوں نے سارہ کے اندر نوٹس کیا تھا۔
''ٹھیک ہے، ہم نے آکسیجن دینا تو شروع کر دیا ہے اور ساتھ ہی انہیں دوائی کا ڈوز بھی دے رہے ہیں پر میں آپ کو یہ ہی مشورہ دوں گی کہ انہیں وہیں لے جائیں جہاں وہ اپنا ریگولر چیک اپ کرواتی ہیں کیونکہ پیشنٹ کی حالت کرٹکل ہے اور بغیر ہسٹری کے ہم انہیں پروپر دوائی شروع نہیں کر سکتے۔'' نرس نے کہا اور زین نے آگے بڑھ کر اس سے پوچھا۔
''وہ ٹھیک تو ہے نا؟''
''اس کے بارے میں کہنا قبل از وقت ہوگا۔ خبر سن کر انہیں میجر شاک دماغ پر ڑگر کر گیا ہے جس سے پورے جسم میں کیمیکل امبیلنس ہوا ہے۔ بغیر ان کی ہسٹری جانے ہم انہیں کوئی دوائی نہیں دے سکتے۔ آپ لوگوں سے درخواست ہے انہیں فوراً شکاگو ہسپتال لے جائیں۔ کیونکہ وقت بہت کم ہے۔'' زین ایک منٹ نہ رکا۔ وہ اور شایان بھاگتے ہوئے ایمبولنس کا انتظام کرنے لگے۔ سارہ کو جیسے ہی وارڈ سے نکالا زین کے پیر ڈگمگا گئے۔ شایان نے زین کو تھام لیا جو حواس کھو بیٹھا تھا۔ اس کی ناک میں آکسیجن کی ٹیوبز گھسی ہوئی تھیں اور ساتھ ہی ایک سلنڈر نیچے رکھا تھا۔ ایک ہاتھ میں ڈرپ لگی ہوئی مسلسل اسے درد میں کمی لانے کے لئے دی جا رہی تھی۔ وہ اتنی نحیف اور بیمار زین کو پہلی بار دکھی تھی۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ تینوں کے تینوں ایمبولنس کا پیچھا کر رہے تھے۔

شکا گو ہسپتال جیسے ہی ایمبولنس پہنچی۔ سارہ جو سٹریچر پر بے ہوش لیٹی ہوئی تھی اسے نکالا اور فوراً اندر لے گئے۔ زین بھی بھاگتا ہوا ان کے پیچھے گیا۔ ایمرجنسی وارڈ میں جو ڈاکٹر موجود تھیں ان سے پورا معاملہ سارہ کا ڈسکس ہوا اور پھر اسے ایمرجنسی میں ایک نرس لے کر چلی گئیں۔ ڈاکٹر جیکب کو بھی مطلع کر دیا گیا تھا۔ سارہ کی پوری ہسٹری یہاں موجود تھی جسے دیکھ کر اور ڈاکٹر جیکب سے مشورہ کر کے اسے ڈوز لگنا شروع ہو گئے تھے۔ ان سب پروسیس میں اچھا خاصا وقت گزر گیا تھا۔ زین، شایان اور ثانیہ پریشان وارڈ کے باہر کھڑے تھے۔ زین تو سکتے کی حالت میں چپ سادھے ہوئے تھا۔ وہ یہ سب دیکھ کر شاک میں آ گیا تھا۔

اس کا زین سے دور بھاگنا پھر بات پلٹ دینا۔ سب گرہیں آہستہ آہستہ کھل رہی تھیں۔

زین کو سب سے زیادہ افسوس اس بات کا تھا کہ اس نے پہلے ہی یہ سب کیوں نہیں پرکھ لیا تھا۔ آج سارہ کی حالت کو دیکھ کر اسے اپنے ماضی سے جڑا ہوا ارم کا یہی چہرا دکھائی دیا۔ وہ جو کتنے دنوں سے ان سوچوں میں الجھا ہوا تھا کہ وہ ایسی حالت میں مبتلا کسی شخص کو پہلے بھی دیکھ چکا ہے۔ آج وہ تصویر بھی واضح ہو گئی تھی۔

ایمرجنسی وارڈ میں سارہ کو مسلسل آکسیجن ٹیوب سے اسے آکسیجن دی جا رہی تھی اور دل کی دھڑکن بھی سکرین پر چیک ہو رہی تھی اس کے ساتھ ساتھ ڈرپ کے ذریعے سے دوائی پہنچائی جا رہی تھی۔ جب ڈاکٹر وارڈ سے نکل کر آئیں تو زین فوراً ان کے پاس جا پہنچا۔

”ڈاکٹر! سارہ اب ٹھیک ہے؟“ زین نے پوچھا۔ شایان اور ثانیہ بھی اس کے ساتھ کھڑے ڈاکٹر کے جواب کے منتظر تھے۔

”yes she is fine now! پر آپ لوگ مجھے یہ بتائیں کہ وہ اس حالت میں پہنچی کیسے؟“ ڈاکٹر اچھی خاصی اشتعال میں نظر آ رہی تھی۔

”سارہ کے لئے کسی بھی قسم کا سٹریس یا ذہنی دباؤ خطرناک ثابت ہوسکتا ہے۔ آپ لوگوں کو دھیان رکھنا چاہئے تھا۔ یہ تو اسے وقت پر ٹریٹ کرلیا گیا ورنہ صورتحال بگڑ سکتی تھی۔“ ڈاکٹر نے کہا۔

”اسے ہوا کیا ہے؟“ زین نے برجستہ استفسار کیا۔

”آسان الفاظ میں سمجھاؤں تو بلڈ اور آکسیجن جب دونوں ہی دماغ تک نہیں پہنچتے تو مریض ایسے ہی بے ہوش ہو جاتا ہے اور سارہ کی حالت میں اگر اسی کیفیت کو رکھا جائے تو وہ بہت کریٹکل ثابت ہوسکتی ہے۔ ایسا مریض حد سے حد بے ہوشی اور زیادہ سے زیادہ کوما میں جا سکتا ہے۔ میجر شاک جان لیوا بھی ہوسکتا ہے۔“ ڈاکٹر نے کہا اور زین کے چہرے کی ہوائیاں اڑ گئیں۔ وہ یہ سن کر ہی بوکھلا گیا۔

”تو آپ کہنا کیا چاہ رہی ہیں؟“ شایان نے اچانک پوچھا۔

”میں نے یہ ہی کہا ہے کہ وقت پر ٹریٹمنٹ ملا تو بچ گئی ورنہ ایسی حالت میں کوما میں جانے کا اندیشہ تھا۔ ڈاکٹر جیکب سے رابطہ کرتے ہوئے سارہ کا ٹریٹمنٹ شروع کر دیا ہے لیکن اس وقت اسے سخت آرام کی ضرورت ہے۔ آپ لوگ چاہیں تو مریض کو پرائیویٹ وارڈ میں شفٹ کر سکتے ہیں۔“ ڈاکٹر نے کہا۔

”سارہ واقعی ہر قسم کے خطرے سے باہر ہے نا ڈاکٹر؟“ زین نے واپس ڈاکٹر سے تصدیق مانگی۔ اسے اندر ہی اندر کئی برے خیالات نے گھیرا ہوا تھا۔

”جی۔ ہمت رکھئے۔ یوں سمجھ لیں کہ وہ سکون کی نیند لے رہی ہے اور ہمیں یقین ہے کہ وہ جلد رسپانڈ کرے گی۔ She is brave ورنہ ایسی حالت میں کوما میں جانا بہت آسان تھا۔ کوشش کیجئے گا کہ مریض خود اٹھے اور آس پاس کوئی ڈسٹربنس نہ ہو۔ وہ جتنا آرام کریں گی

اتنی جلدی ٹھیک ہوں گی۔" ڈاکٹر تاکید کر کے چلی گئیں اور زین کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ ثانیہ نے شکر کا سانس لیا اور شایان زین کے کاندھے پر ہاتھ رکھے ہوئے اسے دلاسہ دینے لگا۔ تھوڑی دیر بعد سارہ کو پرائیویٹ وارڈ میں شفٹ کر دیا گیا تھا۔ ای سی جی، آکسیجن، اور ڈرپ سب ایک ساتھ اس کے اردگرد لگے ہوئے تھے۔ زین اور ثانیہ کمرے کے باہر کھڑے تھے جبکہ شایان زین کو بغیر بتائے اس کے لئے کوفی اور کچھ کھانے کو لینے کے لئے چلا گیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ سارہ کے پیچھے وہ اپنا کھانا پینا تک بھول گیا تھا۔

"سارہ کے پاس میں رک جاتی ہوں، اسے کسی بھی چیز کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔" ثانیہ نے زین سے کہا۔

"نہیں۔ میں رکوں گا سارہ کے پاس۔" زین نے متانت خیز انداز میں کہا اور ثانیہ اسے تنقیدی نگاہوں سے دیکھنے لگی۔

"پر زین میں شاید اس کے بہتر کام آسکتی ہوں۔" ثانیہ نے اصرار کیا۔

"اگر آج نہ رکا تو زندگی بھر خود کو معاف نہیں کر پاؤں گا ثانیہ۔"

"پر زین......"

"نہیں ثانیہ، زین بالکل صحیح کہہ رہا ہے، مسلسل یہاں ڈاکٹر اور نرسیں موجود ہیں۔ میرا بھی ذاتی خیال یہ ہی ہے کہ زین کو رکنا چاہئے۔" شایان نے آتے ہی ان دونوں کی باتیں سن لی تھیں۔ وہ زین کے چہرے پر ٹھہرے ہوئے تناؤ کو مسلسل نوٹس کر رہا تھا اور جانتا تھا کہ وہ کسی بھی حال میں سارہ کو یوں چھوڑ کر گھر نہیں جائے گا۔ لہٰذا ثانیہ کو سمجھانا ضروری تھا۔

"ٹھیک ہے زین پر اگر کوئی بھی ضرورت ہو تو ضرور فون کرنا۔ میں اور شایان فوراً پہنچیں گے۔" ثانیہ نے اسے تسلی دی۔

''ہاں زین۔ اکیلے کچھ مت کرنے بیٹھ جانا۔ گھر یہاں سے دور نہیں ہے جو بھی ضرورت ہو فوراً فون کرنا۔'' شایان نے کہا اور زین نے ہلکے سے سر کو جنبش دی۔ اس کی نظریں نیچے ہی تھیں۔ مسلسل ماتھے پر شکن تھی۔ دل کی کیفیت وہ کسے بتاتا۔ ڈاکٹر کے تسلی بخش جواب کے باوجود بھی یہ دھچکا اسے اندر ہی اندر ڈرا رہا تھا کہ کہیں وہ سارہ کو کھو نہ دے۔ شایان اور ثانیہ وہاں سے چلے گئے اور وہ جیسے تیسے تھکے تھکے انداز میں کمرے میں داخل ہو گیا۔ کتنی دیر بعد اس نے اپنی نظریں اٹھا کر اس کی طرف دیکھا تھا جو بے ہوش بستر پر ایسے لیٹی ہوئی تھی گویا بستر مرگ پر ہو۔

''تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا شایان یہ سب؟'' ثانیہ نے پوچھا۔ وہ دونوں ہسپتال سے نکل کر گاڑی میں بیٹھے ہوئے تھے۔

''سوری ثانیہ، پر میں کیا کرتا۔ زین سارہ کو لے کر بہت حساس ہے اور کہیں نہ کہیں ہمیں اس بات کا ڈر تھا کہ تم غلطی سے بھی اس حوالے سے کچھ پوچھ نہ لو۔'' شایان نے کہا۔

''ہاں میں یہ تو مانتی ہوں کہ منہ پھٹ ہوں۔ اچھا کیا جو تم نے نہیں بتایا ورنہ مجھے تو خود پر بھروسہ بھی نہیں ہے کہ میں یہ بات پیٹ میں رکھ پاتی۔ پر آج سب اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے تو مجھے سارہ اور زین دونوں پر بہت ترس آ رہا ہے۔ کتنی تکلیف میں تھی وہ۔ اور زین اس کو آج پہلی بار میں نے ایسا دیکھا ہے۔'' ثانیہ کی آواز بہت دھیمی تھی۔ آنکھوں کی سطح یہ سوچ سوچ کر نم ہو رہی تھیں اور شایان اسے دلاسہ دینے لگا تھا۔

''میرا نام زین سرور ہے اور تمہارا؟''

''سارہ احمد۔''

ماضی فلیش بیک کرتا ہوا اس کی آنکھوں کے سامنے آ گیا اور وہ تھکی تھکی سی مسکراہٹ

ہونٹوں پر لے آیا۔ آنکھیں مسلسل سارہ پر ٹکی ہوئی تھیں۔

”کیا مطلب بور ہو رہے تھے؟ زین! تم نے اپنا میسج دیکھا ہے! ایسے کوئی کسی کو بلاتا ہے؟“

”تم ڈر گئیں؟“

وہ ہر بات یاد کرتا ہوا آہستہ آہستہ اس کی جانب بڑھنے لگا تھا۔ سارہ کے بائیں جانب جو کرسی رکھی ہوئی تھی وہ تھکا تھکا سا اس پر ڈھے گیا۔ مسلسل ای سی جی مشین کی آواز اس کمرے میں گونج رہی تھی۔ وہ سارہ کے پاس بیٹھا ہوا اس کے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔ آج پہلے سے بھی زیادہ بے رونقی تھی۔ رنگ جیسے مکمل دب گیا تھا۔ آنکھوں کے نیچے حلقے اتنے واضح تھے کہ وہ اس وجہ سے بے حد بیمار اور کمزور لگ رہی تھی۔

”تم نے تو نا میرے پیچھے اپنے موکل لگائے ہوئے ہیں جو تمہیں پل پل کی خبریں دیتے ہیں کہ میں کہاں ہوں۔ یہاں بھی آ گئے تم۔“ بادِ صبا کا جھونکا تھا جس میں وہ کھو سا گیا تھا پر نظروں کے سامنے لیٹی ہوئی بے سدھ سارہ نے جہاں ماضی کے رنگین لمحات یاد کرائے تھے وہیں وہ خوف سے ڈوبتا جا رہا تھا۔ زین نے اس کے ہاتھوں کی طرف دیکھا جو کمزور اور بے جان محسوس ہو رہے تھے۔ آنکھوں سے باری باری کر کے آنسو بہنے لگے تھے۔

”رکاوٹیں آج بھی ہیں، ہمیشہ رہیں گی اور سب سے بڑی رکاوٹ یہ ہی ہے کہ اب میں ایسا کچھ نہیں چاہتی۔ تم جس سارہ کو ڈھونڈ رہے ہو وہ کبھی نہیں آ سکتی۔“ وہ سنجیدگی سے سارہ کو دیکھنے لگا۔

”تم ہر بار دور کرتی رہیں سارہ۔ ایک بار مجھ پر بھروسہ کر کے مجھے بتایا تو ہوتا۔ تم کیا سمجھتی ہو۔ میں ساتھ نہیں نبھا پاؤں گا؟ تمہیں کیسے بتاؤں کہ میرا ہر دن تم سے شروع ہوتا ہے اور تم پر

ہی ختم ہوتا ہے۔ نہ ملتیں میں رہ لیتا۔ پر ایسی حالت میں ملوگی کہ میں خوش ہو سکتا ہوں اور نہ اداس۔ کتنی آرام سے تم کہہ گئیں سب کچھ اور میں۔ سمجھ ہی نہیں پایا کہ تم کس تکلیف سے گزر رہی تھیں۔'' زین اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے خود سے سوچ رہا تھا۔ وہ بے بسی کے عالم میں جذبات کی شدت سے اندر ہی اندر گھٹ رہا تھا۔ شام ڈھلنے پر تھی اور سارہ ویسی ہی حالت میں لیٹی ہوئی تھی۔ زین نے اپنا موبائل تو سائلنٹ کر دیا تھا پر اسے خیال نہ آیا تھا کہ سارہ کا موبائل پرس میں رکھا تھا۔ جب بجنے لگا تو زین اچانک اپنی جگہ سے اٹھا۔ اسے سارہ کا پرس کھولتے ہوئے ہچکچاہٹ محسوس ہوئی پر سارہ کو اس وقت کسی صورت پریشان نہیں کرنا تھا۔ اس نے سائڈ پاکٹ کھولی اور صد شکر کہ موبائل وہیں سامنے تھا۔ اس نے موبائل نکالا اور کمرے سے باہر چلا گیا۔

گریس اسے فون کر رہی تھیں۔ یقیناً وہ بھی سارہ کو لے کر کافی پریشان تھیں۔ زین اتنی جلدی سارہ کو ہسپتال سے لے کر نکلا تھا کہ وہ ان سے بات کرنا ہی بھول گیا تھا۔

''ہیلو گریس؟'' زین کی آواز سن کر گریس پل بھر کے لیے گھبرائی تھیں۔ اس نمبر پر ہمیشہ سارہ نے ہی بات کی تھی۔ آج کسی اور کی آواز سن کر ان کے ذہن میں کئی منفی خیالات آنے لگے تھے۔

''ہیلو! سارہ...... سارہ ٹھیک تو ہے؟'' گریس نے متفکر ہو کر پوچھا۔

''جی، وہ بہتر ہے، ابھی ایڈمٹ ہی ہے ہسپتال میں۔ وہاں سے اتنی جلدی میں نکلے کہ آپ سے بات نہیں کر سکا میں۔'' زین کی آواز میں بہت سنجیدگی جھلک رہی تھی۔ وہ ذہنی اور جسمانی طور پر تھکا ہوا تھا۔

''تم سارہ کے وہ ہی دوست ہو نا جو آج ہسپتال میں بھی تھے؟'' گریس نے پوچھا۔

”جی۔“ زین نے کہا۔
”سارہ نے کبھی تمہارا ذکر نہیں کیا اس لیے پوچھ رہی تھی۔ سارہ اور ایلکس ایک دوسرے کی بہت قدر کرتے تھے۔ خاص طور پر ایلکس تو سارہ سے بہت زیادہ مانوس تھا۔ جب سارہ یہاں تھی تو اکثر ساری ساری رات یہ دونوں بیٹھے باتیں کرتے تھے۔ آخری وقت میں بھی وہ صرف سارہ کو پکار رہا تھا۔ پتہ نہیں کیا کہنا چاہتا تھا وہ۔“ گریس کی آواز سے معلوم ہو رہا تھا کہ وہ بہت غمگین تھیں۔
”ایلکس واقعی بہت اچھا بچہ تھا۔ اسے ایک بار دیکھنے کا اتفاق ہوا تھا پر ملا کبھی نہیں۔ آپ ہمت سے کام لیں......اور سارہ کے لئے دعا کریں۔“ زین نے کہا۔
”سارہ تو ہر وقت میری دعاؤں میں ہے۔ وہ میرے گھر آئی تو پیئنگ گیسٹ کے طور پر تھی پر اصل میں وہ فرشتہ ثابت ہوئی خدا کی طرف سے۔“ گریس نے کہا۔
”ہم۔“ زین کے پاس کوئی الفاظ نہ تھے۔ وہ خود یہ جانتا تھا کہ اس اکھڑ مزاج اور سخت لہجے کے پیچھے ایک بہت ہی نرم اور فراخ دل لڑکی تھی۔
”سارہ کو جب ہوش آجائے گا تو میں آپ کی بات اس سے کروا دوں گا، چلیں رکھتا ہوں۔“ زین کا دل ڈوب کر ابھرا تھا۔
”میں نے دراصل فون اس لیے کیا تھا کہ ایلکس کی آخری رسومات ادا کرنی ہیں۔ مجھے گمان تو تھا کہ سارہ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہوگی پر اس قدر خراب ہو جائے گی یہ میں نے سوچا نہیں تھا۔“ گریس کہہ رہی تھیں۔ انہیں سمجھ نہیں آ رہا تھا کیا کریں۔
”میرا مشورہ ہے آپ رسومات ادا کر دیں۔ میرا نہیں خیال سارہ کے لیے اس وقت اس صورت حال کو فیس کرنے کی مزید طاقت ہے۔“ زین نے مشورہ دیا۔

''مجھے بھی یہ ہی لگتا ہے۔ وہ دیکھے گی تو سہہ نہیں پائے گی۔ ایلکس تو بستر مرگ پر سو گیا ہے۔ زرد اور نحیف چہرا لیے۔ اچھا ہے سارہ اسے نہ دیکھے اور ہمیشہ میرے ایلکس کا مسکراتا ہوا چہرا اس کے ذہن میں رہے۔'' گریس نے کہا۔

''میں آپ سے متفق ہوں۔'' زین نے کہا

''ٹھیک ہے تم مجھے اس سے رابطہ کروانا جب وہ ٹھیک ہو جائے۔'' گریس نے کہا اور زین نے کال بند کردی۔ فون خود بخود لاک ہو گیا تھا پر اس کے باوجود بھی زین نے آرام سے اس کا سکرال ڈاؤن مینو کھولا اور فون کو سائلنٹ پر کر دیا۔ جوں ہی سکرال ڈاؤن مینو ہٹایا تو وال پیپر پر نظر پڑی۔ جس میں ایک میز پر خوبصورت سے گلاب کے پھولوں کا گلدستہ رکھا ہوا تھا جس میں کئی سارے لال رنگ کے گلاب موجود تھے پر سب مرجھائے ہوئے تھے۔ یہ تصویر خوب صورت تو تھی پر اداسی اور غم کو ظاہر کر رہی تھی۔ زین واپس کمرے میں داخل ہو گیا۔ سارہ ابھی بھی ویسے ہی لیٹی ہوئی تھی۔ وہ بھی ایک مرجھائے ہوئے پھول سے تو کم نہ تھی۔ اس نے واپس سارہ کے بیگ کی کھلی ہوئی پاکٹ میں موبائل ڈالنا چاہا پر اس کی نظر دو ٹیبلٹس کی شیشیوں پر پڑی۔ انہیں نکال کر دیکھنے کی ضرورت نہیں تھی زین کو وہ صاف صاف دکھائی دے رہی تھیں اور یوں لگ رہا تھا کہ ایک اینٹی ڈپریسنٹ تھی اور دوسری نیند کی دوائی تھی۔

یہ سب اب اس کی برداشت سے باہر ہو رہا تھا۔ اس نے غصے سے موبائل اندر ڈالا اور واپس وہیں کرسی پر آ کر بیٹھ گیا۔

''ایلکس۔'' ابھی چند لمحے گزرے تھے کہ اچانک سارہ چونک کر اٹھی اور ایلکس کا نام لینے لگی تھی۔ زین نے دیکھا تو فوراً اپنی جگہ سے اٹھا۔

''ایلکس!'' وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اپنے اطراف سے مکمل بے گانہ تھی۔ اگر دماغ میں

تصویر چل رہی تھی تو صرف ایلکس کی۔ اس کی سکت نہیں تھی پر وہ پھر بھی جھٹ سے بستر سے اٹھ کر بیٹھی۔ منہ پر لگا آکسیجن ماسک اس نے چڑ کر جوں ہی ہٹایا تو سانس پل بھر کو رکی جس سے اس کے جسم میں ارتعاش پیدا ہوا تھا۔ ہاتھ میں لگی ڈرپ پر اس کا دھیان گیا تھا پر جوں ہی جھکے ہوئے متفکر اور تحیر سے زین کو اپنے سامنے دیکھا وہ زاروقطار رو پڑی۔

''زین! ایلکس...... وہ مجھے بلا رہا ہے۔'' وہ اپنے ہوش میں ہی کہاں تھی۔ اسے ہذیانی حالت میں دیکھتا ہوا زین اسے ریلکس کرنے کی کوشش میں تھا۔

''سارہ! ماسک لگاؤ تمہیں ضرورت ہے۔'' اس نے طیش سے ماسک اٹھایا اور جوں ہی سارہ کے چہرے تک لایا سارہ نے بازو سے اس کے ہاتھ کو روک دیا۔

''ہٹاؤ اسے۔ مجھے ایلکس کے پاس جانا ہے۔ زین! وہ مجھے بلا رہا ہے۔'' جہاں زین کھڑا تھا وہاں بستر کی ریلنگ سے سارہ کے اترنے کا راستہ بلاک تھا۔ وہ ریلنگ پر ہاتھ رکھ کر بلک بلک کر زین سے کہہ رہی تھی جو سارہ کی بکھرتی حالت سے یکلخت پریشان ہوا تھا۔

''زین! وہ نہیں مر سکتا۔ اس نے کہا تھا وہ ٹھیک ہے۔ میں کام پورا کر کے اس کے پاس جا رہی تھی۔ میں نے وعدہ کیا تھا میں آؤں گی۔ گریس کو...... گریس کو دھوکا ہوا ہے۔ زین پلیز مجھے لے جاؤ۔ مجھے ایلکس سے ملنا ہے پلیز۔'' وہ ننھے بچوں کی طرح ضد کر رہی تھی۔ زین اسے درد کی شدت میں دیکھتا ہوا کٹ کر رہ گیا تھا۔ سارہ نے ہاتھوں سے ریلنگ کو ہلانا شروع کر دیا۔ وہ ہوش و خرد سے بیگانہ بڑبڑائے جا رہی تھی۔ آکسیجن ماسک چونکہ ہٹا دیا تھا تو اس کا سانس پھر چڑھنا شروع ہو گیا تھا۔

''سارہ۔'' اسے کچھ سمجھ نہیں آیا کس طرح سارہ کو نارمل کرے۔ اسے شانوں سے پکڑ کر اس نے سارہ کا رخ اپنی طرف کیا اور جھک کر اسے رسانیت سے آنکھوں میں دیکھ کر لب وا

کیے، ''سارہ! ایلکس کی آخری رسومات ادا ہوگئی ہیں۔'' یہ سن کر سارہ جو بھاگنے کو پر تول رہی تھی ساکت ہوگئی۔ زین نے فوراً ایمرجنسی بیل جو بستر کے عقب میں دیوار پر موجود تھی دو تین بار بجادی۔

''آخری رسومات...... وہ چلا گیا؟ وہ کیسے کرسکتا ہے۔ اب کون مجھ سے بات کرے گا؟ کون مجھے محبت دے گا۔ کون میرا خیال کرے گا۔ وہ مجھے چھوڑ کر چلا گیا؟'' پلک جھپکتے کے ساتھ نرس لورا داخل ہوئی تھی۔

''کیا ہوا ہے؟''

''انزائٹی اٹیک! اس نے ماسک ہٹا لیا ہے اور قابو میں نہیں آرہی۔'' لورا نے زین کو اسے تھامے رہنے کی تاکید کی اور فوراً کمرے سے نکل کر امرجنسی چلانے لگی تھی۔ آن کی آن میں جو ڈاکٹر راؤنڈ پر تھیں ان کے ساتھ چند نرس کمرے میں داخل ہوئی تھیں۔ زین تین چار قدم پیچھے ہٹ گیا تھا۔ وہ ناسمجھی میں کبھی مٹھی کو دانتوں تلے دبانے لگا تھا تو کبھی بے بسی سے بالوں کو پیچھے کرتے جا رہا تھا۔

''سارہ! ماسک پہنو۔ لورا! اس کا ڈوزیج بڑھانا ہوگا۔'' ڈاکٹر ماہرانداز میں مستعدی سے سارہ کی صورت حال کو دیکھتی ہوئی اقدام اٹھا رہی تھی۔ ایک نرس نے سارہ کے ہاتھ پکڑے تھے جبکہ دوسری نے اس کے چہرے پر پھر سے ماسک لگایا تھا۔ سارہ جان چھڑا کر بھاگنا چاہ رہی تھی پر اس میں اتنی سکت نہیں تھی کہ ان دو تین نرس کا مقابلہ کرسکتی۔

''ڈوزیج بڑھا دیا ہے ڈاکٹر۔'' لورا نے کہا۔

''ڈاکٹر! اس کا پلس ریٹ ڈراپ ہو رہا ہے۔'' دوسری نرس نے بتایا۔ سارہ نے ہاتھ پیر چھوڑ دیئے تھے۔ اسے بستر پر لٹا کر اس کا مکمل چیک اپ ہو رہا تھا۔

''سارہ! رسپانڈ کرو۔'' وہ کھینچ کھینچ کر سانس لے رہی تھی۔اس کا پورا جسم سانس کی کمی کے باعث ہلکورے لے رہا تھا۔ای سی جی مشین پر ہارٹ ریٹ کی لائن پر وقفے وقفے سے دھڑکن آرہی تھی۔زین پھٹی پھٹی آنکھوں سے دو دھڑکن کے بیچ میں سیدھی لائن کو دیکھ رہا تھا جو بتا رہی تھی کہ اس کا دل کام کرنا بند کر رہا تھا۔

"We need to perform chemical cardioversion now!"

اگر اس کا پلس ریٹ مزید ڈراپ ہوا تو اسے آئی سی یو شفٹ کرنا پڑے گا زین اور الیکٹرک شاک تھراپی دینی ہوگی۔'' اس کے کان سائیں سائیں کر رہے تھے۔وہ ڈاکٹر کی کسی بھی بات کا یقین نہیں کر پا رہا تھا۔

''سارہ! رسپانڈ کرو......لورا! آکسیجن لیول بڑھاؤ۔''

''یس ڈاکٹر۔''

''انجکشن ریڈی ہے؟'' دوسری نرس جس نے ڈاکٹر کے اشارے پر دوائی تیار کی تھی پوچھا۔اس نے اثبات میں سر ہلایا اور آئی وی میں انجیکٹ کردی۔

''اسے اس پر رسپانڈ کرنا ہوگا۔'' ڈاکٹر کی آواز اسے کھائی سے سنائی دے رہی تھی۔اگر سارہ نے رسپانڈ نہیں کیا تو معاملہ مزید پیچیدہ ہو جاتا۔

''یا اللہ۔یا شافی۔اس کی طبیعت ٹھیک کردے میرے رب مجھے ایسی آزمائش میں نہ ڈالنا جسے مجھے برداشت کرنے کی سکت نہ ہو۔'' اس کے دل کی گہرائی سے دعا نکلی تھی۔وہ جامد کھڑا سارہ کو دیکھ رہا تھا جو بمشکل سانس لے پا رہی تھی۔ڈاکٹر اور نرس کا عملہ پلس ریٹ نارمل کرنے میں کوشاں تھے۔بے اختیاری میں نکلے ہوئے آنسوؤں نے اس کا تمام چہرا بھگو دیا

تھا۔اس کے سینے میں دھڑکتا دل پٹڑی سے پھسل گیا تھا۔وہ ای سی جی مشین کو بغور دیکھتا ہوا دعا کرتا جا رہا تھا۔اس کا بس چلتا تو اپنے دل کی دھڑکن سارہ کو دے دیتا۔اپنی زندگی اس کے نام کر دیتا۔وہ لب دانتوں تلے دبا کر سارہ کو تکلیف کی شدت میں دیکھ کر خود اذیت محسوس کر رہا تھا۔

''ڈاکٹر۔''لورا نے ای سی جی اسکرین کی طرف اشارہ کیا تھا۔

''یس گڈ۔شی اس رسپانڈنگ۔''ڈاکٹر کی طرف سے مثبت بات سن کر وہ ایک قدم آگے بڑھا اور اسکرین پر سارہ کی دل کی دھڑکن کو تیزی سے اٹھتا ہوا دیکھ کر اس کے لب سے بے ساختہ رب کائنات کے لیے شکر نکلا تھا۔وہ سانس اب بھی کھینچ کر لے رہی تھی پر اس کے دل نے کام کرنا شروع کر دیا تھا۔بلڈ پریشر چیک کرنے پر لو تھا پر خطرے سے باہر تھا۔پلس ریٹ مناسب رفتار سے چلنے لگی تھی۔سارہ کو نیند کی دوائی آئی وی کے ذریعے دے کر پھر سلا دیا تھا تاکہ جس قنوطیت سے وہ گزر رہی تھی اس کا اثر زائل ہونے لگے۔

"I told you she is brave ورنہ اگلا قدم ہمارا آئی سی یو تھا۔''ڈاکٹر نے زیر لب مسکرا کر زین کو تسلی دی تھی جو پراگندہ کھڑا کا کھڑا رہ گیا تھا۔

''پر آپ نے کہا تھا کہ وہ ٹھیک ہے پھر اچانک اس شاک میں؟''زین نے پوچھا۔

''ہاں وہ ٹھیک تھی پر کبھی کبھی ایسا ہو جاتا ہے کہ شاک کی شدت سے پیشنٹ کو نکالنا آسان نہیں ہوتا۔ہم اسے وارڈ میں شفٹ کر کے بھی انڈر آبزرویشن رکھے ہوئے تھے۔ہمارے مطابق اسے کم ڈوز میں ہی ریکور ہو جانا چاہیے تھا پر ایسا ہوتا ہے کہ پیشنٹ اس شاک سے نہیں نکل پاتا اور واپس انزائٹی اٹیک ہو جاتا ہے۔''

''تو اب......کیا یہ اس کے ساتھ پھر ہو سکتا ہے؟''زین نے پوچھا۔

”نہیں! اب یہ مکمل کنٹرول میں ہے۔ اس کے ڈوزیج بڑھا دیئے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ وہ جلد مثبت رسپانڈ کرے گی۔ آپ نے ابھی بھی یہ ہی دھیان رکھنا ہے کہ وہ خود اٹھے۔ اور کمرے میں کوئی ڈسٹربنس نہ ہو۔“ ڈاکٹر نرس لورا کو تاکید کر کے چلی گئی تھیں۔ زین چلتا ہوا اس کے پاس آیا۔

”یہ اب بھی سانس صحیح نہیں لے رہی ہے نرس۔“ اس نے برجستہ لورا سے متفکر ہو کر کہا تھا۔

”میں سچویشن وقفے وقفے سے چیک کر رہی ہوں جو بہتر ہو رہی ہے۔ امید ہے کہ نارمل ہو جائے گی۔ فکر کی بات نہیں ہے۔ میں باہر ہی ہوں۔ آپ نے اچھا کیا جو بلا تاخیر کیے سٹاف کو انفارم کیا۔“ لورا نے پُر امید انداز میں کہہ کر اسے آنکھوں سے تسلی دی تھی۔ وہ جب کمرے سے چلی گئی تو زین وہیں کرسی پر بیٹھتا چلا گیا۔ یہ کچھ پل زندگی و موت کی جنگ میں گزرے تھے۔ وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ سارہ کے ساتھ وہ ایسا وقت بھی گزارے گا جب اسے موت کی وادی سے نکلتا ہوا دیکھے گا۔ اس کا سر درد سے پھٹا جا رہا تھا۔ وہ بے دست و پا اس لڑکی کو دھندلائی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا جس نے نہ صرف اس کے دل بلکہ اس کی سانسوں تک کو اپنے قابو میں رکھا ہوا تھا۔

لیٹنے کے لئے اس کے عقب میں صوفہ موجود تھا پر آج نیند کہاں آنی تھی۔ وہ کرسی سے ٹیک لگائے کہیں خیالی دنیا میں کھو گیا تھا۔ لورا پہلے آدھے آدھے گھنٹے سے آکر سارہ کو چیک کرتی رہی تھی پھر اس نے وقفہ بڑھا دیا اور قریباً دو گھنٹے بعد کمرے میں داخل ہوئی تھی۔ اسے زین ہر بار جاگا ہوا نظر آیا تھا جو سارہ کو بے بسی سے ٹکٹکی باندھے دیکھتا رہا تھا۔ لورا زین کو دیکھ کر مسکرائی پھر سارہ کو چیک کرنے لگی۔ زین نے بیچ میں کوئی مداخلت نہ کی وہ بس خاموشی سے کبھی اس کو تو

کبھی سارہ کو دیکھ رہا تھا۔

"میں نے آکسیجن ماسک ہٹا دیا ہے۔ سارہ اب کافی بہتر بریتھنگ کر رہی ہے اور اسے ماسک کی ضرورت اب نہیں۔ پھر بھی میں تھوڑی دیر سے آکر چیک کروں گی۔" نرس زین سے مخاطب ہوئی۔

"ٹھیک ہے۔ اندازاً کب تک ہوش آسکتا ہے اسے؟" زین نے پوچھا۔

"یہ تو کچھ نہیں کہہ سکتے پر آپ فکر نہ کریں یہ جلد ہی رسپانڈ کرے گی۔ اکثر ایسا ہو جاتا ہے پھر جو ڈوزز اسے دیئے ہیں اس میں بہت نیند ہے لہٰذا وقت لگے گا۔ آپ کون ہیں سارہ کے؟" نرس نے پوچھا۔

"دوست ہوں۔" زین نے کچھ توقف کے بعد کہا۔

"اوہ اچھا۔ وہ دراصل سارہ کو کبھی بھی کسی کے ساتھ نہیں دیکھا اس لیے آج آپ کو دیکھا تو تعجب ہوا مجھے۔" نرس نے کہا۔

"سارہ پہلے بھی ایڈمٹ ہوئی ہے؟" زین نے ایک دم سوال کیا۔

"ہاں پر تب مختصر وقت کے لیے ہوئی تھی اور سارہ ریگولر چیک اپس کے لئے آتی رہتی ہے۔ اسی طرح میری اور اس کی ملاقات ہوئی تھی۔ میں باہر ہی ہوں۔ اگر آپ کو ان میں کوئی بھی حرکت محسوس ہو یا وہ نیند سے بیدار ہونے لگیں تو مجھے بتایئے گا۔" نرس نے کہا اور زین نے سر اثبات میں ہلا دیا۔ آہستہ آہستہ سارہ کے بارے میں سب معلوم ہو رہا تھا اور ہر بات اس کے دل کو مزید ڈباتی جا رہی تھی۔ وہ ناامید نہیں تھا پر جن حالات اور تکلیفوں سے وہ اکیلے گزر رہی تھی، اسے سوچ سوچ کر وہ پریشان ہوتا جا رہا تھا۔

پوری رات آنکھوں میں کٹی تھی۔ وہ ایک بار بھی جسم سے تناؤ کو دور کرنے کے لئے نہ لیٹا۔

تقریباً صبح کے چھ یا سات بج رہے تھے جب اس نے بستر پر ہاتھ باندھے اور سر رکھ دیا۔ ہلکی ہلکی غنودگی طاری ہوئی اور وہ کچی پکی نیند سو گیا۔ ایک گھنٹہ گزرا تھا جب سارہ کی بند آنکھوں میں حرکت سی ہوئی تھی۔ اس نے بوجھل آنکھیں وا کیں اور اطراف میں گھمانا شروع کر دیں۔ کمرے میں روشنی کم تھی۔ پر ہر شے واضح ہو رہی تھی۔ کھڑکی پر لگے ہوئے بلائنڈ کے بیچوں بیچ سے آتی سورج کی روشنی سے اسے دن ہونے کا اندازہ ہوا تھا۔ وہ پہلے تو کشمکش میں مبتلا ہوئی تھی کہ یہ اس کا کمرا نہیں تھا پھر کچھ کچھ یاد آنے پر اندازہ ہوا کہ وہ ہسپتال میں زیر علاج تھی۔ دائیں ہاتھ پر لگی ہوئی ڈرپ اور سر پر لگی ہوئی آئی وی سب بتا رہے تھے کہ اس کی حالت کافی خراب ہوئی ہوگی جس کی بنا پر اسے ہسپتال ایڈمٹ کیا گیا تھا۔ اس نے ذہن پر زور دینا شروع کیا تو یکایک تمام واقعہ اس کے دماغ میں چمک اٹھا۔ وہ ہوٹل میں تھی۔ وہاں زین بھی تھا پھر اسے فون کال موصول ہوئی تھی جس میں وہ ناقابل یقین خبر سن کر حواس باختہ ہوئی تھی اور ہسپتال پہنچی تھی۔ پھر ایلکس کی وفات کی خبر اسے گریس نے دی تھی اور پھر کیا ہوا تھا؟ اس نے ذہن پر زور ڈالا پر کچھ بھی یاد نہ آیا سوائے اس کے کہ آنکھوں کے آگے اندھیرا چھایا تھا۔

واقعہ نظروں میں صاف واضح ہوا تو ایلکس کی یاد نے پھر اس کا دل درد کے سمندر میں ڈبو دیا۔ وہ لحظہ بھر روہانسی ہوئی لیکن سر کے درد کی شدت نے اسے وہیں روک دیا تھا۔ اپنا پورا جسم ٹوٹا ہوا لگ رہا تھا۔ اسے معلوم ہی نہیں تھا کہ وہ کس تکلیف سے گزری تھی پر نقاہت سے یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ اس کا خود سے اٹھنا اس وقت ناممکن تھا۔ دوائیوں کا اثر اتنا تھا کہ اس کی آنکھیں بھاری ہو رہی تھیں۔

وہ اٹھنا چاہتی تھی۔ لیٹے لیٹے اسے بے چینی ہو رہی تھی۔ دائیں طرف کمرے کا دروازہ تھا جس کی زمین سے اٹھی ہوئی معمولی درز سے روشنی نمایاں تھی۔ وہ نرس کو بلانا چاہتی تھی۔ کوئی آ

جائے اوراس کی اٹھنے میں مدد کردے۔ پھر اچانک بیل کے خیال سے اس نے گردن پیچھے عقبی دیوار کی طرف کی تو وہاں کئی سوئچ موجود تھے پر اس کے ہاتھ کی پہنچ سے وہ تمام کے تمام دور تھے۔ کچھ ڈھونڈنے کے لیے اس نے چہرا دائیں سے جب بائیں جانب گھمایا تو ٹھٹک کر رہ گئی۔ وہ چہرا سارہ کی طرف کیے سویا ہوا تھا۔ سارہ کی آنکھیں بے یقینی کے عالم میں کھلی کی کھلی رہ گئی تھیں۔ وہ زین کو یہاں اس طرح اس کے سرہانے سر رکھ کر لیٹے ہوئے توقع نہیں کر رہی تھی۔ اسے تو لگا تھا کہ وہ کمرے میں بالکل اکیلی تھی۔ یوں تو وہ کچی پکی نیند میں تھا پر سارہ کو لگا جیسے بے خبر سو رہا ہے۔ سارہ کی نظریں اسی پر ٹکی رہی تھیں۔ وہ اتنی معصومیت سے سر رکھا ہوا کسی خوابوں کی دنیا میں سیر کرتا لگ رہا تھا۔ یکا یک سارہ کا دل نرم پڑنے لگا۔ ماضی نے دروازہ کھٹکھٹایا اور وہ محو خیال زین کو دیکھے چلی گئی۔

''یہاں سامنے پارک کی تھی گاڑی اب کلاس زیادہ قریب تھی اور کیفے بہت دور، ان دس منٹ میں یا تو سو جاؤں یا پھر کیفے جاؤں اور اب میں نے سونے کا فیصلہ کرلیا ہے اس لیے اب خاموش۔'' وہ جس انداز میں لیٹا ہوا تھا یہ بالکل ویسا ہی تھا جیسے مینجمنٹ اکاؤنٹنگ کی کلاس میں ایک بار لیٹا تھا۔ سب یاد کرتے ہوئے سارہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی۔ وہ دن کتنے اچھے تھے۔ ہاں پریشانیاں تھیں پر تب اس کا کوئی گھر تو تھا، کوئی اس کے خونی رشتے تو تھے پھر چاہے جیسے بھی تھے۔ اتنی دور دوسرے ملک میں رہ کر بھی اسے وہ طمانیت کا احساس نہ ہوتا تھا جو اسے اپنے ماموں مامی کے ساتھ ہوتا تھا۔ ماموں کا چاہے جتنا تیکھا اور طنزیہ لہجہ تھا، تھے تو وہ ہی اس کے اصل رشتے دار۔ پھر ایسے دوستوں کا مل جانا جو اپنا مفاد نہ سوچتے ہوئے بھی دوسروں کے کام آجائیں۔ اسے ان سب یادوں میں کہیں نہ کہیں زنیرہ بھی یاد آنے لگی۔ سارہ اسے آج تک نہیں بھولی تھی پر اب رابطہ کرنا نہیں چاہتی تھی۔ وہ یہ سب اور بہت کچھ یاد کر رہی

تھی۔ پر یہ مسکان جلد غائب ہوگئی جب اسے محسوس ہوا کہ وہ نیند سے بیدار ہو رہا ہے۔ اس نے آہستہ سے سر اٹھایا اور اتنی ہی دیر میں سارہ نے گردن دوسری طرف کر دی۔

زین بہت کچی پکی نیند سویا تھا۔ جب آنکھ کھلی تو سارہ کو ہلتا پایا۔ اس کے جسم میں حرکت اور اسے نیند سے بیدار دیکھا تو وہ ایک دم سیدھے ہو کر بیٹھ گیا اور اسے بغور دیکھنے لگا۔

''سارہ؟'' زین نے دھیمی آواز میں پوچھا۔

''ہمم۔'' سارہ نے کہا۔ پورا جسم درد کر رہا تھا۔ اس نے زین کی جانب تو دیکھا پر نظریں نیچے ہی تھیں۔

''شکر ہے تم اٹھ گئیں۔'' زین نے کتنے وقت بعد جا کر سکون کا سانس لیا تھا۔ سارہ بیدار ہوگئی تھی۔ مستقل ایک ہی پوزیشن میں لیٹے ہوئے، زین کو احساس ہو گیا تھا کہ وہ بے چین ہو رہی ہے اور اٹھنا چاہتی ہے۔

''تم رکو، میں ابھی نرس کو بلاتا ہوں۔'' وہ فوراً کرسی سے اٹھا۔

''تمہیں یہاں رکنے کی ضرورت نہیں تھی۔'' سارہ نے سخت لہجے میں کہا اور وہ وہیں کا وہیں رک گیا۔

''پہلے بھی کئی بار اکیلی آئی ہوں، اب بھی اکیلے یہ وقت گزار لیتی۔ مجھے کسی کی ضرورت نہیں ہے۔'' سارہ نے کہا۔ زین نے بڑی مشکل سے خود پر ضبط کیے اسے متانت خیز انداز میں دیکھا تھا۔ یہ بے رخی اب سہی نہیں جا رہی تھی۔

''اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تم پہلے بھی یہاں آتی رہی ہو، میں تب بھی آجاتا۔ جانتا ہوں تم اکیلے سب کچھ کر سکتی ہو اور تمہیں کسی کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ پر تمہاری اطلاع کے لئے بتاتا چلوں کہ میں یہاں تمہارے لئے نہیں، اپنے لئے رکا ہوں۔'' زین نے کہا اور سارہ نے اب

کی بار اس کے چہرے پر نگاہیں ڈالیں جو تکان سے چُور لگ رہا تھا۔ زین نے مزید کچھ نہ کہا اور کمرے سے چلا گیا۔ کچھ سیکنڈ ہی گزرے کہ وہ نرس کو ساتھ لے کر آ گیا۔ لورا سارہ کی مدد کرنے لگی تھی جبکہ زین کمرے میں ایک طرف کھڑا ہو گیا۔ دونوں میں جس طرح بات چیت ہو رہی تھی اس سے معلوم ہو رہا تھا جیسے سارہ اور لورا ایک دوسرے کو اچھے سے جانتی تھیں۔ نرس سارہ کی اٹھنے میں مدد کر رہی تھی اور زین ان دونوں کو وہیں چھوڑ کر کمرے سے باہر چلا گیا۔ وہ دل ہی دل میں بہت خوش تھا۔ جو مسلسل اسے بات ڈرا رہی تھی اب ختم ہو گئی تھی پر ابھی بھی اگر کچھ مزید بگڑا نہیں تھا تو کچھ سدھرا بھی نہیں تھا۔

''یہ کون ہے؟'' لورا نے سارہ سے پوچھا۔

''دوست ہے۔'' سارہ نے کہا۔ نرس نے سارہ کو سہارا دے کر بٹھا دیا اور بستر کو سرہانے کی طرف سے اونچا کر دیا تاکہ وہ آرام سے ٹیک لگا سکے۔

''دوست یا بوائے فرینڈ؟'' نرس نے معنی خیزی سے پوچھا۔

''صرف دوست لورا۔'' سارہ نے کہا۔ اس کے بال بکھرے ہوئے تھے جنہیں وہ اپنے ہاتھوں سے جیسے تیسے سلجھاتی ہوئی ایک ڈھیلی پونی میں باندھ رہی تھی۔

''واہ بھئی بڑا کمال کا دوست ملا ہے تمہیں۔ تم جب سے آئی ہو یہ ایک منٹ بھی اس کرسی سے نہیں ہلا ہے۔ میں نے تمہیں ہر دو تین گھنٹے سے آ کر چیک کیا اور وہ جاگا ہوا ہی تھا۔'' لورا نے کہا اور سارہ کو تعجب ہوا۔

''کیا مطلب؟ کیا وقت ہو رہا ہے؟ کون سا دن ہے؟'' سارہ نے ایک دم پوچھا۔ وہ کب سے یہ سوچ رہی تھی کہ اس واقعے کو دو تین گھنٹے سے زیادہ نہیں ہوئے ہوں گے۔

''صبح کے آٹھ بج رہے ہیں اور آج اتوار ہے۔'' لورا نے کہا اور سارہ یہ سن کر دنگ رہ گئی۔

وہ ہفتے کے دن ہوٹل سے ایک بجے ایلکس کے لئے نکلی تھی اور اس بات کو کئی گھنٹے گزر گئے تھے۔

''جتنی بار میں آئی ہوں اس نے تمہارا ہی پوچھا۔لگتا ہے بہت اچھا دوست ہے تمہارا۔ میں نے ایک بار اسے صوفے پر لیٹنے کے لئے بھی مشورہ دیا پر وہ مسکرا کر ٹال گیا۔کل سے تمہارے ساتھ ہی ہے۔''لورا نے کہا۔سارہ صرف خاموشی سے اسے سن رہی تھی۔دل کا حال اندر سے کیا ہو رہا تھا یہ صرف وہ ہی جانتی تھی۔

''تم ریلیکس ہو کر بیٹھو میں تمہارے لئے کچھ کھانے کو لاتی ہوں، کچھ کھاؤ گی تو طاقت آئے گی۔ڈاکٹر جیکب بھی تھوڑی دیر میں آئیں گے تمہیں دیکھنے۔ان کو تمہارے آنے کی اطلاع دی تھی اور تمہارے ٹریٹمنٹ کے حوالے سے انہوں نے ہی گائڈ کیا تھا۔کیا ہوا تمہیں؟''لورا نے بات کرتے کرتے اس کے چہرے کو دیکھا تو پوچھا۔وہ کئی سوچوں میں گم مایوس بیٹھی تھی۔

''کچھ نہیں۔''سارہ نے کہا۔

''خوش رہا کرو سارہ! زندگی بہت اچھی ہے۔اپنا خیال رکھو میں تھوڑی دیر میں آتی ہوں۔''لورا نے کہا۔

''لورا! تم اسے اندر بھیج دینا۔''نہ جانے سارہ کو کیا ہوا تھا۔وہ اپنے رویے سے ڈر گئی تھی۔ بنا کچھ جانے وہ زین کو کیا کیا نہیں کہہ گئی تھی۔لورا اثبات میں سر ہلاتی ہوئی باہر چلی گئی۔

☆......☆......☆

''ہیلو ہاں شایان! بول؟''زین دیوار سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔وہ کمرے سے نکلا ہی تھا کہ شایان نے اسے فون کیا تھا۔

''کیسی ہے سارہ؟'' شایان نے پوچھا۔

''ہاں اللہ کا شکر ہے جاگ گئی ہے۔'' زین نے کہا اور شایان نے بھی شکر ادا کیا۔

''میں ثانیہ کو بھیجوں؟ شاید سارہ کو اس کی ضرورت پڑ جائے؟'' شایان نے کہا۔

''نہیں، یہاں نرس ہے جو سارہ کی جان پہچان کی لگتی ہے، وہ سارہ کا دھیان رکھ رہی ہے۔'' زین نے کہا۔ اس کی آواز کافی روہانسی تھی جو شایان پہچان گیا تھا۔

''کیا ہوا ہے زین، تُو اتنا خاموش کیوں ہے؟ اب تو وہ بہتر ہے نا۔'' شایان نے دلاسہ دیا۔

''ہمم۔'' زین سے کوئی بات نہیں ہو رہی تھی۔ وہ دل سے دکھی تھا۔

''یار میں آرہا ہوں۔''

''نہیں شایان تُو مت آ۔ میں جب یہاں سے فارغ ہو جاؤں گا تو تجھ سے مل لوں گا۔ یار! بس ایک بات تھی۔ تُو ثانیہ کو پلیز یہ بات بتا دینا کہ وہ سارہ سے میرے حوالے سے کوئی بات نہ کرے۔ میں اسے مزید کوئی سٹریس نہیں دینا چاہتا۔'' زین نے کہا۔

''تو بے فکر رہ، میں اسے پہلے ہی سب سمجھا چکا ہوں۔ وہ خود پوری رات بے چین سوئی ہے سارہ کی فکر میں۔'' شایان نے کہا۔

''اس کا خیال رکھنا۔ چل میں رکھتا ہوں اللہ حافظ۔'' زین نے فون بند کیا تو لورا کمرے سے اسی وقت باہر نکلی۔

''آپ اندر جا سکتے ہیں۔ وہ بلا رہی ہیں آپ کو۔'' لورا کہہ کر چلی گئی اور زین سر کو جنبش دیتے ہوئے اندر داخل ہو گیا۔

سارہ اب پہلے سے قدرے بہتر لگ رہی تھی۔ جب وہ داخل ہوا تو سارہ کو اپنے پرس میں کچھ نہ کچھ کاغذات نکالتے ہوئے پایا۔ یہ وہ کاغذات تھے جن پر وہ کل کام کر رہی تھی۔ زین

وہیں ایک کونے میں سنجیدگی سے کھڑا رہا۔ سارہ کی مزید تلخ کلامی اب اس کی برداشت سے باہر تھی۔ یا تو وہ وہاں سے چلا جاتا یا سارہ پر ہی برس پڑتا۔

''تم ٹھیک ہو اب؟'' زین نے پوچھا اور سارہ نے نگاہ اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ وہ زین کی احسان مند تو پہلے بھی یہ نہ جانتے ہوئے تھی کہ وہ اس کے پاس تھا اور جب اسے وقت کا اندازہ ہوا تو مزید اس کی ممنون ہو گئی تھی۔ سخت لہجہ رکھنا یوں ہی تو نہیں تھا۔ اس کے پیچھے بھی کئی وجوہات تھیں پر سارہ کا دل اس وقت نرم پڑنے لگا تھا۔ وہ زین کو دیکھ کر ہلکی سی مسکان ہونٹوں پر لے آئی اور سر کو اثبات میں ہلا دیا۔

''تم بیٹھو یہاں۔'' سارہ نے زین کو کرسی کی طرف اشارہ کیا جیسے اسے دبے لفظوں میں روکنا چاہ رہی ہو۔ زین نے اس کے چہرے کے تاثرات بغور دیکھے اور دل ہی دل میں طمانیت کا احساس ہونے لگا۔ وہ کرسی پر بیٹھ گیا اور سارہ کو وقتاً فوقتاً دیکھتا رہا جب تک وہ کاغذات کو ترتیب سے تہہ کر کے رکھتی رہی۔

''مجھے معاف کرنا میں نے کل رات تمہارا موبائل نکالا تھا پرس سے۔ تم تو گہری نیند میں تھیں اور میں جگانا نہیں چاہتا تھا۔ گریس کا فون تھا۔ تم ان سے بات کر لینا۔'' یاد آنے پر زین نے کہا۔ سارہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ پر گریس کا ذکر آیا تو اسے ایلکس پھر سے یاد آ گیا۔ خیر خیال میں تو وہ پہلے بھی تھا پر تب اس کی خود کی حالت اتنی بہتر نہیں تھی کہ کچھ سوچتی۔ ابھی بھی پریشر لینا ٹھیک نہ تھا۔ سر کا درد وہیں کا وہیں تھا۔ اس کی آنکھوں میں ہلکی ہلکی نمی آنے لگی اور وہ مایوس ہونے لگی۔

''سارہ! پلیز، اتنا سٹریس مت لو۔ کل رات بھی تمہاری طبیعت کافی خراب ہو گئی تھی۔'' زین نے فہمائشی انداز سے کہا۔

”کیا واقعی؟“ سارہ نے استعجاب لیے پوچھا تو زین نے اسے تحیر سے دیکھا۔

”ہاں! تمہیں یاد نہیں تمہارے ساتھ کیا ہوا تھا؟“ زین نے پوچھا۔

”اُم...... مجھے یہ یاد ہے کہ میں ایلکس کو دیکھنے گئی تھی ہسپتال پھر اس کی خبر سن کر کیا ہوا تھا کچھ یاد نہیں۔“ وہ پُرسوچ انداز سے کہہ رہی تھی اور زین سن کر متذبذب ہوا تھا۔ یعنی اسے کچھ بھی نہیں معلوم تھا کہ اس کے ساتھ کل سارا دن اور پھر رات کو کیا کیا ہوتا رہا ہے یا وہ کن تکالیف سے گزری تھی۔

”مجھے تو وقت کا بھی اب اندازہ ہوا۔ اس کی تو اب آخری رسومات بھی ادا ہوگئی ہوں گی۔ پر اچھا ہوا میں نہیں تھی۔ اس کا چہرا دیکھنے کی مجھ میں سکت نہیں۔“ وہ سارہ کو بغور دیکھ رہا تھا جو ہر بات سے بے خبر تھی۔ یعنی کل رات انزائٹی اٹیک کے دوران وہ اپنے ہوش وحواس میں ہی نہیں تھی اور جذبات کی شدت سے ظاہر ہے ناواقف رہی تھی۔ اگر اسے کچھ نہیں معلوم تھا تو زین نے بھی بے خبر رکھنا بہتر سمجھا۔ وہ ویسے ہی گریس کا ذکر کر کے خود کو سرزنش کر رہا تھا کیونکہ سارہ ایلکس کا سوچ کر غمگین ہوگئی تھی۔ کچھ دیر خاموشی کی نذر ہوئے جب لورا دروازہ کھول کر سارہ کے لیے ناشتہ لے آئی تھی۔

”سارہ! اس میں ٹیبلٹ بھی رکھی ہے ساتھ ہی لینی ہے تمہیں فرق پڑے گا۔“ لورا نے کہا اور اس کے بستر کے ساتھ ٹیبل سٹینڈ آگے کر دیا پھر چلی گئی۔

”میں تمہاری مدد کر دیتا ہوں۔“ زین آگے بڑھا کہ سارہ نے اسے روک دیا۔ یہ دلاسہ دیتے ہوئے کہ وہ ٹھیک تھی۔ پلیٹ میں دو سینڈوچز تھے اور ساتھ ہی فرائس کٹے ہوئے تھے۔ سارہ نے ایک پورا سینڈوچ اٹھا کر زین کی طرف بڑھا دیا جو اسے سوالیہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

''یہ لو تم بھی کھاؤ۔'' سارہ نے کہا۔

''تمہیں اس وقت اس کی زیادہ ضرورت ہے، پورا ناشتہ کرو سارہ۔'' زین نے مستحکم انداز میں کہا۔

''اس میں دو سینڈوچ ہیں۔ پتہ نہیں یہ لوگ کیا سمجھتے ہیں کہ میں کتنا کھا لیتی ہوں۔ خیر میں کھا رہی ہوں لیکن تم بھی لو۔ اس بات سے تو تم بھی واقف ہو کہ جب تمہیں بہت نیند آتی ہے اور بھوک لگتی ہے تو یا تو سست ہو جاتے ہو یا پھر چڑچڑے۔ اب سو گئے تم نہیں لہٰذا کچھ کھا ہی لو۔'' سارہ کے نرم انداز پھر چہرے پر مدھری مسکراہٹ سے یہ بات کہہ دینا، خود بخود زین کے چہرے پر بھی مسکان لے آیا تھا۔ اسے یہ سب بھی یاد تھا۔ وہ دونوں جانتے تھے کہ کس واقعہ کے حوالے سے بات ہو رہی تھی۔

''میں ویسے بھی اتنا نہیں کھاؤں گی خواہ مخواہ ضائع ہی ہوگا۔'' سارہ نے مزید اصرار کیا اور زین نے لے لیا۔

''ہاں تمہاری خوراک تو نظر آتی ہے مجھے۔'' زین نے کہا۔

''ویسے تمہارے پیچھے صوفہ بھی ہے چاہو تو سو جاؤ لیکن تمہارے قد کے حساب سے دیکھا جائے تو کافی بے آرام رہے گا۔'' اس نے زیرلب مسکرا کر زین کو مشورہ دیا تھا جس پر وہ تبسم بکھیر کر اسے دیکھنے لگا تھا۔

''جوس لو گے؟'' ٹرے میں رکھے ہوئے گلاس کی طرف سارہ نے اشارہ کر کے کہا تھا۔

''ایک کام کرو نا وہ جو ٹیبلٹ رکھی ہے وہ بھی مجھے ہی کھلا دو۔'' اور زین کے برجستہ کہنے پر وہ کھل کھلا کر ہنسنے لگی تھی۔ پھر ان کے درمیان کوئی بات نہیں ہوئی تھی اور دونوں خاموشی سے کھانا تناول کر رہے تھے پر برف کا گولا جو کب سے دونوں کے درمیان جما تھا، وہ ٹوٹ گیا

تھا۔ کھا پی کر دونوں فارغ ہی ہوئے کہ کمرے کا دروازہ کھلا۔ ڈاکٹر جیکب لورا کے ساتھ اندر داخل ہوئے تھے۔

''جس بات کا ڈر تھا مجھے آخر وہ ہی ہو گیا۔ ویسے مجھے تم سے توقع بھی تھی کہ تم اس حالت تک پہنچو گی۔'' ڈاکٹر جیکب نے آتے ہی کہا تھا۔

''جب آپ کو توقع تھی تو ڈرے کیوں؟'' سارہ نے دھیمی مسکراہٹ میں پوچھا۔

''ایک تو اس لڑکی کی باتیں۔'' ڈاکٹر جیکب نے کہا اور زین کی طرف تعجب سے دیکھتے ہوئے سارہ سے مخاطب ہوئے۔

''یہ کون ہے؟''

''اُم...... ڈاکٹر جیکب! یہ میرے دوست ہیں، زین سرور۔'' سارہ نے ڈاکٹر جیکب کا تعارف زین سے کروایا اور ڈاکٹر جیکب نے ہاتھ آگے بڑھایا۔ ان کا انداز اتنا دوستانہ تھا کہ زین انہیں دیکھ کر ہی خوش ہو گیا تھا اور بہت گرم جوشی سے ان سے مصافحہ کیا تھا۔

''مل کر اچھا لگا آپ سے مسٹر زین سرور۔''

''آپ سے بھی۔'' زین نے کہا۔ وہ کرسی سے اٹھ کر اب کھڑا ہو گیا تھا۔

''سارہ کو پہلی بار کسی کے ساتھ دیکھا ہے، بہت اچھے سارہ، مجھے یہ بدلاؤ اچھا لگا۔'' ڈاکٹر جیکب نے معنی خیزی سے کہا۔

''جیسا آپ سوچ رہے ہیں ویسا کچھ بھی نہیں ہے۔ لہٰذا اپنے سوچ کے گھوڑے آپ واپس لے آئیں۔'' سارہ نے وہیں ان کی بنی بنائی مسکراہٹ کو دبا دیا اور زین یہ سب سن کر زیر لب مسکرایا تھا۔ سارہ ان سے کافی مانوس تھی یہ زین کو باتوں سے اندازہ ہو رہا تھا۔

''چلو کوئی بات نہیں میں خود ہی تصور کر لیتا ہوں۔ خیر اب ضروری بات۔ کیا ہوا تھا؟''

ڈاکٹر جیکب نے کہا۔ خود بخود ان کی آواز سنجیدہ رخ کر گئی تھی۔ وہ سارہ کے پاس دوسری طرف کھڑے تھے ایسے کہ زین آرام سے سارہ اور ڈاکٹر جیکب کو دیکھ سکتا تھا۔ جس طرح وہ سارہ سے بات کر رہے تھے زین کو اس بات کا علم ہو گیا تھا کہ دونوں میں کافی اچھی بات چیت رہی تھی۔ سارہ نے ڈاکٹر جیکب کا جواب نہ دیا۔ وہ بس مایوسی سے نظریں نیچے کر کے بیٹھی تھی۔

''جو بھی ہوا تھا یہ سب مجھے آج نہیں پھر کسی دن بتا دینا۔ میں آج یہاں یہ بات کرنے آیا بھی نہیں ہوں۔ یہ تو مجھے جیسے ہی معلوم ہوا کہ سارہ ایڈمٹ ہے تو میں خود ہی کئی سوچوں میں گرفتار ہو گیا تھا لیکن میرے سارے سوالوں کے جواب تم ہفتے کے دن دوپہر کے تین بجے دو گی۔'' ڈاکٹر جیکب نے سارہ کی طرف بغور دیکھ کر تاکید کی تھی جس کی نگاہیں خودان پر اب جمی ہوئی تھیں۔ اس نے ہلکے سے سر کو جنبش دی۔

''میں نے تم سے کہا تھا اپنا خیال رکھو، تم نے دیکھ لیا نا کہ میں تمہیں کس دن کے لیے محتاط کر رہا تھا۔'' ڈاکٹر جیکب نے دھیمی آواز میں اس سے کہا پر یہ آواز لورا اور زین بھی آرام سے سن سکتے تھے۔ وہ حد درجے رسانیت و نرمی لیے بات کر رہے تھے کیونکہ اس وقت سارہ بہت حساس تھی۔

''میری غلطی نہیں ہے۔ میں نے جان بوجھ کر تو نہیں کیا۔'' سارہ نے اپنے کیے کی صفائی پیش کرنی چاہی پر ڈاکٹر جیکب نے سر کو افسوس کا اظہار کرتے ہوئے نفی میں ہلا دیا۔

''یہاں تک تو تم خود ہی لائی ہو سارہ۔ کوئی تمہیں کھینچ کر نہیں لایا۔ بہر حال...... آج تم آرام کرو بلکہ پورا ہفتہ آرام کرو پھر مجھے ضرور کلینک میں ملنا ٹھیک ہے۔'' ڈاکٹر جیکب نے ہمدردانہ رویہ رکھا اور سارہ نے معصومیت سے سر کو جنبش دے دی۔ یہ سب زین بغور دیکھ رہا تھا۔ اس کے بدلتے تاثر، پھر معصومیت سے ڈاکٹر جیکب کو جواب دینا۔ وہ کبھی تو اپنی عمر کی لگتی

اور کبھی بہت چھوٹی سی بچی۔

''میں کچھ پوچھ سکتی ہوں؟'' سارہ نے کہا۔ ''مجھے یہاں کب تک رکھا جائے گا؟ میں گھر جانا چاہتی ہوں۔''

''لورا تمہارا چیک اپ کر لے پھر تم ڈسچارج ہو جاؤ گی لیکن تمہیں ابھی خیال کی بہت ضرورت ہے سارہ۔ لاپرواہی کی تو تم جانتی ہو کہ اس سے بھی برا کیا ہو سکتا ہے۔ چلو اپنا خیال رکھنا۔'' ڈاکٹر جیکب کہہ کر چلے گئے۔ لورا سارہ کی دیکھ بھال میں لگ گئی اور زین اسی وقت کمرے سے باہر چلا گیا۔ ڈاکٹر جیکب بڑے بڑے ڈگ لے کر آگے بڑھ رہے تھے جب انہیں پیچھے سے زین کی آواز آئی۔

''ایکس کیوزمی۔ ڈاکٹر جیکب۔'' ڈاکٹر جیکب اپنا نام سن کر پیچھے مڑے تو زین کو بالکل اپنے سامنے پایا۔

''یس زین؟'' ڈاکٹر جیکب نے کہا۔

''میں آپ سے کچھ بات کرنا چاہتا تھا۔ کیا آپ کے پاس وقت ہے؟'' زین نے پوچھا۔

''جی بولیے میں اس وقت فارغ ہی ہوں۔''

''ڈاکٹر جیکب! مجھے اس بات کا پورا علم ہے کہ آپ ڈاکٹرز اپنے پیشنٹس کا کیس یوں ہی ڈسکس نہیں کرتے اور نہ ہی ان کے ماضی کو کسی کے ساتھ شیئر کرتے ہیں۔ پر آج آپ کو جس طرح سارہ سے بات کرتے دیکھا مجھے محسوس ہوا کہ وہ آپ سے کافی مانوس ہے۔ میں آپ سے سارہ کے ماضی کے حوالے سے کچھ پوچھنا نہیں چاہتا کیونکہ میں خود اس کے ماضی سے واقف ہوں اور مجھے نہیں معلوم اس نے آپ کو کیا بتایا ہے اور نہ ہی میں بتانا چاہتا ہوں جو اس نے مجھے بتایا ہے۔ ان باتوں کو مخفی رکھتے ہوئے میں صرف آپ سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ

سارہ کو ہوا کیا ہے؟'' زین نے بات مکمل کی اور ڈاکٹر جیکب اسے بغور دیکھتے رہے۔

''تم سارہ کے کون ہو؟'' ڈاکٹر جیکب نے پوچھا۔

''دوست ہوں بلکہ یوں سمجھ لیں اس کے ماضی کا حصہ ہوں۔'' زین نے کہا اور ڈاکٹر جیکب نے سوچتے ہوئے دانتوں تلے لب دبا دیئے۔

''پر سارہ نے مجھ سے تمہارے بارے میں کوئی بات نہیں کی ہے بلکہ کبھی ذکر بھی نہیں کیا۔'' انہیں تعجب ہوا اور یہ سن کر زین نے افسردگی سے مسکرا کر انہیں دیکھا۔

''اس کی یہ ہی تو بات ہے۔ وہ مہارت رکھتی ہے کس سے کیا کہنا ہے اور کیا نہیں۔ بہت ممکن ہے کہ جو باتیں اس نے آپ کو بتائی ہوں اس کا زیادہ حصہ میں جانتا ہوں اور یہ الٹ بھی ہو سکتا ہے۔ خیر آپ مجھے اس کے دوست سے بڑھ کر اس کا خیر خواہ سمجھیں۔ اور میرے لیے اس وقت یہ جاننا ضروری ہے کہ اس کی حالیہ کنڈیشن کیا ہے؟'' زین نے کہا تو ڈاکٹر جیکب پل بھر کے لیے سوچتے رہے۔

''پیشنٹ کی پرائیویسی ڈسکس کرنا ہمارے کام کے خلاف ہے پر سارہ کا آگے پیچھے کوئی نہیں ہے اور مجھے تمہیں دیکھ کر یہ لگتا ہے کہ تم واقعی اس کے لیے فکر مند ہو اور شاید مجھ سے زیادہ اسے جانتے ہو تو تم میری کافی مدد کر سکتے ہو اس کے علاج میں۔'' ڈاکٹر جیکب نے کہا۔

''میں اپنی سی پوری کوشش کروں گا۔ مجھے اس حوالے سے کچھ تو فہم و ادراک ہے دراصل میری والدہ ارم سرفراز سرور کا پاکستان میں ''ایکسپریس یور سیلف'' کے نام سے ادارہ ہے جو چلاتی ہیں۔ اب تو انٹرنیشنل میڈیا کی نظر میں بھی اسے مقبولیت حاصل ہوئی ہے۔ بس اسی کی بدولت مجھے کافی معلومات ہے۔''

''ارم سرور؟ اوہ...... یس یس یس، میں جانتا ہوں انہیں بلکہ میرا ان سے ایک دو بار

ٹیلیفونک رابطہ بھی ہوا ہے اسی کام کے حوالے سے۔ ان کے کام کی خاصی شہرت ہے یہاں امریکہ میں بھی۔'' ڈاکٹر جیکب ایک دم زین سے متاثر ہوئے تھے۔

''جی ڈاکٹر جیکب۔'' زین نے کہا۔

''پھر تو آپ سے مل کر اچھا لگا زین سرور۔ چلیں آیئے میرے کلینک میں بات کرتے ہیں۔'' وہ زین کو لے کر اپنے کلینک لے گئے تھے۔

''جی زین، یہاں ہم سارہ کے کیس کو باآسانی ڈسکس کر سکتے ہیں۔'' ڈاکٹر جیکب اپنی مخصوص نشست سنبھالے ہوئے تھے اور زین ان کے مقابل بیٹھا تھا۔

''ڈاکٹر جیکب! میں ڈائرکٹ بات کروں گا آخر سارہ کو ہوا کیا ہے؟'' زین نے پوچھا۔

''آسان لفظوں میں کہوں تو اینزائٹی ڈس آرڈر۔ ایک ایسا ڈپریشن جس میں ایک شخص ہر چیز سے بیزار ہو کر بیٹھ جاتا ہے۔ اب یہ ڈپریشن کافی عام سا ہو گیا ہے۔ ہر دوسرے یا تیسرے بندے کو رہتا ہے پر سارہ کا کیس ایسا نہیں ہے۔ جب وہ میرے پاس آئی تھی تو کافی مشکل حالات میں تھی۔ جو کچھ اس لڑکی کے ساتھ ماضی میں ہوا وہ ہولناک ہی تھا۔ ہر کسی میں برداشت کی طاقت نہیں ہوتی۔ سارہ کا بھی اسٹیج ایک مشکل مرحلے پر ہے۔ وہ اپنی بیماری کے اس دور سے گزر رہی ہے جہاں پیشنٹ کو جینے کا دل نہیں کرتا۔ وہ زندگی سے بیزار خود کو کہیں بند کر لیتا ہے۔'' ڈاکٹر جیکب سنجیدگی سے زین کو سب بتا رہے تھے اور زین ہمہ تن گوش چہرے پر سنجیدگی لیے ہوئے تھا۔

''کیا آپ سپلٹ پرسنالٹی ڈس آرڈر کے بارے میں جانتے ہیں؟'' ڈاکٹر جیکب نے پوچھا۔

''جی مجھے علم ہے۔'' زین نے کہا۔

''اگر میں سارہ کے کیس کو سپلٹ پرسنالٹی پر رکھوں تو کچھ غلط نہیں ہوگا۔ پر سارہ کا یہ معاملہ اس کے خوابوں سے ہے۔ زین! اس نے خود کو دو حصوں میں بانٹ لیا ہے۔ ایک وہ حصہ جو اسے زندگی کی طرف کھینچتا ہے اور دوسرا حصہ جو اسے موت کی طرف دھکیلتا ہے۔ بظاہر کسی کے لیے بھی سارہ کو دیکھ کر اس بات کا اندازہ لگانا ناممکن ہے کہ وہ مستقل ایک جنگ میں گھری رہتی ہے۔ پر یہ سچ ہے۔'' وہ ڈاکٹر جیکب کے اس انکشاف سے خاصا گھبرا گیا تھا۔

''سارہ نے چھوٹی عمر سے جب اپنے والدین کو کھویا تب سے لے کر اب تک جتنی بار اسے زندگی نے غم دیا، اس کے دماغ نے وہ حصہ ایک باکس میں بند کر کے تحت لاشعور میں رکھ دیا۔ وہ ان تمام واقعات سے نکل ہی نہیں پائی کبھی۔ آپ مجھے بتائیں کیا آپ کے ساتھ کوئی ایسا حادثہ ہوا ہے مسٹر زین جو آپ کبھی نہیں بھولے؟''

''جی میرے والد کا انتقال ہوا تھا جسے میں آج تک نہیں بھولا۔'' زین نے بغیر سوچے برجستہ کہا۔

''او کے سوری فار دیٹ۔ پر اب کیا آپ کو یہ معلوم ہے کہ جس دن انتقال ہوا تھا اس دن آپ نے کس رنگ کا لباس پہنا تھا، آپ کے گھر میں کیا پکا تھا، گھڑی پر وقت کیا ہوا تھا۔ معمولی معمولی سی تفصیلات؟'' ڈاکٹر جیکب نے کہا اور زین کے چہرے کے تاثر بتا رہے تھے کہ وہ سوچ رہا تھا پر کسی نتیجے پر نہیں پہنچ پایا تھا۔

''نہیں یاد نا؟'' ڈاکٹر جیکب کے پوچھنے پر اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''پر سارہ کو سب یاد ہے۔'' وہ ڈاکٹر جیکب کی بات سے شاک میں آیا تھا۔

''اس دن جو کچھ جیسے جیسے ہوا وہ اس کے دماغ میں فیڈ ہو گیا اور فلم کی طرح بار بار ریپیٹ ہوتا رہا جس سے وہ یہ بات کبھی بھول ہی نہیں سکی۔ پھر ہر ٹراما سے نکلنے کے لیے اس کے پاس

کوئی ایسا شخص موجود نہیں تھا جو اسے دلاسہ دیتا۔ اس کا ساتھ دیتا۔ آہستہ آہستہ اسے ان خیالات سے دور کر کے زندگی کی رنگینیوں کی طرف لے جاتا۔ ہاں اگر کچھ لوگ آئے بھی تو چند پل کے لیے جن کا اثر اس کے دماغ پر کوئی مثبت ایفیکٹ لمبے عرصے تک نہیں چھوڑ کر گیا۔ یہ ہی وجہ ہے کہ وہ تنہائی میں اپنے تحت لاشعور سے جا ملتی ہے اور وہ ہر واقعہ جس نے اسے تکلیف دی تھی اسے یاد کرتی ہے۔ پھر جب یہ سب سوچ کر وہ شب خوابی میں جاتی ہے تو دو حصوں میں بٹ جاتی ہے۔ ایک وہ حصہ جو ہنستا کھیلتا ہے لیکن اس پر اس وقت مسلط ہوا وہ دوسرا منفی حصہ ہے جو اس پر پورا غالب ہو گیا ہے۔

مسٹر زین! اگر ایک بچے کو چھوٹی عمر سے ہی بار بار یہ احساس دلایا جائے کہ ہر نقصان، ہر بری خبر، ہر خسارے کی وجہ صرف وہ ہے تو ایک وقت ایسا آتا ہے کہ وہ اس بات کو قبول کر لیتا ہے اور پھر ساری زندگی اس کے اطراف ہوئے برے واقعات کا ذمہ دار وہ خود کو ٹھہراتا ہے۔ سارہ کا کیس بالکل ایسا ہے۔ اس کے اندر منفی آواز اسے بار بار یہ ہی اکساتی ہے کہ جو ہوا وہ اس کی وجہ سے ہوا اور اب یہ منفی شکل سارہ کو نقصان پہنچا رہی ہے لیکن مزے کی بات ہے۔ جتنی بار اس نے اکسایا سارہ کو۔ میں نے اسے کبھی غلط قدم اٹھاتے نہیں دیکھا۔ البتہ ہاں وہ خود سے لاپرواضرور ہوئی ہے۔ جیسے بلا وجہ ڈوز تیز لیتی ہے حالانکہ میں منع کرتا ہوں۔ سیشن نہیں لیتی جس سے اس کے یہ تمام معاملات سلجھ سکتے ہیں۔ پھر زندگی میں پازیٹوٹی بھی نہیں دیکھتی۔ اب اگر آپ اس کے ماضی سے واقف ہیں تو ذرا سوچ کر بتائیں اگر آپ مثبت سوچ رکھتے ہیں تو آپ کی کیا رائے ہوگی؟'' ڈاکٹر جیکب نے زین سے پوچھا۔

''یہ ہی کہ مشکلات آئیں پر مستقل نہیں رہیں۔'' زین نے قیاس لگایا۔

''ایگزیکٹلی! واقعی ارم سرور کے بیٹے ہو۔'' ڈاکٹر جیکب کی بات سے وہ زیر لب مسکرایا۔

”زین! سارہ یہ نہیں سوچتی۔ اور یہ ہی بات اسے ڈپریشن میں لے جا رہی ہے اور اندر سے بیمار کر رہی ہے۔ وہ محض ایک ایسی زندگی جی رہی ہے جس میں اسے موت کا انتظار ہے۔ وہ جینا نہیں چاہتی۔ پر مثبت بات یہ ہے کہ اگر کوئی دوسرا ہوتا ایسے کیس میں تو اب تک سوسائڈ کی کوشش کر گزرتا پر سارہ میں یہ میں نے کم از کم نہیں دیکھا جو ایک اچھی بات ہے۔ پر سوال ہے آخر کب تک؟ وہ سمجھتی ہے کہ وہ خوشیوں کی حقدار نہیں۔ اس کے لیے صرف تنہائی اور تکلیفیں ہی ہیں۔ اس نے کبھی بھی کسی پہلو کو مثبت سوچ سے دیکھا نہیں۔ آسان لفظوں میں کہا جائے تو وہ گِو اَپ کر گئی ہے۔ پھر حیرانی کی بات یہ بھی ہے کہ حالیہ ایک دو مہینوں سے میں نے اس کے مزاج میں مزید تغیر دیکھا ہے۔ وہ کافی بہتر ہو رہی تھی کہ اچانک واپس صفر ہو گئی۔ اب مجھے یہ نہیں معلوم کہ آیا ایسا کیا ہوا ہے جو میری ساری کوشش پر پانی پھیر گیا ہے۔“ ڈاکٹر جیکب جس بات کی طرف اشارہ کر رہے تھے زین جان گیا تھا کہ وجہ وہ ہی تھا۔ جس نے سارہ کی زندگی میں واپس آنے سے اس کی اندرونی کیفیات میں زلزلہ برپا کر دیا تھا اور وہ فائٹ یا پھر فلائٹ صورت حال سے ہر وقت دوچار رہتی تھی۔

”مجھے آپ سے ایک اور سوال کرنا ہے۔ سارہ کی ابھی یہ حالت ایلکس کی موت کے باعث ہوئی ہے حالانکہ سارہ کا ٹریٹمنٹ شروع ہو گیا تھا اس کے باوجود بھی اس پر اینزائٹی اٹیک ہوا تھا کل رات۔ وہ ہوش و خرد سے بیگانہ بار بار حقیقت سے دور بات کر رہی تھی کہ ایلکس زندہ ہے اور میں اسے ایلکس کے پاس لے جاؤں۔ مجھے اسے حقیقت سے آشنا کرانا بہتر لگا تو میں نے اسے ایلکس کی آخری رسومات ادا ہو گئیں اس بارے میں آگاہ کیا۔ پر وہ کنٹرول میں نہیں آئی۔ پلس ریٹ ڈراپ ہوا۔ طبیعت مزید خراب ہوئی۔ مجھے پوچھنا ہے کیا میں نے غلط کر دیا تھا؟“ زین کل سے کشمکش میں مبتلا تھا لہٰذا ڈاکٹر جیکب سے مشورہ لینا چاہتا تھا۔

”کیا آپ کے بتانے کے بعد اسے پھر کوئی اٹیک ہوا؟ ڈاکٹر جیکب نے پوچھا۔

”نہیں۔“ زین نے کہا۔

”تو آپ کا عمل غلط نہیں تھا۔ اکثر ایسا ہوتا ہے مسٹر زین کہ ہمیں پیشنٹ کو اینزائٹی سے نکالنے کے لیے جو سچ ہے وہ ہی بتانا پڑتا ہے۔ اب یہ پیشنٹ ٹو پیشنٹ مختلف ہوتا ہے۔ ہم سائیکالوجی میں بائے داب نہیں چلتے بلکہ پریکٹیکل ہو کر دیکھتے ہیں کہ پیشنٹ کے لیے کیا بہتر ہے۔ آپ سارہ کو کچھ نہیں بھی بتاتے تو بھی اس کا پلس ریٹ ڈراپ ہوتا۔ اس کی حالت مزید تب بھی خراب ہوتی کیونکہ اینزائٹی اٹیک تو ہو گیا تھا۔ اب ایسے میں جب آپ نے اسے حقیقت بتائی تو اس کے دماغ میں یہ بات فیڈ ہو گئی کہ جیسا وہ سوچ رہی ہے دراصل ویسا کچھ ہے ہی نہیں۔ آپ کا فوری طور پر اس وقت یہ ردعمل بالکل درست تھا۔“ وہ سارہ کے کیس پر ڈاکٹر جیکب سے مشورہ لیتا ہوا پھر اٹھ گیا۔

جس کی خوشی کے لیے برسوں دعائیں کرتا رہا وہ موت کے انتظار میں زندگی سے مایوس تھی۔ وہ جس کو یہ تصور کرتے ہوئے کہ خیریت سے ہو گی آٹھ سال بتا گیا، وہ لڑکی مستقل جذبات کی جنگ سے دوچار اب ہار گئی تھی۔ پھر یہ کہ اس کے کسی بھی وقت میں وہ ساتھ نہیں تھا۔ ممکن تو یہ بھی تھا کہ کئی تکلیف دہ واقعات میں سے ایک واقعہ اس پر بھی ہو۔

برسوں تک اپنے نقصان پر ماتم کرتا ہوا زین آج سارہ کی تکالیف کو دیکھتے ہوئے خود پشیمان تھا۔ اس کی آنکھوں کی سطح یہ سوچ سوچ کر نم ہو رہی تھی کہ سارہ کی زندگی میں زین کے واپس آنے سے بھی اسے خوشی کی کوئی نوید نہیں ملی تھی بلکہ مزید اس کی اذیتوں میں اضافہ ہوا تھا۔ کمرے کی طرف بڑھتے ہوئے اس کے قدم بھاری ہو رہے تھے۔ وہ سارہ سے بہت کچھ کہنا چاہتا تھا پر زندگی اس بار بھی اسے کوئی موقع نہیں دے رہی تھی۔ اگر یہ ہی سب تھا تو اس کا

زین کی زندگی میں واپس آنے کا پھر مقصد؟

جیسے تیسے وہ کمرے میں پہنچا تو سر اٹھا کر دیکھا۔ سارہ نڈھال سی تھکی ہوئی چال لے کر کمرے سے نکلی تھی۔ کندھے پر پرس ٹانگے زین کو احساس ہو گیا تھا کہ وہ اب گھر جانے کے لئے تیار تھی۔ دیوار کا سہارا لیے وہ زین کو اپنی جانب بڑھتا دیکھ رہی تھی۔ زین نے کئی جذبات اپنے دل میں ہی رکھ لیے اور اسے سنجیدگی سے دیکھتا ہوا تیزی سے اس کے پاس پہنچا۔

''چلیں؟'' سارہ نے زین سے پوچھا۔

''بچ گئیں تم۔ اگر اس وقت اپنا اکھڑ مزاج میرے سامنے لاتیں تو پچھتاتیں۔'' زین نے بنا تاثر لیے سارہ سے کہا اور سارہ کے چہرے پر دھیمی سی مسکراہٹ آ گئی تھی۔

''اچھا میں نے تو سب چیک کر لیا تمہاری کوئی چیز وہاں موجود نہیں تھی پھر بھی تم دیکھ لو۔'' سارہ نے کہا اور زین نے فقط نفی میں سر ہلا کر اس کے ساتھ ساتھ اس کی رفتار کے ساتھ بڑھنا شروع کر دیا۔ وہ نقاہت اور نحیف سا وجود لیے زین کو شدید بیار لگی تھی اور یہ دیکھ کر اس کا دل جتنا زخمی ہو رہا تھا یہ وہ جانتا تھا۔ کچھ قدم کے فاصلے پر سارہ کو پھر چکر کا احساس ہوا اور جوں ہی اس نے دیوار کا سہارا لیا زین نے بھی اسے آگے بڑھ کر سنبھالا پر سارہ نے وہیں ہاتھ کے اشارے سے اسے روک دیا۔

''میں ٹھیک ہوں۔ بے فکر رہو۔'' وہ کہہ کر آگے بڑھ گئی اور زین آشفتہ اسے دیکھتا رہا۔ وہ اتنا تو جان گیا تھا کہ اکیلے تکالیف اٹھاتے اٹھاتے وہ تھک ضرور گئی تھی پر اس کے اندر اتنی ہی قوت اور ہمت بڑھ بھی گئی تھی کہ خود کو سہارا آرام سے دے رہی تھی اور اسے کسی کی ضرورت نہیں تھی۔ اب وہ اس پر فخر محسوس کرے یا افسوس؟

سارہ پیسنجر سیٹ پر بیٹھی تھی اور زین نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال کر گاڑی سارہ کے گھر کی

طرف ڈال دی تھی۔ سارے راستے دونوں کے درمیان خاموشی نے ڈیرا جمایا ہوا تھا۔ سارہ نقاہت سے شیشے کے باہر دیکھتی ہوئی سیٹ سے سر ٹکائے ہوئی تھی جب کہ زین کی نگاہیں راستے کی سمت ٹکی ہوئی تھیں اور وہ اندر ہی اندر قلق محسوس کر رہا تھا۔

ایلکس کو یاد کرتی ہوئی سارہ کی آنکھوں سے وقفے وقفے سے آنسو اس کے گال پر پھسل جاتا تھا اور زین جو اس کی حالت سے واقف تھا فی الوقت خاموش رہا۔ اس کے اپارٹمنٹ کے سامنے گاڑی روک کر زین گاڑی سے نکلا اور سارہ کی طرف کا آ کر دروازہ کھولے کھڑا ہو گیا۔ وہ زین کی ممنون تھی اور خود کو سنبھالتی ہوئی گاڑی سے باہر آئی۔ زین نے دروازہ بند کیا اور سارہ کو جب اندازہ ہوا کہ اس کا ارادہ اسے گھر تک چھوڑنے کا تھا تو اس نے رک کر لب وا کیے۔

''تمہارا شکریہ زین۔ پر تم نے خواہ مخواہ میرے لیے اتنی تکلیف اٹھائی۔'' سارہ نے کہا

''یہ کہہ کر مجھے مزید شرمندہ مت کرو۔ سارہ۔'' زین نے دھیمے اور دوستانہ انداز میں اسے پکارا تھا۔ وہ گاڑی سے ٹیک لگائے کھڑی تھی۔ اپنے پیروں پر کھڑے رہنا اس وقت مشکل تھا۔ اسے سہارے کی ضرورت تھی۔

''مجھے نہیں معلوم کہ میری باتیں تم پر کتنا اثر کریں گی یا تم ان پر عمل کرو گی بھی کہ نہیں پر سارہ! جو بھی غم ہے ایلکس سے متعلق اس کے لیے ایک بار ہی رو لو وہ بھی اس طرح کہ پھر کبھی آنسو نہ بہے۔ ہاں دل میں یاد رہ جاتی ہے۔ تو یاد کرنے میں حرج نہیں لیکن اس بوجھل دل کو ہلکا کرنے کا صرف ایک یہ ہی طریقہ ہے۔ میں تو تمہیں کہیں اور لے کر جانا چاہتا تھا۔ جہاں تمہاری طبیعت بہل جائے پر میں جانتا ہوں کہ جتنی شدت سے تمہیں گھر آنے کی خواہش تھی۔ تم میری یہ آفر رد کر دیتیں۔ میں تو یہ ہی سوچ کر فکر کرتا رہوں گا کہ تم اکیلی گھر میں سب کرو گی کیسے؟ تمہیں پسند نہیں ورنہ میں ثانیہ کو بلا لیتا۔ وہ تو خود کب سے تیار ہے تمہارے پاس آنے

کے لیے۔" زین نے کہا اور سارہ کے چہرے پر درد بھری مسکان نمایاں ہوئی۔

"تم اتنی فکر مت کرو زین۔ آٹھ سال میں اکیلی ہی رہی ہوں۔ تو کیا ہوا اگر ڈیڑھ سال میں اپنے سابقہ شوہر کے ساتھ تھی یا چند ماہ ان بوڑھی اماں کے ساتھ۔ سب کے ہونے کے باوجود بھی اکیلا ہی محسوس ہوتا تھا۔ پھر سردی، گرمی، جاڑے، طبیعت، نرم گرم سب میں نے اکیلے ہی سہا ہے۔ یہ سب میرے لئے عام سی بات ہے۔ تم نے کل سے لے کر اب تک جو بھی میرا خیال رکھا۔ میں اس کے لئے تمہاری شکر گزار ہوں۔ تمہارے واقعی کچھ احسان ہیں جو میں زندگی بھر نہیں چکا پاؤں گی۔ تم میرے حوالے سے بے فکر رہو۔ میں جانتی ہوں تم نے ڈاکٹر جیکب سے جا کر میرا پورا کیس سن لیا ہے۔ جیسے ہی وہ کمرے سے نکلے تھے تم ان کے پیچھے ہی چلے گئے یہ سوچ کر کہ سارہ تو کبھی بتائے گی ہی نہیں...... اور اب جب تم سب جان ہی گئے ہو تو چھپانا کیسا۔ میں ٹھیک ہوں اور جلد اچھی بھی ہو جاؤں گی۔ تم اپنا خیال رکھنا۔ اور دل سے شکریہ ہر چیز کے لئے۔ اللہ حافظ۔" سارہ نے نگاہیں نیچے کرلیں۔ آخری الفاظ کانپتے ہوئے اس کے لبوں سے ادا ہوئے تھے۔ وہ زین کے سامنے ان آنسوؤں کو بہانا نہیں چاہتی تھی لہٰذا نظریں نیچے کر کے آگے بڑھنے لگی۔

"سارہ؟" زین کی پکار پر وہ رک تو گئی پر پلٹنے کی ہمت اب اس میں نہیں تھی۔

"اپنے گھر بھی نہیں بلاؤ گی؟" زین نے استفسار کیا۔ خود اس کی آنکھوں کی سطح پر آنسو تیرنے لگے تھے۔ وہ پھر ہاتھ بڑھانا چاہتا تھا۔ اسے روکنا چاہتا تھا۔ اسے اپنے جذبات سے پھر آگاہ کرنا چاہتا تھا۔ اس کے لہجے میں شکایت کا عنصر سمجھتی ہوئی سارہ نے افسردگی سے مسکرا کر اسے پلٹ کر دیکھا تھا۔

"زین! میرے گھر کو تنہائی پسند ہے اور اگر عادت بھی ہے تو صرف میری۔ یہاں کبھی کوئی

آیا نہیں۔ اگر آج اچانک کسی کو بھی اس کی اجازت کے بغیر لے آئی تو روٹھ جائے گا۔ پھر کبھی۔'' وہ جذب کے عالم میں تحیر سا سارہ کو دیکھ رہا تھا جس نے تمام بات اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر کہی تھی۔ وہ ذو معنی لفظوں میں بہت کچھ کہہ گئی تھی اور زین لاجواب سا اسے دیکھتا رہا تھا۔ سارہ رکی نہیں، دروازے کی جانب بڑھی اور کھول کر اندر داخل ہو گئی۔ پہلے مالے پر اس کا گھر تھا۔ اس نے بغیر تاخیر کیے دروازہ کھولا اور بند کر کے ٹیک لگائے بیٹھتی چلی گئی۔ اب تو صرف تنہائی تھی۔ اس کی غم گزار۔ وہ زاروقطار رو پڑی تھی۔

☆......☆......☆

''ارم! ہوش میں آؤ! کیا کر رہی ہو۔'' سرفراز نے زور سے ارم کو جھنجھوڑا۔

''مجھے مت روکیں میں نہیں رہنا چاہتی اب۔ میرا دم گھٹتا ہے۔'' دونوں کی آوازیں وہ کمرے سے باہر کھڑا ہوا آرام سے سن رہا تھا۔ اس چھوٹے سے بچے کے دل میں اس وقت کتنے برے خیالات آرہے تھے۔ جب سرفراز کو محسوس ہوا کہ زین باہر کھڑا رو رہا ہے تو وہ ارم کو بٹھا کر اس کے پاس بھاگے۔ وہ اپنی معصوم نگاہوں سے اپنے ابا کو دیکھ رہا تھا۔ سرفراز کا دل ہی بھر آیا۔ انہوں نے زین کے ماتھے پر بوسہ دیا اور اسے بے فکر رہنے کو کہا۔

''بیٹا! ڈرنا نہیں۔ مام ٹھیک ہو جائیں گی۔ انہیں کچھ تکلیف ہے۔ جو صحیح ہو جائے گی۔ تم اپنے کمرے میں جاؤ مجھے اس وقت تمہاری مام کا خیال رکھنا ہے۔'' زین نے ہلکے سے سر کو جنبش دی اور سرفراز نے کمرے میں داخل ہو کر دروازہ بند کر دیا۔ تھوڑی دیر تک تو زین کو ارم کی آوازیں آئیں لیکن پھر آہستہ آہستہ خاموشی چھا گئی۔ وہ ڈر گیا تھا کہ اس کی مام چپ کیوں ہو گئیں۔ پتہ نہیں سب اندر ٹھیک بھی تھا کہ نہیں۔ جانتا تھا بری عادت ہے پر دل کو کون سمجھائے۔ وہ فکر مند بچہ نیچے زمین پر لیٹ گیا اور تھوڑی سی دروازے کی جھری سے کان لگا

گیا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے اس کے ڈیڈ نے اس کی ماں کو سنبھال لیا تھا۔ وہ رو تو رہی تھیں پر دھیمی آواز میں اور مستقل سرفراز انہیں پیار سے سمجھا رہے تھے۔

''پر مجھ پر تمہارا کوئی حق ہی نہیں ہے سارہ۔۔ میں کس رشتے سے تمہارا خیال رکھوں؟ مجھے تو یہ بھی نہیں معلوم کہ ہمارے بیچ کوئی دوستانہ تعلق بھی ہے یا تم صرف اس لیے مجھ سے بات کرتی ہو کیونکہ میرے تم پر کئی احسان ہیں؟'' زین زمین پر بیٹھا بستر سے ٹیک لگائے خود سے باتیں کر رہا تھا۔ ماضی کی یادیں ذہن میں گردش کر رہی تھیں اور وہ خود کو کوس رہا تھا کہ وہ سارہ کے لئے کچھ نہیں کر پا رہا تھا۔ وہ جب سے آیا تھا اس سے کافی پہلے سے ارم اسے کئی بار فون کر گئی تھیں پر فون سائلنٹ ہونے کی صورت میں اس نے دیکھا ہی نہ تھا۔ وہ تو بس آج زین کو ارم کی یاد تڑپانے لگی تو اس نے فون جیب سے فون نکالا پھر معلوم ہوا کہ وہ خود بھی کئی بار اسے کال کر گئی تھیں۔ اس نے فوراً ان کا نمبر ڈائیل کیا جو ارم نے دوسری بیل پر اٹھا لیا۔

''زین! بیٹا، سب خیریت تو ہے نا؟ کب سے فون کر رہی ہوں۔'' ارم نے جھٹ سے استفسار کیا اور اپنے بیٹے کی آواز کا انتظار کرنے لگیں۔

''جی ماں۔'' اور زین کی تھکان بھری آواز سن کر ارم کو کچھ انجان اندیشوں نے آن گھیرا۔

''کیا ہوا ہے زین، آواز اتنی روہانسی ہے؟'' ارم نے پوچھا۔

''نہیں تو۔ ایسے ہی۔ بس تھک گیا تھا۔'' اس نے آنکھوں میں مچلتے آنسوؤں کو نکلنے سے روکا پر اس ضبط سے اس کی آواز لڑکھڑا گئی۔

''زین! اب اپنی ماں سے بھی چھپاؤ گے؟ کیا ہوا ہے بیٹا؟'' ارم نے اصرار کیا۔

''ماں! آپ کی بہت یاد آ رہی ہے۔ کیا آپ یہاں نہیں آ سکتیں؟'' زین نے روہانسی آواز میں کہا۔

”بیٹا! مجھے پہلے یہ بتاؤ کہ تمہیں ہوا کیا ہے؟ آج بھی یہ آواز بالکل ویسی ہی ہے جیسے کئی سال پہلے تھی۔“ ارم نے کہا۔ زین نے خود کو سنبھالا اور تمام حال ارم کے سامنے رکھ دیا۔ اس نے ہر بات، جس دن اس نے پہلی بار سارہ کو شکاگو میں دیکھا تھا اس وقت سے لے کر اب تک جو کچھ بھی ہوا تھا، سب ارم کو بتانے لگا۔ ارم کی آنکھوں سے بھی آنسو رواں تھے پر وہ سنبھلی ہوئی اپنے بیٹے کو سن رہی تھیں۔ ظاہر ہے باہمت خاتون تھیں۔ ایسے حالات سے روز گزرتی تھیں۔ انہیں معلوم تھا کہ ایسے موقعوں پر کیسے ری ایکٹ کرنا ہے۔ وہ خاموشی کے ساتھ زین کو صرف سن رہی تھیں جو سارہ کے بارے میں بات ختم کر کے اب اپنے احساسات جنہیں وہ اس وقت محسوس کر رہا تھا، بتانے لگا تھا۔

”میں اس کے لئے کچھ کرنا چاہتا ہوں پر سمجھ نہیں پاتا کیا کروں۔ وہ کوئی موقع نہیں دیتی۔ مام، آپ یقین نہیں کریں گی، وہ پہلے جیسی نہیں رہی۔ اکثر اسے دیکھتا ہوں تو یہ ہی خیال آتا ہے کہ اس سے زیادہ میں نے باہمت، باصلاحیت، قابل اور مضبوط لڑکی نہیں دیکھی۔ مام، آپ کو بتانا چاہتا ہوں مجھے وہ بالکل آپ جیسی لگتی ہے۔ آپ کی طرح کا کانفیڈینس، آپ کی طرح کا معصوم سا دل، آپ کی طرح کبھی سختی کبھی نرمی۔ وہ بالکل آپ جیسی ہے پر صرف ایک فرق ہے جو اسے آپ سے الگ کر دیتا ہے اور وہ ہے اس کے منفی خیالات۔ ان ہی خیالات نے پہلے بھی اسے اپنے گھیرے میں لیا ہوا تھا اور اب بھی اسے کئی زیادہ شدت سے تھام کر رکھے ہوئے ہیں۔ یہ ہی وجہ ہے کہ مجھے لگتا ہے کہ وہ اپنی اچھی خاصی بنی بنائی زندگی کو رحمت نہیں زحمت سمجھتی ہے۔ یہ اس کے منفی خیالات ہی ہیں مام جو اسے گڑھے میں دھکیل رہے ہیں۔ میں اسے بچانا چاہتا ہوں۔ اسے ان خیالات سے دور کر دینا چاہتا ہوں۔ اسے بتانا چاہتا ہوں کہ وہ کیا ہے پر ہر بار میری کوشش ناکام ہو جاتی ہے۔ پہلے تو میں اسے سمجھ ہی نہیں پایا

تھا پر اب سب کھل گیا ہے جو شاید وہ مجھ سے چھپا رہی تھی۔ مام، میں نے آج اس کی آنکھوں میں ایسا درد دیکھا ہے جو زہر بن کر اسے نقصان پہنچا رہا ہے۔ میں نے بہت لوگوں کو مایوس ہوتے دیکھا ہے پر اس کے جیسا آج تک نہیں دیکھا۔ مجھے یقین ہے کہ آپ ایسے کئی کیسز سے گزری ہوں گی پر میرا واسطہ پہلی بار ہوا ہے وہ بھی اس لڑکی سے جس کے ساتھ میں اپنی پوری زندگی بِتانا چاہتا تھا۔ اسے دیکھ کر مجھے آج اندازہ ہوا کہ درحقیقت ڈیپریشن کیا ہے۔ میں جتنی بھی مثبت سوچ اس کے دماغ میں ڈال دوں اس کا ماضی اس کا ساتھ کبھی نہیں چھوڑے گا۔ وہ کبھی نہ کبھی پھر روئے گی اور پھر اس گڑھے میں گر جائے گی۔ میں آج بے بس ہوں مام۔ مجھے ڈر لگتا ہے کہ کہیں میں اسے کھو نہ دوں۔ آپ مجھے بتائیں میں کیا کروں؟'' پوری بات مکمل کر کے وہ اب ارم کے جواب کا منتظر تھا جو منہمک سی زین کو سن رہی تھیں۔

''حوصلہ رکھو بیٹا، تمہاری بے بسی میں سمجھ سکتی ہوں۔ بالکل ایسے ہی بہت پہلے تمہارے ڈیڈ بھی بے بس ہوئے تھے۔ تم نے آج ہو بہو اپنے ڈیڈ کی بات کی ہے جو بہت عرصے پہلے انہوں نے مجھ سے کی تھی۔ فرق صرف اتنا تھا کہ میں ان کی بیوی تھی جسے وہ اپنے دل کی بات بتا سکتے تھے اور یہاں تمہارے پاس فی الحال کوئی راستہ نہیں۔ آج تمہیں شاید احساس ہو رہا ہوگا کہ کیوں میں نے تم دونوں کو ہمیشہ مثبت سوچ رکھنے پر آمادہ کیا کیونکہ میں جانتی تھی کہ منفی خیالات یوں تو ہمیں معمولی سی بات لگتی ہے لیکن یہ بڑھتے بڑھتے انسان کے دماغ میں ایسی باتیں پیدا کر دیتے ہیں کہ انسان اپنی زندگی سے بیزار ہو جاتا ہے۔ بیٹا! ڈپریشن کوئی عام بیماری نہیں ہے۔ اس کی کئی شاخیں ہیں جو وقت کے ساتھ ساتھ مزید نکلتی جا رہی ہیں۔ سب دماغ کا کھیل ہے بیٹا۔ جو پریشانیوں کو آزمائش سمجھ کر نکل گیا خوش رہا اور جو انہیں مصیبت سمجھ بیٹھا پھنس گیا۔ میں سارہ کے درد کو سمجھ سکتی ہوں۔ وہ کس تکلیف سے گزر رہی ہے۔ جب خالی

بیٹھے شخص کو منفی خیالات گھیر لیتے ہیں پھر یہ تو کتنی تکلیفوں سے گزری ہے، کیوں منفی نہیں سوچے گی؟ وہ کتنی آزمائشوں سے گزری ہے۔ اسے بھی سکون اور راحت چاہئے۔ ایسے حالات میں انسان یا تو کوئی سہارا ڈھونڈتا ہے یا پھر خود کو اکیلا چھوڑ دیتا ہے اور وہ بھی تنہا رہنا چاہتی ہے۔ اس نے اپنے مسئلے مسائل اس سے پہلے کبھی کسی پر نہیں ڈالے تو وہ اب بھی ایسا کیوں کرے گی۔'' ارم تحمل سے کہہ رہی تھیں۔

''میں کیا کروں مام؟ اسے اس حال میں چھوڑ نہیں سکتا۔ اسے کیسے سمجھاؤں کہ اس کی حیثیت کیا ہے؟ دل و دماغ میں قفل لگائے پھرتی ہے۔ ایسے شخص کو میں کیسے اپنے جذبات سے قائل کروں۔ اگر وہ موقع دے۔ درواکرے تو میں داخل ہونے کی جسارت بھی کروں پر اس نے ہر راستہ بند کر دیا ہے۔'' زین نے بے بسی کے عالم میں پوچھا۔

''جب راستے بند ہوں تو اس طرف رخ کرنے سے حاصل کچھ نہیں ہوگا زین۔ جو وہ چاہتی ہے بس وہ ہی کرو۔ تم اس کے ساتھ جتنی زبردستی کرو گے وہ دور ہوگی۔ وہ اس وقت کوئی سہارا نہیں چاہتی۔ اگر اسے لگتا ہے کہ وہ اپنے پیروں پر کھڑے خود کو سنبھال سکتی ہے تو اس کے پاس مت جاؤ۔'' ارم نے کہا اور زین کے ماتھے پر شکن آ گئی۔

''پر مام یہ تو صحیح نہیں ہے۔ میں اس کے پاس نہیں جاؤں گا تو معلوم کیسے کروں گا کہ وہ ٹھیک ہے یا نہیں؟'' زین نے برجستہ سوال کیا۔

''تم دور سے ہی خیال رکھو۔ تم نے خود ہی کہا کہ وہ تمہارے گھر سے قریب ہے۔ پھر یہ بھی کہا کہ ثانیہ اس کے ساتھ ہے۔ تمہارے پاس راستے کئی ہیں۔ میں یہ نہیں کہہ رہی کہ اسے چھوڑ دو۔ میں صرف یہ کہہ رہی ہوں کہ وہ ہی کرو جو سارہ چاہتی ہے۔ وہ چاہتی ہے فاصلہ تو پھر فاصلہ رکھو لیکن محتاط رہو اور اس سے واقف رہو کہ وہ کیا کر رہی ہے۔ اس طرح تم بھی سکون

میں رہو گے اور اسے بھی ایسا ہی لگے گا کہ وہ کسی پر ڈپینڈ نہیں کر رہی۔" ارم نے کہا۔

"پر مام میں اسے اپنانا چاہتا ہوں۔ دور کیسے رہوں؟" زین نے دھیمی آواز میں مایوسی سے کہا۔

"اللہ پر چھوڑ دو زین۔ آٹھ سال پہلے بھی اس نے ہی تم دونوں کو ملایا تھا۔ راستے اس نے ہموار کیے تھے اور تم دونوں قریب آتے گئے تھے۔ پھر جب دوری بھی اللہ نے لکھی تو تم نے اپنا پلان بنایا اور اسے حاصل کرنے کی کوشش کی پر بدلے میں وہ کسی اور کی ہو گئی۔ جب جب تم نے خود سے اسے حاصل کرنے کی کوشش کی ہے تب تب وہ تم سے دور ہوئی ہے۔ جو اللہ کے کام ہیں وہ اس ہی پر چھوڑ دو۔ اس نے ہی تم دونوں کو ملایا تھا پھر دور کر دیا اور اب جب تمہارے ذہن و گمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ وہ تمہیں ملے گی، تو اس نے سارہ کو پھر سے تمہارے سامنے لا کر کھڑا کر دیا۔ تم کچھ نہیں کرو، صرف دعا کرو۔ وسائل پیدا وہ خود کر دے گا۔ اگر تو وہ تمہارے حق میں بہترین ہوئی۔" ارم نے زین کو لاجواب کر دیا تھا۔ آنسو تو کب کے خشک ہو گئے تھے پر دل گرفتگی کا شکار تھا۔

"مام! آپ پھر بھی آ جائیں۔ میں بہت کمزور ہوں۔ مجھے آپ کی ضرورت ہے۔ اگر میں نہ سہی تو آپ اسے سمجھائیں۔ میں چاہتا ہوں وہ آپ سے ملے۔ مجھے ایسا لگتا ہے وہ آپ کو دیکھ کر ٹھیک ہونے لگے گی۔" زین نے اصرار کیا۔

"میں جلد آؤں گی۔ تم بے فکر رہو۔" ارم نے کہا اور دونوں نے بات ختم کر دی۔

وہ بے حد تکان محسوس کر رہا تھا پر ارم سے بات کر کے ذہنی طور پر ہلکا پھلکا ہو گیا تھا۔ ساری رات کا جاگا ہوا تھا لہٰذا اس نے بستر پر لیٹنے کا فیصلہ کیا پر کافی دیر تک بھی کروٹیں بدل بدل کر نیند مہربان نہ ہوئی۔ آنکھیں بند کرے تو سارہ کا چہرا سامنے آ جائے۔ آنکھیں کھولے تو ذہن

اس کی فکر میں دل کو مچل ڈالے۔ نہ جانے وہ کیسی ہوگی؟ کس حال میں ہوگی، ٹھیک بھی ہوگی؟ اسے اگر کسی چیز کی ضرورت پڑی اور اٹھ نہ پائی تو؟ ہر قسم کے خیالات سے دوچار جب اسے احساس ہوا کہ نیند تو آنے سے رہی، وہ بستر سے اٹھ گیا اور فریش ہونے چلا گیا۔

دوپہر کے دو بج رہے تھے جب وہ گھر سے نکلا تھا۔ دل مستقل اس کے گھر کی طرف جانا چاہتا تھا پر ارم کی بتائی ہوئی باتیں کافی اثر کر گئی تھیں۔ اس نے خود کو یقین دلایا کہ سارہ ٹھیک ہو گی۔ جو لڑکی مشکلات سہتی رہی وہ اب بھی سنبھل جائے گی۔ پر دل کو کون مناتا۔ وہ گھر کے پاس ہی ایک دو ریسٹورنٹس تھے جہاں چلا گیا تھا اور کافی دیر تک وہاں بیٹھا رہا۔ کچھ کھا پی کر جب طبیعت بحال ہوئی تو ایک دم سارہ کا مسکراتا چہرا سامنے آگیا تھا جب اس نے زین کو صبح سینڈوچ دیا تھا۔ وہ اس سے کافی واقف تھی اور یہ بات زین کو خوشی کا احساس دلا رہی تھی۔ وہ کتنی دیر وہاں بیٹھا رہا۔ یہاں سے کچھ اور فاصلے پر ایک مسجد بھی تھی جہاں اس نے عصر کی نماز ادا کی اور وہیں کچھ دیر قیام کیا۔ خود بخود اس کے بے چین دل کو آرام ملنا شروع ہو گیا تھا۔ اس نے اپنے سب معاملات اس ذات پر چھوڑ دیئے تھے جو تمام جہانوں کا مالک ہے۔ اگر سارہ اس کے نصیب میں تھی تو کوئی طاقت اس سے الگ نہیں کر سکتی تھی اور اگر نہیں تھی تو وہ کتنی بھی کوشش کر لیتا کبھی نہیں مل سکتی تھی۔ آج اپنا پورا بوجھ اس خالقِ حقیقی کو دے کر وہ ہلکا محسوس کر رہا تھا اور اب اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ دور سے ہی اس کا خیال کر لیا کرے گا۔

سورج غروب ہونے میں آدھا گھنٹہ باقی تھا جب وہ مسجد سے نکلا۔ پاس ہی ایک دو سٹور میں جو کام اسے کل نپٹانے تھے، وہ کیے اور ٹہلتا ہوا اپنے گھر کی طرف بڑھنے لگا۔ اسے کہیں نہ کہیں یہ خیال بھی طمانیت دے رہا تھا کہ کچھ بھی ہو سارہ اس کے گھر کے بہت قریب تھی۔ جو احساسات پہلے اسے بے چینی میں ڈالتے، آج دل کو تسکین دے رہے تھے۔ شاید اس کی ہی

کوتاہی تھی کہ ایک بار بھی اللہ سے اپنا معاملہ ڈسکس نہیں کیا تھا۔صبح کے مقابلے میں اب اس کے چہرے پر وہ ہی ازلی دھیمی سی مسکراہٹ آگئی تھی۔

جب جولیا پورٹر پارک آنے لگا تو اس نے اپنی نگاہیں پارک کی جانب کر دیں جو شام کے جھٹ پٹے سے دل کش منظر پیش کر رہا تھا۔وہ پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے ہوئے ٹہلتا ہوا اس منظر سے لطف اندوز ہوتے ہوئے آگے بڑھ رہا تھا کہ اچانک رکا۔تو دل کو دل سے راہ اس طرح ہوتی ہے!اس کی پشت زین کی طرف تھی پر زین دعوے سے کہہ سکتا تھا کہ بینچ پر بیٹھی ہوئی کوئی اور لڑکی نہیں سارہ ہی تھی۔

تو معاملات اللہ کے سپرد کرنے پر یوں آسانیاں ہوتی ہیں؟وہ پارک میں داخل ہو گیا اور اس کی طرف قدم بڑھانے لگا جو جذب کے عالم میں بیٹھی ہوئی جھیل پر نگاہیں کی ہوئی تھیں۔اس نے سیاہ رنگ کی چادر کو شال کی طرح خود پر لپیٹا ہوا تھا اور چہرے پر بے پناہ سنجیدگی پھیلی تھی۔وہ چلتا ہوا اسی بینچ کے پاس آ رکا جہاں سارہ بیٹھی تھی۔اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے زین کو دلی سکون نصیب ہوا تھا کہ وہ صبح کے مقابلے میں مزید بہتر لگ رہی تھی۔کچھ سوچتے ہوئے اس نے قدم واپس پیچھے کرنے چاہے کہ شاید اس کا یہاں آنا سارہ کو قبول نہیں ہو گا پر محبت شے ہی ایسی خطرناک ہے۔محبوب کو دیکھتے ہی مقناطیسی کیفیت سے اس کی جانب کھینچتی ہوئی لے جاتی ہے۔

''تمہیں تو میں گھر چھوڑ کر آیا تھا۔اب یہاں مٹرگشت کرتی پھر رہی ہو۔''اس نے فرضی برہمی سے سارہ سے کہا جس کی آواز سن کر وہ جو محو خیال تھی زین کو اچانک دیکھ کر مسکرا اٹھی تھی۔

''زین......تم؟آؤ بیٹھو۔''سارہ نے بینچ پر ہاتھ رکھ کر اسے بیٹھنے کا کہا اور وہ تعجب بھری نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔

”آج دور جانے کا نہیں کہو گی جیسے اب تک کہتی آ رہی ہو۔“ زین نے تحیر سے مدھم سی مسکراہٹ لیے کہا اور وہ یہ سن کر ہلکا سا ہنس پڑی۔

”نہیں۔ آج نہیں کہوں گی۔ میں بلکہ تمہیں ہی یاد کر رہی تھی۔“ سارہ نے کہا۔

”چلو اس بہانے سارہ نے ہمیں شرف تو بخشا۔ ورنہ ہمیں لگتا تھا کہ آپ جیسے بڑے لوگ ہم جیسے چھوٹے چھوٹوں کو کہاں یاد کریں گے۔“ زین نے چھیڑتے ہوئے کہا تو وہ اسے مسکراتے ہوئے دیکھنے لگی۔ دونوں ہی کی نظریں اب جھیل اور ساتھ ہی ان ہرے بھرے درختوں کی جانب ہو گئیں۔ خود بخود دونوں کے چہروں پر سے مسکراہٹ غائب ہو گئی اور وہ ان نظاروں میں کھونے لگے۔

”میں یہاں اکثر شام کو آ جاتی ہوں۔ جب گھر میں گھبراہٹ کا احساس ہوتا ہے یا خود کو کہیں تنہا چھوڑنا ہوتا ہے تو میں اس جگہ کا رخ کر لیتی ہوں۔ یہاں آ کر مجھے عجیب سا سکون ملتا ہے۔“ سارہ نے کہا اور زین یہ سن کر حیران ہونے لگا۔

”یہ تو عجیب بات ہے۔ میں خود یہاں صبح آتا ہوں اور اتفاق کی بات یہ ہے کہ اس درخت سے ٹیک لگائے کھڑا ہوتا ہوں۔“ زین نے ان کے ساتھ ہی ایک گھنے درخت کی طرف اشارہ کیا اور سارہ بھی سن کر اسے حیرت بھری نگاہوں سے دیکھنے لگی۔ ایک دم زین کو کچھ خیال آیا۔

”ارے سارہ۔ یہ تو ہم دونوں کا مائے سپاٹ ہو گیا۔“ زین نے کہا اور سارہ کی آنکھیں مزید کھل گئیں پھر اچانک چہرے پر ایک کھلی کھلی مسکراہٹ آ گئی جیسے ماضی کے چند اچھے لمحات اس کی نظروں سے گزرے ہوں گے۔

”واقعی۔ میں تو بھول بھی گئی تھی۔ اس بار ہم دونوں کا مائے سپاٹ ایک ہی نکلا پر وقت

مختلف ہو گیا۔" سارہ نے کہا۔ پھر سے دونوں کی نگاہیں اس نیلی جھیل کی طرف چلی گئیں جو آنکھوں کو ٹھنڈک بخش رہی تھی۔ مغرب کا وقت ہونے لگا تھا اور آہستہ آہستہ ان دونوں کی نگاہوں کے سامنے سورج اپنے آج کے دن کا فرض ادا کر کے اپنی آخری نرم سی نارنجی کرنیں دکھاتا ہوا جا رہا تھا۔

"تمہیں معلوم ہے میں یہاں اس وقت کیوں آتی ہوں؟" سارہ نے کہا۔ زین نے اب کی بار سارہ کی جانب دیکھا تو یک ٹک دیکھتا ہی رہ گیا۔ وہ اسے تحت لاشعور میں جیسے جاتی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ یہ مائے سپاٹ تھا۔ وہ جگہ جہاں سارہ نے ہر بار اپنے دل کا حال زین سے شیئر کیا تھا۔ جو وہ اتنے دن سے اس کے ساتھ کرنا چاہ رہا تھا آج خود بخود سب ہو رہا تھا۔

"کیوں؟" زین نے دھیمی آواز میں پوچھا۔ آج وہ اسے سننا چاہتا تھا۔ اس کے دل کی ہر بات جاننا چاہتا تھا۔ آج یہ موقع اس نے خود نہیں نکالا تھا بلکہ اللہ نے اسے آج یہ موقع بخش دیا تھا۔ سارہ بالکل ویسی ہی حالت میں پہنچ گئی تھی جیسے پہلے ہوتی تھی۔ نگاہیں تو جھیل کی طرف تھیں پر خیالات کہیں اور ہی ڈگر پر سیر کر رہے تھے۔

"کیونکہ مجھے سورج غروب ہوتا ہوا اچھا لگتا ہے۔ کیسے اپنے ساتھ سب روشنی لے جاتا ہے اور ایک دم ہر شے چھپنے لگتی ہے۔ جیسے کئی راز ہوں جن پر پردہ پڑ گیا ہو۔ مجھے اس اندھیرے سے محبت ہے جہاں کوئی مجھے نہیں دیکھ سکتا اور میں کسی کو نہیں دیکھ سکتی۔" زین پوری توجہ کے ساتھ سارہ کو سن رہا تھا۔ سورج مکمل طور پر غروب ہو گیا تھا اور مدھم نیلگوں روشنی ہر سو پھیلی ہوئی تھی البتہ ملحقہ سڑک پر لیمپ پول کی زرد روشنی پارک کو چھو رہی تھی اور جہاں یہ دونوں موجود تھے وہاں بھی اس کی پہنچ آرام سے ہو رہی تھی۔

"چرند پرند خاموش ہو جاتے ہیں۔ ہر طرف سناٹا چھا جاتا ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے سب

نے ایک کالی چادر اوڑھ رکھی ہے۔ میں خود کو بھی انہیں اندھیروں میں چھپانا چاہتی ہوں۔ یاد ہے، تم نے مجھ سے پوچھا تھا کہ میں تم سے دور کیوں بھاگتی ہوں۔ اس کا جواب میں نے غلط دیا تھا۔ میں تم سے دور نہیں بھاگتی زین۔ میں تم سے جڑے اس ماضی سے دور بھاگتی ہوں جس کو بھولنے کے لئے میں نے اپنا ملک چھوڑا۔ ثانیہ کی شادی پر جب میں نے تمہیں آٹھ سال بعد دیکھا تو میری زندگی کی کہانی جیسے فلم کی طرح میری آنکھوں کے سامنے سے گزرنے لگی۔ ہر درد، ہر تکلیف، ہر احساس بالکل ویسے ہی محسوس ہونے لگا جس سے جان چھڑانے کے لئے میں یہاں آئی تھی۔ میں یہ تو نہیں کہتی کہ میں سب کچھ بھول گئی تھی پر تمہیں دیکھ کر اندر ہی اندر ڈر لگنے لگا تھا۔ میں تم سے سب کچھ چھپانا چاہتی تھی۔ مجھے اندازہ تھا کہ تم مجھ سے پوچھو گے کہ میرے ساتھ کیا ہوا تو میں نے تمہیں صرف اوپر ہی اوپر سے سب بتا دیا۔ میں تمہیں کسی صورت اپنے حوالے سے پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی۔“ دن چاند کے آسمان کی سیاہی کا تسلط نیلگوں روشنی پر چھاتا ہوا اطراف کو سیاہ مائل چادر میں لپیٹ گیا تھا۔ اب اگر کچھ واضح تھا بھی تو صرف لیمپ پول کی زرد روشنی کا کرم تھا۔ گرگٹوں کی آوازیں اس سناٹے کو چیرتی ہوئیں ان کے کانوں میں پڑ رہی تھیں۔ سارہ کی نگاہیں ابھی بھی اس اندھیرے میں چھپ جانے والی جھیل کی طرف ہی ٹکی تھیں جب کہ زین بغور سارہ کو دیکھ رہا تھا۔

”تم جانتے ہو میں جب یہاں پہلی بار آئی تھی تو پیئنگ گیسٹ کے طور پر گریس کے پاس کچھ مہینے رکی تھی۔ وہاں مجھے ایلکس ملا اور تھوڑے دنوں میں ہی وہ بچہ میرے دل کو بھا گیا تھا۔ گریس مثبت خیالات رکھتی ہیں۔ ان کے گھر میں کئی جگہ تمہیں ایسے **quotes** اور **Positive sayings** کے حوالے سے فریمز نظر آئیں گی لیکن میں یہ ہرگز ماننے کو تیار نہیں تھی کہ ایلکس نے ان سے سب کچھ سیکھا تھا۔ وہ بچہ مجھے ہر بار اپنی باتوں سے حیران کر دیا

کرتا تھا۔ مجھے کہیں نہ کہیں اس میں تمہاری شبیہہ دکھائی دیتی تھی۔ وہ لڑکا مجھے تمہاری دوستی کی یاد دلاتا تھا زین۔ اپنے سے بڑھ کر دوسروں کا خیال کرنا، دوسروں کے کام آنا، ہر بار ایسی باتیں کہہ جانا کہ سامنے والا دنگ رہ جائے۔ میں وہاں اس کے پاس اس کے لئے نہیں جاتی تھی بلکہ اپنے لئے جاتی تھی اور وہ اس بات سے بخوبی واقف تھا۔ کل وہ مجھے اپنی آخری سانسوں میں کیوں پکار رہا تھا میں جانتی ہوں۔ وہ یہ بتانے کے لئے نہیں بلا رہا تھا کہ بہت درد ہو رہا ہے بلکہ یہ کہنے کے لئے بلا رہا تھا

that i couldn't make it sarah,why dont you enjoy this life on my behalf as well

وہ مجھے کھینچتا تھا ان رنگینیوں میں اور میں اس سے ہر بار جان چھڑوا کر نکلتی تھی۔ اسے کیسے سمجھاتی کہ میں ہار گئی ہوں۔" وہ ہمہ تن گوش تھا اور جس طرح سارہ رازوں پر سے پردے فاش کر رہی تھی تو اس کا دل سننے کے ساتھ ہی بے چین ہونے لگا تھا۔

"میں ہر بار بھول جاتی ہوں کہ مجھے خوشیاں راس نہیں آتیں۔ چھ ماہ میں گریس کے پاس رکی تھی اور انہی دنوں میں ایلکس کی طبیعت دن بہ دن بگڑتی رہی تھی۔ جب ٹیسٹ کروائے تو معلوم ہوا وہ کینسر جیسی بے رحم بیماری سے لڑ رہا ہے۔ میرا ضبط ٹوٹ گیا تھا زین! چند دن میں ہی فیصلہ لیا اور وہاں سے میں شفٹ ہوگئی۔ مجھے آج تک اس کی سرزنش کرتی ہوئی نگاہیں یاد ہیں جب وہ مجھے روک رہا تھا پر میں نہیں مانی۔ اور وہ آخری واقعہ میرے لیے یقین کا باعث بن گیا کہ سارہ کی خوشیاں جان لیوا ہیں۔"

"تم ایسے کیوں سوچتی ہو سارہ! ہر چیز اللہ کی مرضی سے ہے۔ محض خود کو قصور وار کہنا اس بنا پر کہ تمہاری موجودگی تمہاری خوشیاں دوسروں کا نقصان ہے، غلط سوچ ہے۔ اور تم یہ کیوں کہتی

ہو کہ ہار گئیں؟ ڈاکٹر جیکب خود یہ کہتے ہیں کہ تمہیں کوئی طاقت روکتی ہے کچھ غلط کرنے سے۔ تم بہادر ہو سارہ۔ تمہاری جگہ کوئی اور ہوتا تو کیا کیا نہیں کر گیا ہوتا۔" زین نے رسان سے کہا اور سارہ کے لبوں پر طنزیہ مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

"ڈاکٹر جیکب تو اکثر ایسی باتیں کرتے ہیں۔ ان کی باتوں کو سریس مت لو! تمہیں ایک بات بتاؤں۔ جس رات تمہاری فون کال آئی تھی۔ میرے ماموں معلوم نہیں کیا سمجھ بیٹھے تھے۔ انہوں نے فون اٹھا کر تو دیوار پر دے مارا تھا پر ساتھ ہی میرے چہرے پر زوردار طمانچہ چھاپ دیا تھا۔" زین ہرگز بھی سارہ سے اس واقعے کو چھیڑنے کی توقع نہیں کر رہا تھا اور اب جب سارہ نے اچانک یہ بات شروع کی تو زین نے ضبط سے ہاتھ کی مٹھی بھینچ لی۔

"پر چہرے پر لگی مار دامن پر لگے بدکرداری کے داغ سے حد درجے کم تھی۔ میں نے بھی ٹھان لی تھی، لب سیل دیئے، سر خم کر دیا ہر فیصلے کے آگے۔ وہ مجھے کنوئیں میں دھکیل رہے تھے اور مجھے ہر چیز قبول تھی۔ زبان سے ایک لفظ ادا نہیں کیا تھا۔ اپنے معاملات اللہ کے سپرد کر دیئے تھے۔ وہ جانتا تھا کہ میں پاک دامن تھی۔ میں نے کبھی کسی کو دھوکا نہیں دیا تھا۔ بس کٹھ پتلی کی طرح ان کے اشارے پر چل رہی تھی۔ جب سلمان سے میرا نکاح پڑھا دیا تو میں سرد مجسمے کی مانند چپ رہی لیکن پھر وہ ہوا جس کی میں نے کبھی توقع نہیں کی تھی۔ معلوم نہیں کیسے میرے ماموں کا دل موم پڑ گیا۔ زین! زندگی میں پہلی بار وہ میرے پاس آئے اور انہوں نے صدق دل سے دستِ شفقت جب سر پر رکھ کر دعا دی میں تمام غم بھول کر انہیں معاف کر گئی۔ ان کا دیا ہر دکھ بھلا گئی۔ ان کا فیصلہ سر آنکھوں پر رکھ دیا۔ میں خوش ہونے لگی تھی۔ بے حد خوش۔ مجھے پھر سے باپ کی شفقت نصیب ہو رہی تھی لیکن......" وہ پل بھر کو خاموش ہوئی اور آنکھیں بند کی تو کئی آنسو چھلک کر اس کی گود پر جا گرے۔

''خوشیاں راس نہیں آتیں۔ اس حادثے نے میرے رشتے مجھ سے چھین لیے...... اور تم کہتے ہو یہ سوچ ہی غلط ہے؟'' اس نے شکایتی نظروں سے زین کو دیکھا تھا۔ جو اس کے منفی سوچ کی گہرائی کو ناپتا ہوا دل ہی دل میں حیران ہو رہا تھا۔

''وہ خواب یاد ہے تمہیں؟ مجھے آج تک پریشان کرتا ہے۔ اس میں وقت کے ساتھ ساتھ صورتحال مختلف ہوتی گئی پر بالآخر میں نے خود کو ایک ویکیوم میں ہی پایا ہے۔ البتہ مجھے معلوم نہیں کیوں دروازے پر دیتی دستک نے اکثر پریشان کیا ہے کہ پہلے یہ نہیں تھی پر اب کچھ وقت سے سنائی دیتی ہے۔ مجھے نہیں پتہ دستک دیتی ہوئی شے کون ہے۔ کیا کوئی آسیب ہے جو مزید مجھے عزیتوں میں دھکیل دے گی یا کوئی فرشتہ جو اس کرب سے میری جان بچائے گا۔ تم نے مجھ سے پوچھا تھا کہ سارہ کہاں گئی؟ وہ مری نہیں ہے پر آخری سانسیں چل رہی ہیں۔ وہ اسی اندھیرے میں چھپ گئی ہے زین، جسے میں باہر نہیں لاتی۔ کیوں کہ جب جب وہ آئی ہے اس نے صرف دوسروں کا نقصان کیا ہے۔ اس نے تسلیم کرلیا ہے کہ یہ زندگی اس کے لیے نہیں۔ اسے وہ تنہائی پسند آگئی ہے۔ اندھیرا اچھا لگنے لگا ہے۔ سارہ وہیں ہے۔ اپنے بہترین ساتھی تنہائی کے ساتھ جس سے اسے کوئی توقع نہیں اور نہ سارہ کو اس سے کوئی توقع ہے۔ ان آٹھ سالوں میں ایک ساتھ دینے والی تنہائی ہی تو تھی۔ وہ کیوں اسے چھوڑ دے۔ کیوں باہر آئے۔ باہر آئے گی بھی تو ان روشنیوں، دنیا کی رنگینیوں کو کیسے برداشت کرے گی۔ ہر بار کچلی گئی ہے ہر بار درد میں تڑپی ہے۔ نہیں...... اب وہ باہر نہیں آئے گی۔ وہ وہیں رہے گی۔'' سارہ کا سانس ہلکا ہلکا پھولنے لگا۔ چہرے پر متانت لیے وہ واپس جھیل کی طرف دیکھنے لگی تھی۔

''میں تم سے نہیں بھاگتی زین! میں تمہاری خوش اخلاقی، تمہارے دوستانہ رویے سے بھاگتی ہوں۔ تم مجھ میں وہ ساتھی ڈھونڈتے ہو جو تمہارا ساتھ دے۔ جو تمہارے شانہ بشانہ

چلے۔ جو تمہارے جیسا خوش اخلاق ہو۔ پر میں ایسی نہیں ہوں۔ تم جیسے زندہ دل انسان کے لئے ایک زندہ دل لڑکی کا ہونا زیادہ بہتر ہے۔ جو آخری دم تک تمہارا ساتھ دے۔ جو تمہیں سمجھے، جو تمہارے دکھوں کو بانٹے۔ میں کیا دے سکوں گی؟ میرے دل میں نہ ہی کوئی جذبات ہیں اور نہ احساسات۔ میں کیسے تمہاری اس حسین زندگی کا گلا گھونٹ دوں؟ میں...... سارہ احمد...... ایک طلاق یافتہ لڑکی جو ذہنی علاج کروا رہی ہے، تمہیں کیا دے گی؟ درد، تکلیفیں، اضطراب؟ نہیں...... میں خود غرض نہیں ہوں۔ تم میرے اندر پنپتی ہوئی سیاہی کو نہیں جانتے۔ تمہارے اندر موجود ہر رنگ پر تسلط ہو جائے گی زین۔ میں بہت عزیز کھو چکی ہوں۔ اب ایک اور کی سکت باقی نہیں رہی۔ تم خواہ مخواہ اپنا وقت برباد کر رہے ہو۔ میں تمہیں اداسیوں کے علاوہ کچھ نہیں دے سکتی۔'' سارہ کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے اور یہ سب سن کر زین کا دل بھی بوجھل ہونے لگا تھا۔ آج اسے اپنے دل کا حال نہیں بتانا تھا۔ آج وہ اسے جاننا چاہتا تھا۔ اس کی آنکھوں کی گہرائی میں ڈوبنا چاہتا تھا پر وہ کئی تلخ باتیں کہہ گئی تھی جو زین کو اذیت دے رہی تھیں۔ وہ کیوں اس کی محبت کو اب تک نہیں سمجھی تھی۔ اس کے جذبات ان سب باتوں سے بالاتر تھے۔ وہ اس بات سے ناواقف تھی کہ وہ زین کی زندگی میں کیا اہمیت رکھتی تھی۔ وہ ان آنکھوں کو پڑھنا چاہتا تھا جو ہر بار اس کی حقیقت اور اس کے دل کی بات بتا دیا کرتی تھیں پر آج بھی یہ آنکھیں تالا لگائے بیٹھی تھیں۔ وہ یوں تو سب باتیں کر رہی تھی پر زین اندر ہی اندر مضطرب ہو رہا تھا جیسے ابھی بھی سارہ کو صحیح جان نہ پایا ہو۔

''میری زندگی میں کوئی بھی نہ رہا۔ والدین چلے گئے، رشتے دار چلے گئے، اچھے دوست چلے گئے اور اب ایلکس...... وہ بھی چلا گیا۔ میری قسمت ہی بری ہے ہر شخص چلا جاتا ہے۔ میرے لئے اللہ نے محبت نہیں بنائی۔ میرے لئے کوئی رشتہ نہ بنایا۔ تم سے جھوٹ نہیں کہوں

گی۔ جب میرا اسلمان سے نکاح ہوا تھا تو وہ ہی میرا شریکِ حیات بن گیا تھا۔ ایک اچھی بیوی وہ ہی ہوتی ہے نا جو اپنے شوہر کے تمام حقوق بجا لائے اور میں نے کبھی کسی فرض میں کوتاہی نہیں کی۔ وہ جیسا جیسا کہتا گیا میں ویسا ویسا کرتی گئی۔ وہ شروع کے چند دن میرے ساتھ بہت اچھے سے رہا۔ مجھے کہیں نہ کہیں لگنے لگا کہ شاید میرا مقدر یہ ہی تھا۔ پر ایک دن اس نے میرے سارے احساسات کا گلا گھونٹ دیا۔ جب مجھے معلوم ہوا کہ وہ کسی دوسری لڑکی کو مجھ پر ترجیح دے رہا ہے۔ میں تو وہیں ختم ہو گئی تھی۔ میں نے کتنی منت سماجت کیں۔ اس کے آگے ہاتھ جوڑے کہ وہ مجھے اپنے گھر کی چھوٹی سی چھت دے دے تاکہ میں وہاں گزارا کرلوں پر اس نے مجھ پر وہ الزامات لگائے جن کی میں مجرم نہیں تھی۔ میرا لوگوں پر سے اعتبار ختم ہو گیا۔ تب میں نے فیصلہ کرلیا تھا کہ مجھے کسی کا محتاج نہیں ہونا۔ مجھے شادی کے لفظ سے نفرت ہوگئی۔ مجھے اس رشتے سے بھی نفرت ہوگئی۔ میں تو تب بھی مرجانا چاہتی تھی۔ خود کو ختم کر دینا چاہتی تھی۔ اس صفحہ ہستی سے اپنا نام ونشان مٹا دینا چاہتی تھی پر کر نہیں پائی۔ آج جب مجھے معلوم ہوا کہ تم کل سے میرے پیچھے خوار ہوئے ہو تو میرا دل تمہاری طرف نرم پڑ گیا۔ خود کو سرزنش کرتی ہوئی میں یہ ہی سوچ رہی تھی کہ بہت بڑی غلطی کردی میں نے جو تمہیں اتنا سب کچھ کہہ گئی۔ تمہاری غلطی تھی ہی کیا۔ تم تو ایک دوست کی حیثیت سے آرہے تھے۔ اپنا احساس مجھے دکھانا چاہتے تھے۔ میں نہ جانے کتنی بار تمہارا دل دکھا بیٹھی۔ مجھے اس کے لئے معاف کردینا زین، میں خود سے روز ایک جنگ لڑتی ہوں اور ان کیفیات میں مجھے یہ احساس نہیں ہو پاتا کہ میں کیا کر رہی ہوں۔ تم اپنی حسین زندگی میں واپس چلے جاؤ۔ میں تمہیں کچھ نہیں دے سکتی۔ سوائے رنج وغم کے میرے پاس کچھ اور ہے بھی نہیں۔ ایک سخت دل لیے میں تمہیں کیوں کوئی امید دلاؤں۔ اگر کہیں نہ کہیں تمہیں یہ ڈر ہے کہ میں کوئی اپنا نقصان کر بیٹھوں گی تو ایسا نہیں ہے۔

میں نہیں کرسکتی ایسا کچھ۔ پر اب میں تنہا رہنا چاہتی ہوں۔ کسی سے کوئی رشتہ نہیں رکھنا مجھے۔ میں خوش ہوں اپنی تنہائی میں۔ سارہ خوش ہے زین...... بہت خوش۔" سارہ نے زین کی جانب دیکھا جو ماتھے پر شکن لیے اسے سنجیدگی سے دیکھ رہا تھا۔ کتنی دیر وہ دونوں خاموش ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ وہ اس کے دل کا حال نہیں جانتی تھی۔ سارہ ہر وہ بات کہہ گئی تھی جو اس کے متعلق تھی پر زین کے حال سے بے خبر وہ پھر ایک بار فیصلہ کر گئی تھی۔ بہت مشکل سے زین نے خود کو سنبھالا تھا۔ اگر دونوں کا ملنا نہیں لکھا تھا تو ایسے ہی سہی۔ اس سارہ نے خود کو کتنی ہی بار بند کیا تھا پر زین آرام سے آجاتا تھا پر آج جیسے اس کا داخلہ بھی ممنوع تھا۔ اس نے سارہ پر سے نظریں ہٹائیں اور لمبا سانس لیتے ہوئے سارے آنسو پی گیا۔

"میں تم سے ایک سوال کرنا چاہتا ہوں سارہ، کیا اس تنہائی میں رہ کر تم سکون میں ہو؟" ان دونوں کے درمیان کافی دیر تک خاموشی چھائی ہوئی تھی جب زین کے سوال نے خاموشی کے زور کو توڑ دیا تھا۔

"سکون؟!! ہاہاہا۔ یہ کس چڑیا کا نام ہے زین؟ میرے پنجرے میں یہ آج تک نہیں آئی۔" سارہ نے طنزیہ لہجے میں ہنس کر کہا اور وہ تحمل سے اسے دیکھنے لگا۔

"پنجرا بنا کر رکھو گی تو کون سی چڑیا آئے گی؟ ایک بار گھر بنا کر تو دیکھو پھر تمہیں معلوم ہوگا کہ تم کہاں غلط ہو۔" زین نے کہا اور سارہ کی مسکراہٹ ایک دم غائب ہو گئی۔ وہ اسے لاجواب کر گیا تھا۔

"تمہیں معلوم ہے، میں یہاں روز فجر کے بعد کیوں آتا ہوں؟ کیونکہ مجھے آفتاب کو طلوع ہوتے دیکھنا اچھا لگتا ہے۔ جو اپنی روشنی سے ہر اندھیرے کو ختم کر دیتا ہے۔ جو مجھے اس بات کا احساس دلاتا ہے کہ ایک اور دن خدا نے مجھے دیا۔ چلو آج خود کو ثابت کرتے ہیں۔ جس تنہائی

اور اندھیرے کو تم گلے لگا کر بیٹھی ہو وہ تمہیں اندر ہی اندر کھا رہی ہے۔ تم جس سے کوئی توقع نہیں کرتیں یہ تمہیں وہ نقصان پہنچا رہی ہے جس سے تم واقف نہیں ہو۔ سارہ! تم گناہ گار نہیں ہو۔ تم نے کوئی ایسا گناہ نہیں کیا جس کی سزا تمہیں مل رہی ہے۔ یہ آزمائشیں تھیں جو کب کی ختم ہو گئی ہیں لیکن تم سمجھ نہیں پا رہیں۔ کیا تم خود پر غور نہیں کرتیں؟ جو کرم تم پر اللہ نے ہر انداز سے کر دیا ہے۔ جو سارہ در در بھٹکتی تھی، جس کی ضروریاتِ زندگی پوری ہونا ناممکن تھا آج ٹھیک ٹھاک بینک بیلنس کی مالکہ ہے۔ تم یہ سمجھتی ہو کہ اللہ نے تمہاری رسی کو ڈھیل دی ہے، پر کس لے گا؟ نہیں سارہ، وہ تم پر اپنی رحمت برسا رہا ہے اور تم سیاہی میں چھپی ہوئی اسے عذاب سمجھ رہی ہو۔ تمہارا خواب اللہ کی مدد مانگتے ٹوٹتا تھا اور آج جب وہ تمہاری مدد کر رہا ہے تو تم شکر کے لیے ہاتھ ہی نہیں اٹھا رہیں۔ یہ سوچ جا رہی ہو کہ پھر کوئی مصیبت آن پڑے گی۔ پھر کچھ برا ہو جائے گا۔ ایلکس کو لاسٹ اسٹیج کینسر تھا۔ کوئی بھی سن کر اس کی زندگی کے لئے ناامید ہو سکتا تھا پھر تم خود کو اس کا دوشی کیوں ٹھہرا رہی ہو؟'' زین وہاں سے اٹھ گیا اور سارہ کی جانب دیکھنے لگا۔ وہ ایک دم اس کی باتوں سے خاموش ہو گئی تھی اور حیرت بھری نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''میں تمہاری بہت عزت کرتا ہوں سارہ اور آج بھی تمہارے بلانے سے فوراً حاضر ہو جاؤں گا۔ اگر میری موجودگی تمہیں تکلیف دیتی ہے تو اب تمہارے راستے نہیں آؤں گا پر صرف ایک التجاء ہے جو میں تم سے چاہتا ہوں، خود کو ٹٹولو، جب تک تم خود نہیں چاہو گی تمہارے حالات نہیں درست ہوں گے۔ تم اپنے فیصلے لینا زیادہ بہتر سمجھتی ہو۔ لہٰذا اب اپنی ذات پر فیصلہ لو۔ گلاب کا پھول تب تک نہیں مرتا جب تک اس کی پتیاں سوکھ کر جھڑ نہ جائیں۔ مرجھائے ہوئے پھول پھر سے کھل سکتے ہیں، صرف تھوڑا سا خیال ضروری ہے۔ سورج

غروب ہوتے تو بہت دیکھے ہیں، تم اب ایک بار پھر طلوع ہوتے دیکھو۔ ہر اندھیرا اپنے ساتھ کئی راز لیے بیٹھتا ہے۔ پر ہر روشنی اپنے ساتھ کئی مسکراہٹیں بکھیرتی ہے۔ تم نے کوئی گناہ نہیں کیا تھا سارہ، جس کا تمہیں کفارہ دینا تھا۔ خود کو کوسنے سے بہتر ہے اس اندھیرے سے نکلو جہاں تمہیں دستک سنائی دے رہی ہے۔ ہوسکتا ہے کوئی خوشی دستک دے رہی ہو جسے تم نہیں سمجھ پا رہیں۔ میں تم سے پوچھنے والا تھا اگر میں تمہیں یہاں سے گھر تک چھوڑ دوں پر میں تمہارا جواب جانتا ہوں۔ جو لڑکی یہاں اکثر سورج غروب ہوتے دیکھتی ہوگی وہ یقیناً رات کے اس اندھیرے میں بھی بہت آرام سے اپنے گھر چلی جاتی ہوگی۔ تو میرا پوچھنا ہی بیکار ہو جاتا ہے کیونکہ میرے ہر کیے کو تم نے ہمیشہ محض ایک احسان سمجھا ہے۔ اپنا خیال رکھنا اور اگر ہوسکے تو میرے کہے پر سوچنا ضرور۔ اللہ حافظ۔" زین کہہ کر ایک دم پلٹ کر چل دیا۔ ہر بار یہ کام سارہ کرتی تھی پر آج اس نے کر دیا تھا۔ سارہ اسے جاتے دیکھتی رہی جب تک وہ نظروں سے اوجھل نہیں ہوگیا۔ چہرے پر متانت لیے وہ سارہ سے بہت کچھ کہہ گیا تھا۔ سارہ اس کے انداز کو دیکھتی رہ گئی تھی۔ جیسے وہ دماغ کو بلینک کر کے چلا گیا تھا۔

یہاں دوسری طرف اس کے فوراً اٹھ کر چلے جانے کی وجہ یہ تھی کہ وہ مزید اپنے جذبات سنبھال نہیں پا رہا تھا۔ اگر وہ ایک منٹ وہاں رکتا تو اپنا دل اس کے سامنے کھول کر رکھ دیتا۔ پر وہ ایسا نہیں چاہتا تھا کیونکہ یہ وہ سارہ تھی ہی نہیں جو اس کے جذبات کو اہمیت دیتی۔ سمجھ نہیں آ رہا تھا پارک میں جا کر اس کے ساتھ بھلائی ہوئی تھی یا پھر کچھ برا ہو گیا تھا۔ کیونکہ دل میں بے چینی اور بے قراری پھر سے بڑھ گئی تھی۔

وہ آنکھوں میں کرب لیے گھر کی جانب تیز تیز بڑھتا گیا۔ اس نے آج جب خدا کو اپنے معاملات سپرد کیے تو اب احساس ہونے لگا کہ شاید واقعی ان دونوں کا ملنا نہیں لکھا تھا۔ پر کوئی

بات نہیں ملنا نہ لکھا ہو پر پاس تو ہے۔ اسی سہارے بھی وہ اپنی زندگی گزار لے گا۔ ہاں پہلے جیسی یہ زندگی نہ ہو گی پر جب وہ یہ ہی چاہتی تھی تو پھر وہ کیسے زبردستی کر سکتا تھا۔ دوری دونوں میں تھی پر اس سہارے بھی جی لے گا کہ اپنا نہ سکا تو کیا ہوا پاس تو ہے بس اتنا کافی ہے۔ وہ خود کو تسلی کرتا ہوا چلا جا رہا تھا۔ ان سب باتوں میں ایک بات کا اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ سارہ جیسی لڑکی کہیں نہ تھی۔ اس نے ہر امتحان کو پار کیا تھا اور ہر بار اللہ کے ڈر، اس کی ناراضگی سے بچنے کے لیے ایسا قدم نہیں اٹھاتی تھی جس سے وہ پچھتائے۔ وہ سچی تھی، صاف دل کی لڑکی۔ جسے اپنی معصومیت کا اندازہ نہ تھا۔ صرف منفی سوچوں نے اسے بھٹکا کر رکھا تھا پر دل میں اللہ کا ڈر قائم تھا۔ ظاہر ہے ہم بشر ہیں، کوئی فرشتے تو نہیں جو غلطی نہ کریں۔ جتنا بھی نیک انسان ہو کہیں نہ کہیں غلطی کرے گا۔ وہ بھی یہ ہی غلطی کر رہی تھی۔ زین کی نظروں میں وہ اس سے بھی بڑھ کر ایک مقام پر آ گئی تھی جہاں زین خود بھی نہ پہنچا تھا۔

☆......☆......☆

وقت کے کانٹے تو اپنی رفتار سے چل رہے تھے پر دیکھتے ہی دیکھتے ایک مہینہ گزر گیا تھا۔ موسم گرما جوبن پر تھا اور اپنی خوبصورتی چاروں طرف بکھیرے ہوئے تھا۔ کئی خوش نما رنگ کے پھول پتے بیل بوٹے مکمل طور پر کھل گئے تھے۔ ہرے بھرے درخت آنکھوں کو تسکین بخشتے اور مختلف پرندے جو گرما کے موسم میں اس طرف کا رخ کیا کرتے تھے نظر آنے لگے تھے اور اپنی سریلی آوازوں سے فضا کو مزید پرسکون کر رہے تھے۔

پر جہاں موسم کی رنگینیاں ہر سو پھیلی ہوئی تھیں وہیں دو دل بے حد مرجھائے ہوئے تھے۔ سارہ اور زین کی آخری ملاقات جو پارک میں ہوئی تھی اس کے بعد ان دونوں کے درمیان کوئی رابطہ نہ ہوا تھا۔ زین نے خود کو اپنے پراجیکٹ میں اس قدر مصروف کر لیا تھا کہ سر اٹھانے کی

بھی فرصت نہیں تھی۔ زین کا پراجیکٹ زور شور سے چل رہا تھا۔ ہر چینل پر اس کے پراڈکٹ کی ایڈ نشر ہو رہی تھی۔ بل بورڈز پر بھی یہ ہی پراڈکٹ زیادہ نمایاں تھا۔ میٹنگز، سیل، ایڈز پھر ڈسٹری بیوشن ہر چیز کا دھیان رکھنا اور اس کے مطابق فیصلے لینا۔ وہ بے تحاشا مصروف ہو گیا تھا اور چاہتا بھی یہ ہی تھا۔ اس نے پورا دھیان اپنے کام پر لگا دیا تھا۔ پر ایسا نہیں تھا کہ وہ سارہ کی طبیعت سے ناواقف تھا۔ اکثر ثانیہ سے فون پر سارہ کا حال پوچھ لیا کرتا تھا جو اسے ہمیشہ تسلی بخش جواب دے دیا کرتی اور وہ سکون کا سانس لے لیتا تھا۔

یہاں دوسری طرف شروع میں سارہ ثانیہ کے سامنے آنے سے ہچکچا رہی تھی۔ اسے ڈر تھا کہ ثانیہ اس سے کئی ایسے سوال کر بیٹھے گی جس کا وہ جواب نہ دے پائے گی پر ایسا کچھ نہیں ہوا تھا۔ وہ جس دن آفس آئی تھی ثانیہ اس سے بہت گرم جوشی سے ملی تھی اور بس حال احوال جان کر اپنے کام میں مصروف ہو گئی تھی۔ سارہ کو اس پر تعجب ہوا تھا۔ جو لڑکی لیٹسٹ نیوز پر اپ ڈیٹ سنے بغیر دن نہیں گزارتی تھی، اس بات کی طرف دھیان بھی نہیں دے رہی تھی۔ خود بخود سارہ نارمل ہونے لگی تھی۔ اس کی طبیعت میں یوں تو بہتری کافی آتی جا رہی تھی پر حالات اب پہلے جیسے ہی تھے فی الحال ان میں کوئی سدھار نہ تھا۔ اس دورانیے میں سارہ نے دو تین بار گریس کے گھر کا چکر بھی لگایا تھا۔ جہاں اسے تھوڑا سکون ملتا تھا۔ ایلکس کے کمرے میں کچھ دیر بیٹھ کر وہ اپنی اور ایلکس کی باتیں یاد کیا کرتی۔ ایک دو آنسو تو بہتے پر وہ لڑکا ایسا تھا کہ ہر بار سارہ کے لبوں پر دھیمی مسکراہٹ آ ہی جاتی۔

جہاں زین کو اپنے پراجیکٹ میں کامیابی مل رہی تھی وہیں سارہ کے کام کی بھی آج کل ہر سو واہ واہ ہو رہی تھی۔ اسے حالیہ ''ایمپلائے آف دا منتھ'' کا ایوارڈ ملا اور اس کی کامیابی پر اس کے تمام کولیگ نے تالیوں کے ساتھ اسے سراہا تھا۔ وہ بتدریج آگے بڑھتی جا رہی تھی اور اپنے

قدم مزید مضبوط کر رہی تھی پر اس کے باوجود بھی دل اندر ہی اندر کوئی خوشی محسوس نہیں کرتا تھا۔ یہ تمام کامیابیاں دھری کی دھری تھیں اس کے سامنے۔

☆......☆......☆

ارم اور کنزا شکاگو پہنچ گئے تھے۔ دونوں ائیر پورٹ سے نکلی تھیں کہ زین نرم سی مسکراہٹ لیے دونوں کے انتظار میں باہر کھڑا تھا۔ وہ کتنے وقت بعد اپنی ماں اور بہن سے آج مل رہا تھا۔ زین کو منتظر دیکھ کر ارم اور کنزا تیز تیز چلتی ہوئی اس کے پاس آ گئی تھیں۔ زین نے دونوں کو سلام کیا اور اپنی ماں کے ماتھے پر بوسہ دے دیا۔ ارم نے مسکرا کر اس کی جانب دیکھا تو آنکھوں کی سطح پر نمی آ گئی۔ زین مسکرا تو رہا تھا پر ان آنکھوں میں نہ جانے کتنے درد وہ لیے بیٹھا تھا۔ یہ درد بھری مسکراہٹ پھر یہ سونی آنکھیں، ارم سے دیکھا نہ گیا انہوں نے نظریں نیچے کیں اور زین نے ماحول کو ہلکا کرنے کے لیے کنزا کو کنیز کہہ کر چھیڑنا شروع کر دیا۔ دونوں کی چھیڑ خانی میں ارم نارمل ہونے لگیں اور وہ دونوں کو اپنے ساتھ اپنے گھر لے گیا۔ وہ ارم کو پہلے ہی اپنی اور سارہ کے حوالے سے جو بات ہوئی تھی، آگاہ کر گیا تھا لیکن پھر بھی ارم نے شکاگو آنے کا فیصلہ ترک نہیں کیا تھا کیونکہ وہ جانتی تھیں کہ زین کو ان کی بہت ضرورت تھی۔ وہ سارہ سے تو نہیں مل سکتی تھیں پر زین کو سہارا دینا چاہتی تھیں۔

☆......☆......☆

''اچھا ہوا جو تم آج آ گئیں۔ تمہیں بہت مس کر رہی تھی میں۔ ظاہر ہے ایلکس کے بعد بس اب ایک صرف تم ہی ہو جس کی مجھے فکر رہتی ہے۔'' گریس نے سارہ کی طرف کوفی کا کپ رکھا اور میز کی دوسری کرسی کھینچ کر بیٹھیں۔

''ہاں پورا ہفتہ کافی مصروف رہا ہے۔ اس لیے آ نہیں سکی تھی میں۔ آج ویک اینڈ ہوا تو

سوچا آپ کے پاس چکر لگا لوں۔" سارہ نے کہا۔ وہ تازہ گلاب کے پھولوں کا گلدستہ گریس کے لئے لائی تھی جس سے ان کی طبیعت کافی بحال ہوئی تھی۔

"بہت خوبصورت پھول ہیں سارہ، تم نے مجھے خوش کر دیا۔" گریس نے وہ گلدستہ لیا اور میز پر رکھے ہوئے واس میں گلاب نکال کر لگانا شروع کر دیئے۔

"میں سوچتی تھی کہ میری زندگی میں ایلکس آ گیا تو اس کا خیال رکھ کر اپنی بچی کھچی زندگی گزار لوں گی، پر خدا کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ میں تمہیں فورس کروں گی یہاں رہنے سے تو تم بھی نہیں مانو گی۔ آتی جاتی رہا کرو، مجھے یوں ہی تسلی رہتی ہے۔" گریس نے کہا۔

"آپ بے فکر رہیں۔ میں جانتی ہوں آپ اس وقت تنہائی محسوس کرتی ہیں، ظاہر ہے ایلکس کی طبیعت کے پیچھے آپ کے دن اور رات ایک ہو گئے تھے۔ پھر اچانک سے فارغ ہو جانا بہت بھاری لگتا ہے۔" سارہ نے کہا۔

"سارہ! مجھے تمہیں کچھ دینا ہے، ایک منٹ رکو۔" گریس نے واس میں پھول سیٹ کیے ہی تھے کہ اچانک انہیں کچھ یاد آیا اور وہ کرسی سے اٹھ کر چلی گئیں اور تھوڑی دیر میں اپنے ہاتھ میں ایک کاغذ لیتی ہوئی آئیں جو فولڈ ہوا تھا۔

"یہ تمہارے لئے ہے۔ میں کل ہی ایلکس کا کمرا صاف کر رہی تھی۔ جب اس کے سامان سے یہ برآمد ہوا۔ کھول کر دیکھا تو ایسا لگا جیسے اس نے تمہارے نام کوئی پیغام لکھا تھا۔ اب تم دونوں کی باتیں بھی خفیہ ہوتی تھیں لہٰذا میں نے کچھ نہیں پڑھا۔" گریس نے زیرِ لب مسکرا کر کاغذ سارہ کو دیا جو شکن آلود پیشانی سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

"اگر پیغام لکھا تھا تو دیا کیوں نہیں اس نے مجھے؟" سارہ کو تعجب ہوا۔

"ہو سکتا ہے جانے سے ایک دو دن پہلے لکھا ہو۔ تم ان دنوں آئی بھی نہیں تھیں پھر اس سے

اتنی بات ہو بھی نہیں پاتی تھی کہ تمہیں یا کسی کو بھی فون ہی کر لیتا۔ پر مجھے اس حوالے سے کوئی علم نہیں۔ یہ تمہارے لئے تھا اور میں نے اپنا فرض پورا کر دیا تمہیں دے کر۔'' گریس نے کہا۔

رات کی تنہائی میں وہ بستر کے بیڈ بورڈ سے ٹیک لگائے ہوئے تھی۔ ایلکس کا خط ابھی تک بھی ویسا کا ویسا تہہ شدہ اس کی سائڈ میز پر رکھا تھا۔ وہ کیا کہنا چاہتا تھا اس سے؟ بس یہ سوچ جا رہی تھی۔ کاغذ کھولنے کی ہمت نہ تھی۔ اگر تو اس نے اس میں اپنی تکالیف تحریر کی ہوں گی تو سارہ کیسے برداشت کرے گی۔ پر ایلکس ایسا نہیں تھا یہ وہ جانتی تھی۔ شاید کچھ ادھوری باتیں رہی ہوں جو سارہ کو معلوم نہ ہوں اور ایلکس اس سے کرنا چاہتا ہو۔ اس ہی کشمکش میں مبتلا وہ ہمت کر کے بستر سے اٹھی اور خط بالکونی میں لے کر چلی گئی۔ وہ لکڑی سے بنے بالکونی کے فرش پر دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔ چاند کی سات آٹھ تاریخ چل رہی تھی پر اپنی نصف شکل سے بھی وہ اطراف کو نمایاں کر رہا تھا۔ سارہ نے کاغذ کھولا اور ایلکس کا خط اپنی آنکھوں کے سامنے لے آئی۔

''ڈیئر سویٹ سارہ!

میں امید کرتا ہوں تم ٹھیک ہوں گی۔ ویسے تو مجھے مشکل لگتا ہے کہ تمہیں میں یہ خط دے پاؤں کیونکہ تم تو وعدہ کر کے بھی نہیں آتیں۔ لیکن خیر ہے کوئی بات نہیں۔ تمہارا نہ آنا ویسے بھی کبھی یہ بھی اشارہ دیتا ہے کہ تم ٹھیک ہوں گی۔ گریس نے کل پیکان پائے بنایا تھا۔ بہت مزے کا تھا پر مجھے تو اتنا درد تھا بدن میں کہ پورا انجوائے کر کے بھی نہ کھا سکا۔ آج کل تکلیف بہت ہو رہی ہے مجھے۔ پر میں نے گریس کو نہیں بتایا۔ وہ بلاوجہ مجھے لے کر پریشان ہو جاتی ہیں۔ اب بیماری ہے تو ہے اور تکلیف بھی ہے تو ہے۔ اس میں ہم تو کچھ نہیں کر سکتے اور ویسے بھی اب میں دوائی کھا کھا کر بھی بور ہو گیا ہوں۔ کچھ تو اتنی کڑوی ہوتی ہیں کہ الٹی کرنے کو جی

چاہتا ہے۔
تم یقیناً سوچ رہی ہوں گی کہ میں نے یہ خط تمہیں کیوں لکھا۔ وہ اس لیے کیونکہ تم سے کچھ باتیں کرنی تھیں جو تم کو یوں کہوں تو سنتی نہیں اور نظر انداز کر جاتیں اور اگر کچھ کہنا بھی چاہوں تو خاموش کر دیتی۔ اب ایسے میں بندہ جائے کہاں۔ میں نے سوچا کہ ایک خط لکھ دوں اور جب بھی تم آئیں تو تمہیں دے دوں گا۔ تا کہ تم خود پڑھ لو اور مجھے کچھ کہنا نہ پڑے۔
تم کو جب پہلی بار اس گھر میں دیکھا تھا تو تم یقین نہیں کرو گی، مجھے تم بہت عجیب سی لگتی تھیں۔ خاموش خاموش سی۔ کچھ دن تو میں اسی سوچوں میں گم تھا کہ کہیں تم کوئی ٹیررسٹ تو نہیں جو اپنے جال میں ہمیں پھنسانے آئی ہو۔'' سارہ کے لبوں پر ایک دم مسکراہٹ آ گئی۔ اس نے آگے پڑھا۔
''پر جب تم سے باتیں کرنا شروع کیں تو کچھ کچھ معلوم ہوا کہ نہیں ایسا نہیں ہے۔ تم تو بس یہاں کچھ وقت رہنے آئی ہو۔ تم سے پہلے جتنے لوگ اس گھر میں آئے تھے وہ مجھے بچہ سمجھ کر مجھ سے بات نہیں کرتے تھے پر تم نے میری ہر بات کو سنا اور سمجھا پھر مجھے جب بھی تم یہ کہتی تھیں کہ میری باتیں میری عمر سے بھی بڑی ہیں تو میں خوشی سے پھولے نہیں سماتا تھا۔ وہ میری تعریف ہی ہوتی تھی۔ میں نے تم کو سویٹ سارہ اس لیے کہنا شروع کیا تھا کیونکہ تم مجھے ہنی کی طرح سویٹ لگتی ہو۔
میں تمہاری بہت قدر کرتا ہوں سارہ۔ اس دن جب میں نے تم سے فون پر بات کی تھی اور تمہاری حالت ناساز تھی تو میں کافی ڈر گیا تھا۔ مجھے تمہاری طبیعت کا اندازہ پہلے ہی ہو گیا تھا۔ جب تم تنہائی میں کمرے کے کسی کونے میں بیٹھ کر آنسو بہاتی تھیں تو میں تمہیں دروازے کی جھری سے دیکھتا تھا۔ تم اپنے آپ سے کچھ نہ کچھ اپنی زبان میں کہتی تھیں پر میں بہت کچھ اس

میں بھی سمجھ جاتا تھا۔ میں نے تم سے دوستی کرنی چاہی اور تم نے فوراً اس دعوت کو قبول بھی کیا۔ تم کو ایک دوست ہی تو چاہیے تھا۔ ایک ساتھی جو تمہیں سنے سمجھے۔ پر پھر تم چلی گئیں۔ اپنے گھر میں رہنے لگیں۔ میں کتنے دن تک صرف یہ ہی سوچ کر پریشان ہوتا تھا کہ تم اکیلے کیسے رہتی ہوں گی۔ تب ہی ہر بار تم کو بلاتا تھا تاکہ مجھے تسلی رہے۔

جب مجھے یہ بیماری ہوئی تب بھی تم جتنی بار میرے پاس آتیں، میں مسکراہٹ سے تم کو دیکھتا ہوں کیونکہ میں جانتا ہوں کہ میرے جسم میں بیماری ہوئی ہے پر تمہارا دل بیمار ہے جسے زیادہ خیال کی ضرورت ہے۔ میں نے تمہیں کبھی نہیں بتایا پر اس بیماری کے بعد میں نے آہستہ آہستہ کر کے سب دوست کھونا شروع کر دیئے تھے۔ کوئی ملتا ہی نہیں تھا۔ کچھ دنوں تک سب آئے پھر اپنی زندگی میں مصروف ہو گئے۔ مجھے ڈر تھا کہ تم بھی یہ ہی کرو گی پر ایسا نہ ہوا۔ تم نے میری دوستی نہیں چھوڑی۔ میں اکیلا اکثر روتا تھا۔ ظاہر ہے میرا اسکول جانا ختم ہو گیا۔ گھر سے نکلنا بند ہوا۔ دوستوں میں کھیلنا مشکل ہو گیا۔ پر تم جب بھی میرے لئے کوئی کھلونا لاتیں تو میں بہت پر جوش ہو جاتا۔ ایسا نہیں ہے کہ سب دوست چلے گئے تھے پر ایک کینسر میں مبتلا بچے کے ساتھ کون کتنی دیر تک کھیلتا۔ میں تمہیں سب یہ اس لیے بتا رہا ہوں کہ میں نے کبھی اپنے چہرے سے یہ ظاہر ہونے نہ دیا۔ ہاں مجھے برا لگتا ہے، بہت برا۔ میں اکثر یہ سوچ سوچ کر پوری رات نہیں سوتا ہوں کہ مجھے یہ کیوں ہوا پر میں نے ہار نہ مانی۔ اس میں سب سے زیادہ جس نے مجھے ہمت دی ہے وہ تم ہو۔ میں تمہارے لئے خود کو ٹھیک کرنا چاہتا ہوں۔ تمہیں دکھانا چاہتا ہوں کہ دنیا کتنی خوبصورت ہے۔ تمہارے درد کو ختم کرنا چاہتا ہوں۔ یہ بتانا چاہتا ہوں کہ دیکھو سارہ، اتنی تکلیف میں بھی میں ٹھیک ہوں اور خوش ہوں اور میں واقعی خوش ہوں۔ یہ محض دکھاوا نہیں ہے۔ میں نے کبھی مثبت خیالات کا ساتھ نہ چھوڑا اور تمہیں ہر منفی بات سے دور کرنا چاہتا

ہوں۔ تم ہنستی ہوئی بہت پیاری لگتی ہو۔ مجھے تمہاری مسکراہٹ پسند ہے۔ مجھے تمہاری دوستی پسند ہے اور اگر تم میری دوستی کی قدر کرتی ہو تو ایک بار خود کو دیکھو اور پھر مجھے دیکھو۔ میرے پاس چند دن ہیں سارہ۔ میں اور جینا چاہتا ہوں۔ اس دنیا کو دیکھنا چاہتا ہوں، اس کی رنگینیوں میں کھونا چاہتا ہوں۔ گریس کہتی ہیں کہ یہ زندگی اور یہ دنیا خدا کی طرف سے بلیسنگ ہے۔ میں یہ اب سمجھا ہوں جب میرے پاس دن ہی کم ہیں کہ واقعی یہ تو بلیسنگ ہی تھی۔ ہر گھنٹہ، ہر منٹ، ہر سیکنڈ میں انجوائے کرتا ہوں یہ سوچ کر کہ پتہ نہیں کب سب ختم ہو جائے۔ اگر میں اتنے درد میں یہ سب کر سکتا ہوں تو تم کیوں نہیں؟

پلیز سارہ! ایسا نہ کرو۔ ہم تب تک نہیں ہارتے جب تک خود شکست تسلیم نہ کر لیں۔ اور تم ہاری تو ہرگز نہیں ہو بس حالات کو دیکھ کر خود ہی کہہ دیتی ہو کہ تم ہار گئیں جبکہ تم تو ابھی بھی اپنے پیروں پر صحت مند کھڑی اس ریس میں بھاگ سکتی ہو۔ کیا تم میری خاطر خود کو بدل نہیں سکتیں؟ میری خواہش ہے کہ تم ہنسو مسکراؤ۔ میں چاہتا ہوں کہ جب تم یہ خط پڑھو تو پلیز مجھے مت ڈانٹنا۔ میرا ہرگز مطلب تم پر لائن مارنے کا نہیں تھا بلکہ اپنی دوست کو خوش دیکھنے کا تھا۔ ایک چھوٹی سی پوئم لکھی ہے میں نے شاید تم کو پسند آ جائے۔

Please open the doors, let that bright light in,

World is beautiful so why are you frightened?

The longer you are in dark, may miss the joys of life.

The beauty which it holds, the happiness which shall arrive.

Open the knocking door Sarah and let them all in!

Believe me you; your life shall been lightened.

آنکھوں سے آنسو متواتر نکل رہے تھے۔اس نے کاغذ ایک طرف رکھ دیا اور وہیں آنکھیں بند کر کے نہ جانے کتنی دیر بیٹھی رہی۔

☆......☆......☆

تہجد کی نماز ادا کر کے اس نے فجر اول وقت پر پڑھ لی اور واش روم سے اپنا سیاہ رنگ کا جاگنگ سوٹ پہنتا ہوا نکلا اور وزٹنگ روم میں چلا گیا جہاں مصلے پر ارم بیٹھی دعا مانگ رہی تھیں۔اس نے اپنی ماں کے ماتھے پر معمول کی طرح بوسہ دیا اور گھر سے نکل گیا۔ پہلے تو دروازے کے باہر ہی کھڑے جسم کو سٹریچ کیا تا کہ تھوڑا تناؤ دور ہو اور پھر اپنی نارمل رفتار سے جاگ کرنے لگا۔رفتار دھیمی ہونے کے باوجود بھی وہ تھوڑی دیر میں ہی جولیا پورٹر پارک پہنچ گیا تھا۔اسے تقریباً آدھا گھنٹہ لگتا تھا پورے پورٹر پارک کا چکر لگانے میں۔سورج طلوع ہونے میں ابھی تقریباً پینتالیس منٹ باقی تھے تو اس نے پارک کے اطراف میں بنے پاتھ پر جاگ کرنا شروع کر دی۔موسم خوش گوار تھا۔وہ مدھم نیلگوں روشنی میں بھی نظارے کو انجوائے کرتا ہوا پاتھ پر جاگ کرتا رہا۔جسم میں ایک دم پھرتی آنے لگی تھی۔ یہ روز کا معمول اس کے اندر سے تھکاوٹ ختم کر دیا کرتا تھا اور وہ دن گزارنے کے لئے تیار ہو جاتا تھا۔چونکہ برسوں پرانی عادت تھی تو اب ایک دن بھی ناغہ نہیں کرتا تھا۔

اس کا جسم توانا اور نظریں فوکس تھیں۔وہ سیاہ جاگنگ سوٹ میں خاصا سمارٹ لگتا تھا۔ آگے سے زلفوں میں آتی ہوئی خم ہر قدم پر جنبش سے ہلتی اور اپنی جگہ پر واپس پہنچ جاتیں۔

روشنی میں اضافہ ہونے لگا تھا اور وہ ایک چکر پورا کرتا ہوا پھر جہاں سے شروع کیا تھا وہیں سے گزرنے والا تھا تاکہ دوسرا چکر مکمل کرلے۔ تنفس اب بھی برقرار تھا کیونکہ اس کی عادت اس سے زیادہ جاگ کرنے کی تھی۔ جاگ شروع کرنے کا مقام اس کا مائے سپاٹ تھا جہاں وہ بڑھتا ہوا جا رہا تھا۔ جیسے جیسے مائے سپاٹ قریب آتا رہا اس کی رفتار یکلخت دھیمی پڑگئی۔ نظریں جو پہلے سامنے پاتھ کی طرف تھیں وہ اس وجود پر آکر اٹک گئی تھیں جو درخت سے سہارا لیے کھڑی سامنے جھیل کو دیکھ رہی تھی۔ اس نے رفتار مکمل ختم کرلی تھی اور اس اپسرا کو دیکھتا ہوا دھیمے دھیمے قدم اس کی طرف بڑھانے لگا تھا۔

وہ ہلکی روشنی میں اسے صاف دکھائی دے رہی تھی۔ ہلکے گلابی رنگ کی کرتی کے نیچے سفید رنگ کا سٹریٹ پاجاما۔ دوپٹہ شال کی طرح مکمل لپیٹے ہوئے۔ دونوں ہاتھوں کو اس نے دوپٹے کے اندر باندھا ہوا تھا۔ بال آدھے سے زیادہ کلپ میں مقید تھے جو بہت سمٹے ہوئے لگ رہے تھے۔ وہ اس وقت یہاں کیا کر رہی تھی؟ کیا وہ اس کا انتظار کر رہی تھی یا آنے کا مقصد ہی کچھ اور تھا؟ کتنے سوال زین کے دماغ میں گردش کر رہے تھے۔ وہ چلتا ہوا اس کے پاس آکر کھڑا ہوگیا۔ سارہ کی نظریں ایک ہی سمت اٹکی تھیں۔ اسے اندازہ نہ ہوا تھا کہ زین اس کے کافی قریب کھڑا ہوگیا تھا۔ وہ اسے خیالوں کی وادیوں میں سیر کرتی ہوئی نظر آرہی تھی۔ اداس آنکھیں جو کسی چیز کی تلاش میں لگ رہی تھیں۔ اتنے دنوں بعد آج اس نے سارہ کو دیکھا تھا۔ دل کو تو جیسے تسکین ملی تھی۔ خبر تو ثانیہ سے بھی مل جاتی تھی پر خود اپنی آنکھوں سے دیکھنا دل کو طمانیت دے رہا تھا۔

''السلام علیکم مس سارہ احمد۔'' زین نے دھیمی آواز میں کہا تھا پر وہ پھر بھی سٹپٹا گئی تھی۔ اس کا چونک جانا زین کو یکلخت مسکرانے پر مجبور کر گیا تھا۔ حالانکہ سارہ جانتی تھی وہ فجر کے اوقات

یہاں ہوتا تھا پھر بھی اتوار کے دن اسے زین کی توقع نہیں تھی۔

''غالباً اس وقت طلوعِ آفتاب کا وقت ہوا جاتا ہے، آپ کی لگتا ہے گھڑی غلط وقت بتا رہی ہے۔'' زین نے شوخ لہجہ اپنا کر سارہ سے کہا جسے سن کر اس نے ملامت کرتی نظروں سے مسکرا کر دیکھا تھا۔

''وعلیکم السلام۔ میں جانتی ہوں کیا وقت ہو رہا ہے۔'' سارہ نے کہا اور جھیل کی جانب دیکھنے لگی۔ زین بھی وہیں اسی درخت سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔ یہ گھنا درخت تھا جس کا تنا وسیع تھا۔ وہ دونوں باآسانی اس پر ٹیک لگائے کھڑے سامنے ٹھہری ہوئی جھیل کو دیکھنے لگے تھے۔

''چلو اس کا مطلب ہے کہ مس سارہ احمد نے ہماری بات پر غور کیا۔ ہمیں شرف بخشا۔ یہ بڑے ہی اعزاز کی بات ہے ہمارے لیے۔ ہم کسی طور کام آئے آپ کے۔'' زین نے پھر چھیڑنے کے انداز میں جتا کر کہا۔

''ضروری تو نہیں کہ آپ کے کہنے سے آئی ہوں۔ کئی اور وجوہات ہو سکتی ہیں۔'' پر وہ سارہ تھی کیسے پیچھے ہٹتی۔ سارہ نے زین کی طرف دیکھا جو مسکراتا ہوا اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

''چلو کوئی بات نہیں ہماری بات نہ سہی پر آئیں تو آپ وہیں نا جہاں ہم نے کہا تھا۔ ویسے آج اس وقت یہاں آنے کی وجہ جان سکتا ہوں؟'' زین نے پوچھا۔

''دیکھنے آئی ہوں کہ مثبت خیالات رکھنے والوں کو روشنی اتنی کیوں بھاتی ہے۔ ایسا کیا ہے اس میں جو نہیں نظر آتا ہے۔ بس اس کا تجربہ کرنے آئی ہوں۔'' سارہ نے کہا۔

''اور یقیناً آپ یہاں ہمارا انتظار کر رہی تھیں؟'' زین نے شرارت میں کہا اور وہ ہنس پڑی۔

”انتظار نہیں کر رہی تھی پر جانتی تھی کہ تم یہاں آتے ہو لیکن آج اتوار کے دن میں نے نہیں سوچا تھا کہ تم آؤ گے۔“ سارہ نے کہا۔

”میں جاگ کبھی مس نہیں کرتا محترمہ۔ ویسے میں حیران ہوا ہوں سن کر کہ اچانک تمہیں مثبت خیال رکھنے والوں کا دھیان کیسے آ گیا۔“ زین نے پوچھا۔

”ایک موقع دیا ہے خود کو۔ آج اتنے دنوں بعد کچھ احساس ہوا ہے۔ دیکھنا چاہتی ہوں کہ یہ روشنی میرے لئے کیا لاتی ہے۔ کیا اس میں واقعی وہ تسکین ہے جو میں تلاش کر رہی ہوں؟ اپنا نظریہ بدلتے دیکھنا چاہتی ہوں۔ آج آزمانا چاہتی ہوں کہ تمہیں یہ اپنی جانب اتنا کیوں کھینچتی ہے۔“ سارہ نے کہا۔

”تو میری دعا ہے کہ جو سکون مجھے ملتا ہے آج وہ تمہیں بھی حاصل ہو۔“ زین نے کہا۔

کچھ ہی وقت تھا سورج طلوع ہونے میں۔ ہلکی ہلکی روشنی دھیرے دھیرے بڑھنے لگی تھی۔ صبح کی ٹھنڈی ہوا دونوں کے چہروں کو نرمی سے چھو رہی تھی۔ حد نظر تک ہریالی ہی ہریالی تھی۔ آسمان کو چھوتے ہوئے گھنے اور سایہ دار درخت جن پر تازہ تازہ پتوں پر پڑی اوس دھلا ہوا منظر پیش کر رہی تھی۔ آنکھوں کے سامنے وسیع وعریض جھیل جس کا نیلا پانی آنکھوں کو ٹھنڈک کا احساس دلا رہا تھا۔ ہلکی ہوا سے اس کی اوپری سطح پر جنبش پیدا ہو رہی تھی۔ آسمان پر گربہ پائی چلتے ہوئے بادل جو پورے فلک پر چھائے ہوئے تھے اس منظر میں اپنی اہمیت ہونے کا احساس دلا رہے تھے۔ مسلسل سماعت میں چڑیوں کا چہچہانا شامل تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے یہ پرندے ان نظاروں کو دیکھتے ہوئے رب کائنات کی عبادت کر رہے تھے۔ اس کی حمد و ثنا پڑھ رہے تھے۔ پنکھ پھیلاتے ہوئے یہ پرندے نیلے آسمان میں اپنے مختلف رنگ بکھیر رہے تھے۔ پیروں تلے بچھی ہوئی شادابی لیے ہوئے گھاس پر مختلف رنگوں کے پھول اس نرم

ہوا میں اپنا رقص دکھا رہے تھے۔ ان کا شوخ رنگ، پھر ان پر گرتی ہوئی صبح کی شبنم انہیں جیسے پرل کے زیور سے آراستہ کر رہی تھی۔ فضا میں صبح کی گیلی مٹی کی خوشبو تو تھی ہی پر اس میں ملتی ہوئی ان پھولوں کی مہک نے طبیعت کو پل بھر میں تازہ دم کر دیا تھا۔ یہ تو سائنٹفک فیکٹ بھی ہے کہ صبح کی فضا میں اللہ نے انسان کی صحت کے لیے کئی فائدے رکھے ہیں بس دیکھنے والے کی آنکھ اور سمجھنے والی عقل ہونی چاہیے۔

زین کے لئے یہ منظر ویسے تو عام تھا پر آج کچھ الگ سا لگ رہا تھا۔ وہ اس خوبصورتی میں کھو گیا تھا۔ درخت سے ٹیک لگائے اس کی نگاہیں ہر سو جا رہی تھیں۔ دوسری طرف سارہ بھی اس خوبصورتی میں جیسے محو ہو گئی تھی۔ اس کی نگاہیں کبھی ان اونچے اونچے گھنے درختوں پر جاتیں جو طاقت کا مظاہرہ کرتے نظر آرہے تھے تو کبھی ان پرندوں کی جانب بڑھ جاتیں جو اپنی آواز میں خوشیاں بکھیر رہے تھے۔ کبھی اس کی نگاہیں اس جھیل کو دیکھتیں جو ٹھہرے ہونے کے باوجود ہلکی ہلکی نرم موجیں اختیار کرتی اور طمانیت دلاتی تو کبھی یہ نظریں ان رنگ برنگے پھولوں کی جانب بڑھ جاتیں جن کو دیکھ کر لگتا جیسے آج ہی بوٹی سے پھٹ کر تازہ تازہ کھلے ہوں۔ قدموں میں بچھی ہری بھری گھاس جس کا رنگ رات میں کبھی پتہ ہی نہیں چلتا تھا آج بے حد ترو تازہ لگ رہی تھی۔ پھر اس میں سے نکلتی سوندھی خوشبو نے سارہ کے چہرے پر سے تناؤ دور کرنا شروع کر دیا تھا اور تمام کی تمام اس کے اندر تک سرایت کرتی جا رہی تھی۔

جوں ہی مشرق سے شفق کی پہلی کرن پھوٹی ان دونوں کی نگاہیں اس کی جانب ہو گئیں۔ صبح کی ہلکی ہلکی رمق اس پورے نظارے پر پھیلنا شروع ہو گئی تھی۔ جہاں جہاں تک یہ شعاعیں جا رہی تھیں وہاں وہاں ہر چیز سنہری ہونے لگی تھی۔ ہرے بھرے درخت، اس روشنی کو اپنے اوپر لپیٹتے دکھائی دے رہے تھے۔ پھول جیسے اپنا رخ اس روشنی کی جانب کر گئے تھے۔ وہ

دونوں خود بخود دو تین قدم آگے بڑھے اور اس جھیل کو دیکھنے لگے تھے۔ جس کی اوپری سطح چمکنے لگی تھی۔ جیسے سنہری چمک دمک چادر اوڑھ لی ہو جو اس کی خوبصورتی میں مزید اضافہ کر رہی تھی۔ بے ساختہ سارہ کے چہرے پر تبسم نمایاں ہو گیا۔ جیسے تمام پریشانیاں ختم ہو گئی ہوں، جیسے ہر درد کم ہو گیا ہو۔ وہ ان نظاروں میں کھو گئی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے ابھی کسی نقاش نے تازہ رنگ سے نقاشی کی تھی۔ اس کا چہرا خود بخود تر و تازہ ہونے لگا تھا۔ جیسے کالے بادل جو کب سے اس کے اوپر منڈلا رہے تھے وہ چھٹ گئے ہوں۔ یہ سونی آنکھیں کھلی کھلی لگ رہی تھیں۔ نہ جانے یہ قدرت کی کیسی چھڑی گھومی تھی کہ عام سا نظارہ اتنا حسین منظر پیش کر رہا تھا۔

جو حال سارہ کا تھا وہی زین کا بھی تھا۔ مسکراہٹ اس کے چہرے پر بھی نمایاں تھی۔ وہ ہر سو دیکھ رہا تھا اور اس نظارے سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ اندر تک طبیعت میں ٹھنڈک کا احساس ہو رہا تھا۔ اس نے جھیل کو دیکھتے ہوئے جوں ہی اپنی نگاہیں سارہ کی جانب کیں تو نظریں وہیں رک گئیں۔ وہ یہ شکل پہلے بھی دیکھ چکا تھا۔ یہ تر و تازگی، یہ چمک، یہ خوبصورتی، یہ طمانیت پہلے بھی اس کی نگاہوں سے گزری تھی۔ وہ آج تک یہ نظارہ نہیں بھولا تھا۔ ایک سحر اس پر طاری ہو گیا تھا۔ وہ لاکھ کوشش کر لیتا پر یہ نگاہیں ہٹنے نہ پاتیں۔ بغیر پلکیں جھپکائے وہ کتنی دیر تک یوں ہی اسے دیکھے جا رہا تھا۔ سارہ اس کے بالکل پاس کھڑی مسکراتی ہوئی اس نظارے کو دیکھ رہی تھی۔ ایک گلہری بھاگتی ہوئی سارہ کے پاس آ ٹھہری تھی۔ اسے بھی صبح صبح اپنا دانا مل گیا تھا۔ سارہ بغور اس کو دیکھ رہی تھی جیسے ہی وہ اس کے پاس سے گزری سارہ نے بے ساختہ زین کی طرف حیرت سے مسکراتے ہوئے اچٹتی نگاہ سے دیکھا۔ پر نگاہ بے اختیاری میں پھر منعطف ہوئی اور وہیں ٹھہر گئی۔

سارہ نے مسکراتے ہوئے ہلکے سے سر کو جنبش دی جیسے اس سے پوچھنا چاہتی ہو کہ اسے کیا

ہوا ہے پر زین کی جانب سے نگاہوں کا زور آور اثر اس قدر مضبوط تھا کہ وہ چاہ کر بھی اپنی نظریں اس پر سے ہٹا نہ سکی۔ سورج کی کرنیں اب ان کی طرف پڑنے لگی تھیں۔ دونوں نفوس اس ڈھلی ڈھلی روشنی میں چمکتے ہوئے جگنوؤں کی مانند لگ رہے تھے۔ زین کے چہرے پر کوئی مسکراہٹ تھی اور نہ سارہ کے۔ فسوں ساز نے ایسی جادوگری کی تھی کہ وہ ایک دوسرے میں کھو گئے تھے۔ سارہ کے چہرے پر یکلخت شادابی پھر گہری بھوری آنکھیں جو شفق کی کرن سے دمک رہی تھیں زین کو مکمل اس کا اسیر کر گئی تھیں۔ پر حال دوسری طرف بھی ایسا ہی تھا۔ وہ تو ہمیشہ سے ایک شہزادے کی مانند لگتا تھا پر آج نہ جانے کیوں وہ اسے مزید پر وقار، دانا اور مضبوط نظر آ رہا تھا۔ سارہ کی نگاہیں بے اختیاری میں اس کی طرف کھنچی جا رہی تھیں۔ کتنی گہرائی تھی زین کی آنکھوں میں جس میں وہ ڈوبتی چلی جا رہی تھی۔ پھر سارہ کو دل میں کچھ محسوس ہونے لگا۔ عجیب سی کیفیت جسے وہ سنبھال نہیں پا رہی تھی۔ جیسے کئی زنگ آلود قفل کھلتے جا رہے تھے۔ پھر یہ شدت بڑھتے بڑھتے اس کی آنکھوں میں لگے قفل کو توڑ کر عیاں ہوئی تھی اور جذبات واحساسات سے بھری ہوئی یہ آنکھیں ہر کیفیت کی ترجمانی کرتی نظر آ رہی تھیں۔ اسے اپنے دل کی دھڑکن بے ترتیب لگنے لگی تھی۔ آخر سب کیا ہو رہا تھا؟ جیسے کوئی اندر ہی اندر دروازہ کھلنے لگا تھا۔ جب سارہ کو لگا کہ زین نے قدم اندر رکھنے چاہے اس نے ایک دم دروازہ بند کیا اور اس اٹدتی ہوئی بے قرار کرتی کیفیت کو روک کر اپنی نظریں زین سے ہٹا لیں۔ یکلخت اس کا تنفس تیز ہوا تھا۔ سانس پھولنے لگی تھی۔ ہاتھ ٹھنڈے پڑنے لگے تھے۔ وہ سحر میں اس قدر جکڑ گئی تھی کہ لاشعوری میں اپنے دلی جذبات سے سامنے والے کو آگاہ کر بیٹھی تھی۔ جو سحر کب سے دونوں پر حاوی تھا وہ اب ٹوٹ گیا تھا۔ زین اس کی ہچکچاہٹ اور گھبراہٹ سے واقف ہو گیا تھا۔ زمین بوس ہوئی نگاہیں پھر بے ترتیب پڑتیں سانسیں بہت کچھ کہہ رہی

تھیں۔ وہ تذبذب کے عالم میں زین کی خود پر پڑتی ہوئی نظروں کو محسوس کر سکتی تھی پر اب یہاں رکنا محال تھا۔ انجانے میں اس نے مخل ہونے کی اجازت تو دے دی تھی پر اب لبوں سے قبول کرنا دشوار تھا۔ وہ دل میں اٹھتی بے چینی کو کیسے برداشت کرتی۔ دماغ نے فیصلہ کیا اور وہ فوراً پلٹ کر آگے بڑھی۔

''سارہ رک جاؤ۔'' اور وہ کیسے اسے جانے دیتا؟ آج جب قدرت نے اسے خود یہ موقع دیا تھا۔ پھر اس کی جذبات کی شدت سے نکلتی ہوئی سخت آواز نے سارہ کو روک دیا تھا۔ وہ جتنی اکھڑ مزاج تھی اس لہجے کے آگے ہمیشہ کمزور پڑ جاتی تھی۔ زین چلتا ہوا اس کے راستے میں حائل ہو گیا تھا۔ اس کی جانچتی نظریں سارہ پر ٹکی تھیں جو بلا کا خوف لیے نظریں جھکائے کھڑی تھی۔

''اگر تمہیں یہ لگتا ہے کہ ہم دونوں کے حق میں دوریاں ہی بہتر ہیں تو مجھے صرف اس بات کا جواب دو سارہ کہ وہ ہر بار ہم دونوں کو کیوں ملا دیتا ہے؟'' زین نے دھیمے پرشاکی لہجے میں اس سے کہا تھا اور سارہ لب کاٹتی رہ گئی تھی۔ جذبات کی شدت نے آنکھوں کی سطح کو نم کر دیا تھا۔

''اگر تمہیں یہ لگتا ہے کہ ہم دونوں کا رشتہ قائم ہونا انتہائی غلط فیصلہ ہے تو وہ بار بار ہم دونوں کو موقع کیوں دیتا ہے؟ تم نے ہر بار الگ ہونا چاہا اور وہ ہر بار فاصلہ ختم کر دیتا ہے۔ کیا آٹھ سال اس بات کی گواہی دیتے ہوئے تمہیں نظر نہیں آتے؟ ملنا لکھا ہی نہیں تھا تو کیوں آج تم مجھے ایسے حالات میں مل رہی ہو جب نہ تمہیں کوئی روکنے والا ہے اور نہ مجھے۔ اور یہ سب جانتے ہوئے کہ جو جذبات میرے دل میں تمہارے لئے ہیں وہ ہی تم بھی میرے لئے رکھتی ہو، ایسے میں، میں کیسے خود کو روکوں؟'' وہ بے قرار اور بے بس ہوتی آواز سے جب سارہ سے گویا ہوا تو سارہ نے جھجکتے ہوئے اس کی جانب دیکھا۔

''ہاں سارہ! تم جتنی بار اپنے لبوں سے جھوٹ کہہ دو، جتنی بار خود سے چھپالو، پر یہ آنکھیں

کبھی نہیں جھوٹ بولتیں۔ آج بھی ان میں وہ ہی احساس، وہ ہی جذبات ہیں جو میں نے آٹھ سال پہلے دیکھے تھے۔" سارہ نے ایک دم اپنی نظریں زین پر سے ہٹائیں اور شدت سے پھٹ پڑی۔

"تم یہ کیا کہے جا رہے ہو۔" سارہ نے آنسوؤں کو ضبط کیا۔ "تم جانتے ہو کہ میں کون ہوں۔ یہ بھی جانتے ہو کہ میرے لئے کوئی رشتہ نہیں رہتا۔ میرے اندر موجود شر ہر کسی کو نگل لیتا ہے۔ میں آفت کے علاوہ کچھ نہیں پھر بھی یہ باتیں کر رہے ہو۔" سارہ کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔

"میں جو کہہ رہا ہوں بالکل ٹھیک کہہ رہا ہوں۔" زین نے گمبھیر سنجیدگی سے کہا۔ اتنے دن سے جو کرب اور ملال دل میں لیے پھر رہا تھا آج برداشت سے باہر تھا۔ وہ ہر بار سارہ کے آگے خاموش ہو جاتا پر آج زین سارہ کو وہ سب کچھ بتانا چاہتا تھا جس سے وہ ناواقف تھی۔

"آج تمہیں سب سننا ہو گا سارہ۔ بہت برداشت کیا ہے میں نے۔ تمہاری ہر بات کے آگے سر جھکا دیا یہ سوچ کر کہ واقعی کہیں میں تو غلط نہیں تھا تمہیں سمجھنے میں۔ آٹھ سال یقیناً بہت ہوتے ہیں کسی بھی شخص کو بدلنے کے لئے پر میں نے جس لڑکی کو دل سے پسند کیا تھا اس سے میں واقف تھا کہ وہ کبھی بدل نہیں سکتی تھی۔ ہاں کسی کی ہو سکتی تھی پر اس کا دل کبھی کسی کے لیے پھر دوا نہیں کر سکتا تھا۔ پر جب تم مجھے اس طرح ملیں تو میں خود بھی یقین نہیں کر پایا۔ تم مجھے جانی پہچانی لگی ہی نہیں تھیں۔ کتنے دن میں اس ہی اضطراب میں مبتلا تھا کہ جس لڑکی کے لئے میرے جذبات آج بھی بالکل ویسے ہی ہیں وہ بدل گئی؟ سارہ احمد! جو مجھ پر ہر بات کو لے کر یقین رکھتی تھی، جو مجھ پر بھروسہ کرتی تھی، آج بدل گئی؟ میں نے اس کو اپنا نصیب سمجھ کر قبول کر لیا تھا کہ وقت اور حالات نے ہمیں پھر سے تو ملا یا پر اب وہ بات ہم دونوں میں رہی ہی نہیں تھی لیکن جب اس دن مال کے باہر تم نے بنا میری طرف دیکھے ایک کے بعد ایک جھوٹ

کہا تب مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ تم وہ ہی ہو جسے میں جانتا ہوں۔ سارہ احمد کبھی بدل ہی نہیں سکتی۔ اصل سارہ کبھی جا ہی نہیں سکتی۔ وہ سارہ جس کے آگے پیچھے میرے کردار کو لے کر باتیں ہوئیں تب بھی اس نے کسی بات پر کان نہیں دھرے تو آج وہ ایسے کیسے سوچ سکتی ہے کہ میں اسے چھوڑ کر کسی اور کے پاس چلا جاؤں گا۔ ہاں سارہ! پارکنگ لاٹ میں بھی جو کچھ تم نے مجھ سے کہا تھا مجھے اس پر ذرا اعتبار نہ ہوا تھا۔ مال کے باہر بھی اس وقت تمہارے لبوں سے نکلا ہر لفظ تلخ تھا پر اس لفظ میں چھپا درد میں نے محسوس کیا تھا۔ نہ تم بدلی، نہ تمہارے جذبات اور نہ ہی تمہارا دل۔ سب جانتے ہوئے بھی میں خاموشی سے پیچھے ہٹ گیا کیونکہ میں ان سب کی وجوہات نہیں جان پایا تھا۔

جب سے ملی ہو میں ان آنکھوں کے لئے ترس گیا تھا۔ ہر بار یہ خالی آنکھیں جب مجھے دیکھتیں میرا دل اندر سے چلا اٹھتا تھا۔ میں سوچتا تھا کہ کہیں میں ہی تمہیں سمجھنے میں تو غلط نہیں ہوں پر آج مجھے یقین آگیا ہے کہ نہ تم میرے لئے بدلی تھیں اور نہ میں تمہارے لئے۔

آج بھی ان آنکھوں میں وہ ہی جذبات ہیں جو تم کبھی مجھ سے کہہ نہیں پاتیں۔ ارے تم مجھ سے تو کیا، خود سے بھی یہ باتیں تسلیم نہیں کرتیں۔ یہ آنکھیں وہ سب اقرار کر جاتی ہیں جو تم کبھی زبان سے ادا ہی نہیں کرتیں۔'' ان دونوں میں بس دو قدم کا فاصلہ تھا۔ سارہ کی آنکھوں سے آنسو متواتر بہہ رہے تھے۔ یہ سب سننا آسان نہ تھا۔ وہ جس اعتراف سے مسلسل بھاگ رہی تھی آج اس کی قسمت نے خود اسے سامنے لا کر کھڑا کر دیا تھا۔ وہ آج جتنی کوشش کر لیتی پر زین کو روکنا ناممکن تھا۔

''آج تم مجھے مت روکنا سارہ۔ آج میں تمہیں وہ سب کہہ دینا چاہتا ہوں جسے سنے بغیر تم ہر بار مجھ سے دور بھاگی ہو۔ تم خود کو بدقسمت کہتی ہو۔ یہ سوچتی ہو کہ جو تمہارے پاس آیا چلا گیا

اور صرف اس ہی ڈر سے تم مجھے خود سے دور کرتی ہو۔

تمہیں ایسا لگتا ہے جب کہ ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔ سارہ! جو ہوتا ہے اللہ کی مرضی سے ہوتا ہے۔ وہ صحیح وقت پر صحیح کام کرتا ہے۔ دعائیں حالات بدلتی ہیں۔ وقتی طور پر لگتا ہے معاملات ہمارے مطابق نہیں چل رہے پر دراصل ہم نتیجوں کو نہیں دیکھتے۔ میں دور ہو جاتا سارہ بلکہ ہو گیا تھا، تمہارے راستے سے ہٹ گیا تھا پر آج سب جانتے ہوئے میں خود کو کیسے روکوں؟''

سارہ کے ماتھے پر شکن طاری ہو گئی۔ وہ سوالیہ نظروں سے زین کو دیکھنے لگی۔

''ہاں سارہ، تمہیں یہ ڈر ہے کہ میں تمہاری زندگی میں آ کر باقی سب کی طرح چلا جاؤں گا۔ تم کہتی ہو کہ تم خود غرض نہیں ہو پر میں کہتا ہوں کہ میں خود غرض ہوں کیونکہ سارہ احمد، تمہارے دل کی بات آج جان کر اگر تم مجھے اب خود سے دور کرو گی تو میں یقین سے کہہ سکتا ہوں...... کہ نہیں رہ پاؤں گا۔'' یہ سن کر سارہ کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئی تھیں۔

''تمہیں لگتا ہے باقی سب کی طرح تم مجھے کھو دو گی۔ میں تو تمہیں ابھی سے بتا رہا ہوں کہ اب سب جانتے ہوئے میں یہ دوری برداشت نہیں کر پاؤں گا۔ مجھ میں وہ طاقت نہیں جو تم میں ہے۔ تم نے اپنے عزیز کھوئے اور وقت کے ساتھ ساتھ مضبوط ہوتی گئیں پر مجھ میں یہ سکت نہیں ہے سارہ۔ اپنے والد کے انتقال کے بعد میری زندگی صرف دو لوگوں میں گردش کرنے لگی تھی پھر تم خود بخود ایک تیسرے فرد کے روپ میں آ کر کھڑی ہو گئیں۔ پر آج میں تم سے کہنا چاہتا ہوں۔ میرے جذبات تمہارے لئے اتنی شدت اختیار کر گئے ہیں کہ اگر تم صرف اس وجہ سے مجھ سے دوری اختیار کرنا چاہتی ہو تو میں ٹوٹ جاؤں گا سارہ، یقیناً ٹوٹ جاؤں گا۔ تمہیں اپنی زندگی کی اہمیت کا اندازہ ہی نہیں ہے سارہ! تم میرے لئے کتنی اہم ہو۔ تم یہ کبھی سمجھ ہی نہیں پاؤ گی۔ اگر آج تم نے مجھ سے فاصلہ کیا تو میں تمہیں خود غرض کہوں گا۔

ہم دونوں کے درمیان کئی باتیں ادھوری تھیں۔ تم نے میرے سامنے اپنا پورا حال رکھ دیا پر ایک بار بھی مجھ سے نہیں پوچھا کہ میرا حال کیا ہوا۔ آج میں تمہیں سب بتانا چاہتا ہوں سارہ۔ تمہیں جاننا پڑے گا اور سننے کی طاقت بھی رکھنی ہوگی کیونکہ میں اب مزید نہیں رک سکتا۔''
سورج مکمل طلوع ہو گیا تھا۔ دھیمی دھیمی ہوا مستقل دونوں کے چہروں کو چھو رہی تھیں پر سارہ کی آنکھوں سے آنسو اتنے گر رہے تھے کہ وہ سوکھنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔ جتنے درد میں وہ تھا اتنی ہی بے بس وہ کھڑی تھی۔ زین کے تاثرات اسے صاف نظر آرہے تھے کہ وہ کتنے دن سے خاموشی سے برداشت کر رہا تھا۔ تکلیف، درد، ملال، بے چینی سب یکے بعد دیگرے اس کے چہرے پر رونما ہو رہی تھی۔ وہ کیسے اسے بولنے سے روکتی۔ اتنے درد میں پہلے اسے دیکھا بھی نہیں تھا اور اگر آج بنا سنے چلی جاتی تو ہمیشہ کے لئے اسے کھو دیتی۔
''اپنی رائے سامنے رکھ کر ہر بات ختم نہیں ہوتی سارہ۔ سامنے والے کی بھی سنی جاتی ہے۔ تم جانتی ہو میں اس شام تم سے کنسرٹ کے بعد کیا پوچھنا چاہتا تھا؟'' زین نے کہا اور سارہ ہکا بکا اسے دیکھنے لگی تھی۔ یہ تو وہ بات تھی جس نے اس کی زندگی کی کایا ہی پلٹ دی تھی۔ جس کے بعد اسے اپنے کردار کا ایک طمانچہ منہ پر مارا گیا تھا جبکہ وہ بے قصور تھی۔
''ہاں سارہ، میں جانتا ہوں تم اسی کشمکش میں کئی عرصے تک رہی ہوگی۔ تمہیں یقیناً میری طرف سے کوئی ایسے الفاظ کی توقع ہوگی جس کی وجہ سے تم مجھ سے دور کر دی گئیں۔ آج میں تمہیں بتانا چاہتا ہوں کہ وہ کیا بات تھی جو تم تک نہ پہنچی اور پھر بیچ راستے ہی کہیں کھو گئی۔'' سارہ کا سانس تک رک گیا تھا۔ وہ یک ٹک وحشت سے زین کو دیکھ رہی تھی۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وقت تھم گیا تھا۔ آس پاس کوئی نہ تھا۔ پرندوں کا چہچہانا بند ہو گیا تھا۔ اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے ہر شے رک کر زین کو سن رہی تھی۔

”سارہ! کیا تم مجھ سے شادی کرنا چاہتی ہو؟ اگر تمہارا جواب ہاں ہے، تو میں کل ہی اپنی والدہ کو تمہارے گھر بھیج دوں گا۔“ اور زین کی آواز اسے کھائی سے سنائی دی تھی۔ اٹکا سانس ایک دم بحال ہوا تھا۔ رکا ہوا منظر پھر اپنی دھن پر چل پڑا تھا پر وہ تحیر ہی تحیر سی زین کو دیکھے جا رہی تھی جس کی آنکھوں میں سارہ کے لیے محبت و عقیدت بھری ہوئی تھی۔ اس نے بے یقینی سے نگاہیں نیچے کیں اور شدت ضبط کو توڑتی ہوئی آنسوؤں کی باڑ سیال کی مانند بہنے لگی تھی۔ ہچکی کی زد میں ہلکورے لیتا ہوا اس کا وجود زین کی آنکھیں بھی نم کر گیا تھا۔ ان الفاظ میں ایسا کچھ نہ تھا جس کی اسے اتنی بڑی سزا ملی تھی۔ وہ تو اسے اپنانا چاہتا تھا۔ اس رشتے کو حلال کرنا چاہتا تھا۔ کیوں ماموں نے تب اپنی انا پرستی اور مردانگی کو پیچھے نہیں چھوڑا تھا۔ کیوں اسے ان سب دردوں سے گزرنا تھا؟ زین نے اپنی جاگنگ سوٹ کی پاکٹ میں ہاتھ ڈالا اور وہ شے جسے اس نے کبھی خود سے جدا نہیں کیا تھا ہتھیلی میں رکھ کر سارہ کو دکھائی۔ سارہ نے استعجابی نگاہوں سے زین کو دیکھا تھا۔ یہ وہ ہی انگوٹھی تھی جو زین نے سارہ کے لیے خریدی تھی۔ اس کی چمک آج بھی ویسی ہی تھی۔ وسط میں جڑا ہوا ہیرا باقی دونوں ہیروں کے مقابلے آج بھی بے حد نمایاں ہو رہا تھا۔

”یہ انگوٹھی میں نے کنسرٹ کے دوسرے دن جا کر لی تھی۔ وہاں مجھے ان تمام کلیکشن میں سب سے انوکھی اور نایاب یہ ہی لگی تھی۔ میں ایک پل نہیں رکا تھا اور یہ خرید لایا تھا۔ تمہارے نازک ہاتھوں میں مجھے معلوم تھا کہ یہ بہت خوبصورت لگتی۔ یہ بنی ہی تمہارے لئے تھی۔ جیسے تم سب سے الگ ہو سارہ، ویسے ہی یہ مجھے سب سے الگ لگی تھی۔ میں تمہیں یہ پہنانا چاہتا تھا پر نہیں پہنا پایا۔ جانتی ہو میں اسے آج جان کر نہیں لایا ہوں۔ میں نے اسے تب سے ہمیشہ اپنے پاس رکھا ہے۔ یہ تمہاری تھی۔ تمہارے نام کی میں نے لی تھی۔ تو یہ ہی یاد اور یہ ہی سہارا

میرے لئے کافی تھا زندگی اکیلے گزارنے کے لیے۔ میری صبح بھی تم سے ہوتی ہے سارہ اور میری رات بھی تم پر ہی ختم ہو جاتی ہے۔ میں اس کے بغیر ایک دن بھی گھر سے قدم باہر نہیں رکھتا۔ اپنایت محسوس ہوتی ہے مجھے جیسے تم نہ ہوتے ہوئے بھی میرے ساتھ ہو۔ جب تم مجھ سے الگ ہوئی تھیں تو میرے پاس تمہاری ایسی کوئی چیز نہیں تھی جس کے ساتھ میں اپنی زندگی گزار لیتا۔ ہاں خط تھا۔ تمہارا دیا ہوا۔ جسے میں نے جلا کر راکھ کر دیا تھا۔ کیوں نہ کرتا سارہ؟ اس پورے خط میں تم نے میرے اور اپنے حوالے سے کوئی ذکر ہی نہیں کیا تھا۔ نہ اپنے احساسات مجھے بتائے تھے اور نہ ہی میرے جانے۔ مجھے اس کا ہر لفظ درد دیتا تھا۔ تم سے دوری کی یاد دلاتا تھا۔ تم نے ہر بار مجھے کہا تھا کہ میں رشتہ کسی ایسی لڑکی کے ساتھ جوڑ لوں جو میرے لائق ہو۔ پر سارہ میں تمہیں بتانا چاہتا ہوں میرا انتخاب کبھی غلط ہو ہی نہیں سکتا تھا۔"
سارہ بغور زین کی طرف دیکھ رہی تھی۔ زین نے پھر سے وہ انگوٹھی پاکٹ میں ڈال دی تھی۔ کیونکہ یہ وقت مناسب نہیں تھا۔

"تم ایک بند کتاب تھیں سارہ، جس کو اس نے صرف اور صرف میرے سامنے کھولا تھا اور دیکھتے ہی دیکھتے مجھے تمہارے ہر ورق سے لگاؤ ہو گیا تھا۔ تم نے ہر بار خود کو تجوریوں میں بند کیا تھا۔ تم بند کرتی گئیں اور کتنے ہی تالے لگاتی گئیں۔ پر وہ ہر تالے کی چابی مجھے تھماتا گیا۔ تم کیسے کہہ سکتی ہو کہ میرا انتخاب غلط تھا۔ جس کو خود اللہ نے میرے سامنے لا کر کھڑا کیا وہ غلط انتخاب کیسے ہو سکتا ہے؟

آٹھ سال پہلے اپنے خط میں تم نے لکھا تھا کہ تم کسی اور کی ہو رہی ہو۔ تمہیں کیا لگتا ہے برداشت کرنا آسان تھا۔ میں تو آج تک شاہ زیب کو بھی بھول نہیں پایا جس نے تمہارے ساتھ انتہائی غلط حرکت کرنے کی کوشش کی تھی۔ یہ کیسے برداشت کر لیتا کہ تم کسی اور کی ہونے

جا رہی ہو۔ پھر میں خود بخود صبر کرتا گیا یہ سوچ کر کہ چلو کوئی بات نہیں یہ میرا نصیب ہے تو یہی سہی۔ شاید تم اسی طرح خوشیاں پالو۔ تمہاری بے آب وگیاہ زندگی اسی طرح سراب ہو جائے۔ ہر پل میں نے یہی دعا مانگی تھی کہ تمہیں وہ تمام سکھ دے جس کی تم حقدار تھیں پر آٹھ سال بعد بھی دیکھتا ہوں کہ سراب تو کیا پانی کا ایک قطرہ بھی نصیب نہیں ہوا تھا۔ تمہیں کیا لگتا ہے میں یہ سب سن کر اور دیکھ کر خاموش رہا؟ نہیں سارہ میں اندر سے کٹ گیا تھا۔ مجھے سمجھ نہیں آتا تھا کہ تم جیسی لڑکی کے ساتھ کوئی ایسا بھی کر سکتا ہے۔ میرے بس میں ہو تو ایک بار ہی اس شخص کو فنا کر دوں جس نے تمہیں اس قدر تکلیفیں دی ہیں کہ تم ذہنی طور پر منتشر ہوتی چلی گئیں۔

یاد ہے ایک بار تم نے مجھ سے خوبصورت اور خوب سیرت کے بارے میں پوچھا تھا۔ تب تو میں یوں ہی سب تمہیں سمجھا گیا تھا پر میں جانتا تھا کہ تم کس کرب سے گزر رہی تھیں۔ کیا میں نہیں واقف تھا کہ یونیورسٹی میں کیا ہوتا ہے اور کیا نہیں۔ تم مجھے کہتی ہو کہ میں تم پر احسان کرتا ہوں۔ تم مجھے کہتی ہو کہ تم میرے لائق نہیں ہو۔ تم کیوں ہر بار خود کو کمتر سمجھتی ہو؟ تم مانو یا نہ مانو پر میں تمہاری طرف تب سے مائل ہوا تھا جب پہلی بار تم نے مجھ سے لائبریری میں سوری کہا تھا۔ تم تو کہہ کر چلی گئی تھیں لیکن تمہاری یہی خوب سیرت مجھے تسخیر کر گئی تھی۔ اس وقت میں نے جانا تھا کہ اس بناوٹی اکھڑ مزاجی کے پیچھے ایک معصوم دل دھڑکتا ہے۔ تمہاری باتیں، تمہاری موجودگی مجھے ہر وقت تم سے قریب کرنے لگی تھی۔ تم مجھے سب میں سب سے الگ لگی تھیں۔ میں تم سے مل کر تمہارے سارے درد دور کر دینا چاہتا تھا، تمہیں وہ ساری خوشیاں دینا چاہتا تھا جو تمہارا حق تھا۔ میں تمہیں لوگوں کی نظروں سے چھپانا چاہتا تھا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ تمہارا کوئی بھی مذاق بنائے۔ میں تمہیں خود اعتمادی اور خود مختار بنا کر ان ہی لوگوں کے سامنے کھڑا کرنا چاہتا تھا۔ کیونکہ میں جانتا تھا کہ تم کیا ہو۔

تمہیں آٹھ سال بعد دیکھا تو حیران رہ گیا تھا۔ ہمیشہ خود کو اپنی نظر سے دیکھا ہے تم نے۔ کبھی میری نظر سے خود کو دیکھو، تمہیں اپنی ذات، اپنی موجودگی پر اتنا فخر ہوگا کہ حیران رہ جاؤ گی۔ تم کہتی ہو کہ تم اپنی زندگی ختم کرنا چاہتی ہو پر میں ترسا ہوا تھا کہ تم سے ملوں اور تمہیں یہ احساس دلاؤں کہ تم کیا ہو سارہ، کیوں اپنی اچھی بھلی زندگی تباہ کرنا چاہتی ہو۔ جب کامیابی بارش کی طرح برس رہی ہے تم ناخوش ہو۔ اپنی اہمیت ہی نہیں جانتی۔ ارے میں تو تمہیں یوں دیکھ کر خوشی سے پھولے نہ سمایا۔ میں پوری دنیا کو بتانا چاہتا تھا کہ دیکھو جس کا تم لوگ مذاق بناتے تھے آج وہ کس مقام پر کھڑی ہے۔ تم لوگ اسے مسلسل دباتے تھے پر یہ اس سے ایسی ابھری ہے کہ ایک مثال بن گئی ہے۔ میں تمہارے ساتھ مل کر تمہاری ہر محنت، ہر لگن، پھر اس پر ہر کامیابی کو سیلیبریٹ کرنا چاہتا تھا لیکن تم نے ہر بار مجھے روک دیا اور ہر بار کی طرح مجھے اس بار بھی خود سے دور کر دیا۔

مجھے تم خود بتاؤ سارہ، میں تم سے دور کیسے ہوں۔ کیا سوچ کر دور رہوں۔ جب کسی کو کوئی قیمتی اور نایاب چیز مل جائے وہ کیوں اسے اپنانا نہیں چاہے گا۔ خوبصورتی تب ہی عروج پر دکھائی دیتی ہے جب خوب سیرت کی کوئی حد نہ ہو۔ اور میں نے تم سے زیادہ خالص، معصوم اور انمول آج تک نہیں دیکھا۔

تمہارا تو مجھے نہیں معلوم سارہ پر جو کچھ جس طرح ہوا ہے وہ میری دعا کا اثر ہے۔ میں نے تمہاری ضد کبھی نہیں کی۔ ہمیشہ تمہارے لیے خوشیاں مانگیں۔ البتہ اپنی ذات کے لیے جب سکون کی طلب کی تو تم اچانک سامنے آگئیں۔ جو ناقابلِ یقین تھا۔ تم مجھے کیسے نہیں ملتی سارہ؟ ثانیہ اور شایان کی شادی میں جب تم سے ملاقات ہوئی تھی۔ وہ دن ہے اور آج کا دن میں نے ہر روز تہجد میں صرف تمہیں مانگا ہے۔"

وہ جب کہہ کر خاموش ہوا تو سارہ شدتِ جذبات سے دوزانو گھاس پر جا بیٹھی۔ ہاتھوں میں منہ چھپائے وہ ہچکیوں سے رو رہی تھی۔ زین نے اسے نہیں روکا۔ وہ بھی دوزانو گھاس پر بیٹھا ہوا محبت سے چور آنکھوں سے سارہ کو دیکھ رہا تھا۔

ہجر قبول ہے مجھے، وصال کی خواہش نہ کر
کر دیئے ہیں فاصلے، تو راستے ہموار نہ کر
تنہائی ہے سنگ میرے، اب بس نہ تھام میرا ہاتھ
کٹھن راستوں پر تو نہ دے پائے گا ساتھ
بکھرنے دے مجھے اس طرح، کیوں سمیٹ رہا ہے تو؟
اس مردہ پڑے دل کو پھر کیوں جگا رہا ہے تو؟
سر تسلیم خم ہے نصیب کی ستم ظریفی پر
تو بخت کے لکھے ہوئے کو بدلنے کی جسارت نہ کر!

وہ لبوں کو دانتوں تلے دبائے اس کانچ سے بنی گڑیا کو دیکھ رہا تھا جو ہر انداز سے پھر سب روک دینا چاہتی تھی پر زین نے اسے مکمل نظروں کے حصار میں لے لیا تھا۔

ہجر کا وقت ختم ہوا اب وصال کی خواہش کر
کھول دیئے سب قفل، خود کو اس قفس سے آزاد کر!
تو کر لے جتنے فاصلے، راستے مل کر رہیں گے سدا
اس دل نے قبول کی تھی، تیری ہر ایک ادا
بن بولی سب باتیں، دل پر دے گئی تھیں دستک
ہر شے اب سن رہی ہے، ہماری ان کہی محبت

اے جانِ عزیز میرے، تو کچھ تو بھروسہ کر

دیکھ رب نے پلٹ دی قسمت، میری شدتِ دعا دیکھ کر!

اس نے بہتے ہوئے آنسوؤں کو باڑ لگا کر زین کی جانب دیکھا جس کی آنکھیں سارہ کے چہرے کا طواف کر رہی تھیں۔

''تم میری کیفیت نہیں سمجھتے زین۔ سب جان کر بھی میں تمہیں کہوں گی پھر سوچ لو۔ شادی ایک بہت بڑا فیصلہ ہے۔'' اس نے سرخ آنکھوں سے سنجیدگی کے ساتھ زین سے کہا تھا۔

''سارہ! اب اگر کوئی میرے گلے پر خنجر رکھ کر بھی مجھے اس فیصلے سے پیچھے ہٹنے کو کہے گا تو میں مرنا زیادہ پسند کروں گا۔'' اور اس کا اٹل لہجہ سارہ کو بے بس کر گیا۔

''اور اگر میں تمہارے معیار پر نہیں اتری۔ تمہیں وہ خوشیاں نہیں دے سکی پھر؟'' سارہ نے پیچ و تاب کھاتے ہوئے استفسار کیا اور وہ زیرِ لب مسکراتا ہوا سارہ کو دیکھنے لگا۔

''مجھے تو اس وقت یہ فکر ہے کہ میں تمہارے معیار پر اتر جاؤں اور تمہیں وہ ساری خوشیاں دوں جن کی تم حق دار ہو۔'' وہ بار بار سارہ کو لاجواب کر رہا تھا۔ سارہ نے ضبط سے نگاہ ہٹا کر جھیل کی جانب کر لی۔ اس کا چہرا گمبھیر سنجیدگی میں ڈوب گیا تھا اور زین اتنا ہی عام انداز میں اسے اندر ہی اندر مچلتا ہوا دیکھ رہا تھا جو اب بھی ہر صورت جان چھڑا کر بھاگنا چاہتی تھی۔ وہ اس کی بے چینی سے واقف تھا۔ جس طرح ہاتھ کو گھاس پر ہلا کر پتے توڑ رہی تھی۔ وہ اندر ہی اندر اس کی حرکت سے محظوظ ہو رہا تھا۔

''سارہ! تم جو سوچ رہی ہو وہ اب میں ہونے نہیں دوں گا۔'' زین نے معنی خیزی سے اسے دیکھ کر متنبہ کیا تھا۔

''یہ کیسی زبردستی ہے؟'' اور وہ چونک کر شکایت کرتی ہوئی زین کو کہنے لگی۔ زین واپس کھڑا ہوا اور سارہ اسے نیچے بیٹھے ہوئے ہی نظروں سے ملامت کر رہی تھی۔

''کیوں یہ نا انصافی نہیں کہ تم نے ہر کسی کو موقع دیا ہے اپنی زندگی میں فیصلے لینے کا۔ اب ایک فیصلے کا حقدار تو میں بھی ہوں۔ اتنا حق تو مجھے بھی ہے سارہ۔'' وہ زین کی بات سنتے کے ساتھ فوراً اٹھی اور بے دست و پا ہونے لگی۔

''ٹھیک ہے! تمہیں جو ٹھیک لگے وہ کرو۔'' وہ ایک پل نہ رکی، غصے اور اکھڑ لہجے میں کہتی ہوئی وہاں سے چلتی چلی گئی۔

''میں وہ ہی کروں گا سارہ۔'' وہ اس کی پشت کو تکتا ہوا خود سے وثوق کے ساتھ گویا ہوا تھا۔

☆......☆......☆

وہ دوپہر کے کھانے کے برتن دھو رہی تھی جب بیل کی آواز سے پیچھے مڑ کر مرکزی دروازے کی طرف دیکھا۔ اس کی نگاہ دیوار پر آویزاں گھڑی پر گئی جو تین بجا رہی تھی۔ تولیے سے ہاتھ خشک کرتے ہوئے وہ دروازے کی طرف بڑھی اور جوں ہی دروازہ کھولا تو غیر شناسا سا چہرا دیکھ کر اس نے مستفسرانہ انداز سے دیکھا۔

''جی؟'' سارہ نے پوچھا۔

''السلام علیکم سارہ بیٹا! میں ارم سرفراز سرور زین کی والدہ۔'' اور یہ سنتے کے ساتھ ہی سارہ نے شاک کے عالم میں ارم کو دیکھا تھا۔

''و......وعلیکم السلام۔'' وہ حیرت سے گنگ انہیں دیکھ رہی تھی۔

''ا......اندر آیئے پلیز۔'' اس کی جھجکتی ہوئی آواز کو سنتی ہوئی ارم نے مسکرا کر سر کو جنبش دی تھی اور اندر داخل ہوئی تھیں۔

”میرا آنا لگتا ہے کافی حیران کر گیا؟“ ارم نے تبسم لیے سارہ سے پوچھا۔

”ج......جی وہ آپ تو پاکستان میں ہوتی ہیں نا؟“ سارہ نے اپنی حیرت کی وجہ بتائی۔

”اوہ! اچھا تو تمہیں زین نہیں بتایا کہ میں آئی ہوئی ہوں؟“ ارم نے تعجب سے پوچھا اور سارہ نے گردن نفی میں ہلائی۔

”حد کرتا ہے ویسے یہ بھی۔ تمام اہم باتیں کرنا بھول جاتا ہے۔ خیر مجھے کچھ دن ہوئے ہیں آئے ہوئے۔ اچھا سارہ، یہ تمہارے لیے۔“ ان کے ہاتھ میں ایک بیگ تھا جس میں کیک کا باکس تھا اور دوسرے ہاتھ میں تازہ رنگین پھولوں کا بوکے تھا جو انہوں نے سارہ کو دیا تھا۔

”یہ سب تکلف کی کیا ضرورت تھی؟“ سارہ نے جھینپ کر ارم سے کہا تھا جنہوں نے فرضی سرزنش کرتے ہوئے سارہ کو دیکھا تھا۔

”اونہوں۔ پہلی بار آئی ہوں اور خالی ہاتھ آجاؤں؟“ ارم کو وہ بے تحاشا تذبذب کا شکار لگی۔ جسے فی الوقت کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا۔ لونگ ایریا میں رکھی ہوئی کافی ٹیبل پر انہوں نے کیک اور بوکے رکھ دیا اور سارہ کی طرف رخ کیا۔

”اب آؤ کیسی ہو بیٹا؟“ اور اگلا قدم ان کا جب گرم جوشی سے سارہ کے گلے ملنا سارہ کو مزید حیرت کدے میں لے گیا۔ وہ بالکل بھی اس طرح کے رویوں کی عادی نہیں تھی۔ وہ تو ہمیشہ ریزرو پرسنالٹی رکھتی تھی اور دیر سے کسی کے سامنے کھلتی تھی لیکن ارم کا ملنسار اور شفقت سے پُر انداز اس کے دل کو بھلا لگا۔ ارم گلے ملتے وقت اس کی پشت پر نرمی سے تھپتھپا رہی تھیں، یوں ظاہر ہو رہا تھا جیسے وہ سارہ کو برسوں سے جانتی اور ملتی رہی تھیں۔ سارہ نے انہیں صوفے پر تشریف رکھنے کے لیے کہا تھا۔ اس نے جیسا انہیں تصور کیا تھا وہ اس سے کافی الگ تھیں۔ اس عمر میں بھی ارم نے خود کو مینٹین رکھا تھا۔ ان کے نصف کمر تک بھورے رنگ کے

ڈائڈ بال کھلے تھے جو سلکی سٹریٹ تھے پر نیچے ویو بن رہی تھیں اور دونوں طرف سے آگے کو آئے ہوئے تھے۔ لباس میں وہ گھٹنوں تک ایک تین چوتھائی آستین کی ایمبرائیڈری ہوئی سفید کرتی پہنے ہوئے تھیں اور اس کے نیچے سفید رنگ کا ہی پاجاما تھا۔ دوپٹہ سیاہ رنگ کا تھا جو انہوں نے شال کی طرح لپیٹا ہوا تھا۔ نفیس سا پرس انہوں نے جو کہنی پر لٹکایا ہوا تھا اب میز پر رکھ دیا تھا۔ چہرے پر کوئی میک اپ نہ تھا سوائے ایک ہلکی گلابی لپ اسٹک کے۔ وہ اتنی خوبصورت تھیں کہ انہیں کسی میک اپ کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ دونوں ہاتھوں میں ایک ایک عدد سونے کا کڑا تھا اور ساتھ ہی الٹے ہاتھ میں نایاب سی گھڑی۔ وہ سمارٹ اور گریس فل پرسنالٹی رکھتی تھیں۔

''آپ پہلی بار آئی ہیں، میں آپ کے لئے کچھ لے کر آتی ہوں۔ کیا لیں گی آپ، چائے یا کوفی؟'' سارہ کہہ کر جانے ہی لگی تھی کہ ارم نے اس کا ہاتھ نرمی سے تھام کر روک لیا۔

''چائے، کوفی تو بعد میں ہوتی رہے گی فی الوقت تم میرے پاس آ کو بیٹھو۔'' انہوں نے اپنے برابر میں ہی سارہ کو بٹھا دیا تھا۔

''جیسا تصور کیا تھا تم بالکل ویسی ہی ہو۔ یا شاید زین نے ہی مضبوط اور واضح خاکہ سمجھایا تھا کہ کوئی چوک نہ رہی۔'' ان کے لبوں سے نکلتے ہوئے لفظ مٹھاس سے بھرے پڑے تھے۔ ان کی آواز کانوں کو سکون دے رہی تھی۔ آنکھوں میں چمک اور لبوں پر مستقل فرحت سجی ہوئی تھی۔ ان کا شفیق چہرا سارہ کو اپنا اسیر کر گیا تھا۔ وہ سارہ کے ہاتھ تھامے ہوئے تھیں اور محبت سے ہاتھ کی پشت کو تھپتھپا رہی تھیں پر اس نے خلاف عادت کسی قسم کی ہچکچاہٹ محسوس نہ کی تھی۔ ورنہ سارہ کو ایسی محبت اور ایسے انداز کی عادت نہیں تھی۔ جو مسکراہٹ وہ زین کے چہرے پر دیکھتی تھی، وہی مسکراہٹ ان کے لبوں پر بھی تھی۔ ان کی شخصیت کی نرماہٹ سارہ کو

اپنائیت کا احساس دلا رہی تھی۔

''بہت سنا ہے تمہارے بارے میں زین سے۔ صرف ان مہینوں میں نہیں بلکہ آٹھ سال پہلے سے سنتی آ رہی ہوں۔ تب سے تم سے ملنے کی خواہش تھی۔ مجھے تو کبھی سمجھ نہیں آتا کہ میری دعائیں تھیں یا میرے بیٹے کی کہ تم پھر ہماری زندگی میں آ گئیں۔'' سارہ کبھی ان کی طرف دیکھتے تو کبھی نظریں نیچے کر رہی تھی پر چہرے پر کوئی تاثر نہیں تھے۔

''میں تمہارے ماضی اور تمہارے حال سے واقف ہوں۔ زین نے مجھ سے کچھ بھی نہیں چھپایا ہے۔ دیکھو بیٹا! کبھی کبھی زندگی میں ہم یہ ضرور سوچتے ہیں کہ ہمارے ساتھ یہ سب آخر کیوں ہوا۔ کیا ہم اتنے گناہ گار تھے کہ ہم سے سب چھن گیا؟ پر ایسا نہیں ہوتا۔ یہ زندگی، یہ دنیا اس میں موجود ہر شے اس رب کائنات ہی کی تو ہے۔ وہ جب چاہے ہمیں دے سکتا ہے اور جب چاہے ہم سے لے سکتا ہے۔ ہمارا کام صرف جو مل گیا اس پر شکر کرنا ہوتا ہے اور جو چھن گیا اس پر صبر۔ صرف اتنی سی بات ہے...... اور یہ امتحان آسان لگنے لگتا ہے۔ وہ ہمیں کبھی نہیں چھوڑتا سارہ۔ ہم اسے چھوڑ دیتے ہیں۔ یہ ہماری نااہلی ہے کہ ہم اس کی رحمت، اس کی محبت کو سمجھ ہی نہیں پاتے۔ کچھ ہم سوچتے ہیں اور کچھ وہ سوچتا ہے۔ ہم سمجھتے ہیں جو ہم نے سوچا وہ بہتر ہے اور ہم اس ہی کی ضد کرنے لگتے ہیں یہ بھی نہیں دیکھتے کہ جو وہ سوچتا ہے اس میں بہتری ہماری ہی ہوتی ہے۔'' ارم پیار اور محبت سے سارہ کو سمجھا رہی تھیں اور وہ بھی معصوم بچے کی طرح انہیں سن رہی تھی۔ وہ ہاتھ ہنوز سارہ کا تھامے ہوئے تھیں جو محبت اور اپنائیت کا احساس دلا رہا تھا

''جب میں نے زین کے والد کو کھویا تو ایسا نہیں ہے کہ میں نہیں ٹوٹی تھی۔ میں اندر ہی اندر تنہا ہو گئی تھی پر پھر مجھے خود بخود صبر آنے لگا۔ میرے دونوں بچوں کو میری ضرورت تھی۔ میں

کیوں انہیں تکلیف دیتی۔ حوصلے کے لیے دعا مانگی اللہ سے۔ مشکل تھا سفر میرا۔ میں اپنے شوہر کے بغیر ایک قدم نہیں اٹھا سکتی تھی پر آج دیکھو...... زین اکثر مجھے کہتا ہے کہ میں نے ماں کے ساتھ ساتھ باپ کا رول بھی اپنا ہی لیا۔'' ارم مسکرائیں اور یہ سن کر سارہ بھی مسکرانے لگی۔

''تم بھی اہم ہو سارہ...... بہت اہم۔ جب خدا ہر رشتہ لے لیتا ہے تو اس کا نعم البدل بھی دیتا ہے۔ میں نے زین کو آج تک کسی کے بارے میں ایسا سوچتے نہیں دیکھا جیسا وہ تمہارے بارے میں سوچتا ہے۔ وہ تمہیں بہت چاہتا ہے۔ تمہاری قدر کرتا ہے۔ تمہیں معلوم ہے، اس ہی نے تمہاری یہ حالت دیکھ کر مجھے شکاگو بلایا تھا۔ وہ ڈر گیا تھا کہ کہیں تمہیں کھو نہ دے۔ مجھے کہنے لگا کہ آپ آکر سمجھائیں۔ پر سارہ میں آج اپنے بیٹے کی تمہارے سامنے تعریفوں کے قصیدے پڑھنے نہیں آئی ہوں بلکہ تم سے ایک رشتہ جوڑنے آئی ہوں۔'' وہ کہہ کر سارہ کے چہرے کا جائزہ لینے لگی تھیں جو یکلخت ہی سنجیدہ ہوا تھا جس میں غم کی آمیزش صاف نظر آرہی تھی۔

''میں سمجھ سکتی ہوں تمہارا دل اس وقت یہ ہی کہہ رہا ہے کہ ایسے اہم موقع پر تمہارا کوئی سربراہ موجود نہیں جو تمہارے ساتھ کھڑا ہو۔ پر سارہ آج میں زین کی والدہ کے طور پر نہیں بلکہ اگر تم اجازت دو تو تمہاری سربراہی کے طور پر تم سے اپنا فرض سمجھ کر پوچھنے آئی ہوں۔'' وہ سارہ کی کیفیت کو سوچتے ہوئے دل ہی دل میں کٹ کر رہ گئی تھیں البتہ چہرا انہوں نے ہنوز نارمل رکھا تھا تاکہ سارہ پر کسی قسم کا انداز بھی گراں نہ گزرے۔ وہ جانتی تھیں سارہ حساس طبیعت رکھتی تھی اور ان چند لمحات میں وہ اس کی نیچر سے مکمل واقف ہوگئی تھیں لہٰذا محبت اور اپنایت سے معاملات لے کر چل رہی تھیں۔

''سارہ بیٹا! میں تمہاری خواہش جاننے آئی ہوں کیا تمہیں زین کا رشتہ قبول ہے؟ تمہارا جو بھی جواب ہوگا وہ ہماری سر آنکھوں پر ہوگا۔ صرف یہ سوچ کر جواب دینا کہ یہاں اس وقت

زین کی ماں نہیں بیٹھی بلکہ تمہاری ماں موجود ہے جو تم سے تمہاری مرضی جاننا چاہتی ہے۔'' ارم اسے بغور دیکھنے لگیں۔ سارہ بمشکل اپنے آنسو ضبط کرنے لگی تھی۔ وہ تھوڑی دیر خاموش بیٹھی نگاہیں نیچے ہی کیے ہوئے تھی۔ ارم کے دل کو وہ پہلی ہی نظر میں بھا گئی تھی۔ ان کا بس نہیں چل رہا تھا اسے اپنے گلے سے لگالیں۔ اسے خوب پیار کریں۔ پر وہ جانتی تھی کہ سارہ فطرتاً ریزور ہے اس لیے فی الحال اپنے جذبات قابو میں کرنا ہی مناسب سمجھا۔

''مجھے آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی۔ میں نے جب بھی زین کو دیکھا تھا ہمیشہ رشک ہی کیا تھا کیونکہ وہ آپ کی بہت فکر کرتا ہے اور میں یہ ہی سوچتی تھی کہ یقیناً آپ نے اتنی محبت نچھاور کی ہے کہ وہ ایسا ہے۔ مجھے ہمیشہ سے آپ کی تربیت پر فخر رہا ہے۔ اچھے والدین کا ہونا پھر ان کا مستقل ہماری زندگیوں میں ساتھ رہنا بہت ہی اہم بات ہوتی ہے۔ میں نے اپنے والدین بہت چھوٹی عمر میں ہی کھو دیئے تھے۔ پر ان کی اس وقت کی بھی سکھائی ہوئی باتیں میں آج تک نہیں بھولی۔ یوں تو زندگی میں میں نے کئی بڑے فیصلے لیے ہیں جن کو اب میں کبھی تنہائی میں بیٹھ کر سوچتی ہوں تو حیران رہ جاتی ہوں۔ میں ایک قدم بھی اپنے ماموں کے بغیر نہیں اٹھاتی تھی۔ ان کی اجازت کے بغیر میں نے کوئی کام نہیں کیا تھا۔ پر مجبوری میں مجھے وہ سب کرنا پڑ گیا۔ لیکن آج جو آپ نے مجھ سے پوچھا ہے یہ میری پوری زندگی کا فیصلہ ہے۔ میری خامیوں اور کمزوریوں سے آپ واقف ہیں۔ تو آپ بہتر سمجھیں گی کہ آیا کیا صحیح ہے اور کیا غلط۔ میری شادی کے حوالے سے میرے بڑوں نے ہی فیصلہ لیا تھا۔ میں نے صرف اسے تسلیم کیا تھا۔ آج آپ نے بھی مجھے ایک انمول رشتے سے جوڑا ہے۔ ماں کا رشتہ تو ایسا ہوتا ہے کہ اس کی اولاد آنکھیں بند کر کے بھی اس پر بھروسہ کرلیتی ہے...... تو میں یہ فیصلہ آپ پر رکھتی ہوں۔ میں اتنا بڑا قدم اکیلے نہیں اٹھا سکتی۔ نہ ہی مجھ میں اتنی طاقت ہے۔ آپ نے

مجھے اپنی بیٹی کہا ہے تو بیٹی سمجھ کر ہی آپ خود میرا فیصلہ لے لیں کہ آیا یہ رشتہ میرے لئے اچھا ہے یا نہیں۔" سارہ نے بات ختم کی اور ارم کی آنکھوں کے اندرونی کونوں سے آنسو نکلنے لگے۔ انہوں نے فوراً ہی اپنے ہاتھوں سے ان آنسوؤں کو پونچھا اور مسکرا کر سارہ کی طرف دیکھنے لگیں جو ابھی بھی سنجیدہ بیٹھی انہیں دیکھ رہی تھی۔

"مجھے تم سے ایسے ہی جواب کی توقع تھی۔ نہ جانے میرے اعمال تھے یا میرے بیٹے کے جو تم جیسی لڑکی ہمارے گھر کا حصہ بنے گی۔ تم نے شروع میں کہا کہ تمہیں مجھ پر فخر ہے جب تم زین کو دیکھتی ہو۔ بیٹا! میں تمہارے والدین اور پھر تمہارے ماموں ممانی کو سلام پیش کرتی ہوں جنہوں نے تمہاری بہترین تربیت کی ہے۔ بس پھر ٹھیک ہے۔ اب میں ایک منٹ نہیں رکنا چاہتی۔ جلدی سے ہماری زندگیوں میں آجاؤ سارہ۔ یقین جانو جتنی بے چینی زین کو ہے اتنی ہی مجھے بھی ہے۔" ارم نے کہا اور سارہ کی آنکھیں نم ہوئیں۔ وہ شدید مضطرب سا محسوس کر رہی تھی۔ دل و دماغ کی جنگ اب بھی جاری تھی لیکن اسے زین کا قطعیت بھرا لہجہ نہیں بھول رہا تھا۔ اگر اب سارہ پیچھے ہٹ جاتی تو زین کو بکھرتا ہوا دیکھتی جس کی اس میں سکت نہیں تھی۔

"اب چائے کا سیشن ہو جانا چاہیے۔" ارم نے ایک دم پر جوشی سے کہا تو سارہ نے خیالات کو جھٹک کر سر کو جنبش دی اور اٹھی۔

"میں بہت مزے کا فریش کیک لائی ہوں۔ آؤ میں تمہاری مدد کر دوں، تم چائے بناؤ میں کیک پلیٹ میں سرو کرتی ہوں۔" ارم نے خوش دلی سے کہا۔

"میں کر لوں گی آپ آرام سے بیٹھیں۔" سارہ نے نرمی سے کہا۔

"دونوں مل کر کرتے ہیں بھئی۔ چلو آجاؤ۔" وہ سارہ کے ساتھ کچن میں چلی گئی تھیں۔

"واؤ سارہ، تمہاری بالکونی سے تو ویو بہت اچھا نظر آتا ہے۔" وہ چائے سرو کر رہی تھی

جب ارم نے کچن سے ملحقہ بالکونی کی طرف دیکھ کر کہا تھا۔
''جی۔'' سارہ نے مسکرا کر سر کو جنبش دی۔
''چلو ایک کام کرتے ہیں باہر بیٹھ کر چائے اور کیک سے لطف اندوز ہوتے ہیں، کیا کہتی ہو؟'' وہ اتنی زندہ دل خاتون تھیں کہ سارہ کو ہر ہر انداز سے حیران کر رہی تھیں۔
''جی ضرور۔'' سارہ ٹرے باہر بالکونی میں لے گئی جہاں اس نے اپنے ذوق کے مطابق سیٹنگ ارینجمنٹ کر رکھا تھا۔لکڑی کی بنی ہوئی میز پر چائے کے دو کپ اور پلیٹ میں رکھا ہوا فریش بٹر کیک رکھ کر وہ دونوں کرسیوں پر بیٹھ گئیں۔ارم تو اطراف کے نظارے سے اپنی آنکھوں کو ٹھنڈک دے رہی تھیں جبکہ سارہ وقتاً فوقتاً ارم پر نگاہ ڈال رہی تھی۔خود پر بار بار سارہ کی اٹھتی نگاہ محسوس کر کے ارم نے مسکرا کر سارہ کو دیکھا تھا۔
''آپ ہمیں ایسے کیوں دیکھ رہی ہیں؟'' اور یہ سن کر سارہ زیر لب مسکرائی تو تھی ہی پر اپنی حرکت پر جھینپ بھی گئی تھی۔
''کچھ نہیں بس سوچ رہی تھی کہ آپ ابھی اتنی خوبصورت ہیں تو اپنی جوانی میں کتنی حسین ہوں گی۔'' اور اس کی بات سن کر ارم فرحت سے کھل کھلا گئی تھیں۔
''شکریہ اس تعریف کے لیے۔''
''آپ نے بہت مینٹین رکھا ہے خود کو۔ پر شاید آپ کو اتنی ضرورت بھی نہیں پڑی ہو گی۔ میرے دماغ میں تو کچھ اور ہی خاکہ بنا ہوا تھا آپ کا۔'' سارہ نے جھجکتے ہوئے کہا۔
''بیٹا! مینٹین رکھنا پڑتا ہے۔ تمہیں کیا لگتا ہے کیا وقت اور حالات ہمیشہ ایک جیسے رہتے ہیں؟'' وہ کہتے کہتے تحمل سے گویا ہوئیں تو سارہ نے انہیں بغور دیکھا۔
''وقت اور حالات ہمیشہ بدلتے ہیں سارہ۔لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم خود کو نگلیکٹ

کردیں۔ اچھا یہ بتاؤ۔ ہم صبح اٹھ کر اپنی ذات پر سب سے پہلا کون سا کام کرتے ہیں؟‘‘ سارہ نے الجھ کر انہیں دیکھا تھا۔

’’آئینے میں خود کو دیکھتے ہیں۔‘‘ اور ان کے کہنے پر سارہ نے فوراً سر کو تائید میں ہلایا تھا۔

’’تم نے وہ تو سنا ہوگا نا کہ آغاز اچھا ہو تو انجام اچھا ہوتا ہے۔ اب خود کو آئینے میں دیکھ کر اگر قنوطیت اور قلق محسوس ہو تو دن کیسے اچھا گزرے؟ سارہ! یہ جسم اور جان امانت ہے اللہ کی طرف سے۔ ہمیں اس کا خیال رکھنا ہے۔ یہ بہت اہم بات ہے جسے اکثر لوگ نظر انداز کر دیتے ہیں اور دماغی اور جسمانی طور پر بے سکون رہتے ہیں۔ ہم اس کے بھی جواب دہ ہوں گے۔ تو بیٹا جی آپ جو ہمیں دیکھ کر اتنی تعریف کر رہی ہیں تو یہ روز خود پر محنت کی ہے خوش رہنے کی۔ ورنہ حالات نے تو بہت بار شکست دینے کی کوشش کی ہے۔‘‘ وہ ان کی باتوں کو غور سے سن رہی تھی اور بدلے میں کچھ بھی نہ کہہ سکی۔ بلاشبہ ارم کی ہر بات درست تھی۔

☆......☆......☆

’’بھائی! مام آگئیں۔‘‘ ارم دروازے سے داخل ہوئی تھیں جب کنزا نے فوراً زین کے گوش گزار کیا جو بے چین سا کمرے کے کتنے چکر کاٹ گیا تھا جب سے وہ گئی تھیں۔ ارم کو دیکھتے ہی کنزا تو آگے بڑھی تھی وہ بھی بھاگتا ہوا ارم کے پاس لپکا تھا۔

’’مام...... مام۔‘‘ زین اور کنزا دونوں چلاتے ہوئے آئے تھے اور وہ اچانک اس افتاد کے لیے بالکل تیار نہ تھیں فوراً دونوں کو اپنی جانب آتا دیکھ کر پل بھر کو گھبرا گئیں۔

’’ارے بھئی آرام سے۔ ریلیکس ہو جاؤ دونوں۔‘‘ ارم نے دونوں کو گھور کر کہا۔

’’مام! آپ جب سے گئی ہیں بھائی کوئی ہزار چکر تو گھر کے کاٹ چکے ہیں۔ اب ان سے صبر نہیں ہوگا۔‘‘ کنزا کے بتانے پر ارم نے زین کو دیکھا جو واقعی بے تاب لگ رہا تھا۔

”مام! تو کیسی لگی آپ کو؟“ اس نے پُر اشتیاق آنکھوں سے ارم کو دیکھا تھا جنہوں نے زین کو ایک اچٹتی نگاہ سے دیکھا اور چہرا نیچے کیے ہوئے کامن ایریا میں صوفے کی طرف بڑھ گئیں۔ زین نے ارم کے تاثر اخذ کر کے یکلخت سنجیدگی سے کنزا کو دیکھا تھا جو خود بھی ارم کو دیکھ کر پریشان ہوئی تھی۔

”مام! کیا ہوا، آپ کچھ کہہ کیوں نہیں رہیں؟“ کنزا کہتی ہوئی آگے بڑھی تھی زین بھی ساتھ ساتھ تھا۔

”مام! کیا آپ کو سارہ اچھی نہیں لگی؟“ زین کا لہجہ پراگندہ تھا اور کنزا بھی فکرمندی سے زین کو تو کبھی ارم کو دیکھ رہی تھی۔

”مجھے تو سمجھ نہیں آتا کہ میں کیا کہوں۔“ ارم کی گمبھیر سی آواز سن کر زین کی سانس تک اٹک گئی تھی۔

”کیوں مام، کیا ہوا ہے؟“ کنزا نے زین کی حالت دیکھتے ہوئے خود ارم سے پوچھا۔

”مجھے ڈر ہے کہ جس بیٹے کو میں اب تک شہزادہ مانتی آ رہی تھی وہ سارہ کے معیار پر اترے گا بھی یا میری ناک ہی کٹوا دے گا۔“ اور ارم کے کہنے پر جہاں کنزا نے مزید آنکھیں وا کر کے انہیں دیکھا تھا وہیں یہ سن کر زین کا اٹکا سانس بحال ہوا تھا۔

”مام! آپ نے تو ٹھیک ٹھاک بھائی کو ڈرا دیا تھا۔“ کنزا اٹھ کر زین کے پاس آ گئی اور اس کے کاندھے پر اپنی کہنی رکھ کر ارم سے گویا ہوئی۔

”میں واقعی سنجیدہ ہوں۔“ اور دونوں بچوں کو مسکراتا دیکھ کر ارم نے بغیر کسی تاثر کے کہا۔

”زین! ہیرے کی پہچان تو تم نے خوب کی اب اسے سنبھال کر رکھنا کیسے ہے یہ تمہیں معلوم ہونا چاہیے۔“ ارم کی بات پر اس نے زیرِ لب مسکرا کر سر کو جنبش دی اور دل ہی دل میں

اللہ کا شکر ادا کیا تھا۔
''آپ نے اس سے شادی کے حوالے سے پوچھا؟ کیا کہا پھر اس نے؟'' کچھ توقف کے بعد زین نے ارم سے استفسار کیا۔
''کچھ بھی نہیں۔'' زین نے پریشان کن تاثر سے ارم کو دیکھا۔
''مام! کیا کہا ہے اس نے؟'' اب کی بار وہ برہم ہوا تھا تو ارم نے تبسم لبوں پر سجا کر بیٹے کے گال پر ہاتھ رکھا۔
''یہی کہ اس نے فیصلہ مجھ پر چھوڑ دیا۔ اور خود لینے سے جھجک رہی ہے۔ بیٹا! بہت سلجھی اور نیک طبیعت کی حامل ہے۔ ویسے تو لڑکی اور لڑکے دونوں کو اختیار ہوتا ہے کہ وہ اپنی پسند، نا پسند سے براہِ راست آگاہ کریں لیکن اس نے مجھے معتبر مقام پر رکھ کر فیصلہ میرے ہاتھوں میں دے دیا۔'' زین یہ سن کر بے حد خوش ہوا تھا۔
''مام! اور بتائیں نا آپ لوگوں نے کیا باتیں کیں مجھے سب بتائیں۔'' کنزا نے بھرپور اشتیاق سے پوچھا جبکہ زین سارہ کو تصور کرتا ہوا ٹرانس کی سی کیفیت میں چلا گیا۔
''بھئی باتیں تو بہت ہوئیں پر اب دن نہیں ہیں۔ ہمیں ان چار دنوں میں شادی کی تمام تیاریاں کرنی ہیں لہٰذا کنزا آستینیں اوپر کر لو۔ مجھے تو یقین نہیں آ رہا زین تمہاری شادی کی تیاری کر رہی ہوں میں۔ اگر مجھے پہلے سے پتہ ہوتا تو کم از کم کچھ کام تو پہلے سے کر کے رکھتی۔'' انہوں نے کام کی فہرست سوچتے ہوئے ٹینشن سے کہا تھا۔ وہ فقط مسکرا گیا تھا۔ بے یقینی کا عالم تو اس پر بھی چھایا ہوا تھا۔ کنزا اور ارم شادی کے حوالے سے لسٹ بنانے لگ گئی تھیں جب کہ وہ موبائل نکالتا ہوا ڈیک پر چلا گیا۔

☆......☆......☆

وہ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے ہوئے کتاب پڑھ رہی تھی جب میسج کی بیپ سے اس کا دھیان اسکرین پر گیا۔ سارہ نے موبائل اٹھا کر دیکھا تو میسج زین کی طرف سے تھا۔ اس نے کتاب ایک طرف رکھ کر میسج دیکھا۔

''مس سارہ احمد۔ آپ کے علاقے میں پولیس فورس کی ناکہ بندی کر دی گئی ہے۔ لہٰذا جمعے سے پہلے اگر فرار یا روپوش ہونے کی کوشش کی تو میں زین سرور بمع پولیس فورس کے اریسٹ تو کروں گا ہی ساتھ ہی جرمانے کے طور پر فوری نکاح کا بندوبست کر دوں گا۔'' سارہ نے میسج پڑھ کر سر جھٹک دیا اور بغیر جواب دیئے موبائل پھر سائیڈ میز پر رکھ دیا۔ کتاب کا صفحہ جہاں چھوڑا تھا وہیں سے پھر سے پڑھنے لگی تھی پر اب اس کے چہرے پر گھبراہٹ جبکہ لبوں پر معمولی مسکان در آئی تھی۔

☆......☆......☆

تین چار دن پلک جھپکتے گزر گئے تھے۔ مصروفیت ایسی تھی کہ سر کھجانے کا بھی وقت نہیں تھا۔ چونکہ آناً فاناً نکاح کی تقریب منعقد کی گئی تھی لہٰذا اتنے مختصر سے وقت میں جو ممکن تھا بس وہ ہی کام طے پائے۔ ارم کے رشتے دار جو امریکہ اور کینیڈا میں سکونت اختیار کیے ہوئے تھے ان سب کو نکاح میں مدعو کیا تھا۔ پر اتنے کم وقت کے نوٹس پر تمام رشتے داروں کا آنا ناممکن تھا۔ لیکن اس کے باوجود بھی کل ملا کر بیس تیس لوگ جمع ہوئے تھے۔ جن کے رہنے کا بندوبست ارم نے ہوٹل میں کیا تھا۔ سارہ کی کیفیت کو مدنظر رکھتے ہوئے نکاح اور رخصتی سادگی سے کرنے کا فیصلہ کیا گیا تھا۔ البتہ گرینڈ ریسپشن کی تقریب کراچی میں منعقد کی گئی تھی جس کی تیاری ارم نے امریکہ میں بیٹھے بیٹھے شروع کر دی تھی۔

تقریب کے حوالے سے تمام ذمہ داریاں زین اور شایان نے مل کر دیکھ لی تھیں۔ باقی

کپڑوں اور دیگر تیاری کا بندوبست کنزا اور ارم نے سنبھال لیا تھا۔ سارہ پر کسی قسم کا کوئی بھی بر ڈن نہیں ڈالا گیا تھا کیونکہ وہ ویسے بھی ارم کو بے حد الجھی ہوئی اور کنفیوزسی لگ رہی تھی۔ اس کی دلی کیفیات کا اندازہ کر کے انہوں نے سارہ کو جتنا ہو سکا ریلیکس رکھا تھا۔ کنزا کی ملاقات جب سارہ سے ہوئی تو وہ اسے بھی پہلی نظر میں بھا گئی تھی۔ سارہ کو بھی کنزا بھلی لگی۔ وہ بے حد باتونی اور صاف دل کی لڑکی تھی جس کے انداز و اطوار میں ارم کی جھلک خوب نمایاں تھی۔

آج جمعے کے دن اس کا نکاح اور رخصتی تھی۔ دل بوجھل اور طبیعت اداس تھی۔ حالانکہ ایک دن قبل ارم اور کنزا سارہ سے مل کر گئی تھیں تا کہ اس کا دل بہلا رہے پر وہ اپنی حالت دیکھ کر روہانسی ہو رہی تھی۔ آج اس کی شادی تھی پر اس کا گھر سونا تھا۔ چہکتے ہوئے کوئی چہرے نہیں تھے۔ ماں جو اس وقت بیٹی کی تیاریوں میں جت جاتی ہے۔ اس کے اٹھتے کے ساتھ ہی اسے اپنے ہاتھوں سے ناشتہ کرواتی ہے کیونکہ پھر یہ موقع کب نصیب ہو۔ وہ ماں نہیں تھی۔ باپ جو تقریب کی تیاریوں میں ایڑی کے زور پر انتظامات دیکھتا ہے۔ جو دستِ شفقت اپنی بیٹی کے سر پر رکھ کر اسے خوب دعائیں دیتا ہے وہ باپ نہیں تھا۔ رشتے دار جن سے شادی کا گھر بھرا ہوتا ہے۔ جن کی باتوں اور چہک سے فضا میں رونق پھیلتی ہے۔ وہ رشتے دار نہیں تھے۔ اس نے بمشکل خود پر ضبط کیا ہوا تھا۔ گھر کا کونا کونا اسے قنوطیت میں لے جا رہا تھا کہ یکا یک بیل کی آواز سے اس کا دھیان دروازے کی جانب ہوا تھا۔ صبح کے آٹھ بج رہے تھے۔ اس وقت کون ہو سکتا تھا۔

اس نے تعجب سے دروازے کی طرف دیکھا اور جوں ہی مرکزی دروازہ وا کیا تو آنکھیں حیرت سے کھلی رہ گئیں۔

''السلام علیکم۔'' بیک وقت ارم، کنزا اور ثانیہ نے چیخ کر اس سے کہا تھا۔ ان کے ساتھ

گریس بھی موجود تھی جنہیں سارہ نے شادی میں مدعو کیا تھا پر وہ اس وقت اس کے ہاں کیا کر رہی تھیں؟

''وعلیکم السلام۔'' اس نے الجھ کر کہا تھا۔ ارم نے تو داخل ہوتے کے ساتھ ہی سارہ کو فرطِ محبت سے گلے لگا لیا جبکہ ثانیہ اور کنزا کی باتوں نے گھر کے ماحول کو ایک دم ہی بدل دیا تھا۔

''تمہیں کیا لگا آج تمہارے اہم دن پر ہم تمہیں تنہا چھوڑ دیتے۔'' ارم نے نرمی سے اس کے گال پر ہاتھ رکھ کر اسے خوب پیار سے کہا تھا۔

''سارہ! بہت مبارک ہو۔ مجھے بھی عجیب لگ رہا تھا کہ سیدھا تقریب میں آتی۔ جب معلوم ہوا زین سے کہ سب جلدی پہنچیں گے تمہیں سرپرائز کرنے تو میں نے بھی سوچ لیا کہ یہ ہی کروں گی! بھئی تمہیں تیار بھی تو کرنا ہے۔'' انہوں نے بھی آگے بڑھ کر سارہ کو پیار کیا اور کہتے کہتے ارم سے تصدیق مانگی۔

''بالکل۔'' ارم نے سر کو جنبش دیتے ہوئے گریس سے کہا۔

''سارہ! مجھے تو یقین نہیں آ رہا زین شادی کر رہا ہے۔ بلکہ تم بھی کر رہی ہو بلکہ تم دونوں کر رہے ہو۔'' پیچھے سے اس کے گلے میں حصار ڈالتی ہوئی ثانیہ نے جھول کر چہک کر سارہ سے کہا تھا۔

''مائے ڈیئر بھابھی، آپ ہمیں کیا سمجھتی ہیں۔ آپ کے اہم موقع پر ہم وقت پر آتے آپ کو رخصت کرنے۔ بالکل نہیں۔ ہم یہاں لڑکی والے بن کر آئے ہیں۔ بھائی شایان بھائی اور میرے شوہر فارس کے ساتھ ہی کام چلائیں۔'' کنزا نے سامنے سے آ کر اسے گلے سے لگا لیا۔ وہ ہکا بکا سب کو باری باری تکتی ہوئی حیرت اور شاک کا تاثر دے رہی تھی جس سے سب محظوظ ہو رہے تھے۔

''چلو لڑکیو! فوراً سامان تیار رکھو میں پہلے سارہ کو دیکھتی ہوں۔'' ارم نے کنزا اور ثانیہ

دونوں سے کہا۔

''تم نے ناشتہ کیا؟'' ارم کے سوال پر وہ پھر چونکی۔

''ج......جی؟'' اس کی حیرانگی دیدنی تھی۔

''سارہ نے تو پکا صرف ایک کپ کوفی پی ہوگی۔ سارہ، تم آرام سے بیٹھو میں اور ارم تمہارے لیے مزے کا ناشتہ بناتے ہیں۔'' سارہ کی غائب دماغی اور الجھی ہوئی کیفیت کو دیکھتے ہوئے گریس نے ارم سے کہا تھا۔ وہ اسے واقعی صوفے پر بٹھا کر کچن میں جا گھسی تھیں اور کچھ منٹوں میں فریش جوس اور پلیٹ میں آملیٹ فرنچ ٹوسٹ اور پھل کاٹ کر لے آئی تھیں۔ کنزا اور ثانیہ سارہ کے روم میں اس کا لباس اور دیگر اشیاء تیار کر کے رکھ رہی تھیں۔

''آپ لوگ یہ سب تکلف کیوں کر رہے ہیں؟'' کتنی دیر بعد جا کر اس کے لبوں سے الفاظ ادا ہوئے تھے۔ حیرت کدے سے تب نکلی جب ارم نے فرنچ ٹوسٹ کانٹے میں پھنسا کر اس کے منہ تک لائیں۔

''توبہ! کیا تکلف۔'' ارم نے فوراً ڈپٹا اور سارہ کی آنکھیں یکلخت نم ہوئی تھیں۔ ارم کا ڈانٹنا اسے اپنی ماں کی یاد دلا رہا تھا کیونکہ اس میں چھپی محبت سے اس کا دل پھٹنے لگا تھا۔ پھر زینت کا چہرا بھی رہ رہ کر الگ تڑپا رہا تھا۔ اسے یقین نہیں ہو رہا تھا کسی بھی بات پر۔ وہ لب کاٹتی ہوئی آنسوؤں کو آنے سے روک رہی تھی پر ارم نے اس کے ماتھے پر بوسہ دیا اور ریلیکس رہنے کو کہا۔

''بیٹا! ماں نہ سہی ماں جیسی تو سمجھو۔ یہ تو میں نے کنزا کے ساتھ بھی کیا تھا اور آج میری دوسری بیٹی کی شادی ہے۔ تو لاڈ اٹھانا تو بنتا ہے۔'' انہوں نے چھیڑ کر اسے رسان سے کہا اور ناشتہ کرانا شروع کیا۔ پر سارہ کی کیفیت سنبھلنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ ارم اور گریس کی طرف

سے خوب زبردستی کے باوجود بھی اس نے چند لقمے لیے تھے۔

''سارہ! تم نے تمام چوائس مجھ پر ہی ڈال دی تھی اس لیے میں نے اور زین نے مل کر اس لباس کا انتخاب کیا ہے۔ تمہیں کیسا لگا؟'' چند گھنٹے رہ گئے تھے۔ جمعے کی نماز کے بعد مسجد میں نکاح تھا۔ سب سمیٹ کر اور کچن صاف کر کے ارم سارہ کو اس کا لباس دکھانے لگی تھیں۔ یہ نفیس سی سفید رنگ کی میکسی تھی جس پر جگہ جگہ پرل لگے ہوئے تھے اور سلور کام تھا۔ دوپٹہ کنٹراسٹ میں سرخ رنگ کا تھا جس پر نازک سا بارڈر بنا ہوا تھا۔

''جی اچھا ہے۔'' سارہ نے بستر پر سجا جوڑا دیکھ کر ارم سے کہا تھا۔

''مام ایسے ہی کہہ رہی ہیں۔ یہ جوڑا خصوصاً بھائی کی پسند کا ہے صرف آپ کے لیے۔'' کنزا نے کان میں آکر سرگوشی کی تھی اور ثانیہ نے اسے چھیڑتے ہوئے کاندھے پر کہنی دے ماری تھی اور وہ سب کے سامنے جھینپ گئی تھی۔

''اونہوں! چھیڑو نہیں میری بیٹی کو۔ چلو سارہ، تم جلدی سے تیار ہو جاؤ ثانیہ اور کنزا تمہاری مدد کر دیتی ہیں۔ میں باقی کا کام دیکھ لوں۔'' ارم کہہ کر چلی گئیں۔ گریس بھی ان کے ساتھ ساتھ ہر لمحہ انجوائے کر رہی تھیں۔ سارہ کپڑے بدل کر کمرے میں داخل ہوئی تو ثانیہ عش عش کرتی رہ گئی۔ جوڑا اس پر خوب جچ رہا تھا۔ کنزا نے اسے ڈریسنگ کے پاس بٹھا دیا۔ ثانیہ نے سارہ کے بالوں کو سلجھانا شروع کیا اور آدھے بال نفیس سے سفید رنگ کے پرل سے بنے ہوئے گلاب نما کلپ میں مقید کر دیئے۔ کچھ بال پیچھے رکھ کر اس نے آدھے بالوں کو دائیں کاندھے پر لے آئی تھی۔ نفیس سا پرل سے آراستہ گلوبند اس کی صراحی دار گردن پر سجا دیا تھا۔ کانوں میں اسی سیٹ کے آویزے پہنا دیئے تھے۔ اور نازک سا ٹیکا اس کی صبیح پیشانی پر سجا دیا تھا۔ ثانیہ اور کنزا مستقل اسے باتوں میں مگن رکھے ہوئے تھیں پر دونوں کی کوشش ناکام رہی

تھی۔ وہ وقفے وقفے سے آنسو بہا رہی تھی اور ہر بار ان دونوں سے نگاہیں چرا رہی تھی۔ اس کا دل اپنوں کی یاد میں اسے ستائے جا رہا تھا اور جیسے جیسے وقت قریب آ رہا تھا اس کی گھبراہٹ اور ٹینشن میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔

''کم کرنا پلیز۔'' کنزا نے جوں ہی میک اپ کرنا شروع کیا سارہ نے اس کا ہاتھ روک کر التجاء کی تھی۔

''بے فکر رہیں سویٹ بھابھی۔ میں جانتی ہوں آپ سادگی پسند ہیں اور سونے پر سہاگا بھائی بھی سادہ طبیعت ہی رکھتے ہیں۔'' کنزا نے رسان سے کہا اور وہ بنا مزید کچھ کہے پھر نظریں نیچے کر گئی۔ پر کنزا کے لیے میک اپ کرنا مشکل ہو گیا۔ سارہ کی حالت ابتر ہوتی جا رہی تھی۔ اس کے جسم میں لرزش تھی اور چہرے پر ہوائیاں اڑی ہوئی تھیں۔ آنسوؤں کا اس پر اختیار نہ تھا۔ اس کی کیفیت کو دیکھتے ہوئے ثانیہ اور کنزا پریشان ہونے لگی تھیں۔

''مام! بھابھی تو روئے جا رہی ہیں۔'' کنزا نے فکرمندی سے آ کر ارم کے گوش گزار کیا تھا جو پہلے ہی ان سب باتوں کی توقع رکھے ہوئے تھیں۔ سارہ کے تمام حالات ان کے سامنے تھے۔ کوئی بھی لڑکی شادی جیسے اہم دن پر اپنے اطراف اپنوں کا ساتھ چاہتی ہے۔ اور سارہ اس کمی کو محسوس کرتی ہوئی بے حد مضطرب ہو رہی تھی۔ گریس اور ارم دونوں نے سارہ کو خوب دلاسہ دیا تھا۔ رسان اور نرم انداز سے اسے سمجھایا تھا۔ وہ سنبھل جاتی پر پل بھر میں ٹوٹ پڑتی۔ یہ سنبھلنے بکھرنے میں ہی اس کی تمام تیاری مکمل کر دی گئی تھی۔

بلاشبہ وہ حسین لگ رہی تھی۔ بالکل کانچ کی گڑیا کی مانند نازک اور نکھری سی۔ کنزا نے اس کے ذوق کے مطابق آنکھوں پر باریک کاجل اور آئے لائنر لگایا تھا۔ معمولی سی فاؤنڈیشن سے نیو میک اپ لک دیا تھا اور ہلکی سی مرون اور کافی رنگ کی لپ اسٹک ہونٹوں پر لگا دی تھی۔ سرخ

دوپٹہ اس کے سر پر پن کی مدد سے سیٹ کر دیا تھا۔ جس کا ایک حصہ دائیں کاندھے سے آگے آ رہا تھا۔ باقی کا دوپٹہ پشت پر پھیلا ہوا تھا۔ سلور کڑوں کے درمیان سفید اور سرخ رنگ کی چوڑیوں کا سیٹ اس کی سڈول کلائی پر خوب جچ رہا تھا۔ ارم نے تو دیکھتے ہی صدقہ نکالا تھا اور دعائیں پڑھ پڑھ کر اس پر دم کیے جا رہی تھیں۔ ثانیہ اور کنزا نے بھی تعریف میں کوئی کمی نہ کی تھی۔ گریس الگ سارہ کو اس روپ میں دیکھ کر مبہوت رہ گئی تھیں۔ سارہ نے نگاہ اٹھا کر خود کو نہیں دیکھا تھا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے چند چہرے تھے جو مستقل واضح ہونے کے باعث اسے بے چین رکھے ہوئے تھے۔

سفید چادر کا گھونگھٹ سر پر ڈال کر وہ تمام کی تمام گریس کی گاڑی میں سوار مسجد میں نکاح کے لیے روانہ ہو گئی تھیں۔ کئی مہمان جو نکاح اٹینڈ کرنے کی خواہش رکھتے تھے وہ مسجد میں موجود تھے۔ باقی کئی مہمان زین کے گھر پر دیئے گئے وقت پر اکٹھے ہو رہے تھے۔ ارم کے ایک دو قریبی رشتے داروں نے میزبانی کا فرض گھر پر سنبھال کر ان کا کام آسان کر دیا تھا۔ ثانیہ نے سارہ سے مشورہ کر کے آفس میں تمام کولیگز کو مدعو کیا تھا اور سب ہی سارہ کی خوشی میں بے حد خوش تھے۔

''ایک منٹ یار، تُو اوپر تو دیکھ۔'' شایان زین کی شیروانی کے کالر کے بٹن کو درست کر رہا تھا۔ زین نے آف وائٹ رنگ کی شیروانی زیبِ تن کی ہوئی تھی جس کے نیچے سفید پاجاما تھا۔ شیروانی کے گلے اور آستین پر ہلکی سی کڑھائی ہوئی تھی اور وہ اس لباس میں واقعی کسی ملک کا شہزادہ معلوم ہو رہا تھا۔

''لے ہو گیا۔'' شایان نے اس کا بٹن بند کر کے جوں ہی اس کے عقب میں دیکھا تو کچھ پل کے لیے رک گیا تھا۔

''تجھے کیا ہوا۔ کرنٹ لگ گیا ہے کیا؟'' زین نے اسے اٹکا ہوا دیکھ کر پوچھا۔

''میری چھوڑ اب تجھے لگنے والا ہے۔ وہ دیکھ۔'' زین اس کی نگاہ کا تعاقب کرتے ہوئے جوں ہی پیچھے مڑا تو ساکت رہ گیا۔ وہ ابھی ابھی مسجد کے دروازے سے اندر داخل ہوئی تھی۔ چہرے پر تو گھونگھٹ تھا پر زین کو وہ گڑیا کی مانند لگی تھی۔ اس کے اطراف میں ثانیہ اور کنزا اسے سہج سہج کر لا رہی تھیں۔ عقب میں گریس تھیں اور ارم نے جوں ہی اپنے سپوت کو دولہے کے روپ میں دیکھا تو نم آنکھوں سے زین کی جانب لپکی تھیں۔

''ماشاءاللہ، اللہ ہمیشہ خوش رکھے۔ میرے اللہ کا کرم ہے اس نے مجھے میری حیاتی میں یہ خوشی دکھا دی۔'' انہوں نے فرطِ محبت سے زین کی پیشانی پر بوسہ دیا تھا جو ہنوز سارہ کو دلہن کے روپ میں دیکھ کر اس کا اسیر ہو گیا تھا۔

چند قریبی رشتے دار مسجد میں پہلے سے موجود تھے۔ جن میں کنزا کا شوہر فارس، زین کے ننھیال اور ددھیال دونوں طرف سے وہ مہمان خواتین و حضرات تھے جو فوری طور پر ہنگامی نکاح میں پہنچ سکے تھے پھر شایان اور ثانیہ کے گھر والے بھی شامل تھے۔

جمعے کی نماز کا وقت شروع ہوا تو خواتین اپنے حصے میں پہلے خطبہ سننے لگی تھیں اور پھر باجماعت نماز ادا کی گئی تھی۔ اس دوران سارہ کے چہرے پر سے ارم نے گھونگھٹ ہٹا دیا تھا پر وہ جب سے آئی تھی اس نے نگاہ اٹھا کر کہیں نہیں دیکھا۔ اس کی نظریں صرف اپنی جھولی میں موجود ہاتھوں پر تھیں جن میں ہلکی ہلکی جنبش وقفے وقفے سے ہو رہی تھی۔

جماعت کے بعد مہمان جو مدعو تھے وہ سب ٹھہر گئے تھے۔ سارہ کے چہرے پر گھونگھٹ ڈال کر اسے کنزا اور ثانیہ کی مدد سے مسجد کے ہال میں لایا گیا تھا جہاں اب صرف ان کے ہی رشتے دار دوست واحباب شامل تھے۔ تازہ پھولوں سے بنا پردہ زین اور سارہ کے بیچ میں

حائل تھا جس کے ایک طرف فارس نے زین کو بٹھا دیا تھا البتہ دوسری طرف ابھی سارہ کو لا کر بٹھایا جا رہا تھا۔ وہ بے یقینی کے عالم میں سارہ کو دیکھ رہا تھا۔ کیا دعائیں اس طرح بھی پوری ہوتی ہیں؟

"کیا دوست شادی کر رہا ہے؟ پھر سوچ لے یار۔" شایان نے چھیڑتے ہوئے اس کے کان میں سرگوشی کی تھی۔

"ہاں زین ابھی بھی موقع ہے۔ پھر زندگی بھر یہ پچھتاوا رہے گا۔" مزید لقمہ فارس نے دیا تھا۔ اور زین کی ملامتی نظروں سے دونوں کی ہنسی کو بریک ملا تھا۔

جس کا کوئی نہیں ہوتا اس کا خدا ہوتا ہے اور جس کا خدا ہوتا ہے پھر اس کا سب کچھ ہو جاتا ہے۔ سارہ کا کوئی رشتے دار اس کے اہم دن پر موجود نہیں تھا لیکن اس کمی کو بھی پورا کیا گیا تھا۔ شایان کے والد سارہ کی اجازت سے اس کے وکیل بن گئے اور شایان بھائی کا فرض سمجھ کر سارہ کا گواہ جبکہ ثانیہ کا خالہ زاد بھائی دوسرے گواہ کی صورت میں پیش پیش تھا۔ تمام خواتین سارہ کے اطراف موجود تھیں۔ کسی نے بھی ایک پل کے لیے سارہ کو اکیلا محسوس ہونے نہیں دیا تھا۔ وہ جہاں دل کی گہرائی سے سب کی ممنون تھی وہیں اندرونی جنگ میں شل ہوتی جا رہی تھی۔ جہاں جذبات سے دل پھٹنے کو تھا وہیں دل اور دماغ ایک راستے پر چلنے کے لیے آمادہ نہیں ہو رہا تھا۔ اس کی حالت صرف وہ ہی جانتی تھی۔ باقی سب اس کی خاموشی کی وجہ حیا اور گھبراہٹ سمجھ رہے تھے۔

اسے صوفے پر بٹھا کر ارم نے اسے بغل گیر کیا تھا اور دوسرا ہاتھ اس کے ہاتھ پر نرمی سے رکھ کر اس کے پاس ہونے کا احساس دلایا تھا۔ شایان کے والد بمع گواہان کا غذات سمیت خواتین کے حصے میں داخل ہوئے تھے۔

''السلام علیکم، سارہ بیٹا! میں شایان کا والد آپ کا وکیل۔ اجازت طلب کرنے آیا ہوں، آپ کی اجازت ہو تو شروع کریں؟'' شایان کے والد دستِ شفقت اس کے سر پر رکھ کر اس سے مخاطب ہوئے اور سارہ نے فقط سر کو جنبش دے کر جواب کی تائید کردی۔ پورے ہال میں خاموشی پھیل گئی تھی۔ سب کے کان سارہ کے جواب کے منتظر کھڑے ہوگئے تھے۔

''جی بیٹا سارہ ولد جہانگیر احمد! کیا آپ کو جناب زین ولد سرفراز سرور سے بہ مہر فاطمی سکہ رائج الوقت نکاح میں قبول ہیں۔''

''میں نے عہد کیا تھا کہ محبت دفنا دوں گی۔ میں نے عہد کیا تھا کہ شادی جیسے بندھن میں کبھی نہیں بندھوں گی۔''

''تو پھر کیوں کر رہی ہو۔ کیا تم بھول گئیں۔ خوشیاں راس نہیں آتیں تمہیں سارہ احمد۔ کیوں زین کی زندگی تباہ کرنا چاہتی ہو۔ یاد کرو، یاد کرو جب دروازے پر دستک ہوئی تھی۔ بابا چل بسے تھے اور مما چند دن میں علیل ہو کر چھوڑ گئی تھیں۔ پھر تم نے اپنی موجودگی سے ماموں مامی کو بھی نہیں بخشا۔ انہیں بھی موت کے گھاٹ اتار کر دم لیا۔ تم کیوں بھول جاتی ہو سارہ، صرف تنہائی ہی تم پر مہربان ہے۔ اب بھی وقت ہے پیچھے ہٹ جاؤ۔ اس شہزادے کی زندگی برباد مت کرو۔ کیا ایلکس کو بھول گئیں؟ کیا وہ یہ سب ڈیزرو کرتا تھا۔''

شایان کے والد بمع گواہان سارہ کے جواب کے منتظر تھے۔ حتیٰ کہ پورے ہال میں ایسی خاموشی تھی جیسے سانپ سونگھ گیا ہو۔ سب سارہ کی طرف دیکھ رہے تھے جو ساکت سی گھونگھٹ میں چپ سادھے ہوئے تھی۔ پھولوں کے پردے کے عقب میں بیٹھا ہوا زین بھی بے چین ہو رہا تھا۔ وہ سارہ کی دلی کیفیت سے واقف تھا۔ پر اس وقت اسے بھی فکر کھائے جا رہی تھی۔ پر کسی کو معلوم نہیں تھا کہ گھونگھٹ میں بیٹھی یہ کانچ سی گڑیا دماغی اور دلی جنگ میں گرفتار تھی۔ اس

کا ایک حصہ اسے کھینچ کر زین کے پاس لے کر جانا چاہتا تھا جبکہ دوسرا حصہ اسے کھائی میں گرا رہا تھا۔ وہ شل دماغ سے اپنے آپ میں بحث مباحثہ کر رہی تھی۔ یکے بعد دیگرے اس کے منفی خیالات اس کے والدین، پھر زینت اور فاروق کی شکلیں نظروں کے سامنے لا لا کر اسے پاگل بنا رہے تھے۔ اس کا تنفس تیز تھا۔ دل کی دھڑکن بے ترتیب تھی۔ اپنے پیاروں کی شکلیں سوچ سوچ کر آنکھوں سے موتی اس کی جھولی بھگو رہے تھے۔ ارم جنہوں نے سارہ کے ہاتھوں پر نرمی سے اپنا ہاتھ رکھ کر اسے اپنائیت کا احساس دلایا ہوا تھا۔ جب ان کے ہاتھ کی پشت پر آنسو کا قطرہ ٹپکا تو وہ سمجھ گئی تھیں کہ سارہ وہاں ہو کر بھی وہاں نہیں تھی۔

''سارہ بیٹا! اجازت لینے آئے ہیں۔ تمہاری طرف سے ہاں ہے؟'' جو بازو سارہ کی پشت پر حائل تھا وہ انہوں نے مزید تنگ کیا اور اس کے ہاتھوں پر تھپتھپا کر سارہ کو اپنی جانب متوجہ کیا۔

''ہ...... جی؟'' اور اندرونی خلفشار سے دوچار وہ پستی ہوئی زخمی سی اپنے خیالات سے واپس آئی تھی۔

''اجازت ہے بیٹا؟'' ارم نے پھر پوچھا اور سارہ کو اپنا آپ بے ڈھب سا لگا۔ اس نے لب کاٹ کر ہر جذبے کا گلا گھونٹنا شروع کیا۔

''پھر سے دہرائیں۔'' سارہ نے گھونگھٹ میں سے ارم سے شایان کے والد کو نکاح کے بول دہرانے کی التجاء کی۔

''پھر سے دہرائیں پلیز۔'' اور ارم نے وہ ہی بات شایان کے والد سے کہی۔

''جی میں پھر دہراتا ہوں۔ بیٹا سارہ ولد جہانگیر احمد! کیا آپ کو جناب زین ولد سرفراز سرور سے بہ مہر فاطمی سکہ رائج الوقت نکاح میں قبول ہیں؟''

سارہ نے ضبط سے آنکھیں بند کیں۔

''مار دو گی اسے تم...... مار دو گی اسے...... مت کروایسا...... تمہارے لیے کوئی خوشی نہیں سارہ۔'' وہ پھر منفی آواز کے زیرِ اثر ہوئی تھی کہ یکایک ایلکس کی لکھی ہوئی پوئم کے بول اس کے دماغ میں گونجنا شروع ہوئے۔

Please open the doors, let that bright light in,

World is beautiful so why are you frightened?

The longer you are in dark, may miss the joys of life.

The beauty which it holds, the happiness which shall arrive.

Open the knocking door Sarah OPEN it NOW!

''قبول ہے۔'' اور اس کی آواز تمام خیالات کو توڑتی ہوئی ابھری۔

''بیٹا سارہ ولد جہانگیر احمد! کیا آپ کو جناب زین ولد سرفراز سرور سے بہ مہر فاطمی سکہ رائج الوقت نکاح میں قبول ہیں؟''

''قبول ہے۔'' منفی خیال کی بھیانک شکل اس کے حال پر ہنس رہی تھی اور وہ وحشت سے اسے دیکھتے ہوئے پھر خود پر قابو پا کر گویا ہوئی۔

''سارہ ولد جہانگیر احمد! کیا آپ کو جناب زین ولد سرفراز سرور سے بہ مہر فاطمی سکہ رائج الوقت نکاح میں قبول ہیں؟''

''قبول ہے۔'' اندرونی کیفیت اسے تباہ کر گئی تھی۔ سیلاب کی صورت آنسو آنکھوں سے

رواں تھے۔ وہ سب کچھ کر کے بھی مطمئن نہیں تھی لیکن اس کے اطراف موجود تمام لوگوں نے اسے خوب پیار کرنا شروع کر دیا تھا۔

مولوی صاحب کاغذات لے کر زین کی طرف رجوع ہوئے تھے اور نکاح کے بول اس کے سامنے پیش کیے تھے جس پر تین بار صدق دل سے قبول کر کے زین نے اپنا نام سارہ کے ساتھ جوڑ لیا تھا۔

دعا کا سلسلہ مکمل ہوا اور تمام مہمانوں نے زین اور سارہ کو مبارک باد دینا شروع کی۔ ارم خوشی سے پھولے نہیں سما رہی تھیں۔ انہوں نے سارہ کو دل سے گلے سے لگایا تھا۔ ثانیہ اور گریس بھی سارہ کو خوب پیار کر رہی تھیں۔ کنزا نکھری مسکراہٹ لیے ارم کے گلے لگی اور پھر سارہ کو بھی محبت سے بھینچ ڈالا۔

''بھابھی! ویلکم ٹو آور فیملی...... ہماری چھوٹی سی فیملی کا حصہ بننے کے لیے آپ کا بے حد شکریہ۔'' اس نے بے تحاشا اپنائیت اور محبت سے کہا تھا۔

''مبارک ہو بیٹا۔'' ارم نے زین کے ماتھے پر بوسہ دیا اور پھر سارہ کے پاس چلی گئیں۔ کنزا نے بھی زین کو خوب پیار کیا۔ فضا میں مسکراہٹیں بکھر گئی تھیں پر سارہ کی حالت سے سب بے خبر تھے۔ وہ زار و قطار روئے جا رہی تھی۔ اس کی سکت خود سے لڑ لڑ کر ختم ہو رہی تھی۔

''آنٹی! یہ بہت رو رہی ہے۔ گھونگھٹ ہٹا کر اسے دیکھیں نا۔'' ثانیہ نے فکرمندی سے ارم سے کہا تھا جو سب کو مبارک باد دیتی ہوئی سارہ کے پاس آ پہنچی تھیں۔

''بس بیٹا۔ میرے بچے خود کو ہلکان کر رہی ہو تم۔'' ارم نے ثانیہ کی بات مان کر جوں ہی اس کا گھونگھٹ ہٹایا تو اسے دیکھ کر ان کا دل ڈوب کر ابھر گیا تھا۔

''آؤ چلو کھڑی ہو۔ شاباش۔'' ارم نے اسے کھڑا کیا تا کہ زین اس سے مل سکے جو اپنے

دوستوں اور رشتے داروں میں سب کی مبارک باد سمیٹ رہا تھا۔ پر جوں ہی سارہ صوفے سے اٹھی اس کی آنکھوں کے آگے سایہ سا لہرایا۔ وہ توازن کھونے لگی تھی۔ آنکھوں کے آگے ہال چکر کاٹتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ اس کی آنکھیں غشی کی حالت میں بند کھل ہوئی تھیں۔ اس کے ہاتھ میں پکڑا ہوا موبائل زمین بوس ہوا تھا اور وہ جوں ہی غش کھاتی ہوئی گرنے لگی ارم نے بازو اس کے گرد حمائل کر کے روکا تو تھا ہی ساتھ ہی زور سے زین کو آواز لگا دی۔

''زین!'' پل بھر میں سب کے سب ساکت ہوئے تھے۔ تمام مہمانوں کے چہروں پر جہاں مسکراہٹیں سجی تھیں سب معدوم ہو گئی تھیں۔ زین نے جوں ہی پلٹ کر دیکھا تو ایک ہی جست میں سارہ کی جانب بھاگا۔ وہ جو ارم پر گرتی ہوئی جا رہی تھی زین نے فوراً اسے بازو سے تھام کر اپنے سینے پر سہارا دے دیا۔ سارہ نے چکرا کر زین کا ہاتھ تھاما۔ وہ چٹان کی مانند اسے مکمل اپنے حصار میں لیے ہوئے سہارا دے کر کھڑا ہو گیا۔ وہ بے ہوش نہیں ہوئی تھی پر پل بھر کے لیے اس کا دماغ ماؤف ہو گیا تھا۔

''پانی لائیں فوراً۔'' سارہ کی ابتر حالت کو دیکھ کر زین نے چلا کر کہا تھا۔ ارم ساتھ کھڑی سارہ کا بایاں ہاتھ تھام کر سہلا رہی تھیں۔

''سارہ! تم ٹھیک ہو؟'' اس کی گمبھیر آواز میں اس قدر فکر تھی کہ سارہ نے بمشکل زین کی جانب دیکھا اور سر کو جنبش دی۔ وہ بالکل بھی اپنے آپ میں نہیں تھی۔ کنزا نے پانی کا گلاس زین کو تھمایا جس نے سارہ کو دو تین گھونٹ پانی پلا کر اسے احتیاط سے صوفے پر بٹھا دیا۔ وہ دو زانو اس کے پاس زمین پر بیٹھ گیا۔ سارہ کو اپنا آپ بھونڈا سا لگ رہا تھا۔ سب کی نظریں اس پر مرکوز تھیں۔ وہ سراسیمہ ہو رہی تھی کہ اس کی طبیعت کے باعث اس نے سب کو پریشان کر دیا تھا۔

”یار زین! میرا مشورہ ہے خیر سے نکاح ہوگیا ہے، گھر کے لیے روانہ ہوتے ہیں۔ بھابھی گھر جائیں گی تو آرام کرسکیں گی۔“ شایان نے موقع دیکھ کر فوراً زین سے کہا تھا۔

”ہاں یہ ٹھیک ہے۔ ایک کام کرتے ہیں سب گھر روانہ ہوتے ہیں۔ سارہ کو میں آرام کروا دوں گی۔ اس نے صبح سے کچھ صحیح سے کھایا بھی نہیں ہے۔“ ارم شایان کی بات سے متفق ہوتی ہوئی زین سے کہہ رہی تھیں جو یہ سن کر سارہ کو برہمی سے دیکھ رہا تھا۔ اسے شدید غصہ تھا کہ سارہ اپنی صحت کو لے کر کب سنجیدہ ہوگی۔

”زین! تم فکر مت کرو گاڑی نکالو۔ گھر چلتے ہیں۔“ ارم نے زین کے تاثر بھانپ کر اسے فوراً اٹھنے کو کہا۔ وہ آنکھوں میں فکر لیے سارہ کو دیکھتا ہوا اٹھا تھا۔ چند منٹوں میں مسجد سے کئی گاڑیاں زین کے گھر روانہ ہوئی تھیں جہاں مہمان دلہا دلہن کی آمد کے انتظار میں موجود تھے۔

”زین! تم فکر نہیں کرو۔ یہ ٹھیک ہے۔ تھکاوٹ کی وجہ سے ایسا ہو جاتا ہے۔“ گاڑی چلاتے وقت بھی وہ بار بار بیک مرر سے سارہ کو دیکھ کر ٹینشن میں آرہا تھا جب ارم نے اسے تسلی دی تھی۔

”آئی ایم سوری۔ میری وجہ سے پروگرام خراب ہوگیا۔“ ارم نے کہہ کر جب سارہ کو نرم نگاہوں سے دیکھا تو سارہ نے جھینپ کر ارم سے جھجکتی ہوئی آواز میں کہا تھا۔ اسے اپنا آپ بے ڈھب لگ رہا تھا۔

”بالکل نہیں بیٹا۔ اور کیا پروگرام خراب ہوا؟ صد شکر نکاح خیر سے ہوگیا۔ اور یہ کوئی انوکھی بات نہیں ہے۔ اکثر ایسا ہو جاتا ہے۔“ ارم نے اسے تحمل سے سمجھایا اور ریلیکس رہنے کو کہا۔

گھر پہنچتے ہی سارہ کو روم میں لے جانے کے لیے ارم نے کہا تھا پر مہمانوں کو کپل کی فوٹوگراف اور دونوں کو اکٹھے دیکھنے کی التجاء نے کنفیوز کر دیا تھا۔ زین خود چاہتا تھا سارہ ریسٹ

کرے پر موقع کی مناسبت سے سارہ نے ہمت سے کام لیا اور بیٹھنے پر اکتفا کیا۔ دونوں کو تسلی دلا کر کہ وہ اب کافی بہتر تھی زین اور سارہ دونوں کو لونگ ایریا جہاں تمام مہمان موجود تھے ان کے سامنے صوفے پر قرینے سے بٹھا دیا گیا۔ سب کی توجہ کا مرکز یہ کپل تھا جو ایک دوسرے کو کامپلیمنٹ کر رہا تھا۔ سارہ کے کولیگ اسے دیکھ کر رشک محسوس کر رہے تھے۔ اسے نقاہت تو ہو رہی تھی اور چہرا بھی تکان کی زد میں تھا اس کے باوجود بھی وہ دلہن کے روپ میں سب کو مبہوت کر رہی تھی۔

شایان اور ثانیہ نے آگے بڑھ کر تمام مہمانوں کا خاص خیال رکھا تھا۔ کھانے کے انتظامات سے لے کر تمام ضروریات پوری کرنے میں دونوں پیش پیش تھے۔ ارم کو شایان اور فارس کے ہونے سے ڈھارس ملی تھی۔ فارس نے بھی داماد ہونے کا پورا فرض ادا کیا تھا۔ جب مہمانوں کو کھانا سرو کیا گیا تو زین کی تاکید کرنے پر ارم سارہ کو کمرے میں لے کر چلی گئی تھیں۔ وہ جانتا تھا سارہ بمشکل وہاں مروتاً بیٹھی ہوئی تھی۔ سارہ کے پاس کنزا موجود تھی جس نے اپنی بے نقط باتوں سے سارہ کا موڈ کافی حد تک بحال کر دیا تھا۔ پر اس کی طبیعت بوجھل تھی لہٰذا کنزا کے لاکھ منت سماجت کرنے کے باوجود بھی اس نے کھانا نہیں کھایا تھا۔

جب باری باری کر کے مہمان جاتے رہے تو گھر کو ترتیب دینے میں شایان اور ثانیہ ارم کی مدد کرنے لگے تھے۔

”جناب! آپ بے فکر ہو کر اپنی بیگم کے پاس جائیں انہیں آپ کی زیادہ ضرورت ہے۔ یہاں ہم دیکھ لیں گے۔“ زین نے مدد کرنے کے لیے جوں ہی قدم اٹھایا شایان نے اسے روک کر خوب بشاشت سے کہا تھا۔ بدلے میں زین مسکرا اٹھا تھا۔ شایان نے اسے گس کر گلے سے لگا لیا اور خوب دعاؤں سے اسے نوازا تھا۔

”شایان اور ثانیہ بیٹا! آپ دونوں کا بہت شکریہ۔ میرا بیٹا واقعی اچھے نصیب والا ہے ماشاء اللہ سے۔ جسے دوستوں کی صورت بہترین لوگ ملے ہیں۔“ ارم نے ممنون ہو کر شایان اور ثانیہ سے کہا تھا۔

”آنٹی! اب آپ شرمندہ کر رہی ہیں۔“ شایان نے تابعداری سے کہا تھا۔

”مما! زین کو بھیج دیں اس سے پہلے یہ خود ہم سے جان چھڑا کر بھاگے اندر۔“ فارس نے زین کو چھیڑتے ہوئے ارم سے کہا تھا اور سب کے سب ہنسنے لگے تھے۔

”بالکل اب اس کا انتظار کا وقت ختم ہوا۔ چلیے۔“ ارم اسے ہاتھ سے تھام کر اس کے کمرے تک لے کر گئی تھیں جب کنزا نے دروازہ کھول کر دونوں کو آتا دیکھا۔

”وہ اب کافی بہتر ہیں پر بھائی وہ کچھ نہیں کھا رہیں۔ کہہ رہی ہیں طبیعت نہیں چاہ رہی۔“ کنزا نے زین کی آنکھوں سے مفہوم اخذ کر کے اسے سب بتا دیا تھا۔

”چلو کوئی بات نہیں زین، میں تھوڑی دیر میں گرم کھانا بھجواتی ہوں، تم اسے پلیز سمجھا بجھا کر کھلا دینا۔ اس نے رو رو کر آج سارا دن خود کو اذیت دی ہے۔ کنزا تمہیں فارس بلا رہا ہے۔“ ارم نے کہتے کہتے کنزا کو وہاں سے جانے کا کہا۔ جب ارم کو خوب تسلی ہوگئی کہ راہ داری میں صرف وہ اور زین موجود تھے تو وہ زین سے گویا ہوئیں۔

”بیٹا! اللہ تم دونوں کو ہمیشہ شاداں و فرحان رکھے۔ تم دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں کی ٹھنڈک بنو۔ بے شک اس کے ہر کام میں مصلحت ہے۔ تمہیں پہلے بھی کہا تھا میں نے آج اندر جانے سے پہلے پھر کہوں گی اور یہ آخری بار ہوگا۔ تمہیں گوہر نایاب نصیب ہوا ہے زین۔ جس کی تم نے توقع بھی نہیں کی تھی۔ اب تمہاری ذمہ داری ہے کہ اس کا خیال رکھنا۔ تمہیں معلوم ہے ایک بیٹے کی تربیت کا اندازہ کب ہوتا ہے؟“ وہ سنجیدگی سے ارم کو سن رہا تھا جو تحمل سے

اسے سمجھا رہی تھیں۔

”جب وہ شوہر کا رول ادا کرتا ہے۔ تم جو کچھ اس کے ساتھ کرو گے سب میں میری تربیت کی جھلک ہوگی۔ لہٰذا زین میری گردن کبھی جھکنے مت دینا۔“ انہوں نے آس سے زین سے کہا جس نے اپنی ماں کا ہاتھ تھام کر پشت پر بوسہ دے دیا۔

”آپ کو کبھی شرمندگی کا موقع نہیں ملے گا مام۔ میں اپنے رب کے بعد آپ کا شکر گزار ہوں جن کی دعاؤں سے مجھے وہ خوشی حاصل ہوئی جو ایک معجزے سے کم نہ تھی۔“ زین نے فرطِ محبت اور پوری سچائی سے ارم سے کہا تھا جنہوں نے زین کو دیکھ کر اپنے رب کے حضور دل سے سجدہ کر دیا تھا۔

☆......☆......☆

اس نے آہستگی سے کمرے میں قدم رکھا اور دھیرے سے دروازہ بند کر دیا۔ وہ بستر کے بجائے اسے کھڑکی کے پاس کھڑی نظر آئی۔ زین دھیرے دھیرے قدم ان پھولوں کی پتیوں پر رکھتا ہوا، جو کہ پورے کمرے کے فرش پر بچھائی گئی تھیں، آگے بڑھا۔ پورا کمرا گلاب کے پھولوں کی خوشبو سے مہک رہا تھا۔ سارہ پردے کا ایک سرا ہٹا کر مستقل باہر دیکھ رہی تھی۔ وہ زین کے آنے کی آہٹ تو سن چکی تھی پر اپنا رخ پیچھے نہیں کیا اور کھڑکی کی سمت دیکھتی رہی۔ وہ چلتا ہوا اس کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔ یہ اس کا ناز و ادا ہی تھی جو زین کو گرفت میں لیے جا رہی تھی۔

”السلام علیکم مسز سارہ زین۔ کیسی ہیں آپ؟“ زین مسکرا کر اس سے مخاطب ہوا اور سارہ نے اپنا چہرا نصف اس کی جانب کیا پر ابھی بھی ان آنکھوں میں دیکھنے کی ہمت نہ کی۔ یہ سن کر تو ویسے ہی ایک مدھم سی مسکراہٹ چہرے پر رونما ہو گئی تھی۔ اس نے واپس اپنی نگاہیں کھڑکی کی طرف کر دیں۔

"وعلیکم السلام۔" اس کے لہجے میں جھجک کا عنصر زین کو اندر ہی اندر محظوظ کر گیا تھا۔

"آپ کا شوہر، آپ کا شریکِ حیات، سرتاج...... اور کیا ہوتا ہے؟" زین چھیڑتے ہوئے انداز میں سوچنے لگا اور وہ زیرِ لب مسکرانے لگی تھی۔

"ہاں نصف بہتر...... آپ کے سامنے کھڑے ہیں اور آپ کھڑکی سے باہر ملاحظہ فرما رہی ہیں۔" یہ سن کر سارہ کی مسکراہٹ میں مزید اضافہ ہو گیا پر جواب کچھ نہ دیا۔ یہ ناز و نخرے تو صرف اسی شخص کے ساتھ ہو سکتے تھے۔

"چلیں یہ تو مجھے اچھا لگا کہ اپنے شوہر نامدار کے لیے تعظیم سے آپ کھڑی ہیں پر نگاہوں کا رخ کیوں الگ زاویے پر ہے۔ حالانکہ آپ کو تو اپنے سرتاج زین سرفراز سرور کے داخل ہوتے کے ساتھ ہی جھکی نظروں سے استقبال کرنا چاہیے تھا۔" وہ شان سے کہتا ہوا سارہ کو مزید ہنسا گیا تھا۔

"ویسے میں پوچھ سکتا ہوں کہ ایسا کیا ہے جو آپ کا دھیان وہیں لگا ہوا ہے؟" وہ ہنستا ہوا سارہ سے گویا ہوا تھا۔

"دیکھ رہی ہو کہ پولیس کی ناکہ بندی ہٹا دی گئی ہے یا ابھی بھی فل سکیورٹی رکھی ہوئی ہے۔" وہ سن کر مسکرایا اور جھک کر اس کے کان میں سرگوشی کی۔

"ناکہ بندی تو ہٹا دی ہے پر اپنے مؤکل کو پھر سے تمہارے پیچھے لگا دیا ہے تاکہ وہ مجھے تمہاری پل پل کی خبر سے آگاہ کرتے رہیں۔" اور زین کے برجستہ کہنے پر سارہ نے اس کی جانب دیکھا جو خمار آلود آنکھوں سے سارہ کو دیکھ رہا تھا۔ سارہ نے نگاہیں یکلخت نیچے کر لی تھیں۔ البتہ اس کے لبوں پر نکھری سی مسکراہٹ سجی تھی جو زین کی نگاہوں سے اوجھل نہیں تھی۔

"آج تیرہویں تاریخ ہے چاند کی۔" سارہ کے عقب میں پردے کی درز سے آسمان پر

چمکتا چاند دیکھ کر زین نے سوچ کر سارہ سے کہا تھا۔ اس کی نگاہوں کا تعاقب کرتی ہوئی سارہ نے بھی پلٹ کر دیکھا۔

''ہم......تو؟'' سارہ نے پوچھا۔

''مکمل نہ ہو کر بھی پوری آب و تاب سے آسمان پر نمایاں ہے۔ اور میں یہ سوچنے پر مجبور ہوں کہ زیادہ خوبصورت کون ہے؟ وہ جو نظروں سے قریب پر پہنچ سے دور ہے یا یہ جو دل کے قریب اور ایک قدم کے فاصلے پر موجود ہے۔'' اس کی ستائشی نگاہ سارہ کے چہرے کا طواف کر رہی تھی جس نے جھینپ کر نگاہ اٹھانے کی پھر جرأت نہ کی تھی۔ وہ اسے ٹھیک ٹھاک نروس کر رہا تھا۔

''ملکۂ حسن جس نے میرے دل کے قلعے کو فتح کیا ہے۔ یہ سچ ہے کہ آپ سے پیارا میں نے آج تک نہیں دیکھا۔'' وہ صدق دل سے گویا ہوا تھا اور سارہ یہ سن کر مزید سراسیمہ ہونے لگی تھی۔ زین کے لہجے میں محبت کی پھوار نے اسے ٹھیک ٹھاک بے ڈھب کر دیا تھا۔

''کچھ زیادہ نہیں ہو گیا؟'' سارہ نے بمشکل نگاہ جھکائے زین سے کہا تھا۔

''لو ابھی تو میں شروع ہوا ہوں۔'' اور زین کے برجستہ کہنے پر سارہ کے لبوں پر ہنسی در آئی تھی۔

''میں آپ سے کچھ کہنا چاہتی ہوں۔'' کچھ توقف کے بعد جب سارہ گویا ہوئی تو زین اس طرزِ تخاطب پر خوش گوار حیرت سے اسے دیکھنے لگا تھا۔

''برسوں پہلے جب تم مجھے اس لفظ سے مخاطب کیا کرتی تھیں تو خود میں نے اس کو تم سے بدلنے کی التجاء کی تھی۔ پر آج تمہارے لبوں سے نکلا یہ طرزِ تخاطب خصوصاً میرے لیے مجھے بہت اچھا لگا۔ خیر کیا کہنا چاہتی ہیں آپ محترمہ؟ ہم تو ہر وقت آپ کو سننے کے لیے بے تاب بیٹھے ہیں۔''

''آئے ایم سوری۔ طبیعت کی ناسازی کے باعث بنا بنایا ایونٹ خراب کر دیا میں نے۔''

اس نے گھبراہٹ سے دوچار بمشکل زین سے معذرت خوانہ انداز میں کہا تھا۔
"کیسی باتیں کر رہی ہو یار۔ سارہ! آج کے دن ہم دونوں کی خوشیاں جڑی ہوئی تھیں۔ ہاں مہمان ہماری خوشی میں شریک ہوئے تھے۔ ہمیں ایک دوسرے کا ساتھ نصیب ہوا اس سے بڑھ کر اور کچھ نہیں چاہیے مجھے۔ رہی تمہاری طبیعت کی بات تو مجھے گمان تھا کہ تم برداشت نہیں کر پاؤ گی۔ یقیناً تصور کریں تو شادی کرنا تمہارے لیے بے حد مشکل فیصلہ تھا۔ شادی سے جڑے ہر لڑکی کے کئی جذبات واحساسات ہوتے ہیں اور تم جس تکلیف سے گزری ہو اس کے بعد ایسا ہونا بہت ممکن تھا۔" اس نے سنجیدگی سے تحمل کے ساتھ سارہ کو سمجھایا جس کی آنکھوں میں پانی بھر آیا تھا۔
"اب کیسی طبیعت ہے تمہاری؟" زین نے متفکر انداز میں اس سے پوچھا۔
"بہتر ہے۔" سارہ نے زیر لب کہا اور آنسوؤں کو پلک جھپک کر اندر پی لیا۔
"شکر ہے۔ ویسے نکاح میں جو چند منٹ کا تم نے توقف کیا تھا۔ تم جانتی نہیں میں اس مختصر سے لمحے میں کتنی بار مرا پھر زندہ ہوا تھا۔ خیر آگے بڑھنے سے پہلے ایک ادھورا کام پورا کر لیتے ہیں۔" زین نے جیب میں ہاتھ ڈال کر وہی نفیس سی انگوٹھی نکالی۔
"اجازت ہے؟" اور سارہ کے سامنے اپنا ہاتھ بڑھایا۔ سارہ نے آہستگی سے اپنا بایاں ہاتھ زین کی کشادہ ہتھیلی میں رکھ دیا۔ اس کے ٹھنڈے پڑتے ہوئے ہاتھ زین کو اس کی گھبراہٹ کی عکاسی کر رہے تھے۔ زین نے گرفت کو مضبوط کر کے اپنی پُر حدت ہتھیلی سے اس کا ہاتھ گرم کرنا چاہا تھا۔ پھر انگوٹھی تھام کر اس کی مخروطی انگلی میں پہنا دی تھی۔
"آج اس انگوٹھی کا سفر اس انگشت پر تمام ہوا۔ بلاشبہ مجھے کبھی امید بھی نہیں تھی کہ تمہارے پاس تمہاری یہ چیز پہنچے گی سارہ۔ لیکن آج تمہیں اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھتا ہوں تو دعا پر

مزید میرا یقین پختہ ہو جاتا ہے۔" وہ کہہ رہا تھا اور سارہ بغور اسے سن رہی تھی۔

"آج سے نئے باب پر ہم دونوں مل کر قدم رکھیں گے۔ لیکن اس سے پہلے کچھ باتیں میں مکمل کر دینا چاہتا ہوں۔" اس نے سارہ کے دونوں ہاتھوں کو اپنی ہتھیلیوں میں نرمی سے دبا دیا تھا اور پوری صداقت کے ساتھ سارہ سے گویا ہوا تھا۔

"شکریہ سارہ۔ مجھے اپنی زندگی کا ساتھی بنانے کے لئے۔ آٹھ سال پہلے جب مجھے اس بات کا احساس ہوا تھا کہ تم کسی اور کے ساتھ منسلک کر دی گئی ہو۔ صرف یہ سوچ کر ہی میں پل پل تڑپا تھا۔ میں یہ بات برداشت ہی نہیں کر سکا تھا کہ میری سارہ کسی اور کی کیسے ہو سکتی ہے۔ وہ تو میری تھی نا! اسے پرکھا میں نے۔ ابھارا میں نے۔ نکھارا میں نے اور وہ کسی اور کی ہو گئی؟ یہ تکلیف میری برداشت سے باہر تھی۔ لیکن مجھے صبر آتا گیا پر اندر ہی اندر جو ضرب مل رہی تھی اس کی شدت سے صرف میں واقف تھا۔

سارہ! میں جانتا ہوں شادی شدہ زندگی کا وہ ایک سال یقیناً اذیت ناک تھا۔ تم نے مجھ سے بہت باتیں مخفی رکھی ہیں پر تمہاری آنکھیں ہر درد کی ترجمانی کر رہی ہیں۔ میں تم سے آج کوئی وعدہ نہیں کروں گا۔ نہ ہی قسمیں اٹھاؤں گا۔ میں تمہیں سب کچھ عملاً کر کے دکھاؤں گا۔ اپنی محبت سے میں تمہارا وہ ایک سال صفحۂ ہستی سے مٹا دوں گا جو تمہیں بار بار اس ٹارچر کو یاد دلا کر تمہیں اندرونی خلفشار سے دوچار کر دیتا ہے۔ میں کوئی فرشتہ نہیں ہوں سارہ۔ نہ میرے پاس کوئی سپر پاورز ہیں جو تمہارا حال پل بھر میں بدل دے۔ میں فقط ایک انسان ہوں جس کا دل صرف اور صرف تمہارے لیے دھڑکتا ہے۔ اور میں سمجھتا ہوں اگر محبت میں صداقت ہو تو محبوب کو پلکوں پر بٹھا دیا جاتا ہے۔ جب سے ملی ہو تم نے مجھے ایک بار بھی موقع نہیں دیا تھا جو میں تم سے کہنا چاہتا ہوں پر شکر ہے اللہ کا کہ وہ اس روپ میں تمہیں سامنے لے آیا کہ اب

صرف مجھے حق ہے۔ بہت تکلیف دی تھی تم نے سارہ مجھے...... بہت زیادہ۔ تمہیں آج اس روپ میں دیکھ کر برسوں پرانی دعا پوری ہوئی ہے۔ اب اگر یہ خواب ہے تو میں اٹھنا نہیں چاہتا۔ تمہیں پھر سے کھونا نہیں چاہتا۔ تمہیں اپنی زندگی کی اہمیت کا اندازہ نہیں ہے۔ مجھ سے پوچھو جو تمہاری ہر سانس سے چلتا ہے۔ تم میری زندگی ہو سارہ، تم ہو تو میں ہوں...... اور اگر تم نہیں تو میرا زندہ رہنا کیسے ممکن ہے؟'' وہ پرنم آنکھوں سے سارہ کو دیکھ رہا تھا جس کے چہرے پر آنسوؤں کا سیال بہنے لگا تھا۔ وہ اس کی توقع سے بڑھ کر سامنے آیا تھا اور اس کے لہجے میں صداقت نے سارہ کا دل محبت سے بھر دیا تھا۔ زین نے اپنے آنسوؤں پر ضبط کر کے سارہ کے چہرے پر تمام آنسوؤں کو اپنی انگلیوں کے پوروں سے چن لیا تھا۔

''ویسے امریکہ میں پانی کی قلت نہیں ورنہ تمہارے پاس جو آنسوؤں کا ذخیرہ ہے میرا خیال ہے کوئی ایک علاقہ تو آرام سے فیضیاب ہو سکتا ہے۔'' اور زین کے کہتے ہی وہ یکلخت ہنس پڑی تھی۔

وہ نکاح کا لباس بدل کر فریش ہو کر جوں ہی کمرے میں داخل ہوئی تو اشتہاء انگیز خوشبو نے اس کا استقبال کیا تھا۔ زین کچھ دیر قبل کھانا گرم کر کے لے آیا تھا اور صوفے کے ساتھ موجود میز پر کھانا رکھ کر پلیٹ میں سرو کر رہا تھا جب سارہ کو واش روم سے نکلتا دیکھا۔ اس نے سرخ اور نیلے رنگ کے امتزاج میں خوبصورت سا جوڑا پہنا ہوا تھا جس کے گلے پر ایمبرائیڈری تھی۔ دوپٹہ قرینے سے شانوں پر پھیلایا ہوا تھا۔ بالوں کو بے نیازی اور بے تکلفی سے کلپ میں ڈھیلا سا مقید کیا ہوا تھا۔ میک اپ سے عاری چہرا دھلا دھلایا ایک دم نکھرا نکھرا لگ رہا تھا پر اس کے چہرے پر آج کے دن کی تکان ہنوز قائم تھی۔

''یہ کیا ہے؟'' سارہ نے تعجب سے پوچھا اور وہ جو کچھ پل کے لیے ہوش کھو رہا تھا سارہ

کے سوال پر یکلخت ہی حاضر ہوا۔
''محترمہ! اسے کھانا کہتے ہیں۔ اتفاق تو ہوا ہوگا آپ کا اس سے پہلے۔'' سارہ کے بے تکے سوال کا اس نے جواب بھی ویسا ہی دیا اور بدلے میں سارہ نے ملامتی نظروں سے زین کو گھورا۔
''بیٹھو یہاں۔'' اس نے پورے استحقاق سے سارہ کا ہاتھ تھام کر اپنے پہلو میں اسے بٹھا دیا۔
''ڈر نہیں رہا میں تمہاری گھوری سے۔ کھانے کو دیکھتے نہیں ہیں اسے کھاتے بھی ہیں۔ چلو منہ کھولو۔'' بریانی کے چاول چمچ میں بھر کر اس نے سارہ کو سوچنے کا موقع دیئے بغیر اس کے منہ میں گھسا دیا۔ وہ ایک دم چونکی تھی۔
''جی محترمہ! یہ کھائیں، اب چبانا آتا ہے یا وہ بھی سکھاؤں؟'' زین طنز کے تیر چلا کر اسے خوب سنا رہا تھا اور وہ بمشکل جو نوالہ زین نے زبردستی منہ میں ڈالا تھا کھانے لگی تھی۔
''تم پر تو شدید غصہ ہے سارہ مجھے۔ مام نے ابھی بتایا تم نے آج سارا دن رو رو کر خود کو ہلکان کیا ہے۔'' زین نے دوسرا چمچ بھرا اور سارہ کے بولنے سے پہلے پھر اس کے منہ میں ڈال دیا۔ وہ ہکا بکا ہی تو رہ گئی۔
''اپنی وکالت میں یہ ہی کہوں گی کہ میرے اختیار میں نہیں تھا۔'' اور سارہ نے نوالہ نگل کر زین سے کہا تھا جو تیسرا چمچ لا رہا تھا جب سارہ ایک دم پیچھے ہوئی۔
''دانت توڑ دیں گے آپ میرے۔''
''جب بچے کھانا نہ کھائیں نا تو انہیں زبردستی ایسے ہی کھلاتے ہیں۔'' اور زین نے ایک ہاتھ سے اس کا چہرا تھام کر پھر نوالہ منہ میں ڈال دیا۔ وہ خود بھی ساتھ ساتھ اسی پلیٹ سے کھا رہا تھا۔
''یہ جو تمہارا ننھا سا دماغ ہے نا اس پر تم نے منوں وزن ڈال کر اسے بھی پریشان کر رکھا ہے۔'' وہ ڈانٹ رہا تھا اور سارہ نے منہ سجا کر اسے دیکھا تھا۔

''پانی۔'' نوالہ حلق میں پھنسا تو سارہ نے زین کو گلاس کی طرف اشارہ کیا۔

''مجھے پینا آتا ہے۔'' وہ اسے بچوں کی طرح پانی بھی پلانے لگا تھا جب سارہ نے روک کر اس سے گلاس لے لیا۔

''صد شکر کم از کم اتنا تو آتا ہے۔ ویسے آٹھ سال پہلے تم پھر بھی قدرے بہتر تھیں۔ اور اب دیکھو کیا حال بنا لیا ہے تم نے اپنا۔ بالکل ٹوتھ پک کی طرح ہو گئی ہو۔'' وہ خود کو ٹوتھ پک سے موازنہ کرنے پر برہمی سے زین کو دیکھنے لگی تھی۔

''آپ کو بھی لے دے کر ایک ٹوتھ پک یاد آیا تھا۔'' سارہ نے تنک کر کہا۔

''جی جناب عالیہ۔ اس سے زیادہ نازک اور کیا ہو گا؟'' وہ چوتھا چمچ اٹھا کر سارہ کے منہ تک لایا۔

''بس زین میں اور نہیں کھا سکتی۔'' سارہ دبک کر پیچھے ہٹی۔

''سارہ! گنتی کے تین نوالے لیے ہیں تم نے۔ خدا کو مانو یار۔ قسم سے میرے راشن پانی کا خرچہ تو کچھ ہو گا ہی نہیں۔ میری بیگم جو کھاتی پیتی نہیں ہے۔''

''اب ایسی بات بھی نہیں ہے۔ اس وقت طبیعت اجازت نہیں دے رہی اس لیے نہیں کھایا جا رہا۔'' سارہ نے سمجھایا اور زین نے ہار مان کر گردن نفی میں ہلا دی۔

''اچھا کھیر تو کھاؤ۔ میرے نزدیک وہ شخص بدنصیب ہے جس کے ہاتھوں کو کھیر لگی پر منہ تک نہ گئی۔'' ایک پیالے میں کھیر ڈالتے ہوئے اس نے چمچ بھر کر سارہ کو کھلایا تھا جس نے بلا حجت منہ کھول دیا تھا کیونکہ زین کی طرف سے اصرار زور آور تھا۔ پر تین چار نوالے کے بعد یہاں بھی سارہ کی بس ہو گئی۔

''آپ پلیز سمجھیں۔ طبیعت بے چین ہو جائے گی۔'' سارہ نے اصرار کیا تو زین رک گیا۔

”سر میں کافی درد ہے؟“ زین نے تشویشناک انداز میں پوچھا۔

”ہلکا ہلکا ہے پر آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ مجھے سر میں درد ہے؟ میں نے تو ذکر بھی نہیں کیا۔“ سارہ نے پوچھا۔

”یہ دیکھ کر۔“ اور زین نے مسکرا کر اس کی پیشانی کی طرف اشارہ کیا تھا۔

”کیا ہے؟“ سارہ نے ہاتھ لگا کر محسوس کرنا چاہا۔

”جب تمہارے سر میں درد ہوتا ہے تو تمہاری پیشانی پر ہلکے سے بل آجاتے ہیں بالکل یہاں۔“ اس نے ابرو کے وسط میں اشارہ کیا تھا اور سارہ کو اس کے مشاہدے پر حیرت ہوئی تھی۔

”محترمہ! آپ پر ہم نے پی ایچ ڈی کر رکھی ہے۔ کتنی باتیں آپ کی ایسی ہیں جس سے خود آپ بھی واقف نہیں۔“ اور زین نے اسے نظروں میں فوکس کر کے کہا تو سارہ نگاہ کا رخ دوسری طرف کر کے مسکرا دی۔ اس کے چہرے پر چھائی حیا اسے گلال کر رہی تھی اور زین ایک ایک ادا کو انجوائے کرتا جا رہا تھا۔

”یہ کھیر کیوں اتنی میٹھی ہوگئی ہے۔“ زین نے اسی کی پیالی سے دو تین چمچ کھا کر تعجب سے کہا تھا۔

”نہیں تو ٹھیک تو ہے۔“ سارہ نے چمچ منہ میں ڈال کر پھر چکھا۔

”بالکل مناسب مٹھاس ہے۔“ سارہ نے کہا۔

”تمہارے نکلنے سے پہلے میں ایک پیالی کھا گیا ہوں تب اتنی میٹھی نہیں تھی۔“

”آپ ایک پوری پیالی کھا گئے؟“ اور سارہ نے حیرت سے پوچھا۔

”اور نہیں تو کیا! کھاتا پیتا ہوں۔ مجھے بھوک لگتی ہے! اوہ، اب سمجھ آیا۔ محترمہ کے لبوں سے لگا یہ جھوٹا چمچ ہے جو کھیر کی مٹھاس بڑھا رہا ہے۔“ اور زین کے برجستہ چھیڑنے پر سارہ

نے ابرو اچکا کر اسے دیکھا تھا۔ لبوں کو پیوست کیے وہ آتی ہنسی کو روک رہی تھی۔

''پھر تو بریانی بھی آپ کو زردہ لگ رہی ہوگی۔'' اور وہ سارہ سے بالکل بھی اس بات کی توقع نہیں کرتا تھا لہٰذا کھل کر ہنسنے لگا تھا۔

''میرے پاس اس کا جواب ہے۔ تم سننے کی سکت رکھتی ہو؟'' اس نے سارہ کو چھیڑنے کے انداز میں پوچھا۔

''بالکل نہیں! اپنی ذو معنی گفتگو اپنے پاس رکھیے آپ۔'' وہ فوراً بیک آؤٹ ہوئی تھی اور زین سرشاری سے مسکرا اٹھا تھا۔

''ویسے کون بندہ اپنی شادی کا کھانا مس کرتا ہے۔'' زین نے پھر سارہ کو کچھ کھانے پر اکسایا۔

''آپ کھائیں نا بھئی! میں کل کھالوں گی گرم کر کے۔'' اور سارہ کی بات پر وہ سر جھٹک کر کھانے لگا تھا۔ اسے سارہ کے چہرے پر تھکاوٹ چھائی ہوئی نظر آئی تو یکلخت ارم کی بات یاد آئی۔

''مام نے ابھی کہا تھا کہ میں تمہارا ساری رات بیٹھ کر دماغ بالکل بھی نہ کھاؤں اور تمہیں آرام کرنے دوں! اور میں بھی اسی بات سے متفق ہوں، تمہیں آرام کی اشد ضرورت ہے۔ لہٰذا کھا تو تم رہی نہیں اس لیے فوراً اٹھو، وہ رہا بستر چپ چاپ جا کر لیٹو اور آنکھیں بند کرو اتنے میں، میں یہ سمیٹ لیتا ہوں۔'' وہ پھر فرضی سخت لہجے میں گویا ہوا تھا۔

''ہاں وہ تو ٹھیک ہے پر میں مدد کروا دیتی ہوں۔'' سارہ جوں ہی آگے بڑھی تو زین کی ملامت کرتی نظروں کی زد میں آ گئی۔

''اچھا بابا اچھا۔ ایسا لگتا ہے جیسے میں نے کسی ہیڈ ماسٹر سے شادی کر لی ہے۔'' اور وہ اس کی شیر جیسی آنکھوں سے وحشت کھا کر اٹھ گئی۔

چند ثانیے گزرے تھے جب زین کھانا سمیٹ کر پھر کمرے میں داخل ہوا تھا پر سارہ کو بستر

کے پاس کھڑا دیکھ کر اسے حیرت ہوئی تھی۔

"تم سوئی نہیں ابھی تک۔" وہ چلتا ہوا اس کے پاس آیا تھا جو پریشان کن حالت میں متلاشی نگاہ یہاں وہاں دوڑا رہی تھی۔

"میں بس لیٹ ہی رہی تھی۔ کہاں ڈال دی میں نے؟" سارہ نے خود کلامی کرتے ہوئے روم میں موجود اپنا بیگ کھول کر دیکھا پر مطلوبہ شے وہاں نہیں تھی۔

"کیا تلاش کر رہی ہو؟" زین نے اس کی بے چینی کو اخذ کر کے پوچھا۔

"میری میڈیسن۔ اوہ ہاں، میں نے تو پرس میں رکھ دی تھی۔" زین کو جواب دیتی ہوئی وہ اپنا پرس کھول کر دیکھنے لگی تو دوائی کی بوتل اسی میں موجود تھی۔ پر جوں ہی اس نے بوتل نکالی زین نے اس سے جھپٹ لی۔

"یہ کیا ہے؟" زین نے تنقیدی نگاہ سے بوتل کا جائزہ لیا تھا۔

"زین دوائی ہے میری۔ مجھے لینی لازمی ہے۔" اور سارہ نے سمجھایا۔

"وہ تو ٹھیک ہے پر ایسا کیا ہے اس میں جو تمہیں یہ سونے سے پہلے لینی لازمی ہے؟" اور زین نے پھر استفسار کیا۔

"نیند آرام سے آجاتی ہے بغیر کسی رکاوٹ کے۔ پلیز دے دیں۔ سر کے درد میں بھی فرق محسوس ہوتا ہے۔" سارہ نے التجاء کی پر وہ سنجیدگی سے سارہ کو اور پھر ہاتھ میں پکڑی بوتل کو دیکھ رہا تھا۔

"اس میں کُل تیس ٹیبلٹ ہیں اور تم نے یہ پندرہ دن پہلے خریدی ہے۔" دوائی کی بوتل پر جو اسٹیکر لگا تھا وہ اسے پڑھ رہا تھا۔

"اور اب اس کی مقدار آدھی ہو گئی ہے۔" پھر اس نے کھول کر بوتل کے اندر دیکھا جو

نصف خالی تھی۔

"کون سے پرسکرپشن میں ڈاکٹر جیکب نے یہ لکھ کر دی ہے کہ تمہیں یہ روز لینی ہے سارہ؟" وہ گمبھیر سنجیدگی سے گویا ہوا تھا اور سارہ کے پاس جواب نہیں تھا۔ وہ لب کاٹتی ہوئی اسے دیکھ رہی تھی۔

"زین پلیز، لینے دیں۔ میں آرام سے سو جاؤں گی۔ آپ نے ہی کہا نا آرام کرو۔" سارہ نے جوں ہی ہاتھ بڑھا کر بوتل جھپٹنی چاہی زین نے اسی وقت بوتل کا ڈھکن کھول کر تمام کی تمام دوائیاں ڈسٹ بن میں پھینک دیں۔

"یہ کیا کیا۔" وہ شاک کے عالم میں زین کو دیکھ رہی تھی۔

"جو بہت پہلے کر دینا چاہیے تھا پر تم نے حق ہی اب دیا ہے۔" زین نے کہا۔

"پر یہ ضروری تھی میرے لیے۔" وہ شدید پریشان ہوئی تھی اور اس کے مزاج میں آتی بے چینی کو دیکھتے ہوئے زین نے نرمی سے اسے دیکھا تھا۔

"سارہ! تم اس وقت اتنی تھکی ہوئی ہو کہ لیٹتے ہی سو جاؤ گی۔ تمہیں اس کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ تمہارے لیے فقط نقصان کے علاوہ کچھ نہیں۔ میں ایک بار تمہاری طبیعت ہسپتال میں بگڑتے دیکھ چکا ہوں اب برداشت نہیں کروں گا۔" اس کے نرم انداز میں بھی برہمی تھی۔

"پر زین۔" وہ گھبراتی ہوئی لب کاٹتی رہ گئی۔

"تم لیٹو شاباش۔" اس نے سارہ کو رسانیت سے کہا اور سارہ خوف سے گھبرائی ہوئی بستر پر لیٹ گئی۔ اس کی آنکھوں میں وحشت اور چہرے پر خوف کا عنصر تھا۔ زین نے اس کا دھیان ہٹا کر سر سہلانا شروع کیا اور اسے آنکھیں بند رکھنے کو کہا۔ پر وہ خود پلک تک نہ جھپکا سکا تھا۔ اور جب تک وہ سو نہیں گئی زین اسے سحر انگیز حالت میں دیکھتا رہا تھا۔

رات کے تیسرے پہر وہ مصلے پر بیٹھا ہوا تہجد کی نماز ادا کر کے سلام پھیر کر اب دعا مانگ رہا تھا جب اسے سارہ کے پاس سے کراہنے کی آواز آئی تھی۔ وہ سارہ کا سر سہلاتا ہوا کب سو گیا تھا اسے بھی نہیں معلوم تھا پر اس نے موبائل پر تمام الارم بند کر دیئے تھے تاکہ سارہ کی نیند میں خلل نہ ہو۔ اور خود بخود تہجد کے وقت اس کی آنکھ کھل گئی تھی۔ اسے سارہ اس وقت تو پر سکون سوئی ہوئی لگی تھی پر اس وقت اس کے پاس سے ہلکی سی آواز نے زین کا دھیان اس کی جانب مبذول کر دیا تھا۔ کھڑکی سے آتی ہوئی مدھم روشنی سے کمرا کچھ کچھ واضح تھا۔

اس نے پھر دعا کی طرف دھیان کیا اور جوں ہی لب وا کیے سارہ کی پھر کراہنے کی آواز سے اسے یقین ہو گیا تھا کہ وہ اسی کیفیت سے دوچار ہو رہی تھی جس کا ڈاکٹر جیکب نے اسے بتایا تھا۔ وہ مصلے سے اٹھا اور وہیں سے سارہ کو دیکھنے لگا تھا جو بائیں طرف کروٹ لیے ہوئے اب پشت پر سیدھی سونے لگی تھی۔ پر اس کے ہاتھوں میں جنبش تھی۔ زین کچھ قدم آگے بڑھا تو اس کا چہرا عرق آلود دیکھ کر اسے مزید فکر لاحق ہوئی۔ یکلخت ہی سارہ کا تنفس تیز ہونے لگا تھا۔ بند آنکھوں میں پتلیاں حرکت کرتی نظر آنے لگی تھیں۔ اس نے ہلکے سے سر کو ہلایا تھا جیسے اس پر کوئی سایہ بیٹھا اسے سانس لینے سے روک رہا ہو۔ وہ خود کو ویکیوم میں کھنچتا محسوس کر رہی تھی۔ دم گھٹتا جا رہا تھا۔ سانس کا زور ٹوٹنے پر تھا۔ اسے اس نیند سے بیدار ہونا تھا۔ خود کو اس آسیب سے بچانا تھا۔ وہ جان چھڑانا چاہتی تھی۔ اس کے جسم میں اچانک جھٹکا ہوا اور وہ پوری قوت کے ساتھ چیختی ہوئی اٹھی تھی۔ زین ایک پل نہ رکا اور بھاگتا ہوا اس کے پاس گیا۔ معمول کی طرح سارہ کا بائیاں ہاتھ بائیں طرف تکیہ ڈھونڈنے کی کوشش میں ادھر ادھر ہو رہا تھا۔ پر جب اسے وہ شے نہیں ملی اس نے دایاں اور بایاں دونوں ہاتھ اپنے لبوں پر رکھ کر بے ساختہ نکلتی ہوئی چیخوں کا گلا گھونٹنا شروع کیا۔

”سارہ۔“ زین اس کے پاس جا بیٹھا تھا۔ وہ اپنے ہوش میں نہیں تھی۔ آنکھیں کھلی تھیں پر ان میں خوف دہراس سے زین نے متفکر ہو کر سارہ کو دیکھا تھا۔

”وہ مار دے گی! وہ مار دے گی۔“ چیخوں کے بیچ میں سارہ نے بڑبڑاہٹ کرنا شروع کی تھی۔ اس کی آنکھیں سامنے ایک ہی سمت اٹکی تھیں اور وہ پیچھے ہٹنے کی کوشش کر رہی تھی۔

”سارہ! کیا ہوا ہے۔“ زین نے آگے بڑھ کر اسے سنبھالنا چاہا پر وہ اب بھی تحت لاشعور میں پھنسی ہوئی اس آسیب کو خود پر مسلط دیکھ رہی تھی۔

”وہ مار دے گی۔ وہ مار دے گی۔ وہ مار دے گی۔“ سارہ نے رو رو کر زین کو اشارہ کر کے دکھایا کہ کوئی تھا جو اسے مارنے آ رہا ہے۔ زین نے اس کا بڑھتا ہوا ہاتھ مضبوطی سے تھاما اور اسے اپنی جانب متوجہ کیا۔

”کوئی نہیں مار رہا تمہیں۔“ اور جوں ہی سارہ کے سامنے زین کا چہرا واضح ہوا اس نے گھبرا کر زین کا ہاتھ چھوڑا اور اس کے سینے پر ہاتھ رکھ اسے زور سے دھکا دے کر دور کیا۔

”تم یہاں کیا کر رہے ہو۔ وہ تمہیں بھی مار دے گی۔ چلے جاؤ چلے جاؤ یہاں سے۔“ وہ ہذیانی کیفیت میں چلا کر زین سے کہتی ہوئی بیڈ کراؤن سے جا لگی تھی۔

”وہ مار دے گی۔ وہ تمہیں بھی مار دے گی۔ وہ مار دے گی جاؤ یہاں سے۔“ وہ زار و قطار رو رہی تھی اور زین کی برداشت سے باہر ہوا تھا۔

”کچھ نہیں ہوگا یار۔“ وہ آگے بڑھا اور اس نے پوری قوت سے سارہ کو تھام کر اپنے سینے سے لگا دیا اور باہوں کا حصار مضبوط کر دیا۔

”کوئی نہیں مار رہا تمہیں۔ کچھ نہیں ہوگا۔“ وہ ایک ہاتھ سے اسے کس کر تھامے ہوا تھا اور دوسرا ہاتھ اس کے سر پر پھیر کر اس بہلانے کی کوشش میں لگا تھا۔

''وہ مار دے گی۔ میں نے...... میں نے کسی کو نہیں مارا۔ میں نے کچھ نہیں کیا، میں بے قصور ہوں۔'' وہ رو رو کو سر اٹھا کر زین سے کہہ رہی تھی جس نے اس کے آنسوؤں کو پونچھا اور تاسفت سے اسے دیکھ کر پھر سے گلے لگا لیا۔

''سارہ! تم کسی کو مار ہی نہیں سکتیں۔ تم تو بے تحاشا معصوم ہو۔ یہ سب تمہارے دماغ کا کھیل ہے۔ کوئی کچھ نہیں کر رہا۔ تم بالکل محفوظ ہو۔'' وہ اسے بچوں کی طرح تھپک رہا تھا اور بہلا رہا تھا۔

سارہ اپنے آپ میں بڑبڑائے جا رہی تھی اور وہ اتنی ہی نرمی سے اسے سمجھاتا جا رہا تھا۔ دھیرے دھیرے خواب کا اثر زائل ہونے لگا تھا۔ زین کے سینے میں دھڑکتے دل کی آواز سارہ کے کانوں میں پڑتی ہوئی اسے سکون کا احساس دلانے لگی تھی۔ اسے زندگی ہونے کا یقین دلا رہی تھی۔ اس کے باہوں کا حصار سارہ کو حفاظتی شیلڈ کی مانند لگا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس کا تنفس نارمل ہونے لگا تھا۔ خوف جاتا رہا تھا۔ اس کے لب بڑبڑانا بند ہو گئے تھے۔ اس کا سخت وجود ڈھیلا ہو گیا تھا۔ وہ مکمل حاضر میں پہنچ گئی تھی۔ اور جوں ہی اسے تمام باتیں یاد آئیں اور خود کو زین کے اس قدر قریب پایا تو جھجک نے اسے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اس نے سر سینے سے ہٹا کر خود کو باہوں کے حصار سے آزاد کیا تھا اور سراسیمہ ہو کر چوکڑی مار کر ایک فاصلے سے بستر پر بیٹھ گئی۔ چہرا آنسوؤں کی وجہ سے تر تھا۔ پھر پسینے کے قطرے بھی پیشانی پر موجود تھے۔ بال شانوں پر بکھرے ہوئے تھے۔ رونے سے ناک گلابی ہو رہی تھی۔ اس کی جھکی ہوئی آنکھوں میں حیا کی جھلک تھی اور ساتھ ہی زین پر حقیقت کھلنے سے گھبراہٹ نے اسے اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ شرم اور ندامت دونوں نے اس کا چہرا اس قدر معصوم کیا تھا کہ وہ زیرِ لب مسکراتا ہوا اس کی کیفیت کو سمجھ گیا تھا۔

زین اٹھا، سائیڈ میز پر موجود پانی کا بھرا ہوا گلاس اٹھا کر لایا اور اس کے پاس بیٹھ کر اسے دینے لگا۔

''پانی پیو۔'' زین نے دھیمے لہجے میں اس سے کہا تھا۔ سارہ نے کپکپاتے ہاتھوں سے پانی کا گلاس تھاما اور دو تین گھونٹ حلق میں اتارے، پھر سائیڈ میز پر گلاس رکھ کر دزدیدہ نگاہوں سے زین کو دیکھنے لگی تھی۔ آنکھوں میں آنسو پھر بھرنے لگے تھے۔ سارہ کو رہ رہ کر یہ بات ستائے جا رہی تھی کہ زین اس کے بارے میں کیا سوچ رہا ہوگا۔

''سارہ! کیوں ہلکان کر رہی ہو خود کو۔'' زین نے اسے پھر رونے سے منع کیا۔ سارہ نے لب کاٹتے ہوئے جھجک کر زین کی جانب دیکھا۔

''آپ نے ایک پاگل لڑکی سے شادی کر لی ہے۔'' اور اس نے زیر لب سر جھکائے آنکھوں میں اپنی منوں شرمساری لیے کہا تھا۔ زین نے محظوظ ہو کر اس لڑکی کو دیکھا جس نے مکمل اپنی گرفت میں اسے کر لیا تھا۔ وہ سارہ کے چہرے پر پچھتاوا دیکھ سکتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ سارہ کیا سوچ رہی تھی۔ اس نے بلا تاخیر کیے آگے بڑھ کر اس کا چہرا ٹھوڑی سے اٹھا کر اس کی سرخ آنکھوں میں محبت سے دیکھا۔

''جملے میں کچھ ترمیم کی ضرورت ہے۔'' اور دھیرے سے سارہ سے کہہ کر وہ سارہ کو کنفیوز کرنے لگا تھا۔

''ایک دیوانے لڑکے نے ایک پاگل لڑکی سے شادی کر لی ہے۔'' اور اس نے محبت سے اپنی پیشانی اس کی پیشانی سے ٹکرا کر اسے فضول باتیں سوچنے سے روکا تھا۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے زین کو تک رہی تھی۔ وہ جتنا گھبرا رہی تھی زین نے اتنے ہی نارمل انداز سے اس کی گھبراہٹ کو دور کیا تھا۔ وہ جان گیا تھا کہ سارہ کے ماضی میں یقیناً ایسی کوئی بات جڑی ہوئی

تھی جس میں اسے ایسے موقع پر پاگل کے لقب سے مخاطب کیا گیا تھا۔ وہ دل میں اس کے لیے بے تحاشا درد محسوس کر رہا تھا پر چہرے سے اس نے کچھ بھی ظاہر نہیں کیا تھا بلکہ عام انداز میں تمام صورتِ حال کو لیتا ہوا اسے بھی بے ڈھب ہونے سے روک رہا تھا۔

سارہ ساکت سی زین کو دیکھ رہی تھی جب چہرے پر پھسلتی ہوئی لٹ نے زین کا دھیان اس لٹ کی جانب کیا تھا۔ اس نے محبت سے سارہ کی لٹ کو انگلی پر بل دے کر کان کے پیچھے کیا تھا۔

''اب تمہاری اس لٹ نے ہی مجھے کتنی بار دیوانہ کیا ہے تم جانتی تک نہیں۔'' زین نے مخمور لہجے میں کہا تھا اور وہ تحیر سے اسے دیکھے گئی تھی۔ کیا واقعی کوئی اس قدر بھی اس سے محبت کر سکتا تھا؟

''ویسے شکر ہے کہ شادی کی رات ہی یہ سب ہو گیا۔'' اس نے زین کی بات پر اسے پھر الجھ کر دیکھا تھا۔

''وہ کیوں؟'' اور سارہ کو پھر کسی انجان اندیشے نے اپنی لپیٹ میں لیا تھا جیسے وہ کوئی ایسی بات نہ کر دے جو سارہ کے لیے تمسخر کا باعث بنے۔

''وہ اس لیے کہ مسز سارہ زین اعترافِ محبت کرنے میں تقریباً ایک ماہ مزید لگا ہی دیتیں پر تمہارے خواب نے دبے لفظوں میں محبت کی عکاسی کر ہی دی۔'' وہ چھیڑنے کے انداز میں مست ہو کر کہہ رہا تھا اور سارہ نے جھینپ کر نظریں نیچے کر لیں۔

''یہ تو سچ ہے کہ جب ہم کسی سے محبت کرتے ہیں تو اسے کسی بھی نقصان میں نہیں دیکھ سکتے۔''

''شاید اب اندازہ ہو گیا ہو گا کہ میں شادی کیوں نہیں کرنا چاہتی تھی۔'' اور سارہ نے سنجیدگی سے کہا تو وہ اسے بغور دیکھنے لگا۔

''سارہ! یہ سب تمہارے دماغ کا کھیل ہے۔ اور کچھ بھی نہیں۔'' اس نے سارہ کا ہاتھ نرمی سے تھام کر اسے تسلی دینی چاہی تھی اور وہ بمشکل امڈتے آنسوؤں کو باڑ لگا رہی تھی۔

''میں تب ہی میڈیسن لیتی ہوں تاکہ اس خواب سے جان چھوٹ جائے۔'' اس نے گلوگیر لہجے میں زین کے سامنے اپنا عذر پیش کیا تھا جس نے ترحم بھری نگاہ سے سارہ کو دیکھا تھا۔

''میڈیسن حل نہیں ہے سارہ۔ ہم ہر دن کوئی نہ کوئی مشکل فیس کرتے ہیں پر تمہیں معلوم ہے سب سے بڑی جنگ اندرونی جنگ ہے جس کا حل بھی ہمیں ہی نکالنا ہوتا ہے۔ روز نفس سے لڑنا، منفی خیالات کو ختم کرنا، خود کو ہمت دلانا، ہر مرحلے کے لیے تیار رہنا، یہ سب آسان نہیں، پر ہمیں یہ خود کرنا پڑتا ہے۔ محض ایک دوائی لے کر کچھ وقت کے لیے معاملات کو روکا جاسکتا ہے پر یہ اس کا مستقل علاج نہیں۔ اور میں ایک بار تمہیں آنکھوں کے سامنے کھوتا ہوا دیکھ چکا ہوں سارہ، جب تمہارے دل نے آہستہ آہستہ رسپانڈ کرنا بند کیا تھا۔ اب مجھ میں مزید سکت نہیں کہ پھر تمہیں اسی حال میں دیکھوں۔ ان دوائیوں کے سائڈ ایفیکٹس ہیں جو تمہارے لیے مزید مصیبت بن رہے ہیں۔'' اس نے تحمل سے کہا تھا۔

''تو پھر میں کیسے اپنی جان چھڑاؤں؟'' سارہ نے بے بسی سے زین کو دیکھا تھا۔

''سارہ! ہر تکلیف کے ساتھ راحت ہے۔ ہر مرض کا علاج ہے۔ میں ہوں نا تمہارے ساتھ۔ ہم دونوں مل کر اس پرابلم کو ختم کریں گے تاکہ تم ذہنی طور پر سکون پا سکو۔ کڑا امتحان لیا گیا ہے تمہارا۔ کچھ تو حالات تھے جو تمہارے ہاتھ میں نہیں تھے پر زیادہ متاثر تمہیں لوگوں نے کیا ہے۔ جنہیں تمہارے مشکل وقت میں ڈھارس کی مانند ہونا چاہیے تھا وہ اژدھے کی شکل اختیار کر کے تمہیں مزید ڈستے چلے گئے۔ اور تم جو پہلے ہی خود اذیت دیتی رہی تھیں پھر ایسے خول میں بند ہو گئی ہو جہاں سے نکلنا آسان نہیں پر ناممکن بھی نہیں۔'' وہ بغور زین کو سن رہی تھی

جو اسے ساتھ ہونے کا اسے بار بار احساس دلا رہا تھا۔

''یہ بتاؤ ایلکس کو معلوم تھا تمہارے بارے میں؟'' اس نے بات کو پلٹ کر سارہ کا موڈ بحال کرنا چاہا۔

''ہمم۔ وہ جانتا تھا اور مجھے کنٹرول کیسے کرنا ہے اسے طریقہ بھی معلوم تھا'' سارہ نے روہانسی آواز میں کہا۔

''اچھا وہ کیا کرتا تھا؟'' زین نے پوچھا۔

''وہ ہی، جو آپ نے کیا'' اور سارہ نے جھینپ کر زین سے کہا تھا جس نے سرشاری سے مسکرا کر سارہ کو دیکھا تھا۔ اس کے چہرے پر آنسوؤں کو پونچھتے ہوئے زین نے نرمی سے اس کا چہرا تھام کر پیشانی پر اپنی محبت کی مہر ثبت کی تھی اور سارہ کو اتنے سالوں میں پہلی بار تحفظ کا احساس ہوا تھا۔ وہ زین کے مزاج سے ہمیشہ واقف تھی پر تجربہ کرنے پر اس کے دل کو یقین ہو چلا تھا کہ وہ کبھی ساتھ نہیں چھوڑے گا۔ کبھی تمسخر نہیں اڑائے گا۔ وہ اس کے قدم سے قدم ملا کر چلے گا۔ کٹھن وقت میں وہ سایۂ دار شجر کی مانند ہوگا جو تپتی زمین پر ٹھنڈک کا احساس دلائے گا۔

''چلیں محترمہ، اب آپ اٹھ ہی گئی ہیں تو فجر کا وقت ہوا چاہتا ہے لہٰذا نماز پڑھ لینی چاہیے۔'' وہ بستر کے کنارے سے اٹھا اور سارہ کو بھی کھڑا کر دیا۔

وہ وضو کر کے نکلی تو زین کے عقب میں کھڑے ہو کر اس نے نماز فجر ادا کر لی۔ سلام پھیر کر وہ ایک ہی سمت ٹکٹکی باندھے دیکھ رہی تھی جب زین نے پلٹ کر اسے جذب کے عالم میں دیکھا تھا۔ وہ کھسک کر پیچھے ہوا اور سارہ کے ساتھ بیٹھ گیا۔

''کیا سوچ رہی ہو؟'' زین نے پوچھا جس کی آواز سے سارہ نے چونک کر اس کی طرف

دیکھا تھا۔

''کچھ بھی نہیں۔'' سارہ نے خیالات کو جھٹک کر زین سے کہا تھا۔

''دعا نہیں مانگو گی؟'' زین نے پوچھا تو اس نے شکن آلود پیشانی سے زین کو دیکھا تھا۔

''کیا مانگوں؟'' سارہ نے الجھ کر پوچھا۔ سفید چادر میں لپٹا ہوا اس کا چہرا معصوم بچے کی مانند لگ رہا تھا اور اس کی الجھن زدہ حالت سے لگ رہا تھا جیسے کوئی بچہ پوچھ رہا ہو کہ اسے کیا مانگنا چاہیے۔

''آخری بار کب مانگا تھا؟'' زین نے انبساط لیے پوچھا تو وہ سوچ میں پڑ گئی۔

''یاد نہیں'' اور زین نے سارہ کو کنفیوز دیکھا تو اپنی سابقہ حالت اس کے ذہن سے گزری۔

''چلو کوئی بات نہیں۔ پر اب سے مانگو۔'' زین نے کہا۔

''ڈرتی ہوں میں۔ نہ ملا تو؟'' اور سارہ نے وحشت سے زین کو دیکھا تھا۔ منفی سوچوں کا زہر اس کی رگوں میں خون کی مانند دوڑتا تھا۔

''ڈر سے مانگو گی تو واقعی نہیں ملے گا! یقین سے مانگو کہ وہ دے گا۔ کچھ وقت پہلے ایک بیان میں سنا تھا میں نے کہ ہم وہ چیز مانگتے ہیں جس کی ہمیں امید ہوتی ہے کہ مل تو جائے گی۔ جبکہ ہمیں تو ناممکن کی دعا کرنی چاہیے کیونکہ اللہ کے لیے کچھ بھی ناممکن نہیں۔ اب یقین پختہ ہوگا تو ناممکن بھی ممکن ہوگا۔'' وہ بغور زین کو دیکھ رہی تھی۔ زین زیرلب مسکرایا اور اس کے ہاتھوں کو دعا کی حالت میں اپنے ہتھیلیوں کے اوپر رکھ دیا۔

''اے پاک ذات، جو تمام جہانوں کا رب ہے۔ بے شک تجھ سے کوئی چیز چھپی نہیں۔ دلوں کا حال بھی تجھ پر عیاں ہے۔ تیرے دم سے یہ کل کائنات ہے یارب۔ تو بخشنے والا مہربان ہے۔ ہمارے عزیز جو تیرے پاس ہیں ان کی مغفرت فرمادے۔ بے شک ہم سب امانت ہیں

جنہیں تیرے پاس لوٹنا ہے اور یہ ہی برحق ہے۔ تو وہ سب بھی امانت تھے جو تیرے پاس چلے گئے۔ ان کا آگے کا سفر آسان کر یا رب۔'' وہ موٹے موٹے آنسوؤں سے زین کو دیکھ رہی تھی اور ضبط سے لب کاٹنے لگی تھی۔

''اے میرے اللہ! جن سے دل ملا دیا ہے تو ان کا ساتھ بھی تا حیات نصیب فرمانا۔ بے شک ہمارے گمان میں بھی نہیں تھا پھر بھی تُو نے عطا کیا۔ تیرے یہ بندے تیرا شکر ادا کرتے ہیں۔ یہ فانی دنیا میں بھی ہم ایک دوسرے کا ساتھ نہ چھوڑیں اور پھر اس جہاں میں بھی ہمیں ایک دوسرے کا ہی ساتھ نصیب کرنا جہاں سب لافانی ہے۔ جہاں موت نہیں۔ جہاں صرف خوشیاں ہیں کوئی درد نہیں۔ یا رب! ہم دونوں کو تمام خوشیاں دکھانا جس کے ہم حقدار ہیں۔ اور ہم سے راضی ہو جانا، یا رب! ہماری کوتاہیوں کو درگزر کرنا۔ اور ہمیں اپنی رحمت کے سائے میں رکھنا! آمین۔'' اس کی صدق دل سے نکلی ہوئی دعا سارہ کے رونگٹے کھڑے کر گئی تھی۔ وہ تو دعا تک مانگنا بھول گئی تھی اور زین نے اسے پھر الفاظ سکھا دیئے تھے۔ دل سے آمین کہہ کر اس نے نگاہوں کو سجدے میں گرا دیا تھا۔ اسے اپنی کوتاہیاں نظر آ رہی تھیں۔ جو اس کی محرومیوں سے زیادہ تھیں۔ اگر مصیبت اس پر آئی تھی تو اسے نکالا بھی اسی پاک ذات نے تھا۔ اور ایک موڑ پر نہیں بلکہ کئی موڑ پر اسے بچایا تھا۔ اپنے ذرائع سے سہارے عطا کیے تھے۔ وہ سمجھتی تھی وہ تنہا ہے پر اسے اللہ نے کبھی تنہا رکھا ہی نہیں تھا۔ آج زین کے لبوں سے نکلی دعا نے اس کے اندر جان ڈال دی تھی۔ وہ زار و قطار رو پڑی تھی۔ زین اس کے برابر بیٹھا ہوا خاموش تھا۔ اس نے سارہ کو روکا نہیں۔ یہ آنسو دل کو نرم کر رہے تھے۔ اندر پھوار برسا رہے تھے۔ روح کو سیراب کر رہے تھے۔ کچھ وقت پہلے وہ اس کیفیت سے خود گزرا تھا اور اب سارہ کو گزرتے دیکھ کر وہ رب کا شکر ادا کر رہا تھا۔

اس نے جائے نماز تہہ کر کے ایک طرف رکھی اور بالوں کو درست کیا۔ پھر دوپٹہ قرینے سے شانوں پر پھیلائے وہ بستر کی چادر درست کر رہی تھی جب زین جاگنگ سوٹ پہن کر نکلا تھا۔

''آپ جا رہے ہیں؟'' سارہ نے اسے تیار دیکھا تو پوچھا۔ اس کا تو خیال تھا کہ روم سے نکل کر ناشتے کی تیاری کرنے کے لیے کچن میں جانا تھا پر زین نے کچھ اور ہی سوچ رکھا تھا۔

''میں نہیں ہم جا رہے ہیں۔'' زین کے کہنے پر اس نے تعجب سے زین کو دیکھا تھا۔

''چلیں میڈم اتنا مت سوچیں۔'' اور وہ واقعی سارہ کو سوچنے کا موقع دیئے بغیر اس کا ہاتھ پکڑ کر باہر لے گیا۔ پورا گھر اندھیرے میں نہایا ہوا تھا۔ ارم اور کنزا بھی اس وقت محو استراحت تھے۔ زین نے باہر نکل کر دروازے کو لاک کیا اور جوں ہی پلٹا تو سارہ کو سوالیہ نظروں سے دیکھا جو اسے گھور رہی تھی۔

''کیا ہوا؟''

''ہم اس وقت کیوں جا رہے ہیں؟'' سارہ کو شدید تپ چڑھ رہی تھی۔ اس کی عادت میں شمار ہی نہیں تھا صبح صبح فجر کی نماز ادا کر کے گھر سے نکلنے کا۔

''جاگنگ اسی ٹائم ہوتی ہے مسز سارہ زین! چلیے سوال راستے میں کرنا۔'' وہ اس کے تیوروں کو بالائے طاق رکھتا ہوا اسے ہاتھ سے تھام کر چلتا چلا گیا۔

''ویسے تو میں روز جاگ کرتا ہوں پر آج صرف تمہاری خاطر مجھے ٹہل کر چلنا پڑ رہا ہے۔ لیکن صرف آج! کل سے تم میرے ساتھ جاگ کرو گی۔'' اور زین کے کہنے پر سارہ کو زور کا جھٹکا لگا تھا۔ اس نے قدم روکے زین کو حیرت سے دیکھا تھا۔

''ج...... جاگ۔ پر کیا ضرورت ہے؟'' اس نے زچ ہو کر زین سے کہا تھا۔

''محترمہ! آپ کو تو اشد ضرورت ہے۔'' اس نے آ کر سارہ کی ناک نرمی سے دبا دی۔

”کل رات آپ نے مجھے ایک ٹوتھ پک سے کمپیئر کیا تھا اور اب بھگانے پر اکسا رہے ہیں۔ میں تو اور دبلی ہو جاؤں گی۔“ وہ ہر طرح سے راہِ فرار حاصل کرنا چاہ رہی تھی۔

”جاگنگ سے تم دبلی نہیں بلکہ اچھی صحت پکڑو گی۔ ویسے بھی صبح صبح تمہیں بھگاؤں گا تو یہ جو ننھی سی خوراک ہے نا اس میں بھی اضافہ ہوگا۔ فکر نہیں کرو، ایک گھنٹہ بھگا کر منڈ کر کھانا بھی کھانا ہے۔“ وہ کسی صورت پیچھے ہٹنے نہیں والا تھا اور وہ شاک کے عالم میں زین کو تکے جا رہی تھی۔ زین نے اسے بازو سے پکڑ کر پھر چلانا شروع کر دیا تھا۔

”میں نے شادی کی ہے یا میراتھن میں حصہ لیا ہے۔“ اس نے تپ کر زین سے غصے سے کہا تھا

”مسز سارہ زین، آگے آگے دیکھیے کیا کیا ہوتا ہے آپ کے ساتھ۔“

”ڈرائیں تو نہیں۔“ سارہ نے کہا۔

”محترمہ، ڈرنے کے دن گئے۔ اب تو جینا ہے اور خوش رہنا ہے۔“ تھوڑی دیر میں وہ اسے جولیا پورٹر پارک لے گیا تھا اور باتوں کے ساتھ ساتھ جاگنگ ٹریک پر اسے چلاتا ہوا لے جا رہا تھا۔

”آپ مستقل ہاتھ کیوں پکڑے ہوئے ہیں۔ میں اب نہیں بھاگوں گی۔“ زین نے ایک پل کے لیے بھی اس کا ہاتھ نہیں چھوڑا تھا جس پر سارہ نے ہنس کر زین سے کہا تھا۔

”کیا پتہ تم ابھی بھی بیک آؤٹ ہو جاؤ۔ اور ساتھ دینے کا وعدہ کیا ہے ہاتھ تو نہیں چھوڑنے والا میں۔“ اس نے سارہ کو شانوں سے بغل گیر کر لیا تھا جس پر وہ کھل کھلا کر اس کی حرکت پر ہنسنے لگی تھی۔

”ویسے یہ جاگ کرنا آپ کا شوق ہے مجھے کیوں اس میں گھسیٹ رہے ہیں؟“ سارہ کو پھر اپنا رونا یاد آیا۔

”وہ اس لیے کیونکہ تمہارے دماغ کو بے حد سکون کی ضرورت ہے۔ اور اللہ نے صبح میں صرف برکت نہیں بلکہ انسان کی ضروریات کے لیے بے تحاشا فائدے بھی رکھے ہیں۔ سارہ! یہ جسم امانت ہے۔ جیسے روح کو اللہ کا ذکر ضروری ہے ویسے ہی جسم کو اچھی خوراک اور خیال چاہیے۔ اب تم جتنا پیچھے ہٹ جاؤ ہم کل سے جاگ کریں گے بس فائنل۔“ وہ قطعیت سے کہتا ہوا سارہ کو چپ کروا گیا تھا۔

”اللہ نے صبح کاذب اور پھر صبح صادق میں مثبت انرجی رکھی ہے۔ میں برسوں سے اس کا عادی رہا ہوں۔ اور میں نے اپنے اندر بہت مثبت تغیر دیکھے ہیں۔ تمہیں خود کو منفی خیالات سے دور کرنا ہوگا۔ ہم روز یہاں آئیں گے۔ تم اپنے اندر بدلاؤ محسوس کرو گی اور اس ننھے سے دماغ پر کم زور ڈالو گی۔“

”کیا ہم کوئی اور بات نہیں کر سکتے۔ جب سے دماغ پر ہی باتیں کیے جا رہے ہیں۔“ سارہ نے تپ کر کہا تو زین نے اسے خود سے قریب کر لیا۔

”آپ کہیں تو دل کی باتیں کر لیں؟“ اور مخمور لہجے میں کہہ کر وہ سارہ کو پھر نروس کر گیا تھا۔ اس نے نظریں چرا کر لبوں کو دانتوں تلے دبا کر سر ہی جھٹک دیا۔

”دماغ انسانی جسم کا ایک بہت اہم عضو ہے۔ آپ کو معلوم ہے سوتے وقت بھی انسانی دماغ وہ واحد اورگن ہے جو نہیں سوتا! ہم دماغ پر ہی باتیں کر لیتے ہیں۔“ اور بات کو گھما پھرا کر اس نے زین سے کہا اور خود آگے بڑھ گئی۔ وہ اس کے عقب میں کھڑا ہنستا ہوا دیکھ رہا تھا۔ قریباً پونا گھنٹہ لگا تھا انہیں ٹریک پورا کرنے میں۔ ابھی زین کو اسے مزید چلانے کا ارادہ تھا پر سارہ کی بس ہو گئی تھی۔ اس نے بینچ پر جا کر بیٹھنے پر اکتفا کیا تھا۔

”یہ لو پانی پیو۔“ زین کے ہاتھ میں بوتل تھی جو اس نے سارہ کو دی تھی۔ اس نے دو تین

گھونٹ بھر کر سامنے جھیل پر نظریں جمائے زین کو بوتل واپس تھما دی تھی۔

''تمہیں معلوم ہے۔ہم اپنے مسائل میں اتنے الجھے ہوتے ہیں کہ اللہ کی طرف سے دی گئی نعمتوں کا شکر ادا تک نہیں کر پاتے۔'' کچھ توقف کے بعد زین نے جب کہا تو سارہ نے اسے غور سے دیکھا۔

''اب صرف اس پانی کی مثال لے لو۔ہم اس کی قدر و قیمت نہیں جانتے سارہ۔ پر جسے میسر نہیں وہ اس کی اصل اہمیت سے واقف ہے۔'' وہ دلچسپی سے زین کو سن رہی تھی۔آج بھی اس کی عادات ویسے ہی تھیں ہمیشہ مثبت بات کرنا۔لفظوں کا ٹھہراؤ رکھ کر کلام کرنا۔شائستہ انداز میں ایسی گفتگو کر جانا جو دل پر لگے۔وہ اس کی کمپنی سے کبھی بور نہیں ہوئی تھی اور اس وقت بھی اسے غور سے سن رہی تھی۔

''انسانی جسم میں ستر فیصد مقدار پانی ہے۔یہ اللہ کی وہ رحمت ہے سارہ جسے ہم نے کبھی غور سے دیکھا ہی نہیں۔تم ایسے سمجھو کہ ہم ایک کھیت کی مانند ہیں۔جو اپنے اندر بوتے ہیں وہ ہی کاٹتے ہیں۔اب اگر ایک کھیت کو پانی ہی دستیاب نہ ہو تو اس کا کیا حال ہوگا؟'' زین نے پوچھا۔

''بنجر زمین کی مانند۔'' سارہ نے کہا۔

''بالکل۔اس سے کوئی بھی مستفید نہیں ہو سکے گا۔پانی جسم کے لیے بالکل اسی کھیت کی طرح ہے جو ہمیں اچھی فصل سے فیضیاب کرتی ہے۔یہ دل کو سکون بخشتا ہے۔دماغ کو تر و تازہ رکھتا ہے۔طبیعت میں بحالی لاتا ہے۔یہ چھوٹی چھوٹی رحمتیں ہیں جو بظاہر ہماری آنکھوں کے سامنے کوئی قدر و قیمت نہیں رکھتیں پر اپنے آپ میں یہ بے مول ہیں۔اللہ نے ہمیں نوازا بہت ہے سارہ، بس دیکھنے والے کی آنکھ اور سمجھنے کے لیے دل ایسا ہونا چاہیے۔وہ سورج دیکھ رہی ہو؟'' اس نے مشرق سے پھوٹتی ہوئی کرنوں کی جانب اشارہ کیا تھا اور سارہ نے اسی سمت

سحر انگیز احساس سے دیکھا تھا۔ وہ محسوس کر سکتی تھی کہ اس کے اندر مثبت انرجی جگہ پا رہی تھی۔
''یہ نوید سحر ہے سارہ۔ ہمارے باب کی پہلی صبح۔ اللہ سے دعا ہے سینکڑوں صبح ہمیں ایک ساتھ نصیب ہوں۔'' وہ جذبات سے بھرتی ہوئی زین کی طرف دیکھ رہی تھی جس کی نگاہیں فلک پر پھوٹتی تازہ کرنوں کی طرف تھیں۔ خود پر سارہ کی نگاہوں کو مرکوز پا کر زین نے اس کی طرف دیکھا تھا اور سر کے اشارے سے پوچھا تھا کہ وہ کیوں اس طرح اسے دیکھ رہی تھی۔ اس نے پرنم آنکھوں سے زین کو دیکھا تھا۔ دل بوجھل تھا۔ خوف پھر اسے اپنی لپیٹ میں لے رہا تھا۔
''بیچ راستے میں چھوڑ تو نہیں دیں گے نا؟'' اور اپنی اصل فکر زین کے سامنے ظاہر کر دی تھی۔
''کچھ خود پر منحصر تو پہلے ہی کر دیا تھا۔ اب اپنا عادی بنا کر ساتھ تو نہیں چھوڑیں گے؟'' اس نے آنکھوں میں وحشت لیے زین سے کہا جو سارہ کی بات سن کر زیر لب مسکرایا تھا۔ وہ اس کی عادی تو کب سے تھی۔ بس کچھ وقت کا وقفہ تھا جو ان کے درمیان حائل ہوا تھا۔ پر سارہ کے لبوں سے بات کا تسلیم ہو جانا اسے اندر ہی اندر طمانیت کا احساس دلا رہا تھا۔
''ہجر ہمارے درمیان آ کر چلا گیا۔ اب صرف وصال ہے۔ ہم نے اپنے نصیب کی تکلیفیں جھیل لیں۔ اس تڑپ سے بھی گزر گئے۔ اب یہ ملن اللہ کی طرف سے تحفہ ہے۔ یہ ساتھ ہمیشہ رہے گا۔'' اس نے صاف لفظوں میں سارہ سے کہا تھا۔
''کتنا یقین ہے؟'' اور اس نے مشتبہ ہو کر پوچھا۔
''سو فیصد یقین ہے۔'' زین کے اٹل لہجے نے اسے ڈھارس دی تھی۔
''اچھا سارہ! تم نے بتایا نہیں واپس کراچی جا کر کیا کیا کرنے کا ارادہ ہے؟'' اس نے موضوع بدل کر سارہ کا دھیان ہٹا دیا۔ وہ جانتا تھا کہ سارہ اس وقت حساس ہو رہی تھی اور اس کی طبیعت پر کوئی بھی منفی خیال رکھنا اس کو متاثر کر دیتا۔

”آپ پہلے بتائیں۔“ سارہ نے پوچھا۔

”میں تو پہلے اپنے ڈیڈی کی قبر پر جاؤں گا۔اس کے بعد سوچا نہیں۔“ زین نے کہا۔

”ہمم۔ میں ان لوگوں سے ملنا چاہوں گی جو میرے ساتھ آٹھ سال کے سفر پر ساتھ رہے۔ان کی خیریت معلوم کروں گی۔ جب سے امریکہ شفٹ ہوئی ہوں کسی سے رابطہ نہیں رکھا۔“ سارہ نے کہا۔

”تم نے زنیرہ سے بھی کوئی رابطہ نہیں رکھا نا؟“ اور زنیرہ کا نام یاد دلا کر سارہ کے لبوں پر شادابی نمودار ہوئی تھی۔

”اونہوں! میں جب یونیورسٹی واپس گئی تھی تو اس نے شہر بدل دیا تھا۔ پر مجھے ویسے بھی کوئی رابطہ نہیں رکھنا تھا تب۔“

”اور اب؟“ زین نے پوچھا۔

”سوچا نہیں میں نے۔“ اسے یکلخت ہی ایک چہرا ذہن میں نمایاں ہوا تھا۔ وہ ہی چہرا جو عیاری سے پاک تھا۔ جس کے دل میں ندامت تھی۔ اور آنکھوں میں آس۔

”کہاں کھو گئیں؟“ زین نے چٹکی بجا کر اسے متوجہ کیا تھا۔

”ک...... کچھ نہیں۔ ویسے ایک چکر سوچ رہی ہوں یونیورسٹی کا بھی لگا لوں۔“ اس نے اب کی بار زین کو جانچتی نظروں سے دیکھ کر کہا۔

”اچھا وہ کیوں؟“ زین نے پوچھا۔

”وہ اس لیے کہ آپ کا ایک عدد ریکارڈ تھا جسے میں نے با آسانی سے ناک آوٹ کر کے خود کا نام سر فہرست رکھ کر آپ کو دوسری پوزیشن پر پہنچا دیا تھا۔ تو دیکھنا ہے کہ آیا ابھی بھی سر فہرست ہوں یا کوئی مائی کا لال پیدا ہوا ہے جو مجھے ہرائے۔“ اس نے اترا کر زین کو جتاتی

نظروں سے کہا تھا اور وہ خوش گوار حیرانگی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''تم نے واقعی میرا ریکارڈ توڑ دیا؟'' زین نے پوچھا۔

''بالکل۔'' سارہ کے وثوق سے کہنے پر اسے بہت شاک لگا تھا۔

''یعنی تم نے آخر کار مجھے چیلنج میں ہرا ہی دیا۔'' وہ ہنس پڑی تھی زین کی بات پر۔

''گھر چلیں مجھے بہت بھوک لگ رہی ہے۔'' سارہ کا کہنا تھا کہ زین نے چمکتی ہوئی آنکھوں سے سارہ کو دیکھا تھا۔ اس کی عادت کے برخلاف زین نے اسے پونے گھنٹے چلایا تھا۔ وہ جو فجر کی نماز کے فوراً بعد ناشتے کی عادی تھی اسے اتنی دیر گزار کر اب شدید بھوک کا احساس ہو رہا تھا۔ وہ خود بھی اچانک اس تغیر پر حیران ہوئی تھی۔

☆......☆......☆

ارم قرآن شریف کی تلاوت کر رہی تھیں جب انہیں نیچے کچن سے زین اور سارہ کی باتوں کی آواز آئی تو ان کے لبوں پر فرحت بخش مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔ کنزا نے نماز پڑھ کر پھر سونے پر اکتفا کیا تھا کیونکہ طبیعت کی وجہ سے وہ کافی تھکی ہوئی تھی۔ نیچے کچن میں زین نے سارہ کو کاؤنٹر ٹاپ کے ساتھ کرسی پر بٹھا دیا تھا اور انڈوں اور سبزیوں کے ساتھ طبع آزمائی میں لگا ہوا اس سے باتیں کر رہا تھا۔

''سارہ! ایک ڈیل کر لیتے ہیں۔'' زین نے پیالے میں انڈے توڑ کر پھینٹتے ہوئے کہا تھا۔

''کیسی ڈیل؟'' سارہ کاؤنٹر ٹاپ پر کہنی رکھے ہوئے اپنی ہتھیلی سے چہرا ٹکائے زین کو دلچسپی سے ناشتہ بناتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔

''ہفتے میں دو دن میں تمہیں ناشتہ بنا کر دوں گا۔'' زین نے کہا۔

''اوہ اچھا ٹھیک ہے پھر؟''

''پھر یہ کہ اس کے بدلے تم مجھے ہر دس دن بعد آلو کے پراٹھے بنا کر کھلا دینا! وہ کیا ہے نا آج تک اس ذائقے کو بھولا نہیں میں۔'' اور ماضی سے جڑے ہوئے دلچسپ واقعے پر روشنی ڈال کر سارہ نے محظوظ ہو کر زین کو دیکھا تھا۔ زین نے کچھ ہی دیر میں چیز ویجی ٹیبل آملیٹ بنایا۔ کافی کے دمگ رکھے اور پراٹھے سینک کر خود بھی اس کے ساتھ بیٹھ گیا۔

ارم نے تلاوت مکمل کر کے دوپٹہ شانوں پر ڈال کر آہستہ سے کمرا بند کر دیا اور بیٹے بہو سے ملنے کی غرض سے سیڑھیاں اترتی ہوئی آ رہی تھیں۔

''بس زین اس سے زیادہ نہیں کھا سکتی میں پھٹ جاؤں گی۔'' وہ جو سلائس پر اکتفا کرتی تھی آج انڈوں اور پراٹھوں کا ناشتہ کر کے اس کی فوراً ہی بس ہو گئی تھی پر زین کہاں سننے والا تھا۔

''کوئی نہیں پھٹ رہیں۔ کھاؤ چپ چاپ۔''

''السلام علیکم بھئی۔'' ارم خوب گرم جوشی سے مسکراتی ہوئی کچن میں داخل ہوئی تھیں اور زین اور سارہ دونوں کے سروں پر دست شفقت رکھ کر باری باری پیشانی پر بوسہ دیا تھا۔

''امید ہے کہ ناشتہ زین نے بنایا ہوگا۔'' انہوں نے برہمی سے زین کو دیکھا تھا۔

''جی بالکل انہوں نے ہی بنایا ہے۔'' اور سارہ سے جواب سن کر انہوں نے زین کو شاباشی دی تھی۔

''دیٹ از گڈ! پر سارہ، میں تمہیں ابھی سے بتا رہی ہوں۔ یہ تعریف کر کر کے کام نکلوانے کا عادی ہے۔ اور گھر کے کاموں میں جناب بمشکل ہی کچھ کر پاتے ہیں۔ وہ تو مجبوراً آٹھ سال اکیلے گزار لیے لیکن تم تیار رہنا۔'' ارم نے فوراً سارہ کو زین کی عادت گوش گزار کی تھی اور زین بمشکل ہنسی کنٹرول کر رہا تھا۔

''واقعی میں؟'' سارہ کو تعجب ہوا تھا۔

''اس سے کیا پوچھ رہی ہو۔ میں بتا رہی ہوں نا بیٹا۔ تم الرٹ رہنا۔ اس کی تعریف میں بھی کئی کئی کام چھپے ہوتے ہیں۔ گھر میں بھی مجھے اور عبدل کو نچا کر رکھتا تھا۔'' ارم نے بیٹے کو فرضی غصے سے دیکھا تھا۔

''اچھا آپ دونوں باتیں کریں میں فریش ہو کر آتا ہوں۔'' زین کہتا ہوا اٹھا اور چلا گیا۔ ارم نے محبت سے سارہ کو دیکھا اور اس کے پاس آ کر بیٹھ گئیں۔

''اور بیٹا طبیعت کیسی ہے اب؟ زین نے تنگ تو نہیں کیا تمہیں؟'' ارم نے محبت سے اس کا ہاتھ تھاما اور نرمی سے اس کے چہرے پر ہاتھ رکھ کر کہا تھا۔

''جی الحمدللہ، اور نہیں نہیں۔ فی الحال تو تنگ نہیں کیا۔'' اور سارہ کی بات سن کر وہ ہنسنے لگی تھی۔

''میں آپ کے لیے ناشتہ بنا دوں، آپ بیٹھیں۔'' سارہ نے تعظیم سے کہہ کر اٹھنا چاہا تو ارم نے وہیں روکا۔

''بالکل نہیں۔ تم آرام سے بیٹھو۔ یہ خاطر تواضع تب کرنا جب میں اگلی بار امریکہ آؤں گی۔'' ارم نے کہا اور سارہ نے مسکرا کر سر کو جنبش دی۔

''ویسے آنٹی! آپ یہیں کیوں شفٹ نہیں ہو جاتیں؟''

''آنٹی؟'' اور سارہ کی بات سن کر ارم نے زوردار جھٹکے سے سارہ کو دیکھ کر کہا تھا۔

''بیٹا! اب تو آنٹی مت کہو۔'' اور ارم نے زبردست طریقے سے اسے ٹوکا تھا جو ندامت سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

''ماں جیسی ہی ہوں۔ اور تم بیٹی ہو میری۔ ام...... تم مجھے مما کہو۔ میرا داماد بھی مجھے مما ہی کہہ کر پکارتا ہے۔ زین اور کنزا نے تو شروع سے مام کہا ہے پر مجھے مما بہت پسند ہے۔'' اور ارم کی فرمائش سنتی ہوئی سارہ ساکت ہوئی تھی۔

''مما؟'' سارہ کی آواز کھائی سے سنائی دی تھی۔

''ہاں نا۔ اتنا تو حق میرا ابھی ہے کہ نہیں؟'' ارم نے اشتیاق سے سارہ کو دیکھتے ہوئے کہا تھا جو پل بھر کے لیے جذبات سے بوجھل ہونے لگی تھی۔ یہ لفظ تو برسوں پہلے جسے کہا تھا وہ چھوڑ کر ایسے گیا کہ پھر لوٹا ہی نہیں۔ پھر ایسے رشتے ملے ہی کہاں جہاں اس لفظ کا استعمال ہوتا۔ زینت فاروق کے غضب سے کبھی سارہ سے کہہ ہی نہیں پائی تھیں۔ ورنہ وہ مکمل حقدار تھیں۔ پر آج ارم کے لبوں سے نکلی خواہش نے سارہ کے دل کو ہلا دیا تھا۔ وہ حساس سے بھری ہوئی لڑکی بے اختیاری میں لب کاٹتی ہوئی ارم کو دیکھنے لگی تھی۔ آنکھیں کتنی یادوں سے بھرنے لگی تھیں۔

''ایکس کیوزمی۔'' اور سارہ نے اٹھ کر فوراً ارم سے کہا اور جوں ہی آگے بڑھی ارم نے اسے ہاتھ سے تھام کر روکا۔

''بیٹا! وی آر فیملی۔ اب کوئی آنسو چھپ کر نہیں بہانے۔'' اور ارم نے اسے گلے سے لگا کر اس کو حیران کر دیا تھا۔ سارہ کا جسم ہلکورے لے رہا تھا اور ارم اسے مضبوطی سے تھامے ہوئے اپنی ممتا کی پھوار اس میں منتقل کر رہی تھیں۔ وہ جو موبائل لینے کے غرض سے نیچے اترا تھا تو سب سن کر اور دیکھ کر وہیں ٹھہر گیا۔ ارم کی نظریں زین پر پڑیں جس نے آنکھوں کے اشارے سے ارم کا شکریہ ادا کیا تھا اور بدلے میں ارم نے مسکرا کر اسے تسلی دی تھی۔

☆......☆......☆

تین ہفتے پلک جھپکتے گزر گئے تھے پر اس میں ہونے والی شرارتیں اور ایک دوسرے سے محبتوں نے سارہ کا دل بھر دیا تھا۔ زین نے کراچی جانے سے پہلے ڈاکٹر جیکب سے رابطہ کر کے سارہ کے سیشن شروع کروا دیئے تھے اور سارہ پر ڈنڈا رکھا ہوا تھا جس کی وجہ سے وہ مکمل طور پر زین کے حکم کی پابند تھی۔ ساتھ ہی ارم سے سارہ کا کیس ڈسکس کر کے اسے ارم کی بھی خوب سپورٹ

رہی تھی جنہوں نے اس دورانیے میں سارہ پر اپنے تجربے سے مثبت خیالات کی روشنی کا دیا جلانا شروع کر دیا تھا۔ پھر زین کے ساتھ نے اسے باطنی اور ظاہری پہلو سے بدلنا شروع کر دیا تھا۔ وہ چند دن میں ہی نکھرنے لگی تھی اور اس کے لبوں پر مسکراہٹ نے پھر کبھی ساتھ نہ چھوڑا تھا۔

ریسپشن سے ایک دن قبل گھر میں تقریب کا انتظام کیا گیا تھا۔ زین کے تمام رشتے دار جو دنیا میں جہاں جہاں مقیم تھے سب کراچی پہنچے تھے۔ اور ریسپشن سے ایک دن قبل ارم نے تمام قریبی مہمان دوست و احباب کو مدعو کیا تھا۔ شایان اور ثانیہ بھی آفس سے چھٹی کی درخواست دے کر زین اور سارہ کا ریسپشن اٹینڈ کرنے کے لیے کراچی پہنچے تھے اور آج بھی دعوت میں مدعو تھے۔ چونکہ نکاح بے حد سادگی سے ہوا تھا لہٰذا ریسپشن دھوم دھام سے کرنے کا ارادہ کیے ہوئے آج گھر میں خواتین ہاتھوں میں مہندی لگوا رہی تھیں۔

سارہ نے ہرے اور زرد رنگ کا خوبصورت کام دار انگرکھا پہنا ہوا تھا جس کے نیچے زرد رنگ کا چوڑی دار پاجاما تھا۔ دوپٹہ بھی دونوں رنگ کے امتزاج کا تھا جس پر ستارے ٹکے ہوئے تھے اور اسے قرینے سے شانوں پر پھیلا کر پن کیا گیا تھا۔ اس کے بالوں کو گلاب کے تازہ پھولوں سے نصف باندھا ہوا تھا۔ چہرا ہر میک اپ سے عاری تھا پر اس میں اس قدر شادابی تھی کہ ہر آنکھ دیکھتے نہیں تھک رہی تھی۔ ہاتھوں اور پیروں پر مہندی رچ دی گئی تھی۔ اور وہ کئی رشتے دار خواتین کے ساتھ بیٹھی ہوئی مختلف باتوں میں مگن تھی۔ گھر کو برقی قمقموں سے سجایا ہوا تھا اور مہمانوں کے لیے ریفرشمنٹس کا انتظام کیا تھا۔ خوش گوار ماحول ہر سو پھیلا ہوا تھا۔

”سارہ بھابھی! وہ زین بھائی بلا رہے ہیں آپ کو۔“ وہ کنزا اور ثانیہ سے باتیں کر رہی تھی جو ابھی ابھی آ کر سارہ کے پہلو میں بیٹھی مہندی لگا رہی تھی جب عبدل نے آ کر سارہ کو مطلع کیا تھا۔ سارہ صوفے سے اٹھی اور ایکس کیوز کرتی ہوئی ڈرائنگ روم سے نکلی۔ زین باہر کھڑا اس کا

انتظار کر رہا تھا، سارہ کو آتا دیکھ کر مبہوت رہ گیا تھا۔ خیر مدہوش تو وہ پہلے بھی ہوا تھا پر اس وقت وہ کانچ سی گڑیا مہندی لگائے ہوئے اسے اپنا اسیر کرنا نہیں چھوڑ رہی تھی۔

''جی فرمایئے؟'' سارہ نے پاس آ کر زین سے کہا تھا۔ وہ سفید کرتا شلوار میں ملبوس جاذب نظر لگ رہا تھا پر سارہ کو پہلو میں کھڑا کر دو تو تمام کی تمام اٹینشن وہ اپنی جانب کھینچ رہی تھی۔ دونوں ہی ایک دوسرے کو بہترین انداز سے کامپلیمنٹ کر رہے تھے۔

''دیکھیں میں کمزور دل کا مالک ہوں۔ اس حسن سے مجھے کیوں بار بار گھائل کرتی ہیں آپ۔'' اور زین نے مخمور لہجے میں سارہ کو توصیفی نگاہ سے دیکھ کر کہا تو سارہ نے آنکھوں سے اسے سدھر جانے کا اشارہ دیا کیونکہ مہمانوں کی آمد و رفت جاری تھی۔

''کیوں بلایا ہے آپ نے؟'' سارہ نے ہاتھ باندھ کر زین کو باز رہنے کا کہا۔

''آپ کو کچھ لوگوں سے ملوانا ہے۔'' اور زین نے دوسری طرف اشارہ کیا جس پر پلٹ کر جب سارہ نے دیکھا تو پل بھر کے لیے وہ ٹھہر گئی۔ شازیہ آنکھوں میں اشتیاق لیے سارہ سے ملنے کی آرزو میں منتظر کھڑی تھی۔

''شازیہ؟'' اور جوں ہی سارہ نے شازیہ کا نام لیا اس نے اسے گلے سے لگا لیا۔ سارہ نے چونک کر زین کو سوالیہ نظروں سے دیکھا جو شازیہ کی حرکت سے محظوظ ہوا تھا۔ اس کے بیٹے نے جیسے ہی زین کو دیکھا تو ہاتھ وا کر دیئے۔ زین نے اسے گود میں اٹھا کر اس کے ماتھے پر بوسہ دیا۔

''زین انکل! یہ کون ہیں؟'' سارہ کو زین کے پہلو میں کھڑا دیکھ کر زوہان نے متجسس ہو کر پوچھا تھا۔ شازیہ سارہ سے حال احوال پوچھ رہی تھی اور اس کے چہرے پر حیرت بھری خوشی سے معلوم ہو رہا تھا کہ وہ سارہ کو اس طرح دیکھ کر بے تحاشا حیران ہوئی تھی۔ زین کے الفاظ اسے یاد تھے اور سارہ جیسی گریس فل لڑکی کو شازیہ جیسی جل پری نے بھی ستائشی نگاہ سے دیکھا تھا۔

"بیٹا! یہ میرے دل کی ملکہ ہیں۔" زین نے سارہ کی جانب نظریں ٹکائے جوں ہی کہا سارہ نے زین کو دیکھ کر سر ہی جھٹک دیا۔ پر اس کے چہرے پر آتی ہوئی حیا نے یکلخت ہی اسے انار کیا تھا۔

"ملکہ ہیں؟" زوہان نے اپنی امی شازیہ کو دیکھ کر پوچھا جس نے سر کو جنبش دے کر بات کی تصدیق کی۔ سارہ ٹرے میں سے بڑی سی چاکلیٹ لے آئی اور زوہان کو تھما دی۔ تھوڑی دیر ہوئی تھی جب ارسلان اپنی بیگم کے ساتھ داخل ہوا تھا اور سارہ کو دیکھ کر وہ بھی حیرت سے گنگ تھا۔ پھر کیا تھا۔ ارسلان کے چٹکلے تھے اور ہنسی مذاق کا تبادلہ تھا۔ سارہ، شازیہ اور ارسلان سے مل کر بے حد خوش ہوئی تھی۔ وہ ان لوگوں کے ساتھ کھڑی باتوں میں مصروف تھی جب اسے اپنے کاندھے پر ایک نرم ہاتھ کا لمس محسوس ہوا۔ سارہ نے جوں ہی پلٹ کر دیکھا تو اس بار اس کا سانس تک اٹک گیا تھا۔ زنیرہ اس کے عقب میں کھڑی اسے سرپرائز دے گئی تھی۔ زین نے شکاگو سے روانہ ہوتے وقت ہی زنیرہ سے فیس بک کے ذریعے رابطہ کیا تھا اور اسے اس خوش خبری سے آگاہ کیا تھا۔ زنیرہ سب سن کر خوشی سے پھولے نہ سمائی تھی۔ اور سارہ کو دیکھ کر جہاں اس کی آنکھیں نم ہوئی تھیں وہیں سارہ کی آنکھیں بھی خوشی سے بھر گئی تھیں۔ دونوں ایک دوسرے سے بچھڑی ہوئی بہنوں کی طرح گلے ملی تھیں۔ دونوں کا آنسوؤں پر کوئی اختیار نہ تھا۔ زنیرہ، سارہ اور زین کو لے کر اس قدر خوش تھی کہ مستقل اس کے لبوں سے دونوں کے لیے دعائیں نکل رہی تھیں۔ یقین کرنا بھی مشکل ہو گیا تھا۔

"ان سے ملو۔" زنیرہ کے ساتھ ایک ننھی سی بچی کھڑی تھی جس کو آگے کر کے زنیرہ نے سارہ سے ملوایا تھا۔

"بیٹی ہے تمہاری؟" سارہ نے خوش گوار حیرانگی سے پوچھا تھا جس پر زنیرہ نے سر کو تیزی

سے تائیدی میں ہلایا۔ وہ چار سال کی معصوم سی پیاری سی بچی تھی جو آنکھیں پٹپٹائے سارہ کو دیکھ رہی تھی۔ اس کے بال زنیرہ کی طرح ہی گھنگریالے اور حسین تھے۔ سارہ نے اسے تھام کر پیار سے گال پر بوسہ دیا تھا۔ زین سے اشارے سے زنیرہ کی بیٹی کو پہلی بار ملنے پر کچھ دینے کا کہا تھا۔ زین نے فوراً بچی کو دیکھ کر چند نوٹ نکال کر اس کے ہاتھ میں تحفے کے طور پر تھما دیئے تھے۔ سارہ نے اسے بھی چاکلیٹ دی تھی اور وہ بچی اس اچانک توجہ ملنے پر پھولے گالوں سے مسکرا رہی تھی۔

''تمہارے شوہر نامدار کہاں ہیں؟'' زین نے زنیرہ سے پوچھا تھا۔

''آ رہے ہیں بس۔ پارکنگ نہیں مل رہی تھی انہیں۔''

یونیورسٹی میں گزارا ہوا ہر پل فلم کی طرح سارہ کی آنکھوں کے سامنے تھا۔ زنیرہ آج بھی ویسی کی ویسی ہی تھی۔ چلبلی اور باتونی۔ زین نے سارہ کے ماضی کو خوش رنگوں میں تبدیل کر کے اسے واپس لوٹایا تھا۔ وہ ممنون تھی۔ ہر سو خوشی کا سماں تھا۔ زین اس کے ماضی کو ایک خوبصورت شکل میں تبدیل کر رہا تھا۔ وہ تلخ یادوں کو تو بدل نہیں سکتا تھا پر وہ پل ضرور واپس لا سکتا تھا جو اس نے یونیورسٹی میں گزارے تھے اپنی دوست کے ساتھ۔ وہ باری باری کر کے سارہ کی جھولی میں خوشیاں بھرتا چلا جا رہا تھا اور اب سارہ کو اپنا دامن چھوٹا پڑنے لگا تھا۔

ریسیپشن دھوم دھام سے منایا گیا تھا۔ بہت بڑے پیمانے پر ارم نے ایونٹ آرگنائز کیا تھا۔ کافی وسیع و عریض وینیو رکھا گیا تھا کیونکہ مہمانوں کی فہرست طویل تھی۔ گولڈ کی تھیم سے تمام بینکوٹ کو سجایا گیا تھا۔ اور لال رنگ کے تازہ گلابوں کا استعمال بے دریغ کیا گیا تھا جس سے پورے ہال کی خوبصورتی شاندار لگ رہی تھی۔

وہ دونوں سب کی توجہ کا مرکز بنے ہوئے اسٹیج کی زینت مزید بڑھا رہے تھے۔ زین سیاہ

رنگ کے تھری پیس سوٹ میں شہزادے کی مانند لگ رہا تھا۔ سیاہ کوٹ کے اندر سفید رنگ کی شرٹ تھی اور مرون رنگ کی ٹائی پہنے ہوئے وہ جاذبیت لیے کئی لوگوں کی سانس تک اٹکا گیا تھا۔ پر اس کے پہلو میں کھڑی سارہ نے سب کو اپنا اسیر کیا تھا۔ وہ وائٹ گولڈ رنگ کی کامدار ساڑھی پہنے ہوئے تھی جس پر مرون رنگ کا ایک انچ کا بارڈر تھا۔ سنہرے تار سے کڑھائی کی ہوئی یہ کامدار ساڑھی سارہ پر بے تحاشا گریس فل اور خوبصورت لگ رہی تھی۔ بالوں کو برائیڈل جوڑے میں باندھا تھا جس پر سنہرے رنگ کا مولف پن کیا تھا۔ اور ایک طرف تین گلاب پرو کر اس کے ہیئر اسٹائل کو چار چاند لگایا گیا تھا۔ اس نے کانوں اور گلے میں سونے اور روبی سے بنا ہوا نفیس سیٹ پہنا ہوا تھا۔ ایک ہاتھ میں مرون اور گولڈن چوڑیاں تھیں جبکہ دوسرے ہاتھ میں سونے کے کنگن پہنے ہوئے تھے۔ چہرے پر ہلکے میک اپ سے وہ زین کے ساتھ کھڑی ہوئی بے حد پرکشش اور سب کی توجہ کھینچ رہی تھی۔

ہر آنکھ بار بار اٹھتی۔ زین کو دیکھ کر سارہ پر کتنی لڑکیاں رشک کرتی ہوئی نظر آتیں تو کتنی خواتین و حضرات سارہ کو دیکھ کر زین کی قسمت پر عش عش کر رہے تھے۔ ارم کے لبوں پر مستقل دعائیں تھیں جو وہ پڑھ پڑھ کر زین اور سارہ پر دم کیے جا رہی تھیں۔ زنیرہ، ارسلان، شازیہ بمع فیملی پھر ثانیہ اور شایان سب ایک میز پر موجود ایک دوسرے سے گفتگو میں مگن تھے ساتھ ہی ساتھ اسٹیج پر کھڑے اس کپل کو دیکھ کر بے حد متاثر ہو رہے تھے۔

وہ دونوں اسٹیج سے اترے اور زین باری باری کر کے سارہ کو اپنے رشتے داروں سے ملوانے لگا تھا۔ سارہ کے انداز و اطوار سے ہر شخص کی نگاہ میں اس کے لیے ستائش تھی۔ وہ زین کے پہلو میں چلتی ہوئی جس جس سے زین تعارف کرواتا تعظیم سے مل رہی تھی۔ سارہ نے ریسپشن پر جیتفر اور ساجدہ آنٹی کے ساتھ ساتھ اپنی پڑوسن نگین اور حسن کو بھی مدعو کیا تھا۔ جو اس

سے دو سال بعد مل کر اس کی خوشی میں بے حد خوش تھے۔ سارہ نے زین کا تعارف ان سب سے کروایا تھا۔ اس نے سر جعفر کو بھی کسی طرح سے کانٹیکٹ کر کے مدعو کیا تھا جنہوں نے سارہ کی طرف سے جب پیغام موصول ہوا تو حیران ہوئے تھے۔ دو سال بعد بھی وہ تھے تو ویسے کے ویسے ہی پر سارہ نے ان کی کمر پر خم مزید بڑھتا ہوا دیکھا تھا۔ سارہ سے بیٹیوں کی طرح مل کر انہوں نے سارہ کو خوب دعائیں دی تھیں۔ وہ حیرت سے گنگ تھے کہ یہ سب کایا پلٹ کیسے گئی تھی پر ساتھ ہی ساتھ سارہ کے لیے بے حد خوش بھی تھے۔

''زین سنیں۔'' زین کو اپنے رشتے دار سے بات کرتے ہوئے دیکھ کر سارہ نے زین کو اپنی جانب متوجہ کیا تھا۔

''مجھے آپ کو کسی سے ملوانا ہے۔'' سارہ نے پُر اشتیاق آنکھوں سے زین کو دیکھا تھا جو متجسس ہو کر اس سے پوچھ رہا تھا۔ سارہ اس کا ہاتھ تھام کر بنکوٹ کے آخری حصے میں لے گئی تھی جہاں مہمانوں کی آمد و رفت کم تھی۔ سارہ نے اسے پلٹ کر جاتا ہوا دیکھا تو تیزی سے آگے بڑھی اور اس کا ہاتھ تھام کر روک دیا۔ زین نے استعجابی لیے سارہ کو دیکھا تھا جو ایک لڑکی کو جانے سے روکتی ہوئی زین کی طرف پلٹی تھی۔

''آئی ہو تو مل کر جاؤ۔'' سارہ نے ہمدردی لیے اس سے کہا تھا جس نے جھجک کر مڑ کر دیکھا تو زین کی آنکھیں مزید حیرانگی سے وا ہوئی تھیں۔

''انوشہ؟'' زین کے لبوں سے اپنا نام سن کر انوشہ کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ ہوئی تھی۔ وہ ندامت سے اتنے سال بعد بھی نظریں ملانا دشوار محسوس کر رہی تھی پر سارہ نے بے حد دوستانہ رویہ اپنا کر اسے زین سے ملوایا۔

''تم دونوں رابطے میں تھیں؟'' زین ہر بات سمجھنے سے قاصر سارہ سے پوچھ رہا تھا۔

''رابطے میں تو نہیں پر میری اس سے ملاقات یونیورسٹی میں ہوئی تھی جب میں نے واپس جوائن کیا تھا اور آج اسے ریسیپشن پر میں نے مدعو کیا ہے۔'' سارہ کے لیے انوشہ کا نمبر تلاش کر کے اس کی خیریت معلوم کرنا کافی مشکل مرحلہ تھا۔ پر خوش نصیبی تھی کہ ایک بار انوشہ نے سارہ کو اپنے ڈیڈ کا بزنس کارڈ دیا تھا جب اسے معلوم ہوا تھا کہ سارہ جاب کے لیے کوشاں تھی اور اتفاق تھا کہ سارہ نے وہ کارڈ آج تک سنبھال کر رکھا ہوا تھا۔ رابطہ کر کے اسے معلوم ہوا تھا کہ انوشہ آج بھی کراچی میں مقیم تھی اور حالیہ اس کی والدہ کا انتقال ہوا تھا۔ وہ اکیلی اپنے ڈیڈ کے ساتھ رہ رہی تھی اور ان کے بزنس میں قدم جما رہی تھی۔

''واٹ اے سرپرائز یار۔'' زین نے حیرت سے دونوں کو دیکھا تھا۔

''زین! یہ آپ سے کچھ کہنا چاہتی ہے۔'' سارہ نے مزید اس کے لیے راستہ آسان کیا تھا۔ وہ انوشہ کے چہرے پر چھائی گھبراہٹ کو اخذ کر گئی تھی۔

''اچھا کیا؟'' زین نے پوچھا۔ بمشکل انوشہ نے لب وا کیے تھے۔ وہ بے حد بدل گئی تھی اور زین کا انوشہ کو پہچاننا مزید دشوار تھا۔

''پہلے تو مبارک تم دونوں کو۔ اور شکریہ سارہ تم نے یاد رکھا۔ زین! میں جانتی ہوں سارہ نے مجھے آج کیوں بلایا ہے۔ شاید اس سے میں نے ذکر کیا تھا تب ہی اس نے خود آج مجھے یہاں مدعو کر دیا۔'' وہ تمہید باندھتے ہوئے زین کو الجھا رہی تھی۔

''وہ...... میں...... معافی مانگنا چاہتی ہوں۔''

''اوہ کم آن انوشہ۔ برس گزر گئے اب تو۔ مجھے تو یاد تک نہیں تھا! تم یہاں کیا کر رہی ہو۔ آگے آؤ اسٹیج کے پاس میز ہے وہاں سب موجود ہیں تمہیں دیکھ کر سب خوش ہوں گے۔'' اور زین نے جس طرح عام سے انداز میں اس سے کہا تو وہ یکلخت ہی نارمل ہونے لگی تھی۔ شاید

وقت واقعی سب سے بڑا مرہم ہے جو زخموں کے اثر کو ختم کر دیتا ہے۔ زین کو کسی نے آواز دی تھی جب اس نے سارہ سے انوشہ کو آگے لانے کا اشارہ کیا تھا۔ سارہ جنبش دیتی ہوئی اسے ساتھ لے کر چلنے لگی تھی۔

''مجھے آج اندازہ ہوا۔ میری چھٹی حس غلط نہیں تھی۔'' اور انوشہ نے مسکرا کر سارہ سے کہا تھا جس پر سارہ نے مدھم تبسم سے انوشہ کو دیکھا تھا۔

''ہاں! تم ٹھیک تھیں پر حالات ہمارے حق میں نہیں تھے۔''

سب دوست احباب ایک میز پر موجود تھے اور سارہ اور زین سب سے ملتے ہوئے ان کی طرف بڑھنے لگے تھے جب یکا یک دانیال سے سارہ کا سامنا ہوا تو وہ پل بھر کے لیے رک گئی تھی۔ اسے معلوم نہیں تھا کہ سر جعفر کے ساتھ دانیال بھی آیا ہوا تھا۔ آج بھی اس کی وجاہت میں کوئی کمی نہیں تھی۔ وہ سمارٹ سالڑکا اپنی جاذبیت لیے کئی نظروں کا مرکز بنا ہوا تھا اور سارہ کو دیکھ کر اس کی آنکھوں میں الگ چمک تھی۔

''السلام علیکم سارہ صاحبہ! کیسی ہیں آپ؟'' وہی شائستہ انداز۔ سارہ نے زین کی طرف دیکھا جو سارہ سے تعارف کا منتظر تھا۔

''وعلیکم السلام۔ میں ٹھیک ہوں۔ دانیال صاحب! آپ میرے ہسبنڈ سے ملیں زین سرفراز سرور اور زین، یہ سر جعفر کے بیٹے دانیال جعفر ہیں۔''

''السلام علیکم۔'' زین نے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا جسے گرم جوشی سے دانیال نے تھاما تھا۔

''مل کر اچھا لگا آپ سے۔'' زین نے کہا۔

''خوشی ہوئی سارہ اور آپ کو ایک ساتھ دیکھ کر۔'' دانیال نے کہا۔

''آپ کا شکریہ! ویسے آپ کدھر بیٹھے ہیں؟ ہمیں جوائن کریں آپ کو دیکھ کر تو یہی لگتا

ہے کہ ہمارے ہم عمر ہی ہیں۔'' زین کی بات پر وہ مسکرایا تھا۔

''جی جی خیر سے اب تک شادی نہیں ہوئی۔'' اور دانیال کے انکشاف پر سارہ جس کے لبوں پر فرحت بکھری ہوئی تھی فوراً سمٹ گئی تھی۔ دانیال کی نظریں خود پر محسوس کرتی ہوئی سارہ کو عجیب سا احساس ہوا تھا۔

''اچھا؟ چلیں دعا ہے آپ کی بھی جلد شادی ہو۔'' اور زین نے مسکرا کر اسے جوائن کرنے کا اشارہ کیا تھا۔ وہ خود جب آگے بڑھا تو سارہ نے دانیال کی طرف دیکھا تھا۔

''مجھے ایسا کیوں لگتا ہے کہ میں دو لوگوں کے بیچ مخل ہو گیا تھا۔'' اور دانیال نے تجسس لیے سارہ سے پوچھا تھا جس نے فقط خاموشی پر اکتفا کیا تھا۔

''خیر میں خوش ہوں آپ کے لیے سارہ۔'' اور اس نے یہ کہہ کر سارہ کو ریلیکس کیا تھا جو پل بھر میں نروس ہوئی تھی کیونکہ اس نے زین سے دانیال کے حوالے سے کوئی بات نہیں کی تھی۔ اور وہ چاہتی بھی نہیں تھی کیونکہ جس بات کا کوئی جواز ہی نہیں تھا اس کا ذکر کر کے مزید بتنگڑ کیوں بنایا جائے؟ دانیال ان کے ساتھ چلتا ہوا اسی میز تک آگیا جہاں سب دوست احباب موجود تھے۔ خوب خوش گپیوں میں وقت گزر رہا تھا۔ دانیال سب سے مل کر بے حد خوش ہوا تھا۔ اس کے برابر میں بیٹھی انوشہ جو شازیہ سے بات کر رہی تھی دانیال کی نظروں سے اوجھل نہیں تھی۔

''ہیلو! میں دانیال جعفر اور آپ؟'' اس کا شائستہ انداز انوشہ کو بھی اسیر کر گیا تھا۔

''انوشہ صفدر۔'' انوشہ نے کہا۔

''صفدر؟ وہ آپ ان کی بیٹی تو نہیں؟'' کچھ سوچ کر دانیال نے انوشہ سے پوچھا تھا۔

''جی صفدر اینڈ کمپنی کے مالک صفدر علی کی بیٹی ہوں۔''

''اوہ گاڈ ہماری کمپنی کا تو آپ کی کمپنی کے ساتھ کئی بار رابطہ ہوا ہے۔'' دانیال نے اسے

معلومات سے آگاہ کیا تو وہ بھی اس اتفاق پر حیرت سے دیکھنے لگی تھی۔ اس کا سلجھا انداز اور تیکھے نقوش دانیال کو بھلے لگے تھے۔ سارہ نے دونوں کو ایک دوسرے سے باتیں کرتے مصروف پایا تو دل میں کہیں اشارتاً یہ احساس ہوا کہ شاید اب دانیال کو اس کا بیٹر ہاف مل گیا تھا۔ وہ سوچتی ہوئی زین کی جانب رخ کر گئی جو زنیرہ اور ارسلان سے کچھ بات کر رہا تھا اور ان کی گفتگو کا حصہ بن گئی تھی۔

☆......☆......☆

چھ سال بعد:۔

''ہیپی برتھ ڈے ٹو یو...... ہیپی برتھ ڈے ٹو یو۔'' شکاگو کے پوش علاقے میں موجود ایک بڑے وِلا کے بیک یارڈ میں سال گرہ کا فنکشن منایا جا رہا تھا۔ زین کی گود میں جھومتی ہوئی ساڑھے تین سالہ نور العین اپنے بابا سے چمٹی ہوئی تھی، ساتھ ہی کھڑی سارہ اپنے دو سال کے بیٹے آیان کا ہاتھ پکڑ کر کیک کاٹ رہی تھی۔ سارہ کے برابر میں ارم بھی موجود تھیں جو سارہ کے بے حد اصرار پر ان کی شادی کے ایک سال بعد ہی ان کے پاس شفٹ ہوگئی تھیں اور امریکہ سے ہی اپنا کام جاری رکھا تھا۔ ساتھ ہی شکاگو میں بھی کلاسز دینے لگی تھیں۔

آیان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ ایک ہاتھ سے پورا کیک نوچ ڈالے۔ بے حد شرارتی سا بچہ پھولے گالوں کے ساتھ سب کو دیکھ کر مسکراتا ہوا کبھی اپنی ماں کے گال نوچ رہا تھا تو کبھی کیک پر جھپٹنے کی پوری کوشش میں لگا ہوا تھا۔ جبکہ نور العین جو سادہ طبیعت کی حامل تھی زین کی گود میں چڑھی ہوئی اپنے بھائی آیان کو دیکھ کر ننھے ہاتھوں سے اپنا ہی ماتھا پیٹ رہی تھی۔ مہمانوں نے گانا بند کیا اور ہر سو تالیوں کا شور گونجنے لگا تھا۔ سارہ نے ایک چھوٹا پیس اپنے دونوں بچوں کے منہ میں ڈالا۔ اس کے بعد ایک ایک پیس کاٹ کر زین اور ارم کو کھلایا۔

آیان نے ٹھیک ٹھاک سارہ کو ہلا ڈالا تھا۔ وہ تھری منتھس پریگننٹ تھی اور آیان صحت مند بچہ تھا۔ ارم نے آیان کو اپنی گود میں لے لیا اور سارہ کیک کے پیس کاٹ کر ہر بچے کو سرو کرنے لگی تھی۔ ثانیہ کی بیٹی ماہا نے نورالعین کو ساتھ کھیلنے کا اشارہ کیا تو وہ زین کی گود سے اتر کر اس کے پاس جا بھاگی تھی۔ بوفے سسٹم ارینج کیا گیا تھا جہاں سے اشتہاء انگیز خوشبوئیں ہوا میں پھیلی ہوئی تھیں۔ ملازم مستعدی سے مہمانوں کو فریش جوس سرو کر رہے تھے۔ ایک طرف بچوں کے لیے پروگرام منعقد کیا گیا تھا جہاں تھوڑی دیر میں میجک شو اور اس کے بعد پپٹ شو شروع ہونے والا تھا۔ نیلے رنگ کے غباروں اور ربن سے بیک یارڈ سجایا ہوا تھا جو خاصا خوبصورت لگ رہا تھا۔

زین آج بھی ویسا ہی سمارٹ اور گڈ لکنگ تھا اور مزید وقت کے ساتھ ساتھ پروقار اور میچور دکھائی دیتا تھا۔ چہرے پر وہ ہی مسکراہٹ جو ہمیشہ سے تھی آج بھی موجود تھی اور وہ سارہ کے ساتھ کھڑا ہوا ہمیشہ تسکین محسوس کرتا تھا۔ لہٰذا ابھی بھی چہرے پر سکون تھا۔ البتہ سارہ پہلے جیسی نہیں رہی تھی۔ شادی کے کچھ ہی عرصے میں سارہ کا رنگ مزید کھلنے لگا تھا۔ بتدریج اس کے چہرے پر رونق نمایاں ہوتی رہی تھی اور جیسی مسکراہٹ زین کے چہرے پر تھی وہ ہی سارہ کے چہرے پر بھی مستقل جگہ بنا گئی تھی۔ اس نے کئی عرصہ پہلے ہی منفی خیالات کو پیچھے چھوڑ کر مثبت سوچ کو مضبوطی سے تھام لیا تھا۔ ماحول کا اثر تھا۔ زین اور ارم نے اسے مکمل طور پر بدل دیا تھا۔ برا خواب جس نے اس کے اوسان خطا کر رکھے تھے برسوں پہلے نیند سے ناتا توڑ کر ختم ہو گیا تھا۔ بالآخر اس نے دستک پر دھیان دے کر وہ دروازہ وا کیا تھا جس نے اس کی زندگی میں صرف خوشیاں ہی خوشیاں لکھی تھیں۔ ایسا نہیں تھا کہ مشکلات نہیں تھیں۔ دنیاوی زندگی میں مومن کے لیے تو مشکلات اور آزمائشیں لکھی ہیں۔ ان سے چھٹکارا پانا ناممکن ہے۔ پر اسے

مشکلات اور آزمائشوں کو فیس کرنا آ گیا تھا۔ زین کی سنگت میں رہ کر اسے زندگی سے محبت ہونے لگی تھی اور ہر وقت ذکر شکر کا ورد اس کے لبوں پر رہتا تھا۔

برسوں پہلے ماضی سے جڑے تلخ واقعات کی شکل بدل گئی تھی۔ اب انہیں یاد کر کے وہ رویا نہیں کرتی تھی بلکہ اس میں مثبت پہلو تلاش کر کے اپنے رب کے حضور سجدہ شکر کیا کرتی تھی اور ارم کو دیکھ کر اس نے ٹھان لیا تھا کہ ہر لحاظ سے اپنے بچوں میں بھی یہ ہی سوچ منتقل کرے گی۔ تاکہ وہ بھی کبھی ناامید اور ناشکری کی طرف قدم نہ رکھیں۔ اس مکمل تغیر نے سارہ کو بے حد پرکشش اور مزید حسین کیا تھا۔ حالانکہ عمر بڑھ رہی تھی لیکن زین اور سارہ اپنی عمر سے چھوٹے اور خوبصورت دکھائی دیتے تھے۔ برسوں پہلے جس لڑکی کو اس نے چھت پر محو استراحت پایا تھا جس نے اس وقت اس کے ہوش اڑا دیئے تھے۔ وہ لڑکی اب ہر وقت اس کی آنکھوں کے سامنے تھی۔ اسے احساس ہوتا تھا کہ جیسے جیسے دن گزرتے جا رہے تھے زین کی محبت میں اضافہ ہوتا رہا تھا۔ وہ ایک پل بھی سارہ کے بغیر تصور نہیں کرتا تھا بلکہ بقول سارہ کے اس کے دو نہیں تین بچے تھے کیونکہ زین بھی اس کے آگے پیچھے رہ کر اس کا ٹھیک ٹھاک وقت لیا کرتا تھا۔ پر بدلے میں اس نے سارہ کا ایک ایک نخرہ اٹھایا تھا۔

''اوہو آیان۔'' ارم آیان کو گود میں بٹھا کر کیک کھلا رہی تھیں جب اس بے صبرے بچے نے اپنے ننھے ہاتھ سے کیک کا پیس جھپٹا تو تھا ہی پھر ہاتھ پونچھنے کے لیے اپنے ہی کپڑوں سے صاف کر دیا تھا۔ ارم اسے چینج کرانے کے لیے اٹھی تھیں جب سارہ چلتی ہوئی ان کے پاس آئی تھی اور آیان کو دیکھ کر اس نے فرضی غصے سے اسے گھورا تھا۔

''پھر کپڑے گندے کر دیئے۔'' سارہ نے ارم سے کہا۔

''کس قدر چلبلا ہے یہ پورا زین پر گیا ہے۔'' ارم نے بے بسی سے سارہ سے مسکرا کر کہا تھا۔

”لائیں دیں میں اسے چینج کروادوں۔“ سارہ نے ارم کی بات پر ہنس کر کہا۔

”ارے نہیں بیٹا تم یہیں رہو میں کروادیتی ہوں اسے۔ تمہیں مزید تھکا دے گا۔“ ارم نے کہا۔

”مما چینج کرنے میں بھی تنگ کرتا ہے خواہ مخواہ آپ کو مزید نہ بھگائے۔ میں کروادیتی ہوں۔“ اور ارم کو معلوم تھا کہ آیان سارہ کے ساتھ پھر بھی ٹھیک چلتا تھا۔

”نورالعین کو کیک کھانا تھا۔ پتہ نہیں کہاں ہے؟“ سارہ نے ارم سے کہہ کر متلاشی نگاہوں سے اطراف کا جائزہ لیا۔

”وہ تو ماہا کے ساتھ کھیل رہی تھی پھر زین ہی اسے کھلا رہا تھا۔ تم اسے چینج کرواؤ میں دیکھتی ہوں۔“ ارم کہتی ہوئی آگے بڑھیں اور سارہ آیان کو لے کر بیڈروم کی طرف چلی گئی تھی۔

”بابا اول تیت تھانا ہے۔“ نورالعین نے زین سے اپنی توتلی زبان میں کہا تھا۔ وہ شایان کے ساتھ بیٹھا باتوں میں مصروف تھا اور نورالعین کی دیکھ بھال کر رہا تھا۔

”ایک پیس بہت ہے بیٹا۔ مما نے کہا تھا صرف ایک پیس کھلانا۔“ زین نے ننھی بچی کو پیار سے کہا تھا۔

”پل مدھے اول تھانا ہے۔ مما سے پوتھیں۔“ وہ بسورتی شکل لیے ضد کرنے لگی تھی۔

”لاؤ شایان انکل آپ کو کھلاتے ہیں۔“ اور شایان کو اس پر بے حد پیار آیا تو اسے گود میں لے لیا

”جب بیوی کہے ایک پیس تو بس ایک ہی پیس! سارہ نے کوئی وجہ ہوگی جو کہا ہوگا۔“ اور ثانیہ جو برابر بیٹھی تھی ایک دم کہنے لگی تھی۔

”مما ہیں تہاں؟“ اتنی دیر میں نورالعین نے پورا بیک یارڈ آنکھوں سے چھان مارا تھا۔ اور جب اسے سارہ کہیں نہیں دکھائی دی تو اس نے زین سے پوچھا۔

”یہیں تو تھی کہاں گئی۔“ زین نے بھی اب کی بار دیکھا تو کنفیوز ہوا۔ آیان بھی نظر نہیں

آ رہا تھا۔

''لگتا ہے آیان کو چینج کرنے گئی ہوگی۔'' زین نے سوچ کر کہا۔

''بابا! مما پاس دانا ہے۔'' اور نورالعین نے پھر زین کی طرف ہاتھ بڑھا لیے جو شایان کی گود میں تھی۔ زین نے محبت واپنائیت سے اپنی بیٹی کو تھاما اور شایان اور ثانیہ کو ایکس کیوز کرتا ہوا گھر کے پچھلے دروازے سے داخل ہونے لگا تھا جب اس کی ارم سے مڈبھیڑ ہوئی۔

''مام! سارہ کہاں ہے؟'' زین نے پوچھا۔

''وہ تو آیان کو چینج کرنے گئی ہے۔ نورالعین میری جان کیک کھایا؟'' ارم نے نورالعین کا ہاتھ چوم کر اس سے پوچھا۔

''دادی دان اول تھانا ہے۔'' نورالعین نے پھر فرمائش کی۔

''نہیں ویسے ہی طبیعت خراب تھی آپ کی بیٹے۔ انشاءاللہ ٹھیک ہوگی تو اور کھلائیں گے او کے بیٹا۔'' ارم نے پیار سے اسے سمجھایا تو نورالعین نے بلا حجت مان لیا۔

''بابا! مما چاہئے۔'' نورالعین نے ٹمٹماتی آنکھوں سے پھر زین سے کہا۔ اور وہ اسے لیتا ہوا اندر چلا گیا۔

سارہ آیان کو چینج کروا کر اس سے باتوں میں مگن تھی جب زین اور نورالعین کو اندر آتا دیکھا۔

''مما! تیت تھا لیا۔'' نورالعین نے جیسے ہی سارہ کو دیکھا تو بڑی سی مسکراہٹ سے سارہ سے کہا تھا۔

''ارے واہ میرا بچہ۔ میں آ تو رہی تھی کیا ہوا؟'' سارہ نے زین سے پوچھا۔

''میں اور میری شہزادی میری ملکہ کے بغیر رہ ہی نہیں سکتی۔ کیا کریں۔'' اور زین کی بات پر سارہ نے نورالعین کو گود میں لے لیا اور گال پر بوسہ دے دیا۔

”مما! میدک تھوتب تھلوہودا؟“ نورالعین نے پوچھا۔

”ارے ہاں اب تک شروع نہیں ہوا؟“ سارہ نے زین سے پوچھا۔

”میرا خیال ہے کہ تھوڑی دیر میں شروع کر دیں گے۔“ زین نے آیان کو بستر سے اتارا تو وہ بھاگتا ہوا دروازے سے باہر نکلا۔

”آیان! ادھل آؤ۔“ اور نورالعین بڑی بہن تھی لہٰذا فکر لیے اس کے پیچھے بھاگی تھی۔

”اب میں نہیں بھاگ رہی۔ آپ جائیں۔“ اور سارہ نے تھکان سے زین سے کہا تھا جو سارہ کو ہنس کر دیکھ رہا تھا۔

”بیک یارڈ ہی جا رہے ہیں دونوں فکر مت کرو۔ تمہیں کہا تھا چینج کرنا ہو تو مجھے بتا دینا کیوں سٹریس لے رہی ہو۔“ اور زین نے اس کی پشت پر ہاتھ رکھ کر رسانیت سے کہا تھا۔

”آپ بھی تو صبح سے لگے ہوئے ہیں۔“ اور سارہ کے چہرے پر اپنے لیے محبت دیکھ کر وہ ہر بار کی طرح اس بار بھی بے خود ہوا تھا۔

”تجھ سے کس طرح میں اظہار تمنا کرتا
لفظ سوجھا تو معانی نے بغاوت کر دی۔“

اور آج کل زین کو نیا ہی شوق چڑھا ہوا تھا۔ وہ نایاب قسم کے اشعار یاد کر کے سارہ کا خوب دماغ کھاتا رہتا تھا۔ اس وقت بھی سارہ نے ضبط سے سانس خارج کی اور زین کی جانب دیکھا۔

”شاعر صاحب! یہ بھی بتا دیں اس شعر میں شاعر کیا کہتا ہے؟“ اور سارہ کی بات پر اس نے ملامتی نظروں سے سارہ کو دیکھا تھا۔

”میرے ٹھیک ٹھاک شعر کی ریڑھ لگا دی تم نے۔“ اور زین کو زچ ہوتا دیکھ کر وہ کھل کھلا کر ہنس پڑی تھی۔

"تم حسن کی خود اک دنیا ہو شاید یہ تمہیں معلوم نہیں
محفل میں تمہارے آنے سے ہر چیز پہ نور آ جاتا ہے۔"

وہ پھر گویا ہوا اور سارہ نے ہاتھ سے ماتھا پیٹ ڈالا۔

"مسٹر زین سرور! یہ جو برتھ ڈے پارٹی رکھی ہے نا۔ اس کے میزبان ہیں آپ۔ یاد ہے نا آپ کو؟" وہ زین کو لتاڑنے لگی تھی جو سارہ کو چھیڑتے ہوئے محظوظ ہو رہا تھا۔

"دیکھو ذرا۔ کہا تھا میں نے یہ دونوں اپنے میں ہی مگن ہوں گے۔ جناب مہمان میزبان کے انتظار میں سوکھ رہے ہیں۔" ثانیہ شایان کے ساتھ چلتی ہوئی اندر آئی تھی جب وہ دونوں اسے کمرے سے نکلتے ہوئے دکھائی دیئے۔

"ارے ثانیہ بی بی، فکر نہ کریں آ رہے ہیں۔" زین نے وہیں سے کھڑے ثانیہ کو ہاتھ کا اشارہ دے کر کہا تھا۔

"یہ پکا بھابھی کا دماغ کھا رہا ہوگا۔ کیوں بھابھی! کوئی نیا شعر سنایا نا اس نے؟" شایان نے سارہ کو مخاطب کیا۔

"بالکل! آپ سمجھائیں نا ان کو۔ معلوم نہیں کہاں سے شوق پال لیا ہے۔" سارہ نے زچ ہو کر کہا۔

"یہ کچھ دیر پہلے ہی ایک شعر یاد کرتا ہوا کہہ رہا تھا کہ سارہ کو سنا کر تنگ کروں گا۔" اور زین نے سرزنش کرتی نگاہوں سے شایان کو گھورا تھا جو شوخ سی ہنسی سے اسے چھیڑنے لگا تھا۔

"اب اتنا بھی اس کے آگے پیچھے شعر مت پڑھو، پتہ چلا تیسرا آداب آداب کہتا ہی آ گے دنیا میں۔" اور ثانیہ نے موقع دیکھ کر زین کو لتاڑا تھا۔

"آداب۔" اور زین نے ہاتھ کو ماتھے تک لا کر ثانیہ سے کہا تھا۔

''تخلیہ۔'' اور یہ سب سن کر سارہ زچ ہوتی ہوئی کہہ کر آگے بڑھی تھی کہ تینوں اس کے برجستہ کہنے پر ہنس پڑے تھے۔

''چلو آجاؤ۔'' ثانیہ اور شایان کہتے ہوئے جوں ہی آگے بڑھے زین نے سارہ کو تھام کر وہیں روک دیا۔

''زین! بس اب اور نہیں۔'' اور سارہ نے غصے سے زین سے کہا تھا جس نے اس کے شانوں پر ہاتھ رکھ کر محبت سے دیکھا تھا۔

''ایک آخری۔'' اور وہ لجاجت سے کہتا ہوا سارہ کو مجبور کر گیا تھا۔

''ارشاد۔'' سارہ نے منہ پھلا کر کہا۔

''میں چاہتا تھا کہ اس کو گلاب پیش کروں
وہ خود گلاب تھا اس کو گلاب کیا دیتا؟''

اور وہ جس قدر شدتِ محبت سے گویا ہوا سارہ نے حیا کو چھپاتے ہوئے آگے بڑھنے پر اکتفا کیا تھا۔ عقب میں وہ اسے دیکھ کر ہنستا ہوا اس کی تقلید میں چلنے لگا تھا۔ بیک یارڈ میں میجک شو شروع ہو گیا تھا اور نور العین آیان کو تھامے ہوئے اسے لے کر باقی بچوں کے ساتھ بیٹھی ہوئی لطف اندوز ہو رہی تھی۔ وہ دونوں بھی بیک یارڈ میں داخل ہوتے ہوئے میزبانی میں جت گئے تھے۔

پھر کبھی سارہ کی آنکھوں سے غم کے آنسو نہ بہے۔ پھر کبھی اس نے خود کو اکیلا نہ محسوس کیا۔ زندگی جیسے ہر پل خوشیاں ہی خوشیاں دے رہی تھی۔ زین کی بے لوث محبت سے وہ نکھر اٹھی تھی۔ جب اللہ کوئی راستہ بند کرتا ہے تو کئی راستے ساتھ ساتھ کھول بھی دیتا ہے۔ زندگی تب ہی اچھی لگتی ہے جب ہم منفی خیالات کو اپنے ذہن سے دور کر دیں۔ اگر ہم اپنے سوچنے کی

صلاحیت پر غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب سے بڑی نعمت ہے جو اللہ نے ہمیں دی ہے۔ یہ ایسی طاقت ہے جسے ہم اکثر اہمیت نہیں دیتے۔ ہمارا پورا وجود ہی اس پر منی ہوتا ہے۔ اگر ہم اچھا سوچیں گے تو ہمیشہ ہر حال میں خوش ہی رہیں گے اور اگر ہم منفی خیالات کے گھیرے میں ہوں گے تو ہر اچھی چیز بھی بری لگنے لگے گی۔ پر کبھی کبھی یہ خیالات واقعی ہمارے بس میں نہیں ہوتے اور انسان بشر ہے۔ یہ سب حیوانوں کے ساتھ تو ہونے سے رہا لیکن ایک سیدھی سی بات کو پکڑ لیں کہ اللہ کسی کا بھی ساتھ نہیں چھوڑتا اور کوئی نہ کوئی ذریعہ بنا ہی دیتا ہے پھر چاہے وہ کسی بھی صورت میں ہو۔ یہ سوچ ہی ہے جو انسان کو یا تو پل پار کرا دیتی ہے یا پھر کنارے پر ہاتھ پر ہاتھ رکھے بٹھائے رکھتی ہے۔

اس کہانی میں سارہ کو زین کی صورت ایک ایسا شخص مل گیا تھا جو اسے مکمل طور پر بدل گیا تھا۔ پر اصل حقیقت میں کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی نہ ملے۔ ضروری نہیں کوئی ذریعہ ہی ہو جو آپ کی راہِ راست بنے۔ کبھی کبھی اللہ خود براہِ راست بندے کی مدد کرتا ہے۔ صرف اشارے کو سمجھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ مصیبتیں آئیں یا نہ آئیں، انسان منفی خیالات کا شکار ہو ہی جاتا ہے۔ ایسے میں اس بات کا خیال رکھیں کہ زبان وہ ہتھیار ہے جسے بلاضرورت استعمال کیا جائے تو اس سے زیادہ تکلیف دہ ضرب کوئی شے نہیں دے سکتی۔ لہٰذا زبان کا استعمال محفل میں سوچ کر کریں۔ کیا پتہ آپ کی کسی بات سے کسی کی دل آزاری ہو جائے۔ حسنِ زبان بنیں۔ حسنِ اخلاق رکھیں۔ ہم جس دور میں موجود ہیں یہاں کوئی کسی کا نہیں۔ نفسا نفسی کا دور ہے۔ ایسے میں حقوق العباد نہ بھولیں۔ آپ کے لبوں سے نکلا ایک لفظ کسی کا دن یا تو بنا سکتا ہے یا اجاڑ سکتا ہے۔ اب خود ہی سوچیں کون سا راستہ اپنائیں گے؟

اگر آپ مثبت سوچ کے مالک ہیں تو آپ سے گزارش ہے کہ اپنے اردگرد اس سوچ کو

پھیلائیں اور لوگوں کو اس کی دعوت دیں۔ اللہ نے آپ کو اگر یہ صلاحیت دی ہے تو آپ دوسروں کے کام آئیں۔ ان کے پاس جائیں اور ان کی مدد کریں اور اگر کچھ نہ بھی کر سکیں تو صرف سن لیں۔ آج کل ایسے لوگوں کی بھی اشد ضرورت ہے۔ گڈ لسنر ہونا ایک آرٹ ہے اور یہ فن ہر انسان میں ہونا چاہیے۔

پر اگر آپ منفی خیالات رکھتے ہیں تو ایک مثبت سوچ میں آپ کو دیتی ہوں، بقول ایلکس کے مشکل کچھ بھی نہیں صرف انسان کے سوچنے کا نظریہ ہے۔ وہ چاہے تو مشکل چیز کو آسان بنا سکتا ہے اور آسان کو مشکل۔ جب اللہ نے اپنے کسی بندے کا ساتھ نہیں چھوڑا تو وہ آپ کا کیوں چھوڑے گا؟ آپ کے اندھیروں میں بھی روشنی لے آئے گا۔ آپ کے لئے بھی ذریعہ بنا دے گا تو چلیں ارم کی کلاس کا ایک سیشن آپ کے ساتھ کر لیتے ہیں۔

اپنی آنکھیں بند کریں اور دل پر ہاتھ رکھ لیں۔ اپنے اردگرد جو اچھا منظر آپ کو لگتا ہے صرف اسے سوچیں پھر چاہے وہ کچھ بھی ہو۔ اب خود سے کہیں کہ آپ اچھے ہیں، آپ بہت اچھے ہیں، آپ کبھی ہار نہیں مانیں گے، آپ خود کو ثابت کر کے دکھائیں گے۔ آپ وہ کر سکتے ہیں جو آپ کرنا چاہتے ہیں اور آپ کی منزل قریب ہے اور آپ اسے حاصل کرنے والے ہیں۔ رہی بات دنیا کی تو جناب اس کی پروا نہ کریں۔ اللہ پر آپ کا بھروسہ آپ کو کمزور ہونے نہیں دے گا۔

اب آنکھیں کھولیں اور اٹھ کر کھڑے ہو جائیں اور اپنی نفس اور اپنے خیالات سے جنگ کریں۔ یاد رکھیں صرف آپ میں ہی طاقت ہے اسے قابو کرنے اور بدلنے کی۔

ختم شد......